مسلم - قادیانی مناظرانہ ادب کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

مقالہ برائے پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ

مقالہ نگار :

سلطان سکندر

رول نمبر: AF837473

رجسٹریشن نمبر: 97PKB0243

اسسٹنٹ پروفیسر IMCB,G-10/4 اسلام آباد

نگران مقالہ:

پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی

ڈین کلیہ عربی و علوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

معاون نگران:

پروفیسر ڈاکٹر ظفر اللہ بیگ

چیئرمین شعبہ تاریخ اسلامی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی و علوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

سیشن 2012

Declaration

I Sultan Sikandar S/O Mian Muhammad Roll No AF837473 Registration No. 97-PKB-0243 Student of PHD at the Allam Iqbal Open University do hereby solemnly declare that the thesis entitled:

مسلم قادیانی مناظرانہ ادب کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

Submitted by me in partial fulfillment of PHD degree in Islamiat is my original work and has been submitted or published earlier and shall not in future submitted by Me for obtaining any degree from this or another University or Institution.

Signature:…………………..

Sultan Sikandar

Roll No. AF837473

Acceptance by The Viva Voce Committee

Title of thesis (مسلم قادیانی مناظرانہ ادب کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ) name of student Sultan Sikandar accepted by the faculty of Arabic and Islamic Studies, Allama Iqbal Open University in partial fulfillment of the requirements for the PHD degree in Islamiat.

Viva voce Committee

Dean: ________________________

Chairman/Director ________________________

External Examiner: ________________________

Supervisor: ________________________

Dated: ________________________

Allama Iqbal Open University

The coordinator,
PHD Islamic Studies Programme,
Allama Iqbal Open University,
Islamabad.

Sir,

Mr. Sultan Sikandar, a student of PHD (Islamic Studies) has satisfactory Completed his PHD thesis entitled. مسلم قادیانی مناظرانہ ادب کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ under my Guidance/ supervision.

I am satisfied with the quality of student's research work. He may kindly be allowed to submit his final thesis and dues accordingly.

Sincerely

Prof. Dr Ali Asghar Chishti
Dean :F/O AIS, AIOU
Islamabad

اظہار تشکر

الحمد لله رب العالمين الرحمن الرحيم مالک يو م الدين واز کی الصلوات و اطيب التسليمات و اسنی التحيات علی حبيبه المعظم و نبيه المکرم سيد ولد آدم مولانا محمد ان المبعوث رحمة للعالمين قائد الغر المحجلين وعلی آله الطيبين واصحابه المکرمين الهم اياک نعبد و اياک نستعين اهدنا الصرط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين امين بحق طه و يس

حمد وصلاۃ کے بعد ! مقالہ نگار کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کا بے حد ممنون ہے کہ جس نے اس ہم عنوان پر کام کرنے کا موقع فراہم کرنے کے ساتھ ہر ممکن تعاون فراہم کیا ہے۔

میری یہ تحقیقی کاوش اس وقت بے معنی ہو گی جب تک میں اپنے مقالہ کے نگران استاد محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی ڈین کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے قدم ، قدم پر میری رہنمائی کی ۔اپنی گو نا گوں مصروفیات کے باوجود اس مشکل کام میں میری دستگیری کی اور مجھے اس قابل بنایا کہ میں اس مقالے کو تحریر میں لا سکوں اور یہ حقیقت ہے کہ میں اس مقالے کو تحریر کرنے کے قابل ہر گز نہ ہوتا اگر استاذی المحترم جناب پروفیسر ڈاکٹر ظفر اللہ بیگ کی رہنمائی مجھے میسر نہ آتی۔ اس مقالے میں جو خوبیاں ہیں وہ یقیناً میرے نگران اور استاذی المحترم کی مرہون منت ہیں اور جو کوتاہیاں ہوں گی اس کی وجہ میری ذات کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ سب سے بڑھ کر میں جناب پروفیسر امجد اقبال کا ممنون احسان ہوں جن کے تعاون سے مجھے انتہائی ضروری مواد تک رسائی ہوئی۔ برادرم پروفیسر سلمان شاہد صاحب کا میں جتنا شکریہ ادا کروں کم ہے اس مقالہ کی بروقت تیاری میں ان کا حوصلہ افزاء کردار قابل تحسین ہے اور ان کے ساتھ ساتھ پروفیسر ناصر علی سلیم صاحب کا بھی بے حد شکر گزار ہوں جنہوں نے میری ہر موقع پر ڈھارس بندھائی۔

میں اپنے تمام دوستوں اور بزرگوں کا شکر گزار ہوں ۔ خصوصاً جناب پروفیسر ڈاکٹر معین الدین ہاشمی شعبہ حدیث اور سیرت علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی جنہوں نے میری علمی رہنمائی کی اور اس مقالے کے خاکے کی تیاری میں بھرپور مدد کی۔

اس کے علاوہ میرے مربی جناب ایسوسی ایٹ پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد سجاد صدر شعبہ تاریخ وثقافت اور جناب ایسوسی ایٹ پروفیسر ڈاکٹر حافظ غلام یوسف صاحب صدر شعبہ اسلامک لاء علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کا بے حد ممنوں ہوں جنہوں نے شفیق بھائیوں کی طرح سرپرستی کی اور مقالہ کو ضبط تحریر میں لانے کے دوران جتنی مشکلات پیش آئیں ان میں میری مدد کی۔

میں رانا شاہد محمود کا بھی شکر گزار ہوں ۔ انہوں نے انتہائی محنت کے ساتھ مختصر وقت میں میرے اس مقالے کو کمپوز کیا میں ایک بار پھر استاد محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی ڈین کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آبا کا شکریہ ادا کرتا ہوں ۔انہوں نے نہایت کاوش اور محنت کے ساتھ میری مشکلات کو دور کیا اور پوری پوری رہنمائی کی۔

اگر میں نے اس مقالے کی تالیف سے دین کی کوئی خدمت انجام دی ہے تو یقینا یہ سب حضرات اس اجر میں برابر کے شریک ہیں۔

آخر میں میں خدا بزرگ و برتر کی بارگاہ میں سر بسجود ہوں کہ جس نے مجھے اس نیک کام کو انجام تک پہچانے کی توفیق بخشی۔

مقالہ نگار

سلطان سکندر

موضوع کا تعارف اور اہمیت

انسانیت کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے اللہ تعالی نے مختلف اقوام میں انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا اور ان میں سے بعض پر اپنی کتابیں بھی نازل فرمائیں۔ انسانیت بتدریج ترقی کی منازل طے کرکے جب اس مقام پر پہنچ گئی جس میں حتمی ہدایت کی ضرورت تھی تو پھر پوری انسانیت کی ہدایت کے لیے اللہ تعالی نے آخری پیغمبر کو مبعوث فرمایا اور اس پر اپنی آخری کتاب قرآن مجید نازل فرمائی۔ رسول اللہؐ کی بعثت تمام اقوام اور تمام زمانوں کے لیے ہے۔ آپ کو جو شریعت اور دین عطا ہوا وہ مکمل، حتمی اور آخری دین ہے۔

مسلم فکر میں عقیدہ ختم نبوت ایک مسلمہ عقیدہ ہے۔ نصوص شریعہ میں اس کے قطعی دلائل موجود ہیں۔ اور گزشتہ چودہ سو سال سے امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عقیدہ ختم نبوت اسلامی تہذیب و تمدن کا ایسا مینار نور اور مرکز و منبع رشد و ہدایت ہے جس سے آج بھی امت اسلامیہ مستنیر ہو رہی ہے اور قیامت تک اس کے علم و عرفان سے مستفیض ہوتی رہے گی۔

جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد مسلمانوں کے دل شکست کے صدمہ کی وجہ سے بری طرح مجروح ہو گئے اس وقت مسلمان انگریزوں کی سیاست کے بڑھتے ہوئے آثار اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے تھے کیونکہ انگریزوں نے ہندوستان پر قابض ہوتے ہی اسلامی تہذیب و تمدن اسلامی عقائد اور جذبہ جہاد کو نیست و نابود کرنے کی مکروہ کوششیں شروع کر دی تھیں ہندوستان کے اطراف و اکناف میں پادری مسیحیت کا پرچار کرکے مسلمانوں کے عقائد کو متزلزل کرنے میں پوری طرح مصروف ہو گئے دور و نزدیک جدید تعلیم کے نام پر مسلمان نسل کو دین سے دور جانے کی بھرپور کوشش شروع ہو گئی پادریوں اور علماء اسلام کے مناظرے روزمرہ کا شعار بن گئے علماء اسلام حقانیت دین پر مسکت دلائل دے رہے تھے مگر اس کے باوجود عقائد و افکار میں ایک تنزلزل پیدا ہوتا دکھائی دے رہا تھا اور خود ملت اسلامیہ کے اندر ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت فرقہ پید ہور ہا تھا جس سے جہاں مسلمانوں میں ایک طرف ذہنوں میں انتشار اور طبیعتوں میں بے زاری پیدا ہوئی تو دوسری طرف اسلام کے وقار اور احترام کو بھی شدید صدمہ پہنچا۔

عقیدہ ختم نبوت تمام ساوی ادیان کے ہاں ہمیشہ سے ایک بنیادی مسئلہ رہا ہے ان ادیان میں یہودیت عیسائیت اور اسلام خاص طور پر قابل ذکر ہیں ان سب کا دار مدار ادارہ نبوت پر ہے ان میں سے ہر ایک نے یہ دعوی کیا ہے کہ انہی کا مذہب خدا کا آخری اور مکمل دین ہے اس کا نبی آخری نبی ہے جس کے ذریعے اللہ تعالی نے بنی نوع انسان کو ہدایت کی ہے۔

یہودیت نے یہ دعوی نہیں کیا ہے کہ حضرت موسی آخری نبی تھے لیکن یہ دعوی ضرور کیا ہے کہ ان پر خدا نے آخری اور مکمل شریعت نازل کر دی ہے اس لیے اب قیامت تک کوئی دوسری اپنی شریعت اور کوئی نیا دین و دنیا میں نہیں آئے گا اور یہ بھی دعوی کیا ہے کہ نبوت کا سلسلہ بنی اسرائیل میں محدود رہے گا اور بعد کے تمام اسرائیلی نبی حضرت موسی کے تابع ہوں گے اور یہ کہ بنی اسرائیل خدا کی محبوب اور منتخب قوم ہے اس کو سارے عالم پر فضیلت دی گئی ہے حضرت موسی کے بعد نبوت کا سلسلہ یہود میں کوئی ہزار برس تک جاری رہا لیکن پھر معلوم نہین کیوں ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا خلاصہ یہ یہودیت نے تو کسی نئے دین کی حاجت اور حقانیت کو تسلیم کرتی ہے اور نہ ادارہ نبوت کی استمرار کی ضرورت کو۔

عیسائیت نے یہ دعوی کیا کہ حضرت عیسی کی ذات میں لاہوت اور ناسوت خدا اور انسان متحد ہو گئے اس لیے وہ صرف نبی ہی نہیں بلکہ خدا تھے یعنی ظاہر میں انسان اور نبی تھے اور باطن میں خدا تھے یعنی انسانوں کی ہدایت اور ان سے ذاتی لگاؤ اور الفت پیدا کر کے اور ان کی فطرت سے ازلی گناہ ہو گیا اور جب خدا خود نبی بن کر انسانوں میں آگیا۔ تو نبوت معراج کو پہنچ گئی اور عیسائیت کی نظر میں یہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔

اسلام نے بھی ہی دعوی کیا کہ نبوت حضرت محمد پر ختم ہو گئی آپؐ اللہ تعالی کے آخری نبی تھے آپ کے ہاتھ پر اللہ تعالی نے اپنے دین کو مکمل کر دیا اور اسی کو سارے عالم کے لیے پسند کیا اور اسی لیے رسالت مآب کو تمام انسانوں کی طرف اور ہر زمان و مکان کے لیے نبی بنا کر بھیجا لہذا آپ کے بعد نبوت کا ادارہ ہمیشہ کے لیے منسوخ ہو گیا کیونکہ اب اسکی ضرورت باقی نہیں رہی ابد تک کے لیے اسلام انسانوں کی ہدایت کے لیے نہ صرف کافی ہے بلکہ ان کے لیے بہترین ہدایت ہے اور آنحضرتؐ کا اسوہ ان کے لیے بہترین اسوہ ہے۔

ختم نبوت بہر حال اسلامی عقیدے کا ایک بنیادی رکن ہے اور توحید کے بعد اسلام کی پوری عمارت اس پر کھڑی ہے اسلام میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہدایت کا وہ سلسلہ جو انبیاء و رسل کے ذریعے اللہ تعالی نے حضرت آدم سے شروع کیا تھا حضرت محمدؐ سے اسکی تکمیل ہو گئی یعنی وہ قوانین اور اصول حیات جن کی دنیا کے انسانوں کو ضرورت ہے وہ اپنی آخری شکل میں قرآن اور پیغام محمدی کے ذریعے ہم کو عطا کئے گئے اور اسلامی عقیدے اور شریعت میں اتنی صلاحیت اور گنجائش ہے کہ وہ زمان و مکان نبو کی آخری حد تک انسانوں کی رہنمائی کر سکتی ہے۔

ختم ت وہ عقیدہ ہے جو چودہ صدیوں سے اسلام کی وحدت و حقانیت کو قائم کیئے ہوئے ہے یہ عقیدہ قرآن و حدیث میں نہایت وضاحت اور حکم کلی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اس عقیدے کو مسلمانوں نے نہ صرف اپنی روحانی اور اخلاقی بقاء کے لیے محفوظ رکھنا ہے بلکہ دوسرے انسانوں کی ہدایت کے لیے بھی۔ اس لیے انہوں نے نہ صرف نبوت کی تعریف و توضیح پر زور دیا ہے بلکہ ختم نبوت کو اس سے اہم تر سمجھا۔ بر صغیر پاک و ہند میں پچھلے ستر اسی برس میں مسئلہ ختم نبوت پر بڑی معرکہ آرائیاں ہوئیں اور اس سلسلے میں متعدد بار تحریکیں اٹھیں۔

انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں ہی بر صغیر میں ایک فتنہ پیدا ہوا۔ یہ فتنہ قادیانیت ہے۔ بر صغیر کی ملت اسلامیہ میں فکری انتشار پیدا کرنے اور ان کے مسلمہ عقیدہ ختم نبوت کو متزلزل کرنے کے لیے مسلمانوں کے اس عقیدہ پر ضرب لگائی جائے چنانچہ مسلمانوں میں سے ہی مرزا غلام احمد قادیانی نے بتدریج کشف، کرامات، الہامات سے آگے بڑھتے ہوئے مہدی اور مسیح موعود کا دعوی کر دیا اور اپنے آپ کو نبوت کے درجہ پر فائز سمجھا۔ استعماری حکومت نے مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے اور ان کے عقائد میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی کی سرپرستی کی۔ مرزا صاحب نے نہ صرف نبوت و لہام کا دعوی کیا بلکہ پس پر دہ اسلامی شعائر کے خلاف بھی تعلیم دی۔

برصغیر کی ملت اسلامیہ اس حقیقت کو اچھی طرح جانتی تھی کہ مرزا کی سرپستی کس طرح سے ہو رہی ہے اور وہ کن کی زبان میں بات کر رہا ہے۔ چنانچہ شروع شروع میں مرزا کے الہامات اور اس کے افکار و نظریات کی تردید میں مسلمان اہل علم نے بہت کچھ لکھا۔ جب علمی اور تحقیقی زبان میں وہ شکست کھا گیا تو نوبت مناظروں اور عدالت کے ایوانوں تک پہنچ گئی۔ کہیں مناظرہ، مباہلہ تو کہیں کسی عدالت میں مقدمہ۔

مسلمان اہل علم نے مناظر و مباہلہ اور عدالت کے ایوانوں میں بھی مرزا کے عقائد و نظریات کا رد کیا اور اس کی خود ساختہ نبوت کے جھوٹ کو پوری دنیا کے سامنے آشکار کر دیا۔

برصغیر کی علمی تاریخ میں مسلم قادیانی مناظرانہ ادب پر ایک وسیع لٹریچر دستیاب ہے۔ جس میں عقیدہ ختم نبوت پر نقلی و عقلی دلائل کے ساتھ ساتھ مرزا کے خود ساختہ الہامات، عقائد کا علمی و تحقیقی انداز میں جواب دیا گیا۔ اس مناظرانہ ادب سے جہاں مرزا کے دجل و فریب اور کذب بیانی کا پتہ چلتا ہے اس کے ساتھ اسلام کے عقیدہ ختم نبوت کی حتمیت اور عقیدہ ختم نبوت پر نقلی و عقلی دلائل بھی سامنے آتے ہیں اس مناظرانہ ادب سے جہاں عقیدہ ختم نبوت کی عظمت اور اجاگر ہوتی ہے وہاں دیگر اسلامی علوم کی حقیقت و افادیت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ مسلم قادیانی مناظرانہ ادب کے مطالعہ سے قادیانیت کی اصلیت واضح ہو جاتی ہے۔ اسی لیے اس موضوع کو تحقیق کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔

موضوع تحقیق پر ہونے والا سابقہ کام

جہاں تک رد قادیانیت کا تعلق ہے اس موضوع پر کافی تحقیقی کام ہو چکا ہے کئی تحقیقی مقالے اور کتب منصہ شہود پر آچکی ہیں ۔ہر مکتبہ فکر کے علما نے اس موضوع پر لکھنے کا حق ادا کر دیا ہے لیکن جہاں تک "مسلم، قادیانی مناظراتی ادب کا تجزیاتی جائزہ "کا تعلق ہے تو اس موضوع پر اب تک کوئی ایک ٹھوس علمی کام منظر عام پر نہیں آیا۔

موضوع تحقیق کا بنیادی سوال:

۱۔ مسلم۔ قادیانی مناظرانہ ادب کے بنیادی موضوعات کیا ہیں؟

۲۔ مسلم مناظرانہ ادب کے مصادر و مراجع کی نوعیت کیا ہے؟

۳۔ قادیانی مناظرانہ ادب کے مصادر کی استنادی کیفیت کیا ہے؟

۴۔ اسلامی معاشرے پر ان کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟

فرضیہ

۱۔ مسلم قادیانی مناظرانہ ادب محض مناقشات اور جدلی ہے۔

۲۔ مسلم مناظرین کا استدلال مستند ہے۔

۳۔ قادیانی مناظرین کا استدلال مستند ہے۔

۴۔ مسلم مناظرین کا استدلالی طریقہ ہی مستند ہے۔

تحقیق کے اہداف

۱۔ مسلم۔ قادیانی مناظرانہ اداب کے بنیادی موضوعات کا تقابلی مطالعہ کرنا

۲۔ مسلم مناظرانہ ادب کے مصادر مراجع کی نشاندہی کرنا۔

۳۔ قادیانی فکر و نظر کی حقیقت و اہمیت کو جاننا۔

اسلوب تحقیق:

تحقیق کے دوران مندرجہ ذیل نکات کو تحقیق کی اسلوب کی حیثیت سے اختیار کیا جائے گا۔

۱۔ مقالہ میں بیانیہ اور تجزیاتی تحقیق کا اسلوب اختیار کیا جائے گا۔

۲۔ حوالہ جات کے لیے اول مآخذ سے استفادہ کیا جائے گا۔البتہ حسب ضرورت تشریح و تعبیر کے لیے ثانوی مصادر سے بھی استفادہ کیا جائے گا۔

۳۔ مسلم قادیانی مناظرانہ ادب کی تحلیل و تجزیہ کرتے ہوئے ان کی بنیادی کتب کو پیش نظر رکھا جائے گا۔

۴۔ حوالہ جات اور توضیح حواشی باب کے آخر میں درج کیے جایئں گے۔

۵۔ پہلی دفعہ حوالہ کی صورت میں کتاب اور مصنف کا مکمل نام درج کیا جائے گا جب کہ دوبارہ حوالہ کی صورت میں صرف مصنف کے مختصر نام اور کتاب کے نام پر اکتفا کیا جائے گا۔

۶۔ مقالہ کے آخر میں خلاصہ بحث اور نتائج مقالہ تحریر کیے جائیں گے۔

۷۔ مقالہ کے آخر میں فہرست، مصادر و مراجع درج کیے جائیں گے۔

فہرس الابواب والفصول

باب اوّل
برصغیر میں مسلم مناظراتی ادب کی روایت

فصل اول: مناظرہ کا مفہوم اور اصول

انسان میں باہمی اختلافات کے باعث مناظرہ و مجادلہ کا آغاز ہوا تاکہ حق تک رسائی ہو سکے۔ یہ اہم عظیم قابل تکریم علوم میں سے ہے کیونکہ اس سے استنباط و استخراج کا اسلوب معلوم ہوتا ہے۔ حق اور باطل کے درمیان تمیز ہو جاتی ہے۔ اگر مناظرے کا طریقہ رائج نہ ہوتا تو نہ کسی کے خلاف حجت قائم ہو سکتی نہ ہی حجت قائم کرنے کے طریقہ کے بارے میں آگاہی ہوتی اور نہ ہی جھوٹ اور سچ کے درمیان فرق واضح ہوتا۔

مناظرہ: لغۃ میں ناظرہ فلانا صار نظیرالہ اس نے بحث کی اور مراد کو پہنچا۔ اسی طرح کہا جاتا ہے ناظرہ الشئی بالشئی اس نے ایک شے کو دوسری شے کا نظیر یا مثال بنا دیا چنانچہ ناظرہ نظیر سے ہے یا النظر بالبصیرہ۔ یعنی بصیرت کی نظر سے دیکھنا۔ مناظرہ اردو کا لفظ ہے جو کہ عربی سے ماخوذ ہے، اس کا مادہ "ن۔ظ۔ر" ہے۔ اور ثلاثی مزید فیہ باب مفاعلہ "ناظر، یناظر مناظرہ سے مصدر ہے۔ یہ نَظر" سے ہے جس کا معنی ہے غور و فکر کرنا نظر فی الکتاب یعنی کتاب کو غور سے پڑھنا۔ نظر فی الامر یعنی کسی معاملے کا جائزہ لینا اور اس میں غور و فکر کرنا۔ اسی لیے عربی زبان میں یہ فقرہ مروج ہے۔ ناظرہ فلان ای باحثہ و باراہ فی المجادلۃ [۱] یعنی کسی کے ساتھ حجت بازی کرنا یا دلائل سے مقابلہ کرنا بحث کرنا۔ ظاء پر شد کے ساتھ معنی ہوگا موازنہ کرنا۔ نظر الشیئ بالشیئ [۲] یعنی کسی چیز کا دوسری چیز سے موازنہ اور مقابلہ کرنا۔ اسی سے ہے تناظر فی الامر [۳] یعنی کسی معاملہ میں باہم بحث و مباحثہ کرنا۔ مرتضی زبیدی لکھتے ہیں

المناظرۃ: المباحثہ و المباراۃ فی النظر و استحضار کل مایراہ ببصیرتہ [۴] بحث و تمحیص اور کسی معاملہ میں غور و فکر کرنا پھر ماحاصل کو نگاہ بصیرت سے دیکھنا مناظرہ کہلاتا ہے۔

اس لغوی بحث کی روشنی میں المناظر سے مراد بحث و مباحثہ کرنے والا اور حجت باز ہے جبکہ المناظرۃ کا مفہوم حجت و بازی اور علمی مباحثہ ہے۔ قرآن کریم میں لفظ مناظرہ استعمال نہیں ہوا البتہ اس کا مادہ نظر کثیر تعداد میں استعمال ہوا ہے مختلف مقامات پر اس کے مختلف معانی مراد لیے گئے ہیں۔

اصطلاحی مفہوم

علامہ آمدی نے اسکا یوں مفہوم بیان کیا انہ تردد الکلام بین شخصین یقصد کل منہما تصیح قولہ وابطال قول صاحبہ لیظھر الحق

یہ دوآدمیوں کا باہمی مباحثہ جس میں سے ہر شخص کا مقصد اپنی بات کو درست قرار اور اپنے فریق مخالف کی بات کو غلط قرار دینا تاکہ حق اپنی رعنائی کے ساتھ آشکارہ ہو جائے۔ (رسالۃ الادب فی علم آداب البحث والمناظرہ علامہ محمد محی الدین عبدالحمید ص6)۔

هو علم يتوصل به الى معرفة كيفية الاحترازعن الخطاء فى المناظره۔(حاشیہ الناصح علی شرح تاش کبری ص11)

وہ علم ہے جس کے ذریعے بحث و مباحثہ میں خطا سے بچنے کی معرفت حاصل ہو۔

موضوع

اسکا موضوع کلی بحثیں ہیں یعنی دو مناظرین کے درمیان اعتراضات و جوابات اس اعتبار سے کہ ان میں سے کون سے درست اور کون سے غلط ہیں۔

كتاب فى آداب البحث والمناظره (شیخ ہارون عبدالرزاق ص4)

فوائد:

۱۔ درستگی کا اظہار اور دلائل میں خطاء سے محفوظ رہنا۔
۲۔ مخالف کے ساتھ بحث و مباحثہ کے طریقے معلوم ہونا۔
۳۔ علوم کی مختلف مباحث کے سمجھنے میں معاون ہونا۔
۴۔ فریقین کے احوال کی معرفت اور کلام و سکوت کا موقع محل کی معرفت ہونا۔
۵۔ گمراہ لوگوں کے شبہات کا رد۔

جب مناظرہ اظہار حق کے لیے نہ ہو تو اسکو جدل مراء اور خصومت کہا جاتا ہے۔اور اس شخص کے لیے وبال ہے۔
علامہ غزالی فرماتے ہیں۔

المراء:

یہ ہے کہ تم دوسرے کی بات میں مخل ہونے کے لیے تنقید کرو جس سے اس کی تحقیر مقصود ہو اور اپنی برتری مطلوب ہو۔

جدال:

یہ ایسا عمل ہے جس میں مختلف نظریات و مذاہب کا اظہار کیا جائے۔

خصومۃ:

خصومت سے مراد گفتگو میں جھگڑنا تاکہ مالی مقصد حاصل کیا جائے۔

علامہ نووی فرماتے ہیں:
جدال کبھی حق ہوتا ہے اور کبھی باطل ہوتا ہے۔
فرمان الٰہی ہے: ولا تجادلو اهل الكتاب الا بالتى هى احسن (سورۃ منکوب آیت 46)

فرمان الٰہی ہے: ما یجادل فی آیت اللہ الا الذین کفروا (غافر۔4)

قرآنی دلائل:

ادعو الی سبیل ایك بالحکمة والحکمة والموعظة الحسنة (نحل۔4)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: وجادلھم بالتی ھي احسن یعنی جس آدمی کو جدال اور مناظرہ کی ضرورت پیش آئے اسکو چاہیے کہ اچھے طریقے نرمی اور احسن کلام کے ساتھ مناظرہ کرے۔

سنت کی روشنی میں:

آپ ﷺ نے فرمایا:

جاھدوا المشرکین بأموالکم وانفسکم والسنتکم

مشرکوں سے اپنوں مالوں، جانوں اور زبانوں کے ذریعے سے جہاد کرو (مسند احمد)

ابن حزم فرماتے ہیں یہ انتہائی مستند حدیث ہے اور اس میں مناظرے کے وجوب کا ذکر ہے۔ جیسا اللہ کے راستے میں جان مال سے جہاد کرنا فرض ہے۔

فن مناظرے کا سیکھنے کا حکم:

علامہ آمدی فرماتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ اس علم کو سیکھنا مستحب ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ اس کو سیکھنا فرض کفایہ ہے یا نہیں۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ اس کا سیکھنا فرض کفایہ ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اسکا سیکھنا فرض عین ہے اور بعض کا قول ہے اسکو جاننا فرض کفایہ ہے مگر سیکھنا ضروری ہے کیوں کہ اس علم کے ذریعے سے بحث و مباحثہ کے طریقے معلوم ہوتے ہیں۔

علمائے کرام نے مناظرہ کے اصطلاحی مفہوم کی وضاحت کے لیے بہت سی تعریفات کی ہیں، چند ایک ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔ علامہ آمدی فرماتے ہیں۔

بانھا تردد الکلام بین الشیئین یقصد کل منھما تصحیح قولہ وابطال قول صاحبہ لیظھر الحق [۵]

حق بات ثابت کرنے کے لیے دو آدمیوں کے درمیان کلام کا تبادلہ اور ہر ایک اپنے قول کو صحیح ثابت کرنے کیلئے اور دوسرے کے قول کو غلط ثابت کرنے کے لئے دلائل دے۔

علامہ جرجانی فرماتے ہیں،

المناظرة ھی النظر بالبصیرة من الجانبین فی النسبة الشیئین اظھارا للصواب [۶]

حق بات واضح کرنے کیلئے دو آدمیوں یا دو گروہوں کا کسی معاملہ میں غور و فکر کرنا مناظرہ کہلاتا ہے

امام مناوی لکھتے ہیں:

النظر بالبصیرة من الجانبین فی النسبة بین الشیئین اظھارا للصواب [۷]

دو چیزوں میں سے کسی درست نسبت کے اظہار کے لیے بصیرت کی نظر سے دیکھنا مناظرہ کہلاتا ہے۔

محمد بن اعلیٰ تھانوی لکھتے ہیں :

النظر من الجانبین فی النسبة بین الشیئین اظهارا للصواب (٨)

دو چیزوں میں کسی درست نسبت کے اظہار کے لیے دیکھنا مناظرہ کہلاتا ہے۔

سابقہ تعریفات کو مد نظر رکھتے ہوئے نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ دو آدمیوں یا دو فریقوں کا کسی متعین موضوع پر غور و فکر کرنا، مباحثہ کرنا، اپنی بات منوانے کیلئے دلائل دینا، فریق مخالف کی بات کا دلائل کے ساتھ رد کرنا اپنے موقف پر وارد ہونے والے سوالات، اشکالات اور شبہات کا ازالہ کرنا و عقلی، نقلی او منطقی دلائل کے اپنے نقطہ نظر کو واضح کرنا مناظرہ کہلاتا ہے۔

مناظرہ کے مترادفات :

مناظرہ کے بہت سے مترادفات میں سے چند اہم درج ذیل ہیں۔

ا:۔الحوار ۲:۔المجادلۃ ۳:۔المکابرہ

ا:۔الحوار :۔

حاور یحاور محاورہ ثلاثی مزید فیہ باب مفاعلہ سے ہے جس کا معنی ہے سوال کرنا، مباحثہ باہم گفتگو کرنا،

علمائے لغت نے الحوار میں حاء کے نیچے زیر کے ساتھ اس کے معنی خاص موضوع پر مکالمے کے بھی کیے ہیں۔(٩)

لسان العرب میں الحوار کے معنی تراجع الکلام یعنی کلام کا باہم ایک دوسرے کو لوٹانا کے کیے گئے ہیں (10)۔

قرآن کریم میں یہ لفظ تین مقامات پر استعمال ہوا ہے :

و کان له ثمر فقال لصاحبه وهو یحاوره انا اکثر منك مالا و اعز نفرا (١١)

اس کے پاس پھل تھے اس نے اپنے ساتھی سے کہا اور وہ اس سے تبادلہ گفتگو کرتا تھا میں تجھ سے مال میں زیادہ ہوں۔

قال له صاحبه وهو یحاوره اکفرت بالذی خلقك من تراب ثم من نطفة ثم سواك رجلا (١٢)۔

اس کے ساتھی نے اس سے تبادلہ گفتگو کرتے ہوئے جواب دیا، تو اس کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے بنایا، پھر نطفہ سے پھر تجھے ٹھیک مرد بنایا۔

قد سمع الله قول التی تجادلک فی زوجها و تشتکی الی الله و الله یسمع تحاورکما ان الله سمیع بصیر (١٣)۔

بے شک اللہ نے سنی اس کی بات جو تم سے اپنے شوہر کے معاملہ میں بحث کرتی ہے اللہ سے شکایت کرتی ہے اللہ تم دونو ں کی گفتگو سن رہا ہے۔بے شک اللہ سنتا دیکھتا ہے،

ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے قرآن کریم میں "حوار" کا لفظ کلام کے لوٹانے کے لئے استعمال ہوا ہے۔اور " محاورۃ" ایسی گفتگو پر بولا جاتا ہے جس میں کسی قسم کا جھگڑا نہ ہو قرآن کریم کے علاوہ احادیث مبارکہ میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے :

عن ابی ذر انه سمع رسول الله ﷺ یقول من دعا رجلا بالکفر او قال عدو الله ولیس کذلك الا حار علیه (١٤)

حضرت ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے کسی کو کافر کہا یا اللہ کا دشمن کہہ کر پکارا حالانکہ وہ ایسا نہیں ہے تو وہ کلمہ اسی پر لوٹ جائے گا،

عن عبداللہ بن سرجس قال کان النبی ﷺ اذا سافر یقول اللھم انت الصاحب فی السفر و الخلیفة فی الاھل اللھم اصحبنا فی سفرنا وخلفنا فی اھلنا االلھم انی اعوذبك من وعشاء السفر و کآبة المنقلب و من الحور بعد الکون و من دعوة المظلوم و من سوء المنظر فی الاھل و المال [۱۵]۔

حضرت عبداللہ بن سرجسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب سفر کے لیے نکلتے تو یہ کہتے ، اے اللہ ! تو ہی سفر کا ساتھی اور گھر والوں کا خلیفہ ہے۔ اے اللہ ! سفر میں ہمارا رفیق اور ہمارے گھر والوں کی نگہبانی فرما۔ یا اللہ ! میں تجھ سے سفر کی مشقت اور پریشان یا نامراد لوٹنے سے بھی پناہ مانگتا ہوں۔ ایمان سے کفر کی طرف لوٹنے یا اطاعت سے نافرمانی کی طرف لوٹنے سے بھی پناہ مانگتا ہوں۔ پھر مظلوم کی بددعا اہل و عیال میں کوئی برائی سے بھی پناہ مانگتا ہوں۔

امام ترمذی اس حدیث کی تخریج کے بعد لکھتے ہیں۔

و یروی الحور بعد الکور ایضا و معنی قولہٖ الحور بعد الکون او الکور و کلاھُماَلَہٗ وجہ یقال اِنما ھو الرجوع من الایمان الی الکفر (۱۶)۔

اور (الحور بعد الکور) بھی مروی ہے اور (الحور بعد الکون) یا (الحور بعد الکور) دونوں کا معنی ایمان سے کفر کی طرف رجوع کرنا ہے ۔

ان احادیث میں تمام مقامات پر مادہ حور سے مشتق الفاظ رجوع کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ اسی سے حوار اور محاورہ ہے جس کے معنی ہیں کلام کو باہم لوٹانا۔ اسی لیے محاورۃ کی مندرجہ ذیل اصطلاحی تعریف کی گئی ہے :

راجعہ للکلام بین طرفین او اکثر دون وجود خصومة بینھم بالضرورة [۱۷]

دو یا دو سے زیادہ لوگوں کا کسی مسئلہ میں ایسی گفتگو کرنا جو جھگڑے سے پاک ہو۔

۲۔ مجادلہ :۔

مجادلۃ کا مادہ ۔"ج۔ د۔ ل" ہے اور یہ ثلاثی مزید فیہ باب مفاعلہ " جادل , یجادل ، مجادلۃ سے مصدر ہے۔ یہ لفظ جدل " سے ہے یعنی مضبوط ہونا، سخت ہونا، جدل الحبل " یعنی رسی کو بٹ دینا، مضبوط کرنا۔ اسی سے ہے "الجدیل " یعنی چمڑے کی بنی ہوئی لگام یا بٹی ہوئی رسی۔ ''دال'' پر زبر کے ساتھ اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ جھگڑنا یا جھگڑالو ہونا۔ "المجادلۃ" ایسی بحث ہوتی ہے جس کا مقصد اظہار حق کے بجائے مقابل کو الزام دینا اور خاموش کرنا ہو۔

علامہ ابن منظور لکھتے ہیں :

والمجادلة المناظرة والمخاصمة والمراد به فی الحدیث الجدل علی الباطل و طلب المغالبة به لااظھار الحق فان ذلك محمود لقولہ عزوجل وجادلھم بالتی ھی احسن [۱۸]

مجادلہ سے مراد مناظرہ اور مخاصمہ ہے ، حدیث نبوی کے مطابق اس کا مفہوم باطل کے خلاف دلیل قائم کرنا ہے اس کے ذریعے غلبہ واظہار حق مطلوب ہوتا ہے۔ یہ محمود ہے کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے کہ ان سے احسن طریقہ سے مجادلہ کرو۔

مناظرہ اور مجادلہ میں اصطلاحاً کوئی فرق نہیں، امام الحرمین جوینی رحمتہ علیہ اللہ لکھتے ہیں :

ولا فرق بین المناظرۃ والجدال و المجادلۃ والجدل فی عرف العلماء بالاصول والفروع، وان الفرق بین الجدل والمناظرہ علی طریقۃ اللغۃ وذلک ان الجدل فی اللغۃ مشتق غیر ما اشتق منه النظر [19]

علماء کے نزدیک اصول فروع میں مناظرہ وجدال اور مجادلہ وجدل کے درمیان عموماً کوئی فرق نہیں، جدل اور مناظرہ میں لغوی اعتبار سے فرق ہے۔ وہ اس طرح کہ "جدل" لغت میں اس چیز سے مشتق نہیں جس سے " نظر" مشتق ہے۔

اپنے نظریے، موقف اور رائے کو غالب کرنے اور فریق مخالف کے نظریے، بات اور رائے کی سختی کے ساتھ تردید کرنے کیلئے مجادلہ کیا جاتا ہے قرآن مجید میں لفظ جدل انتیس بار استعمال ہوا ہے۔ اکثر مقامات پر یہ لفظ "مجادلہ مذموم" کے لیے استعمال ہوا سوائے تین مقامات کے ان تین آیات میں احسن طریقہ سے مجادلہ کا حکم دیا گیا ہے۔

ادع الی سبیل ربك بالحکمه والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن [20]

اپنے رب کی راستہ کی طرف حکمت اور عمدہ وعظ سے بلایئے، ان سے بحث بھی کرو تو پسندیدہ طریقہ سے کرو، آپ کے رب کو خوب معلوم ہے کہ کون اس کے راستہ سے بہکا ہوا ہے اور ان کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت پر ہیں۔

ولا تجادلو اهل الکتاب الا بالتی هی احسن الا الذین ظلمو منهم وقولو امنا بالذی انزل الینا وانزل الیکم والهنا والهکم واحد ونحن له مسلمون [21]

اے مسلمانوں! اہل کتاب سے نہ جھگڑو مگر بہتر طریقہ سے مگر وہ جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا، کہو ہم ایمان لائے اس پر جو ہماری طرف اترا اور جو تمہاری طرف اترا، ہمارا تمہارا ایک معبود ہے، ہم اس کے فرمانبردار ہیں۔

قد سمع الله قول التی تجادلك فی زوجا وتشتکی الی الله والله یسمع تحاور کما ان الله سمیع بصیر [22]

بے شک اللہ نے سنی اس کی بات جو تم سے اپنے شوہر کے معاملہ میں بحث کرتی ہے، اللہ سے شکایت کرتی ہے، اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے، بے شک اللہ سنتا دیکھتا ہے۔

جہاں تک احادیث کا تعلق ہے تو محدثین نے جدل کے بارے میں ابواب قائم کرکے اس کی مذمت میں احادیث درج کی ہیں۔ امام ابوداؤد رحمتہ اللہ علیہ نے سنن ابی داؤد میں النهی عن الجدال واتباع متشابه القران " کے نام سے باب قائم کیا اس ضمن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کردہ حدیث نقل کی گئی ہے۔

عن عائشة قالت قر ا رسول الله صلی الله علیه وسلم هذه الا یة (هو الذی انزل علیك الکتاب منه ایات محکمات) الی (اولو الا لباب) قالت فقال رسو ل الله صلی الله علیه وسلم فاذا رایتم الذین یتبعو ن ماتشابه منه فاولئك الذین سمی الله فاحذروهم [23]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی "وہی اللہ ہے جس نے آپ پر کتاب نازل کی، اس میں بعض آیات محکم ہیں، وہ کتاب کی اصل ہیں۔ دوسری متشابہات ہیں۔ پس وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے تو متشابہات کی پیروی کرتے ہیں فتنہ پیدا کرنے کے لیے اور اس کا مطلب معلوم کرنے کے لیے، اس کا مطلب سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا اور مضبوط علم والے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ان آیات پر، یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے

اترتی ہیں۔اس سے نہیں نصیحت حاصل کرتے مگر عقل والے۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پس جب تم دیکھو لوگوں کو جو متشابہات کی پیروی کرتے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جن کا قرآن میں اللہ نے نام رکھا ہے ، سوان سے بچتے رہو۔

امام ابن ماجہؒ نے بھی جدل سے اجتناب کے بارے میں "اجتناب البدع والجدل "کے نام سے باب قائم کیا ہے [۲۴] اس کے ذیل میں بھی عائشہؓ کی مذکورہ حدیث نقل کی گئی ہے۔

علاوہ ازیں امام ابو داؤدؒ نے "النھی عن الجدال فی القرآن "کے نام سے باب قائم کیا ہے اس کے ذیل میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے

عن ابی ھریرہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المراء فی القران کفر [۲۵]

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کریم میں شک کرکے جھگڑنا کفر ہے۔

درج بالا آیات واحادیث سے نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ دین اسلام میں جدال جائز نہیں، سوائے احسن طریقہ کے۔ اگر جدال اظہار حق کے لیے احسن طریقہ سے ہو تو جائز ہے۔

۳۔ مکابرہ:۔

" مکابرۃ" کا مادہ "ک۔ب۔ر" ہے۔ یہ ثلاثی مزید فیہ باب مفاعلہ "کابر یکابر مکابرۃ" سے مصدر ہے۔ مکابرہ کو بھی مناظرہ کے مترادف الفاظ میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس سے مراد علمی مسائل میں مباحثہ کرنا ہے۔ علامہ جرجانی اس کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

المکابرۃ ، ہی المنازعۃ فی المسئلۃ العلمیۃ [۲۶]

مکابرہ سے مراد علمی مسائل میں تنازع ہونا ہے۔

مناظرہ کا جواز قرآن وسنت کی روشنی میں :

اسلام میں قرآن مجید کو اولین مآخذ شریعت و قانون کی حیثیت حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ مناظرہ کی مشروعیت کو ثابت کرنے کے لیے بہت سے علماء نے اس کا جواز قرآن مجید سے پیش کیا ہے۔ ذیل میں چند دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔

ادع الی سبیل ربك بالحكمة و الموعظة الحسنة و جادلهم بالتی ھی احسن ان ربك ھو اعلم بمن ضل عن سبیله وھو اعلم بالمھتدین [۲۷]

اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور عمدہ وعظ سے بلایئے، ان سے بحث بھی کرو تو پسندیدہ طریقہ سے کرو، آپ کے رب کو خوب معلوم ہے کہ کون اس کے راستہ سے بہکا ہوا ہے اور ان کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت پر ہیں۔

امام ابولیث سمرقندی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وفی الایۃ دلیل ان المناظرۃ والمجادلۃ فی العلم جائزۃ اذا قصد بھا اظھار الحق [۲۸]

اس آیت میں ایسی بات کی دلیل ہے کہ دین میں مناظرہ اور مجادلہ اس وقت جائز ہے جب اس کا مقصد اظہار حق ہو۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

وجادلھم بالتی ھی احسن ای من احتاج منھم الی مناظرۃ وجدال فلیکن بالوجہ الحسن برفق ولین وحسن خطاب[۲۹]

ان میں سے جو مناظرہ اور مباحثہ کی نوبت کو پہنچیں تو انہیں چاہیے کہ وہ احسن طریقہ سے نرمی ہمدردی اور حسن خطاب کے ساتھ گفتگو کریں۔

امام ابوالبرکات نسفی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وھو رد علی من یابی المناظرۃ فی الدین[۳۰]

اس آیت میں اس آدمی کی تردید ہے جو دین میں مناظرہ کا قائل نہیں۔

مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:

اس جگہ مجادلہ سے مراد بحث و مناظرہ ہے اور بالتی ہی احسن سے مراد یہ ہے کہ اگر دعوت میں کہیں بحث و مناظرہ کی ضرورت پیش آجائے تو مباحثہ بھی اچھے طریقہ سے ہونا چاہیے[۳۱]

پیر محمد کرم شاہ الازہری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اگر بھٹکا ہوا راہی آمادہ پیکار ہو اجائے اور بحث و مناظرہ تک نوبت جا پہنچے تو تم احسن اور عمدہ طریقہ سے مناظرہ کرو۔اس آیت کریمہ سے مناظرہ کا جائز ہونا ثابت ہوتا ہے۔[۳۲]

مفسرین کی ان تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ آیت میں احسن طریقہ سے مناظرہ مباحثہ کا حکم ہے۔

اسلام میں ماخذ شریعت کی حیثیت سے قرآن مجید کے بعد احادیث نبویہ کی حیثیت مسلمہ ہے یہی وجہ ہے کہ مناظرہ کی شرعی حیثیت کو ثابت کرنے کے لیے بہت سے علماء نے اس کا جواز احادیث نبویہ سے بھی پیش کیا ہے۔اس ضمن میں ایک اہم حدیث پیش کی جاتی ہیں:۔

عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال جاھد و المشرکین بامو الکم وانفسکم والسنتکم[۳۳]

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسوال اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مشرکین سے اپنے مال جان اور زبان سے جہاد کرو"

امام ابن حزم ظاہری فرماتے ہیں۔

وھذا حدیث فی غایۃ الصحۃ وفیہ بالمناظرۃ وایجابھا کایجاب الجھاد ولا نفقۃ فی سبیل اللہ[۳۴]

اس حدیث میں مناظرہ کی بہترین دلیل موجود ہے جس طرح جہاد واجب ہے اسی طرح زبان سے مقابلہ اور مناظرہ بھی واجب ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے جان، مال اور زبان سے جہاد کرنے کا حکم دے کر امت مسلمہ کے ہر فرد کو اس امر کا پابند کر دیا ہے کہ وہ اہل کفر کے خلاف دینِ اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے ہر ممکن اسلوب اور طریقہ استعمال کرے۔چونکہ زبان سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس لیے زبان کے جہادی استعمال کا بہترین ذریعہ غیر مسلموں سے مناظرہ ہے۔

مناظرہ سے متعلق علماء کی آراء :

بہت سے علماء نے مناظرہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اسے جائز قرار دیا ہے۔اس ضمن میں چند اقوال پیش کیے جاتے ہیں۔

سید محمد امین المعروف بہ ابن عابدین الشامیؒ (م ۱۲۵۳ھ)

المنا ظر ۃ فی العلم لنصر ۃ الحق عبادۃ ولا حد ثلاثۃ حرام لقھر مسلم واظھار علم و نیل دنیا او مال او قبول (۳۵)

غلبہ حق کے لیے مناظرہ عبادت ہے اور تین اغراض میں سے کسی ایک کے لیے حرام ہے، محض دوسرے مسلمان کو مغلوب کرنا مقصود ہو یا اظہار علم مطلوب ہو یا مال و متاع اور لوگوں میں اپنی مقبولیت مقصود ہو تو حرام ہے۔

ابو العباس تقی الدین احمد بن شہاب بن تیمیہ : (م ۷۲۸ھ) :۔

من لم یناظر اھل الا لحا د و البدع مناظرۃ ویقطع دابر ھم لم یکن اعطی الا سلام حقہ (۳۶)

جس نے اہل الحاد اور اہل بدعت سے مناظرہ کرنا اور ان کا تعاقب کرنا چھوڑ دیا، اس نے اسلام کا حق ادا نہیں کیا۔

ابن القیم الجوزیؒ (م ۷۵۱ھ) :۔

جو از مجادلۃ اھل الکتاب و مناظر تھم بل استحبا ب ذلك بل وجو بۃ اذ ظھرت مصلحتہ من اسلام (۳۷)

اہل کتاب سے مجادلہ و مناظرہ جائز و مستحب ہے بلکہ جب اسلام کی مصلحت ظاہر کرنا مقصود ہو تو پھر واجب ہے۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو دیگر ادیان پر غلبہ پانے کے لیے آیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ نے اپنے مال و جان کی قربانی دے کر اسے سر بلند کیا اب قیامت تک کے ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسے بلند رکھے۔لہٰذا اسلام کے پرچار کیلئے ہر وہ ذریعہ اپنانا مفید ہے جس سے یہ دعوت عام ہو سکے، مناظرہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔آج کا دور میڈیا کا ہے لوگ دلائل سے بات سنتے ہیں، دلائل سے ہی اپنی بات منواتے ہیں لہٰذا مناظرہ کی ضرورت واہمیت پہلے کی نسبت بہت بڑھ چکی ہے۔

مناظرہ کے ذریعے سے ہم لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کر سکتے ہیں علاوہ ازیں گمراہ فرقوں کو راہ راست پر لانے، دین کے تحفظ اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہونے والے اعتراضات کو رفع کرنے کیلئے ضروری ہے کہ مناظرہ، مکالمہ اور محاورہ کو فروغ دیا جائے آمنے سامنے بات کرنے سے حقائق پوری طرح واضح ہو جاتے ہیں فریق اول اور فریق ثانی دونوں کے دلائل نکھر کر سامنے آجاتے ہیں مکالمہ مباحثہ اور مناظرہ سننے والوں پر براہ راست ان کا اثر پڑا ہے اور وہ صحیح موقف سے خود بھی آشنا

ہو جاتے ہیں ان کے مطالعہ میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں جن سے رواداری تحمل اور مخالف نقطہ نظر کو برادشت کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ نیز پتہ چلتا ہے کہ مختلف مذہب میں کون کون سی تعلیمات مشترک ہیں۔ مناظرہ کی مدد سے ہم تمام مذاہب کی خوبیوں سے آگاہ ہوتے ہیں اور عملاً انہیں اپنا سکتے ہیں جس سے بلند کرداری فکری ارتقاء اور روحانی سکون حاصل ہوتا ہے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ ہادیان مذاہب عموماعالی اہمیت راست گو مستقل مزاج اور نسل انسانی کے بہترین گروہ سے تعلق رکھتے تھے جو ہم سب کے لیے قابل فخر ہیں اس کے برعکس انبیاء کے مخالفین کینہ پرور خود غرض کم ہمت اور گھٹیا کردار کے حامل تھے لہٰذا ہمیں رذائل اخلاق سے پرہیز اور فضائل اخلاق کو اپنانے کا درس مناظرہ سے ملتا ہے

مناظرہ سے ہمیں اس کشمش کا پتہ چلتا ہے جو ازل سے خیر و شر اور انسان و شیطان میں بپا ہے اس سے ہمیں نہ صرف مختلف زمانوں اور علاقوں کے لوگوں کی مذہبی ثقافتی اور سیاسی حیثیت کے تعین میں مدد ملتی ہے بلکہ انسانوں کی ذہنی علمی اور فکری صلاحتیوں کا اندازہ لگانا بھی آسان ہو جاتا ہے الغرض مناظرہ سے علم و استدلال کی نئی راہیں کھلتی ہیں چونکہ ہر مذہب کا اپنا فلسفہ اور علم کلام ہوتا ہے اس لیے اس کے مطالعہ سے خوب اور خوب تر کا فرق واضح ہوتا ہے یوں عقائد میں استحکام پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ تعصب و تنگ نظری کا خاتمہ ہوتا ہے۔

اقسام مناظرہ:

عملیت افادیت نتائج اور اثرات کے اعتبار سے مختلف علماء نے مناظرے کی مختلف اقسام بیان کی ہے امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں۔

الدلائل التی یکون المقصود من ذکر ھا الزام الخصوم وافحامھم و ذلك ھوالجدل ثم ھذا الجدل علی قسمین القسم الاول ان یکون دلیلا مرکبا من مقامات مسلمة فی المشھور عندالجمھور او من مقدمات مسلمة عند ذلك القائل و ھذا الجدل ھو الجدل الواقع علی الوجه الاحسن القسم الثانی آن یکون ذلك الدلیل مرکبا من مقدمات باطلة فاسدة الا ان قائلھا یحاول ترویجھا علی المستمعین بالسفاھة والشغب والحیل الباطلة والطرق الفاسدة وھذا القسم لا یلیق بأھل الفضل انما اللائق بھم ھو القسم الاول و ذلك ھو المراد بقوله تعالی وجادلھم بالتی ھی احسن (۳۸)

ایسے دلائل بیان کرنا جن کا مقصد مد مقابل کے دلائل کا جواب دینا اور رد کرنا ہو مجادلہ کہلاتا ہے پھر اس مجادلہ کی دو اقسام ہیں پہلی قسم یہ ہے کہ دلائل ایسے مقدمات مسلمہ سے مرکب ہوں جو جمہور کے نزدیک مشہور ہونے کے ساتھ ساتھ مد مقابل کے لیے بھی قابل قبول ہوں۔ یہی وہ جدل ہے جو بطریق احسن ہوتا ہے دوسری قسم یہ ہے دلیل باطل و فاسد مقدمات سے مرکب ہو مگر دلیل پیش کرنے والا سننے والوں پر اپنی بے وقوفی نادانی باطل حیلوں اور فاسد طریقوں سے بار بار وہی دلیل پیش کرے یہ قسم اہل علم کے لائق نہیں بلکہ ان کے لیے پہلی قسم ہی مناسب ہے اللہ تعالی کے قول (وجادلھم بالتی ہی احسن) سے یہی مراد ہے

درج بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مناظرہ کی اہم اقسام دو ہیں:

۱۔ مناظرہ ممدوحہ ۲۔ مناظرہ مذمومہ

دونوں اقسام مناظرہ کی نوعیت حیثیت اور استعمال کے بارے میں قرآن مجید اور احایث نبویہ کی تعلیمات کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

مناظرہ ممدوحہ:

حق کی پہچان اور اثبات کے لیے کیا گیا مناظرہ "ممدوحہ" یعنی قابل تعریف ہے۔اس کی نشانی یہ ہے کہ جب صحیح بات واضح ہو جاتی ہے تو اسے فوراً قبول کر لیا جاتا ہے۔قرآن مجید میں بھی اللہ تعالی نے اسی طرح کے مناظرہ کا حکم دیا ہے۔

ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة واجادلھم بالتی ھی احسن ان ربك ھو اعلم بمن ضل عن سبیلة وھو اعلم بالمھتدین (۳۹)

اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور عمدہ وعظ سے بلایئے ان سے بحث بھی کرو تو پسندیدہ طریقہ سے کرو،آپ کے رب کو خوب معلوم ہے کہ کون اس کے راستہ سے بہکا ہوا ہے اور ان کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت پر ہیں۔

دوسری جگہ اللہ تعالی فرماتے ہیں۔

ولا تجادلو اھل الکتاب الا بالتی ھی احسن الا الذین ظلمو منھم وقولو امنا بالذی انزل الینا وانزل الیکم والھنا والھکم واحد ونحن له مسلمون (۴۰)

اے مسلمانوں اہل کتاب سے نہ جھگڑو مگر بہتر طریقہ سے مگر وہ جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا، کہو ہم ایمان لائے اس پر جو ہماری طرف اترا اور جو تمہاری طرف اترا، ہمارا تمہارا ایک معبود ہے ہم اس کے فرما نبردار ہیں۔

ان قرآنی ہدایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مناظرہ ممدوحہ اللہ تعالی کے ہاں بڑا محبوب ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی اس طرز مناظرہ کے آداب واسالیب کی وضاحت خود فرمار ہے ہیں۔اب مسلم امہ پر لازم ہے کہ وہ دفاع اسلام کے لیے مناظرہ ممدوحہ کو اختیار کرے۔مناظرہ کی اس قسم کی شرعی حیثیت کے بارے میں تمام علمائے کرام متفق ہیں کہ یہ واجب ہے۔

۲۔ مناظرہ مذمومہ:

یہ ایسا مناظرہ ہے جو باطل نظریات کو ثابت کرنے کیلئے الٹے سیدھے دلائل کی مدد سے کیا جائے۔قرآن مجید میں اللہ تعالی نے اس مناظرہ کی اس قسم کی شرعی حیثیت کے بارے میں تمام علمائے کرام متفق ہیں کہ یہ واجب ہے۔

ومانرسل المرسلین الا مبشرین وامنذرین ویجادل الذین کفرو بالباطل لید حضو ابه الحق واتخذو ایاتی وما انذرو ھزوا (۴۱)

ہم رسول نہیں بھیجتے مگر خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے جھگڑا کرتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے باطل عقائد کے ساتھ کفر کیا تاکہ اس کے ساتھ حق کو بھی باطل کر دیں انہوں نے بنالیا میری آیات کو اور اس چیز کو جس سے وہ ڈرائے گئے ٹھٹھہ اور مذاق۔

اللہ تعالی نے واضح انداز میں ایسے باطل قسم کے مجادلہ و مناظرہ کی مذمت کی ہے جو حق پر پردہ ڈالنے کی خاطر یا حق کو مسخ کرنے کے لیے ہوتا ہے۔اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی حوصلہ شکنی فرمائی ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تعلم العلم لیباھی بہ العلما و یجاری بہ السفھاء ویصرف بہ وجوہ الناس الیہ ادخلہ اللہ جھنم (۴۲)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے علم اس لیے حاصل کیا کہ اس کی وجہ سے علماء کے مقابلے میں فخر کرے یا کم عقل لوگوں سے بحث کرے یا لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرے تو اللہ تعالی اسے جہنم میں داخل کرے گا۔ شرافت و معقولیت کے خلاف ہے کہ آدمی محض اپنے آپ کو بڑا ظاہر کرنے اور اپنا علم جتوانے کیلئے مباحثہ و مناظرہ کرے ۔تکبر، حسد، منافقت، مذاق، اخفائے حق اور خود نمائی کی خواہش منفی اوصاف ہیں، مناظرہ میں ان سے اجتناب بہت ضروری ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ابن منظور، محمد بن مکرم بن منظور افریقی (۶۳۰۔۷۱۱ھ) لسان العرب، دار صادر، بیروت ط: ا، س۔ن، جلد: ۵ ص: ۲۱۵

۲۔ م۔ن

۳۔ م۔ن

۴۔ زبیدی، محمد بن محمد بن عبدالرزق (م ۱۲۰۵ھ) تاج العروس دارالھدایۃ بیروت، س-ن، جلد: ۱۴، ص: ۲۵۴

۵۔ مصری، محمد امین، شرح الولدیۃ فی آداب البحث، دارالفکر، بیروت لبنان، ۱۴۲۸ھ ص: ۷

۶۔ جرجانی، علی بن محمد شریف، (۷۴۰۔۸۱۶ھ) التعریفات، باب المیم دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۵ھ ص: ۲۹۸

۷۔ مناوی، محمد عبد الرائوف (۹۵۲۔۱۰۳۱ھ) التوقیف علی مھمات التعارف، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۰ھ جلد: اص: ۲۷۸

۸۔ تھانوی، محمد بن علی کشاف اصطلاحات الفنون شرکۃ خیاط الکتب والنشر بیروت لبنان، ط: ا، ۱۴۲۹ھ جلد: ۶ص ۱۳۹۱

۹۔ کیرانوی، وحید الزماں قاسمی القاموس الوحید، ادارہ اسلامیات، لاہور ۲۰۰۱ء جلد: ا، ص: ۳۸۸

۱۰۔ ابن منظور لسان العرب، جلد: ۵، ص: ۲۱۵

۱۱۔ الکہف، ۱۸: ۳۴

۱۲۔ الکہف، ۱۸: ۳۷

۱۳۔ المجادلہ، ۵۸: ۱

۱۴۔ مسلم، مسلم بن حجاج (۲۰۶۔۲۶۱ھ) الجامع الصحیح، باب بیان حال ایمان من رغب عن ابیہ وھو یعلم دار لکتب العلمیہ بیروت، لبنان، ۱۴۱۶ھ جلد: ا، ص: ۵۷، رقم: ۲۲۶

۱۵۔ ترمذی، محمد بن عیسی ابو عیسی (۲۱۰۔۲۷۹ھ) الجامع الصحیح سنن الترمذی باب مایقول اذاخرج مسافرا تحقیق: احمد محمد شاکر، دار حیاء التراث العربی، بیروت، جلد: ۵، ص: ۴۸۷، رقم: ۳۴۳۹

۱۶۔ م۔ن

۱۷۔ صالح بن عبد اللہ بن حمید اصول احوار دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۷ھ، ص: ۱۳

۱۸۔ ابن منظور، لسان العرب، جلد: ۱۱، ص: ۱۰۳

۱۹۔ امام الحرمین، الجوینی، المعالی، الکافیہ فی الجدل، مطبعۃ عیسی البابی الحلبی القاہرہ، ط: ۲، ۱۳۹۹ھ، ص: ۱۹

۲۰۔ النحل، ۱۲۵: ۱۶

۲۱۔ العنکبوت، ۲۹: ۴۲

۲۲۔ المجادلہ، ۱: ۵۸

۲۳۔ ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ) سنن ابی داؤد، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۱۴ھ، جلد ۴ ص: ۳۲۴، رقم: ۴۶۰۰

۲۴۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید ابو عبد اللہ القزوینی (۲۰۹۔۲۷۳ھ)، سنن ابن ماجہ، دار الفکر، بیروت، س۔ن، جلد ا، ص: ۱۸، رقم: ۴۷

۲۵۔ ابوداؤد سنن ابی داؤد، جلد ۴، ص: ۳۲۸، رقم: ۴۶۰۵

۲۶۔ جرجانی التعریفات، جلد: ا، ص: ۳۲۸، رقم: ۴۶۰۵

۲۷۔ النحل، ۱۶: ۱۲۵

۲۸۔ سمرقندی، نصر بن محمد بن ابراہیم، ابوالليث (م ۵۵۲ھ)، بحر العلوم، دار الفکر، بیروت ۱۴۱۴ھ جلد: ۲، ص: ۲۹۶

۲۹۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابوالفداء (۷۰۱۔ ۷۷۴ھ) تفسیر القرآن العظیم، دار الفکر، بیروت، لبنان، ط: ا، ۱۴۱۴ھ، جلد: ۲ص: ۲۰۷

۳۰۔ نسفی، عبداللہ بن احمد بن محمود، ابوالبرکات (م ۷۱۰ھ)، مدارک التنزیل وحقائق التاویل، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۴ھ، جلد: ۲، ص: ۲۷۶

۳۱۔ محمد شفیع، مفتی (م ۱۹۷۲ھ) معارف القرآن، ادارۃ المعارف کراچی، ۲۰۰۶ء، جلد: ۵، ص: ۴۲۱

۳۲۔ الازہری محمد کرم شاہ، پیر (م ۱۹۹۸ء) ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور ۱۴۰۲ھ جلد: ۲ص ۶۱۸

۳۳۔ ابوداؤد سنن ابی داؤد باب کراھیۃ ترک الغزو، جلد، ۲، ص: ۱۸، رقم: ۲۵۰۶

۳۴۔ ابن حزم علی ابن احمد بن حزم اندلسی، ابو محمد (۳۸۳۔ ۴۶۵ھ) الاحکام فی اصول الاحکام دار الحدیث قاہرۃ ط: ا، ۱۴۰۴ھ ص: ۲۹

۳۵۔ ابن عابدین محمد امین اشافی (۱۱۹۸۔ ۱۲۵۳ھ) حاشیہ علی الدر المختار شرح تنویر الابصار دار الفکر بیروت لبنان، س۔، جلد، ۵، ص: ۳۴۷

۳۶۔ ابن تیمیہ مجموع الفتاوی، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، ط: ۲، ۱۴۰۴ھ جلد، ۲۰، ص ۱۶۳

۳۷۔ ابن القیم الجوزی محمد بن ابی بکر ایوب الزرعی، ابو عبداللہ (۶۹۱۔ ۷۵۱ھ) زاد المعاد فی ھدی خیر العباد تحقیق: شعیب الارنائوط موسستۃ الرسالہ بیروت، ط: ۱۴، ۱۴۰۷ھ جلد: ۳، ص: ۵۵۷

۳۸۔ رازی فخر الدین محمد بن عمر اشافعی، مفاتیح الغیب (۵۴۳۔ ۶۰۶ھ) دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، ط: ا، ۱۴۲۱ھ، جلد ۱۰، ص: ۱۱۱

۳۹۔ النحل، ۱۲۵: ۱۶

۴۰۔ العنکبوت، ۲۹: ۴۶

۴۱۔ الکہف، ۱۸، ۵۶

۴۲۔ ابن ماجہ سنن ابن ماجہ، جلد: ا، ص: ۹۶، رقم: ۲۶۰

فصل دوم: مناظرے کے آداب اصول اور اسالیب

دین اسلام کی ترویج واشاعت میں مناظرے کا بڑااہم مقام ہےاس کے ذریعے لوگ اسلام کی طرف مائل ہوتے ہیں، گمراہ فرقے راہ راست پر آتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول پر ہونے والے اعتراضات کا خاتمہ ہوتا ہےاور نئے علمی گوشے سامنے آتے ہیں ۔اس لیے بہترین نتائج کے حصول کے لیے مناظرہ کے آداب اصول اور اسالیب کا لحاظ بہت مفید ہے۔

مناظرے کے بہت سے آداب ہیں، اہمیت وافادیت کے پیش نظرانہیں تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

ا:۔اخلاقی آداب ۲:۔علمی آداب ۳:۔گفتگوکے آداب

1:۔ اخلاقی آداب:۔

اسلام ایک کامل دین ہے جس میں اخلاقیات کو بڑااہم مقام حاصل ہے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ انما بعثت لاتمم مکارم لاخلاق۔[1]

حضرت ابوہریرؓہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک مجھے اعلی اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے

کامیاب زندگی گزارنے کے لیے اعلی اخلاقی اقدار کی پاسداری بہت ضروری ہے۔مناظرہ جوکہ دعوت دین میں بڑی اہمیت کا حامل اسلوب ہے اس میں اختلاقیات کے اصولوں کا لحاظ از حد لازم ہے۔مناظرہ کے دوران جن اخلاقی آداب کا خیال رکھنا ضروری ومفید ہےان میں سے چند اہم آداب کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

ا:۔ اخلاص اور صدق نیت:۔

اخلاص اور صدق نیت ہر عمل کیلئے لازمی ہے مناظرہ میں بھی اخلاص کو اولین ترجیح دی جانی چاہیے نیت صرف یہ ہو کہ حق بات واضح ہو جائے ریاکاری اور علمی تفاخر سے پرہیز بہت ضروری ہے۔امام شافعی فرماتے ہیں۔

مناظرہ اس نیت سے کرو کہ اللہ تعالیٰ فریق مخالف پر حق بات واضح کردے اور وہ اسے قبول کرلے۔[2]

۲:۔ تقرب الٰہی کا حصول:

مناظر کو چاہیے کہ وہ شہرت، دنیاوی لالچ اور عزت کے لیے مناظرہ نہ کرے اس کا مقصد صرف اور صرف دین اسلام کی سربلندی اظہار حق اور تقرب الٰہی کا حصول ہو امام الحرمین جوینی لکھتے ہیں:

فاول شئی فیه مما علی المناظر ان یقصد التقرب الی اللہ سبحانه و طلب مرضاته[3]

پہلی چیز جو مناظر کو مد نظر رکھنی چاہیے وہ یہ ہے کہ اس کا مقصد تقرب الی اللہ اور رضائے الٰہی ہو۔

۳:۔ حسن اخلاق:

اخلاق ایسی چیز ہے جس سے انسان دوسروں کو متاثر کر سکتا ہے مناظرے میں اخلاق کا عملی ثبوت دینا چاہیے رائے اور عقائد میں اختلاف ہونا ایک فطری عمل ہے لیکن اس وجہ سے اپنے اخلاق کو متاثر نہیں ہونے دینا چاہیے اہل مکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید اختلاف کے باوجود آپ کے حسن اخلاق کی تعریف کیا کرتے تھے، بہت سے ایسے لوگوں کے واقعات ملتے ہیں جو آپ ﷺ کے اخلاق سے متاثر ہوکر مسلمان ہوے تھے۔آپ ﷺ کے اخلاق کریمہ کے متعلق ارشاد خداوندی ہے۔

وانک لعلی خلق عظیم [۴]

بے شک آپ ﷺ کا اخلاق عظیم ہے۔

لہٰذا مناظر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے مناظرہ کے دوران حسن اخلاق کا مظاہرہ کرے۔

۴:۔ حلم وصبر:

یہ فطری عمل ہے کہ جب کوئی کسی کی رائے سوچ اور فکر کے خلاف کام کرتا ہے تو اسے غصہ آتا ہے خصوصا مذہب کے معاملے میں کوئی شخص یہ برادشت نہیں کرتا کہ کوئی اس کے دین و عقیدہ اور مذہبی شخصیات کے خلاف کوئی بات کرے۔ مناظرہ کے آداب میں یہ بات شامل ہے کہ ہر حال میں صبر و تحمل سے کام لیا جائے۔ فریق ثانی کی بات اگرچہ کتنی ہی غلط کیوں نہ ہو تحمل سے سننی چاہیے اور دلائل کے ساتھ اس کا رد کرنا چاہیے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو خاص طور پر یہ حکم دیا گیا:

خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن الجاھلین [۵]

در گزر کرو، نیکی کا حکم دو اور نادان لوگوں سے اعراض کرو۔

در گزر، حلم، بردباری اور حوصلہ مندی ایسی صفات ہیں جو غصہ اور سختی کے مقابلے میں بڑی مفید ہیں۔

۵:۔ محبت وشفقت:۔

مناظر کو چاہیے کہ اپنے دل میں فریق ثانی سے شفقت، محبت اور ہمدردی کے جذبات لے کر میدان میں اترے کیونکہ مناظرے کا مقصد ہی ہے کہ سچی اور کھری بات واضح ہو جائے۔ لہٰذا اگر سختی، شدت اور تند رویہ ہو گا تو فریق مخالف پر وہ اثر نہیں پڑے گا جو مناظرے کا اصل مطلوب ہے۔ مناظرے میں بدلہ انتقام اور حسد نہیں ہونا چاہیے کیونکہ حسد بغض عداوت اور دشمنی میں کیے جانے والے معاملات خاطر خواہ فائدہ مند نہیں ہوتے ویسے بھی محبت وشفقت اور نرمی دونوں گروہوں میں امن والا ماحول پیدا کرتی ہیں۔ ان سے وسعت قلبی اور عقلی آسودگی میسر آتی ہے۔ لوگوں کو قریب لانے کا یہ ایک بہترین ذریعہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمایا:

فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ القلب لا نفضو من حولک۔ [۶]

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) یہ اللہ کی بڑی رحمت کہ آپ ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہیں ورنہ اگر آپ تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب آپ کے گرد و پیش سے چھٹ جاتے۔

اگر کائنات کے افضل ترین انسان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نرمی اور شفقت کی تلقین کی جارہی ہے اور ان کے سامنے نرمی کے فوائد بیان کیے جارہے ہیں تو پھر عام لوگ کہاں کھڑے ہیں لہٰذا مناظرے کا سب سے اہم ادب شفقت و محبت اور نرمی ہے۔

۶:۔ احترام انسانیت

اختلاف ہونا کوئی بڑی بات نہیں، صحابہ کرامؓ میں بھی باہم اختلاف ہو جایا کرتا تھا لیکن اصل بات یہ ہے کہ دلوں میں نفرت نہ آئے دوسرے کے مقام و مرتبہ اور منصب کا خیال رکھا جائے اختلاف کی وجہ سے حسد بغض اور دوسرے کی تنقیص پر اتر آنا کوئی قابل تعریف کام نہیں۔ اسلاف میں اختلاف ہو جاتا لیکن روابط نہ ٹوٹتے تعلقات اسی طرح برقرار رہتے اس چیز کا خاص خیال

اس وقت رکھنا چاہیے جب مناظرہ آپس میں ہو یعنی مسلمانوں میں کسی مسئلہ پر بحث ہو رہی ہو البتہ عمومی طور پر یہ ادب ہر جگہ ملحوظ خاطر رہنا چاہیے۔

۷:۔ پر سکون ماحول:

مناظرہ کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ ایسی جگہ کا انتخاب کریں جو شور و غوغا سے پاک ہو ماحول پر سکون اور آرام دہ ہو، خود مناظرہ کرنے والے بھی خوشگوار موڈ میں ہوں، اس لیے کہ ارد گرد کا ماحول اور ذاتی رویہ ساری سرگرمی پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتا ہے مناظرہ کرنے والے آپس میں ایک دوسرے کو جاننے والے ہوں تو زیادہ بہتر ہے۔

2۔ علمی آداب:

اسلام تاریخ انسانی کی ایک عظیم علمی تحریک ہے۔ علم کے بغیر کسی جماعت یا گروہ کی کامیابی ممکن نہیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے ولا پہلا خدائی حکم علم کی اہمیت پر واضح دلیل ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

اقرا باسم ربک الذی خلق۔[۷]

اپنے رب کے نام سے پڑھو، جس نے پیدا کیا۔

مناظر کے لیے اعلی علمی ذوق کا حامل ہونا بہت ضروری ہے مناظرے میں اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کرنے کے لیے بہت سے علمی آداب کی بجاآوری ہونی چاہیے اس ضمن میں چند اہم علمی آداب درج ذیل ہیں۔

ا:۔ علم:

مناظرےمیں کامیابی حاصل کرنے کیلئے علم ایک اساسی چیز ہے اس کے بغیر کامیابی پانا اور فریق مخالف کے موقف کو کمزور قرار دینا مشکل ہے۔ علم کے بغیر ایسی کوشش اور تمام سرگرمی وقت کا ضیاع ہے۔ ایسے مناظر کو مناظرہ سے منع کرنا چاہیے جس کے پاس علم نہ ہو ارشاد باری تعالی ہے۔

ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ولا ہدی ولا کتاب منیر[۸]

کوئی آدمی وہ ہے کہ اللہ کے بارے میں یوں جھگڑتا ہے کہ نہ تو علم نہ کوئی دلیل اور نہ کوئی روشن نوشتہ۔

ایک دوسری آیت کریمہ میں ہے۔

ہا انتم ہولاء حاججتم فیما لکم بہ علم فلم تحاجون فیما لیس لکم بہ علم واللہ یعلم وانتم لا تعلمون[۹]

سنتے ہو یہ جو تم ہو اس میں جھگڑتے جس کا تمہیں علم تھا تو اس میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

امام قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

فی الایۃ دلیل علی المنع من الجدال لمن لا علم لہ[۱۰]

اس آیت کریمہ میں اُس کے لیے مجادلہ کرنے کی ممانعت ہے جس کے پاس علم نہیں۔

مناظرے میں علم وحکمت کی ضرورت واہمیت بیان کرتے ہوئے ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔**وقد ینھو ن عن المجا دلة والمناظرۃ اذا کان المناظر ضعیف العلم بالحجة و جو اب الشبھة** [اا]

اہل علم ایسے مناظرہ اور مجادلہ کرنے سے منع کرتے تھے جس کے پاس دلائل کمزور ہوتے اور وہ صحیح موقف پر وارد ہونے والے شبہات کا مدلل جواب دینے کی اہلیت نہ رکھتا تھا۔

۲:۔ دلیل:

ویسے تو "دلیل" علم کے زمرے میں ہی آتی ہے بسا اوقات بندے کو علم تو ہوتا ہے لیکن کوئی ایسی دلیل نہیں ہوتی جو اس کے علم کو لوگوں کے سامنے واضح کرے۔ پھر دلیل کی بھی دو اقسام ہیں۔

(الف) دلیل صحیح (ب) دلیل ضیعف

دلیل صحیح کے ساتھ اپنی بات اور موقف کو پیش کیا جائے جیسے اللہ تعالی قرآن مجید میں جگہ جگہ دعوت توحید پیش کرتے ہیں۔ بتوں کی پوجا کارد کرتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالی کی دعوت دلیل صحیح پر ہے۔ مثلاً اللہ تعالی فرماتے ہیں۔

و یعبدون من دون اللہ مالا ینفعھم ولا یضر ھم [۱۲]

وہ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کو پکارتے ہیں جو ان کو نہ نفع دے سکتی ہیں اور نہ ہی نقصان۔

قرآن مجید میں اکثر مقامات پر شرک کارد دلیل صحیح کے ساتھ کیا گیا ہے جبکہ اس کے مقابلہ میں اہل شرک اپنے شرکیہ عقائد و نظریات کے حق میں بات کرتے ہیں ان کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ کیا ہمارے آباؤ اجداد گمراہ تھے ؟ کیا اُن کو ان چیزوں کا پتہ نہیں تھا؟ اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں۔

واذا قیل لھم اتبعو ماانزل اللہ قالو بل نتبع ما الفینا علیه ابا ء نا [۱۳]

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالی کی نازل کردہ تعلیمات کی پیروی کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اس چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا۔

قرآن مجید میں کئی مقامات پر ان کی یہ ردی قسم کی دلیل بیان کی گئی ہے جو ضعیف اور غیر صحیح ہے۔ اس مثال سے دلیل صحیح اور دلیل ضعیف کا فرق واضح ہوتا ہے لہٰذا مناظرہ میں ایسے دلائل پیش کیے جائیں جو علمی اور حقائق کی نشاندہی کرنے والے ہوں۔

۳:۔ مثالوں سے بات کی وضاحت:

مناظرے میں اچھی اور عمدہ قسم کی مثالیں گفتگو اور موقف کو قوت فراہم کرتی ہیں اور سامعین کو بات سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے قرآن مجید میں اللہ تعالی نے کئی مقامات پر مثالوں سے بات کو مزین کیا ہے خود اللہ تعالی اس انداز خطاب کی وجہ بیان فرماتے ہیں۔

و تلک الا مثال نضر بھا للنا س لعلھم یتفکرون [۱۴]

یہ مثالیں ہم اس لیے بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ غور فکر کریں۔

اسی طرح اللہ تعالی فرماتے ہیں۔

و یضرب اللہ الا مثال للناس لعلھم یتذ کرون

اللہ تعالیٰ لوگوں کیلئے مثالیں بیان کرتے ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

مناظرے کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ لوگ حق کیلئے غور فکر کریں اور پھر صحیح راستہ منتخب کریں لہٰذا مناظرے میں مثالوں کی مدد سے اپنی موقف کی وضاحت ایک مفید عمل ہے۔

غلطی تسلیم کرنا اور حق بات قبول کرنا:

سب سے اہم ادب جس کیلئے مناظرہ کیا جاتا ہے وہ یہی ہے کہ غلطی کو تسلیم کرلیا جائے اور صحیح بات قبول کرلی جائے۔ غلط نظریات پر ڈٹے رہنا اور دلائل کے باوجود اپنے موقف سے پیچھے نہ ہٹنا یہ اچھی بات نہیں۔ جب صحیح بات واضح ہو جائے تو خوشی کے ساتھ اسے قبول کرنا چاہیے اور ایسے آدمی کا شکریہ ادا کرنا چاہیے جس کے سبب ہدایت نصیب ہو۔

بظاہر اپنا نظریہ بدلنا اور اپنے موقف سے پیچھے ہٹنا مشکل لگتا ہے لیکن علمی دانشمندی کا تقاضا یہی ہے۔ لہٰذا مناظرہ کو چاہیے کی حق بات کو قبول کرنے میں تردد کا شکار نہ ہو۔ قرآن مجید میں اہل ایمان کی یہی تربیت کی گئی ہے کہ لوگوں کی پرواہ کیے بغیر تم اپنے رب کی پیروی کرو:

ثم جعلناک علی شریعة من الا مر فأتبعھا ولا تتبع اھو اء الذین لا یعلمون[١٦]

(اے نبی ﷺ) ہم نے آپ کو دین کے معاملہ میں ایک صاف شریعت پر قائم کیا ہے لہٰذا آپ اسی پر چلیں اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جو علم نہیں رکھتے۔

3:۔ گفتگو کے آداب:

اچھی گفتگو مخاطب پر اچھا اثر ڈالتی ہے بد کلامی نفرت کو جنم دیتی ہے۔ مناظر کے لیے ضروری ہے کہ خوبصورت اور نفیس انداز میں گفتگو کرے۔ دوران مناظرہ اچھی گفتگو کرنے کے بہت سے آداب ہیں، ان میں سے چند اہم کو ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے

ا:۔ عمدہ اور اچھا کام:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو عمدہ طریقے سے دعوت دین پیش کرو۔

ادع الی سبیل ربك بالحکمة و الموعظة الحسنة و جادلھم بالتی ھی احسن ان ربك ھو اعلم بمن ضل عن سبیلة وھو اعلم بالمھتدین[١٧]

اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور عمدہ وعظ سے بلایئے ان سے بحث بھی کرو تو پسندیدہ طریقہ سے کرو آپ کے رب کو خوب معلوم ہے کہ کون اس کے راستہ سے بہکا ہوا اور ان کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت پر ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایات دی جارہی ہیں کہ بولنے اور مخاطب کرنے کا عمدہ انداز اپناؤ۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں انبیاء کا تذکرہ آتا ہے کہ انہوں نے اپنی قوموں کو دعوت پیش کی تو ان کا طریقہ یہ تھا" یا قوم "اے میری قوم کتنا خوبصورت انداز ہے ۔ قوم اگر فحاشی اور عریانی کی آخری حد تک بھی پہنچی ہوئی ہو تو اچھی گفتگو ضرور مثبت نتائج بر آمد کرے گی۔

۲:۔ گالی گلوچ اور طعن و تشنیع سے اجتناب:۔

مناظرہ میں گالی گلوچ اور طعن و تشنیع سے پرہیز بہت ضروری ہے، اسلام نے ان قبیح حرکات کے بارے میں کیا رویہ رکھا ہے اس کی وضاحت اس حکم خداوندی سے ہوتی ہے:۔

ولا تسبو الذین یدعون من دون اللہ فیسبو اللہ عدو بغیر علم کذلک زینا لکل امۃ عملھم ثم الی ربھم مرجعھم فینبئھم بما کانو ایعملون[۱۸]

انہیں گالی نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی اور جہالت سے یونہی ہم نے ہر امت کی نگاہ میں اس کے عمل بھلے کر دیئے ہیں پھر انہیں اپنے رب کی طرف پھرنا ہے اور وہ انہیں بتادے گا جو کرتے تھے۔

۳:۔ اپنی مدح سرائی سے گریز:۔

دوران کلام اپنی بے جا، مدح سرائی پوری بات کو مذموم بنادیتی ہے۔ لوگ بار بار ایسے آدمی کی تعریف، سیرت اور کارنامے سننا پسند نہیں کرتے جو بات بات پر اپنے عالم ہونے کا یقین دلائے۔ اس سے ایک تاثر یہ بھی ملتا ہے کہ متکلم کے پاس دلائل کمزور ہیں۔ یہ محض اپنے آپ کو بڑا بنا کر فریق ثانی پر حاوی ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں۔

ان الرحل اذا ذھب یمدح نفسہ ذھب بھاوہ[۱۹]

آدمی جب اپنی تعریف شروع کرتا ہے تو اس کا بھرم ختم ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالی نے بھی اس بات سے منع کیا ہے کہ انسان اپنے آپ کو بڑا پاک صاف اور عالی شان بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرے۔ ارشاد خداوندی ہے:

فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقی[۲۰]

پس تم اپنے آپ کو خود ہی پاکیزہ ہونے کی سند نہ دو، وہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ کون ڈرنے والا ہے۔

لہٰذا مباحثہ، مکالمہ وغیرہ میں اپنی تعریف اور مدح سرائی مستحسن کام نہیں ہے۔

۴:۔ فریق مخالف کا تمسخر نہ اڑایا جائے

جب کوئی بندہ دلیل سے بات کر رہا ہو تو اس کی بات سننی چاہیے بات اگر غلط ہو تو دلیل سے ہی اس کو غلط ثابت کی جائے یہ ایک علمی انداز ہے کسی کا مذاق اڑانا اور تمسخر کرنا درست نہیں۔ حضرت موسی نے جب فرعون کے سامنے اپنی بات پیش کی تو اس نے بجائے بات سننے کے ان کو مذاق کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ اللہ تعالی نے اس کا بڑا پیارا نقشہ پیش کیا ہے

وفی موسی اذارسلناہ الی فرعون بسلطان مبین فتولی برکنہ وقال ساحر او مجنون[۲۱]

تمہارے لیے نشانی ہے موسی کے قصے میں جب ہم نے اسے صریح سند کے ساتھ فرعون کے پاس بھیجا تو وہ اپنے بل بوتے پر اکڑ گیا اور بولا یہ جادوگر یا مجنون ہے۔

فرعون نے واضح اور صریح معجزات کے باجود جادو گر اور مجنون کہہ کر بات ٹالنے کی کوشش کی۔ یہی رویہ اہل کفر نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روا رکھا آپ کی دعوت پر کان دھرنے کے بجائے آپ کو (نعوذ باللہ) مجنون اور دیوانہ کہنا شروع کر دیا۔ مناظرے میں یہ انداز اہل علم کو زیب نہیں دیتا حتیٰ الامکان اپنی زبان سے ایسے الفاظ اور جملے نکالے جائیں جو معنی خیز ہوں۔ ایسے

الفاظ جو مشکلات کا باعث ہوں، فتنے کا باعث ہوں، غیبت اور چغلی کے زمرے میں آتے ہوں، نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہوں۔ لڑائی جھگڑے کا موجب ہوں، جھوٹ پر مبنی ہوں، ان سے گریز ضروری و مفید ہے۔

مناظرہ کے اصول:

اصول و ضوابط کا مناظرہ میں خیال رکھ کر اسے مفید اور نتیجہ خیز بنایا جاسکتا ہے چند اہم اصول مناظرہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ا:۔ وقت کا تعین

مناظرہ کرنے والے دونوں حضرات کیلئے گفتگو کا وقت کا معین کرلینا چاہیے کہ دونوں کتنی کتنی دیر بات کریں گے ایسا نہ ہو کہ ایک اپنی بات بہت زیادہ لمبی کردے اور دوسرے کو اتنے وقت نہ دیا جائے بلکہ دونوں کو برابر وقت دینا چاہیے۔

۲:۔ بات توجہ سے سننا

مناظرہ کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ ایک دوسرے کی بات غور سے اور خاموشی سے سنیں اگرچہ بات کتنی ہی غلط یا حقائق کے برعکس ہو، اپنی باری پر اس کا؛ بھرپور تعاقب کریں لیکن جب وہ بول رہا ہو تو اسے ٹوکنا نہیں چاہیے۔ بات توجہ سے نہ سننا شور کرنا بار بار اسے ٹوکنا قابل تحسین امور نہیں ہیں۔

۳:۔ موضوع کا تعین:

مناظرہ کیلئے موضوع کا تعین کرلینا چاہیے۔ وقت کے حساب سے موضوع کو وسعت دی جائے بہتر ہے کہ موضوع کا تعین اور اس کا دائرہ تشکیل دے کر وقت کا تعین کیا جائے، مجموعی طور پر اتنا وقت رکھا جائے جس میں دونوں مناظر اپنا اپنا مدعا واضح کر سکیں ایک دوسرے کے اشکالات کا تشفی بخش جواب دے سکیں۔۔ موضوع کا پھیلاؤ زیادہ اور وقت تھوڑا ہو تو بات نہیں بن سکے گی۔

۴:۔ حصول حق کی فکر:

تعصب، ہٹ دھرمی اور اندھی تقلید پر جمے رہنے کے بجائے حصول حق کی فکر لے کر مناظرہ کرنا چاہیے امام غزالی فرماتے ہیں۔

التعاون علی طلب الحق من الدین ولکن له شروط و علامات ان یکون فی طلب الحق کنا شد ضالة یفرق بین ان تظهر الضآلة علی یده او علی ید من یعاونة ویری رفیقه معینا لا خصما و یشکره اذا عرفة الخطا و اظهره له الحق [۲۲]

حق پر تعاون مانگنا دین ہے اور اس کی کچھ شرائط و علامات ہیں حق کی تلاش بھی ویسے ہی ہونی چاہیے جیسے کسی گم شدہ چیز کو تلاش کیا جاتا ہے گم شدہ چیز کبھی اپنی کوشش سے اور کبھی اپنے دوست کی کوشش سے مل جاتی ہے یہی معاملہ راہ حق کا ہے جس دوست کے سبب یہ راستہ مل جائے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے اور راہ ثواب اختیار کرلینی چاہیے۔

۵:۔ اہلیت مناظرہ:

اہلیت سے مراد علم، دلیل قوت استدلال اشکالات و شبہات کا مدلل جواب دینے کی صلاحیت نقد کی عمدہ صلاحیت اصلی ماخذ و نصوص سے واقفیت اور سب سے اہم بات موضوع مناظرہ کے بارے میں فریق مخالف کے نقطۂ نظر سے مکمل طور پر واقفیت

ہو نا ضروری ہے۔اپنا موقف تو ہر کوئی پیش کر سکتا ہے لیکن خوبصورت بات یہ ہے کہ فریق مخالف کے موقف اور دلائل سے بھی واقفیت ہو۔

مناظرے کے اسالیب:

مناظرہ ایک اہم دعوتی اسلوب ہے۔جس کا دفاع اسلام میں بڑا اہم کردار ہے یہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی عملی تعبیر ہے نیکی کا حکم اور برائی سے روکنا مناظرے کا خاصہ ہے۔اسی وجہ سے اُمت مسلمہ کو دیگر امتوں پر فضیلت دی گئی ہے ارشادِ خداوندی ہے۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر [۲۳]

تم بہترین امت ہو تم انسانوں کی بھلائی کے لیے بھیجے گئے ہو تم نیکی کا حکم کرتے اور برائی سے روکتے ہو۔

ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی عقل فہم اور علم کے مطابق بتدریج اسلام کی دعوت پیش کرے اس کی ذمہ داری ہے کہ لوگ جس اسلوب اور طریقے کو پسند کرتے ہوں یا لوگوں میں جس اسلوب کا رواج ہو اور وہ شریعت کے خلاف نہ وہ تو اس کے مطابق ان کو دعوت اسلام پیش کی جائے۔اسلام کو آسان سے آسان تر انداز میں لوگوں کے سامنے پیش کرنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔اگر کسی کو اسلام کے بارے میں یا اسلام کی کسی عبادت قانون ضابطے اور عقیدے کے بارے میں کوئی اشکال، شبہ یا سوال ہو تو اس کو حل کرنا بھی امت محمدیہ کے ہر فرد، خاص طور پر علماء اسلام کی ذمہ داری ہے۔امام شافعی لکھتے ہیں:

فلیست تنزل فی احد من اھل دین اللہ نازلہ الا وفی کتاب اللہ الدلیل علی سبیل الھدی فیھا [۲۴]

دین میں آنے والی کوئی مشکل، سوال اور اشکال ایسا نہیں جس کا جواب کتاب اللہ میں موجود نہ ہو۔

مناظرہ بھی دعوت اسلام کو پھیلانے عام کرنے اور اس پر وارد ہونے والے اشکالات کو زائل کرنے کا ایک طریقہ اور ذریعہ ہے حالات وواقعات کے اعتبار سے مناظرے کے بہت سے اسالیب اختیار کیے جاسکتے ہیں۔ان میں سے چند اہم اسالیب کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

ا:۔ براہ راست اسلام کی دعوت دینے کا اسلوب

اسلام کی دعوت دوسروں کو پیش کرنے کیلیے ان سے مناظرہ مجادلہ اور مباحثہ کرنے کی ابتداء سابقہ انبیاء سے ہوتی ہے جنھوں نے اس اسلوب سے اسلام یا توحید باری تعالی کو لوگوں کے سامنے پیش کیا۔حضرت یوسف علیہ السلام نے قید کے دران اپنے دوساتھیوں کو دعوت دین پیش کی اس کا نقشہ اللہ تعالی ان الفاظ میں کھینچتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا؛

یاصاحبی السجن اارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القھار ماتعبدون من دونہ الا اسماء سمیتموھا انتم واباؤ کم ماانزل اللہ بھا من سلطان ان الحکم الا للہ امر الا تعبدہ الا ایاہ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون(۲۵)

اے میرے قید خانے کے دوستو! کیاجداجدا رب بہتر ہیں یا اکیلا زبردست اللہ، تم اس کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو وہ تو محض نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء نے رکھ لیے ہیں اللہ تعالی نے اس کی کوئی دلیل نازل نہیں کی، حکم تو صرف اللہ کا ہی ہے اس نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

۲:۔ عقلی اسلوب

عقلی دلائل مشاہدات کے ساتھ اپنے موقف کو واضح کرنا فریق مخالف پر ایسے دلائل کی بوچھاڑ کرنا جن کو عقلی طور پر وہ رد کرنے کا متحمل نہ ہوسکے۔ یہ طریقہ بھی قرآن مجید سے ملتا ہے سورہ النحل میں حضرت سلیمانؑ اور بلقیس کا قصہ ملتا ہے کہ جب حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کا تخت اپنے دربار میں طلب کیا اور بلقیس بھی پہنچ گئی تو حضرت سلیمانؑ نے عقلی انداز سے اسے دعوت حق قبول کرنے پر مجبور کیا اور تخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: **اھکذا عرشك** ۲۶

کیا اسی طرح کا تیرا عرش ہے؟ چنانچہ وہ اس سے متاثر ہوئی، اس نے اسلام قبول کرلیا اور اقرار کیا:

قالت رب انی ظلمت نفسی و اسلمت مع سلیمان للہ رب العالمین ۲۷

عورت نے عرض کی اے میرے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اب سلیمان کے ساتھ اللہ کے حضور گردن رکھتی ہو

ں جو سارے جہان کا رب ہے۔

۳۔ وعظ و نصیحت کا اسلوب

تذکیر اور وعظ و نصیحت کے ذریعے لوگوں کو سمجھانا ان کو اللہ تعالی کی نعمتیں یاد دلا کر اللہ کی طرف راغب کرنا، کہ دیکھو جس اللہ نے تمہیں پیدا کیا ہے، روزی دیتا ہے تمہارے لیے اتنی بڑی کائنات اور اس میں بے شمار نعمتیں رکھی ہیں، وہی اس لائق ہے کہ تم اس کی اتباع کرو۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

یابنی اسرائیل اذکروا نعمتی واِنّی انعمت علیکم اونی فضلتکم علی العالمین ۲۸

اے بنی اسرائیل! میری نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تمہیں بطور انعام دی تھیں یاد کرو میں نے تمہیں تمام کائنات پر فضیلت دی تھی۔ یہی حال قوم نوح، قوم عاد وغیرہ کا ہے کہ ان کو بھی اللہ تعالی کے برگزیدہ پیغمبر اسی انداز سے دعوت دیتے تھے ۔ لیکن وہ انبیاء کرام کو دھمکیاں دیتے ان کی توہین کرتے ان کی دعوت کا مذاق اڑاتے تھے مگر انبیاء ورسل نے اپنی دعوت میں ذرا بھی کمی نہیں آنے دی۔

۴:۔ ترغیب و ترہیب کا اسلوب

جزا اور سزا کے ذریعے اور اللہ تعالی کے عذاب و پکڑ سے ڈرانا بھی مفید عمل ہے، اللہ تعالی فرماتے ہیں۔

ولو اَن اھل الکتاب امنوا واتقوا لکفر ناعنھم سیئا تھم ولا دخلنا ھم جنات النعیم ولو انھم اقاموا التوراۃ والانجیل وما انزل الیھم من ربھم لا کلو من فوقھم ومن تحت ارجلھم منھم امۃ مقتصدۃ و کثیر منھم ساء مایعملون ۲۹

اگر (اس سرکشی کے بجائے) یہ اہل کتاب ایمان لے آتے اور خدا ترسی کی روش اختیار کرتے تو ہم ان کی برائیاں ان سے دور کردیتے اور ان کو نعمت بھری جنتوں میں پہنچاتے، کاش انہوں نے تورات، انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم کیا ہوتا جو ان

کے رب کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی تھیں ایسا کرتے تو ان کے لیے اوپر سے رزق برستا اور نیچے سے ابلتا۔ اگرچہ ان میں سے کچھ لوگ راست رو بھی ہیں لیکن ان کی اکثریت سخت بد عمل ہے۔

اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان بڑا اہم ہے

اسلم تسلم یو تك الله اجرك مرتین ۳۰

اسلام قبول کرلو، سلامتی پا جاؤ گے اور اللہ تمہیں دوہرا اجر دیں گے۔

قرآن و حدیث میں یہ انداز بہت زیادہ ملتا ہے لیکن اس انداز گفتگو سے زیادہ تر وہ لوگ بات سنتے ہیں جن میں مذہب کا کچھ لگاؤ ہو۔ یا اگر وہ مسلمان ہیں اور گمراہ ہو چکے ہیں تو یہ طریقہ ان کو راہ راست پر لانے کے لیے بھی کارگر ثابت ہو سکتا ہے البتہ عام طور پر براہِ راست دعوت اور عقلی طریقہ سے ہی زیادہ فائدہ ہوتا ہے کیونکہ اس میں براہِ راست مسئلہ خاص پر بحث کی جاتی ہے اور اس سے متعلقہ اشکالات کا جواب دیا جاتا ہے ہاں ضمناً ساتھ یہ ترغیب وترہیب کی چیزیں بھی ذکر کردی جائیں تو بہت فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ بیہقی، احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ، ابو بکر (۳۸۴۔۴۵۸ھ) سنن البیہقی الکبری باب بیان مکارم الاخلاق و معالیہا مکتبہ دار الباز، مکۃ المکرمۃ ۱۴۱۴ھ جلد ۱۰، رقم ۲۰۵۷۱

۲۔ الکامل عمر بن عبداللہ آداب الحوار و قوائد الاختلاف مکتبۃ المنہاج الریاض، ۱۴۲۶ھ ص ۸

۳۔ امام الحرمین الکافیۃ فی الجدل ص ۵۲۹

۴۔ القلم ۴:۶۸

۵۔ الاعراف، ۷: ۱۹۹

۶۔ آل عمران ۳، ۱۷

۷۔ العلق ۱:۹۶

۸۔ الحج، ۸:۲۲

۹۔ آل عمران ۳، ۶۶

۱۰۔ قرطبیؒ، محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح ابو عبداللہ (۲۸۴۔۳۸۰ھ) الجامع الاحکام القرآن دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۴ھ جلد ۴، ص: ۷۰

۱۱۔ ابن تیمیہ تقی الدین احمد بن عبدالسلام بن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن تیمیہ (۶۶۱۔۷۲۷ھ) درء تعارض العقل بیروت، ۱۴۰۴ھ جلد ۴ ص ۷۰

۱۲۔ الفرقان ۲۵، ۵۵

۱۳۔ البقرہ، ۱۷۰:۲

۱۴۔ الحشر ۵۹، ۲۱

۱۵۔ ابراہیم ۱۴، ۲۵

۱۶۔ الجاثیہ ۴۵: ۱۸

۱۷۔ النحل ۱۲۵، ۱۶

۱۸۔ الانعام ۱۰۸: ۶

۱۹۔ ذہبی، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان (۶۷۳۔۷۴۸ھ) سیر اعلام النبلاء مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط: ۱۱۔۱۴۱۷ھ جلد: ۸، ص: ۱۰۹

۲۰۔ النجم، ۵۳: ۳۲

۲۱۔ الذاریات، ۵۱:۴۱

۲۲۔ الغزالی محمد بن محمد، ابو حامد (۴۵۰۔۵۰۵ھ) احیاء العلوم الدین، دار المعرفہ، بیروت، ط: ا، ص: ۴۲

۲۳۔ آل عمران ۱۱۰: ۳

۲۴۔ شافعی، محمد بن ادریس (۱۵۰۔۲۰۴ھ) الام، تحقیق احمد محمد شاکر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ط:۱، ۱۴۱۴ھ، ص:۲۰

۲۵۔ یوسف، ۲۰:۱۲

۲۶۔ النمل ۴۲:۲۷

۲۸۔ النمل ۴۴:۲۷

۲۹۔ المائدۃ۵٦:۵

۳۰۔ بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ الجعفی (۱۹۴۔۲۵٦ھ) الجامع الصحیح دار طوق النجاۃ بیروت، ط:۱: ۱۴۲۲ھ جلد:۱، ص:۹، رقم:۷

فصل سوم: برصغیر میں مناظرانہ ادب کی روایت

مسلم مسیحی مناظرانہ روایت

برصغیر کے انگریز عہد حکومت میں اسلام علمی و فکری اور تہذیبی و سیاسی خطرات میں گھرا ہوا تھا۔ مسیحی پادری، اخبارات و رسائل اور تالیفات کے ذریعے اسلامی تعلیمات کی طرح طرح سے برائیاں ظاہر کرتے تھے وہ بانی اسلام ﷺ کے اخلاق و عادات پر انواع واقسام کی نکتہ چینیاں کرتے تھے عیسائی مشنریز کی ان سرگرمیوں کو روکنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے علماء اسلام کی بڑی جماعت کو کھڑا کیا جن کے دل اخلاص سے معمور اور دماغ روشن تھے انہوں نے عیسائیت کے اصل مآخذ و مصادر کا تجزیہ کرکے مذہب مسیحی کا وسیع و عمیق جائزہ لیا اور عیسائی مشنریز کے حملوں کا نہ صرف جواب دیا بلکہ عیسائیت کو بھاگنے پر مجبور کر دیا انہوں نے ہر طرح کے مصائب جھیل کر اور آگ کے سمندر میں کود کر اثاثہ اسلام کے گرد عشق و وفاء کا ایسا پہرا دیا جس کی مثال نہیں ملتی ان علماء نے قرآن و حدیث، کتب سماویہ اور عقلی دلائل کی مدد سے عقائد و تعلیمات و اسلام کا دفاع کیا عیسائی مشنریز کے الزامات و اعتراضات کا بھرپور جواب دیا اور اپنی تقریروں، مباحثوں مناظروں اور تصنیف و تالیف کے میدان میں نہایت قابل قدر ترکہ چھوڑا۔

ہندوستان میں مسیحیوں سے قبل مسلمانوں کے ہندوؤں سے مناظرے رہے ہندو مسلم مناظروں کے خاطر خواہ نتائج ظاہر ہوئے اس میں عمومی رویہ یہ تھا کہ مسلمانوں نے باوجود فاتح کی حیثیت سے کبھی اپنا مذہب اور تمدن ہندوؤں پر نہیں ٹھونسا تھا اس کا ثبوت یہ ہے کہ باوجود آٹھ سو سال حکومت کرنے کے مسلمانوں کی دہلی میں آبادی 20% سے زیادہ نہ تھی۔[۱]

اگرچہ ہندوستان میں مسیحیت کے نقوس قبل از اسلام کے ہیں لیکن تاریخ میں مسلمانوں سے ان کے بحث و مباحثہ کا کائی تذکرہ نہیں ماسوائے اس مختصر اشارہ کے کہ عہد تغلق میں بعض منادین نے عدالت استفسارات کے دوران جوابات دیئے تھے۔[۲]

پرتگیزی استعمار کے جلو میں تشدد امیز تبشیری جذبہ سے سرشار یسوعی جماعت کے تیں سرکاری وفود کے ساتھ اس جماعت سے وابسطہ پادری بھی شہنشاہ اکبر کے دربار میں آئے جہاں انہوں نے مسلم علماء کے ساتھ مناظرے کیے ان کے منادین کے سرخیل زیو ٹیر سے اس کے مسلمان دوست نے ایک مناظرے کے بعد کہا کہ اگرچہ تم میرے مہمان اور دوست ہو لیکن الفاظ تول کر منہ سے نکالا کرو۔ جب میں تمہاری باتیں سن رہا تھا تو میرا جی چاہ رہا تھا کہ میں تم کو چھری سے ہلاک کر دوں۔[۳]

دربار اکبر میں ان مناظروں میں تثلیث وفات مسیح، قرآن، رسالت و ذات مصطفیٰ ﷺ ۔موت اور آخرت جیسے موضوعات پر بحث کی جاتی تھی ان مسیحی مناظرین میں سب سے زیادہ نمایاں نام پادری جیروم زیوئر کا ہے جو مسیحی حلقوں میں بہت محترم اور قابل مثال گردانا جاتا ہے اس کی معروف تصانیف میں سے مراۃ القدس، آئینہ حق نما ہیں ابتدائی ادوار میں مغلیہ دربار میں ہونے والے مسلم مسیحی مناظروں میں کیتھولک پادری مسیحیت کی نمائندگی کرتے تھے جب کہ بعد میں پروٹسٹنٹ بھی اس میں شامل ہو گئے بلکہ یورپ میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے درمیان فکری اور تنظیمی کشمکش کا اظہار ہندوستان میں ان کی آپس کی رقابت سے ہوتا ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندوستان میں قدم جمانے کے بعد پروٹسٹنٹ مشنریز نے مناظروں کے ذریعے منادی پر خصوصی توجہ دی۔ مناظروں کا سلسلہ اگرچہ عہد اکبری ہی میں شروع ہو چکا تھا لیکن شاہ عبدالعزیز کے زمانے میں مناظروں نے اک باقاعدہ شکل اختیار کر لی تھی اور شاہ صاحب ان میں شامل ہونے کو دینی خدمت سمجھتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب پہلا مناظرہ دارالسلطنت

دہلی کی جامع مسجد میں ایک عیسائی کے ساتھ ہوا تھا۔ شاہ صاحب درس قرآن دے رہے تھے کہ دوران درس ایک انگریز مقابلے کے لیے آپ کے پاس آیا اس نے آتے ہی عرض کیا کہ حضرت میرے سوال کا جواب دیجئے آپ نے فرمایا کہو اس نے کہا:

کسے بگفت کہ عیسی زمصطفیٰ اعلی است　　　کہ ایں بزیر زمین دفن و آن باوج است

(کسی نہ کہا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ رسول کریم ﷺ سے عالی مرتبہ رکھتے ہیں اس لیے کہ آنحضرت زیر زمین دفن ہیں اور حضرت عیسیٰؑ آسمان کی بلندیوں پر ہیں۔)

اس نے کہا اس شعر سے بلندی مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ظاہر ہوتی ہے کہ وہ آسمان پر ہیں اور آپ کے نبی زیر خاک۔ شاہ عبدلعزیز نے اس وقت یہ شعر اس کے جواب میں پڑھا۔

بگفتش کہ ان ایں حجت قوی نباشد　　　حباب برسر آب و گہر تہ دریااست

(میں نے ان سے کہا کہ تمہاری یہ دلیل قوی نہیں بلبلہ پانی کے اوپر ہوتا ہے اور موتی دریا کے نیچے ہوتے ہیں) ؎

بعد ازاں بر صغیر میں انگریز حکومت کے آتے ہی مشنریز کی سرگرمیاں تیز ہو گئیں جہاں مسلمانوں کا سب کچھ چھین لیا گیا وہاں پر مشنریز نے ان کا ایمان بھی چھیننے کی ناپاک کوشش کی۔ لیکن علمائے اسلام نے ان کی اس سازش کو ناکام بنا دیا مشنریز کا مقابلہ کرنے کے لیے علماء کرام نے تحریری اور تقریری مناظرے کیے۔ اس طرح بر صغیر میں مسلم مسیحی مناظروں کا با قاعدہ آغاز ہوا۔

بر صغیر میں انگریز کی آمد کا باقاعدہ آغاز مغل بادشاہ اکبر کے دور میں ہوا مسلم حکمران کی داخلی کمزوریوں کے نتیجے میں ان کا دخل معاشی، تجارتی اور سیاسی معاملات میں بہت بڑھ گیا۔ انگریز کے اس بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کے خلاف مقامی باشندوں نے بھرپور مزاحمت کی اس مزاحمتی جدوجہد میں انہیں ناکامی ہوئی 1857ء میں انگریز سارے ہندوستان پر غالب ہو گیا اس نے اپنی سیاست وحکومت کو مضبوط کرنے کے لیے اپنے مذہب یعنی مسیحیت کا سہارا لیا۔ مسیحیت کی تبلیغ کے لیے بھرپور انتظامات کئے گئے تاکہ حاکم و محکوم دونوں کا مذہب ایک ہو جائے اور مقامی لوگوں کی طرف سے غیر ملکی حکمرانوں کے خلاف کوئی بغاوت سامنے نہ آئے چنانچہ اس حکمت وتدبیر کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مسیحی مبلغین کی آمد ہوئی ان مبلغین کو مقامی انگریز حکومت اور تاج برطانیہ کی معاونت اور سرپرستی حاصل تھی مشنری جذبے کے تحت بر صغیر میں آنے والے ان مبلغین نے مقامی پادریوں کے ساتھ مل کر نہ صرف مسیحیت کی تبلیغ کی بلکہ سابقہ حکمرانوں کے مذہب یعنی اسلام پر شدید اختلافات اور اعتراضات کئے قرآن اور صاحب قرآن پر کڑی تنقید کی مسلم علماء کو مناظروں کے لیے چیلنج کرتے رہے۔ اسلامی عقائد و تعلیمات کے خلاف کتب تحریر کیں اخبارات ورسائل کے ذریعے مذہبی اشتعال انگیزی کا مظاہرہ کیا مذہبی منافرت پھیلانے والے اور مناظرانہ سرگرمیوں کو بام عروج تک پہنچانے والے ان غیر ملکی اور مقامی پادریوں کو شمار کرنا خاصا مشکل کام ہے۔

مسلم مناظرین میں مشہور سید آل حسن مہانی ہیں آپ جلیل القدر مناظر فقیہ اور ماہر قانون تھے آپ نے مسیحیت اور اناجیل کا گہرا مطالعہ کرکے عقائد اسلام کا دفاع کیا۔

آپ لکھنوء کے قریب کوڑہ جہاں آباد کے متصل ایک بستی ہے میں 1202ھ میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام غلام سعید اور دادا کا نام وجیہ الدین تھا آپ امام رضا بن موسیٰ کاظم کی اولاد میں سے تھے۔

کسی پادری نے آپ کی دعوت کو قبول کرنے کی ہمت نہ کی عیسائی مولانا کو ردنصاری کی وجہ سے اپنا دشمن اور اپنے دین کا مخالف سمجھتے تھے اس مذہبی مخالفت کو بغاوت سے تعبیر کرتے تھے کوئی معقول ثبوت ہاتھ نہ لگا تو بلاالزام گرفتار کرلیااور جیل میں ڈال دیا ہزار جتن کیے قانونی شکنجے میں کسنے کی بے حد کوشش ہوئی لیکن حکومت ناکام ہوئی اور کوئی ثبوت مہیانہ کرسکی آخر ڈیڑھ ماہ بعد حکومت مولانا کو رہا کرنے پر مجبور ہوئی ۵؎

ڈاکٹر محمد وزیر خان کے والد شرف الدین شرفاء افاغنہ عظیم آباد پٹنی سے تعلق رکھتے تھے وہیں ان کی ولادت ہوئی انگلینڈ سے 1832 میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی آپ نے مسیحیت کے تحقیقی مطالعہ کی بنیاد رکھی آگرہ کی جامع مسجد میں علماء جمع ہوتے تھے لیکن چار سال تک تحقیقی مطالعہ کا سلسلہ جاری رہااس کے بعد مسیحی مشنریوں سے مناظرہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہو گئے۔ ٦؎

آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ معروف پادری فانڈر تحریری مناظرے میں آپ سے عاجز آگیااور آپ کے پیش کردہ عقلی و نقلی دلائل کاجواب نہ دے سکا۔ بالآخر آپ سے خط وکتابت کا سلسلہ بند کرنے پر مجبور ہوا۔ ۷؎

سید امیر حسن سہوانی (م 1874) آپ ایک عظیم عالم دین تھے ایسے مناظر تھے جس کی قابلیت وصلاحیت کااعتراف پادری اسکاٹ جیسے لوگوں نے بھی کیا۔ علم کی پیاس بجھانے کے بعد دہلی میں درس تدریس کا منصب سنبھالا۔اس کے بعد سہوان میں قیام پذیر ہو گئے اور وہاں پر درس وتدریس کے ساتھ بحث و مباحثہ میں حصے لیتے رہے آپ بہت کامیاب مناظر تھے اور فن مناظرہ کے تمام پہلوئوں سے آگاہ تھے آپ نے عیسائی پادریوں سے مناظرے کئے اور انہیں شکست دی عمر کے آخری حصہ میں تمام علائق سے منقطع ہو کر عبادت میں مشغول ہو گئے تھے علی گڑھ میں اکثر آمد ورفت رہتی تھی وہیں 11صفر 1291ھ کو انتقال کیا۔ ۸؎

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (م1880) آپ عالم دین، مجاہد اور مناظر تھے آپ 1832 کو نانوتہ ضلع سہارنپور یوپی میں پیدا ہوئے آپ نے اپنے زمانہ کے مشاہیر سے علم دین حاصل کیا درس وتدریس کے ذریعے آپ نے ایک نامور علماء کی جماعت تیار کی۔ شیخ محمد اکرام آپ کی وجہ شہرت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

ان دنوں قصبہ دیوبند ضلع سہارن پور میں مدرسہ قائم ہواآپ وہاں گئے اور مدرسہ کی سرپرستی شروع کی عوام میں زیادہ شہرت مباحثوں اور مناظروں کی وجہ سے ہوئی۔ ۹؎

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ (م 1891) مجاہد اسلام۔ محقق اور مناظر آپ نے انگریزوں کے خلاف عملی جہاد بھی کیااور علمی اور کلامی میدان میں بھی ان کو شکست سے دوچار کیا۔آپ نے انگریزوں کے اعتراضات کے جواب دیے آپ نے عیسائیت کی تردید میں مناظرانہ طرز کی بے شمار کتب لکھیں اور سرعام مسیحی مناظرین کو شکست دی آپ 1818ء کو ضلع مظفر نگر یوپی میں پیدا ہوئے۔ ۹؎

ڈاکٹر خالد محمود لکھتے ہیں:

آپ نے میدان تصنیف اور میدان مناظرہ ہر باب میں اسلام کا پورا دفاع کیااور عیسائیت پر وہ حجت تمام کی کہ تاریخ انہیں اس باب میں امام کا مقام دیتی ہے ڈاکٹر وزیر خان جو انگریزی تعلیم رکھتے تھے اور تورات پر عبور حاصل کرنے کے لیے عبرانی زبان سیکھی تھی حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے معین مناظر تھے 1270ھ میں آپ نے اکبر آباد میں پادری فانڈر سے تاریخی

مناظرہ کیا اور اسے عبرت ناک شکست دی مناظرہ تحریف بائبل۔ نسخ احکام۔ تثلیث الہ حقیقۃ القرآن اور نبوۃ محمدیہ کے پانچ موضوعات پر تھا۔ مناظرہ ابھی نسخ پر پہنچا تھا کہ پادری فانڈر نے فرار کی راہ اختیار کی اور مسلمان بڑی عزت سے کامیاب ہوئے۔ ۱۰؎

رد عیسائیت پر آپ کی کتب میں احسن الحدیث فی ابطال التثلیث۔ اعجاز عیسوی ازالہ الشکوک۔ اظہار الحق اور ازالۃ لاوہام بہت مشہور ہیں۔

حافظ ولی اللہ لاہوریؒ (م1891) ایک عظیم عالم دین مفتی مدرس اور ممتاز مناظر تھے آپ کا گھرانہ علمی تو نہ تھا مگر آپکا خاندان محنت اخلاص علم سے محبت کرنے میں معروف تھا آپ کی پانچ سال کی عمر میں چیچک کی وجہ سے بینائی زائل ہو گئی مگر آپ نے قرآن کا حفظ اور علوم شرعیہ متداولہ مشہور فاضل مولانا غلام رسول قلعوی سے حاصل کیے۔

ڈاکٹر سفیر اختر آپ کے مناظرانہ صلاحیتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حافظ صاحب مناظرانہ ذوق رکھتے تھے عیسائی پادریوں نے لاہور کی فضا اپنے دل آزار لیکچروں اور پمفلٹوں سے خراب کر رکھی تھی حافظ صاحب نے عیسائیت کا بطور خاص مطالعہ کیا اور عیسائی پادریوں سے مناظرے کرنے لگے ان کی شہرت ایک بلند پایہ مناظر کی حیثیت سے دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ انہوں نے پادری فورمین اور پادری عماد الدین سے تحریری اور زبانی مباحثے کئے اور انہیں ہر موقع پر لاجواب کیا۔ ۱۱؎

مولوی چراغ علیؒ (م1895) دفاع اسلام میں آپ نے اہم خدمات انجام دیں ہیں۔ آپ نے پادری عماد الدین کی شر انگیز کتاب " دفاع محمدی" کا جواب "تعلیمات" کے نام سے لکھا۔ اس میں مسیحی پادری کی طرف سے اسلام پر کئے جانے والے اعتراضات کا علمی عقلی جواب دیا۔

مولوی چراغ علی اپنے اہم عصروں میں سب سے زیادہ محقق اور وسیع النظر تھے لفاظی، عبارت آرائی نہیں جانتے تھے فصاحت و بلاغت سے سروکار نہ تھا واقعات کی تنقید و تنقیح اور صحیح نتائج کے استخراج میں کمال تھا۔ ۱۲؎

آپ نے مطالعہ مذاہب خصوصاً عیسائیت کے عقائد و تعلیمات کے فہم کے حوالے سے بڑی محنت کی۔ اسطرح آپ نے اسلام اور اس کے ابدی نظریات کو بڑی جانفشانی کو بے حد جستجو کے ساتھ اپنے مخصوص انداز میں پیش کیا۔ آپ کی کتاب "التحقیقات" آپ کے گہرے مطالعہ کی عکاس ہے۔

رد عیسائیت میں سر سید احمد خان کے اسلوب کی وضاحت میں عبید اللہ ندوی لکھتے ہیں ان عیسائی مشنریوں نے اسلام پر پیہم حملے کرکے یورپ میں اور پھر ہندوستان میں بھی اسلام کے خلاف بہت سی غلط فہمیاں پھیلا رکھی تھیں دوسری جانب یورپ کی نئی نئی سائنس اور قوانین فطرت کے نئے نئے اسرار کے انکشاف کی وجہ سے مسلمانوں کے ذہنوں میں طرح طرح کی الجھنیں پیدا ہو گئی تھیں جن کو جدید اسلوب میں دور کرنے کی ضرورت تھی مستشرقین بھی علمی انداز میں اسلام پر حملے کر رہے تھے ان الجھنوں کو دور کرنے اور مستشرقین کے اعتراضوں کا جواب دینے کے لیے جو لوگ ہندوستان میں آگے بڑھے ان میں سر سید احمد خان پیش رو کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ۱۳؎

مطالعہ مسیحیت میں آپ کی کتب میں سے رسالہ احکام الطعام لاہل الکتاب، تحقیق لفظ نصاری۔ خطبات احمدیہ انتہائی معروف کتابیں ہیں۔

سید ابوالمنصور ناصر الدین دہلویؒ (م 1903) برصغیر کے ان ابتدائی علماء میں سے ہیں آپ نے مسیحی پادریوں اور خصوصا نو مسیحیوں کے ساتھ مناظروں سے شہرت پائی محمد تنزیل الصدیقی لکھتے ہیں۔

آپ علوم مذاہب کے ماہر اور فن مناظرہ کے امام تھے آپ 1237ھ بمقام ناگ پور پیدا ہوئے آپ کا نسب امام جعفر صادق سے جا ملتا ہے۔ علوم اسلامیہ کے علاوہ عیسائیت کا بھی مطالعہ کیا۔ انگریزی زبان بھی سیکھی 1290 مین دہلی میں "انجمن اسلامیہ" کی بنیاد رکھی جس کا مقصد تردید عیسائیت اور افضلیت اسلام کا ثبوت تھا واعظیں رد نصاریٰ کی اصلاح و تربیت کے لیے آپ نے "دارالامارت" قائم کیا۔ [۱۴]

نوید جاوید، عقوبۃ الضالین، لحن داودی۔ انعام عام۔ میزان المیزان، حرز جان استیصال وغیرہ آپ کی مسیحت کے حوالے سے اہم کتب ہیں۔

مولوی فیروز الدین ڈسکویؒ (م 1907) کی شہرت ایک مناظر اسلام کی حیثیت سے تھی۔ انہوں نے آریہ سماجیوں اور عیسائیوں کے خلاف مناظرے میں بڑا نام پیدا کیا۔ آپ بہت بڑے عالم تھے اور فن مناظرہ میں جواب نہیں رکھتے تھے آپ کی مناظراتی کتب میں سے چند نام یہ ہیں، فضائل الاسلام فی ذکر خیر الانام المعروف بہ تاریخ محمدی (پادری عماد الدین کے جواب میں) عشرہ کاملہ (آریہ کے دس اعتراضات کا جواب چار حصے) دفع نکاح زینب (رد اعتراض نصاریٰ) عصمت النبی ﷺ عن شرک الجلی (عیسائیوں اور آریوں کا جواب) تقدیس الرسول عن طعن المجہول (اعتراض کثرت ازدواج کا جواب) آریہ مت کی تصویر آپ نے 1893 میں "الوہیت مسیح" اور تثلیث کارد تحریر کیں۔ [۱۵]

ڈپٹی نزیر احمد دہلوی (م 1912) ممتاز ادیب تھے امہات الامہ آپ نے 1887 میں پادری احمد شاہ شوق کی کتاب "امہات مومنین" کے جواب میں لکھی پادری صاحب نے رسول کریم ﷺ اور ازواج مطہرات کی شان میں جا بجا گستاخانہ کلمات استعمال کیے تھے مصنف کی دیدہ دہنی کے خلاف مسلمانوں نے سخت احتجاج کیا بالاخر یہ کتاب ضبط ہو گئی سر سید نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اس کتاب کے جواب میں ایک عالمانہ مقالہ مرتب کرنے کی کوشش کی اور سر سید کی آخری تحریر، ان کی وفات کے بعد ازواج مطہرہ کے نام سے ایک رسالہ کی صورت میں شائع ہوئی۔ اس موضوع پر قلم اٹھایا اور 1908 میں ان کی کتاب "امہات الامہ' شائع ہوئی۔

عبدالحق حقانی دہلویؒ (م 1917) راسخ العقیدہ عالم، مفسر اور مناظر تھے آپ عظیم مناظر تھے اسلام پر لگنے والے اعتراضات کا بہترین جواب دیتے دوران مناظرہ پادریوں پر آپ کا رعب بیٹھ جاتا آپ کی زیر صدارت 1903 میں "انجمن ہدایت الاسلام" قائم ہوئی جس کا مقصد مسلمانوں کو غیر مسلموں کے پیدا کردہ فتنوں سے بچانا تھا 1908 میں اس انجمن کی سرپرستی میں مخالفین اسلام کے اعتراضات کے جوابات کے لیے ہفتہ وار اخبار "الہدایت" جاری کیا گیا۔ [۱۶]

مولانا سید محمد علی مونگیریؒ (م 1927) 28 اپریل 1846 کو کانپور میں آپ کی ولادت ہوئی آپ کا نسب کئی واسطوں سے حضرت عبدالقادر جیلانیؒ تک پہنچتا ہے۔ [۱۷]

آپ کی رد عیسائیت کے حوالے سے بہت سی کتب ہیں ان میں چند اہم یہ ہیں۔ ترانہ حجازی۔ مراۃ الیقین پیغام محمدی ﷺ اور تکمیل الادیان باحکام القرآن ملقب بہ آئینہ اسلام

قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ 1867 کو منصور پور میں پیدا ہوئے۔ قاضی صاحب سے چھوٹی بڑی 23 کتابیں، متعدد مقالات، خطبات اور مکتوبات یادگار ہیں جن میں 19 کتابیں اردو ہیں ہیں موضوع کی مناسبت دیکھا جائے تو مطالعہ مسیحیت ان کی توجہ کا خاص مرکز رہاان میں سے استقامت، برہان، انجیلوں میں خدا کا بیٹا، ایک عرض کا جواب، ہستی باری تعالیٰ پر ایک دلیل اہمیت کے حامل ہیں۔

آپ کے ذوق کی وضاحت اختر راہی ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

علمائے کرام کے مذکورہ بالا سفر ناموں میں کوئی ایک بھی تقابل ادیان کے حوالے سے ارض حجاز اور اس کے اثار کے بارے میں معلومات فراہم نہیں کرتا۔ یہ فریضہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری جیسا عالم دین اور مطالعہ مذہب سے دلچسپی رکھنے والا محقق ہی انجام دے سکتا تھا۔ چنانچہ ''سبیل الرشاد'' منجملہ دوسرے اسباب کے ایک منفرد سفر نامہ حج ہے۔ ١٨

مولانا انور شاہ کشمیریؒ (م1933) نہایت عظیم القدر محدث، جلیل القدر عارف باللہ اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے خلیفہ تھے۔ رد عیسائیت کے حوالے سے آپ کی درج ذیل کتب یادگار ہیں۔ عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسی۔ تحیۃ الاسلام فی حیاۃ عیسی۔ التصریح بما تواتر فی نزول المسیح۔

سید سلیمان ندوی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''مرحوم کم سخن لیکن وسیع النظر عالم تھے ان کی مثال اس سمندر کی سی تھی جس کی اوپر سطح ساکن لیکن اندر کی سطح موتیوں کے گراں قیمت خزانوں سے معمور ہتی ہے وہ وسعت نظر، قوت حافظہ اور کثرت حفظ میں اس عہد میں بے مثال تھے''۔ ١٩

آپ نے رد عیسائیت میں کتب لکھنے کے علاوہ مسیحی پادریوں سے مناظرے بھی کیے شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی جب مناظرے کے لیے جاتے تو آپ بھی ساتھ ہوتے تھے۔ حوالہ جات کی وضاحت یعنی دوران مناظرہ کتاب کا نام صفحہ نمبر اور مصنف کے نام کی نشاندہی آپ ہی کے سپرد تھی کبھی آپ ساتھ نہ ہوتے تو مولانا محمود الحسن فرماتے۔

''آج حوالوں کے لیے دقت پیش آئے گی کیونکہ آج میرا کتب خانہ میرے ساتھ نہیں''۔ ٢٠

مولانا ثناء اللہ امر تسری کا شمار بر صغیر کے اکابر علماء میں ہوتا ہے۔ مولانا نے جب علوم اسلامیہ سے فراغت پائی تو وہ مناظروں کا دور تھا۔ تمام اہل مذاہب اپنی حقانیت ثابت کرنے پر زور دے رہے تھے آپ نے ہندو، آریہ سماجی، سناتن دھرمی، دیو سماجی، عیسائی، بہائی، یہودی، پارسی، سکھ، نیچری، مرزائی، رافضی سب کے سب لیڈروں سے کامیاب مناظرے کیے اللہ تعالیٰ نے آپ میں بر جستگی اور حاضر جوابی جیسے فضائل کوٹ کوٹ کر بھر دیئے تھے۔ آپ نے اپنی تعلیم کے ابتدائی دنوں ہی سے بحث و مناظرہ میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ اور غیر مسلموں سے بحیثیں بھی چھیڑتے تھے بعض اوقات آپ امر تسر کے گرجا میں تشریف لے جاتے پادریوں کی تقریر سنتے اور ان پر ایسے اعتراضات کرتے کہ ان سے کوئی جواب نہ بن پاتا۔ ٢١

آپ نے رد عیسائیت پر درج ذیل کتب تحریر کیں۔

تقابل ثلاثہ: توحید تثلیث اور راہ نجات، جوابات نصاری۔ اسلام اور مسیحیت، مناظرہ آگہ آباد۔ اسلام اور برٹش لاء۔ تفسیر ثنائی۔

ان کے علاوہ مسلمان علماء میں جنہوں نے مسیحیت اور دیگر ادیان باطلہ کے خلاف مناظرے کیے ان میں سے مولانا اشرف الحق دہلویؒ (م1936) مولانا قاری محمد طیبؒ (م1838) خواجہ حسن نظامیؒ (م1955) مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ (م1854) مولانا محمد ادریس کاندہلویؒ (م1974) ہیں۔

مذہبی منافرت پھیلانے والے اور مناظرانہ سرگرمیوں کو بام عروج تک پہنچانے والے ان غیر ملکی اور مقامی پادریوں کو شمار کرنا خاصا مشکل کام ہے تاہم چند معروف پادریوں کا مختصر سا تذکرہ حسب ذیل ہے۔

پادری سی جی فانڈر (م 1865) برصغیر کے مسیحی مناظرین میں اس کو بڑا مقام حاصل ہے۔ داس برصغیر میں آپ کی مناظرانہ سرگرمیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

انہوں نے بازار میں کھڑے ہو کر بے دھڑک منادی کی، بشپ فرنچ جیسے لوگوں نے فانڈر کے قدموں میں بیٹھ کر اسلام کا مطالعہ کیا اور تادم مرگ اس کا مداح رہا۔ فینڈرا گرچہ جرمن تھا مگر اس نے اہل اسلام سے آگرہ، دہلی اور پشاور میں مناظرے کیئے اور ان پر غالب رہے کیونکہ وہ علم کا سمندر تھے۔ ۲۲

پادری فانڈر نے مسلم علماء سے مناظروں کے علاوہ مسیحی تعلیمات کی وضاحت اور اسلام پر اعتراضات کرنے کے لیے درج ذیل کتب لکھیں۔

میزان الحق طریق الحق مفتاح الاسرار حل الاشکال

ماسٹر رام چندر (م1880) ہندو مذہب سے منحرف ہو کر عیسائی ہوئے۔ عیسائی مذہب قبول کرنے کے بعد آپ کا میلان مذہب کی طرف ہو گیا تھا آپ نے عیسائیت کی حمایت اور دیگر مذاہب کی مخالفت میں کتب لکھیں۔ ۲۳

پیغمبر اسلام کے خلاف 103 صفحات پر مشتمل ''دجال مسیح'' کے نام سے ایک کتاب لکھی رام چندر کے مندرجہ ذیل دعوے ہیں:

۱۔ خود قرآن و حدیث کے مطابق عیسائی ویسے ہی مومن ہیں جیسا دعویٰ خود مسلمان اپنے بارے میں کرتے ہیں۔

۲۔ قرآن مجید اور انجیل کی تعلیمات میں مطابقت پائی جاتی ہے۔

مرزا فتح محمد بیگ نے اس رسالہ پر ایک محققانہ تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ رام چندر نے ناواقفیت و جہالت کا مظاہرہ کیا ہے بعد ازاں مرزا صاحب نے اس نو عیسائی شخص کے ادعائوں کا ایک ایک کرکے جواب دیا ہے۔ ۲۴

بشپ ٹامس واپسی فرنچ (م1891) کا برصغیر کے نامور مسیحی مناظرین میں شمار ہوتا ہے۔ آپ نے مسیحیت کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ مسلمانوں سے مناظرے کئے ان کے مناظرانہ مقام کو ڈاکٹر خالد محمود ان الفاظ میں واضح کرتے ہیں۔

''اس فرانسیسی پادری نے 1891 تک علاقہ ملتان میں بطور بشپ کام کیا پادری فانڈر کے ساتھ مناظروں میں اس کا معین رہا۔ لاہور کا بڑا چرچ اسی کا قائم کردہ ہے۔ ۲۵

پادری چارلس ولیم فورمین (م1894 برصغیر میں مسیحیت کی تبلیغ و اشاعت کے لیے امریکہ سے آئے تھے وہ مسلم مسیحی سرگرمیوں کے روح رواں تھے ان کی مناظرانہ کوششوں کا تذکرہ کرتے ہوئے امداد صابر لکھتے ہیں۔

مسلمانوں نے اس کی تبلیغ کی طرف توجہ نہیں دی ایک عالم کے شاگرد اعتراضات کرکے اس کا ناطقہ بند کر دیتے تھے یہ بندہ بعض اوقات ان عالم سے دوبدو بحث ہوئی، سوالات سے تنگ آکر اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیر لیتے اور کہتے کہ نوجوانوں جب تمہاری تھوڑی پر میری طرح بال ہوں گے تب آکر مجھ سے بحث کرنا۔ ۲۶

پادری صفدر علی (م1899) کا تعلق آگرہ کے ایک مسلمان خاندان سے تھا۔انہوں نے اپنے مسیحی اساتذہ سے تعلیم حاصل کی وہ اپنے ایک دوست عماد الدین مسیح مباحث کی زد میں آکر اسلام کے بارے میں شبہات کا شکار ہوا تو صفدر علی اسے آگرہ کے عالم عبدالحلیم کے پاس لے گئے۔ ۲۷

انہوں نے 1865 میں عیسائیت قبول کی اور اپنی تبدیلی مذہب کے حوالے سے ایک کتاب ''نیاز مانہ'' تالیف کی بظاہر اپنی خودنوشت لکھی مگر حقیقتاً میں اسلام اور نبی کریم ﷺ کے بارے میں وہ تمام اعتراضات گنوائے جو عیسائی اہل قلم وقت فوقتاً اٹھاتے رہتے تھے۔ ۲۸

پادری عماد الدین (م1900) نے مسلمانوں کے خلاف مناظروں اور الزامی تالیفات کی وجہ سے شہرت پائی ٹھاکر داس لکھتے ہیں۔

پادری عماد الدین ایک عالم بے بدل تھے ان کی شہرت بالخصوص ان تصنیفات کے ساتھ منسوب ہے ہمارے ملک میں جب تک دینی مناظرہ کا میدان گرم رہے گا ان کی تصنیفات معدوم نہ ہوں گی ان کی علمی خدمات ہر آئینہ قابل مبارک باد ہیں مغربی علماء نے بھی اس مشرقی دماغ کو قابل احترام سمجھا۔ چنانچہ ایک مغربی دارالعلوم کی طرف سے انہیں ڈی۔ڈی یعنی حکیم الٰہی کی ڈگری عطا کی گئی وہ عربی فارسی کے جید عالم اور اردو کے شاندار مصنف تھے ۲۹

آپ نے تردید اسلام میں تفسیر متی۔ حقیقی عرفان حیات المسلمین۔ ہدایت المسلمین تحقیق الایمان اور تنقید االقرآن وغیرہ اہم کتب تالیف کیں۔

پادری جی ایل ٹھاکر داس (م1910) مناظرانہ مزاج کے مالک تھے ڈاکٹر سفیر اختر لکھتے ہیں۔

پادری رام چندر کی طرح پادری جی۔ایل ٹھاکر داس عیسائیت کو ہندومت سے حاصل ہوئے تھے وہ لکھنو کے ایک برہمن دیوی بھجن کے گھر پیدا ہوئے جو برطانوی دیسی فوج میں ملازم تھے 1857 کی جنگ آزادی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے فرائض کی ادائیگی میں کام آگئے 1857 کی جنگ کے تین سال بعد جو قحط پڑا اس نے پورے خاندان کو پریشان کر دیا زندگی کی تلاش میں ان کی والدہ بچوں کے ساتھ لکھنو سے چلتے چلتے سیالکوٹ آگئیں جہاں ان کے بچوں کو مشن سکول کے یتیم خانے میں داخل کر لیا گیا کچھ عرصہ بعد ماں بیٹا دونوں نے بپتسمہ لے لیا جی ایل ٹھاکر داس نے بعد میں کلکتہ یونیورسٹی سے انٹر کا امتحان پاس کیا اور پادری جی۔ پی میکی سے عیسائی دینیات کی تعلیم حاصل کی 1877 میں پادری ہو گئے پادری جی۔ ایل ٹھاکر داس نے پنجاب میں پسرور سیالکوٹ اور گوجرانوالہ میں دینی فرائض انجام دیئے گوجرانوالہ کے کئی اچھوت خاندان ان کی محنت سے حلقہ عیسائیت میں شامل ہو گئے تھے جو اس شہر کی عیسائی آبادی کا ایک اہم حصہ رہے ہیں۔ ۳۰

مسلمانوں سے متعلق مناظرہ کتب میں درج ذیل اہم ہیں جو انہوں نے تحریر کیں۔

اظہار عیسوی　　حکمت الہام　　سیرت المسیح والمحمد　　انجیل یا قرآن

ان کی کتب اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں جارحانہ اسلوب کی حامل ہیں اسلامی علوم سے عدم واقفیت کی بناپر ان کا قلم اسلام پر حملہ کرنے میں غیر محتاط ہو جاتا ہے۔

پادری سلطان محمد پال افغانی 1884 میں ایک مسلم گھرانے میں پیدا ہوئے آپ نے مسیحیوں سے بحث و مناظرہ کا بازار گرم کیا بلکہ مسیحیوں کے مقابلہ میں ندوۃ المتکلمین کے نام سے ایک انجمن قائم جس میں مخالفین اسلام اور خاص کر مسیحیوں کے ساتھ مباحثہ کرنے کے لیے مباحثین تیار کیے جاتے۔ آخر کار آپ منشی منصور مسیح کی "اسلام میں نجات نہیں" کے عنوان سے تقریر سن کر خود عیسائی ہو گئے۔ انہوں نے مسلم مناظرین سے بہت مناظرے کیے اور اسلام کے خلاف بہت سی کتب لکھیں جن میں سید مسیح کی دوسری آمد۔ میں مسیح کیوں ہوا یسوع اور عیسی۔ عیسی بن مریم۔ مسیحی مذہب مجھے کیوں پیارا ہے؟ اہم کتب ہیں۔

پادری برکت اللہ آچڑیکن (م 1960) کو 7 جولائی 1907 میں نارووال کے کلیسا کے روبرو بپتسمہ دیا گیا آپ نے لیکچرار کے طور پر زندگی کا آغاز کیا پادری بننے کے بعد پہلے لاہور کیتھیڈرل میں کینن اور پھر امرتسر میں آرچڑیکن کے عہدے پر متمکن ہوئے۔ [۳۱]

انہوں نے مسیحیت پر بہت سی کتب لکھیں ان میں سے قدامت و اصلیت اناجیل اربعہ۔ صحت کتب مقدسہ۔ اسلام یا مسیحیت۔ اشتراکیت و مسیحیت۔ ابوت الہی۔ مسیحیت کی عالمگیری۔ صلیب کے ہراول۔ صلیب کے علمبردار اور توضیح البیان فی اصول القرآن زیادہ مشہور ہیں۔ ان میں سے اکثر کتب کے عنوانات مسیحیت اور اسکی تاریخ سے متعلق ہیں مگر ان میں اسلام کے خلاف مناظرانہ رنگ غالب ہے۔

ان کے علاوہ مسیحی مناظرین میں سے پادری رابرٹ کلارک (م 1900) بشپ جارج ایلفرڈ لیفرائے (م 1919) پادری عبدالحق (م 1980) اور پادری احمد شاہ اہم شخصیات کے حامل ہیں۔

مسیحی مناظروں کی طرف سے مناظرانی ادب کے لحاظ جو کتب لکھی گئیں ان میں سے کچھ اہم کتب یہ ہیں۔

۱۔ تحریف قرآن۔ ماسٹر رام چندر (م 1880) پنجاب رلیجیس بک سوسائٹی لاہور 1893)

۲۔ عدم ضرورت قرآن۔ جی ایل ٹھاکر داس۔ لدھیانہ مشن پریس لدھیانہ 1886ء۔

۳۔ ہمارا قرآن پادری سلطان محمد پال۔ ام کے خان مہاں سنگھ لاہور 1928

۴۔ تصحیف التحریف۔ پادری سلطان محمد پال۔ ایم کے خان مہاں سنگھ لاہور 1928

۵۔ سلطان التفاسیر۔ ایضاً

۶۔ تاویل القرآن۔ پادری اکبر مسیح۔ پنجاب رلیجیس بک سوسائٹی لاہور 1902

۷۔ تنویر الاذہان فی فصاحت القرآن

۸۔ خداوند مسیح کی صلیبی موت۔ اخوت اندر یا سید پنجاب لاہور 1932

۹۔ تین مذاہب (یہودیت۔ عیسائیت۔ اسلام۔ پادری۔ ایم زویمسر صاحب ڈی ڈی)

۱۰۔ موازنہ انجیل و قرآن۔ خواجہ پنجاب بک سوسائٹی لاہور 1902

اس کے علاوہ چند اہم مسلم۔ مسیحی مناظرے حسب ذیل ہیں۔

ا۔ مسلم مناظر۔ سید آل حسن مہانی۔ عیسائی مناظر پادری فانڈر۔ 1844 تا 1845

۲۔ مسلم مناظر ڈاکٹر وزیر خان۔ عیسائی مناظر پادری فانڈر۔ مئی 1854 تا اگست 1854

۳۔ مولانا قاسم نانوتوی۔ پادری نولس۔ محی الدین پشاوری۔ ہندو مناظر لالہ جی کمال۔
بمقام چاندپور ضلع شاہ جہاں پور۔ 7 مئی 1295ھ

۴۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی۔ عیسائی مناظر پادری فرنچ پادری مئی 1854

۵۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی۔ پادری فانڈر فرنٹ بمقام عبدالمسیح کٹیڑہ اکبر آباد آگرہ 10 اپریل۔ 1854

۶۔ مولانا ثناء اللہ امر تسری۔ عیسائی مناظر۔ پادری جولا سنگھ۔ لاہور 1910۔

۷۔ مولانا ثناء اللہ امر تسری۔ عیسائی مناظر۔ پادری جولا سنگھ۔ ہوشیار پور 1916۔

بر صغیر میں مسیحیوں نے اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے دو اسالیب اختیار کیے۔ پہلا اسلوب مسیحی تعلیمات کی اشاعت تھا۔ اس کے لیے انہوں نے تورات۔ زبور اور انجیل کے اردو تراجم اور تفاسیر پر توجہ دی نیز مسیحی تعلیمات کی اثر پذیری کو عقلی دلائل کی مدد سے ثابت کرنے کے لیے تالیفات و رسائل تحریر کیے دوسرا اسلوب بر صغیر کے سابق حکمرانوں کے مذہب یعنی اسلام پر الزامات و اعتراضات لگانے کا تھا تاکہ عام مسلمان اسلامی عقائد و تعلیمات سے متنفر ہو کر مسیحیت قبول کر لیں یا کم از کم اپنے عقائد و نظریات سے متعلق وہم تشکیک اور بے یقینی کا شکار ہو جائیں۔ مسیحیوں کی اس منفی تبلیغی روش کی وضاحت کی امداد صابری ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

عیسائی لوگوں سے کہتے کہ لوگ دین عیسائی کی پیروی کیوں نہیں کرتے جس نے اپنی امت پر جان قربان کر دی اور آپ کو خدا سے بخشوا کر نجات دلائی اور جناب محمد رسول اللہ باوجودیکہ زاری و عاجزی کرکے اپنے والدین اور چچا ابو طالب کی جس نے آپ کی پرورش کی تھی۔ اور حین حیات تک آپ کے حامی رہے مغفرت چاہی مگر خدا تعالیٰ نے منظور نہیں کیا۔ تو آپ لوگوں کو کیا امید ہو گی اپنے نبی سے پس یہ کلمات عیسائیوں کے ہمارے مسلمان اپنے علماء سے دریافت کرتے ہیں تو وہ بھی اس طرح کہتے ہیں کہ ہاں ان کے حق میں شفاعت منظور نہیں ہوئی تو اہل اسلام نہایت پریشان ہو جاتے ہیں اور ان کے خیال میں خلل پڑتا ہے۔

مسیحی پادریوں کے خلاف اسلام مناظروں کا مقصد تلاش حق نہیں تھا۔ قرائن سے واضح ہوتا ہے کہ وہ صرف رسالت محمدیہ ﷺ کی توہین کرکے امت مسلمہ کو ذہنی کوفت سے دوچار کرنا چاہتے تھے یقینا مسلمانوں کو دیجانے والی اس ذہنی اذیت کے مسیحیوں کے ہاں بہت سے سیاسی و معاشرتی مقاصد ہوں گے مسیحیوں کی طرف سے حضرت محمد ﷺ کا احترام نہ کرنے کے بیسیوں واقعات کتب تاریخ میں محفوظ ہیں امداد صابری ایک مناظرے کی روداد بیان کرتے ہیں۔

سید آل حسن کے 1844 اور 1845 کے درمیان ہونے والے گیارہ خطوط پر مبنی فانڈر کے تحریری مباحثہ کو مسیحی نقطہ نظر سے 1845 میں شائع کیا گیا جب کہ اس سال سید آل حسن نے ان خطوط کو اپنی تنقیدات کے ساتھ "کتاب الاستفسار" کے نام سے شائع کیا یہ مناظرہ خود فانڈر کی درخواست پر ہوا تھا۔ اس میں اہم بات پادری فانڈر کا شرائط مناظرہ میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں تعظیمی الفاظ استعمال کرنے سے انکار تھا۔ مولانا آل حسن نے اپنے خط میں یہ شرائط رکھی تھیں۔

ا۔ ہمارے پیغمبر خدا کا نام یا لقب تعظیم سے اگر لینا نہ ہو تو اس طرح لکھیے " تمہارے نبی یا مسلمانوں کے "صیغہ افعال کے یا

ضمائر ان کے متعلق آئین تو صیغہ جمع لکھئے جیسا کہ اہل زبان استعمال کرتے ہیں۔ ورنہ ہم سے بات نہ کی جائے اور نہایت رنج ہوگا۔

۲۔ جب پیغمبر یا خدا یا اسلام کی کوئی بات آپ کے نزدیک غلط ہو تو یوں لکھا کیجئے کہ یہ بات غیر واقعی ہے یا ثابت نہیں ہوتی۔ یا محال نہ کہ جھوٹ اور بیہودہ اور لغو ہے۔ اس لیے کہ ہمارے اہل تہذیب اس طرح گفتگو کرتے ہیں۔

۳۔ جب کوئی بات پوچھی جائے۔ تو اس کے جواب کے لیے معیاد مقرر کر دی جائے۔ کوئی معیاد بھی ایک ہفتہ سے کم نہ ہو۔

۴ ہمارے پیغمبر خدا کی نسبت تعظیم کے صیغے اُردو کے محاورے کے مطابق اگر آپ کہیں گے تو اس سے یہ نہیں سمجھا جاتا یا جائے گا کہ آپ نے ان کو مان لیا۔

لیکن پادری صاحب اس بات پر آمادہ نہیں ہوئے اور پیغمبر ﷺ کو لقب یا تعظیم سے مخاطب کرنا یا ان کے لیے جمع کی ضمائر استعمال کرنا اپنے لئے محال گردانا۔ ۳۳

فادر فانڈر ہندوستان میں مسیح مناظرین کے سرخیل ہیں ان کی شرافت و ظرافت نے انہیں ایک مذہب کے بانی اور رہنماء کے احترام کی اجازت نہیں دی تو بقیہ عام مسیحی مناظرین کی ذہنی نفسیاتی اور فکری حالت کیا ہو گی اس رویہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ برصغیر میں اشاعت مسیحیت کے لیے مسیحیوں کی طرف سے کسی حوصلہ برداشت اور تحمل وتدبر کا مظاہرہ نہیں کیا گیا۔

اسلام جو تحمل اور رواداری کا مذہب ہے اس کے ماننے والوں کے ہاں مسیحیوں کا پہلا اسلوب قابل برداشت مگر انہیں دوسرا سلوب اختیار کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی تھی۔ لہٰذا اسلام پر لگائے جانے والے اعتراضات کے جوابات دیئے گئے اس ضمن مین نقلی و عقلی دلائل پر مشتمل تالیفات و رسائل تحریر کئے گئے۔ عوامی اجتماعات میں مسیحیوں کی دعوت مناظرہ کو قبول کیا گیا۔ ان مناظروں میں مسلم علماء نے مسیحی اعتراضات کے بہترین جوابات دیئے، نتیجتاً مسلم مناظرانہ ادب وجود میں آیا جو تالیفات رسائل اخبارات اور مناظروں کی تحریری رودادروں کی شکل میں موجود ہے مذہبی تعلیمات کے میدان میں اس قابل فخر ادب کی نظیر انسانی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی مسلم مناظرین نے مسیحی اعتراضات کا جواب نہایت مدلل انداز میں اس طرح دیا کہ مسیحی مناظرین اپنی تمام تر آسائیشوں اور حکومتی تعاون کے باوجود ناکام و نامراد رہے۔

مسلم علماء نے مسیحی پادروں کے خلاف اسلام تقریری و تحریری اقدامات سے نظریں چرانے کی بجائے اسلام کا بھرپور دفاع کیا وہ کسی کمزوری یا تحقیقات کا شکار نہیں ہوئے ہر مسیحی اعتراض یا الزام کا مدلل، ہمہ جہت اور مفصل جواب دیا گیا۔ البتہ انہوں نے مسیحی پادریوں کے منفی انداز فکر کو اپنانے کی بجائے سنجیدگی، شرافت اور علمی انداز اپنایا نیز پادریوں کی تدلیس، کذب بیانی اور الزام تراشی کو احسن طریقے سے واضح کیا۔

مسیحیت کے تبلیغ کے لیے تبشیری سرگرمیوں کا فروغ

برصغیر میں مسلم مسیحی مناظروں سے مسیحی تبشیری سرگرمیوں کو فروغ حاصل ہوا مسیحیوں نے عہد اکبری مین مغل دربار سے سفارتی تعلقات قائم کیئے مسیحیت کی اشاعت کے لیے مختلف مشن مختلف ممالک سے ہندوستان ہیں آئے جنہوں نے تقریر و تحریر کے علاوہ معاشرتی تبدیلی اور مفادات کی ترغیب کا سہارا لیا۔ مسیحیت کو مذہبی کے بجائے ایک سماجی تحریک کے طور پر

پیش کیا گیا اس ضمن میں سماجی خدمت کو مسیحیت کا اصل ہدف قرار دیا گیا دراصل ان سرگرمیوں کا مقصد اور اصل محرک یہ خیال تھا کہ حکومت کی سرپرستی میں مسیحیت کو فروغ دیا جائے۔برصغیر مین ان کے اقتدار کو مضطوط بنایا جائے۔

برصغیر میں برطانوی حکومت نے مسیحیت کی اشاعت کے لیے بھرپور مدد فراہم کی فروغ مسیحیت کے لیے تبشیری سرگرمیوں کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت سید محمد میاں ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

1848 میں انگریزوں نے جب مدارس پر قبضہ لیا تو ان کا طریقہ یہ تھا کہ جس مقام پر قبضہ کرتے وہاں برطانوی امریکی، جرمنی، مسیحی نقادون کی ٹڈی دل فوج شہروں، قصبوں، دیہاتوں جنگلوں پہاڑوں بازاروں اور محلوں میں پھیل جاتی ہے اور مسیحیت کی تبلیغ کرتی سکول کھولے جاتے، ہسپتال کھولے جاتے طالب علموں اور مریضوں میں نصرانیت کی حقانیت ثابت کی جاتی اور اسلام کی تکذیب و تحقیر کی جاتی اور مجلسوں میں حکمران بھی حصہ لیتے۔ ۳۴

مسیحیوں کے قائم کردہ مناظرانہ تربیت فراہم کرنے والے ادارے

انگریزوں نے مسیحیت کی تبلیغ کے ایک پہلو کے طور ر مسلمانوں کے خلاف مناظرانہ ادب تشکیل دیا۔اس ضمن میں اور حکمت عملی کے اصولوں کا خیال رکھا گیا۔1813 میں ایسٹ اندیا کمپنی نے برطانوی پارلیمنٹ سے تبلیغ کی باقاعدہ اجازت چاہی لیکن برطانوی پارلیمنٹ نے ہندوستان میں امن و امان کے پیش نظر ایکٹ 1814 منظور کیا جس میں طے پایا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریز پادریوں کے لیے ایک بشپ اور تین آرڈیکن مقرر کیے جائیں اور بشپ کا صدر مقام کلکتہ ہوگا۔ ۳۵

مناظروں میں بعض عیسائیوں کا قبول اسلام

اکثر مناظروں کا وقتی انجام طعن و تشنیع، الزام تراشی اور لڑائی جھگڑا رہا ہے اپنے نظریہ وعقیدہ پر قائم رہنے کو ہی مردانگی سمجھا جاتا رہا ہے البتہ بعض واقعات ایسے ملتے ہیں جن میں لوگوں نے دوسرا مذہب قبول کرکے ہمت و جرأت کا مظاہر کیا۔ 1910 مولانا ثناء اللہ امرتسری اور پادری جوالہ سنگھ لاہور میں الوہیت مسیح کے موضوع پر مناظرہ ہوا پادری جو بھی دلیل پیش کرتا مولانا اس کا رد پیش کر دیتے یہاں تک کہ پادری نے گھبرا کر کہا۔ مولانا میری کوئی دلیل تو رہنے دیں اس پر مجمع ہنس پڑا اس مجمع میں عیسائیوں کا ایک پورا خاندان عیسائیت چھوڑ کر مسلمان ہو گیا۔ ۳۶

برصغیر میں مسلم مسیحی مناظروں کی ابتداء انگریزوں کی آمد سے ہوئی اس سے قبل مسلمانوں کے ہندوؤں سے مناظرے ہوتے رہے مگر ان میں مذہبی اعتقادات اور شخصیات کی توہین کا پہلو موجود نہ تھا مسلمانوں نے باوجود حکمران ہونے کے کبھی اپنا مذہب اور تمدن ہندوؤں پر نہیں ٹھونسا تھا۔یہی وجہ ہے کہ آٹھ سو سال حکومت کرنے کے باوجود دہلی میں مسلم آبادی 20 فیصد سے زیادہ نہ تھی۔ ۳۷

اس کے برعکس انگریزوں نے مسیحیت کی اشاعت کے ضمن میں مناظروں کو منفی انداز میں ہتھیار کے طور پر استعمال کیا مسیحی پادری محل بادشاہ اکبر کے دربار میں بالترتیب 1591,1580 اور 1594 میں آئے۔ مسلمان علماء کے ساتھ ان کے مناظرے ہوئے پادری اسلام کے خلاف ترین زبان استعمال کرتے اسلام اور مسلمانون کی توہین کرنے کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مسیحی پادری شنزیوئیر سے اس کے مسلمان دوست نے ایک مناظرہ کے بعد کہا کہ اگرچہ تم میرے مہمان اور دوست لیکن الفاظ تول کر منہ سے نکالا کرو۔جب میں تمہاری باتیں سن رہا تھا تو میرا جی کرتا تھا کہ تمہیں چھری سے ہلاک کروں۔ ۳۸

مسلمانوں کی باہمی مناظرانہ آویزش

سید احمد بریلویؒ مذہبی، معاشرتی اصلاحات عمل ہیں‌لانا چاہتے تھے۔ ان کا خیال انہیں شاہ ولی اللہ کی تعلیمات اور شاہ عبدالعزیز کے فیض صحبت سے ہوا یہ ان کوششوں سے بڑی حدتک بے خبر تھے جو شیخ عبدالوہاب کے پیرو عرب میں کر رہے تھے۔ جن کا بیج ابن تیمیہ نے اپنی تصنیفات میں بویا تھا۔ وہ حج کے لیے مکہ معظّمہ گئے تو وہاں انہیں وہابیوں کے عقائد سے باخبر ہونے کا موقع ملا جو ان کے سفر حج سے چند سال پہلے مقامات مقدسہ پر قابض تھے۔ حضرت سید اور وہابیوں کے مقاصد میں بہت اشتراک تھا اس لیے ان کے کئی ساتھی وہابی عقائد سے متاثر ہوئے مثلاً وہابی عقائد عقیدہ عدم وجوب تقلید شخصی کا ہے اہل سنت مسلمان فقہ کے چار بڑے اماموں امام ابو حنیفہؒ، امام شافعی، امام مالک امام احمد بن حنبل میں کسی کے ایک سے پیروکار تھے۔ اوران کے طے کردہ مسائل فقہ میں ان میں سے کسی ایک کے مقلد تھے لیکن وہابی اسے غیر ضروری سمجھتے تھے۔ فقہی اماموں کی بجائے حدیث کی پیروی کرتے تھے۔ اس مسئلے پر شاہ اسمٰعیل نے حج کے سفر کے بعد اپنے آپ کو غیر مقلد ظاہر کیا۔ مولانا عبدالحیٔ ان سے متفق نہ تھے۔ سید صاحب کے عقائد کے متعلق اختلاف رائے ہے لیکن جہاد کے دوران جب مخالفین عام مسلمانوں کو سید صاحب کے عقائد کے بارے میں بہکانے لگے توانہوں نے پنجتار کے مقام پر مذہبی مسائل کی تشریح کے لیے افغان علماء کو بلایا اور شاہ اسماعیل بڑی قابلیت سے مسئلہ ''عدم وجوب تقلید'' کی حمایت کی اس وقت شاہ صاحب نے جو رائے دی وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ انہوں نے فرمایا یہ وقت ترک تقلید کا نہیں ہمیں اس وقت کفار سے جہاد کرنا ہے تقلید کا جھگڑا اٹھا کر اپنے اندر تفرقہ ڈالنا بہتر نہیں اس جھگڑے سے جس کی بنا پر ایک اختلاف سنت یا مستحب ہے ہمارا اصل کام ہجرت اور جہاد کا جو فرض عین ہے فوت ہو جائے گا۔ ۳۹ؔ

شاہ ولی اللہ قطعی طور پر ایک مجتہد کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ ضرورت کے مطابق چار مذاہب میں سے جس کسی کا قول کسی معاملہ میں مناسب سمجھے اختیار کرے اور یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر کسی امام مذہب کے قول کے خلاف کوئی اور صحیح حدیث اسے ملے تو وہ حدیث کی پیروی کرے اور اقوال ائمہ مذہب چھوڑ دے نظری طور پر تو شاہ صاحب یقینا غیر مقلد تھے لیکن اس امر کی بھی کوئی شہادت نہیں ہے کہ جن عملی باتوں میں آج اہل حدیث احناف سے اختلاف کرتے ہیں ان میں انہوں نے اپنے حنفی ہم وطنوں سے علیحدگی اختیار کی ہو آمین بالجہر پر تو یقیناان کا عمل نہ تھا تراجم علماء حدیث ہند میں شاہ محمد فاخر زائر آلہ آبادی کا واقعہ لکھا ہے جو اس زمانہ کے عامل حدیث عالم تھے۔

حضرت زائر دہلی تشریف لائے جامع مسجد میں ایک نماز جہری میں باآواز بلند آمین کہہ ڈالی دہلی میں یہ پہلا حادثہ تھا عوام برداشت نہ کرسکے جب آپ کو گھیر لیا تو فرمایا اس سے فائدہ نہ ہو گا تمہارے شہر میں جو سب سے بڑا عالم ہو اس سے دریافت کرو لوگ آپ کو حضرت حجۃ اللہ شاہ ولی اللہ کی خدمت میں لے گئے دریافت مسئلہ پر آپ نے فرمایا کہ حدیث سے تو باآواز امین ثابت ہے مجمع یہ سن کر چھٹ گیا اب صرف مولانا محمد فاخر زائر اور حضرت شاہ صاحب بصورت قرآن السعدین باقی تھے۔ شاہ محمد فاخر زائر نے عرض کیا آپ کھلیں گے کب؟ فرمایا اگر کھل گیا ہوتا تو آج آپ کو کیسے بچا لیتا۔ ۴۰ؔ

شاہ اسماعیل شہید اپنے دادا کی بہ نسبت وہابی اہل حدیث سے زیادہ قریب تھے لیکن پھر بھی اصولی باتوں میں مسلک ولی اللہ ہی پر قائم تھے ان میں اور شیخ عبدالوہاب کے پیروں ہیں بعض بنیادی اختلافات ہیں ان مین ایک ''التوسل فی الدعاء'' کا مسئلہ ہے اس کی نسبت مولانا عبیداللہ سندھی فرماتے مثلاً خدا تعالیٰ سے استدعا کی جائے بہ حرمت فلاں یا بہ حق فلاں کہہ کر تو اس توسل کو محمد ابن

عبدالوہاب نہایت شدت سے ممنوع کرتے ہیں۔ مولانا اسماعیل کے ہاں یہ توسل ناجائز نہیں۔ اسی طرح محمد بن عبدالوھاب تو شرک اصغر اور شرک اکبر میں کوئی امتیاز نہیں کرتے اور دونوں کے مرتکب کو کافر قرار دیتے ہیں لیکن شاہ اسماعیل شہید اس امتیاز کو جائز قرار دیتے ہیں اور شرک اصغر کو گناہ کبیرہ سمجھتے اور اس کے مرتکب کی سزا دہی کے قائل ہونے کے باوجود اسے کافر نہیں سمجھتے۔ ۴۱؎

مولانا سید احمد بریلوی اور شاہ اسمٰعیل شہید کے بعد یہ اختلاف مسلک بہت نمایاں ہو گیا مولانا کے کئی معتقدوں کو نجدی راہنماؤں اور ان کے خیالات سے زیادہ واقفیت ہوئی انہوں نے ان کا اتباع اختیار کر لیا اور غیر مقلد یا اہل حدیث یا وہابی مشہور ہوئے لیکن مدرسہ دیوبند کے بانیوں نے جن کا سلسلہ فیض بھی مولانا سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل تک پہنچتا ہے مسلک ولی الہی کی پیروی کی اور اپنے آپ کو حنفیوں سے علیحدہ نہ کیا۔ ۴۲؎

اٹھارویں صدی کے آغاز میں شاہ ولی اللہ متبرک و مقدس اسلامی شہروں سے اپنے علمی اکتساب کا جو ذخیرہ لے کر واپس آئے اس میں نہ صرف حدیث کی قدیم قدامت پسند تعلیم پر زور دیا بلکہ فقہی مکاتیب کے فتوؤں پر حدیث کی فوقیت کا اصول بھی شامل تھا۔ ۴۳؎

بہت سے اہل حدیث بزرگوں نے اپنے آپ کو جہاد بالقلم اور جہاد باللسان کے لیے وقف رکھا۔ جنگ آزادی کے بعد علمائے حدیث نے تین باتوں میں امتیاز حاصل کیا اول حدیث کی اشاعت میں جس کے لیے کئی مدرسے قائم ہوئے اور فضلائے حدیث کے درس کا انتظام ہوا دوسرے عیسائیوں آریہ سماجیوں۔ مرزائیوں اور شیعوں کی مخالفت میں جس کے لیے صدہا کتابیں اور رسالے تصنیف کیے گئے سینکڑوں جگہ مناظرے کیے تیسرے شرک وبدعت کی مخالفت میں۔ ۴۴؎

پھر اس دور میں علماء میں فراخدلی فکری حوصلہ کی بجائے فروعی اختلافات اور علمی طبقہ واریت کی اس قدر تقسیم ہو چکی تھی کہ علماء کا شغل چھوٹے چھوٹے مسائل جن کا انسان کی عملی زندگی کے ساتھ کچھ بھی تعلق نہیں تھا۔ ہندوستان کے اکثر علماء پر کفر کے فتوے عائد کیے گئے معمولی فروعی مسائل لڑائی جھگڑوں اور مقدمات کا سبب بن گئے۔ دوسری جانب مغربی تعلیم مسلمانوں میں مقبول ہو رہی تھی جس کے سبب نوجوان طبقہ میں نت نئے ذہنی مسائل پیدا ہو رہے تھے سر سید احمد نے جس مقصد کے لیے کالج قائم کیا تھا وہ ابھی پورا ہوتا نظر نہیں آرہا تھا علماء کی باہمی کشمکش فقہی اختلافات کی شدت حقیقی مسائل سے پہلو تہی اور وقتی یا مصنوعی مسائل پر زور آزمائی مناظروں کی گرم بازاری اور تکفیر کا رواج نئے فتنوں کی طرف سے غفلت اور غیر ضروری چیزوں پر اصرار جیسے حوصلہ شکن حالات درپیش تھے

اہل حدیث نے ''فروعات'' میں قوم کی دیرینہ روایات کا جس طرح احترام نہیں کیا اور اس معاملے میں قوم کے سب سے بڑے عالم امام الہند شاہ ولی اللہ کے طریق کار کو ترک کر دیا ہے اس سے دو قابل ذکر نتیجے نکلتے ہیں جو دونون ایک دوسرے کی ضد ہیں اور دونوں میں سے ایک بھی ایسا نہیں جسے وہاں اہل الرائے پسند کرتے ہوں پہلا نتیجہ اصلاحی تحریک کے خلاف زبردست رد عمل اور بریلوی جماعت کا آغاز ہے صوبہ جات متحدہ کی جس بستی (رائے بریلی) میں مولانا سید احمد بریلوی پردہ عدم سے ظہور میں آئے تھے اسکی ایک اہم نام بستی بانس بریلی میں 1272ھ میں ایک عالم پیدا ہوئے جو بعد میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کے نام سے مشہور ہوئے انہوں نے کوئی پچاس کے قریب کتابیں مختلف نزاعی اور علمی مباحث پر لکھیں اور نہایت شدت سے قدیم حنفی

طریقوں کی حمایت کی وہ تمام رسوم فاتحہ خوانی، چہلم، برسی گیارہویں، عرس، تصور شیخ قیام میلاد استمداد از اہل اللہ مثلاً (یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ) اور گیارہویں کی نیاز وغیرہ کے قائل ہیں ان کے اختلاف صرف وہابیوں سے نہیں بلکہ وہ دیوبندیوں کو غیر مقلد اور وہابی کہتے ہیں بعض بریلوی تو شاہ اسمٰعیل شہید جیسی شخصیتوں کو بھی کافر سمجھتے یا کم از کم ان کی تصانیف اور ان کے ارشادات پر سخت اعتراضات اور اظہار نفرت کرنے میں تامل نہیں کرتے۔ ۴۵

ہندوستان کے مقتدر علماء اور نامور شخصیت پر کفر کے فتوے لگائے گئے مولانا محمد قاسم نانوتوی پر یہ الزام لگایا کہ وہ ختم نبوت کے منکر ہیں مولانا عبدالرشید گنگوہی کی طرف امکان کذب باری تعالیٰ کا فتویٰ منسوب کیا گیا۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ انہوں نے شیطان کو حضور ﷺ سے زیادہ علم قرار دیا ہے مولانا اشرف علی تھانوی کو یہ الزام دیا کہ وہ رسول ﷺ کے علم کو زید بکر بلکہ (نعوذ باللہ) چوپائیوں کے علم کے برابر سمجھتے ہیں۔ ۴۶

ہندوستان کے چیدہ اور نامور علماء اس وباء سے محفوظ نہ رہ سکے اپنے خلوص اور تبحر علمی کے باوجود انہوں نے اس قسم کے مسائل پر اپنے وقت کا اور دماغ کا خاصا حصہ صرف کیا جو مولانا ابوالحسنات عبدالحہ فرنگی محلّی 1304 نے نواب سید صدیق حسن خان کی بعض کتابوں پر تنقید کی تو مولوی عبدالنصیر سوائی نے اس کے جواب میں ''شفاء العی عما اور الشیخ عبدالحہ'' کے نام سے 1294ھ میں 112 صفحات کی ایک کتاب لکھی اور بہت سی سختی اور درشتی کے ساتھ مولانا کی تنقید پر کلام کیا۔ اس کے جواب میں مولانا عبدالحہ نے ''ابراز العی الواقع فی شفاء العی'' کے نام سے 64 صفحات کا رسالہ نکالا ان کی تنقید پر تعاقب کیا۔ اور قدرتی طور پر اپنے علمی مرتبہ اور جدت شان کا خیال رکھا۔ لیکن یہ سلسلہ اس پر ختم نہیں ہوا مولانا کے اس رسالہ کے جواب میں مولوی ابو محمد ٹونکی نے آخر الاراء کے نام سے 208 صفحات کی تصنیف کی اور اس میں جو انہوں نے اسلوب اختیار کیا وہ اس قابل بھی نہیں تھا کہ شائع ہو۔ اس زمانہ میں علماء کی قوت جن مسائل پر صرف ہوتی تھی وہ زیادہ تر طبقات ارض میں انبیاء کا وجود اللہ تعالیٰ کا استوی علی العرش، امکان کذب اور امکان نظیر مصافحہ اور معانقہ کا جواز و عدم جواز لعن یزید کا جواز یا تحریم اور معراج جسمانی کے منکر کی تکفیر جیسے موضوعات تھے اور ان موضوعات پر مخالف اور موافق دونوں گروہوں کی طرف سے رسائل اور کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ زور و شور سے جاری تھا۔ مولا احمد رضا خان بریلوی کے ہاں بھی جو سب سے اہم مسائل در پیش تھے اس میں امکان کذب یا مولود وغیرہ کے مسائل اولین اہمیت رکھتے تھے۔ ۴۷

مقلدین اور غیر مقلدین کے درمیان اختلاف و نفرت کی جتنی بڑی خلیج حائل ہو گئی تھی اس کا کچھ اشتہارات سے اندازہ ہوتا ہے۔ مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی جب حج کے لیے تشریف لے گئے تو مخالفین ''پاشا'' کو موصوف سے متنفر کرنے کے لیے اعتزال اور گمراہ ہونے کا الزام لگایا۔ اور یہ مشہور کیا کہ ''پاشا'' نے مولانا کو تحقیق کے بعد گرفتار کر لیا ہے اور توبہ لکھنے کے بعد آزاد کر دیا ہے حتیٰ کہ مشہور کیا گیا کہ آپ کو شہید کر دیا گیا جب واپس آئے تو متبعین اور مخالفین کو خوب موقع ہاتھ آیا اور دونوں طرف سے ''اشتہار بازی'' شروع اس میں جو زبان استعمال کی گئی وہ عامیانہ قسم کی ہوتی تھی۔ اس موقع پر ایک اشتہار جو اس توبہ نامہ کے جواب میں غیر مقلدین کی طرف سے شائع ہوا یہ اشتہار اس طرح شروع ہوا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسلام نے قلعہ فتح کر لیا ہو اور کفر و زندقہ کو شکست فاش دے دی ہو۔ ۴۸

''مولانا ابوالقاسم ہنسوی'' نے اس طوفان مخالفت سے متاثر ہو کر مولانا نذیر حسین صاحب کو خط لکھا

''مسائل فروعی میں اس قدر ردوکد اور سب وشتم نے زور پکڑا ہے جو بے سروپا ہے جنگ وجدل شعار اسلام ہوگیا ہے مسائل اصولی ایمانی کہ جس پر بنائے ایمان واسلام ہے مفقود ایک زمانہ تھا۔ کہ اہل اسلام کفار واشرار سے مجادلہ ومقاتلہ کرتے تھے اور آمادہ ہدم بنائے کفار ومشرکین ہوتے تھے۔ اب زمانہ ہے کہ باہم مسلمانوں میں خانہ جنگی ہے مسلمان اپنی ملت ومذہب بنائے اسلام کو گرارہے ہیں اور باہم ایک دوسرے کو سب وششم کرتے ہیں۔ جو کہ کچھ روشنی اس کی ہو اندھیرے میں اندھیرا ہو لوگ بزرگوں کو بدنام کرتے ہیں جو کلمہ حق کہتا ہے پکڑا جاتا ہے۔۴۹؎
مولانا عبدالحئ نے اس سفر نامے میں دہلی کی جامع مسجد کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

دوپہر کو کھانا کھانے کے بعد جامع مسجد نماز کے واسطے گیا نماز کے بعد جا بجا وعظ ہونے لگا منبر پر مولوی اکبر صاحب وعظ کہتے ہیں یہ بزرگ حنفیوں کا خوب خاکہ اڑاتے ہیں دل کھول کر تبرا کہتے ہیں اور اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ہدایہ پڑھانے سے توبہ کی اور کلام مجید کی تعلیم شروع کردی سب جہنم میں جائیں گے اور ہر ہر بات پر اپنی بڑائی بیان کرتے ہیں۔ اور ہر ہر آیت کو اہل دہلی اور اپنے اوپر لاتے ہیں۔ اہل دہلی کو ظالمین اور مشرکین میں لاتے ہیں اپنے تئیں آنحضرت ﷺ (عیاذ باللہ) دوسرے صاحب مسئذنہ کے پاس بھی اسی طور پر حنفیہّ کا خاکہ اڑارہے تھے لیکن کف لسان کے ساتھ تیسرے صاحب دوسرے جانب مسئذنہ کے محدثین ومتبعین سب کی خبر لے رہے تھے چوتھے صاحب پر کچھ مناجاتیں اور نعتیہ غزلیں پڑھ کر لوگوں کو اپنی جانب راغب کررہے تھے۔ الغرض ایک ہڑبونگ تھا اس ہڑدنگے پن کو دیکھ کر نہایت افسوس ہوا خدا کی مرضی میں کسی کو دخل نہیں جب سلطنت اسلام جاتی رہی تو جس کا جو جی چاہے کرے۔۵۰؎

مرزا حیرت دہلوی کے رسالہ ''مقاصد ندوۃ العلماء'' کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں کوٹلہ والی مسجد میں صرف آمین بالجبر پر جھگڑا اتنا بڑھا کہ دو الگ الگ پارٹیاں بن گئیں ایک پارٹی چاہتی تھی کہ آمین زور سے کہی جائے ایک چاہتی تھی کہ چپکے سے اس پر سخت لڑائی ہوئی۔ متعدد آدمی زخمی ہوئے پھر مقدمہ چلا اور اس پر ہزاروں روپیہ برباد ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں پارٹیوں میں ہمیشہ کے لیے نفرت وعداوت پیدا ہوگئی اور پھر آج تک ختم نہ ہوئی۔ مرزا حیرت میرٹھ میں مقلدین وغیر مقلدین کی کشمکش کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

چیف جسٹس نے جسٹس محمود کو (جب انہوں نے چیف جسٹس کے) مقدمہ کے فیصلہ پر نکتہ چینی کرنے کا اختیار دیا۔ مسٹر محمود نے جو کچھ فیصلہ دیا وہ ایسا سمویا ہوا تھا کہ اگر دونوں فریق اس پر رضامند ہو جاتے تو پھر آگے کوئی جھگڑا نہ ہوتا۔ مگر نہیں نئے نئے مقدمے پیدا ہوگئے اور وہ نئی نئی شاخیں نکلیں کہ باہم گرمی مخالفت کی بنیاد قائم ہوگئی جس کا سلسلہ ابھی تک ختم نہیں ہوا۔۵۱؎

اس زمانہ میں علماء کے مذہبی مسائل پر مناظرے ہوئے اور مناظرانہ کتابیں جانبین سے لکھیں گئیں مثلاً استواء علی العرش، امکان کذب، امکان نظیر اور امتناع نظیر، جواز اور عدم جواز لعن یزید بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ قیام میلاد گیارہویں رسوم فاتحہ خوانی عرس فاتحہ خلف الامام آمین بالجہر رفع یدین حاضر وناظر علم غیب، اختیار کلی دعا بعد نماز جنازہ توسل حیات برزخی، غائبانہ نماز جنازہ۔ عذاب وثواب قبر وغیرہ۔ جس میں دیوبندی بریلوی اہل حدیث شیعہ مسالک کے علماء نے بھرپور حصہ لیا اس طرز کی مناظراتی کتابوں میں چند درج ذیل ہیں۔

تقویۃ الایمان، حفظ الایمان، حسام الحرمین، آب حیات، المھند علی المفند، تحفہ اثنا عشریہ، ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء، سبحان السبوح وغیرہ۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے مناظروں کی ابتدا

یہ وہ زمانہ تھا کہ جب پنجاب مذہبی سرگرمیوں کا زبردست مرکز بنا ہوا تھا گوناگوں مذہبی خیالات اور اصلاحی تحریکیں جنم لے رہی تھیں مذہبی مناظرے مجلس زندگی کا عمومی مظہر تھے بہت سے تبلیغی گروہ سرگرم کار تھے ان میں عیسائی مبلغین سب سے زیادہ پرجوش تھے فطری طور پر وہ اقتدار کی نفسیات کے حامل تھے جس نے جارحیت پسند بنا دیا تھا دیگر افعال مذہبی اصلاحی گروہوں میں آریہ سماج، برہمو سماج وہابی اور جدیدیت کے علمبردار شامل تھے عام مسلمان ان گروہوں کو اپنے لیے خطرہ تصور کرتے تھے لہٰذا انہیں ایک ایسی ہیرو کی تلاش تھی جو ان گروہوں کے جارحانہ حملوں کو روکے مرزا غلام احمد کے عوامی مذہبی کردار کا آغاز ایسے ہی ہیرو کے طور پر ہوا۔

ملازمت سے فارغ ہونے کے بعد قادیان پہنچنے پر مرزا غلام احمد نے اپنی تمام تر توجہ مذہبی مطالعے اور روحانی ورزشوں پر مرکوز کر دی ان روحانی ورزشوں کا تعلق زیادہ تر فاقہ کشی سے تھا کہا جاتا ہے کہ ان روزوں کے ایام میں آپ نے اپنی خوراک کو آہستہ آہستہ اس قدر کم کر دیا کہ بالآخر آپ دن رات میں صرف چند تولے خوراک پر اکتفا کرتے تھے۔ ۵۲ ؎

حیاتیاتی ضروریات کی اس نفی سے وہ نفسیاتی کیفیت پیدا ہوئی جس کی توجیہ روحانی وارداتوں کے طور پر کی گئی ان روحانی وارداتوں کے دوران ان پر بہت سے انوار سماوی کا انکشاف ہوا اور بعض گزشتہ انبیاء اور اولیاء سے بھی کشفی حالت میں ملاقات ہوئی ۵۳ ؎

اسی زمانے میں انہوں نے بہت سے ایسے لوگوں کی تربیت بھی کی جو بعد ازاں قابل مناظر ثابت ہوئے ان میں مرزا موحد اور نبی بخش پٹواری قابل ذکر ہیں اس کے ساتھ ہی مرزا غلام احمد نے تحریر و تقریر کے ذریعے راسخ الاعقادیت کے دفاع میں جارحانہ گروہوں پر جوابی حملے کا آغاز کر دیا انہوں نے سب سے زیادہ توجہ عیسائی پادریوں اور آریہ سماجیوں پر صرف کی ان لوگوں سے کئی ایک مناظرے کیئے گئے اس ضمن میں مرزا صاحب بطور مناظر مسیح ادب کا وسیع تر مطالعہ بھی کیا چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ میں سولہ سترہ برس کی عمر سے عیسائیوں کی کتابیں پڑھتا رہا ہوں اور ان کے اعتراضات پر غور کرتا رہا ہوں میں نے اپنی جگہ ان اعتراضوں کو جمع کیا ہے جو عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کرتے ہیں ان کی تعداد تین ہزار کے قریب پہنچی ہوئی ہے میں جوں جوں ان کے اعتراضات کو پڑھتا جاتا اسی قدر ان کے اعتراضات کی ذلت میرے دل میں سماتی جاتی تھی اور رسول اللہ کی عظمت اور محبت سے دل عطر کے شیشے کی طرح نظر آتا میں یہ بھی غور کیا کہ رسول اللہ کے جس پاک فعل پر یا قرآن شریف کی جس آیت پر مخالفوں نے اعتراض کیا ہے وہاں ہی حقائق اور حکمت کا ایک خزانہ نظر آیا جو کہ ان بد باطنی اور خبیث طینت مخالفوں کو عیب نظر آیا۔ ۵۴ ؎

مرزا صاحب نے عیسائی اور آریہ سماج مبلغین کا مقابلہ اسی اعتماد کے ساتھ کیا تھا اس مقابلے نے تین صورتیں اختیار کیں زبانی مناظرے کیئے گئے اخبارات اور رسائل میں تبلیغی مضامین لکھے گئے تیسری اور اہم ترین صورت ایک ضخیم کتاب۔ براہین احمدیہ کی اشاعت تھی جو اول اول قسط وار رسالوں کی صورت میں شائع ہوئی تھی۔ مناظرانہ انداز میں لکھی گئی اس کتاب میں عیسائیت آریہ سماج برہمو سماج دیو سماج سناتن دھرم اور ہندوؤں کے دیگر فرقوں اور سر سید احمد خان کے فطرتیت پسند گروہ کو مخاطب

کیا گیا ہے ان کے عقائد کو گمراہ کن ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ان کے دلائل کے مقابل میں اسلام کی صداقت ثابت کی گئی ہے اس کے ساتھ ہی الہام کی ضرورت اور ماہیت، ذات باری تعالیٰ کی فعالیت قدرت علم اور خالقیت پر طویل بحث کی گئی

جن دنوں مرزا صاحب لاہور منتقل ہوئے ان دنوں لاہور کی مذہبی فضا کو ایک ہندو پنڈت ''دیانند سرسوتی'' کے مناظروں نے اچھا خاصا مکدر کر رکھا تھا پنڈت جی کے علاوہ کبھی کبھی کوئی عیسائی پادری بھی مسلمانوں کے ساتھ مناظرے اور مباہلے کے لیے تیار ہو جاتا۔ مناظروں اور مباہلوں میں یہ لوگ اسلام کے خلاف عموماً لوہاری دروازہ کا انتخاب کیا جاتا مرزا غلام احمد نے بہر حال مبلغ اسلام بن کر بطور مناظر ان مناظروں میں شرکت کا پروگرام بنایا۔

''مرزا صاحب نے لاہور پہنچ کر مولوی محمد حسین کی صوابدید کے بموجب اپنے مستقبل کا جو لائحہ عمل تجویز کیا اس کی پہلی کڑی غیر مسلمانوں کے ساتھ الجھ کر شہرت و نمود کی دنیا میں قدم رکھا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ پنڈت دیانند سوتی نیء اپنی ہنگامہ خیزیوں سے ملک کی مذہبی فضا میں سخت تموج و تکدر برپا کر رکھا تھا پادری لوگ بھی اسلام کے خلاف ملک کے طول و عرض میں بہت کچھ زہر اگل رہے تھے مولوی محمد حسین بٹالوی اس وقت اہل حدیث کے مسجد ''چینیاں'' لاہور میں خطیب تھے مرزا صاحب نے لاہور پہنچ کر انہی کے پاس مسجد چنیاں والی میں قیام کیا اور شب روز ''تحفۃ الہند تحفۃ الہنود اور عیسائیوں اور مسلمانوں کے مناظروں کی کتابوں کے مطالعے میں مصروف رہنے لگے جب ان کتابوں کے مضامین اچھی طرح ذہن نشین ہو گئے تو پہلے آریوں سے چھیڑ خانی شروع کی پھر عیسائیوں کے مقابلے میں ''ھل من مبارز'' (کوئی مقابلہ کرے گا) کا نعرہ لگایا ان دنوں میں آریہ کا کوئی نہ کوئی پرچارک اور عیسائیوں کا ایک آدھ مشنری لوہاری دروازہ کے باہر باغ میں آجاتا اور آتے ہی قادیانی سے ان کی ٹکریں ہونے لگتی تھیں غرض اسلام کا یہ پہلوان ہر وقت کشتی کے لیے جوڑ کی تلاش میں رہتا اور اسے مجمع کو اپنے گرد جمع کرکے پہلوانی دکھانے کی دھن لگی رہتی تھی قادیانی اپنے مجادلوں اور اشتہار بازیوں میں اپنے تئیں خادم دین اور نمائندہ اسلام ظاہر کرتا اور نہ تو ابھی کوئی دعوی کیا تھا اور نہ ہی الحاد و زندقہ کے کوچے میں قدم رکھا تھا اس لیے ہر عقیدہ و خیال کا مسلمان اس کا حامی و ناصر تھا چند ماہ تک مجادلانہ ہنگامے برپا رکھنے کے بعد مرزا صاحب قادیان چلے گئے اور وہیں سے آریوں کے خلاف اشتہار بازی کا سلسلہ شروع کرکے مقابلہ و مناظرہ کے نمائشی چیلنج دینے شروع کر دیئے چونکہ بحث و مباحثہ مقصود نہیں تھا بلکہ حقیقی غرض نام و نمود اور شہرت طلبی تھی اس لیے آریہ لوگون کی شرائط کے مقابلے میں بالکل چکنے گھڑے کے مصداق بنا ہوا تھا ان کی ہر شرط اور مطالبہ کو بلطائف الحیل ٹال جاتا تھا اور اپنی طرف سے ایسی ناقابل قبول شرطیں پیش کر دیتا تھا کہ مناظرے کی نوبت ہی نہ آتی تھی۔

آریہ سماجیوں سے بحث و تمحیص کا آغاز کرکے سادہ لوح مسلمانوں کو مرزا صاحب نے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا اور اس طرح انہوں نے قیام لاہور کے دوران شہرت کی جانب پہلا قدم اٹھا کر مذہب کے نام پر تحریک شروع کر دی لوگون کی چہل پہل اور تقدس و بزرگی کے ہالے ارد گرد دیکھ کر مرزا صاحب خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے انہیں اپنے من کی مراد ملتی نظر آرہی تھی چنانچہ قادیان واپس آکر بذریعہ اشتہار بازی آریہ سماجیوں کے خلاف اپنی تحریک جاری رکھی اور اس کے ساتھ ہی اپنے ملہم اور مستجاب الدعوات ہونے کا پرچار بڑے وسیع پیمانے پر شروع کر دیا جس کے نتیجے میں لوگوں سے الگ تھلگ ایک علیحدہ کمرے میں قیام کرتے اور یہیں بیٹھ کر الہام سوچتے رفتہ رفتہ یہ الہامات اتنی کثرت کے ساتھ شروع ہوئے کہ ان ضبط تحریر میں لانے کے لیے ایک نوعمر ہندو لڑکا ملازم رکھنا پڑا جس کا نام شام لال تھا ویسے بھی قادیان کے ہندو معززین مرزا غلام احمد کے زیادہ قریب ہو گئے تھے

خاص طور پر لالہ شرمپت رائے اور لالہ ملاوامل مرزا صاحب کے خاص حاشیہ نشین تھے لوگ اس کثرت کے ساتھ قادیان آئے کہ ان کے لیے ایک لنگر خانہ کھولنا پڑا دن رات لوگ اس لنگر خانے آتے رہتے ایک یا دو دن قیام کرکے واپس چلے جاتے مرزا صاحب سے اپنی حاجات کے لیے دعائیں کرائی جاتیں اور جاتے ہوئے نذر و نیاز ہدیے اور چڑھاوے وغیرہ دے جاتے چنانچہ جیسے جیسے یہ سلسلہ زور پکڑتا گیا مرزا صاحب کی اشتہار بازی میں بھی تیزی اور شدت پیدا ہوتی گئی۔

پنڈت سوامی دیانند

پنڈت سوامی دیانند کو مناظرے کا اشتہار اس طرح دیا

اشتہار اس غرض سے دیا جاتا ہے کہ 7 دسمبر 1877 کو "وکیل" وغیرہ اخبار میں بعض لائق فائق آریہ سماج والوں نے بابت روحوں کے اصول اپنا شائع کیا کہ ارواح موجودہ انت میں اور اس کثرت سے ہیں کہ یہ پرمیشو کو بھی ان کی تعداد معلوم نہیں اس واسطے سے ہمیشہ مکتی پاتے رہتے ہیں اور پاتے رہیں گے مگر کبھی ختم نہیں ہوئی گے تردید اس کی ہم نے 9 فروری سے 9 مارچ تک "سفیر ہند" کے پرچوں میں بخوبی ثابت کر دیا ہے کہ اصول مذکور سراسر غلط ہے اب بطور اتمام حجت کے یہ اشتہار تعداد پانچ سو روپیہ مع جواب الجواب باوانرائن سنگھ صاحب سیکرٹری آریہ سماج امرتسر کے تحریر کے کے اقرار صحیح قانونی اور عہد جائز شرعی کرتا ہوں اگر کوئی صاحب آریہ سماج والوں سے بپابندی اصول مسلمہ اپنے کے کل دلائل مندرجہ سفیر ہند دلائل مرقومہ جواب الجواب شمولہ اشتہار ہذا کے توڑ ثابت کر دے کہ ارواح موجودہ جو سوا چار ارب کی مدت مین کل دورہ اپنا پورا کرتے ہیں بے انت ہیں اور ایشور کو بھی تعداد ان کا نام معلوم رہا ہوا ہے تو میں اس کو مبلغ پانچ سو روپیہ بطور انعام دوں گا اور در صورت توقف کے شخص مثبت کو اختیار ہوگا کہ بمدد عدالت وصول کرے لیکن واضح رہے کہ اگر کوئی صاحب سماج مذکور میں سے اس اصول سے منکر ہو تو صرف انکار طبع کرانا کافی نہ ہوگا بلکہ اس صورت میں بتصریح لکھنا چاہیے کہ پھر اس اصول کا کیا ہوا ہے۔ آیا یہ بات ہے کہ ارواح ضرور کسی دن ختم ہو جائیں گے اور تنسخ اور دنیا کا ہمیشہ کے واسطے خاتمہ ہوگا یہی اصول ہے کہ خدا اور روحوں کا پیدا کر سکتا ہے یا یہ کہ بعد مکتی پانے سب روحوں کے پھر ایشر وانہیں مکتی بافتہ روحوں کو کیڑے مکوڑے وغیرہ مخلوقات بنا کر دنیا میں بھیج دے گا یہ اگر ارواح بے انت ہیں اور تعداد ان کا کسی حدود معین میں ضرور محصور ہیں مگر پھر بھی بعد نکالے جانے کے باقی ماندہ روح اتنے ہی نہیں رہتے ہیں نہ مکتی والوں کی جماعت جن میں یہ تازہ مکتی یافتہ جا ملتے ہیں اس بالائی آمدن سے پہلے سے کچھ زیادہ ہو جاتے ہیں۔ اور نہ یہ جماعت جس سے کسی قدر ارواح نکل گئے بعد اس خرچ کے کچھ کم ہوتے ہیں غرض یہ اصول ہو تفصیل مذکورہ لکھنا چاہیے۔ المشتہر مرزا غلام احمد رئیس قدیان 20 مارچ 1877ء ۔۵۵

مرزا صاحب کے جواب میں آریہ سماجیوں نے تین افراد کی معرفت ایک پیغام مرزا صاحب کو بھیجا اور اس کے علاوہ سوامی دیانند نے ایک خط بھی تحریر کیا جس میں موضوع زیر بحث پر مرزا صاحب کو مناظرے کا چیلنج دیا گیا یہ چیلنج مرزا صاحب نے مشروط طور پر قبول کر لیا چنانچہ مرزا صاحب کا اشتہار اسی چیلنج کا جواب ہے۔

سوامی دیانند سرسوتی نے جواب ہماری اس بحث کے جو ہم نے ارواح کا بے انت ہونا باطل کرکے غلط ہونا مسئلہ تناسخ اور قدامت سلسلہ دنیا کا ثابت کیا تھا معرفت تین کس آریہ سماج والوں کے یہ پیغام بھیجا ہے کہ اگر ارواح حقیقت میں بے انت نہیں لیکن تناسخ اس طرح ہمیشہ بنا رہتا ہے کہ جب سب ارواح مکتی پا جاتی ہیں تو پھر بوقت ضرورت مکتی سے باہر نکالی جاتی ہیں اب سوامی

صاحب فرماتے ہیں کہ اگر ہمارے اس کو جواب کا شک وشبہ ہو تو حوالہ بحث کرنی چاہیے چنانچہ اس بارے میں سوامی صاحب کا ایک خط بھی آیا اس خط میں بحث کا شوق ظاہر کرتے ہیں اس واسطے بذریعہ اس اعلان کے عرض کیا جاتا ہے کہ بحث بالمواجہ بسر و چشم ہم کو منظور ہے کاش سوامی صاحب کوئی مقام ثابت بالخیر کا واسطے انعقاد اس جلسے کے تجویز کرکے بذریعہ کسی مشہور اخبار کے تاریخ و مقام کو مشتہر کر دیں لیکن اس جلسے میں شرط یہ ہے کہ یہ جلسہ بحاضری چند منصفان صاحب لیاقت اعلیٰ کہیں صاحب ان میں سے ممبران برہمو سماج اور تین مسیح ہوں گے قرار پائے گا۔ اول تقریر کا حق ہمارا کیونکہ ہم معترض ہیں پنڈت صاحب برعائت شرائط تہذیب جو چاہیں گے جواب دیں گے پھر ان کا جواب الجواب ہماری طرف سے گزارش ہوگا اور بحث ختم ہو جائے گی ہم سوامی صاحب کی اس درخواست سے بہت خوش ہوئے ہم تو پہلے ہی کہتے تھے کہ کیوں سوامی صاحب اور دھندوں میں لگے ہوئے ہیں اور ایسے سخت اعتراض کا جواب نہیں دیتے جس نے سب آریہ سماج والوں کا دم بند کر رکھا ہے اب سوامی صاحب نے اس اعلان کا کوئی جواب مشتہر نہ کیا تو بس یہ سمجھو کہ سوامی صاحب صرف باتیں کرکے اپنے متبعین کے آنسو پونچھتے تھے اور مکتب بابوں کی واپسی میں جو جو مفاسد میں مضمون مشمولہ متعلقہ اس اعلان میں درج ہیں ناظرین پڑھیں اور انصاف فرمائیں۔

(المعلن مرزا غلام احمد رئیس قادیان 10 جون 1878)۔ ۵۹؎

یہ بات پائے ثبوت کو پہنچتی ہے کہ مرزا صاحب نے ملازمت کے دوران ہی سیالکوٹ میں عیسائیوں سے مذہبی مناظرے شروع کر دیئے تھے اور اس امر کے بھی وافر ثبوت ہیں کہ مناظروں کے ساتھ ساتھ پادریوں کے ساتھ بات چیت میں مصروف رہتے تھے بعد میں رونما ہونے والے حالات کی روشنی مین دیکھا جائے تو یہ ملاقاتیں خاصی اہمیت اختیار کر جاتی ہیں کیونکہ ان ملاقاتوں سے یہ تاثر ملتا ہے کہ یہ پوپ پادری جو عوام میں مرزا صاحب سے بڑے تلخ مناظرے کیا کرتے تھے علیحدگی میں مرزا صاحب سے شیر و شکر ہو جاتے تھے انہیں میں سے ایک پادری جس کا نام ہٹلر" ہے اکثر مرزا صاحب سے سیالکوٹ میں مناظرے کرتا تھا لندن جانے سے پہلے مرزا صاحب کو بڑے ذوق و شوق اور پیار و محبت سے ملنے آتا ہے اور مرزا صاحب سے ملاقات کرکے لندن روانہ ہو جاتا ہے اس ملاقات کی کہانی عبدالقادر صاحب اپنی کتاب "حیات طیبہ" میں تحریر کرتے ہیں۔

"مرزا صاحب اس زمانے میں مباحثے کا بہت شوق تھا چنانچہ پادری صاحبوں سے اکثر مباحثہ رہتا تھا ایک دفعہ پادری الائشہ صاحب جو دیسی پادری تھے اور حاجی پورہ سے جانب جنوب کی کوٹھیوں میں رہا کرتے تھے مباحثہ ہوا پادری صاحب نے کہا کہ عیسوی مذہب قبول کیے بغیر نجات نہیں ہو سکتی۔ مرزا صاحب نے فرمایا نجات کی تعریف کیا ہے اور نجات سے آپ کیا مراد دیتے ہیں مفصل بیان کیجئے پادری صاحب نے کچھ مفصل تقریر نہ کی اور مباحثہ ختم کر بیٹھے کہا کہ میں اس قسم کی منطق نہیں پڑھا پادری ہٹلر صاحب ایم اے جو جو بڑے فاضل اور محقق تھے سے مرزا صاحب کا مباحثہ بہت دفعہ ہوا یہ صاحب موضع گوہر پور کے قریب رہتے تھے ایک دفعہ پادری صاحب فرماتے تھے کہ مسیح صاحب کو بے باپ پیدا کرنے میں ستر تھا کہ وہ کنواری مریم کے بطن سے پیدا ہوئے اور آدم کی شرکت سے جو گناہ گار تھا بری رہے مرزا صاحب نے کہا کہ مریم بھی تو آدم کی نسل سے ہے پھر آدم کی نسل سے بریت کیسے اور علاوہ ازیں عورت ہی نے آدم کو ترغیب دی تھی جس سے آدم نے درخت ممنوع کا پھل کھایا اور گناہ گار ہوا۔ پس چاہیے تھا کہ مسیح عورت کی شرکت سے بھی محفوظ رہتے اس پر پادری صاحب خاموش ہو گئے پادری ہٹلر صاحب مرزا صاحب کی بہت عزت کرتے تھے اور بڑے ادب سے گفتگو کرتے تھے پادری صاحب کو مرزا صاحب سے بڑی محبت تھی چنانچہ پادری صاحب

ولایت جانے لگے تو مرزا کی ملاقات کے لیے کچہری تشریف لائے ڈپٹی کمشنر صاحب پادری صاحب سے تشریف آوری کا سبب پوچھا تو پادری صاحب نے جواب دیا کہ میں مرزا صاحب سے ملاقات کرنے کو آیا تھا چونکہ میں وطن جانے والا ہوں اس لئے ان سے آخری ملاقات کروں گا چنانچہ جہاں مرزا صاحب بیٹھے تھے وہیں چلے گئے اور فرش پر بیٹھے رہے ملاقات کرکے چلے گئے۔ ۵۷

ڈپٹی آتھم

جون 1892ء کا واقعہ کہ امرتسر کے مقام پر ایک زبردست مباحثہ ہوا۔ عیسائیوں کی طرف سے عبداللہ آتھم تھے اور دوسری طرف جناب مرزا صاحب پندرہ دن یہ مباحثہ جاری رہا مباحثہ کا موضوع تثلیث تھا یہ وہ حالات تھے جن میں مرزا صاحب نے اپنی مناظرانہ سرگرمیوں کا آغاز کیا اور سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے تمام حیل اختیار کیے اور بعد تشہیر جھوٹے دعاوی کا آغاز کرکے اپنے مذموم مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کی۔

حوالہ جات

۱۔ نسیم عثمانی۔اردو میں تفسیر ادب ص 17
۲۔ برکت اللہ قرون وسطی کی ایشائی کلیائیں ص 511
۳۔ ایضاً ص 181
۴۔ ثریا ڈار ڈاکٹر شاہ عبدالعزیزؒ ص 14
۵۔ سید ال حسن مہان۔کتاب الاستفار۔ ص 36، 1990ء تحقیق۔ڈاکٹر خالد محمود۔ مقدمہ دائرہ المصارف لاہور
۶۔ مغربی زبانوں کے ماہر علماء۔ سید محمد سلیم۔ ص 84 ادارہ تعلیمی تحقیق لاہور 1993
۷۔ مباحثہ مذہبی حصہ دوم سید عبداللہ۔ ص 114-116۔ مطبع منحیہ اکبر آباد 1271ھ
۸۔ فرنگیوں کا جال امداد صابری ص 554
۹۔ سید محبوب رضوی۔ تاریخ دار لعلوم دیوبند نمبر ماہنامہ الرشید ساہیوال ج 8، شمارہ 84، مارچ 1980 ص۔ 71
شیخ محمد اکرام۔ موج کوثر۔ادارہ ثقافت اسلامیہ ۲۔کلب روڑ لاہور 2011 ص 199۔
۹۔ اکبر مجاہد فی التاریخ ترجمہ ڈاکٹر احمد مجازی محمد بن سلیم بن سعید۔ ص 25۔الکلیات الازہریہ 1397ھ
۱۰۔ کتاب الاستفسار سید آل حسن مہانی، محقق ڈاکٹر خالد محمود ص 37
۱۱۔ تذکرہ علمائے پنجاب اختر راہی ج ۲ ص 816۔ مکتبہ رحمانیہ لاہور 1998
۱۲۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان ہند۔ ج 18 ص 33 پنجاب یونیورسٹی لاہور 1992
۱۳۔ مقالہ۔ سر سید احمد خان اور مشرقین ، عبیداللہ کوئی ندوی ۔ اسلام اور متشرقین مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن دار المصنّفین، شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ ج 3 ص 185۔ 2003
۱۴۔ اصحاب علم و فضل۔ محمد تنزیل الڈیقی الحسینی، ندوۃ المحدثین گوجرانوالہ ص 245، 2004ء
۱۵۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند ج 4 ص 340
۱۶۔ خلاصہ العقائد۔ مع حیات حقانی مولانا محمد اسحٰق مکتبہ امام ج ۲۔ ص 219
۱۷۔ ملت اسلام کی محسن شخصیات مولانا محمد اسلام انصاری، 2001 ص 168
۱۸۔ عالم اسلام اور عیسائیت۔ اختر راہی ص 8۔ اپریل 1993
۱۹۔ یادرفتگان۔ مجلس نشریات سید سلیمان ندوی ص 146۔ اسلام کراچی 1983
۲۰۔ انوار السوانح، محمد انور شاہ کشمیری۔ ڈاکٹر غلام محمد کھچی ص 423، دارالکتاب لاہور 2010
۲۱۔ سیرت ثنائی۔ چوہدری۔ عبدالمجید ص 110 مکتبہ قدوسیہ لاہور
۲۲۔ فرنگیوں کا جال امداد صابری۔ ص 204
۲۳۔ انجمن ترقی اردو (ہند) مولوی عبدالحق علی کالج نئی دہلی۔ ص 174، 1989
۲۴۔ مقالات۔ گارسان وتاسی ص 2/56 انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی 1975

۲۵۔ مقدمہ کتاب (لا ستفسار ڈاکٹر خالد محمود۔ ص42

۲۶۔ فرنگیوں کا جال امداد صابری۔ ص216

۲۷۔ واقعات عمادیہ عماد الدین پنجاب ایلیجیس بک سوسائٹی لاہور ص4

۲۸۔ عالم اسلام اور عیسائیت اختر راہی ص6اگست 1992

۲۹۔ لاہور 2005ص 15۔اے غھاکر داس۔خداوند مسیح کے تور تن۔ مسیحی اشاعت خانہ

۳۰۔ عالم اسلام اور عیسائیت اختر راہی ص8، اگست 1992

۳۱۔ 1995 بیس۔کے۔داس تاریخ کلیسائے پاکستان۔جے ایس پرنٹرز لاسر ص19

۳۲۔ فرنگیوں کا خال۔ امداد صابری۔ ص183

۳۳۔ فرنگیوں کا حال۔امداد صابری۔ ص183

۳۴۔ علماء ہند کا شاندار ماضی۔ سید محمد میاں ص 22/37۔مکتبہ رشیدیہ کراچی 1992

۳۵۔ فرنگیوں کا جال امداد صابری۔ ص108

۳۶۔ فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امر تسری۔ صفی الرحمان الاعظمی، ادارہ البحوث الاسلامیہ والدعوۃ الافتاء، بنارس، انڈیا1979 ص30

۳۷۔ اردو میں تفسیری ادب۔ نسیم عثمانی۔ ص 17

۳۸۔ مغلیہ سلطنت اور مسیحیت پادری برکت اللہ۔ ص181

۳۹۔ موج کوثر ص 62-61

۴۰۔ موج کوثر ص 63-62

۴۱۔ موج کوثر ص 64

۴۲۔ موج کوثر ص 65

۴۳۔ بر صغیر میں اسلامی جدیدیت پروفیسر عزیز احمد ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی ص 165 ادارہ ثقافتِ اسلامیہ کلب روڈ لاہور 1989ء

۴۴۔ موج کوثر ص ص 65

۴۵۔ موج کوثر ص 70

۴۶۔ نقش حیات مولانا سید حسین مدنی ص 135-126

۴۷۔ سبحان السبوح۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی ص 90

۴۸۔ سیرت مولانا محمد علی مونگیری۔ ص 93

۴۹۔ ایضاً ص 95

۵۰۔ دہلی اور اس کے اطراف مولانا سید عبدالحہ ص 69-68

۵۱۔ مقاصد ندوہ العلماء مرزا حیرت دہلوی ص 15 بحوالہ سیرت مولانا محمد علی مونگیری ص 103
۵۲۔ بحوالہ مرزا بشیر احمد۔ سلسلہ احمدیہ ص 16
۵۳۔ بحوالہ مرزا بشیر احمد۔ سلسلہ احمدیہ ص 16
۵۴۔ بحوالہ ڈاکٹر بشارت احمد۔ مجدد اعظم ج 1۔ ص 79-80
۵۵۔ تبلیغ رسالت صفحہ 2-1 ج ا۔ منقول از تاریخ مرزا مصنفہ مولانا ثناء اللہ ص 8
۵۶۔ تبلیغ رسالت ص 7-6 مرتبہ منشی قاسم علی احمدی مطبوعہ فاروق پریس قادیان اگست 1921۔ منقول از تاریخ مرزا مصنفہ مولانا ثناء اللہ ص 10-11
۵۷ حیات طیبہ مصنفہ عبدالقادر صفحہ 30-31

باب دوم

قادیانیت کاآغاز وارتقاء

فصل اول: برصغیر کے سیاسی ومذہبی حالات

مبحث اول: برصغیر کے سیاسی حالات

مغلیہ دور میں یورپی اقوام نے ہندوستان میں آناشروع کیاان غیر ملکی لوگوں کی آمد سے پہلے عرب جہاز راں اور تاجروں کی بحیرہ عرب پر اجارہ داری تھی اور یہ عرب تاجر خلیج فارس کے راستے یا پھر بحیرہ قلزم کے راستے تجارت کیا کرتے تھے اور یوں مال بغداد وسکندریہ کے راستے وینس پہنچایا کرتے تھے ساتویں صدی عیسوی ختم ہونے سے پہلے مسلمان عراق۔عرب۔مصر اور شام وغیرہ کے علاقوں تک رسائی حاصل کر چکے تھے 1453ء میں ترکوں نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا اور تمام تجارت جو یورپ سے ہوا کرتی تھی وہ مسلمانوں کے رحموں وکرم پر ہونے لگی اس مشکل کا حل تلاش کرنے کے لیے یورپی ممالک نے ہندوستان کا راستہ معلوم کرنے کی سرتوڑ کوششیں شروع کردیں اس طرح بہت سی یورپی اقوام ہندستان آئیں ذیل میں ان اقوام کا ذکر کیا جاتا ہے۔

پرتگیز

سب سے پہلے پرتگیزیوں نے ہندوستان کارخ کیا پرتگال سے تعلق رکھنے والا بحری سیاح واسکوڈے گاما 20 مئی 1498ء کو جنوبی ہند کے مشہور ساحل کالی کٹ پر اترا اور اس کے بعد پرتگالی تاجروں نے ہر طرف ڈیرے ڈال لیے تاریخی اعتبار سے جنوبی ہند کے عرب مسلمانوں اور پرتگالیوں میں یہ پہلا رابطہ نہیں بلکہ عربوں مسلمانوں اور پرتگالیوں میں تہذیبی رشتہ ہسپانیہ کے دور سے ہی چلا آرہا تھا 1450ء تک مغربی وسطی ہند کی بندرگاہوں پر تگالی قابض ہو چکے تھے۔[1]

ولندیزی

پرتگالیوں کی تجارتی کامیابیوں کو دیکھ کر یورپ کی دوسری اقوام کو بھی برصغیر سے دلچسپی محسوس ہونے لگی للذا ڈچ یا اہل ہالینڈ جو ولندیزی کہلاتے ہیں نے 1601ء میں شمالی ساحلوں پر کوٹھیاں بنالیں اور یہاں پر اپنا اثر ورسورخ قائم کرلیا۔

انگریز

اس زمانے میں خوشحال ہندوستان یورپ میں سونے کی چڑیا کے نام سے جانا جاتا تھا۔اور یورپ کے بیشتر اقوام اس چڑیا کو اپنے پنجرے میں قید کرنے کے لیے بے قرار تھیں اس لیے انگریزوں نے ہندوستان کارخ کیا 1599 میں برطانیہ کے کچھ تاجروں نے تیس ہزار پائونڈ کی رقم سے کمیٹی تشکیل دی 31دسمبر 1600 میں ملکہ الزبتھ نے اسے سرکاری تحفظ فراہم کرکے دوسری کمپنیوں پر اس کی بالادستی قائم کردی ایسٹ انڈیا کمپنی برصغیر کے ساتھ تجارتی مقاصد کے حصول کے لیے قائم کی گئی تھی کمپنی کا پہلا جہاز 1608ء میں ہند کے مغربی ساحل پر لنگر انداز ہوا اس بحری جہاز میں برطانیہ کے بادشاہ جیمنر کا نمائندہ ولیم ہاکنس مغل بادشاہ کے لیے بیش بہا قیمتی تحائف اور دوستی کا پیغام لے کر آیا۔ ہندستان اور برطانیہ کے درمیان یہ پہلا سرکاری رابطہ تھا۔[2] جو بالآخر ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے ہند

وستان میں تجارتی کوٹھیاں قائم کرنے کا ذریعہ بنا جہانگیر نے کافی پس وپیش کے بعد 1612ہیں انگریزوں کو برصغیر میں تجارت کی ا جازت دے دی۔

اجازت ملنے پر انہوں نے اپنے دفاتر قائم کریئے 1641ء میں چالرلس دوم نے کمپنی کو فوجی بھرتی سکہ جاری کرنے اور قلعے تعمیر کرنے کی اجازت دے دی اس سال چارلس دوم کی شادی پرتگالی شہزادی سے ہو گئی یوں پرتگالی شہزادی کے جہیز میں آنے والی بمبئی انگلستان کو مل گئی 1668 میں شاہ انگلستان نے بمبئی ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کر دیا۔ ۳؎

انگریزوں نے برصغیر میں اپنے مذہب کے فروغ دینے کے لئے بہت کاوشیں کیں ایسٹ انڈیا کمپنی علاقوں میں عیسائی مشنریوں کو اپنے مشن میں کامیابی کے لیے بہت سہولت میسر آئی برصغیر میں تبلیغ عیسائیت کا آغاز 1813ء میں ہوا جب ولبر فورس پارلیمنٹ کی کوشش سے ہائوس آف کامنز میں اس مضمون کا بل پاس ہوا کہ برصغیر کو عیسائی بنانے کے لیے پادری چاہئیں تو انہیں اجازت ہے اس ضمن میں معروف مسیحی مورخ کا بیان ہے

اس ملک (انگلستان) کا فرض ہے کہ وہ مفید علوم وفنون کو رواج دے اور ہندوستان میں مذہبی اور اخلاقی اصطلاحات نافذ کرے قانون ان لوگوں کو سہولتیں بہم پہنچائے جو ہندوستان جانے اور وہاں رہ کر اس نیک فرض کی تکمیل کرنے کے خواہش مند ہیں۔ ۴؎

1851 میں ہندوستان ہیں تقریباً 399 سے زائد پروٹسنٹ پادری تبشیری سرگرمیوں میں مصروف عمل تھے ان میں سے 228 برطانوی دیگر یورپی ممالک کے تھے جبکہ 1881 میں برطانوی لوگوں کی تعداد 330 تک ہو گئی اس صدی کے اختتام پر عیسائی مشنریز کی تعداد ساڑھے نو ہزار سے تجاوز ہو گئی۔

indian was served by 966 Eurepeon and 1142 indian priest 400 lay brothers and 2778 sisters. Protestant missionaries for out numberd Romon Catholic 5465 as a gainst no more than 4000 of the later.

اس سے اس بات کا اندزہ لگایا جاسکتا ہے کہ برصغیر ہیں انگریزوں نے کس پیانے پر مسیحیت کی اشاعت کا کام کیا۔

مشنری کتب کی مفت تقسیم

انگریزوں نے برصغیر میں قابض ہوتے ہی جماعتی تنظیمی پروپیگنڈے کے علاوہ تحریری یعنی کتابی پروپیگنڈا بھی شروع کر دیا ابتد اوہ صرف انجیل کی مختصر دعائیں چھپواتے اور عوام میں مفت تقسیم کرتے تھے لیکن بعد میں انہوں نے کثیر تعداد میں کتب شائع کیں جس سے مشنری سرگرمیاں تیز تر ہوتی رہیں گارساں وتاسی ''ورنیکلر ایجوکیشن سوسائٹی'' کی کارگردگی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اس کی تیسری رپورٹ میرے پیش نظر ہے اس انجمن نے 30ہزار پونڈ مسیحیت کی تبلیغ کے لیے کتابیں چھپوانے پر صرف کیے ہیں یہ کتابیں ہندوستان کی مختلف زبانوں میں طبع ہوئیں ہیں ان کتابوں کے نسخوں کی تعداد 30لاکھ ہے یہ کتابیں کولمبوتک پہنچ جاتی ہیں اس انجمن کے اس وقت 117 مدارس چل رہے ہیں جن میں 6220 طلباء تعلیم پارہے ہیں ان مدراس میں عیسائی مدراس دنیوی اور مذہبی تعلیم دیتے ہیں۔ ۶؎

حکام کا ذاتی اثر ورسوخ

انگریز فوجی افسران اور حکام بھی مشنریز کا کام کرتے تھے وہ ہر وقت مسلمانوں اور ہندوئوں کو عیسائیت کی تبلیغ کرتے تھے وہ جب ہندوئوں میں بت پرستی دیکھتے اور مسلمانوں کی زبان حضرت عیسی کو خدا کے بیٹا ہونے کا انکار سنتے تو وہ اپنا فرض سمجھتے کہ ہم پادریوں کا کام مستعدی سے کریں لہذا اپنے ملازمین سے مذہبی باتیں کرتے تھے اور انہیں اپنا اثر ورسوخ دکھا کر انہیں عیسائی پادریوں کے وعظ سننے پر مجبور کرتے تھے سید محمد میاں لکھتے ہیں۔

حکام شہر اور افسران و افواج اپنے ماتحتوں سے مذہبی باتیں کرتے تھے اپنی کوٹھیوں پر بلا کر پادریوں سے تلقین کراتے تھے لیفٹیننٹ کرنل ویلر جو ارین رجمنٹ کا کمانڈر تھا اس سے 1857 میں بڑے فخر سے کہا میں بیس برس سے کچھ دنوں سے میری عادت رہی ہے کہ سب قسم کے آدمیوں کے بغیر کسی تمیز کے وعظ سناتا ہوں مسیح کا سپاہی بن کر خدا کے احکام اور سرکاری کمپنی کا سپاہی بن کر اس کے احکام سناتا ہوں۔

قانون سے مشنریز کی مدد

ہندوستان میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی ہندوستانی جاتا تو اس کا شاستر کے مطابق محروم لاوارث کر دیا جاتا تھا اس سے پادریوں کو آسانی کے ساتھ ہندوئوں کو عیسائی بنانے میں دقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا چنانچہ لارڈ ہارڈنگ نے اس پریشانی کا سد باب کرنے کے لیے ایکٹ 1850ء نافذ کیا جس کی روسے کسی بھی ہندو کو عیسائی مذھب قبول کرنے کی صورت میں وراثت سے محروم نہ ہونا پڑے گا۔۸

اس ایکٹ کا مقصد صرف اور صرف عیسائیت قبول کرنے والوں کا فائدہ تھا عیسائی بننے کی رکاوٹ دور کرنا تھی تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ عیسائی بن سکیں۔

مذہبی شعار کا خاتمہ

انگریز حکام نے مسلمانوں اور ہندوئوں کے مذہبی شعار کو مٹانے اور ختم کرنے کی پوری کوشش کی تاکہ ان کی مذہبی شناخت ختم ہو جائے ہندوستان اپنے مذہب میں کمزور اور انگریزی تہذیب وتمدن کے شیدائی بن کر نصرانیت کے طور طریقے اپنائیں اور بالآخر نصرانی مذہب قبول کریں۔

انگریزی حکام نے مسلمانوں اور ہندوئوں کے مخصوص مذہبی نشانات مٹانے کی بھی کوشش کی اور 1808ء میں پہلی بار ویلوس مدارس میں سر جان کر اور ایک کمانڈر انچیف نے اپنے فوجی قوانین میں تین باتوں کا اضافہ کیا اور حکم دیا کہ ہندوستانی فوجی ماتھے پر تلک نہ لگائیں داڑیاں منڈائیں اور اپنی ہندوستانی وضع کی ٹوپی کو چھوڑ کر انگریزی ہیٹ پہنیں۔۹

اس کا مقصد صرف اور صرف لوگوں کے دلوں سے ان کے مذاہب کی قدر کو ختم کرنا اور شمع کو بجھانا تھا تاکہ لوگوں کے دلوں میں ان کے مذہب نصرانیت کی شمع جلائی جائے تاکہ اس شمع میں وہ عیسائی بن جائیں۔

یتیموں پر مشنریز کا قبضہ

عیسائی مشنریز نے یتیموں اور لاوارث بچوں کو عیسائی بنانے کی غرض سے ان کو اپنی حراست میں لے لیا اس شے کی تکمیل کے لیے انہوں نے انسداد غلامی کا قانون بنا کر اس کا سہارا لیا عیسائی مؤرخ ایس۔کے۔داس اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کرتا ہے۔

''1888 میں ایک قحط پڑا ان میں یتیموں اور بچوں جن کے سرپرست ان کی کفالت کرنے قابل نہیں تھے مسیحی منادوں کے حوالے کردا گیا جو ہندو اور مسلمان اپنے مذہب بچوں کی کفالت کرنا چاہتے تھے ان کو اجازت نہیں دی گئی سر سید احمد خان کو بھی وہ بچے جن کی پرورش کر رہے تھے مسیحی منادوں کے حوالے کرنا پڑے۔''

غریب لوگوں کو دعوت مسیحیت

برصغیر کے اکثر علاقوں میں زیادہ تر غریب لوگ تھے جو اپنی معاشی حالات کی وجہ سے بہت سے مسائل کا شکار تھے مسیحی مشنریز نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے ان لوگوں کو مسیح کا پیغام سنایا اور وہ اپنے مشن میں کافی حد تک کامیاب بھی رہے عیسائی پادری جوزف ارشد لکھتے ہیں ''یہاں پر میں اس حقیقت کو واضح کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ برصغیر پاک و ہند میں میسحیت زیادہ تر صرف ان لوگو ں کے لیے کوشش کا باعث تھی جو غریب ان پڑھ لاچار ظلم و ستم کا شکار اور جہالت میں ڈوبے ہوئے تھے جو نہی انہیں کچھ روشنی اور امید نظر آئی انہوں نے میسحیت کو گلے لگایا تاکہ اپنے معاشی حالات بدل سکیں۔'' [۱۱]

برصغیر میں میسحیت کی تبلغ کا پرجوش آغاز پرتگیزیوں کی آمد سے ہوا پرتگالیوں کی تجارتی کامیابیاں دیکھ کر یورپ کی دوسری اقوام بھی برصغیر کی طرف رخ کرنے لگیں یوں برصغیر ان یورپی اقوام کی باہمی تجارتی وسیاسی اختلافات کی بناپر میدان جنگ بن گیا جس میں انگریز ایسٹ انڈیا کمپنی-" فاتح "قرار پائی انگریز کا غلبہ اتنا مضبوط ہوا کہ مقامی مغل حکومت کی چھٹی کرادی گئی اور انگریز ایسٹ انڈیا کمپنی برصغیر کے سیاہ و سفید کی مالک بن گئی انگریزوں نے سیاسی و تجارتی استحکام کی غرض سے اپنے مذہب یعنی میسحیت کا سہارا لینے کی کوشش کی فروغ میسحیت کے لیے بھرپور سیاسی انتظامی اور مالی اقدامات کئے گئے فری تعلیمی اداروں کا قیام عمل میں لایا گیا۔ مشنری کتب مفت تقسیم کی گئیں میسحیت کے عقائد و تعلیمات کو عام کرنے کے لیے اخبارت ورسائل شائع کئے گئے مختلف داعی سر گرمیوں کو جاری کرکے مقامی آبادی پر تبدیلی مذہب کے لیے دباؤ ڈالا جاتا سرکاری سرپرستی میں ہونے والی ان تبشیری کوششوں نے مسلمانوں میں بے چینی پیدا کردی تھی اس ضمن میں سر سید احمد خان کا بیان قابل غور ہے۔

''سب جانتے ہیں کہ گورنمنٹ نے پادریوں کو مقرر کیا ہے ان کو تنخواہ دی جاتی ہے دیگر اخرجات اور تقسیم کتب کے لیے بڑی بڑی رقمیں دی جاتی ہیں اور ہر طرح ان کی مدگار اور معاون ہے حکام شہر اور فوج کے ماتحتوں سے مذہبی گفتگو کرتے ہیں اپنی کوٹھیوں پر بلا کر پادریوں کے وعظ سنواتے تھے غرض اس بات نے ترقی پکڑلی تھی کہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ گورنمنٹ کی عملداری یا ہماری اولاد کا مذہب قائم رہے گا۔ [۱۲]

انگریز حکومت مسیح پادریوں کی ہر طرح سے سرپرستی کر رہی تھی پادری نہ صرف مسیحی عقائد و تعلیمات کو عام کرتے بلکہ اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام پر طرح طرح کے الزامات لگاتے اس خدمت کا صلہ انہیں حکومت کی طرف سے مال و دولت اور بہترین سماجی طریقے کی صورت میں ملتا تھا اس دور میں پادری ہونا خدمت اور اصلاح کا کام نہ تھا بلکہ مفاد پرستی کی علامت تھا پادریوں نے میسحیت کی اشاعت کے لئے زبانی تبلیغ، سماجی خدمت اور تحریر و تصنیف کے طریقے اپنائے تحریری میدان میں وسیع پیمانے پر اسلام کے خلاف کتب لکھیں جس سے برصغیر میں مسیحی مناظرانہ ادب کا آغاز ہوا علاوہ ازیں عوامی اجتماعات میں پیغمبر اسلام پر بے ہودہ الزامات لگائے جاتے قر آن پر اعتراضات کیے جاتے مسلمان علماء کو مناظروں کا چیلنج دیا جاتا سیاسی اعتبار سے زوال کے اس دور میں مسلمان علماء نے دفاع اسلام کا

دفاع اسلام کافریضہ انجام دیا، تقریر کاجواب تقریر سے تحریر کاجواب تحریر سے دیا گیاسارے ملک میں آئے اور مسلم مسیح مناظرے ہونے لگے دونوں طرف سے اختلافی الزامی اور تردیدی کتب کاایک طویل سلسلہ شروع ہو گیااس مناظرانہ کشمکش نے برصغیر کے مذہبی سیاسی اور سماجی حالات پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

1857کی جنگ آآزادی کے بعد حالات

1857میں مغلیہ سلطنت کا ٹمٹماتا ہواچراغ گل ہو گیااور انگریز برصغیر کے فرمانروا ہو گئے بلاشبہ انگریز نے مسلمانوں کو جسمانی طور پر مغلوب کیا پھر مختلف معرکوں اور عیاریوں کے بعد ان کی حکومت کا ہر نشان مٹاڈالا مگر ہر نوعی ابتدا کے باوجود مسلمانوں کو من حیث القوم دماغی طور پر مغلوب یا مفتوح نہ کرسکے یہ امر واقعہ ہے کہ انگریز نے ہر جگہ پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کی مکروہ پالیسی اختیار کی اور اسی پالیسی نے بلاشبہ بڑی بڑی سلطنتوں کو ہلا کر رکھ دیا مسلمان خاص طور پر اسکی سازشوں کا شکار بنے کیوں کہ اس کی سازشوں کا شکار نہ بنے کیوں کہ اس کی ازلی اور ابدی اسلام دشمنی یہی تھی کہ انگریز جانتا تھا کہ اگر مسلمانوں میں نظریاتی وجغرافیاتی اتحاد کے ساتھ ساتھ سیاسی اتحاد بھی ہو گیا تو یہ کتنی بڑی طاقت بن جائیں گے چنانچہ اس نے اپنی طے شدہ پالیسی کے مطابق فیصلہ کیا کہ مسلمانوں میں انتشار پسند اور حریص عناصر کی حوصلہ افزائی کرکے انہیں اندر سے کھوکھلا کیا جائے اور مختلف گروہوں میں بانٹا جائے ان کے درمیان ایسے مسائل اور ایسی تحریکیں پیدا کی جائیں کہ وہ بھی ایک عظیم طاقت بن کر نہ ابھر سکیں سلطنت کی شکست وریخت ہو یا چھوٹی چھوٹی عرب ریاستوں کا قیام اعلان بالفور ہو یا ریڈ کلف ایوارڈ۔ ایران کا بہائی فتنہ ہو یا ہندوستان کا قادیانی فتنہ اس نے وہی چال چلی اور وہی طریقے چنے جس میں اس کا فائدہ اور مسلمانوں کا نقصان زیادہ سے زیادہ تھا۔

سلطان ٹیپو ہندوستان کے مسلمانوں کی آخری امید تھا اور اس نے مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو واپس لانے کی خاطر بڑی بہادری سے جنگیں لڑیں مگر ان کی شہادت کے ساتھ یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان اور روما کی عظمت کا چراغ گل ہو گیا 1857 سے پہلے ہندوستان پر انگریز تاجروں کی حکومت تھی اور وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے لوٹ کھسوٹ کر رہے تھے بظاہر ان کے لیے خطرے کی کوئی بات نہ تھی مگر 1831 میں سید احمد شہید اور ان کی تحریک جہاد نے ان کے کان کھڑے کر دیے تھے ابھی اس تحریک کے اثرات و نتائج کو وہ زائل کر سکے تھے کہ 1857 میں ان پر براہ راست وار ہو گیا دہلی لکھنوء میرٹھ کانپور اودھ کھنڈ بند ھیل اور گوالیار انگریزوں کے خلاف آتش فشاں بن گئے اگرچہ آخری مغل تاجدار بہادر شاہ میں جان نہ تھی تاہم اس کا نام ہندوستان میں گونجنے لگا انگریزوں کے لئے یہ بڑا کٹھن وقت تھا اگر اس وقت انہیں ہندوستان کے غدار ازلی کا تعاون حاصل نہ ہو جاتا اور مسلمان و ہندو باہم اتفاق کرکے جنگ کرتے اور اتحاد عمل کا ثبوت دیتے تو انگریزی اقتدار کی بساط الٹی کی جاسکتی تھی مگر افسوس ایسا نہ ہو سکا۔

بلاشبہ مسلمانوں کے اقتدار کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی تھیں لیکن ابھی تک جنگ آزادی کے ہنگامے کی سی مہلک ضرب نہ لگی تھی اگرچہ وہ کمزور اور خستہ حال ہو گئے تھے لیکن بے جان نہ تھے اسی زمانے میں اسلامی حکومت کا چراغ گل ہوا اور مسلمانوں کا تنزل ہوا 1857 میں انتہاء کو پہنچ گیا اسی سیاسی انقلاب کے علاوہ جو انحطاط مسلمانوں کی اقتصادی اور تمدنی زندگی میں رونما ہوا وہ اس سے بھی زیادہ اہم تھا اس کی صحیح تصویر ڈاکٹر ویلیم ہنٹر نے اپنی کتاب ”آور انڈین مسلمانز“ (ہمارے ہندوستانی مسلمان) میں کھینچی چونکہ سرسید

احمد خان کی کوششوں کا صحیح اندازہ اس وقت نہیں ہو سکتا جب تک مسلمانوں کی جنگ آزادی کے بعد کے حالات معلوم نہ ہو ویلیم اس کی کچھ یوں منظر کشی کرتے ہیں۔

اس زمانے میں سرحد پر شورش جاری تھی اور ہندوستان سے بھی بعض مسلمان روپیہ اور آدمی سرحد پر بھیجتے تھے مسلمانوں کو حکومت سے بہت سی شکایتیں ہیں ایک شکایت یہ تھی کہ حکومت نے ان کے لیے تمام اہم عہدوں کا دروازہ بند کر دیا ہے دوسرے ایک ایسا طریقہ تعلیم جاری کیا ہے جس میں ان کی قوم کے لیے کوئی انتظام نہیں تیسرے قاضیوں کی موقوفی نے ہزاروں خاندانوں کو جو فقہ اور اسلامی علوم کے پاسبان تھے بے کار اور محتاج کر دیا چوتھی شکایت یہ تھی کہ ان کے اوقاف کی آمدنی جو ان کی تعلیم پر خرچ ہونی چاہیے تھی غلط مصرفوں پر خرچ ہورہی ہے اگر کوئی سیاست داں دارالعلوم میں سنسنی پیدا کرنا چاہے تو اس کے لیے کافی ہے کہ وہ بنگال کے مسلمان خاندانوں کے سچے سچے حالات بیان کردے۔

یہی لوگ کسی زمانے میں محلوں میں رہتے تھے گھوڑے گاڑیاں نوکر چاکر موجود تھے اب یہ حالت ہے کہ ان کے گھروں میں جو ان بیٹے اور بیٹیاں پوتے اور پوتیاں بھتیجے اور بھتیجیاں بھرے پڑے ہیں اور ان بھوکوں کے لیے ان میں سے کئی ایک کو زندگی میں کچھ کرنے کا موقع نہیں وہ منہدم اور مرمت شدہ مکانوں اور خستہ برآمدوں میں قابل رحم زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں اور روز بروز قرض کی دلدل میں زیادہ دھنسے جاتے ہیں حتی کہ کوئی ہمسایہ ہندو قرض خواہ ان پر نالش کرتا ہے مکان اور زمین میں جو باقی تھیں ان کے قبضے سے نکل جاتی ہیں اور یہ قدیمی مسلمان خاندان ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا ہے۔ ۱۳

اسکے بعد ڈاکٹر ہنٹر سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کے تناسب کا مقابلہ دوسری قوموں کے ساتھ کرتے ہیں پہلے مال اور منصفی محکموں میں مسلمانوں کی حالت زار بتاتی ہے لکھتے ہیں "لیکن مسلمانوں کی بد قسمتی کا صحیح نقشہ ان محکموں میں دیکھا جاسکتا ہے جن میں ملازمتوں کی تقسیم پر لوگوں کی اتنی نظر نہیں ہوتی 1869 میں ان محکموں کا یہ حال تھا کہ اسسٹنٹ انجینیروں کے تین درجوں میں چودہ ہندو اور مسلمان صفر امیدوراوں میں چار ہندو دو انگریز اور مسلمان صفر سب انجینئروں اور سپر وائزروں میں 24 ہندو اور ایک مسلمان اور سیروں 63 ہندو دو مسلمان اکاؤنٹس ڈیپاٹمنٹ میں 50 ہندو اور مسلمان محروم وغیرہ شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کی کیفیت اس سے بہتر نہ تھی بالخصوص جنگ آزادی کے بعد تو ان کی حالت اتنی خراب ہو گئی تھی سر سید احمد خان نے خود ہندوستان چھوڑ کر مصر میں سکونت اختیار کرنے کا ارادہ کیا انہوں نے بعد میں ایک لیکچر میں کہا میں اس وقت ہر گز نہیں سمجھتا تھا کہ قوم پھر پنپے گی اور عزت پائے گی اور جو حال اس وقت قوم کا تھا مجھ سے دیکھا نہیں جاتا تھا ان دو فقروں سے قوم کی زبوں حالی کا اندازہ ہو سکتا ہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ سرسید نے ہجرت کا ارادہ ترک کر دیا فیصلہ کیا کہ نہایت نامردی اور بے مروتی کی بات ہے کہ اپنی قوم اسی تباہی کی حالت میں چھوڑ کر خود کسی گوشہ عافیت میں جا بیٹھوں نہیں اس مصیبت میں شریک رہنا چاہیے اور جو مصیبت پڑے اس کے دور کرنے میں ہمت باندھنی قومی فرض ہے۔ ۱۴

1857 کی جنگ کو مسلمان اور آزاد ہندو آج بھی جنگ آزادی کے نام سے یاد کرتے ہیں مگر انگریز اسکو غدر کا خطاب دیتے ہیں۔

اس جنگ کے بعد اقتدار ایسٹ انڈیا کمپنی کی بجائے تاج برطانیہ کے ماتحت ہو گیا اب معاملہ چونکہ تاج برطانیہ کے وقار اور استحکام کا ہو گیا تھا اس لیے انگریزوں نے مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ کیا وہ افسوس ناک بھی ہے اور شرمناک بھی یہ ہندوستان میں مسلمانوں کی انتہائی مظلومی کے دن تھے مسلمانوں کا دینی تہذیبی سرمایہ اس دور ہی میں لٹا تمام یگانہ بیگانہ کے باوجود مسلمانوں کے ذہن جہاد سے معمور

تھے انگریزوں کو ایک سو برس کی تگ و دو میں بخوبی اندازہ ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کے لیے جہاد حیاتین کا درجہ رکھتا ہے اور وہ اس سے سر شار ہیں ان میں علماء نے قرآن کی اساس پر ایک ایسی روح پھونک دی ہے کہ جہاد کا ہمہمہ ان کی شریانوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے جس طرح بعض نظریے انسانی فطرت میں دخیل ہو کر ان کی فطرت بن جاتے ہیں اور انہیں موت کی آخری ہچکی تک علیحدہ نہیں کیا جا سکتا اس طرح جہاد کو مسلمانوں کے جسد سے خارج کرنا ممکن نہیں انگریزوں کی دور اندیشی کے مطابق مسلمانوں کی فطرت کا یہی حصہ خطرناک تھا وہ کئی وجوہات سے محسوس کرتے تھے کہ اپنے بہیمانہ تشدد سے انہوں نے مسلمانوں کو ضرور دبا لیا ہے اور وہ لاچار ہو کر سپر انداز ہو گئے ہیں لیکن ان میں دو چار فیصد غدار پیدا کئے جا سکتے ہیں کچھ فیصد لاچار بھی نکل آئیں گے لیکن قلبی وفادار پیدا کرنا ناممکن ہے ان کے دل بہر حال باغی ہیں اس بغاوت کو حکومت کی معرفت فرو کرنا ممکن نہیں۔

انگریزوں نے سلنطت کی فتح یابی کے بعد مسلمانوں کی ملی وحدت میں شگاف در شگاف پیدا کرنا شروع کر دیئے اپنے ہمنوا علماء کی ایک جماعت اٹھائی سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید اور مجاہدین کا زور توڑنے کے لیے انہیں وہابی قرار دیا تاکہ ان پڑھ مسلمان کے ذہنی تنفر سے فائدہ اٹھا سکیں "ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر" اپنی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" میں لکھتا ہے وہابیوں نے جن کا جوش ان کے علم کی نسبت بہت زیادہ ہے اس اصول کہ ہندوستان دار الحرب ہے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ حاکموں کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے زیادہ روشن خیال مسلمان گو اس حقیقت پر بہت غمگین ہیں۔۱۵

انگریزوں کے خلاف ضرورت جہاد پر اگر وہابیوں کی نظم و نثر کی مختصر کیفیت بھی لکھنے کی کوشش کی جائے تو اس کے لیے ایک دفتر چاہیے اس جماعت نے بہت سا ادب پیدا کیا جو انگریزی حکومت کے زوال کی پشین گوئیوں سے پر اور ضرورت جہاد کے لیے وقف ہے ان کتابوں کے محض نام ہی سے ان کے بہ تمام و کمال باغیانہ ہونے کا پتہ چلتا ہے بعض تو ان میں حد سے زیادہ اشتعال انگیز ہیں ان میں سے بعض بہت زیادہ شائع کی گئی ہیں اور ان کا زہریلا اثر ان کے پڑھنے والوں تک ہی محدود نہیں بلکہ مبلغین کے اس گروہ کے ساتھ ساتھ جن میں تبلیغ دین کی مہم پر جانے سے پہلے باغیانہ روح پھونک دی جاتی ہے بنگال کے ہر ضلع تک پہنچتا ہے ان میں سے اکثر کتابیں تو اعلانیہ برطانوی ہندوستان کے بازاروں مین بکتی ہیں کتاب جتنی زیادہ مسیحیت اور باغیانہ ہوا تنی ہی عوام میں زیادہ مقبول ہو گی لیکن یہ اشتعال انگریز لٹریچر تو اس مستقل جہادی گاز تنظیم کا ایک حصہ ہے جو وہابی لیڈروں نے بغاوت پھیلانے کے لیے قائم کر رکھا ہے۔۱۶

انگریز مسلمانوں کے اس جذبہ جہاد سے بے حد خائف تھا اور اسے کچلنے کی خاطر اس نے ہر حربہ استعمال کیا غرض ان کے سامنے ہندوستان میں برطانوی عملداری کا استحکام دینے کے لیے چار سوال تھے۔

1۔ ہندوستان میں برطانوی سلطنت کی درازی عمر اور سیاسی استحکام اس وقت تک ممکن نہین جب تک مسلمانوں میں روح جہاد کار فرما ہے۔

2۔ مسلمانوں اور ہندوئوں میں مغائرت و منافرت کیونکر پیدا کی جا سکتی ہے اب تک عقیدوں کی ضد کے باوجود ان کے ذہنوں میں تصادم نہین تھا دونوں مذہبی بعد کے باوجود انگریزوں سے متحد ہو کر لڑتے تھے اور تب سوال مسلمانوں کی بادشاہت کا تھا۔

3۔ اسلام اور پیغمبر اسلام پر رکیک حملوں کا محاذ کھولا جائے اس طرح مسلمان جہاد سے رو گرداں ہو کر مدافعت کے

محاذ پر آجائیں گے مجادلہ کی جگہ مناظرہ لے گا جہاد کا خدشہ مٹے گا برطانوی سلطنت کے استحکام کی راہین ہموار ہوں گی۔

4۔ مسلمانوں میں نت نئے اور پرانے فرقوں کی معرفت متحارب متصادم پیدا کئے جائیں جس سے ان کی ملی وحدت پراگندہ ہو جائے اور باہمی نفاق کی تخلیق ہوں۔

انگریزان چار سوالوں کا جواب دینے میں کامیاب رہا اس نے بعض مراحل گذر جانے کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کی اجتماعی طاقت کو پہلی جنگ عظیم کے آغاز تک اس قدر لاغر کر دیا کہ مسلمان نظریہ کی روح سے مسلمان ہی تھے لیکن ان کی اکثریت تذبذب کا شکار ہو کر غلامی پر قانع ہو گئی ادھر یہ مسئلہ ہوا ادھر عیسائی پادریوں نے ہلہ بول دیا ہندوستان کے مسلمانوں کو مذہب کا پرستار دیکھ کر انگریز کمال چالاکی سے مناظروں اور مباحثوں کا ڈھونگ رچایا پہلے مسلمانوں اور عیسائیوں پھر عیسائیوں اور ہندوئوں پھر مسلمانوں اور ہندوئو ں کے مابین بحث مباحثے کا میدان گرم ہوا اور سب سے آخر میں مسلمانوں کو آپس میں لڑادیا۔ پہلے صداقت مذہب بحث کا موضوع تھی اب امکان نظیر اور امتناع نظیر جیسے مسائل کھڑے ہوئے وہابی سنی کشمکش پیدا کی گئی ہندو مسلم نزاع پہلے ہی پیدا ہو چکا تھا مگر ان تما تر مذہبی مناقشات اور داخلی کشمکش کے باجود بھی جذبہ جہاد کی چنگاری اپنی لو دے جاتی اور اسی سے انگریز کی جان جاتی تھی انگریز مصنفین نے برصغیر ہندوستان میں مسلمانوں کی لگاتار کامیابیوں کے جو اسباب گنوائے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسلمانوں میں دینی سر گرمی بھی کام کرتی تھی کہتے تھے کہ فتح پائی تو غازی مرد کہلائے حکومت حاصل کی مر گئے تو شہید ہے اس لیے مرنا یا مار ڈالنا بہتر ہے اور پیٹھ دکھانا بے کار۔[١٧]

انیسویں صدی میں بالخصوص جنگ آزادی کے بعد ہندوستان میں اسلام کو تین خطرے درپیش تھے پہلا خطرہ مشنریوں کی طرف سے تھا جو اس امید میں تھے کہ سیاسی زوال کے ساتھ مسلمانوں کا مذہبی انحطاط بھی شروع ہو جائے گا اور توحید کے پیرو تثلیث قبول کرلیں۔

دوسرا خطرہ یورپ اور ہندوستان میں ان خیالات کا اظہار تھا جنہیں دیکھ کر بقول سرسید" مر جانے کو جی چاہتا تھا" یہ لوگ اسلام کو عقل کا دشمن اخلاق کا دشمن اور انسانی ترقی کا مانع ثابت کر رہے تھے ان میں صرف مشنری نہ تھے بلکہ مغربی یونیورسٹیوں کے پروفیسر اور وہ انگریز حاکم بھی شامل تھے جنہیں خدا نے ہندوستانی مسلمانوں کی قسمت سونپ رکھی تھی اسلام اور بانی اسلام کے متعلق بدترین کتاب سر ولیم میور کی ہے جنہوں نے اپنی کتاب کا خلاصہ دو فقروں میں لکھ دیا نعوذ باللہ انسانیت کے دو سب سے بڑے دشمن۔ "محمدؐ کی تلوار اور محمدؐ کا قران ہیں"[١٨]

تیسرا خطرہ جو آئندہ بھی بڑھنے والا تھا خود مسلمانوں کے دلوں میں طرح طرح کے شکوک و شبہات کا پیدا ہونا تھا جن لوگوں کی نظروں سے مشنریوں اور دوسرے عیسائی مصنفوں یا آزاد خیال مغربی مفکروں کی کتابیں گزرتیں وہ اسلام کے بعض مسائل کہ جو عام علماء بیان کرتے تھے خلاف عقل سمجھنے لگے اور یہ ڈر تھا کہ وہ اگرچہ اسلام چھوڑ کر عیسائیت اختیار نہیں کریں گے لیکن مذہب سے ضرور بیگانہ ہو جائیں گے۔

ان تینوں خطروں میں سے جہاں تک مشنریوں کے خطرے کا تعلق ہے ظاہر ہے کہ اسکا بند کمروں میں کتابیں لکھنے سے نہ ہو سکتا تھا چنانچہ انہوں نے چوراہوں میں تقاریر کیں مناظرے کئے چیلنج کیے چنانچوں مولنا رحمت اللہ کیرانوی مولوی آل حسن ڈاکٹر وزیر خان سید ناصر الدین مولانا محمد قاسم وغیرہ دوسرے بزرگوں نے اسی طرح مقابلے کئے ان کے مقابلے میں کتب لکھیں جس کی وجہ سے مشنری کامیاب نہ ہوسکے سر سید نے ان بزرگوں کی طرح اس زمانے کے مشنری طریقوں کا با قاعدہ مقابلہ تو نہیں کیا لیکن مشنریوں کی مخالفت میں وہ ان بزرگوں سے پیچھے نہ تھے انہوں نے تمام عمر مشن سکولوں اور کالجوں کی مذمت کی ایجو کیشن کمیشن کے سامنے اسباب غدر بیان کرتے ہوئے غرضیکہ ہر جگہ انہوں نے مشن سکولوں اور مشنری اشاعت مسیحیت کے طریقوں کے متعلق عام مسلمانوں کی ترجمانی بڑی قابلیت اور بے باکی سے کی اس کے علاوہ جب کہیں مشن سکولوں کے مسلمان طالب علم ان سے ملتے تو وہ اسلام اور مذہب کی اہمیت انہیں پوری طرح سمجھاتے۔

سر سید کی مذہبی تصنیفات کا مقصد مشنریوں کے مقابلے سے زیادہ ان اعتراضات کی تردید تھا جو ولیم میور اور دیگر مشنری اسلام پر کئے جاتے تھے۔ اس مقصد کے لیے سر سید نے اسلام کی ایسی ترجمانی کی جس پر عقل، سمجھ اور جدید فلسفے کی رو سے کوئی اعتراض نہ ہوسکے اور جس کے مطابق مسلمانوں کو موجودہ زمانے میں بالخصوص اپنے عیسائی حاکموں کے ساتھ ربط وضبط رکھنے میں کوئی امر مانع نہ ہو رسالہ طعام اہل کتاب میں انہوں نے ثابت کیا کہ عیسائی یا دوسرے اہل کتاب کا پکا ہوا کھانا مسلمان شرعا کھا سکتے ہیں۔۱۹
آغا شورش کاشمیری لکھتے ہیں۔

1869 میں انگلینڈ سے برطانوی مدبروں اور مسیحی رہنمائوں کا ایک وفد اس بات کا جائزہ لینے کے لیے ہندوستان پہنچا کہ ہندوستانی باشندوں میں برطانوی سلطنت سے وفاداری کا بیج کیونکر بویا جاسکتا ہے اور مسلمانوں کو رام کرنے کی ترکیب کیا ہو سکتی ہے اس وفد نے 1870 میں دو رپورٹیں پیش کیں جن میں کہا گیا کہ ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت اپنے روحانی رہنمائوں کی اندھادھند پیروکار ہے اگر اس وقت ہمیں کوئی ایسا آدمی مل جائے جو حواری نبی ہونے کا دعوی کرے تو بہت سے لوگ اس کے گرد اکٹھے ہو جائیں گے لیکن مسلمانوں میں ایسے کسی ایسے شخص کو ترغیب دینا مشکل نظر آتا ہے یہ مسئلہ حل ہو جائے تو پھر ایسے شخص کی نبوت کو حکومت کی سرپرستی میں بطریق احسن پروان چڑھایا جاسکتا ہے اب کہ ہم پورے ہندوستان پر قابض ہیں تو ہمیں ہندوستانی عوام اور جمہور مسلمانوں کی داخلی بے چینی اور باہمی انتشار کو ہوا دینے کے لیے اس قسم کے عمل کی ضرورت ہے۔۲۰
بہر حال واقعات کا تسلسل بتاتا ہے کہ مرزا صاحب کے دعوی نبوت تنسیخ جہاد کے اعلان نے ایک اہم برطانوی ضرورت کو پورا کیا علامہ اقبال کے بقول قادیانی تحریک فرنگی انقلاب کے حق میں الہامی سند بن کر سامنے آئی۔۲۱

قادیانیت کے اس کردار کا اعتراف خود اس کے بانی نے بڑے کھلے لفظوں میں بڑے فخر کے ساتھ کیا ہے مثلا اپنی ایک کتاب "تریاق القلوب" میں ایک مقام پر لکھتا ہے۔

میں ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتب لکھیں اور اشتہار شائع کئے کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں بھر سکتی ہیں۔۲۲
مرزا صاحب ستارہ قیصریہ میں لکھتے ہیں۔

مجھ سے سرکار انگریزی کے حق میں جو خدمت ہوئی وہ یہ تھی کہ میں نے پچاس ہزار کے قریب کتابیں اور رسائل اور اشتہارات چھپوا کر اس ملک اور دوسرے اسلامی ممالک اس مضمون کے شائع کیے۔ کہ گورنمنٹ انگریزی ہم مسلمانوں کی محسن ہے لہٰذا ہر ایک مسلمان کو چاہیے کہ اس گورنمنٹ کی سچی اطاعت کرے اور دل سے اس دولت کا شکر گزار اور دعا گو رہے اور یہ کتابیں میں نے مختلف زبانوں یعنی اردو فارسی عربی میں تالیف کرکے اسلام کے تمام ملکوں میں پھیلا دیں اور یہاں تک کہ اسلام کے دو مقدس شہروں مکے اور مدینے میں بھی بخوشی شائع کر دیں اور روم کے پایہ تخت قسطنطنیہ اور بلاد شام مصر اور کابل اور افغانستان کے متفرق شہروں میں جہاں تک ممکن تھا اشاعت کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں انسانوں نے جہاد کے وہ غلیظ خیالات چھوڑ دیئے جو نافہم ملاؤں کی تعلیم سے ان کے دل میں تھے یہ ایک ایسی خدمت مجھ سے ظہور میں آئی ہے کہ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ برٹش انڈیا تمام مسلمانوں میں سے اس کی نظیر کوئی مسلمان دکھلا نہیں سکا۔ ۲۳

مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

میں ایک ایسے خاندان سے ہوں کہ جو اس گورنمنٹ کا پکا خیر خواہ ہے میرا والد مرزا غلام مرتضی گورنمنٹ کی نظر میں ایک وفادار اور خیر خواہ آدمی تھا کو دربار گورنری میں کرسی ملتی تھی اور جن کا ذکر مسٹر گریفن صاحب کی تاریخ رئیساں پنجاب میں ہے اور 1857 میں انہوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر سرکار انگریزی کی مدد دی تھی۔ یعنی پچاس ہزار سوار اور گھوڑے بہم پہنچا کر عین زمانہ غدر کے وقت سرکار انگریزی کی امداد میں دیئے تھے ۲۴

ڈاکٹر رفیق زکریا اس دور کے سیاسی حالات کی کچھ یوں منظر کشی کی ہے۔ ''مسلمان ہماری حکومت کے لیے زیادہ خطرناک ہیں اگر ہم بیک جنبش محمد ﷺ کی حدیثوں اور معبودوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے میں کامیاب ہو جائیں تو یہ بات عیسائی مذہب اور برطانوی حکومت کے لیے فال ثابت ہو گی ۲۵۔ چنانچہ انگریز عہدیداروں کی عادت سی بن گئی تھی کہ ملک میں جہاں کہیں بدامنی پھیلے یا کسی قسم کا بگاڑ پیدا ہو تو وہ اس کی تمام تر ذمہ داری مسلمانوں کے سر منڈھ دیا کرتے تھے ۲۶۔ وہ انہیں انتظامی عہدوں پر دیکھ کر خوش نہیں ہوتے تھے اکثر ان کے ساتھ بھرپور تعاون کرتے تھے ۲۷۔ اس سیاسی انقلاب کے علاوہ جو انحطاط مسلمانوں کی اقتصادی اور تمدنی زندگی میں رونما ہوا وہ اس سے بھی زیادہ اہم تھا۔ اس کی صحیح اور مفصل تصویر ڈاکٹر سر ولیم ہنٹر نے اپنی کتاب ''ہمارے ہندوستانی مسلمان'' میں کھینچی۔

اس زمانے میں سرحد پر یورش جاری تھی اور ہندوستان سے بھی بعض مسلمان روپیہ اور آدمی سرحد بھیجے تھے۔

سر ولیم ہنٹر مسلمان کو حکومت سے کیا شکایات ہیں ان کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔

ایک شکایت یہ ہے کہ حکومت نے ان کے لیے تمام اہم عہدوں کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ تعلیم یافتہ مسلمان جن کو پرانے طریقہ تعلیم پر ناز ہے حکومت کے ان عہدوں اور ملازمتوں میں کوئی جگہ نہیں پاتے جن پر اس سے قبل ان کی اجارہ داری تھی۔ وہ حیران ہیں کہ سب کچھ اور دیگر ذرائع زندگی قابل نفرت ہندوؤں کے ہاتھ میں چلے گئے یا جا رہے ہیں ۲۸۔ ایک صدی قبل حکومت کے تمام ذمہ دار عہدوں پر مسلمانوں کا مکمل قبضہ تھا۔ ہندو محض شکریہ کے ساتھ ان چند ٹکڑوں کو قبول کرتے جو ان کے سابق فاتح اپنے دستر خواں سے ان کی طرف پھینک دیتے تھے اور انگریزوں کی حیثیت چند ایک گماشتوں اور کلرکوں کی تھی مسلمانوں اور ہندوؤں کا تناسب اب ایک اور

سات ہے۔۲۹۔ دوسرا ایک طریقہ تعلیم جاری کیا جس میں ان کی قوم کے لیے کوئی انتظام نہیں حقیقت یہ ہے کہ ہمارا طریقہ تعلیم جس نے ہندوئوں کو ان کی صدیوں کی نیند سے جگا یا ان کے بالکل خلاف ہیں اور ان کی ضرورت کے بالکل غیر مطابق ہیں بلکہ ان کے مذہب کی تحقیر کرتا ہے۔۳۰۔ بد قسمتی سے ہمارے خلاف یہی الزام ہی نہیں جو سب سے زیادہ سنگین ہو ہم نے صرف ایک ایسا طریقہ تعلیم را ئج نہیں کیا جو مسلمانوں کی ضروریات کے بالکل غیر مطابق ہے ہم نے ان کے طریقہ تعلیم کو بھی اس سرمایہ سے محروم کر دیا جس میں ان کی بقا کا دارومدار تھا۔۳۱۔

تیسرا قاضیوں کی موقوفی نے ہزاروں خاندانوں کو جو فقہ اور اسلامی علوم کے پاسبان تھے بے کار اور محتاج کر دیا وہ ہے ہمیں یہ ب ھی الزام دیتے ہیں کہ ہم نے مسلمان قاضیوں کی برطرفی سے ہزارہا خاندان کو مبتلائے آفات کر دیا یہ قاضی نکاح کے لیے اجازت دیتے تھے اور ان کا کام زمانہ قدیم سے ہی اسلام کے متبرک قوانین کی نگہداشت اور نفاذ عمل میں لانا تھا۔ ان کو شکایت ہے کہ ہم نے ان مسلمانوں مذہبی فرائض پورا کرنے کے ذرائع چھین لئے اور اس طرح روحانی اعتبار سے ان کے ایمان کو خطرے میں ڈال دیا ۳۲۔

چوتھی شکایت یہ ہے ان کے اوقاف سے متعلق ہے ہمارا بڑا جرم ان کے نزدیک یہ ہے کہ ہم نے مسلمانوں کے مذہبی اوقاف میں بدنیتی سے کام لیتے ہوئے ان کے حساب سے تعلیمی سرمائے کا غلط استعمال کیا ۳۳۔

اس حقیقت کو چھپانے سے کیا فائدہ کہ مسلمانوں کے نزدیک اگر ہم اس جائیداد کو جو اس مصرف کے لیے ہمارے قبضے میں دی گئی تھی میں استعمال کرتے تو بنگال میں ان کے پاس آج بھی نہایت اعلیٰ شاندار اور تعلیمی ادارے موجود ہوتے ۳۴۔

سرکاری ملازموں کے علاوہ ہائی کورٹ کے وکیلوں کی فہرست بڑی عبرت اموز تھی۔ ایک زمانہ تھا کہ یہ پیشہ بالکل مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا 1851ء تک مسلمان اپنی جگہ سے نہیں ہٹے تھے اور حقیقت میں وہ ہندوئوں اور انگریزوں کی مجموعی تعداد کے برابر تھے لیکن 1851ء سے یہ صورت حال بدلنا شروع ہو گئی اب نئے نئے آدمیوں نے میدان میں آنا شروع کیا قابلیت کے مختلف معیار قائم ہوئے چنانچہ اب فہرست کو دیکھئے تو معلوم ہوگا ۳۵۔ کہ 1853 سے 1868 تک کل 240 ہندوستانی داخل کئے گئے جن میں 239 ہندو تھے اور صرف ایک مسلمان 1870 کے قریب دوسری قوموں کے مقابلے میں مسلمانوں کی کیا حالت تھی ملازمتوں میں وہ نہ ہونے کے برابر تھے اور چونکہ سرکاری ملازموں کے ہاتھ میں کئی طرح کا اختیار ہوتا ہے اس لیے یہ کمی انہیں مہنگی پڑ رہی تھی شمالی ہندوستان کے مسلمانوں نے تجارت میں کبھی امتیاز حاصل نہیں کیا اور زمینیں قرضے کی وجہ سے ان کے ہاتھ سے نکلی جارہی تھیں یہ قوم وہ ہے جس کی روایات بہت شاندار ہیں مگر جس کا اس کے باوجود کوئی مستقبل نہیں اگر اس قوم کی تعداد تین کروڑ ہے تو یہ محض اس قوم کے لیے بلکہ اس کے حاکمو ں کے لیے بھی ایک بہت ہی اہم سوال ہے ۳۶۔

انگریز نے ہندوستان پر قبضہ کرنے کے بعد محض مسلمانوں کو ہی اپنے ظلم و تشدد کا نشانہ کیوں بنایا؟ اس لئے کہ مسلمان نظریہ جہاد پر یقین رکھتے تھے اور انگریز مسلمانوں کے اس تصور جہاد سے بے حد خائف تھا نتیجتاً مسلمانوں کو کمزور کرنے کی خاطر اس نے مسلمانو ں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا اور زندگی کے ہر شعبہ میں انہیں ہر طرح کی مراعات سے یکسر محروم کر دیا پھر اس نظریہ جہاد کی اہمیت کو ختم کرنے کے لیے انگریز نے طرح طرح کے حیلے اور سازشیں کیں تاکہ کسی طریقے سے مسلمانوں کے جسم سے جہاد کی روح ختم کر دے اور مسلمان مذہب جہاد کو نہ صرف حرام سمجھنے لگیں بلکہ حاکم وقت کی اطاعت شرعاً ثواب قرار دیں اور اس کی حکم عدولی کو گناہ سمجھیں اپنے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انگریز نے ہر وہ طریقہ اختیار کیا جس کا امکان اس مادی دنیا میں موجود تھا۔

انگریزوں نے اس طویل استبداد کے بعد یہ محسوس کیا کہ بہیمانہ تشدد اجتماعی ہو یا انفرادی مسلمانوں سے اس جذبہ کو محو نہیں کرسکتا تو انہوں نے جہاد کے خلاف مباحث پیدا کرکے علماء سے فتوے حاصل کرنا شروع کئے کلام اللہ کی تفسیروں کا مزاج بدلوانا چاہا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کے عیسائی حکمران اسلام کے تمام احکام مثلا نماز روزہ حج زکوۃ وغیرہ میں مداخلت نہی کرتے تو کیا ہندوستان دارالاسلام ہے کہ نہیں چنانچہ حنفی شافعی مالکی فقہ کے مفتیوں نے ہندوستان کے دار الاسلام ہونے کا فتوی دیا ۳۷۔

جہاد کے حوالے سے اہم علماء کا نقطہ نظر

جن علماء کے نزدیک ہندوستان دار الاسلام تھا جہاد واجب نہ تھا ان کی مخالفت کرتے ہوئے محمڈن سوسائٹی کلکتہ کی جانب سے مولوی کرامت علی نے لکھا کہ اگر کوئی شخص دار الاسلام کے مفروضہ پر انگریز حکمرانوں سے جنگ کرتا ہے تو مسلمان عوام اپنے حکمرانوں کا ساتھ دینے کا شرعا پابند ہیں اور ان سے مل کر باغیوں سے جنگ کریں گے انہی دنوں سرکاری مسلمانوں نے کلکتہ میں ایک جلسہ کیا مولوی کرامت علی جونپوری شیخ احمد آفندی انصاری مولوی عبدالحکیم اور خان بہادر مولوی عبدالطیف نے جہاد کے خلاف تقریریں کیں شیخ آفندی کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا کہ آپ مدینہ منورہ کے معزز شہری اور حضرت ایوب انصاری کی اولاد ہیں آفندی نے اس شرف کے تحت انگریزوں کی وفاداری پر زور دیا اور جہاد سے پرہیز کا اعلان کیا ۳۸۔

انگریزوں نے اس وقت کے بعض نامور علماء اور کئی ایک جید فضلاو کو سرکاری خدمات کے لیے حاصل کرلیا انہوں نے مذہب افتاء وقضاء سے انگریزوں کے منشاء کے مطابق تنسیخ جہاد کے فتوے جاری کئے اور اس طرح انگریزی اقتدار کو بحال و مضبوط کیا ۳۹۔

مولوی محمد حسین بٹالوی ان علماء میں سے تھے جنہون نے مرزا غلام احمد کے دعوی نبوت کی چھاڑ کا آغاز کیا تھا اور اس کو آڑے ہاتھوں لیا حقیقی طور پر وہابی تھے اور انہیں وہابی کی سزا کا اندازہ تھا انہوں نے انگریزوں کی حمایت کو واجب قرار دیا اس کے عوض گورنر جنرل سے اپنی جماعت کے لیے ایک منفرد نام حاصل کیا انہوں نے جہاد کی تنسیخ پر ایک فارسی زبان میں رسالہ لکھا۔اس کے کئی زبانوں میں تراجم کراکے مختلف ممالک میں بھیجے گئے اس کے عوض مولوی صاحب کو جاگیر عطا کی گئی یہ پوری کتاب تحریف کا عجیب وغریب نمونہ ہے ۴۰۔

ڈپٹی نذیر احمد کا قرآن کا ترجمہ 1899 میں طبع ہوا اور اس نے الحقوق والفرائض اور الاجتھاد کے نام کی کتب لکھیں اور ان میں شریعت اور جہاد کے ابطال پر لکھا۔ ۴۱۔

ولیم میور 1868ء میں یوپی کا لیفٹینٹ گورنر تھا اس بدبخت نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہندوستان میں پہلے تحریری بدزبانی کی بنیاد رکھی ایک کتاب حیات محمد لکھی اس نے لکھا کہ انسانیت کے سب سے بڑے دو دشمن ہیں محمدؐ کی تلوار اور محمدؐ کا قرآن (نعوذ باللہ) اس بدبخت نے علی گڑھ کی پہلی عمارت ایم۔اے۔او سکول کا سنگ بنیاد رکھا وہ قرآن و محمدؐ سے عناد کے باوجود ڈپٹی نذیر احمد پر انتہائی مہربان تھا انگریزوں نے کس طرح ہندوئوں اور مسلمانوں کو دست و گریباں کرکے دم لیا یہی ان کی سیاست کا اصول تھا کہ اگر ہندو مسلمان متحد رہتے تو انگریزوں کے لیے سکوں نہ تھا تفریق ڈالو اور حکومت کرو ان کا اصول حکومت تھا اور وہ اس کی آبیاری ہی سے ہندوستان میں اپنی حکومت کو طول دے کر مستحکم کر سکتے تھے۔جب ان کے پائوں اچھی طرح جم گئے تو مسلمانوں کو مجادلے کی طرف پلٹا دینے کے لیے انگستان سے پادریوں کی ایک کھیپ درآمد کی انہوں نے یہاں آکر قرآن اور اسلام پر ایک حملے شروع کئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

ذات مبارکہ پر کیچڑ اچھالا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ علماء جو اب تک جہاد کے محاذ پر تھے اس سے ہٹا کر مناظرے کے میدان ہیں آگئے صور تحال یکسر بدل گئی اب مسلمانوں کے یے یہ مسئلہ تھا کہ اپنے ذہن کی سچائی کیونکر قائم رکھ سکتے ہیں اس سے بڑی خطرناک بات اور کیا ہو سکتی تھی کہ ولیم میور نے یوپی کا گورنر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت کے خلاف بڑی ڈھٹائی کے ساتھ حیات محمد لکھ کر زہر اگلا سر سید احمد خان جو انگریزی تعاون میں پیش پیش تھے انہوں نے بھی اس کتاب کے زہر کو محسوس کیا او خطبات احمد یہ کے نام سے جواب لکھا لیکن انگریز اپنی چال میں کامیاب رہا کہ عامۃ المسلمین کے لیے اصل مسئلہ اسلام کا دفاع اور سیرۃ النبی کی نگہداشت ہو گیا ایک دوسرا مسئلہ انگریزوں کے سامنے یہ تھا کہ مسلمانوں کی ملی وحدت پارہ پارہ ہو اس کی شکل یہ نکالی کہ بعض نئے فرقوں کو جنم دیا انہیں پروان چڑھایا ان کا ہاتھ بٹایا ان فرقوں نے پیدا ہو کر ان تمام علماء کے خلاف قلم اٹھایا جو انگریزی حکومت کا شکار ہونے سے انکار کر چکے اور برطانوی اقتدار کے خلاف تھے ان نوزائیدہ فرقوں نے نہ صرف مسلمانوں کی وحدت کو توڑ ڈالا بلکہ کفر کا ایک نیا دفتر کھول ڈالا اور تمام لوگ کافر قرار پائے ۔ جو استقلال اور عزیمت میں ڈھلے ہوئے آزادی کی جد جہد میں شریک تھے ان نو ساختہ فرقہ کے پیشوائوں سے انگریزی حکومت کی رضا جوئی کو لازمہ دین سمجھا اور ہمیشہ ان کی خوشنودی کو دین سمجھا جن علماء نے خلاف سمجھا ان سب پر سب وشتم کیا بسا اوقات ان پر کفر کے فتو ے لگائے مشائخ کے خانقاہی سلسلوں کو اس طرح منظّم کیا وہ معتکف ہو گئے ان کے لیے جہاد ساقط ہو گیا وہ اس تصور سے ہی خالی الذہن ہو گئے کہ "نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری" بھی کوئی چیز ہے یعنی ان کو اس اسلامی تصور سے آگاہی نہ رہی کہ کفر کی حکومت پر نکتہ چینی ہو سکتی ہے یا سیاست میں حصہ لیا جا سکتا ہے۔

مولوی چراغ علی صاحب کے نزدیک سیاست اور تہذیب کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں لہٰذا ایک طرف تو انہوں نے سیاسی مسائل سے مکمل طور پر قطع تعلق کیا اور ہندی مسلمانوں میں سیاسی شعور پیدا کرنے کی کوشش نہ کی اور دوسری طرف مذہبی تعلیمات کو عملی جامہ پہنانے کی کوششوں کے بارے میں اسلامی اصولوں سے انکار کیا خصوصی طور پر۔"جہاد" کا ذکر اس ضمن میں آتا ہے جس نے گذشتہ صدی کی مخصوص معروضی ہندوستانی صورتحال میں بہت زیادہ اہمیت حاصل کر لی تھی سر سید احمد خان مرزا غلام احمد قادیانی اور سید امیر علی کی طرح مولوی چراغ علی صاحب نے بھی اسلام میں جارحانہ عنصر کی موجودگی سے انکار کرتے ہیں۔ جو اصل ہر عقیدے کے اساسی اجزائے ترکیبی میں سے ہے جہاد کو جارحانہ کارروائی کے مفہوم لینے سے انکار کرتے ہوئے اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ تاریخ اسلام میں کبھی کبھی فرد قبیلے یا قوم کو کسی قسم کے دبائو کے تحت اسلام پر مجبور نہیں کیا گیا ہے ۴۳۔

سر سید مولوی چراغ علی اور سید امیر علی نے کئی مذہبی امور کی ترجمانی میں عام مسلمانوں سے اختلاف کیا لیکن انہوں نے کوئی نیا فرقہ نہیں قائم کیا۔ ان کے طریق کار کو جدید علم الکلام کہا جا سکتا ہے کیوں کہ انہوں نے مسائل اسلامی کو جدید فلسفے اور علوم کے مطابق ثابت کرنے کے لیے دور عباسیہ میں معتزلین نے اختیار کیے تھے لیکن باوجود اس کے سر سید یا ان کے ہم خیال کسی علیحدہ فرقے کے بانی نہ ہوئے ان کا مقصد اپنی سمجھ کے مطابق تمام مسلمانون کی اصلاح تھی۔ اسی لیے انہوں نے اپنے خیالات قوم کے سامنے پیش کئے لیکن ان میں کوئی مجددیت یا نبوت وولائیت کا دعویدار تھا انہوں نے کوئی علیحدہ جماعت بنانے کی کوشش نہیں کی اسی زمانے میں ایک صاحب پیدا ہوئے جنھوں نے جدید متکلمین کی بعض باتیں اخذ کیں لیکن جن کی تعلیمات کی امتیازی خصوصیات ان کی ذاتی اور شخصی دعاوی ہیں یہ صاحب قادیانی فرقہ کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی کی ہیں۔ ۴۴

مولوی چراغ علی صاحب سے مرزا صاحب کی خط وکتابت تھی اور جہاد کے متعلق وہ مولوی صاحب کے ہم خیال تھے اس طرح حضرت عیسیؑ کے متعلق انہوں نے بیشتر سر سید کے خیالات کی پیروی کی لیکن باوجود اس کے ان کی تعلیمات میں کئ باتیں تو معتزلہ خیالات سے قریب تھیں وہ اکثر اصولی باتوں میں قدامت پسند تھے. قادیانی گروہ سے ان کا اختلاف بیشتر مرزا صاحب کے دعاوی کے متعلق ہے انہوں نے مسیح موعود مہدی منتظر اور کشن اوتار ہونے کا دعوی کیا ایسے دعوے ہیں جنہیں عام مسلمان غلط سمجھتے ہیں نبوت کا دعویٰ کر کے ایک فرقہ کھڑا کر کے انہوں نے مسلمانوں میں جو اختلاف پیدا کیے اسے بھی اکثر مسلمان ناپسند کرتے ہیں۔۴۵ؔ

بر صغیر کے مسلمانوں میں کوئی مذہبی جماعت ایسی نہیں جو اس قدر منظّم اور سرگرم عمل ہو نئے تعلیم یافتہ لوگوں کو مادیت اور دنیاداری نے عملی کام کے قابل نہیں چھوڑا اور پرانے علماء زمانے کی ضروریات سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ایک عالم جمود میں ہیں ان کے مقابلے میں احمدیہ جماعت میں غیر معمولی مستعدی جوش خود اعتمادی اور باقاعدگی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ تمام دنیا کے روحانی امراض کا علاج ان کے پاس ہے یہ اعتقاد غلط ہو یا صحیح لیکن اس نے ان کے کاموں میں ایک روح پھونک دی ہے جو قادیانیوں کے بعض عجیب و غریب عقائد اور بانی کے بعض شخصی خصوصیات کے باوجود کئ لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

احمدی جماعت کے فروغ کی ایک وجہ ان کی تبلیغی کوششیں ہیں مرزا صاحب اور ان کے معتقدین کا عقیدہ ہے کہ اب جہاد بالسیف کا زمانہ نہیں ان کے اس عقیدے سے عام مسلمانوں کو اختلاف ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ آج جہاد بالسیف کی اہلیت تو احمدیوں میں ہے نہ عام مسلمانوں میں۔۴۶ؔ

عام مسلمان تو جہاد بالسیف کے عقیدے کا خیالی دم بھر کے نہ عملی جہاد کرتے ہیں اور نہ تبلیغی جہاد لیکن احمدی جنہوں نے جہاد بالسیف کے معاملے میں کھلم کھلا اور صاف صاف حالات حاضرہ کے سامنے سر جھکا دیا ہے دوسرے جہاد یعنی تبلیغ کو ایک فریضہ مذہبی سمجھتے ہیں اور اس میں انہیں خاصی کامیابی ہوئی ہے۔۴۷ؔ

حوالہ جات

1۔ جعفری۔جواد۔ڈاکٹر۔اردو ادب یورپ اور امریکہ میں۔مکتبہ عالیہ لاہور 19 مئی 2010

2۔ نظامی۔محمد یعقوب پاکستان سے انگلستان تک اسماعیل اینڈ سنز گوجرانولہ 1995ء ص 45
درانی عطش۔ڈاکٹر۔اردو زبان اور یورپی اہل قلم۔سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔طبع 1987ص 13۔

3۔ درانی۔۔۔۔۔۔ص 13۔

4۔ Sherring M.A History of Protestant Missions in India (London, 1875) P. 89

5۔ Latourette, christianity in revlutionary Age Voll- III P. 403,407

6۔ گارسان دتاسی خطبات انجمن ترقی اردو پاکستان۔کراچی طبع 1975ص 252

7۔ محمد۔میاں۔سید۔علماء ہند کا شاندار ماضی حصہ سوم۔ص 316

8۔ امداد صابری آثار رحمت۔فرید بک ڈپو۔نیو دہلی انڈیا طبع 2006ص 39

9۔ ایضاص ۱۱۳

10۔ ایس کے۔دس۔تاریخ کلیسائے پاکستان۔جے۔ایس پرنٹر لاہور۔1995ص 166

11۔ جوزف۔ارشد۔فادر۔مریم آباد یادوں کے سو سال،مکتبہ عنادیم، کراچی، باراول 1996ص 33

12۔ سر سید احمد خان۔رسالہ اسباب بغاوت ہند، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی۔ص 192

13۔ ہمارے ہندوستانی مسلمان (ترجمہ ڈاکٹر صادق حسین) ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر ص 107
ناشر مکتبہ ناصریہ مین بازار حاجی آباد فیصل آباد اشاعت بار دوم 1995

14۔ ایضاً ص 113

15۔ ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ڈبلیو ہنٹر ص 215

16۔ ایضاً ص 108-110

17۔ تاریخ برطانوی ہند ص 302 طبع 1935 بحوالہ۔اقبال اور قادیانی نعیم آسی ص 26 مکتبہ جدید پریس لاہور جون 1974

18۔ موج کوثر۔شیخ محمد اکرم ص 156 مکتبہ ادارہ ثقافت اسلامیہ ۲۔کلب روڈ لاہور سن 1988۔طبع پانزدھم

19۔ موج کوثر۔ایضاً۔ص 158۔

20۔ عجمی اسرائیل۔آغا شورش کاشمیری ص 19

21۔ حرف اقبال۔لطیف احمد شرلانی۔ایم۔اے ص 145

22۔ تریاق القلوب۔مرزا غلام احمد قادیانی ص مطبوعہ قادیانی 1902

23۔ ستارہ قیصریہ۔مرزا غلام احمد قادیانی ص 70

24۔ اشتہار واجب الاظہار منسلک کتاب البریہ۔مرزا غلام احمد قادیانی ص 3

25۔ ہندوستانی سیاست میں مسلمانوں کا عروج (اردو) ڈاکٹر رفیق زکریا ص 23۔مترجم ڈاکٹر ثابت انور۔سپر پرنٹر

سائوتھ انار کلی نئی دہلی 1985ء۔

26۔ ہندوستانی سیاست میں مسلمانوں کا عروج وزوال ص240

27۔ ایضاً۔ ص240

28۔ ہمارے ہندوستانی مسلمان ص227

29۔ ایضاً۔ ص252

30۔ ایضاً۔ ص261

31۔ ایضاً۔ ص263

32۔ ایضاً۔ ص221

33۔ ایضاً۔ ص223

34۔ ایضاً۔ ص223

35۔ ایضاً۔ ص255

36۔ موج کوثر ص76

37۔ ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ ص316-315

38۔ ایضاً۔ ص218

39۔ تحریک ختم نبوت شورش کاشمیری ص15

40۔ ایضاً۔ ص16

41۔ ایضاً۔ ص17

42۔ ایضاً۔ ص18

43۔ تحقیق الجہاد مولوی چراغ علی، اردو ترجمہ مولوی غلام حسین پانی پتی، ص 58

44. موج کوثر ص177

45 موج کوثر ص178

46 ایضاً۔ ص179

47 ایضاً۔ ص179

مبحث دوم: مذہبی حالات کا جائزہ

تیرھویں صدی ہجری ہندوستانی مسلمانوں کے لیے اہم کشمکش کی حامل تھی ان کے سیاسی تنزل کی تکمیل اسی صدی میں ہوئی ان کے مذہبی احیاء اور معاشرتی اصلاح کے آغاز کا زمانہ بھی یہی تھا۔ اب ہندوستان کا اکثر حصہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل چکا تھا اور بہت سی معاشرتی اور مذہبی خامیاں جن پر اسلامی حکومت کے زمانے میں پردہ پڑا ہوا تھا، بے نقاب ہو گئی تھیں۔ شاہ ولی اللہ اور دوسرے بزرگوں کی کوششوں سے ذی علم طبقے اسلام کے متعلق زیادہ صحیح معلومات حاصل کر رہے تھے لیکن عوام کی مذہبی حالت نہایت گری ہوئی تھی انہوں نے ہندو مذہب کو چھوڑ کر اسلام تو اختیار کر لیا تھا لیکن اس سے ان کی روحانی حالت میں کوئی اہم تبدیلی نہ ہوئی تھی۔ اگر پہلے وہ مندروں میں مورتیوں کے سامنے ماتھا ٹیکتے تھے تو اب مسلمان پیروں اور قبروں کے سامنے سجدے کرتے اور ان سے مرادیں مانگتے۔ (۱)

دیوبند:

اس دور میں مختلف مذہبی تحریکات کا ظہور اور ارتقاء ہوا۔ انیسویں صدی کے مسلم ہندوستان میں مذہبی تعلیم کے تین بڑے مراکز تھے ان میں سب سے زیادہ معروف و مشہور دہلی میں شاہ ولی اللہ کا مدرسہ تھا جہاں ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز اور ان کے پوتے شاہ محمد اسحاق شاہ ولی اللہ کی روایت کے مطابق نظری اساسیت کی نسبت انتخابی روایت پسندی پر زور دیتے تھے ان تعلیمی مراکز میں سب سے قدیم مدرسہ جو معاشرت اور سیاست سے عملاً بالکل بے تعلق ہو کر صرف اکتساب علم کی طرف متوجہ رہا فرنگی محل لکھنؤ کا مدرسہ تھا اور تیسرا خیر آباد کا تربیتی و تعلیمی مدرسہ تھا دہلی میں ساری توجہ قرآن کی تفسیر اور حدیث کی جانب دی جاتی تھی۔ ۲

ایک مدرسہ جو برطانوی امداد سے چلتا تھا ان میں مولوی مملوک علی، سرسید احمد خان، مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی کو تعلیم دینے کا فخر حاصل تھا۔ جن میں مؤخر الذکر دو علماء نے بعد میں دیوبند کا تعلیمی اور تربیتی ادارہ قائم کیا۔ یہ دونوں مولانا مہاجر مکیؒ کے بھی شاگرد تھے انہوں نے کچھ عرصہ تک شاہ محمد اسحاق کے حکم پر حجاز میں جلاوطنی اختیار کر لی۔ مولانا امداد اللہ اور ان کے دونوں تلامذہ نے 1857 کی جنگ میں حصہ لیا چونکہ ان کے خلاف کوئی الزام ثابت نہ ہو سکا اس لیے انکے خلاف سنگین کارروائی نہ کی گئی ۳

جنگ آزادی کے بعد علم معاشرہ کی تعمیر نو کے دور میں مولانا محمد قاسم نانوتوی اور علماء کے ایک گروہ نے یہ طے کیا کہ قصبہ دیوبند میں جو دہلی سے قریب تھا ایک دینی مدرسہ قائم کیا جائے جس میں عام دینی تعلیم اور بالخصوص ولی اللٰہی مکتب کے کچھ عناصر کو ملا کر تعلیم دی جائے اور مسلمانوں کے سب سے اہم مسئلہ ان کے علمی، مذہبی اور ثقافتی ورثے کا تحفظ کیا جائے۔ ۴

شاہ عبدالعزیز کے جانشین

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے جانشین شاہ عبدالعزیز صاحب فرمایا کرتے تھے میری تقریر اسماعیل نے لے لی تحریر رشید الدین اور تقوی اسحٰق نے لے لیا ان میں سے شاہ اسماعیل اپنے چچا شاہ عبدالعزیز صاحب کی وفات کے سات سال بعد معرکہ بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔ ۵

شاہ عبدالعزیز نے مرتے وقت اپنا جانشین اپنے نواسے شاہ محمد اسحٰق کو بنایا وہی آپ کی زندگی اور بعد وفات کے مدرسہ میں درس و تدریس کرتے رہے۔ انہوں نے سید احمد بریلوی کی تحریک کی ہر طرح مدد کی۔ حالات کے ناسازگار ہونے کے باعث مکہ مکرمہ میں رہائش اختیار کی وہاں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا آپ سے اکتساب فیض پانے والوں میں یکتائے روزگار ہستیاں نواب صدیق حسن بھوپالی فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی، مولانا امداد اللہ مہاجر مکی اور سرسید احمد خان شامل ہیں۔ ۶

شیخ العالم حاجی امداد اللہ

آپ 1223ھ میں پیدا ہوئے اٹھارہ برس کی عمر میں شاہ محمد اسحٰق کے داماد اور شاگرد مولوی نصیر الدین دہلوی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ 1261ھ میں حج ادا کیا حاجی صاحب نے شاہ محمد اسحٰق سے براہِ راست اکتساب فیض کیا۔ مولانا رشید احمد گنگوہی مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمد یعقوب نانوتوی مولانا فیض الحسن سہانپوری اور دوسری کئی برگزیدہ ہستیاں آپ کے حلقہ بیعت میں داخل ہوئیں ے

جنگِ آزادی میں مولانا قاسم، مولانا رشید احمد اور مولانا محمد یعقوب آپؒ کے ساتھ تھے انہوں نے اس فتنے کو فرو کرنے کی کوششیں کیں۔انگریز کے اقتدار کے قائم ہونے پر ان پر مقدمہ چلا مہاجر مکیؒ دوبارہ مکہ معظّمہ چلے گئے۔ مولانا رشید احمد چھ ماہ حوالات میں رہے بعد میں رہا ہوئے۔ حاجی مہاجر مکیؒ نے 1317ھ میں وفات پائی۔ ۸

مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب مہاجر مکیؒ کے خلیفہ تھے یہ بڑے پائے کے عالم تھے اور ان کے دوسرے خلیفہ مولانا محمد قاسم نانوتوی تھے۔ مولانا قاسم کا خلوص ایک ضرب المثل تھا آپ نہ صرف مدرسہ دیوبند کے بانی تھے بلکہ مدرسہ کو ایک شاندار دارالعلوم بنانے کا خیال آپ کا تھا۔ آپ نے شروع ہی سے مدرسے کی بنیادیں اس قدر وسیع اور بلند رکھیں کہ ان پر دارالعلوم کی عالی شان عمارت تعمیر ہو سکے۔ ۹

آپ نے ابتداء ہی میں اس ادارہ کے قواعد و ضوابط ترتیب دے دیے ان میں روحانی مصلحتوں کو مادی مصلحتوں پر ترجیح دی گئی وہ اصول یہ تھے۔

اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں جب تک یہ مدرسہ ان شاء اللہ بشرط توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہو گئی جیسے جاگیر یا کارخانہ تجارت یا کسی امیر محکم نقول کا وعدہ تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف ورجاء جو سرمایہ رجوع الی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امدادِ غیبی موقوف ہو جائے گی۔ کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہو جائے گا القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک قسم کی بے سروسامانی ملحوظ رہے۔ ۱۰

دارالعلوم دیوبند کے قیام کے مقاصد جیسا کہ مولانا نانوتوی اور ان کے عمر بھر مولانا رشید احمد گنگوہی نے واضح کیے ہیں یہ تھے عام مسلمانوں اور عالم اسلام کے درمیان از سر نو ربط قائم کیا جائے اور ملت اسلامی کی اساسی، ثقافتی اور مذہبی شناخت کی از سر نو تشکیل کی جائے علوم جدیدہ کو خارج کر کے روایتی نصاب تعلیم مرتب کیا گیا۔ ان کا فقط نظریہ تھا کہ ایک ایسے دور میں جدید طبیعاتی علوم اور معقولات بڑی آسانی سے سرکاری اداروں میں حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ اور روایاتی علوم و معقولات غیر متوقع طریقے پر مفقود ہوتے جا رہے ہیں مسلم قوم کی تکمیل کا انحصار صرف اس پر ہے کہ روایتی ورثہ کو محفوظ کر دیا جائے۔ دور متوسط کے علوم قدیم اسلامی نصاب تعلیم کو عام طور پر قبول کر لیا گیا۔ تاکہ یہ نصاب تعلیم دور متوسط کی اسلامی اور دور جدید کی مغربی عقلیت پسندی کے مابین ایک۔ "پل" کا کام دے سکے اور اگر کوئی طالب علم چاہے تو اپنی دینی تعلیم مکمل کر کے کسی جدید سکول یا یونیورسٹی میں داخلہ لے سکے اس طرح کم سے کم دیوبند نظریاتی طور پر ابتداء ہی سے خود کو جدید مغربی وضع کے سکولوں کا ابتدائی اور امدادی جزو سمجھتا تھا نہ کہ ان کا حریف۔ لیکن یہ نظریہ گنتی کے چند مثالوں کے علاوہ شاذو نادر ہی عملی جامہ پہن سکا۔ جس کا سبب دیوبند کے نصاب تعلیم کی مدت تھی جدید علوم اس بنا پر نصاب تعلیم سے خارج

کر دیئے گئے تھے کہ اس طرح مطالعہ کا دائرہ غیر ضروری حد تک وسیع ہو جائے گا۔اور اس کا بھی امکان ہے کہ دینی تعلیم کے ساتھ یہ نہ چل سکے مولانا رشید احمد گنگوہی تو زمانہ وسطی کے علوم معقولات کو بھی درس میں شامل کرنے کے خلاف تھے۔ ۱۱

دیوبند کا قیام جنگ آزادی کے بیس پچیس سال بعد ہوا لیکن جلد ہی اس نے قوم کے تعلیمی نظام میں معزز جگہ حاصل کر لی اور آج قدیم طرز کی اسلامی درسگاہوں میں سب سے اہم گنا جاتا ہے۔ اس کی ترقی کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس کا بیج اچھا تھا اور اچھے ہاتھوں سے بویا گیا تھا۔ دیوبند کا مدرسہ حقیقتاً شاہ عبدالعزیز اور شاہ ولی اللہ کے درس کی نمایاں خصوصیتوں کا حامل ہے اس میں فرنگی محل کی طرح منطق اور صرف و نحو اور فقہ پر سارا وقت صرف نہیں ہوتا بلکہ حدیث کا بھی خاص خیال رکھا جاتا ہے جو شاہ ولی اللہ اور ان کے جان نشینوں کی خصوصیت تھی اسی طرح دیوبند میں شروع ہی سے شاہ عبدالعزیز اور ان تلامذہ کے درس کی خصوصیات تھیں۔ ۱۲

مولانا نانوتوی اپنے زمانے کے زبردست مناظر اور مقرر تھے عوام میں زیادہ شہرت انہیں مباحثوں اور مناظروں کی وجہ سے ہوئی ان دنوں پادری جابجا اسلام کے خلاف تقریریں کر رہے تھے کوئی اہل علم جس کا یہ کام تھا اس طرف متوجہ نہ ہوتا تھا۔ صرف ایک منصور علی دہلوی تھے جنہوں نے عیسائیوں کے ساتھ مناظرے میں امتیاز حاصل کیا تھا۔ انجیل انہیں تقریباً زبانی یاد تھی، طرز مناظرہ بھی جداگانہ تھا اور کئی شاگرد انہوں نے پادریوں کے خلاف وعظ کرنے کے لیے تیار کئے تھے۔ اتفاق سے 1293ھ میں ضلع شاہجہان پور کے ایک تعلق دار نے ہندوؤں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان ایک مباحثے کا انتظام کیا "میلہ خدا شناسی" اس کا نام رکھا مولانا محمد قاسم بھی مولوی منصور علی کو لے کر اس میں شریک ہوئے اور ابطال تثلیت و شرک اور اثبات توحید میں گفتگو کی اگلے سال پھر مباحثہ ہوا ہندوؤں کی طرف سے آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند سرسوتی شریک جلسہ تھے مسلمانوں میں ایک واعظ مولوی محمد علی صاحب تھے جو بمقابلہ مذہب ہنود زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے بعد مولوی صاحب نے مسئلہ توحید پر زبردست تقریر کی جو قبلہ نما کے نام سے چھپی اس میں سوامی دیانند سرسوتی کے اعتراضات کا جواب دیا ہے اس کے بعد مولانا کی صحت خراب رہی پچاس سال کی عمر سے پہلے دیوبند کے مقام پر وفات پائی۔ ۱۳

حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت کی حتمیت تین عناصر پر ڈالی ہے۔ تصور مرتبہ، تصور تاریخ مسلسل اور تصور امکان شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی مولانا نانوتوی اور مولانا گنگوہی کے بعد آنے والی نسل میں سب سے زیادہ ممتاز شخصیت ہیں۔ ان کی قیادت میں دیوبند نے عالمگیر شہرت حاصل کی اور اسلامی دنیا کے دوسرے ملکوں سے طلبہ اس کی جانب رجوع کرنے لگے دیوبند سے باہر اطراف ملک میں کئی مدارس ہیں۔ جامعیہ ملیہ نواکھلی، مدرسہ قاسم العلوم مراد آباد جن کے امتحانات اور کارگزاری کی نگرانی دارالعلوم کی طرف سے ہوتی ہے۔ ۱۴

دیوبند اور علی گڑھ کے درمیان جو خلیج حائل تھی وہ اس حد تک ضرور کم ہو گئی تھی کہ علماء کا آپس میں تبادلہ ہونے لگا۔ ۱۵

مولانا محمود الحسن کے زمانے کی قابل ذکر بات یہ ہے کہ علی گڑھ اور دیوبند کے درمیان جو کشیدگی تھی وہ بڑی حد تک رفع ہو گئی دیوبند اور علی گڑھ کے بانیوں کا آخری سرچشمہ فیض ایک تھا یعنی ولی اللہی خاندان کی تعلیمات ۔۔ لیکن ان کے مقاصد اور طریق کار میں بعد عظیم تھا۔ سرسید کا بڑا مقصد مسلمانوں کے دنیوی تنزل کو روکنا تھا اور ارباب دیوبند کی نظر دینی ضروریات پر تھی۔ پھر سرسید طبقہ امراء کے رکن تھے اور مولانا محمد قاسم جمہور کے نمائندے۔ سرسید کی خواہش تھی کہ اسلام کا وہ سائبان جن کے سائے کے نیچے صدیوں

تک جمہور کو آرام ملا تھا اور علماء صلحاء کو کام کرنے کا موقع میسر آیا تھا۔ کسی طرح بالکل تباہ برباد ہونے سے بچ جائے اور مولانا محمد قاسم کی نظر جمہور اور علماء کی فوری ضروریات پر تھی۔ اس کے علاوہ ملکی معاملات میں دونوں کا طریقہ کار مختلف تھا۔ جنگ آزادی میں سر سید مولانا محمد قاسم اور ان دونوں کے ساتھیوں نے حصہ لیا تھا۔ لیکن سر سید نے ایک فریق کا ساتھ دیا تو دوسرے نے اس کے مخالف فریق کا۔

مولانا محمود الحسن کو بھی علی گڑھ سے کم اختلافات نہ تھے انہیں سر سید سے پیر بھائی یا استاد بھائی ہونے کا بھی وہ ربط حاصل نہ تھا جو سر سید اور بعض بزرگان دیوبند کے درمیان تھا۔ لیکن خدا کی قدرت کہ ان کے زمانے علی گڑھ اور دیوبند کے درمیان خلیج کو پر ہونے کا سامان ہوا۔ ۱۶

اس کے علاوہ حضرت شیخ الہند کو احساس تھا کہ ان کے ہم خیال لوگ سکولوں، کالجوں میں بھی اسی طرح ہیں جس طرح مدرسوں اور خانقاہوں میں ہیں۔ چنانچہ آپ نے ان کی طرف دست تعاون دراز کیا۔ آپ کے اس خطبہ صدارت کے جو جامعہ ملیہ اسلامیہ کی تاسیس کے وقت 1920ء کو بمقام علی گڑھ گیا آپ نے طلبہ کو فرمایا۔

اے نونہالان وطن! جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غم خوار جس میں میری ہڈیاں پگھلی جا رہی تھیں مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور سکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور میرے چند مخلص احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا اور اس طرح ہم نے ہندوستان کے تاریخی مقاموں دیوبند اور علی گڑھ کا رشتہ جوڑا۔ ۱۷

شیخ الہند نے اسی سلسلے میں پہلا جو قدم اٹھایا ۱۹۰۶ء میں جمیعت الانصار کا قیام تھا۔ جس کے جلسوں میں صاحبزادہ آفتاب احمد خان بھی شریک ہوا کرتے تھے اور جس کے سلسلے میں علی گڑھ کالج سے یہ معاہدہ بھی ہوا تھا کہ انگریزی خواندہ طلبہ جو تبلیغ کا شوق رکھیں وہ دارالعلوم دیوبند میں جا کر علوم اسلامیہ حاصل کریں۔ دارالعلوم اس کا خاص انتظام کرے گا۔ اس طرح علی گڑھ کالج ان طلبہ کو خاص انتظام کے ساتھ انگریزی کی تعلیم دے گا جو دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہو کر علی گڑھ کالج جائیں گے۔ ۱۸

اس دوران دیوبند نے اسلامی دنیا کے ممتاز معروف دینی مدارس میں نمایاں مقام حاصل کر لیا ۱۹۱۲ میں جب مصر کے معروف سکالر علامہ سید رشید رضا نے ہندوستان کا دورہ کیا تو دیوبند بھی تشریف لے گئے اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ اگر میں اس دارالعلوم کو نہ دیکھتا تو ہندوستان سے نہایت مایوس ہو کر واپس جاتا۔ اس دارالعلوم نے مجھ کو بتا دیا ہے کہ ہندوستان میں ابھی علوم عربیہ اور تعلیمات مذہبی اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔ علامہ رشید رضا نے علماء دیوبند کے علماء ازھر سے روابط قائم کئے ۱۹

دارالعلوم دیوبند نے بغیر کسی شور و غل کے تھوڑی ہی مدت میں جو اعتبار مرتبہ حاصل کر لیا وہ اس کے منتظمین کی قابلیت اور نیک نیتی کا واضح ثبوت ہے اور انہیں اس پر فخر کا جائز حق ہے لیکن ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ دیوبند کی کامیابی علمی فتوحات کی وجہ سے کم اور روحانی کی وجہ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس کی عملی تشکیل میں چند ایک باتیں ابھی نظر میں کھٹکتی ہیں ایک تو بعض ایسی شخصی اور انتظامی الجھنیں جنہوں نے دوسرے اسلامی اداروں کی ترقی روک رکھی ہے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ملک کی مرکزی اسلامی درس گاہ سے جو توقعات ہو سکتی ہیں وہ پوری ہو رہی ہیں اس کے علاوہ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ مولانا محمود الحسن، مولانا شبیر احمد عثمانی کے شستہ تحریر کے باوجود تصنیف و تالیف کے میدان میں دیوبند ابھی ندوہ کے اہل قلم سے پیچھے تھے۔ ۲۰

اہل حدیث

سید احمد بریلویؒ مذہبی، معاشرتی اصلاحات عمل میں لانا چاہتے تھے۔ ان کا خیال انہیں شاہ ولی اللہ کی تعلیمات اور شاہ عبدالعزیز کے فیض صحبت سے ہوا یہ ان کوششوں سے بڑی حد تک بے خبر تھے جو شیخ عبدالوہاب کے پیرو عرب میں کر رہے تھے۔ جن کا بیج ابن تیمیہ نے اپنی تصنیفات میں بویا تھا۔ وہ حج کے لیے مکہ معظّمہ گئے تو وہاں انہیں وہابیوں کے عقائد سے باخبر ہونے کا موقع ملا جو ان کے سفر حج سے چند سال پہلے مقامات مقدسہ پر قابض تھے۔ حضرت سید اور وہابیوں کے مقاصد میں بہت اشتراک تھا اس لیے ان کے کئی ساتھی وہابی عقائد سے متاثر ہوئے مثلاً وہابی عقائد عقیدہ عدم وجوب تقلید شخصی کا ہے اہل سنت مسلمان فقہ کے چار بڑے اماموں امام ابو حنیفہؒ، امام شافعی، امام مالک امام احمد بن حنبل میں کسی کے ایک سے پیروکار تھے۔ اور ان کے طے کردہ مسائل فقہ میں ان میں سے کسی ایک کے مقلد تھے لیکن وہابی اسے غیر ضروری سمجھتے تھے۔ فقہی اماموں کی بجائے حدیث کی پیروی کرتے تھے۔ اس مسئلے پر شاہ اسمٰعیل نے حج کے سفر کے بعد اپنے آپ کو غیر مقلد ظاہر کیا۔ مولانا عبدالحئی ان سے متفق نہ تھے۔ سید صاحب کے عقائد کے متعلق اختلاف رائے ہے لیکن جہاد کے دوران جب مخالفین عام مسلمانوں کو سید صاحب کے عقائد کے بارے میں بہکانے لگے تو انہوں نے پنجتار کے مقام پر مذہبی مسائل کی تشریح کے لیے افغان علماء کو بلایا اور شاہ اسماعیل بڑی قابلیت سے مسئلہ ''عدم وجوب تقلید'' کی حمایت کی اس وقت شاہ صاحب نے جو رائے دی وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ انہوں نے فرمایا یہ وقت ترک تقلید کا نہیں ہمیں اس وقت کفار سے جہاد کرنا ہے تقلید کا جھگڑا اٹھا کر اپنے اندر تفرقہ ڈالنا بہتر نہیں اس جھگڑے سے جس کی بنا پر ایک اختلاف سنت یا مستحب ہے ہمارا اصل کام ہجرت اور جہاد کا جو فرض عین ہے فوت ہو جائے گا۔ ۲۱

شاہ ولی اللہ قطعی طور پر ایک مجتہد کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ ضرورت کے مطابق چار مذاہب میں سے جس کسی کا قول کسی معاملہ میں مناسب سمجھے اختیار کرے اور یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر کسی امام مذہب کے قول کے خلاف کوئی اور صحیح حدیث اسے ملے تو وہ حدیث کی پیروی کرے اور اقوال ائمہ مذہب چھوڑ دے نظری طور پر تو شاہ صاحب یقینا غیر مقلد تھے لیکن اس امر کی بھی کوئی شہادت نہیں ہے کہ جن عملی باتوں میں آج اہل حدیث احناف سے اختلاف کرتے ہیں ان میں انہوں نے اپنے حنفی ہم وطنوں سے علیحدگی اختیار کی ہو آمین بالجہر پر تو یقینا ان کا عمل نہ تھا تراجم علماء حدیث ہند میں شاہ محمد فاخر زائر آلہ آبادی کا واقعہ لکھا ہے جو اس زمانہ کے عامل حدیث عالم تھے۔

حضرت زائر دہلی تشریف لائے جامع مسجد میں ایک نماز جہری میں باآواز بلند آمین کہہ ڈالی دہلی میں یہ پہلا حادثہ تھا عوام برداشت نہ کر سکے جب آپ کو گھیر لیا تو فرمایا اس سے فائدہ نہ ہو گا تمہارے شہر میں جو سب سے بڑا عالم ہو اس سے دریافت کرو لوگ آپ کو حضرت حجۃ اللہ شاہ ولی اللہ کی خدمت میں لے گئے دریافت مسئلہ پر آپ نے فرمایا کہ حدیث سے تو باآواز امین ثابت ہے مجمع یہ سن کر چھٹ گیا اب صرف مولانا محمد فاخر زائر اور حضرت شاہ صاحب بصورت قرآن السعدین باقی تھے۔ شاہ محمد فاخر زائر نے عرض کیا آپ کھلیں گے کب؟ فرمایا اگر کھل گیا ہوتا تو آج آپ کو کیسے بچالیتا۔ ۲۲

شاہ اسماعیل شہید اپنے دادا کی بہ نسبت وہابی اہل حدیث سے زیادہ قریب تھے لیکن پھر بھی اصولی باتوں میں مسلک ولی اللہ ہی پر قائم تھے ان میں اور شیخ عبدالوہاب کے پیروں میں بعض بنیادی اختلافات ہیں ان مین ایک ''التوسل فی الدعاء'' کا مسئلہ ہے اس کی نسبت مولانا عبید اللہ سندھی فرماتے مثلاً خدا تعالیٰ سے استدعا کی جائے بہ حرمت فلاں یا بہ حق فلاں کہہ کر تو اس توسل کو محمد ابن عبدالوہاب

نہایت شدت سے ممنوع کرتے ہیں۔ مولانا اسماعیل کے ہاں یہ توسل ناجائز نہیں۔ اسی طرح محمد بن عبدالوھاب تو شرک اصغر اور شرک اکبر میں کوئی امتیاز نہیں کرتے اور دونوں کے مرتکب کو کافر قرار دیتے ہیں لیکن شاہ اسماعیل شہید اس امتیاز کو جائز قرار دیتے ہیں اور شرک اصغر کو گناہ کبیرہ سمجھتے اور اس کے مرتکب کی سزا دہی کے قائل ہونے کے باوجود اسے کافر نہیں سمجھتے۔ ۲۳؎

مولانا سید احمد بریلوی اور شاہ اسمٰعیل شہید کے بعد یہ اختلاف مسلک بہت نمایاں ہو گیا مولانا کے کئی معتقدوں کو نجدی راہنماؤں اور ان کے خیالات سے زیادہ واقفیت ہوئی انہوں نے ان کا اتباع اختیار کر لیا اور غیر مقلد یا اہل حدیث یا وہابی مشہور ہوئے لیکن مدرسہ دیوبند کے بانیوں نے جن کا سلسلہ فیض بھی مولانا سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل تک پہنچتا ہے مسلک ولی الٰہی کی پیروی کی اور اپنے آپ کو حنفیوں سے علیحدہ نہ کیا۔ ۲۴؎

اٹھارویں صدی کے آغاز میں شاہ ولی اللہ متبرک و مقدس اسلامی شہروں سے اپنے علمی اکتساب کا جو ذخیرہ لے کر واپس آئے اس میں نہ صرف حدیث کی قدیم قدامت پسند تعلیم پر زور دیا بلکہ فقہی مکاتیب کے فتوؤں پر حدیث کی فوقیت کا اصول بھی شامل تھا۔ ۲۵؎

بہت سے اہل حدیث بزرگوں نے اپنے آپ کو جہاد بالقلم اور جہاد باللسان کے لیے وقف رکھا۔ جنگ آزادی کے بعد علمائے حدیث نے تین باتوں میں امتیاز حاصل کیا اول حدیث کی اشاعت میں جس کے لیے کئی مدرسے قائم ہوئے اور فضلائے حدیث کے درس کا انتظام ہوا دوسرے عیسائیوں آریہ سماجیوں۔ مرزائیوں اور شیعوں کی مخالفت میں جس کے لیے صدہا کتابیں اور رسالے تصنیف کیے گئے سینکڑوں جگہ مناظرے کیے تیسرے شرک و بدعت کی مخالفت میں۔ ۲۶؎

اس نظام تعلیم میں جغرافیہ جدید علم الکلام اور دوسرے موضوعات جن کا تعلق قوموں کے عروج و زوال اور فلسفہ تمدن واجتماع فکر اجتہاد سے تھا نظر انداز ہو رہے تھے پھر اس دور میں علماء میں فراخدلی فکری حوصلہ کی بجائے فروعی اختلافات اور علمی طبقہ واریت کی اس قدر تقسیم ہو چکی تھی کہ علماء کا شغل چھوٹے چھوٹے مسائل جن کا انسان کی عملی زندگی کے ساتھ کچھ بھی تعلق نہیں تھا۔ ہندوستان کے اکثر علماء پر کفر کے فتوے عائد کیے گئے معمولی فروعی مسائل لڑائی جھگڑوں اور مقدمات کا سبب بن گئے۔ دوسری جانب مغربی تعلیم مسلمانوں میں مقبول ہو رہی تھی جس کے سبب نوجوان طبقہ میں نت نئے ذہنی مسائل پیدا ہو رہے تھے سر سید احمد نے جس مقصد کے لیے کالج قائم کیا تھا وہ ابھی پورا ہوتا نظر نہیں آرہا تھا علماء کی باہمی کشمکش فقہی اختلافات کی شدت حقیقی مسائل سے پہلو تہی اور وقتی یا مصنوعی مسائل پر زور آزمائی مناظروں کی گرم بازاری اور تکفیر کا رواج نئے فتنوں کی طرف سے غفلت اور غیر ضروری چیزوں پر اصرار جیسے حوصلہ شکن حالات درپیش تھے جدید علم الکلام بالعموم ایسی شخصیتوں نے ترتیب دیا تھا جو عربی فارسی کے جاننے والے تو تھے مگر عام علماء کی جماعت سے انہیں کوئی تعلق نہ تھا اور بالعموم علماء نے ان کی مخالفت کی مگر آہستہ آہستہ علماء میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہو گئے تھے جنہیں اس ضرورت کا احساس ہوا کہ اسلامی مدارس کا نصاب ضروریات زمانہ کے مطابق بنایا جائے اور قدیم علماء اور علی گڑھ کے بین بین ایک تعلیمی مذہبی طریقہ کار قائم ہو۔ ان تمام مسائل کو مدِ نظر رکھتے ہوئے محمد علی مونگیری 1892 ہیں مدرسہ فیض کانپور کے جلسہ میں یہ طے کیا کہ علماء کی ایک مستقل انجمن قائم کی جائے تاکہ جو خرابیاں مسلمانوں میں خصوصاً ان کی تعلیم میں واقع ہو گئی ہیں ان پر غور کیا جائے اور علماء میں اتحاد کی صورت پیدا کی جائے اس مجلس کا نام 1894 میں لکھنؤ میں ''ندوہ العلماء'' تجویز کیا گیا اور مولانا محمد علی مونگیری کو اس کا ناظم اول مقرر کیا گیا۔ ۲۷؎

اس کے مقاصد حسب ذیل تھے :

(۱) نصاب تعلیم کی اصلاح، علوم دین کی ترقی، تہذیب اخلاق اور شائستگی اطوار۔

(۲) علماء کے باہمی نزاع کا رفع کرنا اور اختلافی مسائل کے ردو کد کا پورا انسداد

(۳) عام مسلمانوں کی صلاح و فلاح اور اس کی تدابیر مگر سیاسی ملکی معاملات سے الگ

(۴) ایک عظیم الشان اسلامی دارالعلوم کا قیام جس میں علوم و فنون کے علاوہ عملی صنائع کی بھی تعلیم ہو۔

(۵) محکمہ افتاء کا قیام۔ ۲۸

ندوہ جس کا مقصد مسلمانوں کے خیالات اور طریق تعلیم و تدریس کو نئی صورت حال کے مطابق بدلنا تھا ندوہ کے مقاصد علی گڑھ کے مقاصد کا تکملہ تھے۔ اس کی تاسیس میں سر سید محسن الملک کی دلی ہمدردی شامل تھی۔ مولانا شبلی اس کی وضاحت کرتے ہیں۔ " ندوہ جب قائم ہوا تو سر سید مرحوم نے اس کی تائید میں متعدد آرٹیکل لکھے علی گڑھ کے ایک کانفرنس کے اجلاس میں جس میں خود سر سید مرحوم شریک تھے نواب محسن الملک نے ایک خاص قرارداد ندوہ کے مقاصد کی تائید میں پیش کی اور نہایت مفصل تقریر کی سید محمود نے اس قرارداد کی پر زور طریقے سے تائید کی جس میں یہ بیان کیا کہ ہمارے دو کام ہیں دین اور دنیا۔ ہم نے دنیا کی ترقی کا کام اپنے ذمہ لیا ہے ندوہ دین کا کام دے رہا ہے اس لیے ہمیں اس کے مقصد سے پورا اتفاق ہے سر سید مرحوم کے بعد یہ پالیسی برابر قائم رہی ڈھاکہ کانفرنس میں ندوہ کی تائید کا ریزولیشن دوبارہ پیش ہوا اور نواب وقارالملک نے نہایت زور کے ساتھ اس کی تائید کی۔"

شبلی قریباً سولہ سال علی گڑھ میں ملازم رہے یہیں انہوں نے پروفیسر آرنلڈ سے فرانسیسی زبان سیکھی اور مستشرقین کتابوں تک رسائی حاصل کی اور سر سید کی باثر شخصیت نے ان کی قلب ماہیت بقول مولانا مہدی حسن شبلی نے مولویت علی گڑھ پہنچ کر چھوڑی ان کے خیالات کی کایا پلٹ، مذاق تصنیف اور وسیع النظری غرض یہ جو کچھ ہوئے سر سید کے دامن تربیت کا اثر تھا شبلی نے المامون جب شائع کیا تو سر سید نے جس خلوص کے ساتھ اس پر دیباچہ لکھا وہ آج بھی ان کی ادبی شرافت کا پتہ دیتا ہے۔ ۲۹

انجمن حمایت اسلام لاہور نے بھی ندوہ کی تائید میں قرارداد پیش کی اور اس کو منظور کیا ندوۃ العلماء کی روئیدادوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دو سال کے اندر اندر نہ صرف ہندوستان بلکہ مصر شام میں بھی ندوہ کا خاصا تعارف ہو گیا تھا مصر اخبارات میں بھی اس کی تائید میں مضامین شائع ہوئے۔ ۳۰

شبلی کی زندگی کا یہ معمہ حل کرنا بہت مشکل ہے بظاہر کم اسباب ہیں جن کی وجہ سے شبلی کو سر سید سے پرخاش ہونی چاہیئے سر سید سے عموماً لوگ جس بات سے ناراض ہوتے ہیں وہ سر سید کے مذہبی عقائد تھے لیکن شبلی اس بارے میں سر سید سے بہت پیچھے نہ تھے اپنی علم الکلام کی کتابوں میں تو وہ علانیہ ایک معتزلی نظر آتے ہیں۔ سید سلیمان ندوی ان کی نسبت حیات شبلی میں لکھتے ہیں۔

حشر و نشر جنت دوزخ اور واقعات بعد الموت کے متعلق جہاں تک ان کی قدیم کلامی تصنیفات کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے وہ اپنی کلامی مشغولیتوں کے زمانے میں ان چیزوں کو روحانی سمجھتے تھے۔ ۳۱

سر سید سے شبلی کی عداوت اس قدر عجیب اور غیر متوقع ہے کہ شبلی کے ایک عزیز دوست اور مداح نے جو شبلی کا نام غزالی اور شاہ ولی اللہ کے ساتھ لیتے ہوئے ہچکچاتے نہ تھے اس اختلاف کا سبب شبلی کے پیچیدہ کردار میں تلاش کیا ہے۔ مہدی حسن صاحب ایک پر زور مضمون میں اس مسئلے پر لکھتے ہیں یہ دلچسپ سوال ابھی باقی ہے۔ کہ حالی کے ہیرو (سر سید) کے ساتھ شبلی کو قدر چشمک کیوں ہے کیا

یہ جامع حیثیات شخصیت شبلی کے ناموران اسلام کا رنگ پھیکا کرنے والی ہے پس جس طرح ایک خوبصورت عورت دوسری پر کالئہ آتش کو نہیں دیکھ سکتی دارصل جذبہ رشک اس کی تہہ میں ہے۔۔ ۳۲ے

ندوۃ العلماء کی تحریک کا آغاز اصلاح وترقی نصاب کے کام سے شروع کیا گیا 25 دسمبر 1895ء کو مولانا سید عبدالحہ کو مددگار ناظم مقرر کیا گیا۔ جنہوں نے مختلف علاقوں کا دورہ کیا 2دسمبر 1898ء میں ندوہ کا دفتر لکھنئو منتقل ہو گیا۔ اس اسی سال دارالعلوم ندوۃ العلماء کی ابتدائی کلاسوں کا آغاز کر دیا گیا۔۔ ۳۳ے

دارالعلوم کے لیے گورنمنٹ نے وسیع اراضی مہیا کی 28 دسمبر 1908ء کو دارالعلوم کی بنیاد رکھی گئی سر آغا خان نواب آف بہاول پور نے سالانہ عطیات مقرر کئے معقول گرانٹ بھی حاصل ہوئی اور ایک عظیم الشان کتب خانہ جمع ہوا۔ مولانا شبلی نعمانی علی گڑھ سے استعفٰی دے کر ندوہ کے معتمد تھے اور ندوۃ العلماء میں ایک بالکل نئے دور کا آغاز ہوا مگر بدقسمتی سے مولانا شبلی جو ندوہ کے معتمد تھے اور ندوہ کے دوسرے اراکین کے درمیان سخت اختلافات رونما ہوئے اور وقتی مصالحتوں کے باوجود بڑھتے گئے جب 1913ء میں شبلی نے مولوی عبدالکریم مدرس ندوۃ العلماء کو ''جہاد'' پر ایک مضمون لکھنے کی پاداش میں معطل کر دیا تو ان کے مخالفین کو موقع ملا انہوں نے اس پر شدید نکتہ چینی کی اور مسلم گزٹ نے تو شاید یہ تحریک شروع کی کہ ان کو جبراً ندوہ سے علیحدہ کر دیا جائے مولانا اس پر برہم ہوئے جولائی 1913 میں ندوہ کی معتمدی سے مستعفی ہو گئے۔ ۳۴ے

شبلی نے قیام علی گڑھ میں مغربی درس وتدریس اور جدید علوم کے اصولوں اور مستشرقین کی کتابوں سے جو واقفیت حاصل کی تھی اس کا فیض ان کے ذریعے سے ان کے مخصوص تلامذہ اور ندوہ کے عام طلبہ تک پہنچایا۔ اس کے علاوہ سر سید نے مذہب اسلام کے مغربی نکتہ چینیوں کے اعتراضات کا جواب دینے کا جو طریقہ ''خطباتِ احمدیہ'' سے شروع کیا تھا اسے شبلی نے اخذ کیا اور چونکہ قومی حمیت و خوداری اور علم و فضل کی اس میں کوئی کمی نہ تھی۔ اس لیے انہوں نے اس بارے میں خاص امتیاز حاصل کیا۔ علی گڑھ کے اثرات کے علاوہ دوسرا اہم اثر ندوہ پر مصر کا پڑا مصر چونکہ یورپ سے زیادہ قریب ہے اور اک لحاظ سے اسلامی دنیا کا ذہنی مرکز ہے اس لیے وہاں کے رسائل میں موجودہ علمی ترقیوں پر زیادہ بحث ہوتی ہے۔ ۳۵ے

ندوۃ العلماء علی گڑھ کی لادینی اور دیوبند کی شدید قدامت پسند تعلیم گاہوں کی دوانتہاؤں کے بین بین شمار کیا جاتا تھا ''ندوہ'' کا دعوی تھا کہ یہ قدیم اور جدید بالفاظ دیگر دیوبند اور علی گڑھ کا مجموعہ ہو گا۔ لیکن جس طرح ''آدھا تیتر ہوتا ہے اور نہ اچھا بٹیر'' ندوہ میں نہ علی گڑھ کی پوری خوبیاں آئیں اور نہ دیوبند کی فی الواقعہ ندوہ نے علی گڑھ دیوبند کی خوبیاں صحیح طور پر اخذ کرنے کی کوشش ہی نہیں کی جب ندوہ کی بنیادیں ذرا گہری ہوئیں تو اس نے اپنے آپ کو دوسرے اداروں کے مقابلے میں حریفانہ حیثیت سے پیش کیا۔ ندوہ فقط توسیع علم اور ترقی و اصلاح کا مرکز نہ رہا بلکہ اس خلیج کو وسیع کرنے کی کوشش کی ہے۔ ۳۶ے

ہندوستان کی غیر اسلامی برطانوی حکومت میں علماء کو شخصی قانون کے معاملات کے سوا عدالتوں سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا تھا۔ مذہب اور سیاست کے مناصب علیحدہ کر دیئے گئے تھے مسلم ہند کے علماء جو معاملات کی اس مبارز طلب حالت میں اپنے علم اور کردار کے از سر نو تعمیر کے لیے قطعاً تیار نہ تھے مردہ دلی اور مجرد عقیدوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اور ان کی ساری توجہ لے دے کر رسوم و عقائد کی غیر ضروری باریکیوں اور لاحاصل مناقشوں تک محدود ہو گئی تھی۔ حالانکہ وہ ہندوستان کی مسلم قوم کی اخلاقی رہنمائی کر سکتے تھے وہ تو ہم

پرستی کے خلاف ولی اللٰہی اصلاحی تحریک کو جاری رکھ سکتے تھے وہ جمہور میں اسلام کی وسیع النظری پر مبنی خیالات کی تبلیغ کر سکتے تھے۔زندیقیت جو ایک لادینی حکومت کے زیر اثر پھیل رہی تھی وہ جس طرح یورپ میں عیسائیت کی بیخ کنی کر رہی تھی اسی طرح ہندوستان میں اسلام کی جڑیں اکھاڑ پھینکنے میں مصروف تھی صریحاً یہ ذمہ داری مذہب کے علماء کی تھی کہ وہ تشکیک اور الحاد کے سائنسی رجحانات کے مدمقابل آئیں اور ان کی تنقیص کریں اس مقصد کے پیش نظر علمائے ہند کو متحد اور منظّم ہو جانا چاہیے تھا۔ بلاشبہ انہیں انفرادی یا فرقہ ورانہ رائے رکھنے کا یقینا پورا حق ہے لیکن ان اختلافات کو خاص نقطہ ہائے تفصیل کے حدود سے باہر نہیں جانا چاہیئے اسلام کی ابتدائی صدیوں میں فقہاء میں اختلافات تھے لیکن وہ محارب گروہوں میں منقسم نہیں ہوئے تھے۔ سرکاری سکولوں میں عربی اور فارسی تعلیم کی از سر نو تنظیم کی جا سکتی تھی اور حکومت پر زور ڈالا جا سکتا تھا کہ وہ اپنی قانونی حکمت عملی کو اگر یکسر تبدیل نہ بھی کرے تو کم سے کم اس پر نظر ثانی ضرور کرے علماء کو چاہیئے کہ وہ نظام او قاف کی نگرانی کریں اسے اہلیت کے ساتھ چلائیں وہ شرع پر عمل کرانے کے لیے تبلیغ کے اپنے پسندیدہ عمل کو ضرور جاری رکھیں۔ لیکن اس کا انداز دل میں اتر جانے والی عاقلانہ ترغیب کا ہونا چاہیئے نہ کہ سخت تعصب کا۔ ۳۷

ندوہ العلماء کے قیام پر علی گڑھ کا ردعمل ہمدردانہ تھا شبلی دونوں کے مابین رابطہ تھے محسن الملک نے علی گڑھ کے سرکاری نقطہ نگاہ کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا کہ جدیدیت پسند خود موجودہ سائنس کے مطالعہ کے خطرات سے آگاہ تھے جو بغیر متوازن اور معقول دینی تربیت کے مسلمانوں کی نئی نسل کو قنوطیت اور الحاد یا بدعقیدگی کی جانب مائل کر سکتی ہے۔ ۳۸

علی گڑھ کے قائدین ندوہ العلماء کے بانیوں سے اس بات پر متفق تھے کہ تعلیم میں جو انفرادی کوشش کی جائے اجتماعی مسائل زیادہ کارآمد ثابت ہوں گی اور اس کی ضرورت ہے کہ تمام اسلامی فرقوں کے مختلف آراء رکھنے والے علماء کے اجتماعات منعقد کرائے جائیں تاکہ وہ ان نئے مسائل پر جو ان کی قوم کو درپیش ہیں آزادی کے ساتھ اپنی آراء کا اظہار کریں وہ اس نظریہ سے متفق تھے کہ اسلام کا اپنا کوئی مادی فلسفہ ریاضیات یا علم ہیئت نہیں ہے جسے اٹل قرار دیا جا سکے اسلام ایک روحانی واخلاقی تربیت ہے جو بآسانی موجود طبیعائی اور معاشرتی علوم کو اپنا سکتی ہے اور اس کے پہلو بہ پہلو قائم رہ سکتی ہے۔ ۳۹

ندوہ علی گڑھ کی ہمہ وقت تجاویز سے متفق نہیں ہوتا تھا بلکہ ایک خط جو سرسید نے اس کے افتتاح کے موقع پر مبارک باد کا لکھا تھا وہ دبا دیا گیا۔ شبلی جو علی گڑھ کے درمیان ربط کی کڑی تھے اور جنہوں نے 1904 میں ندوہ کے مہتمم کا عہدہ سنبھالا تحریک رابطہ اسلامی کے اثرات کے تحت 1908 میں علی گڑھ کے خلاف ہو گئے۔ ندوہ نے جو دینی حریت پسندی کے بین بین راہ اختیار کرنے کا ایک نیا تجربہ تھا سید سلیمان ندوی جیسے قابل قدر عالم پیدا کئے لیکن علی گڑھ کی جدیدیت سے کنارہ کشی اور قدیم راسخ العقیدگی کی طرف رخ موڑنے سے ندوہ کے علماء اور علمائے دیوبند کے کام میں کوئی امتیاز نہیں رہا اس کے فروغ کے دوران دارالمصنّفین اعظم گڑھ کا تحقیقاتی مرکز ایک امتیازی اہمیت کا اشاعتی ادارہ بن گیا جس نے ہندوستان میں راسخ العقیدگی کو کم سے کم موجودہ مغربی فکر اور دوسرے منہاجیات کے کناروں اور سرحدوں سے پیوستہ رکھا۔

1920 میں ندوہ کے علماء نے سرسید کی تاویلی عقیدت پسندی اور علی گڑھ کے جدید پسندوں کے خلاف براہ راست تردیدی انداز اختیار کیا عبدالسلام ندوی نے یہ طرز عمل اپنایا کہ قرآن کی آیات کو موجودہ مغربی علم کے نظریات کے مطابق کھینچ تان کے ایسے معانی

ومطالب اخذ کرنا جو مغربی نظریات سے مطابقت رکھتے ہوں قطعاً غلط ہے اور اسلام کو اس مفہوم میں ''دین فطرت'' کہنا بے جا ہے اور یہ مسائل کو ابتر اور غلط ملط کرنے کے مترادف ہے۔ ۴۰ے

اہل قرآن

اہل حدیث کے جوش وخروش کا دوسرا طبقہ اہل قرآن کا آغاز ہے اہل حدیث اپنے آپ کو غیر مقلد کہتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مذہبی امور میں آزاد خیال اور عقل ورائے کے پابند ہیں وہ فقہی آئمہ مثلاً امام ابو حنیفہ کی تقلید سے آزاد ہیں لیکن چونکہ وہ حدیث کی شدت سے پیروی کرتے ہیں اور بعض ایسی احادیث ہیں جن سے طریق کار متعین کرنے میں الجھنیں پیدا ہوتی ہیں اس لیے کئی باتوں میں وہ عام مقلدین سے بھی زیادہ پابند نظر آتے ہیں نتیجہ یہ ہے کہ کئی طبیعتوں کو جو زیادہ آزاد خیال تھیں فقط فقہا کی تقلید سے آزادی کافی نہ معلوم ہوئی اور انہوں نے مختلف اسباب کی بنا پر آحادیث نہ بھی زیادہ حاصل کرنا چاہی اس گروہ کا ایک مرکز پنجاب ہے جہاں لوگ انہیں چکڑالوی کہتے ہیں اور یہ اپنے آپ کو اہل قرآن کا لقب دیتے ہیں اس گروہ کا بانی مولوی عبد اللہ چکڑالوی پہلے اہل حدیث تھا یہ جماعت چنداں اہم نہیں لیکن اہل القرآن کے خیالات ضرور روبہ ترقی ہیں اب بہت سے لوگ جو فرقہ اہل قرآن سے تعلق نہیں رکھتے لیکن یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمیں دوسری چیزوں کو چھوڑ کر زیادہ سے زیادہ توجہ قرآن مجید پر کرنی چاہیئے جو ہمیں ہو بہو کسی کی بیشی کے ملا ہے جس طرح سے ایک اہل حدیث ایک اہل قرآن کی منزل کے قریب قریب پہنچ جاتا ہے اس کا اندازہ مشہور عالم اور مصنف مولانا محمد اسلم جیراجپوری کے واقعہ سے ہو سکتا ہے ان کے والد مولانا سلامت اللہ جیراجپوری، سید نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگرد اور اپنے علاقے کے سب سے با اثر اہل حدیث عالم اور واعظ تھے ایک زمانے میں انہیں نواب صدیق حسن خان نے بھوپال بلایا۔ اور رفتہ رفتہ ریاست کے تمام مدارس کے افسر ہو گئے جن دنوں مولانا شبلی نعمانی پر حنفیت کا جنوں غالب تھا اور کہا کرتے تھے کہ ایک مسلمان عیسائی ہو جائے تو ہو جائے لیکن غیر مقلد کیسے ہو سکتا ہے اس وقت سلامت اللہ جیراجپوری سے ان کی بحثیں ہوا کرتی تھیں مولانا اسلم جے راجپوری بھی اوائل عمر سے سلسلہ اہل حدیث میں منسلک تھے لیکن بعد میں جو آپ کے خیالات میں تبدیلی رونما ہوئی اس کا اندازہ آپ کی ایک تحریر سے ہوتا ہے۔

''قرآن ہدایت کے لیے کافی ہے اور حدیثیں دین نہیں ہیں بلکہ تاریخ دین ہیں میں اہل قرآن کے فرقہ میں بھی داخل نہیں کیونکہ میں اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین اور دینی سمجھتا ہوں بخلاف اہل قرآن کے۔ جو عمل متواتر کے قائل ہیں''۔ ۴۱ے

اہل حدیث نے کلام الٰہی اور قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں امتیاز کرنے کی کوشش میں خود کو اذعانی دعویٰ کے ذریعے حد سے زیادہ حدیث کی طرفداری کر کے غیر محفوظ بنا دیا تھا۔ اول الذکر کو وہ وحی جلی اور ثانی الذکر کو وحی خفی سے موسوم کرتے تھے۔ اور یہ کہ ثانی اول کی تکمیل کرتے تھے۔ ۴۲ے

عبد اللہ چکڑالوی نے اس موضوع پر اس رخ سے اظہارِ خیال کیا کہ قرآن خود احسن حدیث ہے اور بغیر چوں چرا اس کا اتباع کرنا چاہیئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک نوع کی وحی نازل ہوئی تھی اور وہ قرآن تھا لہٰذا پیغمبرؐ کی حیثیت میں ان کے مشاہدات اور احکامات کے جداگانہ اور مختلف نوعیت کے ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں تھا۔ ان کے دیگر اقوال وافعال کا تعلق ان کے مقام انسانیت سے تھا قرآن مسلمانوں کے لیے تمام بنیادی احکامات پر محتوی ہے۔ ۴۳ے

اہل حدیث کی تحریک کے بعد میں آنے والے دینیات کے عالموں کے اذعانات پر اس کا بڑا دور رس اثر مرتب ہوا اور ان کی تحریروں میں حدیث پر زور کی بجائے قرآن پر تاکید کی جانب مبذول ہونے کے صاف صاف نشانات نظر آتے ہیں۔ ۴۴؎

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے علی گڑھ کے جدید پسندوں اور اہل قرآن پر اس مسلمہ اصول کی صداقت کے تحت حملے کرنا شروع کر دیئے کہ قرآن کی تاویل یا تفسیر کرنے سے پہلے کلاسیکی عربی کا مکمل علم ہونا بے حد ضروری ہے انہوں نے سرسید پر غلط فہمی اور قرآن کے علم کی غلط توجیہ کا الزام لگایا اور یہ کہ انہوں نے آیات قرآنی کے جو معانی اور مطالب بیان کیے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کے عربوں کے لیئے قطعاً ناقابل فہم تھے جن کے معیار فن کے مطابق عربی زبان اور اس کے محاورے وجود میں آئے تھے۔ ۴۵؎

بریلوی

سرسید نے وہابیوں کے بارے میں جس اصول کی طرف اشارہ کیا ہے اس کی صحت میں کلام نہیں لیکن اہل حدیث نے "فروعات" میں قوم کی دیرینہ روایات کا جس طرح احترام نہیں کیا اور اس معاملے میں قوم کے سب سے بڑے عالم امام الہند شاہ ولی اللہ کے طریق کار کو ترک کر دیا ہے اس سے دو قابل ذکر نتیجے نکلتے ہیں جو دونون ایک دوسرے کی ضد ہیں اور دونوں میں سے ایک بھی ایسا نہیں جسے وہاں اہل الرائے پسند کرتے ہوں پہلا نتیجہ اصلاحی تحریک کے خلاف زبردست رد عمل اور بریلوی جماعت کا آغاز ہے صوبہ جات متحدہ کی جس بستی (رائے بریلی) میں مولانا سید احمد بریلوی پردہ عدم سے ظہور میں آئے تھے اسکی ایک اہم نام بستی بانس بریلی میں 1272ھ میں ایک عالم پیدا ہوئے جو بعد میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کے نام سے مشہور ہوئے انہوں نے کوئی پچاس کے قریب کتابیں مختلف نزاعی اور علمی مباحث پر لکھیں اور نہایت شدت سے قدیم حنفی طریقوں کی حمایت کی وہ تمام رسوم فاتحہ خوانی، چہلم، برسی گیارہویں، عرس، تصور شیخ قیام میلاد استمداد از اہل اللہ مثلاً (یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاًللہ) اور گیارہویں کی نیاز وغیرہ کے قائل ہیں ان کے اختلاف صرف وہابیوں سے نہیں بلکہ وہ دیوبندیوں کو غیر مقلد اور وہابی کہتے ہیں بعض بریلوی تو شاہ اسمٰعیل شہید جیسی شخصیتوں کو بھی کافر سمجھتے یا کم از کم ان کی تصانیف اور ان کے ارشادات پر سخت اعتراضات اور اظہار نفرت کرنے میں تامل نہیں کرتے۔ ۴۶؎

ہندوستان کے مقتدر علماء اور نامور شخصیت پر کفر کے فتوے لگائے گئے مولانا محمد قاسم نانوتوی پر یہ الزام لگایا کہ وہ ختم نبوت کے منکر ہیں مولانا عبدالرشید گنگوہی کی طرف امکان کذب باری تعالیٰ کا فتویٰ منسوب کیا گیا۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ انہوں نے شیطان کو حضور ﷺ سے زیادہ علم قرار دیا ہے مولانا اشرف علی تھانوی کو یہ الزام دیا کہ وہ رسول ﷺ کے علم کو زید بکر بلکہ (نعوذ باللہ) چوپائیوں کے علم کے برابر سمجھتے ہیں۔ ۴۷؎

ہندوستان کے چیدہ اور نامور علماء اس وباء سے محفوظ نہ رہ سکے اپنے خلوص اور تبحر علمی کے باوجود انہوں نے اس قسم کے مسائل پر اپنے وقت کا اور دماغ کا خاصا حصہ صرف کیا جو مولانا ابوالحسنات عبدالحہ فرنگی محلّی 1304 نے نواب سید صدیق حسن خان کی بعض کتابوں پر تنقید کی تو مولوی عبدالنصیر سوائی نے اس کے جواب میں "شفاء العی عما اور الشیخ عبدالحہ" کے نام سے 1294ھ میں 112 صفحات کی ایک کتاب لکھی اور بہت سی سختی اور درشتی کے ساتھ مولانا کی تنقید پر کلام کیا۔ اس کے جواب میں مولانا عبدالحہ نے "ابراز الغی الواقع فی شفاء العی" کے نام سے 64 صفحات کا رسالہ نکالا ان کی تنقید پر تعاقب کیا۔ اور قدرتی طور پر اپنے علمی مرتبہ اور جدت شان کا خیال رکھا۔ لیکن یہ سلسلہ اس پر ختم نہیں ہوا مولانا کے اس رسالہ کے جواب میں مولوی ابو محمد ٹونکی نے آخر الاراء کے نام سے

208 صفحات کی تصنیف کی اور اس میں جو انہوں نے اسلوب اختیار کیا وہ اس قابل بھی نہیں تھا کہ شائع ہو۔ اس زمانہ میں علماء کی قوت جن مسائل پر صرف ہوتی تھی وہ زیادہ تر طبقات ارض میں انبیاء کا وجود اللہ تعالیٰ کا استوی علی العرش، امکان کذب اور امکان نظیر مصافحہ اور معانقہ کا جواز و عدم جواز لعن یزید کا جواز یا تحریم اور معراج جسمانی کے منکر کی تکفیر جیسے موضوعات تھے اور ان موضوعات پر مخالف اور موافق دونوں گروہوں کی طرف سے رسائل اور کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ زور و شور سے جاری تھا۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی کے ہاں بھی جو سب سے اہم مسائل درپیش تھے اس میں امکان کذب یا مولود وغیرہ کے مسائل اولین اہمیت رکھتے تھے۔ ۴۸

مقلدین اور غیر مقلدین کے درمیان اختلاف و نفرت کی جتنی بڑی خلیج حائل ہو گئی تھی اس کا کچھ اشتہارات سے اندازہ ہوتا ہے۔ مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی جب حج کے لیے تشریف لے گئے تو مخالفین "پاشا" کو موصوف سے متنفر کرنے کے لیے اعتزال اور گمراہ ہونے کا الزام لگایا۔ اور یہ مشہور کیا کہ "پاشا" نے مولانا کو تحقیق کے بعد گرفتار کر لیا ہے اور توبہ لکھنے کے بعد آزاد کر دیا ہے حتیٰ کہ مشہور کیا گیا کہ آپ کو شہید کر دیا گیا جب واپس آئے تو متبعین اور مخالفین کو خوب موقع ہاتھ آیا اور دونوں طرف سے "اشتہار بازی" شروع اس میں جو زبان استعمال کی گئی وہ عامیانہ قسم کی ہوتی تھی۔ اس موقع پر ایک اشتہار جو اس توبہ نامہ کے جواب میں غیر مقلدین کی طرف سے شائع ہوا یہ اشتہار اس طرح شروع ہوا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسلام نے قلعہ فتح کر لیا ہو اور کفر و زندقہ کو شکست فاش دے دی ہو۔ ۴۹

"مولانا ابو القاسم ہنسوی" نے اس طوفان مخالفت سے متاثر ہو کر مولانا نذیر حسین صاحب کو خط لکھا

"مسائل فروعی میں اس قدر ردوکد اور سب وشتم نے زور پکڑا ہے جو بے سروپا ہے جنگ وجدل شعار اسلام ہو گیا ہے مسائل اصولی ایمانی کہ جس پر بنائے ایمان و اسلام ہے مفقود ایک زمانہ تھا۔ کہ اہل اسلام کفار و اشرار سے مجادلہ و مقاتلہ کرتے تھے اور آمادہ ہدم بنائے کفار و مشرکین ہوتے تھے۔ اب زمانہ ہے کہ باہم مسلمانوں میں خانہ جنگی ہے مسلمان اپنی ملت و مذہب بنائے اسلام کو گرا رہے ہیں اور باہم ایک دوسرے کو سب و شتم کرتے ہیں۔ جو کہ کچھ روشنی اس کی ہو اندھیرے میں اندھیرا ہو لوگ بزرگوں کو بدنام کرتے ہیں جو کلمہ حق کہتا ہے پکڑا جاتا ہے۔ ۵۰

مولانا عبدالحئ نے اس سفر نامے میں دہلی کی جامع مسجد کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

دوپہر کو کھانا کھانے کے بعد جامع مسجد نماز کے واسطے گیا نماز کے بعد جا بجا وعظ ہونے لگا منبر پر مولوی اکبر صاحب وعظ کہتے ہیں یہ بزرگ حنفیوں کا خوب خاکہ اڑاتے ہیں دل کھول کر تبرا کہتے ہیں اور اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ہدایہ پڑھانے سے توبہ کی اور کلام مجید کی تعلیم شروع کر دی سب جہنم میں جائیں گے اور ہر ہر بات پر اپنی بڑائی بیان کرتے ہیں۔ اور ہر ہر آیت کو اہل دہلی اور اپنے اوپر لاتے ہیں۔ اہل دہلی کو ظالمین اور مشرکین میں لاتے ہیں اپنے تئیں آنحضرت ﷺ (عیاذ باللہ) دوسرے صاحب مسئذنہ کے پاس بھی اسی طور پر حنفیہ کا خاکہ اڑا رہے تھے لیکن کف لسان کے ساتھ تیسرے صاحب دوسرے جانب مسئذنہ کے محدثین و متبعین سب کی خبر لے رہے تھے چوتھے صاحب پر کچھ مناجاتیں اور نعتیہ غزلیں پڑھ کر لوگوں کو اپنی جانب راغب کر رہے تھے۔ الغرض ایک ہڑبونگ تھا اس ہڑ ڈنگے پن کو دیکھ کر نہایت افسوس ہوا خدا کی مرضی میں کسی کو دخل نہیں جب سلطنت اسلام جاتی رہی تو جس کا جو جی چاہے کرے۔ ۵۱

مرزا حیرت دہلوی کے رسالہ ''مقاصد ندوۃ العلماء'' کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں کوٹلہ والی مسجد میں صرف آمین بالجبر پر جھگڑا اتنا بڑھا کہ دو الگ الگ پارٹیاں بن گئیں ایک پارٹی چاہتی تھی کہ آمین زور سے کہی جائے ایک چاہتی تھی کہ چپکے سے اس پر سخت لڑائی ہوئی۔ متعدد آدمی زخمی ہوئے پھر مقدمہ چلا اور اس پر ہزاروں روپیہ برباد ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں پارٹیوں میں ہمیشہ کے لیے نفرت وعداوت پیدا ہو گئی اور پھر آج تک ختم نہ ہوئی۔ مرزا حیرت میرٹھ میں مقلدین وغیر مقلدین کی کشمکش کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

چیف جسٹس نے جسٹس محمود کو (جب انہوں نے چیف جسٹس کے) مقدمہ کے فیصلہ پر نکتہ چینی کرنے کا اختیار دیا۔ مسٹر محمود نے جو کچھ فیصلہ دیا وہ ایسا سمویا ہوا تھا کہ اگر دونوں فریق اس پر رضامند ہو جاتے تو پھر آگے کوئی جھگڑا نہ ہوتا۔ مگر نہیں نئے نئے مقدمے پیدا ہو گئے اور وہ نئی نئی شاخیں نکلیں کہ باہم گرمی مخالفت کی بنیاد قائم ہو گئی جس کا سلسلہ ابھی تک ختم نہیں ہوا۔ ۵۲؎

ہندوازم کی مختلف تحریکیں

ہندومت میں احیاء کی جارحانہ تحریکوں کی ایک وجہ اور بھی تھی سرسید نے مسلم قوم کو ترقی کی راہ پر گامزن کر دیا۔ مسلمان انہی خطوط پر آگے بڑھ رہے تھے جس پر اس سے پہلے ہندوؤں نے قدم بڑھانا شروع کیا تھا۔ ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ مستقل میں مسلمان ان کے حریف اور مد مقابل ثابت ہوں گے چنانچہ ان کا رویہ بتدریج جارحانہ ہوتا گیا۔ مغربی مستشرقین نے ہندومت کی حوصلہ افزائی کی۔ سرکاری خرچ پر ہندوؤں کے قدیم علوم پر تحقیق اور قدیم کتب کی اشاعت کا کام شروع ہوا اس کام کے لیے متعدد ادارے عالم وجود میں آئے جن سے ہندو کلچر کا احیاء ہونے لگا '' سر ولیمز جونز ''کی کوششوں سے ہندوستان میں ہندو قانون کی تدوین ہوئی اس نے ''رائل ایشیائنگ سوسائٹی'' کی بنیاد رکھی جس نے قدیم کتب کے تراجم شائع کیے اس کی وجہ سے ہندو قوم میں بے پناہ خود اعتمادی پیدا ہوئی۔ ۵۳؎

برہمو سماج

جس زمانے میں جب عیسائیت کی یلغار ہو رہی تھی تو ہندوؤں میں بھی اس یلغار نے قریب قریب وہی رد عمل ظاہر کیا جو مسلمانوں میں پیدا ہوا یعنی ایک گروہ عیسائیت کی یلغار سے متاثر ہو کر اپنے عقائد میں عقلی اور سائنسی بنیادوں پر اصلاح کرنے کا عزم لے کر نکلا یہ ہندوؤں کے ہاں پہلی تحریک تھی جس نے عقل و برہان پر تکیہ کیا اور مغرب سے اپنے مذہب اور عقائد کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی یہ تحریک ''برہمو سماج'' تھی۔ ۵۴؎

اس کے بانی رام موہن رائے 1722ء میں رادھا نگر کے مقام پر پیدا ہوئے اس کا والد بنگال کے مسلمان حکمرانوں کی ملازمت میں تھا بارہ سال کی عمر میں اسے عظیم آباد بھیجا گیا جہاں اس نے عربی فارسی تعلیم حاصل کی اس کے مزاج میں اس تعلیم کا ایسا گہرا ذوق پیدا ہوا کہ اسے ''مولوی رام'' موہن رائے کہا جانے لگا۔ ۵۵؎

1815 میں رام مومن رائے نے کلکتہ میں ــ'' آتما سبھا'' کے نام سے ایک سوسائٹی قائم کی جس کے ہفتہ وار اجلاس ہوتے اور ان میں مذہب پر بحثیں ہوتیں اس دوران بت پرستی کے خلاف مہم جاری رکھی اور دعویٰ کہ ہندومت میں اس کا وجود نہیں ایک عیسائی مشن کے تعاون سے اس نے ہندو کالج قائم کیا۔ ستی اور تعدد ازدواج کے خلاف لکھا۔ ۵٦؎

1830ء میں مغل بادشاہ اکبر شاہ ثانی نے راجا رام موھن رائے کو اپنی طرف سے ایک مشن پر انگلستان بھیجا اس موقع پر بادشاہ کی طرف سے اسے راجا کا خطاب ملا۔ ۵۷

ان کے بعد " دیبسند ناتھ ٹیگور" برہمو کا سربراہ بنا 1857 میں گیشب چندر سین نے برہمو سماج میں شمولیت اختیار کی 1864 میں اس کا اچاریہ (قائد) مقرر ہوا جبکہ ناتھ ٹیگور پردھان احاریہ (بڑا قائد) کہلاتا تھا 1864 میں چندر سین نے ایک انگریزی رسالہ (انڈین مرر) نکالا ایک ہی سال بعد اس نے اختلاف کر کے ایک الگ جماعت "بھارت ورشیا برہمو" بنائی اس نے ہندو۔ مسلم۔ عیسائی کتب میں سے ایک دعاؤں کی کتاب مرتب کی عبادت کے لیے اتوار کا دن مقرر کیا گیا۔ بچپن میں شادی اور تعدد ازواج کی سخت مخالفت کی بیوہ کی دوبارہ شادی کا قانون پاس کروایا مگر اس نے اپنی نابالغ بچی کی "کوچ بہار" کے نابالغ مہاراجہ سے کر دی۔

اس تحریک کی وجہ سے ہندومت اور عیسائیت کا فاصلہ کم ہو گیا بہت سے ہندوؤں نے عیسائیت قبول کر لی۔ اور ہندو قوم بالعموم انگریزی حکومت کی ہم نوا بن گئی۔ ۵۸

آریہ سماج

جب انگریزی حکومت کا دائرہ پورے برصغیر میں پھیل گیا اور جنوبی اور مغربی ہند کے علاقوں میں انگریزی تعلیم پھیلنے لگی صنعتی دور کی بھی ابتدا ہونے لگی اور تعلیم یافتہ حضرات سرکاری ملازمتوں مین ہندوستانیوں یعنی ہندوؤں کا حصہ طلب کرنے لگے اور ساتھ ہی ہندوستان کی سب سے اعلی ملازمت انڈین سول سروس میں ہندوستانیوں کی شمولیت اور اس کے امتحانات لندن کی بجائے ہندوستان میں لیے جانے کے مطالبات ہونے لگے تو اس زمانہ میں ہندوؤں میں ایک نئی مذہبی تحریک "آریہ سماج" نے جنم لیا۔ اس تحریک کے بانی سوامی دیانند سرسوتی گجرات کاٹھیاوارڈ کے رہنے والے تھے ان کو "اردو" پنجابی" آتی تھی جبکہ سنسکرت جانتے تھے اور ہندی سے ناواقف تھے اور مادری زبان سے اگاہی تھی مگر ان تمام کوتاہیوں کے باوجود ان کی تحریک سے مہاراشٹر یا گجرات کاٹھیاوارڈ سے زیادہ پنجاب کے ہندوؤں میں مقبولیت حاصل کی یہ بذات خود ایک بہت ہی اہم موضوع ہے اس تحریک کو زیادہ اہمیت حاصل ہوئی آریہ سماج کا دعویٰ تھا کہ اس کے نظریات تمام تر قدیم ترقدیم ہندوادب پر مبنی ہیں مگر اس میں اسلامی اثرات کی جھلک واضح طور پر دکھائی دیتی ہے توحید، بت پرستی کی مخالفت۔ بیوہ کی دوبارہ شادی، ذات پات کی مخالفت وغیرہ اسلام کی پھیلائی روشنی ہی کے پرتو تھے اس کے باوجود سماج اسلام دشمنی میں سب سے بڑھا ہوا تھا۔ اور یہ دو بڑی قوموں کی باہمی منافرت کا سب سے اہم سبب بنا۔

دیانند نے 1866 میں اپنی تعلیمات کا آغاز کیا 1874 میں اپنی کتاب "ستھیار تھ پرکاش" مکمل کی۔ 1875ء میں بمبئی کے مقام پر آریہ سماج قیام عمل میں آیا۔ 1877 میں پنجاب کے طول و عرض میں دورے کیئے اور ہندوؤں کو قدیم اریائی اصولوں پر کاربند ہونے کی تلقین کی اسلام اور عیسائیت کے خلاف زہر اگلا اور گاؤ گتی کے خلاف محاذ قائم کیا۔

سیاسی نقطہ نگاہ سے ان کا اہم ترین نظریہ یہ تھا کہ ہندوستان ہندوؤں کے لیے ہے کسی اور کو یہاں رہنے کا حق نہیں اس کا تجویز کردہ طریقہ یہ تھا کہ پہلے ہندومت کو غیر ویدی اثرات سے پاک کیا جائے پھر مسلمانوں اور عیسائیوں کو ملک سے نکال دیا جائے یا ایسے افراد جو ہندومت قبول کرنے پر آمادہ ہوں انہیں شدھی کے ذریعے ہندو بنایا جائے اور صرف اس صورت میں انہیں ہندوستان میں رہنے کا حق حاصل ہو گا۔ ہندوؤ قوم میں اس سے پہلے انفرادی طور پر تبدیلی مذہب کے ذریعے ہندو قبول کرنے کا کوئی تصور موجود نہیں تھا دیانند

نے پہلی بار یہ نظریہ دیا اور اس سلسلے میں اس نے ایک انوکھا طریق کار وضع کیا وہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو پاک کرنے کے لیے مقدس گائے سے خارج ہونے والے پانچ اجزاء یعنی دودھ، مکھن، دھی پیشاب، گوبر کا مرکب کھلایا جائے اسے اس نے ''پنچ رگن'' کا نام دیا۔ ۵۹

اس کے خیال میں دنیا کے تمام مذاہب کے مآخذ بھی ''وید'' ہی ہیں۔ صرف مقامی ضرورت کی وجہ سے کچھ اختلاف پیدا ہوا وہ ہندو معاشرہ کی بت پرستی، ذات پات، قربانیوں اور بچپن کی شادی کے خلاف تھا۔ اس نے بیوہ کی دوبارہ شادی کے حق میں آواز اٹھائی۔ گائے کی رکھشا (حفاظت) بھی اس کی تعلیمات کا اہم نکتہ تھا اس خیال میں ''قانون کرم'' اٹل ہے یعنی ''جیسی کرنی ویسی بھرنی'' ہر فرد کو اپنے اعمال کے مطابق جزاء و سزاء ملے گی اور اس سلسلہ میں معافی کی گنجائش نہیں۔ اپنی تعلیمات میں بظاہر اخلاقی وعدوں کے باوجود وہ ''نیوگ'' کا قائل تھا جس کے تحت شادی شدہ عورت اولاد کے لیے غیر مرد کے پاس جا سکتی ہے اور اس طرح مرد غیر عورت کے پاس۔ ۶۰

آریہ سماج در حقیقت اسلام اور عیسائیت کے اثرات کا ردعمل تھا۔ خصوصاً اسلام کے اثرات کا ایک طرف یہ ایک اندرونی اصلاحی اور مجاہدانہ تحریک تھی اور دوسری طرف بیرونی حملوں کے مقابلے میں ایک ''مدافعانہ تعظیم'' آریہ سماج نے ہندومت میں تبلیغ کو رواج دیا اور اس طرح اس میں اور دوسرے تبلیغ کرنے والے مذاہب میں تصادم پیدا ہو گیا وہ اپنا یہ فرض سمجھتے تھے کہ ہندوؤں کی زندگی کے ہر پہلو کو دوسرے مذاہب کی مداخلت سے محفوظ رکھیں یہ بات قابل غور ہے کہ یہ تحریک زیادہ تر پنجاب اور صوبہ جات کے متوسط طبقے کے ہندوؤں میں پھیلی۔ ۶۱

اس تحریک نے پہلے بار عملی زندگی میں برہمنوں کے تقدس اور علم پر اجارہ داری کے خلاف آواز اٹھائی۔ دراصل ہندوؤں کے نئے ابھرتے ہوئے تاجر طبقہ کو اس قسم کی تحریک کی ضرورت بھی تھی۔ کیونکہ یہ تاجر اور پیشہ ور جن میں وکیل، ڈاکٹر، سرکاری ملازم سبھی شامل تھے اس بات سے بہت ستائے ہوئے تھے کہ ان کے پاس علم بھی ہو دولت بھی ہو لیکن اس کے باوجود معاشرے میں رعب داب، اثرورسوخ اور تقدس برہمنوں کو حاصل ہو چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جب آریہ سماج نے ذات پات کی تمیز کے خلاف آواز اٹھائی تو کھشتری سب سے زیادہ تحریک میں شامل ہوئے۔ ۶۲

اس تحریک کے پانچ حصے بنائے گئے جن میں پہلے حصے کا کام مسلمانوں کے خلاف ہندو اکثریت والے علاقے میں فسادات کی آگ بھڑکانہ۔ دوسرے حصے کا کام ہندو محلوں مین بدمعاشوں اور غنڈوں کی تنظیم قائم کرنا جو مسلمانوں کا مقابلہ کر سکیں تیسرے حصے کا کام فسادات کے دنوں میں مسلمانوں پر حملے کرنا اور ہندو آبادی کی حفاظت کرنا چوتھے حصے کا کام بھولے بھٹکے اور لاوارث مسلمان بچوں اور بچیوں کو اغواء کرکے مختلف شہروں میں رکھ کر انہیں ہندو بنانا اور پانچویں حصے کا کام کہ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے متعلق توہین آمیز لٹریچر شائع کرنا یہ شعبہ آریہ سماج اور ہندو مہاسبا کے زیر اہتمام قائم کیا گیا۔ ۶۳

پہلے چار مکتبوں کا جواب مسلمانوں کو دینا مشکل نہ تھا جبکہ آخری حصہ نہایت تکلیف دہ تھا اس وجہ سے مسلمانوں نے توہین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارتکاب کرنے والے ہندوؤں کو واصل جہنم کیا۔

ہندوؤں کے مسلمانوں کے ساتھ مخاصمت اور عداوت کی وجوہات

صدیوں تک مسلمان اور ہندو اکھٹے رہے مگر انہوں نے کبھی بھی مسلمانوں کے خلاف ایسا اقدام نہ اٹھایا جس کی وجہ سے ان کے درمیان باہم لڑائی جھگڑا پیدا ہو مگر بیسویں صدی کے آغاز میں جو فسادات پیدا ہوئے تو اس کے دور کی تاریخ پر طائرانہ نظر ڈالی جائے تو اس کی سب سے بڑی وجہ مرزا غلام احمد قادیانی کی زبان اور لغو گفتگو تھی جس کا اندازہ ان کی تالیفات کو دیکھ کر لگایا جا سکتا ہے یقیناً مرزا صاحب نے ہر انسان کو اپنی بیہودہ گوئی سے ضرور نوازا انہوں نے تقریباً آریہ دھرم کے خلاف اپنی مخصوص زبان میں آٹھ کتب تصنیف کیں۔ (۱) ابرانی تحریریں ''رد آریہ'' 1879۔ (۲) آریہ دھرم 1885۔ (۳) سرمہ چشم آریہ 1886۔ (۴) شحنۂ حق 1887 (۵) نسیم دعوت 1903 (۶) سناتن دھرم 1903 (۷) قادیان کے آریہ دھرم 1907 (۸) چشم معرفت 1908۔

سوامی دیانند نے استھیار تھ پرکاش کا پہلا ایڈیشن جب 1875 میں شائع ہوا تو یہ کل بارہ ابواب پر مشتمل تھا اور اس میں اسلام اور پیغمبر اسلام پر براہ راست کوئی تنقید نہ کی گئی تھی مگر مرزا صاحب کی ''براہین احمدیہ'' کی اشاعت کے بعد جب سوامی دیانند کی کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا تو اس کے ردِ عمل کے نتیجہ میں سوامی دیانند کی کتاب میں دو ابواب کا اضافہ ہو چکا تھا جن میں اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق توہین آمیز خیالات کا اظہار کیا گیا تھا۔ اور ایسی بدزبانی کی گئی کہ جس کی مثال دنیا کے مذہبی ادب میں مشکل سے ملے گی۔ اس کے نتیجے میں ہندو مسلم فسادات شروع ہو گئے اور باہمی مناظروں کا آغاز ہوا۔ ایک دوسرے پر طنز و مزاح ہوتا اور کیچڑ اچھالا جاتا اس لحاظ سے برصغیر کی سیاسی مذہبی تاریخ میں آریہ سماج سے پیدا ہونے والے اثرات بہت گہرے ہیں۔ ۶۴ ڈاکٹر آتما رام پنڈولگ (1823 تا 1893) نے پراتھنا سماج ہندو تحریک کی بنیاد ڈالی اس کا مقصد ایک اللہ کی اجتماعی عبادت، سماجی اصلاحات، سماجی خدمت فروغ تعلیم تھا۔

اس سماج کا عقیدہ یہ تھا کہ خدا تعالیٰ کل کائنات کا خالق ہے مخلوق کے لیے ضروری ہے کہ اپنے خالق سے محبت کرے اس ذریعہ سے وہ اپنے بندوں کی غلطیاں معاف فرماتا ہے وہ کسی اوتار کے روپ میں ظاہر نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی اس نے کوئی ایسی کتاب اتاری ہے جو کلی طور پر غلطی سے پاک ہو یہ نظریہ ہندومت سے متصادم تھا اس نے انسانی مساوات پر زور دیا اس کے نزدیک تمام انسان باہم بھائی بھائی کا درجہ رکھتے ہیں اجتماعی عبادت کا دن اتوار کار کھا۔ بحیثیت مجموعی اس سماج پر عیسائیت کے اثرات غالب تھے۔ ۶۵

رادھا سوامی ست سنگ یہ تحریک ہندوؤں کے فرقہ وشنومت کی احیاء کے لیے اٹھی تلسی رام نے اس جماعت کی بنیاد ڈالی اس کے بعد سلی گرام بہادر نے پھر برہم شنکر مہراث یکے بعد دیگرے اس مسند پر جا گزیں ہوئے برہم شنکر گورو وشنومت کے اوتار سری کرشن جی اور گورو کی بیوی شری کرشن جی کی بیوی رادھا کا روپ دھار کر بیٹھ جاتے اور ان کے چیلے حاضر ہو کر ان دونوں کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے اس سے اس جماعت نے رادھا سوامی ست سنگ کا نام پایا پہلے گورو نے کتاب ''سرچون'' اور دوسرے نمبر نے ''پریم بانی'' اور ''پریم پتر'' لکھیں۔ ۶۶

اس کے ماننے والوں میں سے ہر شخص کے پاس گورو کا فوٹو ہر وقت رہتا ہے پوجا پاٹ میں استعمال ہوتا ہے کیونکہ گورو ان کے خیال کے مطابق خدا کا نمائندہ ہے انسانی روح کا اتصال خدا کے ساتھ ہوتا ہے ان لوگوں کی عبادت میں نہ کوئی مندر اور نہ کوئی بت کی ضرورت ہے صرف گورو ضروری ہے ان کے خیال کے مطابق اللہ کا فضل صرف اور صرف گورو کی وساطت سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ۶۷

تھیوسافیکل سوسائٹی کی بانی روس نژاد مادام بلرد ٹھکی تھی یہ غیر معمولی سی لڑکی تھی جو جسے روحانی مشاہدات سے واسطہ پڑا تھا۔ 1830 میں پیدا ہوئی اس نے اپنے خاوند کو چھوڑ دیا اس نے 1848 ۔ 1872 تک رہبانیت اختیار کی 1875 میں نیویارک کے مقام پر تھیوسافیکل سوسائٹی قائم کی اس کا مقصد قدیم مذاہب کے اسرار کا انکشاف اور روحانی تجربات کے ذریعے ان مذاہب کے روحانی پہلوؤں اور جادو کے میدان میں فرق معلوم کرنا قرار دیا۔

اس کا عقیدہ یہ تھا کہ موت کے بعد زیادہ شاندار زندگی شروع ہو گی جنت اور دوزخ کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ موت کے بعد انسان دوبارہ زندہ ہو کر پہلے سے زیادہ اچھی زندگی کا آغاز کرتا ہے۔ خدا کی پوجا یا دعا کا تصور بھی اس کے ہاں نہیں کیونکہ اسے جانا نہیں جا سکتا۔ اس نے ہر میدان میں ہندومت کا دفاع کیا اور اس کے تمام توہمات اور عیوب کی توجیہ کرکے اس کی حمایت جاری رکھی۔ ۶۸

حوالہ جات

ا موج کوثر۔ شیخ محمد اکرم۔ ص 3 ادارہ ثقافت اسلامیہ ۲ کلب روڈ لاہور

۲ تاریخ دیوبند محبوب رضوی ص104 سن 1952

۳ علماء ہند۔ محمد میاں ص113

۴ شاہ ولی اللہ۔ مولانا عبید ص124

۵ موج کوثر ص193

۶ موج کوثر ص194-195

۷ موج کوثر ص195

۸ موج کوثر ص196

۹ موج کوثر ص 200

۱۰ موج کوثر ص 201

۱۱ مکاتب رشیدی ص 27۔ دہلی سوانح قاسمی مناظر حسین گیلانی ص293، 1953

۱۲ موج کوثر ص208-209

۱۳ موج کوثر ص198-199

۱۴ موج کوثر ص 207

۱۵ نقش حیات۔ مولانا حسین مدنی 257

۱۶ موج کوثر ص 201

۱۷ موج کوثر ص 203

۱۸ موج کوثر ص203

۱۹ موج کوثر ص203

۲۰ موج کوثر ص 211

۲۱ موج کوثر ص 61-62

۲۲ موج کوثر ص62-63

۲۳ موج کوثر ص 64

۲۴ موج کوثر ص 65

۲۵ بر صغیر میں اسلامی جدیدیت پروفیسر عزیز احمد ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی ص 165

۲۶ موج کوثر ص ص 65

۲۷ سیرت مولانا محمد علی مونگیری سید محمد الحسنی ص 117 شکیل پرنٹنگ پریس آرام باغ کراچی 1964ء

۲۸ موج کوثر ص 187

۲۹ ایضاً ص 221

۳۰ سیرت مولانا محمد علی مونگیری ص 142-143

۳۱ موج کوثر ص 223-222

۳۲ ایضاً ص 224

۳۳ سیرت مولانا محمد علی مونگیری ص199

۳۴ موج کوثر ص 191

۳۵ ایضاً ص 191

۳۶ ایضاً ص192-191

۳۷ بر صغیر میں اسلامی جدیدیت ص165

۳۸ ایضاً ص165

۳۹ بر صغیر میں اسلامی جدیدیت ص 166

۴۰ دین فطرت یا دین حنیف۔ معارف اعظم گڑھ جلد 5 ص نمبر56-51 1920

۴۱ موج کوثر ص 72

۴۲ اشاعت القرآن عبداللہ جکڑالوی ص 38 1902 لاہور۔

۴۳ اشاعت القرآن ص 35-49 1902 لاہور

۴۴ بر صغیر میں اسلامی جدیدیت ص176

۴۵ ایضاً ص176

۴۶ موج کوثر ص 70

۴۷ نقش حیات مولانا سید حسین مدنی ص135-126

۴۸ سبحان السبوح۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی ص 90

۴۹ سیرت مولانا محمد علی مونگیری۔ ص 93

۵۰ ایضاً ص 95

۵۱ دہلی اور اس کے اطراف مولانا سید عبدالحہ ص 69-68

۵۲ مقاصد ندوہ العلماء مرزا حیرت دہلوی ص 15 بحوالہ سیرت مولانا محمد علی مونگیری ص 103

۵۳ تحریک پاکستان صاحبزادہ عبدالرسول ص 151 ایم۔آر برادرز اردو بازار لاہور 1972

۵۴ پنجاب کی سیاسی تحریکیں عبداللہ ملک ص 250 مطبع علی پرنٹنگ پریس لاہور 1971

۵۵ تحریک پاکستان ص 152

٥٦ ایضاً ص 152
٥٧ ایضاً ص 152
٥٨ ایضاً ص 153
٥٩ یضاً ص 155
٦٠ ایضاً ص 156
٦١ تلاش ہند جلد دوم۔ پنڈت جواہر لال نہرو ص 10
٦٢ پنجاب کی سیاسی تحریکیں عبداللہ ملک ص 252
٦٣ کچھ شکستہ دستانیں اور کچھ پریشان تذکرے اشرف عطاء ص 225
٦٤ مجدد اعظم ڈاکٹر بشارت احمد (قادیانی) ص 85-84
٦٥ تحریک پاکستان ص 154
٦٦ تحریک پاکستان ص 157
٦٧ ایضاً ص 157
٦٨ تحریک پاکستان ص 158

فصل دوم: قادیانیت کا آغاز اور اس کے اسباب و وجوہات

مبحث اول: قادیانیت کے اسباب و وجوہات کا ارتقائی جائزہ

انگریز ہندوستان میں تاجر کے روپ میں آئے اور پھر ہندوستان کے مالک بن گئے انگریزوں نے اپنی فطری ہوشیاری اور روایتی چالاکی کے بل بوتے پر ہندوستان میں پھیلے ہوئے سیاسی انتشار اور بحران سے بھرپور فائدہ اٹھایا بہادر شاہ ظفر ہندوستان کے آخری تاجدار تھے جن کو انگریزوں نے گرفتار کر کے رنگون کی قید تنہائی میں ڈال دیا بہادر شاہ ظفر ہندوستان میں مسلمانوں کی عظمت وجاہت کے باب کا تمت بالخیر تھے ایک روز کھانے والے طشت میں ان کے بیٹوں کے سر رکھ کر کپڑے سے ڈھانپ دیئے گئے۔ یہ طشت بہادر شاہ ظفر کے سامنے لا کر رکھ دیا گیا بہادر شاہ ظفر نے کپڑا سرکایا تو اس میں ان کے شہزادوں کے سر پڑے تھے بہادر شاہ ظفر صرف نام کا ہی بہادر نہ تھا۔ بے بسی جلاوطنی کے عالم میں انہوں کمال وصبر واستقامت کا ثبوت دیا اور اس موقع پر ایک تاریخی فقرہ کہا۔

"مجھے فخر ہے کہ تم نے اپنے جلیل القدر آباؤ اجداد کے سامنے مجھے رسوا نہیں کیا تیموری شہزادے اپنے بزرگ کے سامنے اس طرح سرخرو ہو کر پیش ہوا کرتے ہیں"

بالآخر 1857ء میں سلطنت مغلیہ کا ٹمٹاتا ہوا چراغ گل ہو گیا اور برطانوی سامراج کے ظلم و ستم، جبر واستبداد کا سورج طلوع ہو گیا۔

اس سے قبل انگریزوں کے خلاف ٹیپو سلطان نے عدیم المثال شجاعت کا مظاہرہ کیا جس نے غلامی کا طوق پہننے کی بجائے موت کو ترجیح دی۔ ٹیپو کا شہرہ آفاق جملہ تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا گیا ہے کہ "گیدڑ کی سو سالہ زندگی شیر کی ایک دن کی زندگی سے بہتر ہے" حقیقت یہ ہے کہ سرنگا پٹم کی فتح اور ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد انگریزوں کے اقتدار کے لیے راہیں عملاً ہموار ہو گئی تھیں۔ مسلمانوں کو شکست وذلت اور رسوائی ہمیشہ اپنوں کی غداری کی بنا پر اٹھانا پڑیں۔ سرنگا پٹم کی فتح اور ٹیپو سلطان کی شہادت کے میدان کارزار سے بہادر اور عظیم ٹیپو کی لاش برامد ہوئی تو انگریز کمانڈر فرط مسرت سے بے ساختہ چلا اٹھا کہ آج سے ہندوستان ہمارا ہے برصغیر پاک و ہند میں برطانوی سامراج سے ٹکرانے والی اور رزمگاہ شہادت پر ابھرنے والی شخصیت سید احمد شہید بریلوی اور مولانا اسماعیل شہید اور ان کے جانثار رفقاء کی جماعت تھی جنہوں نے مسلمانوں کے اندر جذبہ جہاد کی روح کو بیدار کیا۔ انہوں نے اس کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے بالا کوٹ کے سنگریزوں کو اپنے لہو سے گلنار کیا۔

شورش کشمیری ہندوستانی مسلمانوں کے دور زوال اور عہد انحطاط کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

علامہ اقبال کے نزدیک سلطان کی شہادت ہندوستان میں مسلمانوں کی عظمت کا حرف آخر اور ان کے زوال کا وسط تھا "ہسٹنگز" کلایو کا جانشین تھا۔ اس کے ہاتھوں روہیلوں کی خوفناک تباہی ہوئی اور پانچ لاکھ انسان بے گھر ہوئے 1799ء میں نانا فرنویس حیدر علی نظام دکن اور مرہٹہ ریاستوں میں اتحاد ہو گیا۔ حیدر علی نے مدراس پر چڑھائی کی اور انگریزوں کو شکست دی۔ نانا فرنویس نے بمبئی پر حملہ کیا جنرل گوڈارڈ کو بھگا دیا۔ اس سے گھبرا کر وارث ہسٹنگز نے اس اتحاد کو رشوت وترغیب کی چالوں سے پارہ پارہ کیا۔ آخر 1804ء میں انگریز تاجر ہندوستان کی سب سے بڑی حکمران طاقت بن گئے میسور ختم ہو گیا مرہٹہ معدوم ہو گئے حیدر آباد مفلوج ہو گیا اور اودھ کا نصف علاقہ ان کے قبضے میں آگیا۔ 1825 میں ولیم بیٹسنگ نے تاج محل کو گرا کر سنگ مرمر فروخت کرنا چاہا۔ لیکن قطعہ آگرہ کی نیلامی تسلی بخش نہ ہوئی تو باز آگیا میران سندھ کو مغلوب کیا 1842ء جنرل پالک کابل کے پر رونق بازار کو آگ لگا کر واپس آگیا سرحد میں حضرت سید احمد کی عملداری شروع ہو گئی وہاں معرکہ بالا کوٹ کی فتح یابی کے بعد سکھ حکمران تھے اور یہ سب ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے قصر

رفیع الشان کے تدریجی انہدام اور انحطاط کا نقشہ تھا بالآخر 1857ء میں سلطنت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گل ہو گیا اور انگریز بر عظیم کے فرماں روا بن گئے۔ بلاشبہ انگریز مستقبل کی ایک رنگارنگ طاقت تھے انہوں نے مسلمانوں کو جسمانی طور پر مغلوب کیا پھر مختلف معرکوں اور تیاریوں کے بعد ان کی حکومت کا ہر نشان مٹا ڈالا مگر ہر نوعی استبداد کے باوجود مسلمانوں کو من حیث القوم دماغی طور پر مغلوب یا مفتوح نہ کر سکے۔

ادھر زمانہ اس حال میں تھا کہ اشجع شخصیتں رزمگاہ شہادت میں قربان ہو رہی تھیں ادھر اس زمانہ ہی میں نادرہ روزگار وجود دین کے افق پر طلوع ہو رہے تھے شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان اس عہد انحطاط ہی کا اجالا تھا سید شہید اور شاہ اسماعیل اس دور ہی میں ولولہ جہاد پیدا کرتے ہوئے بنگال سے سرحد تک گئے تھے المختصر مسلمانوں کا دینی اور تہذیبی سرمایہ اس دور ہی میں اپنی رفعت کو پہنچ رہا تھا لیکن مسلمانوں میں جسمانی عجز وارد ہو چکا تھا ان کا ذہنی علو معراج پر تھا تمام یگانہ و بے گانہ رکاوٹوں کے باوجود بخوبی انداز ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کے لیے جہاد حیاتین (وٹامن) کا درجہ رکھتا ہے اور وہ اس سے سرشار ہیں ان میں علماء نے قرآنی اساس پر ایک ایسی روح پھونک دی ہے کہ جہاد کا نشہ ان کے شریانوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے جس طرح بعض نظریے انسانی فطرت میں دخیل ہو کر ان کی فطرت بن جاتے ہیں اور انہیں موت کی آخری ہچکی تک علیحدہ نہیں کیا جاسکتا اس طرح جہاد کو مسلمانوں کے جسد سے خارج کرنا ممکن نہیں انگریزوں کی دور اندیشی کے نزدیک مسلمانوں کی فطرت کا یہ حصہ خطرناک تھا وہ کئی واسطوں سے محسوس کرتے تھے کہ اپنے بہیمانہ تشدد سے انہوں نے مسلمانوں کو ضرور دبالیا ہے اور لاچار ہو کر سپر انداز ہو گئے لیکن ان میں دو چار فیصد غدار پیدا کئے جا سکتے ہیں کچھ فی صد لاچار بھی نکل آئیں گے۔ لیکن قلبی وفادار پیدا کرنا ناممکن ہے ان کے دل بہر حال باغی ہیں اور اس بغاوت کو حکومت کی معرفت فرو کرنا ممکن نہیں ہے ۔[1]

قادیانی تحریک کا پس منظر بیان کرتے ہوئے ابو مدثرہ لکھتے ہیں

یہودی سامراجی گٹھ جوڑ:

مرزا غلام احمد کی تحریک کی ابتداء اس کے مزاج اور اسکی حقیقی غرض و غایت سے شناسائی حاصل کرنے کے لیے ہمیں ایک تو برطانوی سامراج کی سیاسی پالیسی پر نظر رکھتی ہو گی دوسرے یہودی تحریک قومیت صیہونت 1897ء کے رہنماؤں اور انگریز کے بڑھتے ہوئے روابط کا جائزہ لینا ہو گا اس پس منظر میں قادیانی تحریک کے کردار کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی برطانوی سول سروس کے یہودی افسر اس تحریک کی کامیابی کے لیے ہر سطح پر کوشاں تھے دراصل وہ ہر ایسی تحریک کے قیام اور اس کی سرپرستی کے لیے بے تاب تھے جو برطانوی سامراج کے توسیع پسندانہ اغراض اور صیہونت کے سیاسی عزائم کے دوہرے مقصد کو پورا کرنے کے اہل ہوا ہے دونوں طاقتوں کا بڑا نشانہ ترکی عظیم سلطنت تھی جس کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے ہی علاقائی توسیع پسندی اور فلسطین میں یہودی ریاست کے خواب کو پورا کیا جاسکتا ہے۔

بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں کے خلاف سامراجی صیہونی سازش کی جارہی تھی لیکن اسلامیان عالم خصوصا ہندوستان کے مجاہدین آزادی اپنی تمام تر مجبوریوں کے باوصف انگریز کے جابرانہ تسلط کے خلاف نبرد آزما تھے 1893ء میں امیلا (شمالی مغربی سرحد) کے مقام پر سید احمد شہید کے پیروکاروں نے برطانوی افواج سے اس جرأت و پامردی سے مقابلہ کیا کہ خود برطانوی جرنیل براﺅن لوکینز وغیرہ ان کی شجاعت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے۔ (اولف کیرو دی پٹھانز میکیلین لندن 1965ء ص 366)

1864 سے 1871 تک سرحد کے غیور مجاہدوں نے اپنے خون سے آزادی کے چمن کی آبیاری کی یہ سلسلہ برصغیر کے طول و عرض میں پھیلا ہوا تھا اور جہاد کا اعلان کرکے مسلمان جو سرفروشانہ کارنامے سرانجام دے رہے تھے ان سے انگریز خوفزدہ تھے ان تحریکوں کی روک تھام کے لیے اس نے پورے ہندوستان سے گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کیا انبالہ پٹنہ مالدہ اور راج محل میں ہندوستان کے مختلف علاقوں سے گرفتار کئے جانے والے مجاہدوں پر مقدمات چلائے گئے کئی مجاہدوں کو حسب دوام عبور دریائے شور کی سزائیں دی گئیں لیکن انگریز کا جبر و تشدد ان دلوں کے جذبات آزادی کو دبانہ سکا انیسوی صدی سامراجی طاقتوں کے نوآبادیاتی عزائم اور استعماری سازشوں کے خونچکاں داستان کئی ابواب پر مشتمل ہے اس کے ڈانڈے سترھویں صدی کے صنعتی انقلاب امریکہ کی جنگ آزادی انقلاب فرانس اور پرتگالی فرنیسی ہسپانوی اور اطالوی سامراج کے معاشی اور سیاسی استحصال میں تلاش کئے جاسکتے ہیں

یورپی سامراج کے جارحانہ اقدمات اور ان کی سیاسی چیرہ دستیوں کا مقابلہ کرنے کے یے جو اسلامی تحریکیں اٹھیں ان کے بڑے گہرے اثرات مرتب ہوئے حجاز میں عبدالوہاب (1702 تا 1782) نے تجدید و اصلاح کا جو بیڑا اٹھایا تھا اس کا ثمر انڈونیشیا میں ڈچ سامراج کے خلاف امام بونجولؒ کی تحریک 1827ء اور ہندوستانی میں سید احمد شہید کی تحریکات تھیں سید احمدؒ کے مشن کی تکمیل میں صادق پور رپٹنہ کے مولانا ولایت علیؒ)ف 1852) اور عنایت علیؒ (ف 1857ء) کی خدمات ناقابل فراموش ہیں روس میں داغستان کے علاقے سے شیخ محمد شاملؒ (1870) نے زار کو للکارا اور الجزائر میں فرانسیسی سامراج کے خلاف امیر عبدالقادرؒ (1980ء) صف آراء ہوئے جمال الدین افغانی اسلامی اخوت کے داعی تھے ان کے افکار سے متاثر ہو کر مصر کے اعرابی پاشا نے 1881ء میں اس علاقے میں برطانوی تسلط کے خلاف تحریک چلائی اور سوڈان سے مہدی سوڈانی نے علم جہاد بلند کیا۔

عالمی استعمار کے غلبہ کے خلاف اسلامیان عالم کی تحریکوں کا اجمالی ذکر کرنے کے بعد ہم واپس ہندوستانی کی طرف لوٹتے ہیں جہاں خفیہ طور پر علماء حق جہاد کا درس دے رہے تھے اور آزادی کے لئے لائحہ عمل تیار کر رہے تھے اگرچہ ان کی کوئی مرکزی قیادت نہ تھی اور نہ ہی ان کے پاس قابل ذکر مادی وسائل تھے لیکن اسلام کے شیدائی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشار آزادی کی منزل کی جانب رواں دواں تھے۔ ۲

جہاد کی منسوخی کا ڈرامہ

مرزا غلام احمد قادیانی استعماری سیاست کا خود کاشتہ پودا تھا انگریز نے اپنے نظریہ ضرورت کے تحت قادیان تحریک کو پروان چڑھایا جناب مرتضی احمد میکش رقم طراز ہیں۔

”دین مرزا برطانیہ کی استعماری سیاست کا ایک خود کاشتہ پودا ہے یعنی ایک ایسی سیاسی تحریک ہے جو انگریزوں کے مقبوضہ ہندوستان میں ایک ایسی مذہبی جماعت پیدا کرنے کے لیے شروع کی گئی جو سرکار برطانیہ کی وفاداری کو اپنا جز وایمان سمجھے غیر اسلامی

حکومت یا غیر مسلم حکمرانوں کے استیلاء کو جائز قرار دے اور ایک ایسے ملک کو شرعی اصطلاح میں دار السلام سمجھنے سے عقیدہ کا بطلان کرے جس پر کوئی غیر مسلم قوم اپنی طاقت و قوت کے بل پر قابض ہو گئی ہو انگریز حکمرانوں کی قہاریت اور جباریت کو مسلمان از روئے عقیدہ دینی اپنے حق میں اللہ کا بھیجا ہوا عذاب سمجھتے تھے اور ان کی رضا کارانہ اطاعت کا گناہ متصور کرتے تھے انگریز حکمران مسلمانوں کے اس جذبے اور عقیدے سے پوری طرح آگاہ تھے لہٰذا انہوں نے اس سرزمین میں ایک ایسا پیغمبر کھڑا کر دیا۔ جو انگریزوں کو اولی الامر منکم کے تحت میں لا کران کی اطاعت کا مذھباً فرض قرار دینے لگا اور ان کے پاس ہندوستان کو دار الحرب سمجھنے والے مسلمانوں کی مخبری کرنے لگا جس طرح باغبان خود کاشتہ پودے کی حفاظت و آبیاری میں بڑے اہتمام سے کام لیتا ہے اس طرح سرکار انگریزی نے دین مرزائیت کو فروغ دینے کے لیے مرزائی جماعت کو پرورش کرنا اپنی سیاسی مصلحتوں کے لیے ضروری سمجھا اور اس دین کے پیروؤں سے مخبری جاسوسی اور حکومت کے ساتھ جذبہ وفاداری کی نشر و اشاعت سے کام لیتی رہی 1919ء میں جب مولانا محمد علی جوہر نے خلافت اسلامیہ کی شکست سے متاثر ہو کر مسلمانوں کو انگریزوں کی گرفت سے چھڑانے اور ارض مقدس کو عیسائیوں کے ہاتھ میں جانے سے بچانے کے لیے تحریک احیائے خلافت کے نام سے مسلمانوں کو بیدار کرنے کی مہم شروع کی تو عام مسلمان مولانا محمد علی جوہر اور دیگر زعمائے اسلام کی دعوت پر کان دھر کر انگریزی حکومت سے ترک موالات کرنے پر آمادہ ہوئے گو مرزائی جماعت نے اس دور کے وائسرائے کے سامنے سپاس نامہ پیش کرتے ہوئے سرکار انگریزی کو یقین دلایا کہ مسلمانوں کے اس جہاد آزادی کا مقابلہ کرنے کے لیے آپ کے خادم موجود ہیں جو سرکار انگریزی کی وفاداری کو مذہبی عقیدہ کی رو سے اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

مرزا کے نشو و نما کا دور اور عالم اسلام کی حالت

انیسویں صدی کا نصف آخر جو مرزا صاحب کے نشو و نما کا دور ہے اکثر ممالک اسلامیہ جہاد اسلامی اور جذبہ آزادی کی آماجگاہ ہوئے تھے۔ بر صغیر کے حالات تو مختصراً معلوم ہو چکے ہم دیکھتے ہیں کہ یہی زمانہ ہے جب بر صغیر کے باہر پڑوسی ممالک میں (79-1878) میں برطانوی افواج کو افغانوں کے جذبہ جہاد و سرفروش سے دوچار ہونا پڑتا ہے جو بالآخر انگریزوں کی شکست اور پسپائی پر ختم ہو جاتا ہے۔

ترکی میں 1876ء سے لے کر 1878ء تک کے انگریزوں کی خفیہ سازشوں اور درپردہ معاہدہ کو دیکھ کر جذبہ جہاد بھڑکتا ہے طرابلس الغرب میں شیخ سنوسی، الجزائر میں امیر عبد القادر) 1880) اور روس کے علاقہ داغستان میں شیخ محمد شامل 1870 بڑی پامردی اور جانفشانی سے فرانسیسی اور روسی استعمار کو للکارتے ہیں 1881ء میں مصر میں مصری مسلمان سر بکف ہو کر انگریزوں کی مزاحمت کرتے ہیں۔

سوڈان میں انگریز قوم قدم جمانا چاہتی ہے تو 1881ء میں مہدی سوڈانی اور ان کے پیش رو جہاد کا پھریرا بلند کرکے بالآخر انگریز جنرل گارڈن اور اس کی فوج کا خاتمہ کرتے ہیں۔ اسی زمانہ میں خلیج عرب بحرین عدن وغیرہ میں برطانوی فوجیں مسلمانوں کے جہاد کے لیے جان فروشی اور جان نثاری کے جذبہ سے دوچار تھیں۔

مسلمانوں کی ان کامیابیوں کا ذکر کرتے ہوئے ایک انگریز مصنف لکھتا ہے کہ مسلمانوں میں دینی سرگرمی بھی کام کرتی تھی کہتے تھے کہ فتح پائی تو غازی مرد کہلائے۔ حکومت حاصل کی مر گئے تو شہید ہو گئے اس لیے مرنا یا مار ڈالنا بہتر ہے اور پیٹھ دکھانا بیکار۔ ۳؎

تحریک آزادی میں بلا تخصیص مردوں عورتوں کا قتل عام کیا گیا لیکن انگریز کو اصل خطرہ علماء کے طبقے کی طرف سے لاحق تھا چنانچہ ہر داڑھی والے شخص کو مولوی سمجھ کر گولی ماردی جاتی تحریک آزادی میں علماء نے ایثار وقربانی کا جو یادگار کردار ادا کیا۔ تاریخ میں اسے سنہری حروف سے لکھا جائے گا کیونکہ علماء نے انگریز نفرت کا جوالا ئو روشن کیا وہ خود اسی بھٹی کا ایندھن بن گئے یہاں یہ امر قابل ذکر ہو گا۔ کہ آزادی مانگنے کے جرم میں جن علماء کو پھانسی کی سزائیں سنائی جاتیں وہ ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے انگریز نے حریت پسند مسلمان علماء کے اس ایمانی جذبہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور ان کو سزائے موت کی بجائے عمر قید کی سزا سنادی جس کی وجہ سے علماء کو ترمیمی فیصلے پر افسوس ہوا۔

انگلستانی وفد کی رپورٹ حسب ذیل ہے۔

"ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت اپنے پیروں اور روحانی رہنمائوں کی اندھی تقلید کرتے ہیں اگر اس موقع پر ہمیں کوئی ایسا شخص مل جائے جو ظلی (حواری نبی) کا اعلان کرکے اپنے گرد پیروکاروں کو اکٹھا کرے لیکن اس کے مقصد کے لیے اس کو عوام کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا اس شخص کی نبوت کو حکومت کی سرپرستی میں پروان چڑھا کر برطانوی حکومت کے لیے مفید کام لیا جاسکتا ہے ہم نے مقامی حکومتوں کو پہلے ہی ایسی ہدایات دی ہوئی ہیں۔ کہ غداروں سے معاونت حاصل کی جائے اس وقت مسلح غداری ہوئی تھی اور اب صورت حال اور تھی لیکن اب ہم نے ہندوستان کے طول وعرض میں ایسے انتظامات کر لیے ہیں ملک میں ہر طرف امن وامان ہے ملک کی اندرونی بدامنی سے نمٹنے کے لیے ایسے اقدامات کیے جا چکے ہیں جو ملک میں اندرونی بدامنی پیدا کریں گے "

)رپورٹ۔ انڈیا آفس لائبریری۔ لندن(

تاریخی حقائق اور دیگر دستاویزات سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ انگریزی سامراج نے مسلمانوں کے قلوب سے جذبہ جہاد کو ختم کرنے کے لیے " قادیانی فتنہ " کی بنیاد رکھی برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں کی تاریخی روایات مذہبی عقیدت اور ثقافتی ورثہ کا مشاہدہ اور تجزیہ کرنے کے بعد انگریز اس نتیجہ پر پہنچے کہ برصغیر میں مستحکم اور پائیدار حکومت کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ یہاں کے مسلمانوں کے اندر جذبہ جہاد کی روح کو مسخ کر ڈالا جائے انہیں صرف مسلمان سے ڈر تھا۔ بنیادی وجہ یہ تھی کہ انہون نے سلطنت مسلمان حکمرانوں سے چھینی تھی۔ جس کا قلق مسلمانوں کو ہندوئوں سے سوا تھا۔ انگریزوں نے صحیح سمجھا کہ مسلمانوں کے پاس ہتھیار ایسا ہے جس کا مقابلہ ان کی ہمت سے باہر تھا۔ اور وہ ہتھیار " عقیدہ جہاد " تھا۔

برٹش پارلیمنٹ اور چرچ آف انگلینڈ کے اراکین نے ایک کانفرنس بلائی جس میں ہندوستان کی نمائندہ مشنریوں کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی برطانوی کمیشن اور مشنریوں کی طرف سے ہندوستان میں مذہبی تخریب کاری کے پروگرام کی دو الگ الگ رپورٹیں تیار ہوئیں جن کو یکجا کرکے ہندوستان میں برطانوی سلطنت کا ورود (The Arrival of British Empire India)

کے نام سے مرتب ہوئی اس میں علاوہ دیگر امور کے سامراجی ضروریات کی تکمیل کے لئے ایک ایسی مذہبی نبوت کی ضرورت بیان کی گئی تھی جو مسلمانوں میں اٹھ کر پروان چڑھے۔ اور ان کی ہدایات پر کام کرے۔ [۴]

رپورٹ کو مد نظر رکھ کر تاج برطانیہ کے حکم پر ایسے موزوں اور باعتبار شخص کی تلاش شروع ہوئی جو برطانوی حکومت کے استحکام اور علمداری کے تحفظات میں الہامات کا ڈھونگ رچا سکے۔ جس کے نزدیک تاج برطانیہ کے مرسلات وحی کا درجہ رکھتے ہوں۔ جو نکہ

معظّمہ کے لیے رطب اللسان ہو اور برطانوی حکومت کی قصیدہ گوئی بھی کرے اور ہندوستان میں ایسے شخص کے انتخاب کے لئے ہدایات جاری کیں۔ پنجاب کے گورنر نے اس کام کی ڈیوٹی ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کے ذمہ لگائی چنانچہ -"برطانوی معیار"کے مطابق نبی کی تلاش کا کام شروع ہوا۔

"برطانوی ہند کی سنٹرل انٹیلی جنس کی روایت کے مطابق ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ نے چار اشخاص کو انٹرویو کے لیے طلب کیا ان میں سے مرزا غلام احمد قادیانی نبوت کے لیے نامزد کیے گئے–" ۔ ۵؎

مرزا غلام احمد قادیانی ہر لحاظ سے انگریز حکومت کی خدمت اور برطانوی مفادات کے تحفظ کے لئے موزوں اور قابل اعتماد شخص تھا کیونکہ اس کا خاندان شروع ہی سے برطانوی سامراج کی خدمت اور کاسہ لیسی میں مشہور تھا۔ مرزا صاحب کے والد مرزا غلام مرتضی نے جنگ آزادی میں 50 گھوڑے بمع سواروں کے انگریزوں کی مدد کے لئے دیے تھے جبکہ مرزا غلام احمد قادیانی کا بھائی مرزا غلام قادر مشہور سفاک اور ظالم جنرل نکلسن کی فوج میں شامل رہا تھا۔ اور اس نے مسلمانوں کے خون میں ہاتھ رنگے تھے انگریزوں کی وفاداری اور تابعداری میں مرزا غلام احمد قادیانی اعتراف کرتے ہیں۔

"میں ایک ایسے خاندان سے ہوں جو اس گورنمنٹ کا پکا خیر خواہ ہے میر والد مرزا غلام مرتضی گورنمنٹ کی نظر میں ایک وفادار اور خیر خواہ آدمی تھا۔ جس کو دربار گورنری میں کرسی ملتی تھی۔ اور جن کا ذکر مسٹر گریفن کے "تاریخ رئیسیان پنجاب" میں ہے یعنی پچاس سوار بمع گھوڑے بہم پہنچائے تھی-" ٦؎

میرے والد غلام مرتضی اس نواح میں ایک مشہور رئیس تھے گورنر جنرل کے دربا میں بزمرہ کرسی نشین رئیسوں کے ہمیشہ بلائے جاتے ہیں 1857ء میں انہوں نے سرکار انگریزی کی خدمت گزاری میں پچاس گھوڑے مع پچاس سواروں کے اپنی گرہ سے خرید کر دیئے تھے ۔ اور آئندہ گورنمنٹ کو اس قسم کی مدد کا عند الضرورت وعدہ بھی دیا اور سرکار انگریزی کے حکام کے وقت سے بجاآوری خدمات عمدہ عمدہ چٹھیات خوشنودی مزاج ان کو ملی تھیں چنانچہ سر یبل گریفین صاحب نے اپنی کتاب " رئیساں پنجاب "میں ان کا تذکرہ کیا ہے غرض وہ حکام کی نظر میں بہت ہر دلعزیز تھے اور بسا اوقات ان کی دلجوئی کے لئے حکام وقت ڈپٹی کمشنر ان کے مکان پر آکر ان سے ملاقات کرتے تھے۔ ے؎

انگریزی اطاعت کی خاندانی گھٹی مرزا صاحب کے رگ وریشہ میں رچی بسی ہوئی تھی اس ذلت کا اعتراف خود مرزا صاحب اس طر ح کرتے تھے۔

مجھ سے سرکار انگریزی کے حق میں جو خدمت ہوئی وہ یہ تھی کہ میں نے پچاس ہزار کے قریب کتابیں اور اشتہارت چھپوا کر اس ملک میں اور نیز دوسرے بلاد اسلام میں ایسے مضمون شائع کئے کہ گورنمنٹ انگریزی ہم مسلمانوں کی محسن ہے لہٰذا ہر ایک مسلمان کا فر ض ہونا چاہیے کہ اس گورنمنٹ کی سچی اطاعت کرے اور دل سے اس دولت کا شکر گذار اور دعا گو رہے اور یہ کتابیں میں نے مختلف زبانوں یعنی اردو فارسی عربی میں تالیف کرکے اسلام کے تمام ملکوں میں پھیلا دیں اور یہاں تک کہ اسلام کے دو مقدس شہروں مکہ اور مدینے میں بھی بخوشی شائع کردیں اور روم کے پایہ تخت قسطنطنیہ اور بلاد شام اور مصر اور کابل اور افغانستان کے متفرق شہروں میں جہاں تک ممکن تھا اشاعت کردی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں انسانوں نے جہاد کے وہ غلط خیالات چھوڑ دیے جو نافہم ملاؤں کی تعلیم سے ان کے

دلوں میں تھے۔ یہ ایک ایسی خدمت مجھ سے ظہور میں آئی ہے کہ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ برٹش انڈیا کے تمام مسلمانوں میں ان کی نظیر کوئی مسلمان رکھ نہیں سکا۔ ۸؎

یہی نہیں کہ بلکہ مرزا غلام احمد نے انگریزوں کی تائید و نصرت میں اس قدر کتابیں لکھیں بقول ان کے ۔

"اگر وہ تمام کتابیں جمع کی جائیں تو ان سے 50 الماریاں بھر سکتی ہیں" 9؎

جناب پروفیسر خالد شبیر صاحب اپنی کتاب "تاریخ محاسبہ قادیانیت" میں انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی پیدائش سے دعوی نبوت کے محرکات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

مرزا غلام احمد کے والد مرزا غلام مرتضی نے رنجیت سنگھ کی فوج میں ملازم رہ کر مہاراجہ کی ہر فوجی مہم میں قابل قدر خدمات سر انجام دیں۔ رنجیت سنگھ کے دور حکومت میں سید احمد شہید کے حریت پسندوں کا جہاد دراصل اسی سکھ حکومت کے خلاف تھا اس لئے کشمیر پشاور اور ہزارہ پر سکھوں نے جتنے بھی حملے کیے تھے وہ مسلمانوں کے خلاف تھے ان حملوں میں مرزا غلام احمد صاحب کے والد اور بھائی مرزا غلام مرتضی اور مرزا غلام قادر سکھ فوج میں ملازم ہو کر مسلمانوں کے خلاف لڑتے رہے مرزغلام مرتضی نے اپنی فوجی زندگی کا بیشتر حصہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بیٹے شیر سنگھ کی ملازمت میں بسر کیا اور یہ وہی شیر سنگھ ہے جس کی قیادت میں بالا کوٹ کے مقام پر سید احمد شہید کے مجاہدوں کے ساتھ سکھوں کی آخری جھڑپ ہوئی جس میں اسلام کی یہ عظیم الشان تحریک جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر اسلام کے نام پر قربان ہو گئی۔

جب سکھ حکومت پر زوال آیا تو اس خاندان کی تمام تر ذمہ داریاں انگریز حکومت کی طرف منتقل ہو گئیں ۔ مغلیہ سلطنت کے دور زوال پر یہ خاندان سکھوں کے ساتھ منتھی ہو گیا تھا۔ اور جب سکھوں پر زوال آیا تو انگریزوں کی حمایت کرنے لگا معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کے افراد میں موقعہ شناسی اور موقعہ پرستی کا جوہر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ چڑھتے سورج کی پرستش کو جزو ایمان خیال کرتے تھے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ 1857 کی جنگ آزادی میں بھی مرزا غلام احمد کے خاندان نے مسلمان حریت پسندوں کے خلاف انگریزوں کے حق میں کارہائے نمایاں سر انجام دیئے مرزا غلام مرتضی نے جو کہ اب بوڑھے ہو چکے تھے اور خود فوجی خدمات کے قابل نہ تھے پچاس گھوڑے مع سوار انگریزوں کی خدمت میں پیش کئے اور اپنے بڑے بیٹے مرزا غلام قادر کو باقاعدہ انگریزی فوج میں بھرتی کروایا۔ جس نے 1857 کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے ایماء پر شرکت کر کے سیالکوٹ کے حریت پسندوں کو تہ تیغ کیا کیونکہ وہ اس وقت 46 نیو انفنٹری میں ملازم تھا۔ جو جنرل نکلسن کی قیادت میں اسی مہم پر مامور تھی فوجی خدمات کے اعتراف میں جنرل مذکور نے مرزا غلام قادر کو ایک سند بھی عطا کی جس میں لکھا تھا کہ ''ان کا خاندان قادیان ضلع گورداسپور کے تمام دوسرے خاندانوں سے زیادہ نمک حلال رہا" ۱۰؎

تحریک احمدیت کا آغاز

عالمی تحریک صیہونیت، برطانوی سیاست میں یہودیوں کا دخل خصوصاً ان کا وزرائے اعظم کے عہدے تک پہنچنا، اسلامیان عالم کی سیاسی و معاشی زبوں حالی ہندوستانی مسلمانوں کی حصول آزادی کے لیے جد جہد اور انگریز کے سیاسی اور مذہبی تخریب کاری کے لیے خطر

ناک عزائم جو علی الترتیب ہنٹر رپورٹ اور مشنری فادر زرپورٹ سے عیاں ہیں۔اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک غدار خاندان کے فرد مرزاغلام احمد کا یہودی افسروں اور جاسوس مشنری اداروں کے سربراہوں سے ربط ضبط اور ان کا پارکنسن کی شہ اور ہٹلر کی اشیر وار پر نوکری چھوڑ کر نام نہاد اصلاحی تحریک کا آغاز کرنا۔یہ سب واقعات اس عظیم سیاسی سازش کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو مذہبی روپ دھار کر احمدیت کی صورت میں منظر عام پر آئی۔

مرزغلام احمد نے قادیان پہنچ کر عیسائیوں اور ہندوآریوں سے مباحث کا آغاز کیا اور اخبارت میں مضامین لکھ کر اپنا تعارف کرانے لگے۔ ۱۱

ایک کتاب براہین احمدیہ کی تصنیف کا کام شروع کیا اور اس کے بارے میں بلند بانگ دعوے کئے لوگوں سے اسلام کی دیگر ادیان پر برتری ثابت کرنے کے لیے لٹریچر شائع کرنے کے نام پر چندے مانگے اور ان کی کثیر رقمیں ہضم کر گئے۔ ۱۲

کتاب "براہین احمدیہ "میں جہاں آپ نے مسلمانوں کو یہ دھوکا دیا کہ وہ ایسے دلائل پیش کریں گے کہ اسلام کی صداقت کو مانے بغیر چارہ نہ ہوگا اور غیر مسلم اس کا جواب دینے میں ناکام ہو جایئں گے وہاں آپ نے اس کتاب ہی میں اپنے بہت سے الہامات درج کر دیئے ۔مسلمانوں نے عمومی رنگ میں کتاب کے ابتدائی حصوں کی تعریف کی۔ کئی لوگ جو مسلمانوں کی تصنیفی کاوشوں کو بڑھاجڑھا کر پیش کرنے کے عادی تھے اس کی تعریف میں بعض خلاف واقعہ باتیں بھی لکھ بیٹھے اگرچہ محتاط لوگوں نے ایسی خیال آرائیوں سے احتراز کیا پھر بھی یہ بات کسی کے ذہن میں نہ تھی کہ اس کتاب کا مصنف اپنے الہامات جو جنہیں وہ اس وقت خدا کی ہستی کے ثبوت میں پیش کر رہا ہے آئندہ اپنے مجدد مہدی، مسیح اور نبوت کے دعاوی کے لیے خاص مواد کے طور پر استعمال کرے گا اور دین میں ایک مستقل فتنہ کی بنیاد رکھ دے گا۔

''براہین احمدیہ'' میں آپ نے انگریز کی مکمل اطاعت اور ان سے وفاداری پر زور دیا اور وہ لوگ جو ان کے خلاف باغیانہ خیالات رکھتے تھے اور ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر جہاد کی فرضیت کے قائل تھے انہیں نہایت سخت الفاظ میں مخاطب کیا اور بڑے گھٹیا لہجے میں ان کی مذمت کی ساتھ ہی یہ اعلان کیا کہ جہاد کرنے کا زمانہ ختم ہو چکا ہے۔

برطانوی سامراج کی مدح وستائیش اور ان کے ظلم و جبر کے علی الرغم، ان کی حمایت نے قادیانی تحریک کے عزائم کو آشکار کر دیا۔ جہاد کی مخالفت اور سامراجی تسلط کے جواز میں تیار کیے جانے والے لٹریچر کی تقسیم کا سلسلہ ہندوستان تک ہی محدود نہ تھا۔ بلکہ مرزا صاحب کا دعوی ہے کہ انہوں نے کئی ہزار روپیہ اپنی طرف سے صرف کرکے اس لٹریچر کے عربی اور فارسی تراجم دنیا کے تمام اسلامی ممالک میں بھجوائے۔ ۱۳

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہندوستان میں جہاد حرام تھا تو ان تمام ممالک میں جو سامراجی طاقتوں کے خلاف صف آرا تھے۔ جہاد کیوں حرام ٹھہرا دوسرے یہ ہزار ہا روپیہ کن ذرائع سے مرزا صاحب کے پاس آیا۔آپ کی مالی پوزیشن زیادہ اچھی نہ تھی۔اور تحریک کے آغاز سے پہلے آپ کے پاس کتاب چھپوانے کے لیے رقم نہ تھی اور آپ کو اللہ کی طرف سے کافی ہونے کے الہامات ہو رہے تھے اتنی کثیر رقم کو محض انگریزی حکومت کی برکات گنوانے کے لیے بے دردی سے صرف کرنا بھی بڑی ہمت کا کام ہے اور پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس لٹریچر کی تقسیم کے کون لوگ ذمہ دار تھے اور وہ کس طریقے سے بلاد اسلامیہ میں پہنچاتے تھے۔

ایسے کئی سوالات جو ایک شخص کے ذہن میں ابھرتے ہیں ان سوالوں کے جوابات قادیانیت کے سیاسی مزاج کی روشنی میں معلوم کیے جا سکتے ہیں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ برطانوی صیہونی ذرائع اس مواد کی تشہیر و اشاعت کے ذمہ دار تھے اور انٹیلی جنس کے اراکین اسے عرب دنیا میں پھیلاتے قادیان نے سامراج اور صیہونیت کے بین الاقوامی پروپیگنڈا نے مرکز کی حیثیت حاصل کر لی تھی اور اس سازش کو ایک ننگ دین ننگ وطن طائفہ پروان چڑھا رہا تھا جس کا سربراہ مرزا غلام احمد تھا جو نئے نئے روپ دھار کر لوگوں کے سامنے آتا۔

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ میں نے کوئی کتاب یا اشتہار ایسا نہیں لکھا جس میں گورنمنٹ کی وفاداری اور اطاعت کی طرف اپنی جماعت کو متوجہ نہیں کیا پس میرا اس طرف توجہ دلانا اور اس زور کے ساتھ توجہ دلانا۔ اس آیت کے تحت ہونے کی وجہ سے گویا اللہ اور اس کے رسول کا ہی توجہ دلانا ہے اس سے سمجھ لو کہ اس طرف توجہ کرنے کی کس قدر ضرورت ہے۔ ۱۴

جسمانی سلطنت میں بھی یہ ہی خدائے تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ ایک قوم میں ایک امیر اور بادشاہ ہو اور خدا کی لعنت ان لوگوں پر ہے جو تفرقہ پسند کرتے ہیں اور ایک امیر کے تحت حکم نہیں چلتے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اطیعوا اللہ واطیعو الرسول واولی الامر سے مراد جسمانی طور پر بادشاہ اور روحانی طور پر امام الزمان ہے اور جسمانی طور پر جو شخص ہمارے مقاصد یعنی مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کا مخالف نہ ہو اور اس سے مذہبی فائدہ ہمیں حاصل ہو سکے وہ ہم میں سے ہے اس لیے میری نصیحت اپنی جماعت کو یہی ہے کہ وہ انگریزوں کی بادشاہت کو اپنی اولی الامر میں داخل کریں اور دل کی سچائی سے ان کے مطیع رہیں۔ ۱۵

سو اس نے مجھے بھیجا اور میں اس کا شکر کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ایک ایسی گورنمنٹ کے سایہ رحمت کے نیچے جگہ دی جس کے زیر سایہ میں بڑی آزادی سے اپنا کام نصیحت اور وعظ کا ادا کر رہا ہوں اگرچہ اس محسن گورنمنٹ کا ہر ایک پر رعایا میں سے شکر واجب ہے مگر میں خیال کرتا ہوں کہ مجھ پر سب سے زیادہ واجب ہے کیونکہ یہ میرے اعلیٰ مقاصد، جو جناب قیصرہ ہند کی حکومت کے سایہ نیچے انجام پذیر ہو سکتے ہیں۔ ۱۶

مرزا غلام احمد صاحب برطانوی سامراج کے خود کاشتہ اور پروردہ تھے ان کی تحریک اور تنظیم کا مرکز و محور دو باتیں تھیں۔

۱۔ تنسیخ جہاد ۲۔ اطاعت برطانیہ

مرزا صاحب نے انہی مقاصد کی خاطر نبوت کا دعویٰ کیا برطانوی اقتدار کے استحکام کے لیے ضروری تھا کہ وہ عقیدہ جہاد کی منسوخی اور ممانعت میں کام کیا جائے چنانچہ مرزا صاحب کی تحریریں شاہد ہیں کہ انہوں نے اس مقصد کے لیے خاص تحریروں کے ڈھیر لگا دیئے۔

مرزا صاحب لکھتے ہیں " جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے کیونکہ مجھے مسیح، مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرتا ہے۔ ۱۷

مرزا صاحب لکھتے ہیں

"آج سے دین کے لیے لڑنا حرام کیا گیا ہے اب اس کے بعد جو دین کے لیے تلوار اٹھاتا ہے اور نمازی نام رکھ کر کافروں کو قتل کرتا ہے وہ خدا اور اس کے رسول کا نافرمان ہے" ۱۸

"میں نے بیسویوں کتابیں۔ عربی، فارسی اور اردو میں اس غرض سے تالیف کی ہیں کہ اس گورنمنٹ محسنہ سے ہر گز جہاد درست نہیں بلکہ سچے دل سے اطاعت کرنا ہر ایک مسلمان کا فرض ہے" ۱۹

''آج کی تاریخ تک تیس ہزار کے قریب یا کچھ زیادہ میرے ساتھ جماعت ہے جو برٹش انڈیا کے متفرق مقامات میں آباد ہے جو میری بیعت کرتا ہے اور مجھے مسیح موعود مانتا ہے اسی روز سے اس کو یہ عقیدہ رکھنا پڑتا ہے کہ اس زمانے میں جہاد قطعاً حرام ہے کیوں کہ مسیح آچکا۔ خاص کر میری تعلیم کے لحاظ سے اس گورنمنٹ انگریزی کا سچا خیر خواہ اس کو بننا پڑتا ہے۔ ۲۰

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال	دین کے لیے حرام ہے اب جنگ اور قتال
اب آگیا مسیح جو دین کا امام ہے	دین کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے
اب آگیا آسمان سے نور خدا کا نزول ہے	اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے
دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد	منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد ۲۱

بعض احمق اور ناداں سوال کرتے ہیں کہ اس گورنمنٹ سے جہاد کرنا درست ہے یا نہیں سو یاد ہے یہ سوال ان کا نہایت حماقت کا ہے کیونکہ جس کے احسانات کا شکر کرنا عین فرض اور واجب ہے اس سے جہاد کیسا؟ ۲۲

مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کی نبوت کے محرکات میں سے ایک اہم محرک آپ مختلف مذاہب کے ماننے والوں سے مناظرے کیے جن میں کامیابی پر ان کے دل میں ایک فخر اور غرور کیفیت پیدا ہوئی اس حوالے سے کچھ گزارشات حسب ذیل ہیں:

ملازمت

زمانہ تعلیم ہی کی بات ہے کہ مرزا صاحب ایک مرتبہ اپنے چچازاد بھائی مرزا امام الدین کے ہمراہ پنشن کی رقم لینے کے لیے گورداس پور چلے گئے تقریباً سات سو روپیہ کی رقم اس لحاظ سے اہم سمجھی جاتی تھی کہ خاندان کی معاشی ضروریات کا اسی پر انحصار تھا رقم وصول کرنے کے بعد صلاح یہ ٹھہری کہ لاہور اور امرتسر کی سیر کی جائے چنانچہ دو بھائی رقم وصول کرکے قادیان آنے کی بجائے لاہور اور امرتسر کی سیر میں مصروف ہو گئے۔ چند ہی روز ہیں پوری رقم سیر سپاٹے پر اڑادی اب گھر آنے کی بجائے سیالکوٹ جانے کا پروگرام بنایا گیا یہاں پر مرزا صاحب کی ملاقات اپنے پرانے ہندو دوست سے ہوئی جو بٹالہ میں دوران تعلیم ان کا ہم مکتب تھا۔ ہندو دوست ان دنوں میں ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کے دفتر میں ملازم تھا جس کی کوشش سے مرزا صاحب بھی ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں پندرہ روپے ماہوار پر ملازم ہو گئے ایک دفعہ مرزا صاحب کو معلوم ہوا کہ ان کا دوست مختاری کا امتحان دے رہا ہے تو مرزا صاحب بھی امتحان کی تیاری میں مصروف ہو گئے دونوں نے اکٹھا امتحان دیا مگر مرزا صاحب کامیاب نہ ہو سکے جس کے بعد مرزا صاحب نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا ملازمت کی یہ عمر چار سال بنتی ہے۔

مناظرے اور ملاقاتیں

مرزا صاحب نے ملازمت کے دوران ہی سیالکوٹ میں عیسائیوں سے مذہبی مناظرے شروع کر دیئے تھے اور اس امر کے بھی وافر ثبوت ہیں کہ مناظروں کے ساتھ ساتھ پادریوں کے ساتھ تخلیہ میں بعض اوقات ملاقات ہو جاتی تھی اور دیر تک مرزا صاحب ان پادریوں کے ساتھ بات چیت میں مصروف رہتے تھے بعد میں رونما ہونے والے حالات کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ ملاقاتیں خاصی اہمیت اختیار کر جاتی ہیں۔ کیوں کہ ان ملاقاتوں سے یہ تاثر ملتا ہے کہ یہ پوپ و پادری جو عوام میں مرزا صاحب سے بڑے تلخ و ترش

مناظرے کرتے تھے۔ علیحدگی میں مرزا صاحب سے شیر وشکر ہو جاتے تھے۔ان میں سے ایک پادری جس کا نام ''ہٹلر'' ہے جو کہ اکثر مرزا صاحب سے سیالکوٹ میں مناظرے کرتا تھالندن جانے سے پہلے مرزا صاحب سے ملاقات کرکے لندن روانہ ہو جاتا ہےاس ملاقات کی کہانی عبدالقادر صاحب اپنی کتاب ''حیات طیبہ'' میں تحریر کرتے ہیں۔

''مرزا صاحب کو اس زمانے میں مباحثے کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ پادری صاحبوں سے اکثر مباحثہ رہتا تھا۔ ایک دفعہ پادری صاحب سے جو حاجی پورہ سے جانب جنوب کی کوٹھیوں میں رہا کرتے تھے مباحثہ ہوا پادری صاحب نے کہاکہ عیسوی مذہب قبول کرنے کے بغیر نجات نہیں ہو سکتی۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ نجات کی تعریف کیا ہے اور نجات سے آپ کیا مراد رکھتے ہیں مفصل بیان کیجئے۔ پادری صاحب نے کچھ مفصل تقریر نہ کی اور مباحثہ ختم کر بیٹھے اور کہاکہ میں اس قسم کی منطق نہیں پڑھا پادری ہٹلر صاحب ایم اے جو بڑے فاضل اور محقق تھے سے مرزا صاحب کا مباحثہ بہت دفعہ ہوا۔ یہ صاحب موضع گوہر پور کے قریب رہتے تھے ایک دفعہ پادری صاحب فرماتے تھے کہ مسیح صاحب کو بے باپ پیدا کرنے میں ستر تھا کہ وہ کنواری مریم کے بطن سے پیدا ہوئے اور آدم کی شرکت سے جو گناہ گار تھا،بری رہے مرزا صاحب نے فرمایا کہ مریم بھی توآدم کی نسل سے ہے پھر آدم کی نسل سے۔بریت کیسے اور علاوہ ازیں عورت ہی نے توآدم کو ترغیب دی تھی جس سے آدم نے درخت ممنوع کا پھل کھایا اور گناہ گار پس چاہیے تھا کہ مسیح عورت کی شرکت سے بھی محفوظ رہتے اس پر پادری صاحب خاموش ہو گئے پادری ہٹلر صاحب مرزا صاحب کی بہت عزت کرتے تھے اور بڑے ادب سے ان سے گفتگو کرتے پادری صاحب کو مرزا صاحب سے۔بڑی محبت تھی۔ چنانچہ پادری صاحب ولایت جانے لگے توملازم نے پادری صاحب سے تشریف آوری کا سبب پوچھاتو پادری صاحب نے جواب دیا کہ میں مرزا صاحب سے ملاقات کرنے کوآیا تھا۔ چونکہ میں وطن جانے والا ہوں۔اس لیے ان سے آخری ملاقات کروں گا چنانچہ مرزا صاحب بیٹھے تھے اور وہیں چلے گئےاور فرش پر بیٹھے رہےاور ملاقات کرکے چلے گئے۔ ۲۳؎

آغا شورش کاشمیری لکھتے ہیں

''مرزا غلام احمد ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ (پنجاب کی کچہری میں ایک معمولی تنخواہ پر 1864 سے 1868تک ملازم تھے آپ نے ملازمت کے دوران سیالکوٹ کے پادری مسٹر ہٹلر۔ایم اے سے رابطہ قائم کیا وہ آپ کے پاس عموماًآتا اور دونوں اندر خانہ بات چیت کرتے ہٹلر نے وطن جانے سے پہلے آپ سے تخلیہ میں کئی ایک طویل ملاقاتیں کیں پھر اپنے ہم وطن ڈپٹی کمشنر کے ہاں گیا اس سے کچھ کہا اور انگلستان چلا گیا۔ ادھر مرزا صاحب استعفیٰ دے کر قادیان آ گئے اس کے تھوڑے عرصہ بعد مذکورہ وفد (برٹش پارلیمنٹ کے اراکین اور چرچ آف انگلینڈ کے نمائندگان کا وفد) انگلستان پہنچا اور لوٹ کر مجوزہ رپورٹیں مرتب کیں۔ان رپورٹوں کے فوراًبعد میں مرزا صاحب نے اپنا سلسلہ شروع کر دیا برطانوی ہند کے سنٹرل انٹیلی جنس کی روایت کے مطابق ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ نے چار اشخاص کو انٹرویو کے لیے طلب کیا ان میں سے ایک مرزا صاحب نبوت کے لیے نامزد کیے گئے۔ ۲۴؎

مولانا محمد حسین بٹالوی سے ملاقات

مرزا صاحب 1868 میں ملازمت سے مستعفی ہو کر قادیان واپس آئے اور دوبارہ اپنے گھریلو کاموں میں مصروف ہو گئے۔ لیکن وہ اپنے گردوپیش کے حالات سے مطمئن نہ تھے بزرگوں کے دیہات قبضے سے نکل چکے تھے جنہیں واپس لینے کے لیے اگرچہ والد نے مقدمات دائر کر رکھے تھے لیکن آٹھ سال کے طویل عرصے کی مقدمہ بازی کے باوجود دیہات واپس نہ ملے۔

انہی دنوں میں مرزا صاحب کو معلوم ہوا کہ ان کے بچپن کے رفیق اور ہم مکتب مولانا محمد حسین بٹالوی دہلی میں تعلیم حاصل کر کے واپس بٹالہ تشریف لائے ہیں۔ چنانچہ مولانا محمد حسین بٹالوی سے ملاقات کی غرض سے بٹالہ آئے اور دوران ملاقات اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ قادیان سے ان کا جی اچاٹ ہو چکا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ کسی دوسرے شہر میں جا کر قسمت آزمائی کی جائے مولانا محمد حسین بٹالوی کے ساتھ ملاقات میں مرزا غلام احمد نے نقل مکان پر بات چیت کے علاوہ ایک ایسی کتاب لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا جس میں اسلام کے علاوہ دوسرے باطل ادیان کا مدلل طریقے سے رد منظور تھا۔ مولانا نے اس کام لیے مرزا صاحب کو لاہور کی تجویز پیش کی اور ساتھ ہی ہر ممکن امداد کا یقین دلایا کیوں کہ بٹالہ آنے سے پہلے ہی مولانا صاحب کو لاہور کی مسجد اہل حدیث چینیاں والی کی خطابت مل چکی تھی مولانا نے مرزا صاحب سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ تالیف و تصنیف کے کام بڑی مشکل یہ ہے کہ کتابیں ایسے آدمی کی ہی پڑھی جاتی ہیں جس نے کتاب لکھنے سے پہلے علمی میدان میں شہرت حاصل کر لی ہو مشہور آدمی کی کتاب ہاتھوں ہاتھ بکتی ہے جبکہ غیر معروف آدمی کو اس میدان میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے چنانچہ مرزا صاحب نے علمی شہرت کے لیے لاہور کو منتخب کیا ور قادیان سے لاہور منتقل ہو کر مولانا محمد حسین بٹالوی کے پاس ہی رہائش پذیر ہو گئے۔

جن دنوں مرزا صاحب لاہور منتقل ہوئے ان دنوں لاہور کی مذہبی فضاء کو ایک ہندو پنڈت ''دیانند سرسوتی'' کے مناظروں نے اچھا خاصا مکدر کر رکھا تھا پنڈت جی کے علاوہ کبھی کبھی کوئی عیسائی پادری بھی مسلمانوں کے ساتھ مناظرے اور مباہلے کے لیے تیار ہو جاتا مناظروں اور مباہلوں میں یہ لوگ اسلام کی خلاف کافی زہر اگلتے تھے جس کی وجہ سے مسلمان اچھے خاصے مشتعل تھے ان مناظروں کے لیے عموماً بیرونی لوہاری دروازہ کا انتخاب ہوتا۔ مرزا صاحب نے شاید لاہور میں کہیں ایسے مناظرے دیکھے۔ بہر حال مبلغ اسلام بن کر بطور مناظر ان مناظروں میں شرکت کا پروگرام بنالیا۔

''مرزا صاحب نے لاہور پہنچ کر مولوی محمد حسین کی صوابدید کے بموجب اپنے مستقبل کا جولائحہ عمل تجویز، اس کی پہلی کڑی غیر مسلموں کے ساتھ الجھ کر شہرت و نمود کی دنیا میں قدم رکھنا تھا یہ وہ زمانہ تھا جبکہ پنڈت ''دیانند سرسوتی'' نے اپنی ہنگامہ خیزیوں سے ملکی فضاء میں سخت تموج و تکدر برپا کر رکھا تھا اور پادری لوگ بھی اسلام کے خلاف ملک کے طول و عرض میں بہت کچھ زہر اگل رہے تھے مولوی محمد حسین بٹالوی اس وقت اہل حدیث کی مسجد ''چینیاں'' لاہور میں خطیب تھے مرزا صاحب نے لاہور پہنچ کر انہی کے پاس مسجد ''چینیاں'' والی میں قیام اور شب و روز ''تحفۃ الھند، خلعت الھنود'' اور عیسائی اور مسلمانوں کے مناظروں کی کتابوں کا مطالعہ کرنے میں مصروف رہنے لگے۔ جب ان کتابوں کے مضامین اچھے خاصے ذہن نشین ہو گئے تو پہلے آریوں سے چھیڑ خانی شروع کی اور پھر عیسائیوں کے مقابلے میں ''ھل من مبارز'' (کوئی مقابلہ کرے گا) کا نعرہ لگایا۔ ان دنوں میں آریوں کا کوئی نہ کوئی پرچارک اور عیسائیوں کا ایک آدھ مشنری لوہاری دروازہ کے باہر باغ میں آجاتا اور آتے ہی مرزا صاحب سے ان کی ٹکریں ہونے لگتی تھیں غرض اسلام کا یہ پہلوان ہر وقت کشتی کے لیے جوڑ کی تلاش میں رہتا اور اسے مجمع کو اپنے ارد گرد جمع کرکے پہلوانی کمال دکھانے کی دھن لگی رہتی تھی۔ مرزا صاحب اپنے مجادلوں اور اشتہار بازیوں میں اپنے تئیں خادم دین اور نمائندہ اسلام ظاہر کرتا اور نہ تو ابھی کوئی جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔ اور نہ ہی الحاد و زندقہ کے کوچے میں قدم رکھا تھا۔ اس لیے ہر عقیدہ و خیال کا مسلمان اس کا حامی و ناصر ہوتا تھا۔ چند ماہ تک مجادلے ہنگامے برپا رکھنے کے بعد مرزا صاحب قادیان چلے گئے اور وہیں سے آریوں کے خلاف اشتہار بازی کا سلسلہ شروع کرکے مقابلہ و مناظرہ کے نمائشی چیلنج دینے شروع

کر دیے چونکہ بحث و مباحثہ مقصود نہ تھا بلکہ حقیقی غرض نام و نمود اور شہرت مطلوب تھی۔ اس لیئے آریہ لوگوں کی شرائط کے مقابلے میں بالکل چکنے گھڑے کے مصداق بنا ہوا تھا ان کی ہر شرط اور مطالبہ کو بہ لطاف الحیل ٹال جاتا تھا۔ اپنی طرف سے ایسی نا قابل قبول شرطیں پیش کر دیتا تھا کہ مناظرے کی نوبت ہی نہ آتی تھی۔ اگر میرے بیان کی تصدیق چاہو تو مرزا کے مجموعہ اشتہارات موسومہ بہ "تبلیغ رسالت" کی جلد اول کے ابتدائی اوراق کا مطالعہ کر لو۔ ۲۵

مراق کا سلسلہ

"مراق کا مرض حضرت مرزا صاحب کو موروثی نہ تھا۔ بلکہ یہ خارجی اثرات کے ماتحت پیدا ہوا تھا۔ اور اس کا باعث سخت دماغی محنت، تفکرات، غم اور سوءِ ہضم تھا۔ جس کا نتیجہ دماغی ضعف تھا جس کا اظہار مراق اور دیگر ضعف کی علامات مثلاً دوران سر کے ذریعہ ہوتا تھا" ۲۶

"میری بیوی کو مراق کی بیماری ہے کبھی کبھی وہ میرے ساتھ ہوتی ہے کیوں کہ طبّی اصول کے مطابق اس کے لیے چہل قدمی مفید ہے ان کے ساتھ چند خادم عورتیں بھی ہوتی ہیں اور پردے کا پورا التزام ہوتا ہے۔۔۔۔۔ ہم باغ تک جاتے ہیں۔ پھر واپس آجاتے ہیں ۲۷

بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مرزا صاحب کے ایک حقیقی ماموں تھے جن کا نام مرزا جمعیت بیگ تھا ان کے ہاں ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوئی اور ان کے دماغ میں کچھ خلل آگیا تھا۔ لڑکے کا نام مرزا علی شیر تھا اور لڑکی کا حرمت بی بی، لڑکی حضرت صاحب کے نکاح میں آئی اور اس کے بطن سے مرزا سلطان احمد اور فضل احمد پیدا ہوئے۔ ۲۸

مراق کے اسباب میں سب سے بڑا سبب ورثہ میں ملا ہوا طبعی میلان اور عصبی کمزوری ہے عصبی امراض ہمیشہ ورثہ میں ملتے ہیں اور لمبے عرصے تک خاندان میں چلتے ہیں (بیاض نور الدین ج ا۔ منقول از پیغام صلح لاہور (36۔ جب خاندان سے اسکی ابتداء ہو چکی تھی تو پھر اگلی نسلی میں بے شک یہ مرض منتقل ہوا چنانچہ حضرت خلیفہ المسیح ثانی۔ میاں محمود احمد صاحب نے فرمایا کہ مجھ کو بھی کبھی کبھی مراق کا دورہ ہوتا تھا۔ تذکرۃ الوفاق فی صلاح المراق ص 60 حکیم اصغر حسین فرخ آبادی ۲۹

اکثر یہ مرض (مراق) تنہا رہنے یا زیادہ علم میں غور کرنے یا محنت شدید یا مجاہدہ نفس سے پیدا ہوتا ہے۔

مالیخولیا مراق

یہ ایک مرض کی قسم ہے جس کو مراق کہتے ہیں یہ مرض تیز سودا ہے۔ جو معدہ میں پیدا ہوتا ہے۔ اور جس عضو میں یہ مادہ جمع ہو جاتا ہے اس سے سیاہ بخارات اٹھ کر دماغ کی طرف چڑھتے ہیں۔

اس کی علامات یہ ہیں ترش ڈکاریں آنا۔ ضعف معدہ کی وجہ سے کھانے کی لذت کم معلوم ہونا۔ ہاضمہ خراب ہو جانا۔ پیٹ پھولنا۔ پاخانہ پتلا ہونا۔ دھوئیں جیسے بخارات چڑھتے ہوئے معلوم ہونا۔ ۳۰

یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس مرض (مراق) کی علامات کا ظہور فتور قوت اور جوانی یا روح جوانی سے ہوتا ہے۔ جو کہ جگر و معدے میں ہوتی ہے مگر تحقیقات جدیدہ سے معلوم ہوا ہے کہ مرض عصبی ہے اور جیسا کہ عورت کے رحم کی مشارکت سے مرض اختناق الرحم ہسٹریا پیدا ہوتا ہے۔

علامات:

مریض ہمیشہ سست متفکر رہتا ہے اس میں خود کے خیالات پیدا ہو جاتے ہیں ہر ایک بات میں مبالغہ کرتا ہے۔ بھوک نہیں لگتی کھانا ٹھیک طور پر ہضم نہیں ہوتا۔ (مخزن حکمت۔ مصنف ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب طبع دوئم۔)

فساد ہضم، دخانی ڈکاریں، منہ میں زیادہ رال آنا، پیٹ پھولنا ہو، پیٹ میں قرقراتا ہو جھوٹی بھوک معلوم ہو تالو کی طرف دھوئیں جیسے بخارات چڑھتے ہوئے معلوم ہوں۔۔۔ کبھی ایک چیز کے دو معلوم ہونا۔ کبھی آنکھوں کے سامنے بجلی سے کوندتی معلوم ہو پلکوں کا بوجھل دماغ اور سر میں گرمی درد سر اور اچھولگ جانا۔ مرض مراق کے لوازم سے ہے لیکن ان سب کا ایک مریض میں پایا جانا ضروری نہیں۔ ۳۱؎

مالیخولیا کے کرشمے:

مالیخولیا خیالات و افکار کے طریق طبعی سے متغیر بخوف و فساد ہو جانے کو کہتے ہیں۔ بعض مریضوں میں گاہے گاہے یہ فساد اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو غیب دان سمجھتا ہے اور اکثر ہونے والے امور کی پہلے ہی خبر دیتا ہے اور بعض میں یہ فساد یہاں تک ترقی کر جاتا ہے اس کو اپنے متعلق یہ خیال ہوتا ہے کہ میں فرشتہ ہوں۔ (شرح اسباب والعلامات امراض مالیخولیا۔ برہان الدین نفیس)۔

مریض کے اکثر اوہام اس کام سے متعلق ہوتے ہیں جس میں مریض زمانہ صحت میں مشغول رہا ہو۔۔۔۔۔ مریض صاحب علم ہو تو پیغمبری اور معجزات اور کرامات کا دعویٰ کرتا ہے خدائی کی باتیں کرتا ہے۔ اور لوگوں کو اس کی تبلیغ کرتا ہے۔ ۳۲؎

ہسٹریا:

ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے کئی دفعہ حضرت مسیح موعود سے سنا ہے کہ مجھے ہسٹریا ہے۔ بعض دفعہ آپ مراقی بھی فرمایا کرتے تھے لیکن دراصل بات یہ ہے کہ آپ کو دماغی محنت اور شبانہ روز تصنیف کی مشقت کی وجہ سے بعض عصبی علامات پیدا ہو جایا کرتی تھیں جو ہسٹریا کے مریضوں میں عموماً دیکھی جاتی تھیں۔ مثلاً کام کرتے فوراً ضعف ہو جانا۔ چکروں کا آنا ہاتھ پائوں کا سرد ہو جانا۔ گھبراہٹ کا دورہ ہو جانا۔ ایسا معلوم ہونا کہ ابھی دم نکلتا ہے یا کسی تنگ جگہ یا بعض اوقات آدمیوں میں گھر کر بیٹھنے سے دل کا سخت پریشان ہو جانا۔ وغیرہ۔ ۳۳؎

ہسٹریا کا بیمار جس کو اختناق الرحم کہتے ہیں یہ مرض عموماً عورتوں میں زیادہ ہوتا ہے شاذ و نادر مرد بھی اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں ایسے مرد مریض مراقی کہلاتے ہیں۔ ۳۴؎

سوداوی مزاج آدمی کے ظنون و افکار خوف و فساد کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اس کی روح وحشت و خوف محسوس کرتا ہے یہ مرض کسی کو کوئی ایذا نہیں دیتی بخلاف جنون سبعی (کہ وہ مریض کو سخت تکلیف دیتا ہے) مالیخولیا کی ایک قسم وہ ہے جس کو مالیخولیا مراقی کہتے ہیں یہ مرض مراق کی شرکت سے ہوتا ہے۔ ۳۵؎

مالیخولیا بحسب محل سبب تین قسم پر ہے اول دماغی جس کا محل و قوع دماغ ہے اطباء اس کو شر الاصفاف کہتے ہیں دوم قلب اور دماغ کے سوا جس کا محل تمام بدن ہو بخارات دماغ کی طرف چڑھیں سوم امعاء میں ردیہ فضلات سے یا معدہ کے سوداوی ورم سے ہوتا ہے یا باب الکبد کے ورم سے یا جگر اور امعاء دونوں سے عروق و قاق سے بخارات نکل کر غشا مراق تک پہنچیں اور مراق سے اٹھ کر دماغ کی طرف آئیں اور مالیخولیا پیدا کریں اس کو مالیخولیا مراقی کہتے ہیں چونکہ مالیخولیا جنون کا ایک شعبہ ہے اور مراقی مالیخولیا کی ایک شاخ اور مالیخولیا مراقی میں دماغ کو ایذا پہنچتی ہے اس لیے مراق کو سر کے امراض میں لکھا ہے ۳۶

مرزا صاحب کو مراق تھا

دیکھو میری بیماری کی نسبت بھی آنحضرت ﷺ نے پشین گوئی کی تھی جو اس طرح وقوع پذیر ہوئی آپ نے فرمایا تھا کہ مسیح جب آسمان سے اترے گا تو دو زرد چادریں اس نے پہنی ہوئی ہوں گی سو اس طرح مجھ کو دو بیماریاں ہیں ایک اوپر کے دھڑ کی یعنی مراق اور ایک نیچے کے دھڑ کی کثرت بول۔ ۳۷

میرا تو یہ خیال ہے کہ دو بیماریوں میں ہمیشہ بتلا رہتا ہوں تاہم مصروفیت کا یہ حال ہے کہ بڑی بڑی رات تک بیٹھا کام کرتا رہتا ہوں حالانکہ زیادہ جاگنے سے مراق کی بیماری ترقی کرتی ہے۔ اور دوران سر کا دورہ زیادہ ہو جاتا ہے تاہم میں اس بات کی پرواہ نہیں کرتا اور اس کام کو کیے جاتا ہوں۔ کتاب منظور الہیٰ۔ ۳۸

حضرت مسیح موعود نے بے شک مراق کا لفظ اپنی نسبت بولا ہے۔ ۳۹

مراقی نبی نہیں ہو سکتا اور نہ اس کی کوئی بات قابل اعتبار ہے

مرزا صاحب حضرت مسیح علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے عقیدہ پر لکھتے ہیں یہ بات تو بالکل جھوٹا منصوبہ ہے اور یہ کسی مراقی عورت کا وہم۔ ۴۰

ڈاکٹر شاہ نواز مرزائی لکھتے ہیں

ایک مدعی الہام کے متعلق اگر یہ ثابت کہ اس کو ہسٹریا مالیخولیا یا مرگی کا مرض تھا تو اس کے دعویٰ کی تردید کے لیے کسی اور ضرب کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ یہ ایک ایسی چوٹ ہے جو اس کی صداقت کی عمارت کو بیخ و بن سے اکھیڑ دیتی ہے۔ اس مرض میں تخیل بڑھ جاتا ہے اور مرگی اور ہسٹریا والوں کی طرح مریض کو اپنے جذبات اور خیالات پر قابو نہیں رہتا۔ ۴۱

مرزا صاحب کو مراق کے علاوہ ہسٹریا کے دورہ بھی پڑا کرتے تھے۔

مرزا بشیر احمد ایم اے لکھتے ہیں

"بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پہلی دفعہ دوران سر اور ہسٹریا کا دورہ بشیر اول کی وفات کے چند دن بعد ہوا تھا رات کو سوتے ہوئے آپ کو اتھو آیا پھر اس کے کچھ عرصہ بعد طبیعت خراب ہو گئی مگر یہ دورہ خفیف تھا پھر اس کے عرصہ بعد طبیعت خراب ہو گئی فرمایا میں نماز پڑھ رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ کوئی کالی کالی چیز میرے سامنے سے اٹھی ہے اور آسمان تک چلی گئی ہے یہیں میں چیخ مار کر زمین پر گر گیا اور غشی کی سی حالت ہو گئی والدہ صاحبہ فرماتی ہیں اس کے بعد سے آپ کو باقاعدہ دورے پڑنے شروع ہو گئے تھے۔ ۴۲

یہ عبارت مرزا صاحب کی زندگی میں ان کے سامنے ان کے اپنے اخباروں میں شائع ہوئی اور مرزا صاحب کے قلم سے جیسا کہ صیغہ متکلم سے ظاہر ہے اگر یہ افتراء ہوتا تو یقینا مرزا صاحب اس کی تردید کر دیتے چونکہ مرزا صاحب نے اس کی تردید نہیں کی لہٰذا یہ الفاظ انہی کے ہیں اس کے علاوہ اس تحریر کی تردید ان کی جماعت میں سے بھی کسی نے نہ کی حتی کہ خلیفہ نورالدین کا زمانہ بھی گزر گیا۔

ڈائری کی عبارت قابل اعتبار اس لئے ہے کہ مرزا محمود خلیفہ قادیانی نے بھی اپنی کتاب ''حقیقت النبوۃ'' میں جا بجا ڈائری کے حوالے بطور شہادت کے نقل کیئے ہیں مثال کے طور پر۔ ۴۳؎

مرزا صاحب کی اہلیہ محترمہ بھی اسی مراق کی مرض میں مبتلا تھیں۔ ۴۴؎

مرزا صاحب مراق کی حقیقت اور اصلیت سے بخوبی واقف تھے اور اس مرض کے متعلق ان کا علم تجربے پر مبنی تھا۔

ڈاکٹر شاہ نواز مرزائی لکھتے ہیں:

جب خاندان سے اس کی ابتداء ہو چکی تو پھر اگلی نسلی میں بے شک یہ مرض منتقل ہوا چنانچہ خلیفہ المسیح ثانی نے فرمایا کہ مجھ کو بھی کبھی مراق کا دورہ ہوتا ہے۔ ۴۵؎

مرزا صاحب کے نبوت کا دعویٰ کرنے کا ایک محرک افلاس و غربت کو دور کرنے کے لیے مختلف قسم کے پروگرام بنائے مرزا صاحب کو صرف منطق فلسفہ کی چند کتابیں پڑھنے کا اتفاق ہوا اگر مرزا صاحب اسلامی علوم میں کچھ کمال حاصل کرتے تو شاید اس طرح مستقبل میں نبوت کا دعویٰ نہ کرتے علم طب کی کچھ کتابیں پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اگر مرزا صاحب کو کسی ایک فن میں کمال ہوتا تو معقول ذرائع معاش حاصل کرنے کا موقع ملتا ان دنوں میں قادیان کو حکومت کی طرف سے سات سو روپیہ وظیفہ ملتا تھا۔ ایک دن مرزا صاحب اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ پینشن لینے کے لیے گورداسپور گئے روپے وصول کرنے کے بعد دونوں نے لاہور اور امرتسر کی سیر کی چند دنوں میں وہ رقم خرچ کر دی شرم کے باعث مرزا صاحب گھر جانے کی بجائے اپنے دوست لالہ بھیم حسین کے پاس سیالکوٹ چلے گئے جہاں انہیں عدالت میں ماہوار پندرہ روپے میں ملازمت مل گئی ان کے دوست نے مختاری کا امتحان دیا جس میں وہ تو کامیاب ہو گیا مرزا صاحب ناکام ہو گئے اس نوکری سے مستعفی ہو کر قادیان کو واپس آ گئے قانون کے حوالے سے کچھ آپ نے مطالعہ کیا والد نے اہل پا کر مقدمہ بازی میں لگا دیا آٹھ سال مقدموں کی پیروی میں عدالتوں کی خاک چھاننا پڑی بزرگوں کے دیہات خاندان کے قبضے سے نکل چکے تھے مقدمہ بازی کے باوجود واپس نہ ملے تھے۔ اس لیے حزن و ملال غربت و افلاس آپ کے والد کے رفیق زندگی بنے ہوئے تھے اس کی وجہ مرزا صاحب کافی پریشان رہتے تھے۔ اس بارے میں سوچتے رہتے تھے کہ کس طرح وہ ان پریشانیوں کا مداوا کریں اور ترقی و عروج کی راہیں کیونکہ کھل سکتی ہیں ملازمت سے جی بھر چکا تھا۔ مختاری کے امتحان میں کامیابی نصیب نہ ہو سکی فوج اور پولیس کی نوکری سے بھی وجہ قلّت مشاہرہ کوئی دلچسپی نہ تھی۔ تجارتی کاروبار سے بھی اتنی دلچسپی نہ تھی نہ تو اس بارے میں اتنی مہارت تھی اور نہ ہی اتنا سرمایہ تھا۔ اب صرف اور صرف تقدس و پارسائی کا شعبہ تھا جس کے ذریعے بآسانی زر کثیر حاصل کیا جا سکتا تھا۔ اس کا ایک محرک یہ تھا کہ ان دنوں قادیان کے مضافات میں چند بزرگ ہستیاں تھیں جو مرجع خلائق تھیں جس کی وجہ سے مرزا صاحب کو مشیخت پیری و مریدی میں زیادہ دلچسپی محسوس ہوئی۔

اس دوران ان کے دوست مولانا محمد حسین بٹالوی علم دین سے فراغت پا کر بٹالہ آگئے مرزا صاحب ان سے ملاقات کرنے کے لیے بٹالہ گئے انہوں نے مولانا محمد حسین سے کہا کہ میرا خیال ہے کہ غیر اسلامی ادیان کی رد میں ایک کتاب لکھوں مولانا صاحب نے کہا یہ بات بڑی قابل فخر ہے لیکن اس میں مشکل یہ ہے کہ غیر معروف مصنف کی کتاب مشکل سے فروخت ہوتی ہے مرزا صاحب نے کہا کہ شہرت کون سا مشکل کام ہے؟ اصل کام تو تالیف واشاعت کا کام سرمایہ کا محتاج ہے اور اپنی حالت تو اس کی اجازت نہیں دیتی۔ مولانا صاحب نے کہا کہ تم لاہور میں اس مقصد کو مشتہر کرو میں بھی تمہاری معاونت کروں گا۔ یقیناً اللہ کوئی نہ کوئی سبب پیدا کر دے گا۔ غرض لاہور آنے کا مصمم ارادہ ہو گیا مرزا صاحب نے لاہور میں آکر غیر مسلموں سے الجھ کر نام و نمود کی دنیا میں قدم رکھا۔ اس دور میں پنڈت دیانند سرسوتی نے اپنی ہنگامہ خیزیوں سے ملک کی مذہبی فضا میں سخت تموج و تکدر برپا کر رکھا تھا۔ پادری لوگ بھی ملک میں اسلام کے خلاف زہر اگل رہے تھے چنانچہ مرزا صاحب نے مولانا کی مسجد میں دن رات تحفۃ الہند، تحفۃ الہنود اور عیسائیوں اور مسلمانوں کے مناظروں کی کتابوں کے مطالعہ میں مصروف رہے۔ جب کافی اس مہارت ہو گئی تو پہلے آریوں سے مناظرے شروع کئے پھر عیسائیوں کو مناظرے کے چیلنج دیئے۔ اس طرح مرزا صاحب کے ارد گرد ایک بہت بڑا مجمع جمع ہو جاتا۔ اس میں مرزا صاحب اپنے آپ کو اسلام کا نمائندہ اور خادم کی حیثیت سے پیش کرتے۔ اس لیے ہر مسلمان ان کا حامی و ناصر تھا چند ماہ مناظرے کرنے کے بعد قادیان واپس چلے گئے اور وہاں سے آریوں کے خلاف اشتہار بازی کا سلسلہ شروع کیا۔ چونکہ بحث و مباحثہ کرنا تو مقصود نہ تھا۔ بلکہ نام و نمود اور شہرت مطلوب تھی۔ اس لیے مناظرہ کے لیے ایسی شرائط پیش کرتے کہ مناظرے کی نوبت تک نہ آتی۔

مرزا صاحب لکھتے ہیں

اب بطور اتمام حجت کے یہ اشتہار تعداد پانچسو روپیہ معہ جواب الجواب اور باوانرائن صاحب سیکرٹری آریہ سماج امرتسر کے تحریر کر کے اقرار صحیح قانونی اور عہد جائز شرعی کرتا ہوں کہ اگر کوئی صاحب آریہ سماج والوں میں پابندی اصول مسلمہ اپنے کے کل دلائل مندرجہ سفیر ہند دلائل مرقومہ جواب الجواب مشمولہ اشتہار ہذا کے توڑ کو یہ ثابت کر دے کہ ارواح موجودہ جو سوا چار ارب کی مدت میں کل دورہ اپنا پورا کرتے ہیں بے انت ہیں اور ایشور کو ان کی تعداد معلوم ہو تو میں اس کو پانچ سو روپیہ بطور انعام کے دوں گا اور درصورت توقف کے شخص مثبت کو اختیار ہو گا کہ بمدد عدالت وصول کرے۔ ۴۶

اس کے بعد مرزا صاحب نے مناظرہ کے میدان کو چھوڑ کر ملہم اور مستجاب الدعوات ہونے کا اعلان کیا۔ شہرت تو پہلے ہی ہو چکی تھی۔ اہل حاجات کی آمد و رفت شروع ہو گئی بالاخانہ میں مرزا صاحب مختلف پہلوؤں پر سوچتا اس جگہ کو بیت الفکر کا نام دیا۔ مرزا صاحب کے پاس ایک نوٹ بک ہوتی جس میں اپنے الہامات لکھتے رہتے مگر بعد میں جب آپ کو الہامات کا گمان ہوا تھا تو ایک ہندو لڑکے شام کو الہام نویسی کے لیے ملازم کے طور پر رکھ لیا۔ مرزا صاحب نے ہندو لڑکے سے دستخط کروا لیے تاکہ وہ بوقت ضرورت گواہی دے سکے یہ سادہ لوح سا تھا۔ تاکہ وہ کسی قسم کا اعتراض نہ کر سکے۔ مسلمان کا انتخاب نہ کیا تاکہ اس سے ہر قسم کی گواہی دلائی جا سکے جب عقیدت مندوں کا ہجوم ہونے لگا قادیان کے دو ہندو لالہ شرمیت رائے اور لالہ واملاوامل نام مرزا صاحب کے مرید خاص تھے دن رات آپ کے ساتھ رہتے خوشامدی مفت خورے اور ہاں میں ہاں ملانے والے بھی ہر طرف سے آجاتے لنگر جاری کر دیا مستجاب الدعوات کے اشتہاروں مناظروں اور اشتہار بازی نے مرزا کو شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔ نذر و نیاز اور چڑھاؤں کا سلسلہ شروع ہو گیا اب لوگوں نے بیعت کی درخواستیں

کیں مرزا صاحب ہر ایک کو جواب دیتے ابھی ہمیں بیعت لینے کا حکم نہیں ہوا اس وقت صبر کرو جب کہ اس بارے میں حکم خداوندی آپہنچے۔

مرزا صاحب ''براہین احمدیہ'' کو چار حصوں میں تقسیم کیا جس طرح یہ کتاب تالیف کی گئی اسے زیادہ سے زیادہ سات آٹھ ماہ عرصہ لگ سکتا تھا مگر آپ نے کئی سال اس کا مواد جمع کرنے میں صرف کر دیئے۔ 1880 میں دو حصے طبع ہوئے 1882 میں تیسرا حصہ اور 1884 میں چوتھا حصہ طبع کیا۔ حصہ اول میں کوئی علمی موضوع نہیں بلکہ صرف دس ہزار روپے کا انعامی اشتہار نہایت جلی حروف میں پھیلا کر لکھوا دیا۔ صرف صفحات بڑھانے کے لیے یہ سارا ڈھونگ رچایا گیا۔ مرزا صاحب نے ان کتب میں اپنی کاوش سے کوئی کام نہیں کیا بلکہ تمام اسلاف کتب سے اخذ کیا اور علمائے ماہرین سے علمی تحقیقات حاصل کر کے بغیر کسی حوالے کے کتاب کی زینت بنا دی گئی۔ جب یہ کتاب زیر طبع تھی تو مرزا صاحب نے اس کی طباعت کے لیے امداد کے حصول کے لیے بے پناہ تشہیر کی ان اشتہارات میں مرزا صاحب نے وعدہ کیا کہ غیر مسلم میں سے جو اس کتاب کا جواب لکھے گا تو اس کو دس ہزار کا انعام دیا جائے گا۔ تو اس سے مسلمانوں نے یقین کیا کہ واقعی اسلام کی تائید میں کوئی بہت بڑا توپخانہ تیار ہونے والا ہے جو اغیار کے مذہبی قلعوں کا پاش پاش کر دے گا نتیجہ یہ ہوا کہ چاروں طرف سے روپیہ کی بارش ہو گئی شروع میں کتاب کی قیمت پانچ روپے رکھی جب روپیہ کی ریل پیل ہو گئی تو کتاب کی قیمت دس روپے کر دی اور لوگوں سے پیشگی قیمت وصول کر لی گئی جبکہ والیان ریاست اور اغنیاء سے فی سبیل اللہ امداد کرنے کی بھی درخواستیں کیں چنانچہ بڑے بڑے روساء نے ہر طرح کی بڑی بڑی امداد کے وعدے کیے اس کے بعد جب کتاب کے دو حصے چھپ گئے تو پچیس روپے سے لے کر سو روپے کر دی گئی۔ لوگوں سے زیادہ سے زیادہ روپے وصول کرنے کے دو حربے اختیار کیے۔ پہلے یہ قیمت کا لفظ کوئی زبان پر نہ لائے بلکہ اندھا دھند اپنے جمع شدہ خزانے کا پیشتر حصہ خیرات کے طور پر قادیان بھیجے اگر کوئی اس طرح قابو میں نہیں آتا تو پچیس روپیہ سے بھی کم قیمت دینا چاہتا تھا تو اس سے یوں کہا جاتا کہ تم ایک پائی نہ دو بلکہ مفت لے لو۔ کیوں کہ ہم غریبوں میں مفت بانٹتے ہیں ظاہر ہے کوئی ایسا بے حیا نہیں جو غریب بن کر مفت مانگتا یا اس سے کم قیمت پر کتاب مانگنے کی جرات کرتا ناچار یہ لوگ بڑی بڑی قیمتیں بھیجتے رہے۔ حتیٰ کہ بعض حضرات نے صاف گوئی کا حق ادا کر دیا کہ جس کتاب کی اتنی زیادہ تشہیر کی گئی وہ سرے سے غیر ضروری ہے۔ ایسے لوگوں کی مرزا صاحب نے خوب خبر لی اور ان کو منافق قرار دیا۔ مرزا صاحب نے چار ہزار آٹھ سو صفحات پر مشتمل کتاب لکھنے کا وعدہ کیا مگر صرف 582 صفحات پر مشتمل شائع کی تو مرزا صاحب نے اعلان کیا کہ آئندہ کے لیے خود رب العالمین اس کتاب کا متولی و مہتمم ہے اسکی وجہ یہ تھی کہ چونکہ بے شمار روپیہ اس مد میں موصول ہو چکا تھا مزید کی امید نہ تھی۔ اس لیے مرزا صاحب نے براہین احمدیہ کی بجائے دیگر کتب لکھنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ مرزا صاحب نے براہین احمدیہ میں بے شمار الہامات کا ذکر کیا جو آئندہ دعوؤں کے لیے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتے تھے۔ کچھ علماء نے اس کتاب کو حسن ظن سے دیکھا مگر اکثر علماء نے فراست ایمان سے اس حقیقت کو جان لیا کہ یہ شخص کسی نہ کسی دن نبوت کا دعویٰ کرے گا۔

مرزا صاحب کے مسیحیت و مہدویت کے محرکات

مرزا صاحب نے مذہبی مصلح اور مجدد کے دعوؤں کے بعد 1891 میں مہدویت و مسیحیت کا دعویٰ کر دیا۔ انہوں نے مہدی کے اسلامی عقیدے کے بر عکس خود کو ایک امن پسند اور مصلح جو جنگ و خونریزی کو مٹانے آیا ہے لیکن اس خونریز جنگ اور ظلم کو نہیں جو

انگریز اور دیگر سامراجی طاقتوں کی طرف سے ایشیاء افریقہ اور مشرق وسطی میں جاری تھا۔ اور جس کا بڑا نشانہ ترکی حکومت تھی بلکہ اس کا مقصد آزادی پسندوں کی مدافعانہ کوششوں کا خاتمہ کرنا اور مسلمانوں کی سامراجیوں کے خلاف جدوجہد کی روک تھام کرنا تھا۔ تاکہ ان کی آزادی کے تحفظ کے لیے کوششیں سرد پڑ جائیں۔

مرزا صاحب کی متعدد تحریرات میں سے ایک سطر بھی ایسی نہیں جس میں انگریز کی جارحیت اور آزاد ریاستوں کو محکوم بنانے کی مذموم پالیسی کی مذمت ہو بلکہ انہوں نے خدا کی وحی کی رو سے آزادی پسند مسلمانوں کو لعن طعن کی ہے کہ وہ انگریز کی حاکمیت کے خلاف ہیں اور جنگ وجدل اور جہاد کے باطل نظریئے پر عمل پیرا نہیں۔ مشرق وسطی اور مصر میں انگریزوں کے خلاف تحریک آزادی جاری تھی مصر پر انگریز کا پوری طرح سے تسلط جمنے نہ پایا تھا کہ 1882ء میں سوڈان میں محمد احمد نے تحریک جہاد کا اعلان کر دیا آپ ہی کو ''مہدی سوڈانی'' کہا جاتا ہے 1883ء میں آپ کے درویشوں نے ''البعید'' کی لڑائی میں برطانوی افواج کو عبرتناک شکست دی 1883 میں انہوں نے برطانیہ کے مایہ ناز جرنیل گورڈن کو قتل کر کے خرطوم پر قبضہ کر لیا۔ اس عظیم فتح کے ایک روز بعد 21 جون 1885 کو ''مہدی سوڈانی'' وفات پا گئے لیکن ان کے بیٹے عبداللہ نے خلافت کے قیام کا اعلان کر کے ایک ماہ کے اندر اندر پورے سوڈان پر حکومت قائم کر لی۔ ۵۰ؐ

تحریک مہدویت کے افریقہ اور مشرقی وسطی کی سیاست پر دور رس اثرات پڑے سوڈان میں اسلامی حکومت کا قیام سامراج کی سیاسی مفادات کے لئے تباہ کن تھا اور وقت کے ساتھ ساتھ یہ خطرہ بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ انگریز نے اس حکومت کے خاتمے کے لیے سیاسی حکمت عملی کے طور پر ہندوستان کے لیے ''مدعی مہدویت'' جو ان کا سیاسی پٹھو تھا۔ مہدی سوڈانی کی تحریک کے خلاف استعمال کرنے کی سازش کی اس طرح ایک ''آزادی پسند'' مہدی اور ان کے خلیفہ کے خلاف قادیان کے ''سامراجی مہدی نے مذہبی محاذ کھڑا کر دیا تاکہ فکر و نظر کے انتشار کو ہوا دی جاسکے۔ ہم مہدی سوڈانی اور ان کے صاحبزادے عبداللہ کے سیاسی کردار کا مرزا قادیانی صاحب کے دعوؤں سے تقابل کریں تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے اپنی بے سروسامانی اور بے بضاعتی کے باوجود انگریز کو للکارا اور انہیں پے در پے شکستیں دیں اور مسلمانوں کو محکومی سے نجات دلائی اور انہیں ایک مرکز پر جمع کیا اس کے برعکس مرزا صاحب نے اسلام دشمن طاقتوں کے جابرانہ تسلط کے لیے ''خدا کی وحی کی تائید'' مہیا کی جہاد کی مکمل تنسیخ کا راگ الاپا۔ اغیار کی غلامی کو رحمت اور خدا کا عظیم فضل بتایا اور وحدت اسلامی کو پاش پاش کرنے کی سازش کی۔

انہوں نے سوڈان میں قائم ہونے والی حکومت کے مقابلے میں انگریزی حکومت کی بڑھ چڑھ کر تعریف کی اور غیر ملکی تسلط کے خلاف نبرد آزما ہونے والی مہدی کو خونی قاتل اور ڈاکو قرار دیا۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ سوڈان کے شیخ محمد احمد نے خود کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ سید جمال الدین افغانی کا اصرار تھا کہ آپ مہدی ہونے کے دعویٰ کی تردید نہ کریں۔ کیوں اس طرح مسلمانوں کو ایک ولولہ نو عطا ہوگا۔ اور جہاد کی تحریک کو تقویت ملے گی شیخ موصوف سے ان کے ایک دوست نے ایک نجی محفل میں سوال کیا کہ کیا واقعی آپ ''مہدی معہود'' ہیں یا لوگوں میں اس نام سے مشہور ہو گئے ہیں تو آپ نے فرمایا فرنگیوں کو سوڈان سے نکالنے کے لئے مجھے شیطان بھی بننا پڑے تو میں تیار ہوں۔

مہدی کا دعویٰ کرکے مرزا صاحب نے مصر میں لٹریچر کی تقسیم میں اضافہ کر دیا۔ تاکہ سوڈان میں سامراجی مفادات کا تحفظ ہو سکے ان کی کتاب ''حقیقت المہدی'' ان کے پست خیالات کی آئینہ دار ہے اس کے لیئے انہوں نے اپنی متعدد تحریرات میں ان ملت فروشانہ کارناموں کا ذکر کیا ہے فرماتے ہیں میں نے جو رسالہ ''اعجاز المسیح'' پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے مقابل پر لکھا اسے مناسب سمجھا کہ: ''بلد عرب یعنی حرمین اور شام مصر وغیرہ میں بھی بھیجوں تاکہ اس کتاب کے ص 152 میں جہاد کی مخالفت میں ایک مضمون لکھا گیا ہے اور میں نے بائیس برس سے اپنے ذمہ یہ فرض رکھا ہے کہ ایسی کتابیں جن میں جہاد کی مخالفت ہو اسلامی ممالک میں ضرور بھیج دیا کرتا ہوں اسی وجہ سے میری عربی کتابیں عرب کے ملک میں بھی بہت شہرت پا گئی ہیں جو لوگ درندہ طبع ہیں۔ اور جہاد کے بارے میں میری تحریریں پڑھتے ہیں وہ فی الفور چڑ جاتے ہیں۔ اور میرے دشمن ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مجھے معلوم ہے کہ اس مسئلہ جہاد کی غلط فہمی میں ہر ایک ملک میں کسی قدر گروہ مسلمانوں کا ضرور مبتلا ہے جو شخص سچے دل سے جہاد کا مخالف ہو اس کو یہ علماء کفار سمجھتے ہیں۔ بلکہ واجب القتل بھی۔ لیکن چونکہ اسلام کی تعلیم میں نہ بات داخل ہے کہ جو شخص انسان کا شکرادا نہیں کرتا وہ خدا کا شکر بھی ادا نہیں کرتا اس لئے ہم لوگ اگر ایمان اور تقویٰ کو نہ چھوڑیں تو ہمارا یہ فرض ہے کہ اپنے قول و فعل سے ہر طرح اس گورنمنٹ برطانیہ کی نصرت کریں۔ ۴۷

مرزا صاحب کے دعاوی کے محرکات

مرزا صاحب کو براہین احمدیہ اور سرمہ چشم آریہ ان دو کتابوں کے لکھنے کے بعد اپنی شخصیت کا ایک نیا انکشاف ہوا ان کو اپنی تحریری اور مناظرانہ صلاحیتوں کا علم ہوا اور ان کو اندازہ ہوا کہ ان میں اپنے ماحول کو متاثر کرنے اور ایک نئی تحریک کو چلانے کی اچھی استعداد ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس انکشاف نے ان کے ذہن میں ایک نئی تبدیلی پیدا کی اب ان کا رخ عیسائیوں اور آریہ سماجوں سے مناظرہ کرنے کی بجائے خود مسلمانوں کو دعوت مناظرہ و مقابلہ دینے کی طرف ہو گیا۔

مرزا صاحب نے براہیں احمدیہ کی اشاعت کے فوراً بعد بڑی جلدی سے متعدد دعویٰ کرنے شروع کر دیئے۔ اگرچہ ان دعوئوں کی تعداد کا اندازہ لگانا بہت مشکل کام تھا تاہم بعض لوگوں نے بڑی محنت سے یہ کام بھی کر ڈالا مولانا رفیق دلاوری نے اپنی کتاب ''ائمہ تلبیس'' میں ان کے دعوئوں کی تعداد چھیاسی بتائی ہے۔ ۴۸

اگرچہ مرزا صاحب کے پاس ابتدا سے ہی کچھ لوگ آتے رہتے تھے اور بیعت کرنے پر اصرار کرتے تھے لیکن مرزا صاحب نے انہیں یہ کہہ کر روک رکھا تھا کہ ابھی امر الٰہی نہیں ہوا اس لئے آپ ذرا صبر سے کام لیں چنانچہ اس طرح آپ نے ایک چالاک ماہر نفسیات کی طرح لوگوں کی روحانی حس کو مزید بھڑکانے کی کوشش کی 1884ء میں جب براہیں احمدیہ کی چار جلدیں شائع ہو کر منظر عام پر آ گئیں تو اہل علم حضرات میں مرزا صاحب کے بارے میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں موافقت اور مخالفت کا ملا جلا تاثر پیدا ہو رہا تھا یہ موقع انتہائی مناسب تھا کہ دستار فضیلت میں سرخاب کا ایک اور پر لگایا جائے چنانچہ آپ نے مجدد ہونے کا دعویٰ کر دیا مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مجددیت کی تحریک دو ایسے افراد کی جانب سے ہوئی جو مرزا صاحب کے بہت ہی قریبی دوست تھے ان میں ایک صاحب امرتسر میں مطب کرتے تھے اور مرزا صاحب کے ساتھ ایک عرصے سے ان کے دوستانہ تعلقات تھے ان کا نام حکیم محمد شریف کلانوری تھا۔

حکیم محمد شریف کلانوری

حکیم محمد شریف کلانوری سے مرزا صاحب کے تعلقات کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ مرزا صاحب جب بھی امر تسر جاتے حکیم محمد شریف کلانوری کے ہاں قیام کرتے۔ ۴۹

حکیم صاحب نے مرزا صاحب کو مشورہ دیا کہ آپ مجدد ہونے کا اعلان کر دیں۔ ۵۰

آپ سے بڑھ کر اس منصب کا اہل کون ہو سکتا ہے اور اس زمانے کے لیے کسی مجدد کی ضرورت ہے۔

حکیم نور الدین بھیروی

ان سے مرزا صاحب کے ایک مدت سے تعلقات تھے خود مرزا صاحب بھی ان کی عقیدت و احترام سے شدید متاثر تھے حکیم صاحب بسلسلہ ملازمت جموں میں مقیم تھے اس زمانے میں مرزا صاحب سیالکوٹ میں حاکم ضلع کے پاس ملازم تھے دونوں میں خاص ذہنی مناسبت اور ذوقی اتحاد تھا۔ دونوں مناظرہ بازی کے شائق تھے۔ دونوں ایک دوسرے کی شخصیت سے بے حد متاثر تھے۔ 1885 سے خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہوا مرزا کے مکتوبات میں پہلا خط حکیم صاحب کے نام 8 مارچ 1885 کا ملتا ہے۔ یہ خط کتابت برابر جاری رہتی دونوں خانگی اور ازدواجگی امور تک میں ایک دوسرے سے مشورہ کرتے ہیں بہر حال دونوں ایک دوسرے کے ہم دم ہمراز بن گئے۔ ۵۱

1888ء کی جنوری میں مرزا صاحب کشمیر کا سفر اختیار کرتے ہیں مہینہ حکیم کے پاس قیام کرتے ہیں۔ مرزا صاحب برابر حکیم صاحب کو الہامات، مبشرات اور نادر علوم و تحقیقات سے مطلع کرتے رہتے تھے۔ اس قیام کے دوران حکیم صاحب نے مرزا صاحب کو مجددیت کے اعلان کے بارے میں مشورہ دیا ہوگا۔

1889ء میں مرزا صاحب لدھیانہ گئے تو قیام لدھیانہ کے دوران ہی اپنے مجدد ہونے کا اعلان کر دیا۔ اور یہ اعلان بھی انتہائی منظّم طریقے سے کیا گیا۔ بیرونی دنیا سے مختلف غیر مسلم معروف شخصیتوں کے پتے منگوائے یورپ۔ امریکہ افریقہ کے تمام تاجدار اور ان کے وزراء اور اعمال حکومت دنیا کے مدبروں، مصنفوں ہندوستان کے تمام راجے اور نوابوں کے نام اس فہرست میں شامل تھے جنھیں مرزا صاحب نے اردو اور انگریزی میں شائع شدہ دعوت ناموں کے ذریعے اپنے مجدد ہونے کی اطلاع دے کر انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی 20 ہزار دعوت ناموں کا اہتمام کیا گیا اس کے ساتھ ہی مرزا صاحب نے بیعت لینے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور کئی سادہ لوح مسلمان ان سے بیعت ہوئے۔

بشیر احمد صاحب ایم اے لکھتے ہیں:

دنیا کا کوئی ایسا مشہور معروف آدمی ایسا نہ تھا جو کسی قسم کی کوئی دینی دنیاوی اہمیت رکھتا ہو اور اسے اشتہار نہ بھجوایا گیا ہو۔ ۵۲

حوالہ جات

۱۔ تحریک ختم نبوت شورش کاشمیری ص 12 مطبوعات چٹان۔ میکلورڈ لاہور مئی 1948

۲۔ مرزائیت سیاسی تحریک مذہبی بہروپ ابو مدثرہ ص 9-13

۳۔ تاریخ برطانوی ہند ص 302 مطبوعہ 1935، قادیانی فتنہ اور ملت اسلامیہ کا موقف، ص 149 مکتبہ امدادیہ ملتان

۴۔ قادیان سے اسرائیل تک۔ ص 24

۵ تحریک ختم نبوت ص 23 از شورش کشمیری

۶۔ اشتہار واجب الاظہار منسلک "کتاب البریہ" ص 3 مرزا غلام احمد قادیانی

۷۔ اشتہار واجب الاظہار مورخہ 30 ستمبر 1897 صفحہ 3 تا 6 ملخص تاب البریہ

۸۔ ستارہ قیصریہ ص 373 مرزا غلام احمد قادیانی

۹۔ تریاق القلوب مصنفہ۔ مرزا غلام احمد۔ ص 15

۱۰۔ تاریخ محاسبہ قادیانیت ص 22 خالد شبیر

۱۱۔ تاریخ احمدیت ج اول ص 87، مولفہ دوست محمد شاہد قادیانی

۱۲۔ اشتہار۔ مرزا غلام احمد مندرجہ تبلیغ رسالت ج 3 ص 34 قادیان 1922

۱۳۔ تبلیغ رسالت۔ مولفہ میر قاسم علی قادیان ج۶، ص 162

۱۴۔ تقریر میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان۔ مندرجہ اخبار ''الفضل، 5 اگست 1971

۱۵۔ ضرورۃ الامام۔ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب ص 22

۱۶۔ تحفہ قیصریہ۔، مرزا غلام احمد قادیانی صاحب ص 27

۱۷۔ تبلیغ رسالت ج 5، ص 4

۱۸۔ اشتہار چندہ ''منارۃ المسیح'' ص۔ت۔ٹ۔ خطبہ الہامیہ

۱۹۔ تبلیغ رسالت ج 4۔ ص۔ 65

۲۰۔ گورنمنٹ انگریزی اور جہاد۔ ضمیمہ ص 7

۲۱۔ ضمیمہ تحفہ گولڑویہ مرزا غلام احمد ص 39

۲۲۔ شہادت القرآن مرزا غلام احمد ص 84

۲۳۔ حیات طیبہ ص 31-30، مصنفہ عبد القادر

۲۴۔ تحریک ختم نبوت شورس کاشمیری، ص 23

۲۵۔ آئمہ تلبیس مصنفہ رفیق دلاوری ج 2۔ ص 452۔ بحوالہ از خالد بشیر صاحب تاریخ محاسبہ قادیانیت۔ ص۔ 29-35

۲۶۔ رسالہ ریویو قادیان 10 اگست 1926

۲۷۔ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کا بیان عدالت مندرجہ اخبار الحکم قادیانی ج 5 نمبر 29 مورخہ 10 اگست 1901

۲۸۔ سیرۃ المھدی مصنف صاحبزادہ بشیر احمد صاحب قادیانی ج 1۔ ص 135

۲۹۔ رسالہ ریویو قادیان 11 اگست 1946

۳۰۔ شرح الاسباب والعلامات امراض راس مالیبخولیا, برہان الدین نفیس۔ ج 1 ص 74

۳۱۔ اکسیر اعظم محمد اعظم خان ج ا۔ ص189

۳۲۔ اکسیر اعظم حکیم محمد اعظم خان ج ا۔ ص88

۳۳۔ سیرۃ المھدی۔ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب قادیانی۔ ج ۲، ص218

۳۴۔ الفضل 30 اپریل 1922 ج ا، ص84

۳۵۔ حدود الامراض۔ شیخ الرئیس ص51 مطبوعہ مجتبائی

۳۶۔ بیاض حکیم نور الدین خلیفہ اول قادیانی ج1 ص 115 مطبع وزیر ہند

۳۷۔ رسالہ تشہید الاذہان جون 1906 ج ۲۔ ڈائری مرزا۔ اخبار بدر ج ۲۔ نمبر 23۔ مورخہ 7 جون 1906، ص5،
روحانی خزائن ص373، ج21

۳۸۔ اخبار الحکم۔ منظور الٰہی مرزائی ص348۔ 31 اکتوبر 1901

۳۹۔ احمدیہ پاکٹ بک ص490

۴۰۔ روحانی خزائن ج۔13، ص274

۴۱۔ ریویو آف ریلیجنز اگست 1926 ص2

۴۲۔ سیرہ المھدی، مصنفہ بشیر احمد مرزا ج ا۔ ص13

۴۳ حقیقت النبوۃ ص26-25، 73-61 حصہ اول 1915 مطبع ضیاء اسلام قادیان

۴۴۔ منظور الٰہی۔ الحکم ج5، ص29

۴۵۔ رسالہ ریویو آف ریلجنز ج25، 8 اگست 1926، ص11

۴۶۔ مجموعہ اشتہارات جلد اول ص ا۔ ۲، ۲ مارچ 1878

۴۷۔ تبلیغ رسالت۔ میر قاسم علی قادیان ج10۔ ص26۔

۴۸۔ آئینہ تلبیس۔ دلاوری۔ مولانا محمد رفیق۔ ج2۔ ص455-454

۴۹۔ مکتوبات احمدیہ۔ قادیانی۔ مرزا غلام احمد۔ ج5 نمبر3۔ ص67

۵۰۔ رئیس قادیان۔ دلاوری۔ مولنا محمد رفیق۔ ص80

۵۱۔ مکتوبات احمدیہ۔ مرزا غلام احمد قادیانی۔ ج5۔ خطوط بنام حکیم صاحب

۵۲۔ سیرۃ المھدی۔ صاحبزادہ۔ بشیر احمد ج ۲، ص14

مبحث دوم: مرزا غلام احمد قادیانی کا تعارف اور مختلف دعاوی

مرزا غلام احمد قادیانی کا تعارف

مرزا غلام احمد قادیانی کسی گمنام خاندان کے فرزند نہیں بلکہ ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جس کا تذکرہ سر یبل گریفن نے اپنی کتاب ''تاریخ رئیسان پنجاب'' میں تفصیلاً کیا ہے یہ کتاب اس لئے تالیف کی گئی ہے کہ ان خاندانوں کو مستقبل میں نوازا جائے

جنہوں نے 1857ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کا ساتھ دیا۔ اس کتاب کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاندان سکھوں کے دور اقتدار میں بھی سکھوں کے ساتھ مل کر پنجاب کے مختلف علاقوں میں مسلمان حریت پسندوں کے خلاف شمشیر زنی کے جوہر دکھاتا رہا جب انگریز پنجاب میں آئے اور سکھ دور حکومت زوال پذیر ہوا تو پھر مرزا کے اسلاف انگریزوں کے ساتھ مل کر ان حریت پسندوں کے خلاف بھی نبرد آزما ہوئے جو انگریزوں کو ہندوستان پر قبضہ جمانے کی راہ میں رکاوٹ بنے رہے۔

مرزا عطا محمد اور ان کے والد مرزا گل محمد (مرزا غلام احمد کے دادا اور پڑدادا) میں سکھوں کے دو گروہوں کے درمیان لڑائی میں ایک گروہ کے ساتھ مل کر دوسرے گروہ کے ساتھ لڑتے رہے لیکن مرزا عطا محمد اور گل محمد کی حلیف سکھ جماعت ''ایلو والیا'' کو شکست ہوئی اور یہ گروہ اپنی جاگیریں کھو بیٹھا تو سکھ سردار فتح سنگھ ''ایلو والیا'' کے ہمراہ مرزا صاحب کے آباؤ اجداد کو بھی نقل مکانی کر کے قادیان کی بجائے بیگوال کے علاقے میں جانا پڑا بیگووال عرصے کا قیام تقریباً بارہ سال بنتا ہے بعد میں جب راجہ رنجیت سنگھ نے کال گڑھ فتح کر لیا تو ''ایلو والیا'' کے خاندان کے ساتھ صلح کر لی جس کے نتیجے میں مرزا عطا محمد اور اس کے خاندان کی جلاوطنی کا دور ختم ہو گیا۔ اور یہ لوگ بیگو وال سے واپس قادیان چلے آئے مرزا عطا محمد کے بعد اس کا بیٹا مرتضٰی راجہ رنجیت سنگھ کی فوج میں بھرتی ہو گیا چنانچہ جب راجہ رنجیت سنگھ کی فوجوں نے فتح سنگھ ''ایلو والیا'' کی مدد سے ڈسکہ فتح کر کے قصور پر چڑھائی اور خان افتخار الحسین خان والی محدوٹ کے مورث اعلیٰ نظام الدین خان کو شکست دی تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے مرزا غلام مرتضٰی کی فوجی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے قادیان کی جاگیر کا ایک حصہ اسے واپس کر دیا اور یوں یہ خاندان ایک مرتبہ پھر حکمرانوں کی نظر میں وفادار بن کر بڑے آرام کی زندگی بسر کرنے لگا۔

مرزا غلام احمد والد مرزا غلام مرتضٰی نے رنجیت سنگھ کی فوج میں ملازم رہ کر مہاراجہ کی ہر فوجی مہم میں قابل قدر خدمات سر انجام دیں رنجیت سنگھ کے دور حکومت میں سید احمد شہید کے حریت پسندوں کا جہاد دراصل اسی سکھ حکومت کے خلاف تھا اس لیے کشمیر پشاور اور ہزارہ پر سکھوں نے جتنے حملے کیے تھے وہ مسلمانوں کے خلاف تھے ان حملوں میں مرزا صاحب کے والد غلام مرتضٰی نے اپنی فوجی زندگی کا بیشتر حصہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بیٹے شیر سنگھ کی ملازمت میں بسر کیا اور یہ وہی شیر سنگھ ہے جس کی قیادت میں بالا کوٹ کے مقام پر سید احمد شہید کے مجاہدوں کیساتھ سکھوں کی آخری جھڑپ ہوئی جس میں اسلام کی یہ عظیم الشان تحریک جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر اسلام کے نام پر قربان ہو گئی جب سکھ حکومت پر زوال آیا تو اس خاندان کی تمام تر وفاداریاں انگریز حکومت کی طرف منتقل ہو گئیں مغلیہ سلطنت کے دور زوال پر خاندان سکھوں کے ساتھ منتھی ہو گیا تھا اور جب سکھوں پر زوال آیا تو انگریزوں کی حمایت کرنے لگا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاندان موقع شناسی اور موقع پرستی کے جوہر سے مالا مال تھا چنانچہ اس بات کا مشاہدہ کیا گیا کہ جنگ آزادی میں بھی مرزا غلام احمد کے خاندان نے مسلمان حریت پسندوں کے خلاف اور انگریزوں کے حق میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے مرزا غلام مرتضٰی جو بوڑھے ہو چکے تھے اور فوجی خدمات قابل ذکر تھے پچاس گھوڑے بمع پچاس سوار انگریزوں کی خدمات میں پیش کیئے اور اپنے بیٹے غلام قادر کو باقاعدہ انگریزی فوج میں بھرتی کروایا جس نے 1857ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کی ایماء پر شرکت کر کے سیالکوٹ کے حریت پسندوں کو تہ تیغ کیا کیوں کہ وہ اس وقت 46 نیو انفنٹری میں ملازم تھا جو جنرل نکلسن کی قیادت میں اس مہم پر مامور تھی فوجی خدمات کے اعتراف میں جنرل نے مرزا غلام قادر کو ایک سند عطا کی ''ان کا خاندان قادیان ضلع گورداسپور کے تمام دوسرے خاندانوں سے زیادہ نمک حلال رہا''

مرزاغلام احمد لکھتے ہیں

میرے والد مرزاغلام مرتضیٰ اس نواح میں ایک مشہور رئیس تھے گورنر جنرل کے دربار میں بزمرہ کرسی نشین رئیسوں کے ہمیشہ لائے جاتے تھے 1857 میں انہوں نے سرکار انگریز کی خدمات میں پچاس گھوڑے بمع پچاس سواروں کے اپنی گرہ سے خرید کر دیئے تھے اور آئندہ گورنمنٹ کو اس قسم کی مدد کا عندالضرورت وعدہ کیا اور سرکار انگریز کے حکام وقت سے بجاآوری خدمات عمدہ عمدہ چھٹیاں خوشنودی مزاج ان کو ملی تھیں غرض وہ حکام کی نظر میں بہت ہر دل عزیز تھے بسا اوقات ان کی دل جوئی کے لیے حکام وقت ڈپٹی کمشنر ان کے مکان پر آکر ان سے ملاقات کرتے تھے۔[1]

میرے سوانح اس طرح پڑھیں کہ میرا نام غلام احمد، میرے والد کا نام غلام مرتضیٰ اور دادا کا نام عطا محمد اور میرے پردادا کا نام گل محمد تھا اور جیسا کہ بیان کیا گیا ہے ہماری قوم مغل برلاس ہے اور میرے بزرگوں کے پرانے کاغذات سے جواب تک محفوظ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک میں ثمرقند سے آئے تھے۔

سکھوں کے ابتدائی زمانے میں میرے پردادا صاحب مرزا گل محمد ایک نامور اور مشہور رئیس اس نواح کے تھے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب میرے پردادا صاحب فوت ہوئے تو بجائے ان کے میرے دادا صاحب یعنی مرزا عطا محمد فرزند رشید ان کی گدی نشین ہوئے ان کے وقت میں خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت سے لڑائی میں سکھ غالب آئے اس وقت ہمارے بزرگوں پر بڑی تباہی آئی اور پنجاب کی ایک ریاست میں پناہ گزیں ہوئے تھوڑے عرصہ کے بعد ان ہی دشمنوں کے منصوبے سے میرے دادا صاحب کو زہر دی گئی پھر رنجیت سنگھ کی سلطنت کے آخری زمانے میں میرے والد صاحب مرحوم مرزاغلام مرتضیٰ قادیان میں واپس آئے اور مرزا صاحب موصوف کو اپنے والد صاحب کے دیہات میں سے پانچ گاؤں واپس ملے پھر بھی بلحاظ پرانے خاندان کے میرے والد صاحب مرزاغلام مرتضیٰ اس نواح میں ایک مشہور رئیس تھے۔

میری پیدائش 1839 یا 1840 میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی اور میں 1857 میں سولہ برس کا یا سترھویں برس میں تھا اور ابھی ریش و بردوت کا آغاز نہیں تھا۔ میری پیدائش سے پہلے میرے والد صاحب نے بڑے بڑے مصائب دیکھے لیکن میری پیدائش کے دنوں میں ان کی تنگی کا زمانہ فراخی کی طرف گیا تھا۔

بچپن کے زمانہ میں میری تعلیم اس طرح پر ہوئی کہ جب میں چھ سات سال کا تھا تو ایک فارسی خواں معلم میرے لیے نوکر رکھا گیا جنھوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں اور اس بزرگ کا نام فضل الٰہی اور جب میری عمر تقریباً دس برس کی ہوئی تو ایک عربی خواں مولوی صاحب میری تربیت کے لیے مقرر کیے گئے جن کا نام فضل احمد تھا میں خیال کرتا ہوں کہ چونکہ میری تعلیم خدائے تعالیٰ کے فضل کی ایک ابتدائی تخم ریزی تھی، اس لیے ان استادوں کے نام کا پہلا لفظ بھی فضل ہی تھا۔ مولوی صاحب موصوف جو ایک دیندار اور بزرگوار تھے وہ بہت توجہ اور محنت سے پڑھاتے رہے میں صرف کی بعض کتابیں اور کچھ قواعد نحو کے ان سے پڑھے اور بعد اس کے جب میں سترہ یا اٹھارہ سال کا ہوا تو ایک اور مولوی صاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا ان کا نام گل علی شاہ تھا۔ ان کو بھی میرے والد نے نوکر رکھ کر قادیان میں پڑھانے کے لیے مقرر کیا تھا۔ اور ان کو آخری مولوی صاحب سے میں نے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ

علوم مروجہ کو جہاں تک خدا تعالیٰ نے چاہا حاصل کیا۔ اور بعض طبابت کی کتابیں میں نے اپنے والد صاحب سے پڑھیں وہ فن طبابت میں بڑے حاذق طبیب تھے اور ان دنوں میں مجھے کتابوں کے دیکھنے کی طرف اس قدر توجہ تھی کہ گویا میں دنیا میں نہ تھا۔

میرے والد صاحب نے مجھے بار بار یہی ہدایت کرتے تھے کہ کتابوں کا مطالعہ کم کرنا چاہیے کیوں کہ وہ نہایت ہمدردی سے ڈرتے تھے کہ صحت میں فرق نہ آوے اور نیز ان کا یہ بھی مطلب تھا۔ کہ میں اس شغل سے الگ ہو کر ان کے غموم و ہموم میں شریک ہو جاؤں۔ آخر ایسا ہی ہو میرے والد صاحب اپنے بعض آباؤ اجداد کے دیہات کو دوبارہ لینے کے لیے انگریزی عدالتوں میں مقدمات کر رہے تھے انہوں نے ان ہی مقدمات میں مجھے بھی لگایا اور ایک زمانہ دراز تک میں ان کاموں میں مشغول رہا۔ مجھے افسوس ہے کہ بہت سا وقت عزیز میرا ان بے ہودہ جھگڑوں میں ضائع ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی والد صاحب موصوف نے زمینداری امور کی نگرانی میں مجھے لگا دیا۔ میں اس طبیعت اور فطرت کا آدمی نہ تھا اس لیے اکثر والد صاحب کی ناراضگی کا نشانہ بنتا رہا۔

ایسا ہی ان کے زیر سایہ ہونے کے ایام میں چند سال تک میری کراہت طبع کے ساتھ انگریزی ملازمت میں بسر ہوئی (یعنی سیالکوٹ کی کچہری میں پندرہ روپے ماہوار کے محرر تھے) آخر چونکہ میرا جدا رہنا میرے والد پر بہت گراں تھا اس لیے ان کے حکم سے جو عین میری منشا کے موافق تھا میں نے استعفیٰ دے کر اپنے تئیں اس نوکری سے جو میری طبیعت کے مخالف تھی سبکدوش کر دیا اور پھر میں والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا تو بدستور ان ہی زمینداری کے کاموں میں مصروف ہو گیا مگر اکثر وقت قرآن شریف کے تدبر اور تفسیروں اور حدیثوں کے دیکھنے میں صرف ہوا۔

جب میری عمر 34 یا 35 سال کی ہو گئی جب والد صاحب کا انتقال ہو گیا مجھے ایک خواب میں بتلایا گیا تھا کہ ان کے انتقال کا وقت قریب ہے میں اس وقت لاہور میں تھا جب مجھے خواب آیا تھا تب میں جلدی قادیان پہنچا اور ان کو پیچش کے مرض میں مبتلا پایا۔ اور میرے والد صاحب اسی دن بعد غروب آفتاب فوت ہو گئے غرض میری زندگی قریب قریب چالیس برس کے زیر سایہ والد بزرگوار کے گزری ایک طرف ان کا دنیا سے اٹھایا جانا تھا اور ایک طرف بڑے زور شور سے سلسلہ مکالمات الٰہیہ کا مجھ سے شروع ہوا۔ ۲

مرزا صاحب کتاب اربعین میں تحریر فرماتے ہیں

یاد رہے کہ اس خاکسار کا خاندان بظاہر مغلیہ خاندان ہے کوئی تذکرہ ہمارے خاندان کی تاریخ میں یہ نہیں لکھا گیا کہ وہ بنی فارس کا خاندان تھا ہاں بعض کاغذات میں یہ لکھا گیا ہے کہ ہماری دادیاں شریف اور مشہور سادات میں سے تھیں اب خدا کے کلام سے معلوم ہوا کہ دراصل ہمارا خاندان فارسی خاندان تھا۔ سو اس پر ہم پورے یقین سے ایمان لاتے ہیں کیوں کہ خاندان کی حقیقت جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کسی دوسرے کو ہر گز معلوم نہیں اس کا علم صحیح اور یقین ہے اور دوسرے کا علم شکی اور ظنی ہے۔ ۳

خاندانی زوال

میرے والد غلام مرتضیٰ صاحب دربار گورنری میں کرسی نشین بھی تھے اور سرکار انگریزی کے ایسے خیر خواہ اور دل کے بہادر تھے کہ جنگ آزادی 1857ء میں پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کر اور پچاس جوان جنگ جو پہنچا کر اپنی حیثیت سے زیادہ اس گورنمنٹ عالیہ کو مدد دی تھی۔

غرض ہماری ریاست کے ایام دن بدن زوال پذیر ہوتے گئے یہاں تک کہ آخری نوبت ہماری یہ تھی کہ ایک کم درجہ کے زمیندار کی طرح ہمارے خاندان کی حیثیت ہو گئی۔ ۴

اسکے بعد انگریز آئے تو انہوں نے ہماری خاندانی جاگیر ضبط کر لی اور صرف سات سو روپیہ سالانہ کی ایک اعزازی پنشن نقدی کی صورت میں مقرر کر دی جو ہمارے دادا صاحب کی وفات پر صرف ایک سواسی رہ گئی اور پھر تایا صاحب کے بعد بالکل بند ہو گئی۔ ۵

ایک دفعہ مسٹر میکانکی ڈپٹی کمشنر گورداسپور قادیان دورہ پر آئے راستے میں انہوں نے دادا صاحب (غلام مرتضیٰ) سے کہا کہ آپ کے خیال میں سکھ حکومت اچھی تھی یا انگریزی حکومت اچھی ہے دادا صاحب نے کہا میں گاؤں چل کر جواب دوں گا۔ جب قادیان پہنچے تو دادا صاحب نے اپنے اور بھائیوں کے مکانات دکھا کر کہا کہ یہ سکھوں کے وقت کے بنے ہوئے ہیں مجھے امید نہیں کہ آپ کے وقت میں میرے بیٹے ان کی مرمت بھی کر سکیں۔ ۶

انگریزی دانی

اسی زمانہ میں یعنی جب کہ مرزا صاحب سیالکوٹ کی کچہری میں ملازم تھے مولوی الٰہی بخش صاحب چیف محرر مدرس تھے کچہری کے ملازم منشیوں کے لیے ایک مدرسہ قائم ہوا کہ رات کو کچہری کے ملازم منشی انگریزی پڑھا کریں گے ڈاکٹر امیر شاہ صاحب جو اس وقت اسسٹنٹ سرجن ہیں استاد مقرر ہوئے مرزا صاحب نے بھی انگریزی شروع کی اور ایک دو کتابیں پڑھیں۔ ۷

مرزا صاحب با قاعدہ طور پر کسی درس گاہ کے فارغ التحصیل نہیں تھے بلکہ انہوں نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی تھی چنانچہ آپ اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں۔

''حالت فاسدہ زمانہ کی ہی یہی چاہتی تھی کہ ایسے گندے زمانہ میں جو امام الزماں آوے وہ خدا سے مہدی ہو اور دینی امور میں کسی کا شاگرد نہ ہو اور نہ ہی کسی کا مرید ہو اور عام علوم و معارف خدا سے پانے والا ہو نہ علم دین میں کسی کا شاگرد ہو اور نہ امور فقر میں کسی کا مرید۔ ۸

مزید لکھتے ہیں

اس لیے ضرور ہے کہ ظاہر ہونے والا آدم کی طرح ظاہر ہو جس کا استاد اور مرشد صرف خدا ہو اور اس کو دوسرے لفظوں میں مہدی کہتے ہیں یعنی خاص خدا سے ہدایت پانے والا اور تمام روحانی امور اس سے حاصل کرنے والا۔ مہدی کے لیے ضروری ہے کہ وہ آدم وقت ہو اور اس وقت میں دنیا بکلی بگڑ گئی ہو اور نوع انسان میں سے اس کا دین کے علوم میں کوئی استاد اور کوئی مرشد نہ ہو بلکہ اس لیاقت کا کوئی آدمی موجود ہی نہ ہو مہدی کے مفہوم میں یہ معنی ماخوذ ہیں کہ وہ کسی انسان کا علم دین میں شاگرد یا مرید نہ ہو۔ ۹

آگے چل کر لکھتے ہیں

آنے والے کا نام جو مہدی رکھا گیا ہے سواس میں اشارہ یہ ہے کہ آنے والا علم دین خدا سے ہی حاصل کرے گا اور قرآن و حدیث میں کسی استاد کا شاگرد نہیں ہوگا سو میں حلفاً کہتا ہوں کہ میرا حال یہی ہے کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ میں نے کسی انسان سے قرآن یا حدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی پڑھا ہے۔ ۱۰؎

مرزا صاحب نے حلفاً یہ بات کی ہے کہ میں نے قرآن حدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی استاد سے نہیں پڑھا جبکہ بعد میں خود انہی کی تحریروں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ایک سے زیادہ اساتذہ سے اکتساب علم کیا چنانچہ فرماتے ہیں بچپن کے زمانہ میں میری تعلیم اس طرح پر ہوئی کہ جب میں چھ سات سال کا تھا تو ایک فارسی خواں معلم میرے لیے نوکر رکھا گیا جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں اور اس بزرگ کا نام فضل الٰہی تھا اور جب میری عمر تقریباً دس برس کی ہوئی تو ایک عربی خواں مولوی صاحب میری تربیت کے لیے مقرر کیئے گئے جن کا نام فضل احمد تھا۔ مولوی صاحب جو ایک دیندار اور بزرگوار آدمی تھے وہ بہت توجہ اور محنت سے پڑھاتے رہے اور میں نے صرف کی بعض کتابیں اور کچھ قواعد نحو ان سے پڑھے اور بعد اس کے جب میں سترہ یا اٹھارہ سال کا ہوا تو ایک اور مولوی صاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا ان کا نام گل علی شاہ تھا۔ ان کو بھی میرے والد صاحب نے نوکر رکھ کر قادیان میں پڑھانے کے لیے مقرر کیا تھا اور ان آخر الذکر مولوی صاحب سے میں نے نحو، منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروجہ کو حاصل کیا اور بعض طبابت کی کتابیں میں نے اپنے والد صاحب سے پڑھیں۔ ۱۱؎

مناظرے کا اشتہار

مرزا صاحب نے براہین احمدیہ میں چیلنج کیا۔ کہ اس کتاب کی کوئی نظر پیش کرے اور کسی مذہب کے نمائندے اپنے دین کی صداقت کے لیے اسی تعداد میں یا اس سے کم تعداد میں دلائل پیش کریں۔ وہ براہین احمدیہ کے شروع میں لکھتے ہیں۔

میں جو مصنف اس کتاب کا ہوں یہ اشتہار اپنی طرف سے بہ وعدہ دس ہزار بمقابلہ جمیع ارباب مذہب اور ملت کے جو حقانیت قرآن مجید و نبوت حضرت محمد ﷺ سے منکر ہیں اتمام اللحجتہ شائع کرکے اقرار صحیح قانونی اور عمدہ جائز شرعی کرتا ہوں کہ اگر کوئی صاحب منکرین میں سے مشارکت اپنی کتاب فرقان مجید سے ان سب براھیں اور دلائل میں جو ہم نے دوبارہ حقیقت قرآن مجید اور صدق رسالت حضرت خاتم الانبیاء ﷺ اسی کتاب مقدس سے اخذ کرکے دکھادیں یا اگر تعداد میں ان کے برابر پیش نہ کر سکیں تو نصف ان سے یا ربع ان سے یا خمس ان سے نکال کر پیش کرے یا اگر بکلی پیش کرنے سے عاجز ہو تو ہمارے ہی دلائل کو نمبر وار توڑ دے تو ان سب صورتوں میں بشرطیکہ تین منصف مقبولہ فریقین بالاتفاق یہ رائے ظاہر کر دیں کہ ایفائے شرط جیسا کہ چاہیے تھا ظہور میں آگیا۔ میں مشتہر ایسے مجیب کو بلاعذر و حیلے اپنی جائیداد قیمتی دس ہزار روپیہ قبض و دخل دوں گا۔

براہین احمدیہ میں مرزا صاحب نے انگریز کی مکمل اطاعت اور ان سے وفاداری پر زور دیا۔ اور وہ لوگ جو ان کے خلاف باغیانہ خیالات رکھتے تھے اور ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر جہاد کی فرضیت کے قائل تھے انہیں نہایت سخت الفاظ میں خطاب کیا اور بڑے گھٹیا لہجے میں ان کی مذمت کی اور ساتھ ہی یہ اعلان کیا کہ جہاد کا زمانہ ختم ہو چکا ہے اس کتاب کی تالیف و تصنیف اور اشاعت کا سلسلہ 1880 سے 1883 تک جاری رہا چوتھے حصے پر یہ سلسلہ رک گیا۔ پانچواں حصہ جو کتاب کا آخری حصہ ہے آغاز تصنیف کے پورے پچیس سال 1905 میں شائع ہوا۔ ۱۲؎

مصنف نے حصہ پنجم میں اس کا اعتراف کیا ہے 23 برس تک اس کتاب کا چھپنا ملتوی رہا۔ ۱۳؎

اس دوران میں بہت سے لوگ جنہوں نے کتاب کے چار حصے خریدے تھے اور پوری قیمت داخل کر چکے تھے انتقال کر گئے بعض لوگوں نے جو پیشگی قیمت ادا کر چکے تھے اس پر ناراضگی اور ناگواری کا اظہار بھی کیا جس کے مصنف نے حصہ پنجم کے مقدمہ میں معذرت بھی کی ہے اس میں انہوں نے اس کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ پہلے اس کا خیال تھا کہ وہ اسلام کی صداقت پر تین سو دلیلیں پیش کریں گے لیکن اب انہوں نے اس خیال کو ترک کر دیا ہے اسی طرح سے پہلے پچاس حصوں میں شائع کرنے کا مقصد تھا لیکن اب پانچ حصوں پر اکتفا کریں گے اس لیے دونوں عددوں میں صرف ایک نقطہ کا فرق ہے۔

پہلے پچاس حصے لکھنے کا ارادہ تھا پچاس سے پانچ پر اکتفا کیا گیا اور چونکہ پچاس اور پانچ کے عدد میں صرف نقطے کا فرق ہے اس لیے پانچ حصوں سے وعدہ پورا کیا۔ ۱۴؎

براہین احمدیہ میں مرزا صاحب بڑی شدومد سے کسی جدید نبوت اور کسی جدید وحی کا انکار کرتے ہیں اس لئے کہ قرآن مجید اور اسکی تعلیمات کو کسی تحریف کا خطرہ نہیں ہے اور نہ مسلمانوں کے دور بت پرستی و مخلوق پرستی کی طرف واپسی جانے کا کوئی اندیشہ ہے بلکہ اس کے برعکس مشرکین کی طبیعتیں بباعث متواتر استماع تعلیم فرقانی اور دائمی صحبت اہل توحید کچھ کچھ توحید کی طرف مائل کرتی جاتی ہیں۔اور نبوت و وحی کا کام انہی دونوں خطرات کا سد باب کرنا اور انہیں دونوں خرابیوں کی اصلاح ہے اس لیے اب کسی جدید شریعت اور کسی نئے الہام کی ضرورت نہیں اور یہ ثابت ہو گیا ہے کہ رسول کریم خاتم الرسل ہیں وہ لکھتے ہیں کہ

اور جب کہ قران مجید کے اصول کا محرف و مبدل ہو جانا اور پھر ساتھ اس کے تمام خلقت پر تاریکی شرکت اور مخلوق پرستی کا بھی چھا جانا عندالعقل محال و ممتنع ہوا تو نئی شریعت و نئے الہام کے نازل ہونے میں بھی امتناع لازم آیا کیوں کہ جو امر مستلزم محال ہے وہ بھی محال ہوتا ہے پس ثابت ہوا کہ آپ ﷺ حقیقت میں خاتم الرسل ہیں۔ ۱۵؎

ہندوستان کے بہت علمی و دینی حلقوں میں اس کتاب کا پرجوش استقبال کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب بہت صحیح وقت پر شائع ہوئی تھی۔اس کتاب کی کامیابی اور اس کی تاثیر کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس میں دوسرے مذاہب کو چیلنج کیا گیا تھا اور کتاب جواب دہی کی بجائے جارحانہ انداز میں لکھی گئی تھی اس کتاب کے خاص تائید کرنے والوں میں مولانا محمد حسین بٹالوی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ۱۶؎

اس کے کچھ عرصہ کے بعد مولانا صاحب مرزا صاحب کے دعاوی اور الہامات سے کھٹک گئے اور بالاخر ان کے بڑے حریف اور مدمقابل بن گئے۔اس کے برعکس بعض علماء کو اس کتاب سے کھٹک پیدا ہوئی اور ان کو یہ نظر آنے لگا کہ یہ شخص مدعی نبوت ہے یا عنقریب دعویٰ کرنے والا ہے۔ان صاحب فراست لوگوں میں مولانا عبدالقادر صاحب لدھیانوی مرحوم کے دونوں صاحبزادے مولانا محمد صاحب اور مولانا عبدالعزیز صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ امر تسر کے اہل حدیث علماء غزنوی حضرات میں سے چند صاحبوں نے ان الہامات کی مخالفت کی اور اس کو مستبعد قرار دیا۔ ۱۷؎

خود مرزا صاحب براہین احمدیہ کی تصنیف سے اپنی حالت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں یہ وہ زمانہ تھا کہ جس میں مجھے کوئی نہیں پہچانتا تھا نہ کوئی موافق تھا اور نہ مخالف کیوں کہ میں اس زمانہ میں کچھ بھی چیز نہ تھا اور زاویہ گمنامی میں پوشیدہ تھا۔ ۱۸؎

ہندوؤں کا ردعمل

براہین احمدیہ کا لہجہ اس قدر سخت اور نا قابل اعتراض ہے کہ کوئی عیسائی یا ہندو اس کا مطالعہ کرنے کے بعد مشتعل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اسلام کے لیے احترام کا ایک جذبہ ہو جو غیر مسلم کے دل کے اندر کس حد تک موجزن ہوتا ہے اس کتاب کے پڑھنے سے یکسر ختم ہو کر رہ جاتا ہے جارحانہ الفاظ اور مبارزانہ لہجہ غیر مسلم قاری کے دل و دماغ کے اندر اشتعال پیدا کیے بغیر نہیں رہ سکتا شاید یہ انداز اس لیے اختیار کیا گیا کہ مسلمان عوام میں ہندوئوں کے خلاف اشتعال پیدا کر کے ان میں شہرت اور مقبولیت حاصل کی جاسکے جو کہ ان دنوں مرزا صاحب کا مقصود حیات تھا۔ اس کے نتیجے میں کتاب نے اسلام اور اہل اسلام کے خلاف آریوں اور عیسائیوں کے دلوں میں مستقل طور پر عناد اور منافرت پیدا کر دی۔ جس کا عملی ثبوت ''پنڈت لیکھرام'' کی شکل میں مہیا ہوا جس نے براہین احمدیہ کے مقابلے میں تکذیب براہین احمدیہ کو تحریر کر کے شائع کرایا۔ یہ کتاب کیا تھی دشنام کا پلندہ اور بدگوئی کا شرمناک خدا کے نیک اور صالح بندوں پر بہتان اور الزامات کی بوچھاڑ خصوصاً انبیاء کو گالیاں دے کر اس رذیل انسان نے اپنا حبث باطن ظاہر کیا یہ سبب کیا تھا براھین احمدیہ کا ردعمل مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں کہ ''پنڈت لیکھرام عام جلسوں میں ہادی برحق محمد ﷺ کو برا بھلا کہہ کر مسلمانوں کے دل آزاری کیا کرتا تھا''۔ [۱۹]

اور یہی وجہ ہے کہ پنڈت لیکھرام کو کسی مسلمان نے شہر خموشاں میں پہنچا دیا پنڈت لیکھرام نے 24 جون 1893 کو مرزا غلام احمد کے نام اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ اگر براہین کا جواب لکھنا بے ادبی ہے تو اول مجرم آپ ہیں کہ آپ نے قران کی رو سے کفر کیا ہم کو اشتعال دلایا۔ جس کی وجہ سے ہم نے جواب لکھا اگر ہمیں برانگیختہ نہ کرتے تو پرمیشور جانتا ہے کہ ہمیں ہر گز دین اسلام کے خلاف قلم اٹھانے کا کبھی خیال نہ تھا اگر خدانخواستہ غضب الہی نازل ہوگا تو اہل قادیان میں آپ کی بیٹھک پر برق غضب گرے گی پھر اگر حفاظت خود اختیاری جرم ہے تو ہم بھی مجرم سہی۔ [۲۰]

اس کے علاوہ ''ستیارتھ پرکاش'' نامی کتاب جس میں جناب رسالت مآب ﷺ پر سوقیانہ اور رکیک حملے کئے گئے پھر اس کے بعد ''رنگیلا رسول'' وغیرہ یہ سب براہین احمدیہ کا ہی ردعمل ہے۔

مرزا صاحب کا نسب نامہ

اب میرے سوانح اس طرح پر ہیں کہ میرا نام غلام احمد میرے والد صاحب کا نام غلام مرتضٰی اور دادا صاحب کا نام عطا محمد صاحب تھا اور جیسا کہ بیان کیا گیا ہے ہماری قوم مغل برلاس ہے اور میرے بزرگوں کے پرانے کاغذات سے جواب تک محفوظ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ملک میں سمرقند سے آئے تھے۔ [۲۱]

ملک ہندوستان کے صوبہ پنجاب میں لاہور سے گوشہ شمال مشرقی میں ایک گائوں قادیان نام ہے جو ضلع گورداسپور میں واقع ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا گمنام گائوں تھا دنیا میں اس کا کوئی بھی نہیں پہچانتا تھا۔ بجز اس ضلع کے آدمیوں کے، جس میں وہ واقع ہے یہاں مرزا غلام مرتضٰی صاحب رئیس اعظم (مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کے والد) سکونت پذیر تھے جو قوم کے مغل گوت کے برلاس کہلاتے تھے۔ [۲۲]

فارسی بننے کی تحریک تو دراصل صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اس حدیث نے پیدا کی جس میں رسول کریم ﷺ نے اہل فارس کے حق شناسی اور استعداد ایمان بیان فرمائی ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ جس وقت سورۃ جمعہ نازل ہوئی تو ہم آستانہ نبوت پر

حاضر تھے جب یہ آیت نازل ہوئی وآخرین منھم لما یلحقو بھم (ان موجودین کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے پیغمبر مبعوث فرمایا جو ابھی تک ان میں شامل نہیں ہوئے) تو صحابہ کرامؓ نے عرض کی کہ یارسول اللہ یہ لوگ کون ہیں۔ حضرت سلمان فارس بھی وہاں موجود تھے آپ نے اپنا دست مبارک حضرت سلمان فارس پر رکھ دیا اور فرمایا اگر "بالفرض ایمان ثریا کے پاس بھی چلا گیا ہوگا تو فارس کے بعض افراد اس کو وہاں سے بھی لے آئیں گے جب مرزا صاحب نے یہ حدیث دیکھی تو اس کا مصداق بننے کے لیے خود کو فارسی الاصل بنا دیا۔ جبکہ اس کے مقابلے میں بہائی کہتے ہیں کہ یہ آیت بہاء اللہ کے حق میں پوری ہو چکی ہے۔ کیونکہ وہ خاص فارس کے رہنے والے تھے۔ اور ان کے ماننے والے بھی فارسی نژاد تھے۔ الغرض قادیانی اور بہائی دونوں اپنے اپنے مقتدا کو اس حدیث کا مصدق بننے کی پوری کوشش کر رہے ہیں جبکہ اس حدیث کے حقیقی مصداق تابعین، تبع تابعین اور دوسرے عجمی خیار امت ہیں چنانچہ شیخ عبدالحق لکھتے ہیں۔

پیغمبر نے جس طرح خبر دی تھی اس طرح حرف بہ حرف ظہور میں آیا چنانچہ ابنائے فارس میں بڑے بڑے تابعین تبع تابعین اور دوسرے حضرات اس سعادت سے مشرف ہوئے مثلاً حسن بصری محمد بن سیرین، سعید بن جبیر حضرت ابن عباس کے غلام مجاہد اور بے شمار دوسرے حضرات جو اس پیش گوئی کے مصداق ٹھہرے۔ ۲۳

میں نے اپنے اباؤ اجداد کی کتابوں میں پڑھا ہے اور نیز اپنے والد سے بھی سنا ہے کہ میرے اباؤ اجداد مغل نسل سے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی کی ہے کہ وہ ترک نہیں تھے بلکہ بنو فارس میں سے تھے اور میرے رب نے یہ بھی خبر دی ہے میری بعض دادیاں بنو فاطمہ اور اہل بیت نبوت میں تھیں تو اللہ تعالیٰ نے کمال حکمت و مصلحت سے ان میں اسحٰق و اسماعیل کی نسل جمع کر دی"۔ ۲۴

مرزا صاحب کی فاطمی الاصل بننے کا سبب یہ حدیث بنی "ام المومنین سلمہؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ مہدی میری عترت سے ہوگا سیدہ النساء حضرت فاطمہ الزہراء کی اولاد سے ہوگا چونکہ مرزا صاحب کو مہدی بننے کا شوق تھا اور بعد میں یہ دعویٰ بھی کیا تو اس لیے خود کو اس حدیث کا مصداق بنانے کے لیے خود کو سادات فاطمہ الاصل ثابت کرنے کی کوشش بھی کرتے رہے بعد میں جب علماء نے بہت شور مچایا کہ تم تو مغل ہو اور مہدی خاندان نبوت میں سے ہوگا تو پھر یہ لکھا" میں وہ مہدی نہیں جو عترت رسول اور اولاد فاطمہ کا مصداق ہوگا۔ ۲۵

مرزا صاحب کے دعاوی کا ایک ارتقائی جائزہ

بعض مرتبہ مرزائی صاحبان مسلمانوں کو غلط فہمی میں ڈالنے کے لیے مرزا غلام احمد قادیان کے ابتدائی دور کی عبارتیں پیش کرتے ہیں جن میں انہوں نے واضح کر دیا ہے کہ وہ مجدد محدث مسیح موعود اور مہدی کے مراتب سے ترقی کرکے درجہ بدرجہ نبوت کے منصب تک پہنچے ہیں انہوں نے اپنے دعوؤں کی جو تاریخ بیان کی ہے اس کو انہی کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے۔ کہ کسی نے مرزا صاحب سے سوال کیا تھا کہ آپ کی عبارتوں میں یہ تناقض نظر آتا ہے کہ کہیں آپ اپنے آپ کو "غیر نبی" لکھتے ہیں اور کہیں اپنے آپ کو "مسیح سے تمام شان میں بڑھ کر" قرار دیتے ہیں اس کا جواب دیتے ہوئے مرزا صاحب حقیقت الوحی میں لکھتے ہیں اس بات کو توجہ کرکے سمجھ لو کہ یہ اس قسم کا تناقض ہے کہ جیسے براہین احمدیہ میں میں نے لکھا تھا کہ مسیح ابن مریم آسمان سے نازل ہوگا مگر بعد میں یہ لکھا کہ آنیوالا مسیح میں ہوں اس تناقض کا سبب یہی تھا کہ اگرچہ خدا تعالی نے براہین احمدیہ میں میرا نام عیسیٰؑ رکھا اور یہ بھی مجھے فرمایا کہ تیرے آنے کی خبر خدا اور رسول نے دی تھی مگر چونکہ ایک گروہ مسلمانوں کا اسی اعتقاد پر جما ہوا تھا۔ اور میرا بھی یہی اعتقاد تھا کہ حضرت عیسیٰؑ آسمانوں سے نازل

ہوں گے اس لیے میں نے خدا کی وحی کو ظاہر پر حمل کرنا نہ چاہا بلکہ اس وحی کی تاویل کی اور اپنا اعتقاد وہی رکھا جو عام مسلمانوں کا تھا اور اسی کو براہین احمدیہ میں شائع کیا۔

لیکن بعد اس کے مجھ پر بارش کی طرح وحی الٰہی نازل ہوئی کہ وہ مسیح موعود جو آنے والا تھا تو ہی ہے اور ساتھ اس کے صدہا نشان ظہور میں آئے اور زمین و آسمان دونوں میری تصدیق کے لیے کھڑے ہو گئے اور خدا کے چمکتے ہوئے نشان میرے پر جبر کرکے مجھے اس طرف لے آئے آخری زمانہ میں مسیح آنے والا میں ہی ہوں ورنہ میرا اعتقاد تو وہی تھا جو میں نے براہین احمدیہ میں لکھ دیا تھا۔

اسی طرح اوائل میں میرا یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح بن مریم سے کیا نسبت ہے وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے ہے اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تو میں اس کو جزئی فضیلت قرار دیتا تھا مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا۔ اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔ مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی۔۔۔۔ میں اس کی اس پاک وحی پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جیسا کہ خدا کی ان تمام وحیوں پر ایمان لاتا ہوں جو مجھ سے پہلے ہو چکی ہیں میں تو خدا تعالیٰ کی وحی کا پیروی کرنے والا ہوں جب تک مجھے اس سے علم نہ ہوا میں وہی کہتا رہا جو اوائل میں میں نے کہا اور جب مجھ کو اس کی طرف سے علم ہوا تو میں نے اس کے مخالف کہا۔ ۲۶؎

مرزا صاحب کا آخری عقیدہ

مرزا صاحب کا آخری عقیدہ جس پر ان کا خاتمہ ہوا تھا۔ یہی تھا کہ وہ نبی ہیں چنانچہ انہوں نے اپنے آخری خط میں جو ٹھیک ان کے انتقال کے دن "اخبار عام" میں شائع ہوا واضح الفاظ میں لکھا کہ "میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں اور اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے تو میں کیوں کر انکار کر سکتا ہوں میں اس پر قائم ہوں اس وقت تک جو اس دنیا سے گزر جاؤں" (اخبار عام۔ 22 مئی 1908 منقول از حقیقۃ النبوۃ مرزا محمود 271 مباحثہ پنڈی۔ یہ خط 23 مئی 1908 کو لکھا گیا اور 26 مئی کو اخبار عام میں شائع ہوا ٹھیک اسی دن مرزا صاحب کا انتقال ہو گیا۔

غیر تشریعی نبوت کی وضاحت

بعض احمدی حضرات کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے غیر تشریعی نبوت کا دعویٰ کہا اور غیر تشریعی نبوت عقیدہ ختم نبوت کے منافی نہیں لیکن دوسرے احمدیہ حضرات تاویلات کی طرح اس تاویل کے بھی صغری کبری دونوں غلط ہیں۔ اول تو یہ بات ہی سرے سے درست نہیں کہ مرزا صاحب کا دعویٰ صرف غیر تشریعی نبوت کا تھا۔

مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت تشریعی

مرزا صاحب کے روز افزوں دعاوی کے دور میں ایک مرحلہ ایسا بھی آیا جب انہوں نے غیر تشریعی نبوت کے آگے قدم بڑھا کر واضح الفاظ میں اپنی وحی اور نبوت کو تشریعی قرار دیا ہے اور اسی بنا پر ان کے متبعین میں سے "ظہیر الدین اروپی" کا فرقہ انہیں کھلا کھلم تشریعی نبی مانتا تھا۔ اس سلسلے میں مرزا صاحب کی چند عبارتیں یہ ہیں:

ماسوا اس کے یہ بھی سمجھ کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعے سے چند امر اور نواہی بیان کئے اور اپنی امت کے لیے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہو گیا۔ اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں کیوں کہ میری وحی میں امر بھی

ہیں اور نہی بھی مثلاً یہ یہ الہام قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذلک آزکی لھم۔ یہ براہین احمدیہ میں درج ہے اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور اس پر تیس برس کی مدت بھی گزر گئی اور ایسا ہی ابتک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس میں نئے احکام ہوں تو یہ باطل ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان ہذا لفی الصحف لاولی صحف ابراہیم و موسیٰ یعنی قرآنی تعلیمات توریت میں بھی موجود ہے اور اگر یہ کہو کہ شریعت وہ ہے جس میں باستیفاء امر اور نہی کا ذکر ہو تو یہ بھی باطل ہے۔ کیوں کہ اگر توریت یا قرآن شریف میں باستضیاء احکام شریعت کا ذکر ہوتا تو پھر اجتہاد کی گنجائش نہ رہتی۔ ۲۷

اس عبارت میں مرزا صاحب نے واضح الفاظ میں اپنی وحی کو تشریعی وحی قرار دیا ہے۔

مرزا صاحب دافع البلاء میں لکھتے ہیں

"خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے اور اس نے اس دوسرے مسیح کا نام غلام احمد رکھا۔" ۲۸

احمدی حضرات عملاً مرزا صاحب کو تشریعی نبی ہی قرار دیتے ہیں یعنی ان کی ہر تعلیم اور ان کے ہر حکم کو واجب الاتباع مانتے ہیں خواہ وہ شریعت محمدیہ علیہ الصلوۃ والسلام کے خلاف ہو مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

"جہاد یعنی دینی لڑائیوں کی شدت کو خدا تعالیٰ آہستہ آہستہ کم کرتا گیا ہے حضرت موسیٰؑ کے وقت میں اس قدر شدت تھی کہ ایمان لانا بھی قتل سے بچا نہیں سکتا تھا اور شیر خوار بچے بھی قتل کیے جاتے تھے پھر ہمارے نبی ﷺ کے وقت میں بچوں اور بوڑھوں اور عورتوں کا قتل کرنا حرام کیا گیا اور پھر بعض قوموں کے لیے بجائے ایمان کے صرف جزیہ دے کر مواخذہ سے نجات پانا قبول کیا گیا اور مسیح موعود کے وقت قطعاً جہاد کا حکم موقوف کر دیا گیا۔" ۲۹

حضور نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد "الجہاد ماض الی یوم القیٰمۃ (ابو داؤد) یعنی جہاد قیامت کے دن تک جاری رہے گا۔" کو چھوڑ کر احمدیہ حضرات مرزا صاحب کے حکم کی اتباع کرتے ہیں اس طرح شریعت محمدیہ ﷺ میں جہاد، خمس، فئے، جزیہ اور غنائم کے تمام احکام جو حدیث اور فقہ کی کتابوں میں سینکڑوں صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں ان سب میں مرزا صاحب کے مذکورہ بالا قول کے مطابق تبدیلی کے قائل ہیں اس کے بعد تشریعی نبوت میں کون سی کسر باقی رہ جاتی ہے۔

محدث ہونے کا دعویٰ

مامور من اللہ مجدد وغیرہ کے دعوے کے بعد بتدریج آپ مزید دعوے کرتے چلے گئے جن میں ایک دعویٰ محدث ہونے کا ہے مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ یہ عاجز خدا تعالیٰ کی طرف سے امت کے لیے محدث ہو کر آیا ہے اور محدث بھی ایک معنی سے نبی ہی ہوتا ہے گو اس کے لیے نبوت تمام نہیں مگر تاہم جزوی طور پر وہ ایک نبی ہی ہے کیوں کہ وہ خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا ایک شرف رکھتا ہے اور امر غیبیہ اس پر ظاہر کئے جاتے ہیں۔ اور رسولوں اور نبیوں کی وحی کی طرح اس کی وحی کو دخل شیطان سے منزہ کیا جاتا ہے۔ اور مغز شریعت اس پر کھولا جاتا ہے اور بعینہٖ انبیاء کی طرح مامور ہو کر آتا ہے انبیاء کی طرح اس پر فرض ہوتا ہے کہ انبیاء کی طرح اپنے تئیں بآواز بلند ظاہر کرے اور اس سے انکار کرنے والا ایک حد تک مستوجب سزا ٹھہرتا ہے اور نبوت کے معنی بجز اس کے کچھ نہیں کہ امور متذکر بالا اس میں پائے جائیں۔ ۳۰

اب اس تحریر کو آپ محدث ہونے کے دعویٰ پر منطبق کر لیں یا اسے دعوی نبوت سمجھ لیں آپ کی مرضی پر منحصر ہے مرزا صاحب نے یہ کمال محدث و نبوت کے دعوے کی تجویز کی ہے مرزا صاحب کا یہی کمال ہے کہ ان کی تحریریں ضمنی ہیں تاکہ موقع و محل کے مطابق انہیں ہر حالت میں استعمال میں لا کر سیدھے سادھے مسلمانوں کو نہایت کامیابی کے ساتھ گمراہ کیا جاسکے۔

مثیل مسیح ہونے ہونے کا دعوی 1891

1891ء کا سال قادیانیت کے لیے بڑی اہمیت کا حامل ہے اس سال میں حکیم نور الدین بھیروی نے مرزا صاحب کو خط کے ذریعے ''مسیح موعو'' ہونے کا مشورہ دیا جس خط کا جواب مرزا صاحب نے 24 جنوری 1891 میں دیا مرزا صاحب کے اس تاریخی خط کا اقتباس درج ذیل ہے۔

''جو کچھ آن مخدوم نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر دمشق حدیث کے مصداق کو علیحدہ چھوڑ کر الگ ''مسیح مثیل'' کا دعویٰ ظاہر کیا جائے تو اس میں حرج کیا؟ درحقیقت اس عاجز کو ''مثیل مسیح'' بننے کی کچھ حاجت نہیں یہ بننا چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے عاجز اور مطیع بندوں میں داخل کر لیوے لیکن ہم ابتلاء سے کسی طرح بھاگ نہیں سکتے خدا تعالیٰ نے ترقیات کا ذریعہ صرف ابتلاء ہی رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے

احسب الناس ان یترکوا ان یقولو آمنا وھم لا یفتنون۔ ۳۱

مرزا صاحب نے جس انداز میں حکیم صاحب کی پیش کش قبول کرنے سے معذرت کی ہے اور انکے خط سے جس کسر نفسی، تواضع اور خشیت کا اظہار کیا ہے وہ بڑی قابل قدر چیز ہے اور اس سے مرزا صاحب کے وقار میں اضافہ ہوتا ہے لیکن ان کی کتابوں کا تاریخی جائزہ لینے کے بعد یہ تاثر اور عقیدت جلد ختم ہو جاتی ہے اور اچانک یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے حکیم صاحب کی اس تجویز کو قبول کیا اور تھوڑے ہی دنوں میں انہوں نے مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ اور اعلان کر دیا۔ اس سلسلہ تصنیف کے بعد جس میں اسلام کی خالص حمایت اور مذاہب غیر کی تردید تھی اور جو ''مسیح موعود'' کے دعوے سے بالکل خالی ہیں مرزا صاحب کی پہلی تصنیف ''فتح الاسلام'' ہے یہ 1891 میں شائع ہوئی۔

مرزا بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں '' حضرت مسیح موعود نے 1880 کے اواخر میں ''فتح الاسلام'' تصنیف فرمائی تھی یہ وہ پہلا رسالہ ہے جس میں آپ نے اپنے ''مثیل مسیح'' ہونے اور مسیح ناصری کی وفات کا ذکر کیا ہے۔ ۳۲

مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

''سو اس عاجز کو اور بزرگوں کی فطرتی مشابہت سے علاوہ جس کی تفصیل براہین احمدیہ ہیں حضرت مسیح کی فطرت سے ایک خاص مشابہت ہے اور اسی فطری مشابہت کی وجہ سے مسیح کے نام پر یہ عاجز بھیجا گیا تاکہ صلیبی اعتقاد کو پاش پاش کر دیا جائے۔ سو میں صلیب کو توڑنے اور خنزیروں کو قتل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں میں آسمان سے اترا ہوں ان پاک فرشتوں کے ساتھ جو میرے داہیں بائیں تھے۔ ۳۳

مزید مرزا صاحب فرماتے ہیں

مجھے مسیح ابن مریم ہونے کا دعویٰ نہیں اور نہ میں تناسخ کا قائل ہوں بلکہ مجھے تو فقط مثیل مسیح ہونے کا دعوی ہے جس طرح محدثیت نبوت کے مشابہ ہے۔ ایسا ہی میری روحانی حالت مسیح ابن مریم کی روحانی حالت سے مشابہت رکھتی ہے۔ ۳۴

ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔

یہ بات سچ ہے کہ اللہ جل شانہ کی وحی اور الہام سے میں نے مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ میں اسی الہام کی بناپر اپنے تئیں وہ موعود مثیل (مسیح موعود نہیں بلکہ مثیل موعود) سمجھتا ہوں جس کو دوسرے لوگ غلط فہمی سے "مسیح موعود کہتے ہیں" اشتہار۔ مندرجہ تبلیغ رسالت، مرتبہ میر قاسم علی قادیانی ج ۲۔ ص 21

مسیح موعود ہونے کا دعویٰ:

مرزا صاحب اپنے مسیح موعود ہونے کے دعوے پر قریباً دس سال قائم رہے اور پھر ختم نبوت اسلامی نظریہ کو (جس کے وہ خود بھی معتقد رہے تھے) غلط قرار دے کر نومبر 1901 میں اپنی نبوت کا اعلان کر دیا۔

"مثیل مسیح" ہونے کے بعد مرزا صاحب نے اپنے لیے صاحب طور پر "مسیح موعود" کا لفظ استعمال کیا "مسیح موعود" اور "مثیل مسیح" میں بڑا فرق ہے مسیح موعود سے ایسا شخص ہے جو مسیح موعود سے بعض صفات میں ملتا جلتا ہو مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ "مجھے اس خدا کی قسم جس نے مجھے بھیجا ہے اور جس پر اختراع کرنا لعینوں کا کام ہے کہ اس نے "مسیح موعود" بنا کر بھیجا ہے۔ ۳۵

چونکہ احادیث میں 'مسیح موعود" کا لفظ موجود نہیں بلکہ مسیح ابن مریم کے نزول کا ذکر ہے اس لیے مسیح ابن مریم بننے کے لیے مرزا صاحب نے جو تشریح و تاویل کی وہ یہ ہے۔ "اس اللہ نے براہین احمدیہ کے تیسرے حصے میں میرا نام مریم رکھا۔۔۔ میں نے دو برس تک صفت مریمیت میں پرورش پائی پھر مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفخ کی گئ اور استعارہ کے رنگ مین حاملہ ٹھہرایا گیا اور آخری مہینے کے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہیں مجھے مریم بن عیسیٰ بنایا گیا۔ ۳۶

ابتدا میں مرزا صاحب کا اعتقاد تھا کہ حضرت مسیح بن مریم زندہ ہیں اور آخری زمانے میں نازل ہوں گے پھر " ازالہ اوہام" میں عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر تیس دلائل پیش کئے جب کسی نے اس تضاد پر اعتراض کیا تو آپ نے جواب میں لکھا۔

"مگر خدا نے میری نظر کو پھیر دیا میں براہین کی وحی کو نہ سمجھ سکا۔ مجھے مسیح موعود بتایا گیا ہے یہ میری سادگی تھی جو میری سچائی پر ایک عظیم الشان دلیل تھی ورنہ میرے مخالف مجھے یہ بتلادیں کہ میں باوجودیکہ براہن احمدیہ میں مسیح موعود بنایا گیا تھا۔ دس بارہ برس تک یہ دعوی کیوں نہ کیا اور کیوں براہین ہیں خدا کی وحی کے مخالف لکھ دیا۔ ۳۷

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس شخص پر وحی ہر روز بارش کی طرح برستی تھی اور جو براہین احمدیہ بھی مامور من اللہ ہو کر لکھتا رہا۔ بارہ برس تک کیوں کر خلاف حقیقت لکھتا یا سمجھتا رہا۔ بہر حال اس عقیدے کو حل کرنے کی ذمہ داری مخالفین پر نہیں۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں:

اعجاز احمدی 1902 کی تصنیف ہے اور پورے دو برس پہلے وہ اس مشکل کو حل فرما چکے تھے فرماتے ہیں میرے دعوی مسیح موعود کی بنیاد الٰہی الہامات (براہین احمدیہ والے) سے پڑی (انہیں میں میرا نام خدا تعالیٰ نے عیسیٰ رکھا اور جو آیتیں "مسیح موعود' کے حق میں تھیں وہ میرے حق میں بیان کر دیں اگر علماء کو خبر ہوتی کہ ان الہامات سے تو اس شخص کا مسیح ہونا ثابت ہوتا ہے تو وہ کبھی ان کو قبول نہ کرتے یہ خدائی قدرت ہے کہ انہوں نے قبول کر لیا اور پیچ میں پھنس گئے۔اس سے قبل خدا کا فرستادہ۔ مامور۔ امین۔ مثیل مسیح، مہدی مہود، مسیح موعود کے القاب استعمال ہو رہے تھے مگر نبی اور رسول کہلانے مین مرزا صاحب کو تردد تھا اس روز خطیب صاحب کی

عقیدت نے ختم نبوت کی فولادی دیوار کو بھی رستہ سے ہٹا دیا مرزا صاحب نے زبان و قلم سے بصراحت نبوت کا اعلان کرنا شروع کر دیا۔
میں اپنی نسبت نبی یا رسول کے نام سے کیوں کر انکار کر سکتا ہوں اور جب کہ خود خدا تعالیٰ نے یہ نام میرے رکھے ہیں تو میں کیوں کر رد کر دوں یا کیوں کر اس کے سوا کسی سے ڈروں۔ ۳۸

خدا نے میرے ہزار ہا نشانون سے میری تائید کی ہے کہ بہت ہی کم نبی گزرے ہیں جن کی یہ تائید کی گئی۔ میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اسی نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے اور اسی نے مجھے مسیح موعود کے نام سے پکارا ہے اور اسی نے میری تصدیق کے لیے بڑے بڑے نشان ظاہر کیے جو تین لاکھ تک پہنچے ہیں"۔ ۳۸

ظلی بروزی نبوت کا افسانہ

احمدی حضرات کہتے ہیں کہ مرزا صاحب کی نبوت ظلی اور بروزی نبوت تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا پرتو ہونے کی وجہ سے عقیدہ ختم نبوت میں رخنہ انداز نہیں ہے لیکن در حقیقت اسلامی نقطہ نظر سے ظلی اور بروزی نبوت کا عقیدہ مستقل بالذات نبوت سے بھی کہیں زیادہ سنگین خطرناک اور کافرانہ ہے جس کی وجوہ حسب ذیل ہیں۔

(i) تقابل ادیان کا ایک ادنی طالب علم بھی جانتا ہے کہ "ظل اور بروز" کا تصور خالصۃ ہندوانہ تصور ہے اور اسلام میں اس کی ادنی جھلک بھی کہیں نہیں پائی جاتی۔

(ii) ظلی اور بروزی نبوت کا جو مفہوم خود مرزا صاحب نے بیان کیا ہے اس کی رو سے ایسا نبی پچھلے تمام انبیاء کا بروز یعنی (معاذ اللہ) آپؐ ہی کا دوسرا جنم یا دوسرا روپ ہے اسی بنا پر غلام احمد نے متعدد مرتبہ انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ اپنے آپ کو براہ راست سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر قرار دیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا دعویٰ:

"اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا میں مظہر اتم ہون یعنی ظلی طور پر محمدؐ اور احمد ہوں۔ ۳۹

"میں وہ آئینہ ہوں جس میں محمدی شکل اور محمدی نبوت کا کامل انعکاس ہے۔ ۴۰

" میں بموجب آیت آخرین منھم لمّا یلحقوا بھم بروزی طور پر وہی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود قرار دیا ہے پس اس طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا کیوں محل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا اور چونکہ میں ظلی طور پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی کیوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی یعنی بہرحال محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی رہے نہ اور کوئی یعنی جب کہ میں بروزی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہؐ کے میرے آئینہ ظلّیت میں منعکس ہیں تو پھر کون سا الگ انسان ہوا جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا" ۴۱

خود مرزا صاحب کے الفاظ میں "ظلی" اور "بروزی" کی تشریح جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس سے مستقل بالذات نبوت کا دعوی لازم نہیں آیا۔ سوال یہ ہے کہ جب اس ظل اور بروز کے گورکھ دھندے کی آڑ میں مرزا صاحب نے (معاذ اللہ) تمام کمالات

محمدی مع نبوت محمدیہ کے اپنے دامن مین سمیٹ لیے تواب کون سا نبی ایسا رہ گیا جس سے اپنی فضیلت ثابت کرنے کی ضرورت رہ گئی اس کے بعد ظلی اور بروزی نبوت کوئی ہلکے درجے کی نبوت رہتی ہے اور اس کے بعد بھی عقیدہ ختم نبوت نہیں ٹوٹتا تو پھر یہ تسلیم کر لینا چاہیئے کہ عقیدہ ختم نبوت (معاذاللہ) ایسا بے معنی عقیدہ ہے جو کسی بڑے سے بڑے دعوائے نبوت سے بھی نہیں ٹوٹ سکتا۔

مرزا صاحب پچھلے نبیوں سے افضل

مرزا صاحب کی ظلی نبوت بہت سے انبیاء علیہم السلام کی نبوت سے افضل ہے جن کو بلاواسطہ نبوت ملی ہے مرزا بشیر احمد ایم۔ اے قادیانی لکھتے ہیں۔ اور یہ جو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ظلی یا بروزی نبوت گھٹیا قسم کی نبوت ہے یہ محض ایک نفس کا دھوکا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں کیوں کہ ظلی نبوت کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اس قدر غرق ہو جائے کہ "من تو شدم تو من شدی" کے درجہ کو پالے۔ ایسی صورت میں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جمیع کمالات کو عکس کے رنگ میں اپنے اندر اترتا پائے گا۔ حتی کہ ان دونوں میں قرب اتنا بڑھے گا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی چادر بھی اس پر چڑھائی جائے گی تب جا کر ظلی نبی کہلائے گا پس جب ظلی کا یہ تقاضا ہے کہ اپنے اصل کی پوری تصویر ہو اور اسی پر تمام انبیاء کا اتفاق ہے تو وہ ناداں جو مسیح موعود کی ظلی نبوت کو ایک گھٹیا قسم کی نبوت سمجھتا ہے یا اس کے معنی ناقص نبوت کے کرتا ہے وہ ہوش میں آوے اور اپنے اسلام کی فکر کرے کیوں کہ اس نے اس نبوت کی شان پر حملہ کیا ہے جو تمام نبوتوں کی سرتاج ہے میں نہیں سمجھ سکتا کہ لوگوں کو کیوں کر حضرت مسیح موعود کی نبوت پر ٹھوکر لگتی ہے اور کیوں کر بعض لوگ آپ کی نبوت کو ناقص نبوت سمجھتے ہیں کیوں کہ میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بروز ہونے کی وجہ سے ظلی بنی تھے اور اس ظلی نبوت کا پایہ بہت بلند ہے یہ ظاہر بات ہے کہ پہلے زمانوں میں جو نبی ہوتے تھے ان کے لیے یہ ضروری نہ تھا کہ ان میں وہ تمام کمالات رکھے جاویں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں رکھے گئے بلکہ ہر ایک نبی کو اپنی استعداد اور کام کے مطابق کمالات عطا ہوتے تھے کسی کو بہت کسی کو کم، مگر مسیح موعود کو تو تب نبوت ملی جب اس نے نبوت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کمالات کو شامل کر لیا اور اس قابل ہو گیا کہ ظلی نبی کہلائے۔ پس ظلی نبوت نے مسیح موعود کے قدم پیچھے نہیں ہٹایا بلکہ آگے بڑھایا اور اس قدر آگے بڑھایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو بہ پہلو کھڑا کیا۔ ۴۲؎

مرزا کے صاحبزادے خلیفہ دوم مرزا بشیر الدین محمود لکھتے ہیں۔

پس ظلی اور برروزی نبوت کوئی گھٹیا قسم کی نبوت نہیں کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو مسیح موعود کس طرح ایک اسرائیلی نبی کے مقابلہ میں یوں فرماتا کہ "ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو واس سے بہتر غلام احمد ہے۔" ۴۳؎

ظل و بروز کے مذکورہ بالا اعتقاد کے ساتھ مرزا صاحب کے نزدیک خاتم الانبیاء کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے پاس افاضہ ء کمال کی ایسی مہر تھی جو بالکل اپنے جیسے بلکہ اپنے سے افضل اور اعلیٰ نبی نے تراشی تھی قرآن و حدیث لغت عرب اور عقل انسانی کے ساتھ اس کھلے مذاق کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ "معبود واحد" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کائنات عالم میں وہ تنہا ذات ہے جس کی قوت قدسیہ خدا تراش ہے۔ اور اپنے جیسے خدا پیدا کر سکتی ہے اگر قرآن کریم کی آیات اور امت کے بنیادی عقائد کے ساتھ ایسی گستاخانہ دل لگی کرنے کے بعد بھی کوئی شخص دائرہ اسلام میں رہ سکتا ہے تو پھر روئے زمین میں کوئی انسان کافر نہیں ہو سکتا۔

یہ اور بات ہے کہ خود مرزا صاحب کے اعتراف کے مطابق اس عظیم الشان مہر سے صرف ایک نبی تراشا گیااور وہ مرزا صاحب تھے فرماتے ہیں ”کہ اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گزر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا۔ ۴۴؎

مگر مرزا صاحب کو لکھتے وقت یہ خیال نہ رہا کہ خاتم النبیین جمع کا صیغہ ہے لہٰذا اس مہر سے کم از کم تین نبی تراشے جانے چاہیے تھے۔

دعوائے نبوت کا منطقی نتیجہ

یہ صرف اسلام کا ہی نہیں عقل عام کا بھی فیصلہ ہے کہ جب کبھی کوئی شخص نبوت کا دعوی کرتا ہے تو حق و باطل کی بحث قطع نظر، جتنے لوگ اس وقت موجود ہیں وہ فوراً دو گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں ایک گروہ وہ ہوتا ہے جو اس شخص کی تصدیق کرتا ہے اور اسے سچا مانتا ہے اور دوسرا گروہ وہ ہوتا ہے جو اس کی تصدیق و پیروی نہیں کرتا ان دونوں گروہوں کو دنیا میں کبھی بھی ہم مذہب قرار نہیں دیا گیا بلکہ ہمیشہ دونوں کو الگ الگ مذہبوں کا پیرو سمجھا گیا ہے مرزا صاحب خود اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔

”ہر نبی اور مامور کے وقت دو فرقے ہوتے ہیں ایک وہ جس کا نام سعید رکھا ہے اور دوسرا وہ جو شقی کہلاتا ہے۔“ ۴۵؎

یہ حقیقت ہر ایک پر پوری طرح اشکارا ہے کہ دعویٰ نبوت کے ماننے والے اور اس کا انکار کرنے والے ہم مذہب نہیں کہلا سکتے مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے قبل سارے بنی اسرائیل ہم مذہب تھے لیکن جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو فوراً دو بڑے حریف مذہب پیدا ہو گئے ایک مذہب آپ کے ماننے والوں کا تھا جو بعد میں عیسائیت یا مسیحیت کہلایا اور دوسرا مذہب آپ کی تکذیب کرنے والون کا تھا۔ جو یہودی مذہب کہلایا حضرت عیسیٰؑ اور آپ کے متبعین اگرچہ پچھلے تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان رکھتے تھے لیکن یہودیوں نے کبھی ان کو اپنا ہم مذہب نہیں سمجھا اور نہ عیسائیوں نے کبھی اس بات پر اصرار کیا کہ انہیں یہودیوں میں شامل سمجھا جائے اسی طرح جب سرکار دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ سے قبل انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کی اور تورات زبور ار انجیل تینوں پر ایمان لائے اس کے باوجود نہ عیسائیوں نے آپؐ کے متبعین کو اپنا ہم مذہب سمجھا اور نہ کبھی مسلمانوں نے یہ کوشش کی انہیں عیسائی کہا اور سمجھا جائے پھر آپؐ کے بعد مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تو اس کے متبعین مسلمانوں کے حریف کی حیثیت سے مقابلے آئے اور مسلمانوں نے بھی انہیں امت اسلامیہ سے بالکل الگ ایک مستقل کا حامل قرار دے کر ان کے خلاف جہاد کیا حالانکہ مسیلمہ کذاب آپؐ کی نبوت کا منکر نہ تھا بلکہ اس کے یہاں جو اذان دی جاتی تھی اس میں اشھد ان محمد رسول اللہ کا کلمہ شامل تھا تاریخ طبری میں ہے۔

وَ کان یؤذن للنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم و یشھد فی الاذان آنّ محمداً رسول اللّٰہ وَ کان الذی یؤذن لہ عبداللّٰہ بن نواحہ و کان الذی یقیم لہ حجیر بن عمیر“ ۴۶؎

مسیلمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر اذان دیتا تھا اور اذان میں اس بات کی شہادت دیتا تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہیں اور اس کا مؤذن عبداللہ بن نواحہ تھا اور اقامت کہنے والا حجیر بن عمیر تھا۔

لہٰذا مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ نبوت کا یہ سو فیصد نتیجہ ہے کہ جو فریق ان کو سچا اور مامور من اللہ سمجھتا ہے وہ ان لوگوں کے مذہب میں شامل نہیں ہے جو ان کے دعوؤں کی تکذیب کرتا ہے ان دونوں فریقوں کو ایک دین کے پرچم تلے جمع کرنا صرف قرآن اور سنت اور اجماع امت ہی سے نہیں بلکہ مذہب کی پوری تاریخ سے بغاوت کے مترادف ہے۔

لاہوری جماعت کے امیر محمد علی صاحب نے 1906 کے ریویو آف ریلجنز (انگریزی) میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے لکھتے ہیں۔ The Ahmadiyya movement stands in the same relation to Islam in with Christianity stood to Judaism۔ ۴۷؎

''یعنی احمدیت کی تحریک اسلام کے ساتھ وہی نسبت رکھتی ہے جو عیسائیت کو یہودیت کے ساتھ تھی'' کیا عیسائیت اور یہودیت کوئی انسان ایک مذہب قرار دے سکتا ہے۔

مرزا صاحب کے دعاوی کا تاریخی ارتقاء

1۔ 1880 تا 1888 اس دور میں مرزا صاحب محض ایک مبلغ اسلام اور غیر مسلم حملہ آوروں کے مقابلے میں اسلام کی مدافعت کرنے والے مناظر اسلام تھے ان کو پورا اصرار تھا کہ ان کے عقائد وہی ہیں جو عام مسلمانوں کے ہیں۔

2۔ دسمبر 1888 تا 1889۔ دسمبر 1888 میں انہوں نے بیعت کے لیے اشتہار دیا اور 1889 کے آغاز سے بیعت لینا شروع کی اس وقت انہوں نے صرف مجددیت اور مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا۔

3۔ 1891 میں انہوں نے مسیح علیہ السلام کی موت کا اعلان کیا اور خود مسیح موعود اور مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا جس سے مسلمانوں میں کھلبلی مچ گئی۔ ۴۸؎

4۔ 1900 میں مولوی عبدالکریم قادیانی نے مرزا صاحب کے لیے جمعہ کے خطبہ میں نبی اور رسول کا لفظ استعمال کیا 1900 میں مرزا صاحب کے خاص مریدوں نے ان کو صاف صاف نبی کہنا شروع کیا اور ان کو وہی حیثیت دینا شروع کر دی جو قرآن کی رو سے انبیاء علیہم السلام کی ہے مرزا صاحب کبھی ان کے اس قول کی تصدیق کرتے تھے اور کبھی الفاظ

نبوت کی توجیہ ناقص نبی، جزوی نبی محدث وغیرہ کے الفاظ سے کر کے ان لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کرتے تھے جو نبوت کے دعوے پر ایمان لانے میں شامل تھے بہر حال یہ مرزا صاحب کی تحریک کے تدریجی مراحل ہیں جنہیں وہ ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت کمال ہمت سے طے کر رہے تھے اور یوں ٹھہر ٹھہر کر نبوت کی جانب رواں دواں ہے۔

سید سردار شاہ قادیانی نے جنوری 1923 میں تقریر کرتے ہوئے ایک واقعہ کی طرف اشارہ کیا تقریر 4 جنوری 1923 کے ''الفضل'' میں شائع بھی ہوئی ہے مرزا بشیر الدین محمود نے اسے اپنی کتاب ''حقیقت نبوت'' میں اس واقعہ کو تحریری کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ مرزا صاحب نے پہلی دفعہ اپنی نبوت کا اعلان کس ڈرامائی انداز میں کیا ملاحظہ ہو۔

1900 کی بات ہے مولوی عبدالکریم صاحب نے جو جمعہ کے خطیب تھے ایک خطبہ جمعہ پڑھا جس میں مرزا صاحب کے لیے نبی اور رسول کے لفظ استعمال کیے اس خطبے کو سن کر مولوی محمد احسن صاحب امروہی نے بہت پیچ و تاب کھائے جب یہ بات مولوی عبدالکریم صاحب کو معلوم ہوئی تو پھر انہوں نے ایک خطبہ پڑھا اور اس ہیں مرزا صاحب کو مخاطب کرکے کہا کہ اگر میں غلطی کرتا ہوں تو

حضور مجھے بتلائیں میں حضور کو نبی اور رسول مانتا ہوں جب جمعہ ہو چکا اور مرزا صاحب جانے لگے مولوی صاحب نے پیچھے سے مرزا صاحب کا کپڑا پکڑ کر درخواست کی کہ اگر میرے اعتقاد میں غلطی ہو تو حضور درست فرمائیں مرزا صاحب مڑ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا مولوی صاحب ہمارا بھی یہی مذہب اور دعویٰ ہے جو آپ نے بیان کیا ہے یہ خطبہ سن کر مولوی احسن صاحب غصے سے بھرے ہوئے واپس آئے اور مسجد کے اوپر ٹہلنے لگے جب مولوی عبدالکریم صاحب واپس آئے تو مولوی محمد احسن صاحب ان سے لڑنے لگے اور آواز بہت بلند ہو گئی تو مرزا صاحب مکان سے نکلے اور یہ آیت پڑھی یاایھاالذین آمنوالاترفعوااصواتکم فوق صوت النبی۔۴۹ھ

مگر اس توثیق کے باوجود مرزا صاحب نبوت کے صریح دعوے سے مجتنب رہے مرزا بشیر الدین محمود صاحب کے بقول اس زمانہ میں مرزا صاحب کا عقیدہ یہ تھا کہ آپ حضرت مسیح پر جزوی طور پر فضیلت ہے اور آپ کو جو نبی کہا جاتا ہے تو یہ ایک قسم کی "جزوی نبوت" ہے ''ناقص نبوت'' ۔۵۰ھ

واضح اعلان نبوت

1901ء میں مرزا صاحب نے اپنے نبی اور رسول ہونے کا صاف صاف اعلان کر دیا۔اور اپنی اکثر تحریروں میں نبوت و رسالت کو۔" ناقص" "جزوی" اور محدثیت وغیرہ الفاظ سے محدود کرنا ترک کر دیا۔۵۱ھ

جلال الدین شمس لکھتے ہیں

1901 سے پہلے کی بعض تحریرات میں آپ نے اپنی نبوت کبھی اپنے نبی ہونے سے انکار کیا اور لکھا کہ آپ نبی نہیں بلکہ محدث ہیں لیکن 1901 کے بعد کی تحریرات میں آپ نے اپنی نبوت کو نہ جزوی قرار دیا نہ ناقص نہ محدثیت والی نبوت بلکہ صاف الفاظ میں اپنے آپ کو نبی لکھتے رہے۔ ۵۲ھ

میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس نے مجھے بھیجا ہے اور اس نے میرا نام نبی رکھا ہے اور اس نے مجھے ''مسیح موعود'' کے نام سے پکارا ہے اور اس نے میری تصدیق کے لیے بڑے بڑے نشان ظاہر کیے جو تین لاکھ کو پہنچتے ہیں۔ ۵۳ھ

جس بنا پر میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں وہ صرف اس قدر ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی ہمکلامی سے مشرف ہوں اور وہ میرے ساتھ بکثرت بولتا ہے اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے اور بہت سی غیب کی باتوں کو میرے پر ظاہر کرتا ہے اور آئیندہ زمانوں کے راز میرے پر کھولتا ہے کہ جب تک انسان کو اس کے ساتھ خصوصیت کا قرب نہ ہو دوسرے پر وہ اسرار نہیں کھولتا اور ان مور کی کثرت کی وجہ سے اس نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ پس میں خدا کے موافق نبی ہوں اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہو گا۔ اور جس حالت میں خدا تعالیٰ میرا نام ''نبی'' رکھا ہے تو میں کیوں کر انکار کر سکتا ہوں میں اس پر قائم ہوں اور اس وقت تک جو اس دنیا سے گزر جاؤں'' ۔ ۵۴ھ

سخت عذاب بغیر نبی قائم ہونے کے آتا ہی نہیں جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے '' وَمَاکُنّا معذبین حتی نبعث رسولاً پھر یہ کیا بات ہے کہ ایک طرف تو طاعون ملک کو کھا رہی ہے اور دوسری طرف ہیبت ناک زلزلے پیچھا نہیں چھوڑتے اے غافلو تلاش کرو شاید تم میں خدا کی طرف سے کوئی نبی قائم ہو گیا جس کی تم تکذیب کر رہے ہو'' ۵۵ھ

مرزا غلام احمد قادیانی کا ختم نبوت کے بارے ابتدائی عقیدہ

مرزا صاحب کا نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے ختم نبوت کے بارے میں عام مسلمانوں کی طرح عقیدہ تھا متعدد کتابوں میں اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار فرمایا کہ میرے بعد اور "کوئی نبی" نہیں آئے گا اور حدیث میں " لانبی بعدی" ایسی مشہور تھی کہ کسی کو اس کی صحت میں کلام نہ تھا اور قرآن مجید جس کا لفظ لفظ قطعی ہے اپنی آیت "ولکن رَّسول اللہ وَخَاتَمَ النبیین" سے بھی اس بات کی تصدیق کرتا تھا کہ فی الحقیقت ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔ ۵۶

اور تمام نبوتیں اور تمام کتابیں جو پہلے گزر چکی ہیں ان کی الگ طور پر پیروی کی حاجت نہیں رہی کیوں کہ نبوت محمدیہ ان سب پر مشتمل ہے اور حاوی ہے اور بجز اس کے سب راہیں بند ہیں۔ تمام مسیحیائیاں جو خدا تک پہنچاتی ہیں اس کے اندر ہیں نہ اس کے بعد کوئی نئی سچائی آئے گی اور نہ اس سے پہلے کوئی ایسی سچائی تھی جو اس میں موجود نہیں اس لیے اس "نبوت" پر تمام نبوتوں کا خاتمہ ہے اور ہونا چاہیے تھا کیوں کہ جس چیز کے لیے آغاز ہے اس کے لیے انجام بھی ہے۔ ۵۷

میں مسلمان ہوں اور ان سب عقائد پر ایمان رکھتا ہوں جو اہلسنت والجماعت مانتے ہیں اور کلمہ لاالٰہ اِلّا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل ہوں قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہوں اور میں نبوت کا مدعی نہیں ہوں بلکہ ایسی مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ ۵۸

مرزا صاحب کی طرف سے مختلف دعاوی کی توجیہات

مجددیت:

جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں ظہور فرما ہوئے اور خدا تعالیٰ نے اس نبی کریم کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا تو وجہ ختم نبوت آنخضرت کے دل میں " ھم وغم" رہتا تھا کہ مجھ سے پہلے دین کو قائم رکھنے کے لیے ہزارہا نبیوں کی ضرورت ہوئی اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ تب اللہ تعالی نے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دی اور وعدہ فرمایا کہ ہر صدی کے سر پر دین کی "تجدید" کے لیے ایک "مجدد" پیدا ہوتا رہے گا جو کمالات نبوت پا کر راہ راست کی طرف لوگوں کو ہدایت کریں گے۔ ۵۹

میرا نبوت کا کوئی دعویٰ نہیں یہ آپ کی غلطی ہے یا آپ کس کے خیال سے کہہ رہے ہیں کیا یہ ضروری ہے کہ جو الہام کا دعویٰ کرتا ہے وہ نبی بھی ہو جائے میں تو محمدی اور کامل طور پر اللہ اور رسول کا متبع ہوں اور ان نشانیوں کا نام "معجزہ" رکھنا نہیں چاہتا بلکہ ہمارے مذہب کی رو سے ان نشانیوں کا نام "کرامات" ہے جو اللہ کے رسول کی پیروی سے دیئے جاتے ہیں۔ ۶۰

مجازی نبوت:

اگرچہ عرصہ بیس سال سے متواتر اس عاجز کو "الہام" ہوا ہے اکثر دفعہ اس میں رسول یا نبی کا لفظ آگیا ہے لیکن وہ شخص غلطی کرتا ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ اسی نبوت یا رسالت سے مراد حقیقی نبوت اور رسالت ہے سو چونکہ ایسے لفظوں سے جو محض استعارے کے رنگ میں ہیں اسلام میں فتنہ پڑتا ہے اور اس کا نتیجہ سخت نکلتا ہے اس لیے اپنی جماعت کی معمولی بول چال اور دن رات کے محاورات میں یہ لفظ نہیں کہنا چاہیے۔ ۶۱

"یہ سچ ہے کہ سہ الہام جو خدا نے اس بندے پر نازل فرمایا اس میں اس بندے کی نسبت "نبی" "رسول" اور "مرسل" کے لفظ بکثرت موجود ہیں۔ سو یہ حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں۔ ہم اس بات کے قائل اور معترف ہیں کہ نبوت کے حقیقی معنوں کی رو سے

بعد آنحضرت نہ کوئی نیا نبی آسکتا ہے اور نہ پرانا قرآن ایسے نبیوں کے ظہور سے مانع ہے مگر مجازی معنوں کی رو سے خدا کا اختیار ہے کہ کسی ملہم کو نبی کے لفظ یا رسول کے لفظ سے یاد کرے ۶۲ے

ناقص نبوت:

نہ مجھے دعویٰ نبوت نہ خروج از امت نہ میں معجزات اور ملائک، اور نہ لیلۃ القدر کا انکاری ہوں اور آنحضرتؐ کے خاتم النبیین ہونے کا قائل اور یقین کامل سے جانتا ہوں وراس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی پاک خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کے بعد اس امت کے لیے کوئی نبی نہیں آئے گا۔ ہاں محدث آئیں گے۔ ۶۳ے

تمام مسلمانوں کی خدمت میں گزارش ہے کہ اس عاجز کے رسالہ ''فتح اسلام'' ''توضیح مرام'' ''ازالہ اوہام'' میں جس قدر ایسے الفاظ موجود ہیں کہ محدث ایک معنیٰ میں نبی ہوتا ہے یا یہ کہ محدثیت جزوی نبوت ہے یا یہ کہ ''محدثیت'' نبوت ناقصہ ہے یہ تمام الفاظ حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں بلکہ میری طرف سادگی سے ان کے لغوی معنوں کی رو سے بیان کیے گئے ہیں۔ ورنہ حاشا وکلا مجھے نبوت حقیقی کا ہر گز دعویٰ نہیں ہے سو میں تمام مسلمان بھائیوں کی خدمت میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اگر وہ ان لفظوں سے ناراض ہیں اور ان دلوں پر یہ الفاظ شاق ہیں تو وہ ان الفاظ کو ترمیم شدہ تصور فرما کر بجائے اس کے ''محدث'' کا لفظ میری طرف سے سمجھ لیں کیونکہ کسی طرح مجھ کو مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے اور نفاق ڈالنا منظور نہیں ہے۔ بجائے لفظ نبی کے ''محدث'' کا لفظ ہر ایک جگہ سمجھ لیں اور اس کو یعنی لفظ ''نبی'' کو کاٹا ہوا خیال فرمالیں''۔ ۶۴ے

اس عاجز نے کبھی اور کسی وقت بھی حقیقی طور پر نبوت ورسالت کا دعوی نہیں کیا اور غیر حقیقی طور پر کسی لفظ کو استعمال کرنا اور لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے اس کو بول چال میں لانا مستلزم کفر نہیں مگر میں اس کو بھی پسند نہیں کرتا کہ عام مسلمانوں کو اس میں دھوکا لگ جانے کا احتمال ہے۔ ۶۵ے

ختم نبوت کے بارے میں مختلف مراحل مرزا صاحب کا موقف

پس یہ کس قدر جرأت اور دلیری اور گستاخی ہے کہ خیالات رکیلہ کی پیروی کرکے نصوص صریحہ قرآن کو عملاً چھوڑ دیا جائے اور خاتم الانبیاء کے بعد ایک نبی کا آنا مان لیا جائے اور بعد اس کے جو ''وحی نبوت'' منقطع ہو چکی تھی پھر سلسلہ ''وحی نبوت'' کا جاری کر دیا جائے کیوں کہ جس میں شان نبوت باقی ہے اس کی وحی بلاشبہ نبوت کی وحی ہو گی۔ ۶۶ے

ظاہر ہے کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ وحی کا نزول فرض کر لیا جائے اور صرف ایک ہی فقرہ جبرائیل لاویں اور پھر چپ ہو جائیں یہ امر بھی ختم نبوت کے منافی ہے کیوں کہ جب ختمیت کی ''مہر'' ہی ٹوٹ گئی تو پھر تھوڑا یا بہت نازل ہونا برابر ہے اب ''جبرائیل کو بعد وفات رسول کریمؐ ہمیشہ کے لیئے وحی نبوت لانے سے منع کیا گیا ہے'' ۶۷ے

وہ شخص لعنتی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا آپ کے بعد کسی اور کو نبی یقین کرتا ہے اور آپ کی ختم نبوت کو توڑتا ہے۔ ۶۸ے

جس طرح یہ ممکن نہیں کہ آفتاب نکلے اور اس کے ساتھ روشنی نہ ہو اس طرح یہ ممکن نہیں کہ ایک رسول اصلاح خلق کے لیے آوے اور اس کے ساتھ وحی اور جبرائیل نہ ہو۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول کریمؐ پر ختم ہوئی۔ ۶۹؎

مرزا صاحب کے ان ابتدائی مواقف میں تبدیلی آئی اور ایک جگہ لکھتے ہیں۔ "یہ کس قدر لغو باطل عقیدہ ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ بعد آنحضرتؐ کے وحی الٰہی کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا اور آئندہ قیامت تک اس کی کوئی بھی امید نہیں صرف قصوں کی پوجا کرو پس کیا ایسا مذہب کچھ مذہب ہو سکتا ہے جس میں براہِ راست خدا تعالیٰ کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ ۷۰؎

ایک مقام پر مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

خدا تعالی نے ابتداء ہی سے یہ ارادہ کیا تھا کہ آنحضرتؐ کے کمالات متعدیہ کے اظہار واثبات کے لیے کسی شخص کو آنجناب کی پیروی اور مقالیت کی وجہ سے وہ مرتبہ کثرت مکالمات اور مخاطبات الٰہیہ بخشے کہ جو اس کے وجود میں عکسی طور پر نبوت کا رنگ پیدا کر دے سو اس طرح خدا نے میرا نام نبی رکھا یعنی نبوت محمدیہ میرے آئینہ نفس میں منعکس ہو گئی اور ظلی طور پر نہ اصل طور پر مجھے یہ نام دیا گیا تاکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و کمالات کا کامل نمونہ ٹھروں۔ ۷۱؎

مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بعث ہیں یا یہ تبدیلی الفاظ یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک بروزی طور میں آنحضرت کا دوبارہ دنیا میں آنا دنیا میں وعدہ دیا گیا تھا جو مسیح موعود اور مہدی موعود (مرزا صاحب) کے ظہور سے پورا ہوا۔ ۷۲؎

اس سے مزید ایک اور موقف کے بارے یوں لکھتے ہیں۔

چونکہ میں اس کا رسول امتی ہوں (فرستادہ ہوں) مگر بغیر کسی نئی شریعت کے اور نئے دعوے اور نئے نام کے بلکہ اس نبی کریمؐ خاتم الانبیاء کا نام پا کر اور اس میں ہو کر اور اس کا مظہر بن کر آیا ہوں۔ ۷۳؎

مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ الہامات پر اس طرح ایمان لاتا ہوں جیسا کہ قرآن کریم پر اور خدا کی دوسری کتابوں پر اور جس طرح میں قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا کا کلام جانتا ہوں اسی طرح اس کلام کو بھی جو میرے دل پر نازل ہوتا ہے خدا کا کلام یقین کرتا ہوں۔ ۷۴؎

مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

میرے پاس ائیل آیا اس جگہ ائیل خدا تعالیٰ نے جبرائیل کا نام رکھا ہے اس لیے کہ بار بار رجوع کرتا ہے اور اس نے مجھے چن لیا ہے اور اپنی انگلی کو گردش دی اور یہ اشارہ کیا کہ خدا کا وعدہ آ گیا پس مبارک ہے وہ جس اس کو یاد رکھے اور دیکھے۔ ۷۵؎

حضرت مسیح موعود کا ذہنی ارتقاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تھا اور یہ جزوی فضیلت ہے جو حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) کو آنحضرت پر حاصل ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذہنی استعدادوں کا پورا ظہور بوجہ تمدن کے نقص کے نہ ہوا اور نہ قابلیت تھی اب تمدن کی ترقی سے حضرت مسیح موعود کے ذریعے ان کا پورا ظہور ہوا (ریویو آف ریجنز)

خلاصہ انبیاء:

مرزا صاحب لکھتے ہیں:۔ دنیا میں کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس کا نام مجھے نہیں دیا گیا جیسا براہین احمدیہ میں خدا تعالیٰ نے فرمایا میں آدم ہوں میں نوح ہوں۔ میں ابراہیم ہوں۔ میں اسحاق ہوں، میں یعقوب ہوں، میں اسماعیل ہوں، میں موسی ہوں، میں داؤد ہوں، میں عیسیٰ ابن مریم ہوں، میں محمد رسول اللہ ہوں یعنی بروزی طور پر۔۷۶

کیا یہ افسوس کا مقام نہ ہو گا کہ آج حضرت کا ماننے کا دعویٰ کرنے والے محض تعبیری اصطلاحات کی آڑ میں حضرت کے مقام کو کم کرکے پیش کریں۔اس فیض کو پانے والے کامل طور پر صرف ''حضرت مسیح موعود'' ہیں اس لیے امتی نبی صرف وہ ہیں تیرہ سو سال میں اور کوئی نہ ہوا (مباحثہ راولپنڈی، جماعت احمدیہ راولپنڈی، احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ص 175 مسلم پرنٹنگ لاہور)

اس عمارت میں ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی یعنی منعم علیھم، پس خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ اس پیشگوئی کو پورا کرے اور آخری اینٹ کے ساتھ بنا کر کمال تک پہنچائے پس میں وہ اینٹ ہون اور میں منعم علیھم گروہ میں سے فرد اکمل ہوں۔۷۷

ختم نبوت کے بارے میں مختلف قسم کی توجیہات اور تاویلات

مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

اگر ایک امتی جو محض پیروی آنخضرت سے درجہ وحی اور الہام اور نبوت کا نام پاتا ہے نبی کے نام کا اعزاز دیا جائے تو اس سے مہر نبوت نہیں ٹوٹتی کیوں کہ وہ امتی ہے مگر کسی ایسے نبی کا آنا جو امتی نہیں ہے ''ختم نبوت'' کے منافی ہے۔۷۸

خاتم النبیین کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ کی مہر کے بغیر کسی کی نبوت کی تصدیق نہیں ہو سکتی جو مہر لگ جاتی ہے تو وہ کاغذ سند ہو جاتا ہے اور مصدقہ سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح آنخضرت کی مہر اور تصدیق جس نبوت پر نہ ہو وہ صحیح نہیں ہے۔۷۹

خدا نے ایسا کیا کہ اپنی حکمت اور لطف سے آپ کے بعد یعنی تیرہ سو برسوں تک اس لفظ (یعنی نبوت) کو آپ کی امت سے اٹھایا۔ تاکہ آپؐ کی نبوت کی عظمت کا حق ادا ہو جائے یعنی آپ کے بعد دوسرے لوگوں کے نبی کہلانے سے آپ کی نبوت کی ہتک نہ ہو اور پھر چونکہ اسلام کی عظمت چاہتی تھی کہ اس میں بعض ایسے افراد ہوں جن پر آنخضرتؐ آخری زمانے میں مسیح موعود کے واسطے آپ کی زبان سے ''نبی اللہ'' کا لفظ نکلوایا۔۸۰

مولوی صاحب ہم یہ نہیں کہتے کہ حضرت نے اپنے مقام کو نہ سمجھا یا اپنے مقام کی حقیقت نہ سمجھی۔ ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ حضرت نے اپنے ''عہدہ'' کا نام پہلے سابقہ خیال کے مطابق ''محدث'' رکھا بعد ازاں انکشاف کے بعد ''نبوت'' رکھا اس لیے 1901 کے بعد آپ کو کہیں نظر نہیں آئے گا کہ حضرت نے اپنے آپ کو محدث قرار دیا ہو اس طرح حضرت مرزا صاحب خود لکھتے ہیں۔

اوائل میں میرا یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح ابن مریم سے کیا نسبت وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین میں ہے اور اگر کوئی میری فضیلت کی نسبت ظاہر کیا جاتا تو میں اس کو جزئی فضیلت قرار دیتا مگر بعد میں خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے اوپر نازل ہوئی اور اس نے مجھے اس عقیدے پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔۸۱

مرزا صاحب نے رسول واحد ہونے کا دعویٰ کیا۔ اپنی جماعت کا نام ''احمدی'' اور اس جماعت میں شامل ہونے والوں کو ''صحابہ'' کہا گیا خطبہ الہامیہ میں ہے ''مسیح موعود کے عین محمد ہونے کی اول دلیل یہ ہے جو حضرت مسیح موعود الہامی شان کے الفاظ میں یوں تحریر فرماتے ہیں اور خدا نے مجھ پر اس رسول کریمؐ کا فیض نازل فرمایا اور اس نبی کریمؐ کے لطف اور جود کو میری طرف کھینچا یہاں تک کہ ''میرا وجود اس کا وجود ہو گیا'' پس وہ جو میری جماعت میں شامل ہوا حقیقت میرے سردار خیر المرسلین کے ''صحابہ'' میں داخل ہوا۔ ۸۲؎

میاں محمد صاحب (خلیفہ ثانی) نے اپنے ایک خطبہ میں کہا:

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ میرے کان میں گونج رہے ہیں آپ نے فرمایا کہ یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفات مسیح یا اور چند مسائل میں ہے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات رسول کریم۔ قرآن، نماز، زکاۃ، حج روزہ غرض کہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز ہیں ہمیں ان سے اختلاف ہے۔ ۸۳؎

مرزائی خلیفہ نورالدین بھیروی لکھتے ہیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر یہود و نصاری اللہ کو مانتے ہیں اللہ تعالیٰ کے رسولوں، کتابوں، فرشتوں کو مانتے ہیں کیا اس انکار پر کافر ہیں یا نہیں؟ کافر ہیں اگر اسرائیلی مسیح رسول کا منکر کافر ہے تو محمدی مسیح رسول کا منکر کیوں کافر نہیں؟ اگر اسرائیل مسیح موسیٰ کا خاتم الخلفاء ایسا ہے کہ اس کا منکر کافر ہے تو محمد رسول اللہ کا خاتم الخلفاء یا خلیفہ یا متبع کیوں ایسا نہیں کہ اس کا منکر بھی کافر ہے اگر وہ مسیحا ایسا تھا کہ اس کا منکر کافر ہے تو یہ مسیح بھی کسی طرح کم نہیں۔ ۸۴؎

خلیفہ دوم مرزا بشیر الدین محمود لکھتے ہیں۔

''جو شخص غیر احمدی کو رشتہ دیتا ہے وہ یقینا حضرت مسیح موعود کو نہیں مانتا اور نہ یہ جانتا ہے کہ احمدیت کیا چیز ہے؟ کیا کوئی غیر احمدیوں میں ایسا بے دین ہے جو کسی ہندو یا عیسائی کو اپنی لڑکی دے دے ان لوگوں کو تم کافر کہتے ہو مگر اس معاملے مین وہ تم سے اچھے رہے کہ کافر ہو کر بھی کسی کافر کو لڑکی نہیں دیتے مگر تم احمدی کہلا کر کافر کو دیتے ہو؟ کیا اس لیے دیتے ہو کہ وہ تمہاری قوم کا ہوتا ہے؟ مگر جس دن سے کہ تم احمدی ہوئے تمہاری قوم احمدیت ہو گی۔ شناخت اور امتیاز کے لیے اگر کوئی پوچھے تو اپنی ذات یا قوم بتا سکتے ہو اور نہ رب نے تو تمہاری قوم گوت تمہاری ذات احمدی بنائی ہے پھر احمدیوں کو چھوڑ کر غیر احمدیوں میں کیوں قوم تلاش کرتے ہو مومن کا تو یہ کام ہوتا ہے کہ جب حق آجائے تو باطل کو چھوڑ دیتا ہے ۸۵؎

احمدی جماعت اور لاہوری جماعت کا نظریاتی اختلاف

مرزا غلام احمد قادیانی کی وفات 26 مئی 1908 کو ہوئی اس کے بعد حکیم نورالدین بھیروی پہلے خلیفہ منتخب ہوئے لیکن جماعت کا انتظام صدر انجمن احمدیہ کے ہاتھ میں رہا۔ اگرچہ حکیم صاحب کے زمانے میں ان کے اثر کی وجہ سے اختلافات مین نفاق پیدا نہ ہوا لیکن اختلافات کا آغاز ہو گیا تھا یہ اختلافات 1912 کے قریب بہت نمایاں ہوئے جب خواجہ کمال دین نے لندن سے ایک رسالہ ''مسلم انڈیا اینڈ اسلامک ریویو'' نکالنا شروع کیا اس رسالے میں خواجہ صاحب نے مولانا ظفر علی خان کے سیاسی خیالات کی پوری طرح اشاعت کی اور اس کے بعد حادثہ مسجد کانپور کے متعلق جو شورش ہوئی اس میں بھی حصہ لیا۔ بعض قادیانیوں کو یہ بات ناگوار گزری مرزا صاحب نے اپنی جماعت کو سیاسیات سے الگ تھلگ رہنے کی تلقین کی تھی خواجہ صاحب کا کام بظاہر اس تلقین کے خلاف تھا چنانچہ مرزا بشیر الدین محمود

نے اخبار الفضل میں ان کے خلاف مضامین لکھنے شروع کیے وائسرائے کے مصالحانہ فیصلے سے یہ مباحثہ تو بہت دیر جاری نہ رہا لیکن اختلافات کاآغاز ہوگیا۔ کچھ لوگ مرزا بشیر الدین محمود کے ساتھ تھے اور کچھ لوگ یہ کہتے تھے کہ مرزا محمود مرزا غلام احمد قادیانی کا بیٹا ہونے کی وجہ سے سارا انتظام ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ جب حکیم نورالدین بیمار ہوئے تو ایک جماعت نے یہ پروپیگنڈا کرنا شروع کیا کہ حکیم صاحب کے بعد کسی خلیفہ کی ضرورت نہیں۔ صدر انجمن احمدیہ جماعت کا انتظام سنبھال سکتا ہے۔ لیکن فریق ثانی نے حکیم صاحب کی وفات کے بعد مرزا بشیر الدین محمود کو خلیفہ المسیح ثانی چن لیا اور خواجہ کمال الدین، مولوی محمد علی لاہوری، مولوی صدرالدین، ڈاکٹر بشارت احمد، مرزا یعقوب بیگ اور ان کے ہم خیال حضرات قادیانی احمدیہ جماعت سے الگ ہو گئے اور لاہوری جماعت کاآغاز ہوا۔

خواجہ کمال الدین نے ایک دن امیر جماعت احمدیہ لاہور مولوی محمد علی صاحب اور قادیانی جماعت کے مستند عالم مولوی سرور شاہ صاحب قادیانی سے کہا۔

میرا ایک سوال ہے جس کا جواب مجھے نہیں آتا۔ میں اسے پیش کرتا ہوں آپ اس کا جواب دیں پہلے ہم اپنی عورتوں کو یہ کہہ کر کہ انبیاء و صحابہ والی زندگی اختیار کرنی چاہیے کہ وہ کم و خشک کھاتے اور خشک پہنتے اور باقی بچا کر اللہ کی راہ میں دے دیتے اسی طرح ہم کو بھی کرنا چاہیے غرض ایسے وعظ کرکے کچھ اچھی طرح وہاں کا حال معلوم کیا تو واپس آکر ہمارے سر پر چڑھ گئیں کہ تم تو بڑے جھوٹے ہو ہم نے قادیان جا کر انبیاء و صحابہ والی زندگی کو دیکھ لیا ہے جس قدر آرام دہ زندگی اور تعیش وہاں پر عورتوں کو حاصل ہے اسکا عشر عشیر بھی باہر نہیں۔ حالانکہ ہمارا روپیہ کمایا ہوا ہوتا ہے اور ان کے پاس جو روپے جاتا ہے وہ قومی اغراض کے لیے قومی روپیہ ہوتا ہے لہٰذا تم جھوٹے ہو جو جھوٹ بول کر عرصہ دراز تک ہم کو دھوکہ دیتے رہے اور آئندہ ہر گز ہم تمہارے دھوکا میں نہ آئیں گی پس اب ہم کو روپیہ نہیں دیتیں کہ ہم قادیان بھیجیں۔

خواجہ صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ ایک جواب تم لوگوں کو دیا کرتے ہو پھر تمہارا وہ جواب میرے آگے نہیں چل سکتا۔

حاصل ہونے والی آمدنی کے مصرف پر مختلف تشویشیں

معترضین میں خواجہ کمال الدین پیش پیش تھے اور مولوی محمد علی صاحب بھی ان کے مرید تھے۔ خواجہ کمال الدین صاحب نے ایک موقع پر مولوی محمد علی صاحب سے کہا۔ یہ کیسے غضب کی بات ہے کہ آپ جانتے ہیں کہ قوم کا روپیہ کس محنت سے جمع ہوتا ہے اور جن اغراض قومی کے لیے روپیہ دیتے ہیں وہ روپیہ ان اغراض میں صرف نہیں ہوتا بلکہ بجائے اس کے شخصی خواہشات میں صرف ہوتا ہے اور پھر روپیہ بھی اس قدر کثیر ہے کہ اس وقت جس قدر قومی کام آپ نے شروع کئے ہوئے ہیں اور روپیہ کی کمی کی وجہ سے پورے نہیں ہو سکتے اور ناقص حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اگر لنگر کا روپیہ اچھی طرح سنبھالا جائے تو اکیلے اسی سے وہ سارے کام پورے ہو سکتے ہیں۔ ۶۸ے

خود مرزا صاحب نے اپنے انتقال سے پہلے جس دن وفات پائی اس دن بیماری سے کچھ ہی پہلے کہا کہ کمال الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب وغیرہ مجھ پر بدظنی کرتے ہیں کہ میں قوم کا روپیہ کھاتا ہوں ان کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا ورنہ انجام اچھا نہ ہوگا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ آج خواجہ صاحب مولوی محمد علی صاحب کا ایک خط لے کر آئے اور کہا کہ مولوی محمد علی نے لکھا ہے کہ لنگر کا خرچ تو تھوڑا سا ہوتا ہے باقی ہزاروں روپیہ جو آتا ہے کہاں جاتا ہے اور گھر میں آکر بہت غصہ ظاہر کیا اور کہا کہ لوگ ہم کو حرام خور سمجھتے ہیں۔ ان

کو اس روپیہ سے کیا تعلق اگر آج میں الگ ہو جاؤں تو سب آمدن بند ہو جائے پھر خواجہ صاحب نے ایک ڈیپوٹیشن کے موقع پر جو عمارت مدرسہ کا چندہ لینے گیا تھا مولوی محمد علی سے کہا کہ حضرت صاحب (مرزا صاحب) آپ تو خود خوب عیش وآرام سے زندگی بسر کرتے ہیں اور ہمیں تعلیم دیتے ہیں کہ اپنے خرچ گھٹا کر بھی چندہ دو جس کا جواب مولوی محمد علی نے یہ دیا کہ ہاں ان کا انکار تو نہیں ہو سکتا لیکن بشریت ہے کیا ضرور کہ ہم نبی کی بشریت کی پیروی کریں۔ ۸۷

محمد علی لاہوری عرصہ دراز تک مشہور قادیانی رسالہ (ریویو آف ریلیجنز) کے ایڈیٹر رہے اس دوران انہوں نے بے شمار مضامین میں نہ صرف مرزا صاحب کے لیے "نبی" اور "رسول" کا لفظ استعمال بلکہ ان کے لیے نبوت اور رسالت کے تمام لوازم کے قائل رہے۔ آنحضرتؐ کے بعد خداوند تعالیٰ نے تمام نبوتوں اور رسالتوں کے دروازے بند کر دیئے مگر آپ کے متبعین کامل کے لیے جو آپ کے رنگ میں رنگین ہو کر آپ کے اخلاق کاملہ سے نور حاصل کرتے ہیں ان کے لیے یہ دروازہ بند نہیں ہوا۔

مطبوعہ احمدیہ کتاب گھر قادیان محمد اسماعیل قادیانی ص 37 ریویو آف ریلیجنز ج4 ص 186 تبدیلی عقائد پوری جماعت احمدیہ لاہوری کیطرف سے ایک حلفیہ بیان مشہور اخبار۔ "پیغام صلح" میں شائع ہوا۔

معلوم ہوا کہ بعض احباب کو کس نے غلط فہمی مین ڈالدیا کہ اخبار ھذا کے ساتھ تعلق رکھنے والے احباب یا ان میں سے کوئی ایک سیدنا ہادینا حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود، مہدی موعود علیہ الصلاۃ والسلام کے مدارج عالیہ کو اصلیت سے کم یا استخفاف کی نظر سے دیکھتا ہے ہم تمام احمدی جن کا کسی نہ کسی صورت میں اخبار "پیغام صلح" کے ساتھ تعلق ہے خدا تعالیٰ کو جو دلوں کے بھید جاننے والا ہے حاضر و ناظر جان کر علی الاعلان کہتے ہیں کہ ہماری نسبت اس قسم کی غلط فہمی پھیلانا محض بہتان ہے۔ ہم حضرت مسیح موعود مہدی معہود کو اس زمانہ کا "نبی رسول اور نجات دہندہ" مانتے ہیں۔ ۸۸

الغرض لاہوری جماعت کے نزدیک مرزا صاحب مہدی مسیح موعود مجدد یا محدث ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں لیکن مجدد یا محدث کا مطلب کیا ہے بعینہٖ وہ جسے قادیانی جماعت ظلی بروزی نبی کہتی ہے چنانچہ محمد علی لاہوری صاحب لکھتے ہیں۔

انواع نبوت ہیں سے وہ نوع جو محدث کو ملتی ہے وہ چونکہ بباعث اتباع اور فنافی الرسول کے ملتی ہے جیسا توضیح المرام میں لکھا تھا وہ مبشرات ہے اس لیے وہ تجدید ختم نبوت سے باہر ہے اور یہ حضرت مسیح موعود ہی نہیں کہتے بلکہ حدیثوں نے صاف طور پر ایک محدثوں کا وعدہ دیکر اور دوسری طرف مبشرات کو باقی رکھ کر یہی اصول قرار دیا ہے گویا نبوت تو ختم ہے مگر ایک نبوت باقی ہے اور وہ نوع نبوت، مبشرات ہیں وہ ان لوگوں کو ملتی ہے جو کامل طور پر اتباع نبی کریم کا کام کرتے ہیں اور فنافی الرسول کے مقام تک پہنچ جاتے ہیں اب بعینہٖ اس اصول کو چشمہ معرفت میں جو آپ (مرزا صاحب) کی سب سے آخری کتاب ہے بیان کیا ہے۔

تمام نبوتیں اس پر ختم ہیں اور اس کی شریعت خاتم الشرائع ہے وہ ختم نہیں یعنی وہ نبوت جو اس کی کامل ہے اور اس کے ذریعے سے ہے اور اس کے چراغ سے نور لیتی ہے وہ ختم نہیں کیونکہ وہ محمدی نبوت ہے یعنی اس کا ظل ہے اور اس کے ذریعے سے ہے اور اس کے چراغ سے نور لیتی رہے اور اس کا مظہر ہے اب دیکھو یہاں بھی نبوت کو تو ختم ہی کہا گیا ہے لیکن ایک قسم کی نبوت باقی بتائی ہے اور وہ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی سے ملتی ہے وہ نبوت جس کو ظلی نبوت یا نبوت محمدیہ وہ وہی مبشرات والی نبوت ہے۔ ۸۹

مزید مرزا صاحب کی عبارتوں کی تشریح کرتے ہوئے انہیں درست قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں ”درحقیقت جو کچھ فرمایا (یعنی مرزا غلام احمد نے جو کچھ لکھا ہے) گو اس کے الفاظ میں تھوڑا تھوڑا تغیر ہو مگر ماحاصل سب کا ایک ہی ہے یعنی یہ کہ اول فرمایا کہ صاحب خاتم ہونے کے معنی یہ ہیں بجز اس کی مہر کے کوئی فیض کسی کو نہیں پہنچ سکتا پھر فرمایا کہ صاحب خاتم ہونے سے یہ مراد ہے کہ اس کی مہر سے ایک ایسی نبوت بھی مل سکتی ہے جس کے لیے امتی ہونا لازمی ہے اب امتی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کامل اطاعت آنحضرت کی بجائے اور اپنے آپ کو آنحضرت کی محبت میں فنا کر دیا جائے تب آپؐ کے فیض سے ایک قسم کی بنوت بھی مل سکتی ہے وہ نبوت کیا ہے اس کو آخر میں جا کر صاحب حل کر دیا ہے کہ وہ ایک ”ظل نبوت“ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ فیض محمدی سے وحی پانا اور یہ بھی فرمانا کہ وہ قیامت تک باقی رہے گی۔ ۹۰

یہاں یہ حقیقت بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ لاہوری صاحبان نے جو تاویل کی ہے کہ مرزا صاحب نے ہر جگہ اپنے لیے لفظ ”نبی“ مجازی یا لغوی طور پر استعمال کیا ہے حقیقی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اس تاویل کے لیے انہوں نے ”حقیقی نبوت“ کی ایک مخصوص اصلاح گھڑی ہے جو شرعی اصطلاح سے بالکل الگ ہے اس حقیقی ”نبی“ کے لیے انہوں نے بہت سی شرائط عائد کی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) حقیقی بنی صرف وہ ہوگا جس پر حضرت جبرائیل وحی لے کر آئے ہیں نزول جبرائیل کے بغیر کوئی حقیقی نبی نہیں ہو سکتا۔ ۹۱

(2) حقیقی نبوت کے لیے ضروری ہے کہ سابقہ شریعت کو منسوخ یا اس میں ترمیم کرسکے۔ ۹۲

(3) حقیقی نبی کی وحی عبادات میں پڑھی جاتی ہے ۹۳

(4) ہر حقیقی نبی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ کتاب لائے۔ ۹۴

حقیقی نبوت کے لیے ایسی شرائط عائد کرنے کے بعد انہوں نے ثابت کیا ہے کہ چونکہ یہ شرائط مرزا صاحب کی نبوت میں نہیں پائی جاتیں اس لیے ان پر حقیقی معنوں میں لنظ نبی کا اطلاق درست نہیں اب ظاہر ہے کہ شریعت کی معروف اصطلاح میں نبی کے لیے نہ کتاب لانا ضروری ہے نہ یہ ضروری ہے کہ وحی عبارتوں میں ضروری پڑھی جائے نہ یہ لازمی ہے کہ نبی اپنے سے پہلی شریعت کو ہمیشہ منسوخ ہی کردے اور نہ نبوت کی تعریف ہیں یہ بات داخل ہے کہ اس ہیں وحی لانے والے ہمیشہ جبرائیلؑ ہی ہوں لہٰذا حقیقی نبوت صرف اس نبوت کو قرار دینا جس میں یہ ساری شرائط موجود ہوں محض ایک ایسا حیلہ ہے جس کے ذریعے کبھی مرزا صاحب کو نبی قرار دینا اور کبھی ان کی نبوت سے انکار کرنا آسان ہو جائے کیونکہ یہ شرائط عائد کرکے تو بہت سے انبیاء بنی اسرائیل کے بارے میں بھی یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ ” حقیقی نبی نہیں ہے کیونکہ نہ ان پر کتاب اتری نہ ان کی وحی کی تلاوت کی گئی اور نہ وہ کوئی نئی شریعت لے کر آئے لیکن وہ انبیاء تھے۔

بعض مرتبہ لاہوری جماعت کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ ہم مرزا صاحب کی تکذیب کرنے والوں کو جو کافر قرار دیتے ہیں۔ اس سے مراد ایسا کفر نہیں جو دائرہ اسلام سے خارج کر دے بلکہ ایسا کفر ہے جو ”فسق“ کے معنی میں بھی استعمال ہو جاتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اگر کفر سے ان کی مراد ”فسق“ ہی ہے تو پھر غیر احمدی جو مرزا صاحب کو کافر یا کاذب نہیں کہتے ان کے لیے اس لفظ کفر کا استعمال کیوں درست نہیں؟ جبکہ وہ بھی لاہوریوں کے نزدیک فاسق ضرور ہیں۔ ۹۵

یہاں یہ اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اسلام میں ''مجدد'' کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ جب اسلام کی تعلیمات سے رو گردانی عام ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ پھر سے لوگوں کو اسلامی تعلیمات کی طرف متوجہ کرتا ہے ان مجدد ین کی کوئی قانونی حجیت نہیں ہوتی اور نہ ان کی کسی بات کو شرعی حجت سمجھا جاتا ہے کہ وہ اپنے مجدد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور نہ لوگون کو یہ دعوت دیتے ہیں کہ انہیں ضرور مجدد مان کر ان کی ہاتھ پر بیعت کریں بلکہ یہ بھی ضروری نہین کہ لوگ انہیں مجدد مان کر انہیں اس حیثیت سے پہنچان بھی جائیں چنانچہ گزشتہ چودہ صدیاں میں ہونے والے مجدد دین میں بھی اختلاف رہا ہے اس طرح کوئی شخص اگر انہیں مجدد تسلیم نہ بھی کرے تو شرعاً وہ گناہ گار بھی نہیں ہوتا۔ اور نہ وہ اپنے تجدیدی کارنامے الہام کی بنیاد پر پیش کرتے ہیں اور نہ ان کے الہام کی تصدیق شرعاً واجب ہوتی ہے اس کے بر عکس لاہوری جماعت مرزا صاحب کے لیے ان تمام باتوں کی قائل ہے لہٰذا اس کا یہ دعویٰ کہ ہم مرزا صاحب کو صرف ''مجدد'' مانتے ہیں مغالطے کے سوا کچھ نہیں۔

حوالہ جات

۱۔ کتاب البریہ مرزا غلام احمد ص 3 اشتہار واجب الاظہار 30 ستمبر 1897 قادیان

۲۔ کتاب البریہ مرزا غلام احمد ص 134 تا 136 روحانی خزائن ص 162 تا 195 ج 13

۳۔ اربعین۔ مرزا غلام احمد قادیانی۔ حاشیہ ص 17

۴۔ تحفہ قیصریہ مرزا غلام احمد ص 16۔ روحانی خزائن ص 271-270 ج 12

۵۔ سیرۃ الھدی صاحبزادہ بشیر احمد ایم اے۔ 12 ص 32۔ رویت نمبر 48

۶۔ سیرۃ المھدی۔ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانج 1۔ ص 205 روایت نمبر 207

۷۔ سیرۃ المھدی۔ مرزا بشیر احمد ایم اے ج 1۔ ص 137 روایت نمبر 150

۸۔ اربعین نمبر 2۔ مرزا غلام احمد قادیانیص 11

۹۔ ایضا۔ ص 12-13

۱۰ ایام الصلح۔ مرزا غلام احمد قادیانی، ص 147

۱۱۔ کتاب البریہ مرزا غلام احمد قادیانی ص 148-150

۱۲۔ سیرۃ المھدی۔ صاحبزادہ مرزا بشیر احمد ایم اے ج ۶ ص 154

۱۳۔ دیباچہ براہین احمدیہ، مرزا غلام احمد قادیانی۔ حصہ پنجم ص 1

۱۴۔ ایضاً ص 7

۱۵۔ حاشیہ براہین احمدیہ۔ مرزا غلام احمد قادیانی ج ۴۔ ص ۱۱۱

۱۶۔ قادیانیت۔ ندوی۔ مولانا سید ابو الحسن ندوی ص 50۔ مجلس نشریات اسلام کے۔3 ناظم آباد نمر 1 کراچی نمبر 18

۱۷۔ رسالہ اشاعۃ السنۃ بٹالوی۔ مولانا محمد حسین ج 7 ص 7۔ 1884

۱۸۔ تتمۃ الوحی۔ حقیقت الوحی۔ مرزا غلام احمد قادیانی۔ ص 28

۱۹۔ اشاعۃ السنۃ۔ مولانا محمد حسین بٹالوی۔ ج 18۔ ص 14

۲۰۔ مست دھرم (ہفت روزہ اخبار) پر چارک جالندھر جولائی 1897

۲۱۔ کتاب البریہ مرزا غلام احمد قادیانی ص 44 حاشیہ روحانی خزائن حاشیہ۔ ص 164۔ ج 13

۲۲۔ عسل مصفی، مرزا خدا بخش صاحب قادیان۔ ج ۲۔ ص 129

۲۳۔ رئیس قادیان، دلاوری۔ مولنا محمد رفیق ص۔ 8-7، ناشر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ ملتان جون 1992

۲۴۔ روحانی خزائن، مرزا غلام احمد قادیانی۔ ج 22، ص 703

۲۵۔ براہین احمدیہ۔ مرزا غلام احمد قادیانی ص۔ 185

۲۶۔ حقیقۃ الوحی، مرزا غلام احمد قادیانی۔ ص 150-149، مطبوعہ قادیان 1934۔ رخ۔ ج 22 ص 154-152

۲۷۔ اربعین نمبر، مرزا غلام احمد قادیانی، 4۔ ص۔ 7۔ طبع چہارم مطبوعہ ربوہ۔ رخ۔ ج 17۔ ص 435

۲۸۔ دافع البلاء، مرزا غلام احمد قادیانی ص۔ 3، مطبوعہ اپریل 1902 قادیان رخ۔ ج 18۔ ص۔ 233

۲۹۔ اربعین نمبر 4،، مرزا غلام احمد قادیانیص 15 طبع اول 1910۔ رخ۔ ج 17. ص 443

۳۰۔ توضیح مرام۔ مرزا غلام احمد قادیانی۔ ص 15

۳۱۔ مکتبوت احمدیہ۔ مرزا غلام احمد قادیان ص 85

۳۲۔ فتح اسلام۔ قادیانی۔ مرزا غلام احمد۔ ج ا۔ ص 267-268 سیرۃ المھدی۔ مرزا بشیر احمد ایم اے۔ ج ا۔ ص۔ 167-168

۳۳۔ فتح اسلام۔ مرزاغلام احمد قادیانی۔ ص ۹
۳۴۔ توضیح مرام۔ مرزاغلام احمد قادیانی۔ ص ۲
۳۵۔ تحفہ گولڑویہ مرزاغلام احمد ص 195
۳۶۔ کشتی نوح۔ مرزاغلام احمد قادیانی ص 46
۳۷۔ براہین احمدیہ مرزاغلام احمد ص ۴۔ حاشیہ ص ۴۶۵۔ مطبع سوم قادیان
۳۸۔ ایک غلطی کاازالہ۔ مرزاغلام احمد قادیانی، نومبر 1901
۳۸۔ تتمہ حقیقت الوحی مرزاغلام احمد قادیانی 1907
۳۹۔ حقیقۃالوحی ص 72، رخ ج ۲۲، ص ۷۶۔
۴۰۔ نزول مسیح مرزاغلام احمد ص 48 طبع قادیان 1909 رخ۔ج 18 ص 381
۴۱۔ ایک غلطی کاازالہ مرزاغلام احمد قادیانی۔ ص 110۔ مطبوعہ ربوہ۔رخ۔ج 18۔ ص 212
۴۲۔ کلمتہ الفصل۔ ریویوآف ریلجنزج 14 نمبر3 ص 113 مارچ اپریل 1915
۴۳۔ القول الفصل ص 16 مطبوعہ ضیاء السلام قادیان 1915
۴۴۔ حقیقت الوحی مرزاغلام احمد قادیانی ص 391 تا 406 ج 22
۴۵۔ ملفوظات احمدیہ محمد منظورالٰہی ج ا۔ص 143 مطبوعہ احمدیہ کتاب گھر قادیان 1925
۴۶۔ تاریخ طبری ج 3 ص 244
۴۷۔ منقول از مباحثہ راولپنڈی ص 240 مطبوعہ قادیان و تبدیلی عقائد۔ محمد اسماعیل قادیال ص 12 مطبوعہ احمدیہ کتاب گھر کراچی
۴۸۔ سیرۃالھدیٰ۔ ص۔ 31 بشیر احمد ایم۔اے
۴۹۔ حقیقۃالنبوۃ۔ محمود بشیرالدین ص 124
۵۰۔ القول الفصل۔بشیرالدین محمود ص 24
۵۱۔ سیرۃالمھدی صاحبزادہ بشیر احمد ایم اے۔ج ا۔ص 31
۵۲۔ منکرین خلافت کاانجام۔ جلال الدین شمس ص 19
۵۳۔ حقیقۃالوحی۔ مرزاغلام احمد قادیانی ص 68
۵۴۔ اخبار عام 23 مئی 1908 لاہور
۵۵۔ تجلیات الٰہیہ۔ مرزاغلام احمد قادیانی ص 391
۵۶۔ کتاب البریہ قادیانی۔ مرازغلام احمد ص 184
۵۷۔ الوصیت۔ مرزاغلام احمد قادیانی۔ ص۔ 17
۵۸۔ آسمانی فیصلہ۔۔ مرزاغلام احمد قادیانی ص 20

۵۹۔ الحکم۔ 31 مئی 1901 خط مرزا صاحب 1884
۶۰۔ جنگ مقدس۔ مرزا غلام احمد قادیانی ص 67، مطبوعہ 1893
۶۱۔ مسیح موعود اور ختم نبوت۔ محمد علی لاہوری ایم اے ص 4
۶۲۔ سراج منیر۔ غلام احمد۔ ص 302
۶۳۔ آنجام اتھم۔ مرزا غلام احمد قادیانی ص 28
۶۴۔ تبلیغ رسالت۔ میر قاسم علی قادیان ج 2 ص 95
۶۵۔ انجام اتھم۔ مرزا غلام احمد قادیانی ص 27
۶۶۔ ایام الصلح۔۔ مرزا غلام احمد۔۔ ص 146
۶۷۔ ازالہ اوہام۔ مرزا غلام احمد قادیانی ص 289 ج 2
۶۸۔ الحکم 10 جون 1905 قادیان
۶۹۔ الحق۔ ص 28۔ دہلی 1910۔ بحوالہ ختم النبوۃ فی الاسلام
۷۰۔ براہین احمدیہ۔۔ مرزا غلام احمد ص 183 ج 5
۷۱۔ چشم معرفت۔ مرزا غلام احمد۔ ص 324
۷۲۔ روحانی خزائن۔ مرزا غلام احمد۔ ج 11۔ ص 249
۷۳۔ نزول المسیح۔ مرزا غلام احمد قادیانی۔ ص 2
۷۴۔ حقیقۃ الوحی۔ مرزا غلام احمد ص 220
۷۵۔ مباحثہ راولپنڈی۔ انجمن اشاعت اسلام۔ جماعت احمدیہ ص 242
۷۶۔ حقیقۃ الوحی۔ مرزا غلام احمد قادیانی۔ ص 84
۷۷۔ خطبہ الہامیہ۔ مرزا غلام احمد ص 12
۷۸ چشمہ مسیحی۔۔ مرزا غلام احمد ص 41
۷۹۔ ملفوظات احمدیہ۔ محمد منظور الٰہی۔ ج 5، ص 29
۸۰۔ النبوۃ فی السلام۔ مولوی محمد علی لاہوری ص 158
۸۱۔ مباحثہ راولپنڈی۔ ص 185-184
۸۲۔ خطبہ الہامیہ۔ مرزا غلام احمد قادیانی ص 17
۸۳۔ الفضل 20 جولائی 1931
۸۴۔ مجموعہ فتاوی احمدیہ۔ ج 1 س 385 بحوالہ الحکم نمبر 19 ج 18۔ 28 مئی
۸۵۔ ملائکۃ اللہ۔ مرزا بشیر الدین محمود ص 47-46 مطبوعہ الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ

۸۶۔ کشف الاختلاف۔ سرور شاہ قادیانی ص 15
۸۷۔ حقیقت الاختلاف۔ محمد علی لاہوری ص 50
۸۸۔ پیغام صلح 16اکتوبر 1913 ص 2۔ بحوالہ ماہانہ فرقان جنوری 1942 ص 14-13 قادیان
۸۹۔ النبوۃ فی الاسلام لاہور۔ محمد علی ص 158
۹۰۔ ایضاً ص 158
۹۱۔ النبوۃ فی الاسلام ص 47
۹۲۔ ایضا۔ ص 56
۹۳۔ ایضاً۔ ص 60
۹۴۔ ایضاً ص 215
۹۵۔ النبوۃ فی الاسلام ص 215 ۔ طبع دوم

باب سوم: مسلم مناظرانہ ادب کا مطالعاتی جائزہ

فصل اول: مشہور و معروف مسلم مناظرین کا تعارف

علماء لدھیانہ کا رد قادیانیت میں کردار

برصغیر میں علماء لدھیانہ کو اپنی دینی خدمات کے باعث نمایاں مقام حاصل ہے ان کے جد امجد عبد القادر لدھیانہ کی علمی اور عملی خدمات کی وجہ سے اس پورے خاندان کو امتیازی اہمیت حاصل ہوئی یہ بڑے باہمت انسان تھے ان کا سلسلہ نسب مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلوی سے ملتا ہے آپ نے جنگ آزادی میں اہل اسلام کے حقوق کے تحفظ کے لیے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بعد میں آپ کی نسل نے اپنے سلف صالحین کے نقش قدم پر چل کر اس عملی خانوادے کی شہرت کو چار چاند لگائے۔ انہوں نے نہ صرف انگریزوں کے خلاف حریت کے حصول کے لیے جہاد کیا بلکہ انگریزوں کے اسلام کے خلاف ہر فتنہ کی سرکوبی کے لیے سر توڑ کوشش کی۔

بالخصوص اس ناپاک درخت کو اکھاڑنے کی کوشش کی جس کی آبیاری انگریزوں نے خود کی جس فتنہ کو پوری دنیا ''قادیانیت کے نام سے جانتی ہے مرزا غلام احمد قادیانی عیسائیوں کے خلاف مناظرے کرتا تھا۔ اور اپنی گفتگو کو صرف اور صرف عیسی علیہ اسلام کی توہین اور ان کی ہرزہ سرائی کے لیے صرف کیا۔ اس کے اس طرز عمل پر علماء حق نے سخت تنقید کی اور علماء میں علماء لدھیانہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی

جس ناپاک منہ نے حضرت عیسیؑ کی گستاخی کی اس نے اپنی زبان سے خود ہی کو مسیح موجود کہنا شروع کر دیا۔ تو یوں اللہ نے حضرت عیسیؑ کی عظمت اور آپ کی والدہ کی عفت و عظمت کو ہمیشہ کے لیے محفوظ فرمایا۔

ان مکرم ہستیوں نے قادیانیت کے فتنہ کو فرو کرنے کے لیے دن رات کوشش کی ان علماء نے اپنی دینی وایمانی فراست کی بنا پر قادیانی کذاب کی ابتدائی اٹھان کو بھانپ کر اس کی تکفیر میں سب سے پہلے فتوی دیا۔ یہ فتوی حضرت مولانا محمد صاحب لدھیانویؒ مولانا عبد العزیزؒ لدھیانوی اور مولانا عبد اللہ لدھیانویؒ نے 1884 میں جاری فرمایا۔

دیگر مکاتب فکر نے اس فتنہ کی تردید کے لیے اپنی اپنی جگہ جو کدو کاوش کی وہ بھی قابل صد ستائش ہے۔ مگر ابتدا میں اکثر علماء کو مرزا صاحب کے بارے میں تردد تھا۔ علماء دیوبند نے بھی آغاز میں احتیاط سے کام لیا۔ مگر تردید و تکفیر قادیانیت میں مجلس احرار السلام کی مجاہدانہ جدوجہد سے کون واقف نہیں۔

یہ خاندان باطل کے مقابلے میں ہمیشہ سینہ سپر رہا باطل اور طاغوت کے سامنے کہیں سر نہ جھکایا۔ اس پر خار راہ کی ہر مشکل کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کیا اور برضا و تسلیم مصائب کا سامنا کیا۔ فتنہ خواہ حکومت وسیاست کی لائن سے آیا یا مذہب ودیانت کے حلقوں سے مادیت کے راستوں سے نمودار ہوا یا روحانیت کے ناموں سے انہوں نے ہر دور میں پہچانا اور اس کی سرکوبی کی اور مسلمانوں کو اس سے آگاہ کرکے اس سے محفوظ رکھا۔ برطانوی حکومت کی لائن سے جس قدر فتنے اٹھے اور جس رنگ میں بھی اٹھے۔ ان کے خلاف اس خاندان کے اسلاف بھی اٹھے پھر اخلاف نے وہی کچھ کیا جو اسلاف نے کر دکھایا اور ساتھ غربت وتشدد کے تمام مصائب وہ مصائب بھی جھیلے جو اس راہ کے خواص آثار میں سے ہیں۔ مگر کلمہ حق کی تبلیغ و ترویج نہ چھوڑی اور نہ

ہی اس میں کسی اپنے اور بے گانے کی ذرہ برابر رعایت کی۔ بلکہ بلا خوف لومۃ لائم اعلان حق کیا خواہ اس کی پاداش میں اپنا کچھ بھی کھود دینا پڑا ہو سکتا ہے کہ عملی جزئیات میں ان سے کسی کا اختلاف ہو مگر دنیا کا کوئی بھی حق پرست انسان ان جذبات کی قدر کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

جس طرح اس خاندان کے اسلاف پر اعلان حق کی بدولت وہ وقت بھی آیا کہ انہیں وطن مالوف اور گھر بار چھوڑ کر غربت کی زندگی اختیار کرنی پڑی اور ان کی عدم موجودگی میں دشمنان حق نے ان کے گھروں ہی کو جلا کر رکھ دیا۔ حتی کہ ان کی عبادت گاہوں کو بھی ویران کر دیا۔ بالکل اس طرح ان کی آنے والی اولاد کو بھی آج بھی راہ محبت کی یہ تمام تلخیاں سہنی پڑ رہی ہیں مدارس ہاتھ سے گئے اور مساجد قبضہ سے نکل گئیں جس میں عرصہ دراز سے قال اللہ قال رسول اللہ کی صدائے دلنواز اٹھتی رہیں اور نہ معلوم کہ وہ باقی ہیں یا ایک دوسرے نقشوں میں تبدیل ہو چکے ہیں مگر ان سارے فتنوں کی گرم بازاری میں یہ امانت داری کس درجہ پر عظمت ہے کہ جس طرح ان انتہائی مصائب میں اسلاف کے جذبات دکھلائے تھے اسی طرح آج کل ادنی نہیں ہوئی اور نہ ہی ان کے چہروں پر کسی ادنی سی بد حواسی یا اداسی کی کوئی شکن دکھلائی دیتی ہے۔

اس علمی خانوادے میں اسلاف کی طرح جو چیز مشترک ہے وہ راہ حق میں بے خوفی و بے باکی اعلاء کلمتہ الحق اور دنیوی زندگی میں تحمل شدائد و مصائب مگر بعد تسلیم ورضا ہے حکومتی فتنہ ہی نہیں بلکہ ہر وہ فتنہ جو مذہب 'قوم 'فرقہ تمدن اور معاشرہ سیاست کی راہ سے نمودار ہوا ان حضرات کی نگاہ دوربین نے ہر رنگ میں اس کے اندر قدر و قیمت کو پہچانا اور مخلوق کو اس سے باخبر کیا۔ فتنہ مرزائیت کو اولا اس خاندان نے بھانپا اور مرزا غلام احمد قادیانی کے دجل و فساد سے عملی طور پر ملک کو آگاہ کیا جس سے لاکھوں انسان اس جال سے بچ گئے حتی کہ اس سلسلہ کی عملی تکمیل بھی بالآخر اس خاندان کے ہاتھوں ہوئی ہے مجلس احرار نے امیر الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کی امارت و قیادت میں اس فتنہ کا عملی طور پر مقابلہ کیا اور اس سے زبردست ٹکر لی جو ظاہر میں قادیانیت سے ٹکر لی تھی مگر بلحاظ حقیقت یہ ٹکر برطانیہ کی طاقتور حکومت سے تھی اس لیے ان حضرات کو قید و بند کے سارے ہی تشدد امیز مصائب کا سامنا کرنا پڑا لیکن بالآخر سیاسی پہلوئوں سے اس جماعت نے باطل کے بڑھتے ہوئے اثرات کو روک دینے بلکہ محدود کر دینے میں امیر الاحرار کے رفقاء کار کامیاب ہوئے جو ایک تاریخی کارنامہ ہے اور زندہ جاوید رہ کر جریدہ عالم پر سنہرے حرفوں سے بطور یادگار رہے گا

ان بزرگوں کے دور میں مختلف فتنوں نے مختلف رویوں سے ابھرنے کی کوشش کی مگر انہوں نے اعلی ترین استقامت سے اس زیغ باطل پرور کا مقابلہ کیا اور ان کو ذلت امیز شکست دی۔ پنجاب اور بیرون پنجاب میں ان کی عظمت کو قدر و قیمت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ان کی پند و نصائح کو بڑی دلجمعی سے سنا گیا۔ان کے جہاد باللسان کے اثرات عوام الناس سے لے کر سلاطین وقت تک پہنچے جنہیں سوائے سر تسلیم خم کرنے کے کوئی یارانہ رہا۔[1]

اسی خاندان کے بزرگوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کے منظر عام پر آتے ہی اس کی اصلیت کو پہچانا اور کفر کا دوٹوک فتوی صادر کر کے اس وقت کے اکابر علماء امت کو اس فتنہ سے آگاہ کرنے کی مہم شروع کر دی۔ یہ وہ وقت تھا جب حضرت مولانا رشید احمد

گنگوہی جیسے بزرگ اور سر کردہ علماء کرام لدھیانہ اپنے موقف پر قائم رہے اور بالآخر برصغیر بلکہ عالم اسلام کے تمام علمی و دینی حلقوں کو اس سے اتفاق کرتے ہوئے مرزا صاحب اور اس کے پیرا کاروں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔

عقیدہ ختم نبوت امت مسلمہ کا قرون اولی سے لے کر آج تک ایک اجماعی عقیدہ چلا آرہا ہے کہ سرور کائنات فخر موجودات اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں آپ کے بعد رشد و ہدایت کا پیغام اللہ کی طرف سے کوئی نہیں اور نہ کسی نانہجار کو قصر نبوت میں داخل ہو کر مسند نبوت پر فائز ہونے کی اجازت ہے۔ سرور کائنات کا ارشاد ہے۔

''میری امت میں تیس کذاب ہوں گے ان میں سے ہر ایک نبوت کا دعوی کرے گا جب کہ میں آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی بھی نبی نہیں آئے گا۔''

اس عقیدہ ختم نبوت پر بیسوں آیات سینکڑوں احادیث اس کی شہادت دے رہی ہیں کہ مسئلہ قطعی طور پر طے شدہ ہے۔

بعض احادیث میں دجالوں ، کذابوں کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ دجال کا لفظی معنی شدید دھوکہ باز۔ زمانہ گواہ ہے کہ جب بھی کسی نے اس ادارہ نبوت کے دروازے کو کھٹکا کر اس قصر نبوت میں داخل ہونے کا ناپاک ارادہ کیا۔ اور اپنے آپ کو نبی ثابت کرنے کے لیے کسی قسم کی کوشش کی ہادی برحق کی امت وسط نے قرآن وسنت اور اجماع امت کی روشنی میں دائر اسلام سے خارج قرار دیا۔ خواہ ان مدعیان نبوت کا تعلق زمانہ خلافت راشدہ سے ہو یا بعد میں آنے والی اسلامی سلطنتوں کے مسلمان حکمرانوں کا دور ہو۔ بغیر کسی تحقیق و تفتیش کے امت مسلمہ نے ہر اس شخص کے بارے میں جس نے آپ ﷺ کے بعد نبوت کا دعوی کیا چاہے وہ سلیمہ کذاب کی طرح کلمہ گو ہو اور یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ آپ کے بعد چھوٹے چھوٹے نبی آسکتے ہیں یا شجاع کی طرح یہ کہتا ہو کہ مردوں کی نبوت ختم ہو گئی اور اب عورتیں نبی بن سکتی ہیں یا مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح اس بات کا مدعی ہو کہ غیر تشریعی ظلی اور بروزی نبی ہو سکتے ہیں۔ اس قسم کی تاویلدت کو کبھی برداشت نہیں کیا جانا چاہیے خواہ کتنی بڑی سے بڑی قربانی دینی پڑے۔

چودھویں صدی ہجری میں ملت اسلامیہ کو جن فتنوں کا سامنا کرنا پڑا ان فتنوں میں بدترین اور منحوس ترین فتنہ مرزا غلام احمد قادیانی کی جھوٹی نبوت کا تھا۔ جس نے مسئلہ جہاد کو منسوخ قرار دیا۔ اسلامی عقائد کا مذاق اڑایا اور انبیاء کو فحش گالیاں دیں ۔ قصر اسلام کو منہدم کرنے کے لیے نئی مسیحیت کی بنیاد رکھی ۔ انگریز سامراج کی اطاعت کو لازمی قرار دیا۔ مجاہدین اسلام کو منکر قرار دیا۔ چودہ سو سال ہیں جن ملاحدہ ، زندقین اور جھوٹی نبوت کے مدعیین نبوت و مہدویت نے قرآنی آیات اور احادیث نبوی میں تحریفات کی ہیں۔ ان کو ایک پلڑہ میں رکھا جائے اور مرزا صاحب کی تحریفات کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو مرزا صاحب کا پلڑا بھاری نظر آئے گا۔ مرزا صاحب انگریزوں کے اشارہ پر اپنے دعاوی باطلہ کا سلسلہ شروع کیا۔

علماامت کو اللہ تعالیٰ نے بروقت اس فتنہ سے آگاہ فرمایا اور برصغیر کے علماء میں سب سے پہلے مولانا محمد لدھیانوی مولانا عبدالعزیز لدھیانوی مولانا عبداللہ لدھیانوی کو یہ شرف حاصل ہوا انہوں نے قادیانی عقائد باطلہ کی وجہ سے مرزا قادیانی پر تکفیر کا حکم صادر فرمایا ان کے بعد مولانا محمد علی مونگیری ، پیر مہر علی شاہ گولڑوی حضرت علامہ رشید احمد گنگوہی مولانا محمد یعقوب نانوتوی شیخ الھند مولانا محمود الحسن دیوبندی مولانا اشرف علی تھانوی مولانا نذیر حسین دہلوی مولانا محمد حسین بٹالوی اور دیگر بے شمار علماء

امت نے تردید قادنیت پر کارہائے نمایاں سرانجام دیے ان اکابرین علماء کے اٹھ جانے کے بعد امام العصر حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیری اس سلسلہ میں گویا ماموراور معلم تھے حضرت علامہ کو اس فتنہ کی شدت نے یہاں تک پریشان کر رکھا تھا۔کہ آپ مسلسل چھ ماہ تک سو نہ سکے۔ان اکابرین میں علماء لدھیانہ سر فہرست ہیں جنھوں نے ختم نبوت کے تحفظ کے لیے کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔

لدھیانہ شہر کی اہمیت اور علمائے لدھیانہ کا تعارف

ایک ضلع اور شہر کا نام جو بھارت کی مملکت میں صوبہ پنجاب کی جالندھر میں واقع ہے۔اس علاقے میں زمین کو زرخیز کرنے والا مادہ موجود ہے یہ میدانی علاقہ ہے جس کے شمال میں دریائے ستلج ہے اس دریا کا پرانا راستہ اس میں سے ہو کر گزرتا تھا ۔اس کا کل رقبہ 1455 مربع میل ہے 1089 میں لدھیانہ میں سرحدی چھائونی قائم کی گئی اور سکھوں کی پہلی جنگ 1846 کے بعد اس علاقے کو اپنی موجودہ حدود کے مطابق ایک مکمل ضلع کی صورت حاصل ہو گئی۔اس کے بانی لودھی پٹھان تھے اور شہر کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے۔ ۲؎

یہاں سے امام ربانی مجدالف ثانی کی بستی سرہند تقریبا 24 میل کے فاصلے پر واقع ہے اس لیے یہ علاقہ علماء فضلا و اہل اللہ کا مرکز بھی رہا ہے۔

شاہ محمد اسحٰق دہلوی کی ہجرت اِلی الحجاز 1841ء کے بعد پنجاب اور افغانستان کے عملی دینی قیادت بیشتر علماء لدھیانہ ہی کے ہاتھ رہی دیوبند (قیام 1860) کی تعلیم گاہوں کا قیام اور فروغ بعد میں ہوا ہے۔

افغانستان میں اندرونی کشمکش کی وجہ سے احمد شاہ ابدالی کے پوتے شاہ زمان اور شاہ شجاع الملک لدھیانہ میں پناہ گزیں ہوئے۔ ۳؎

علمائے لدھیانہ کے جد اعلیٰ

مولانا عبدالقادر لدھیانوی 1791 ولیانوالا میں پیدا ہوئے درس نظامی گھر پر پڑھا علوم حدیث کے لیے سفر کیا۔آپ کی اسناد حدیث بواسطہ مولانا عبداللہ شاہ عبدالقادر شاہ ولی اللہ تک پہنچتی ہے مولانا عبدالقادر نے دہلی پہنچ کر شاہ عبدالعزیز شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر سے براہ راست اجازت تفسیر و حدیث حاصل کر لی تھی۔اور شاہ عبدالقادر کی اجازت سے ان کے ترجمہ و تفسیر موضع القرآن کی فہرست مرتب کی تھی۔اسی طرح شاہ عبدالعزیز کے حواشی بدیع الزمان منطق پر نظر ثانی اور اضافہ کیا تھا۔

تعلیم سے فراعنت کے بعد موضع ولیانوالہ میں اپنے نانا (مولانا عبداللہ ولی) کے قائم کردہ مدرسہ اور خانقاہ کے مہتمم و مربی مقرر ہوئے تعلیم و تدریس کے علاوہ آپ نے کچھ تصانیف بھی کی ہیں آپ نے اپنے شیخ شاہ عبدالعزیز کے طرز پر عوام کے لیے ہفتہ میں دو دفعہ وعظ کہنا شروع کیا۔آپ نے عقائد اخلاق اور معاملات کی اصلاح کی۔اللہ نے آپ کے وعظ و نصیحت میں معجزانہ تاثیر قوت ودیعت فرمائی تھی۔لوگ دور دراز سے آپ کا وعظ سننے آتے اور واپس جا کر اپنے علاقوں میں تذکرہ کرتے۔ ۴؎

آپ کے چار بیٹے تھے مولانا سیف الرحمٰن ۔ مولانا محمد ۔ مولانا عبداللہ ۔ مولانا عبدالعزیز آپ اپنے چاروں بیٹوں کے ساتھ 1857 کی جنگ آزادی کے دوران پنجاب کی یورپی فوجوں اور مجاہد مسلمانوں کے فوجی دستوں کو ہمراہ لے کر براستہ پٹیالہ اور کرنال انگریزی فوجوں کا مقابلہ کرتے ہوئے دہلی جا پہنچے۔انگریزوں نے ان کی گرفتاری کا ایک لاکھ روپے کا انعام رکھا آپ اور آپ

کے صاحبزادگان کو راجپوتوں کے ایک گاؤں مستانہ کے مسلمانوں نے پناہ دی۔ کسی قسم کا لالچ ان کے قدموں کو ڈگمگا نہ سکا۔ ہر انگریزی فوج کے محاصرے کے باوصف ان علماء کو انگریز گرفتار نہ کرسکے وہاں کے لوگ نام کے مسلمان تھے آپ اپنے روحانی فیض سے ان کا تعلق اللہ سے قائم کر دیا۔ ان لوگوں کی زندگیاں مسلمان اسلاف کا ایک عملی نمونہ بن کر سامنے آئیں۔ حتیٰ کہ انگریز فوج کے ظلم وجبروت میں کمی واقع ہوئی انھوں نے تالیف قلب کی غرض سے تمام لوگوں کے لیے عام معافی کا اعلان کر دیا۔

1860 میں نورانی نفوس پر مشتمل قافلہ بستی سے لدھیانہ کی طرف روانہ ہوا گاؤں سے ایک میل کے فاصلہ پر شام کو آپ کی طبیعت خراب ہو گئی صبح کو انتقال فرما گئے اسی مقام پر تجہیز و تکفین ہوئی آپ کے مجاہد بیٹے ایک ہفتہ قیام کرنے کے بعد اپنے خاندان سمیت لدھیانہ کی طرف روانہ ہوئے سب سے پہلے آپ کے چھوٹے بیٹے مولانا عبدالعزیز صاحب داخل ہوئے شہر والوں نے ان علماء کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا انگریزی فوج کو اپنا اقتدار لرزتا ہوا محسوس ہوا انھوں نے علماء کو گرفتار کیا مگر ایک مہینہ بعد مجبوراً ان علماء کو رہا کر دیا۔ ان علماء کی مسجد کی جگہ اور گھر کے لیے جائیداد ان کے بہی خواہوں نے واپس کر دی۔

مولانا سیف الرحمٰن لدھیانوی

اللہ تعالیٰ نے مولانا عبدالقادر کو علم و فضل زہد و تقویٰ میں انہی کی مثل چار فرزند عطا فرمائے ان سب نے اپنے والد ہی سے تعلیم وتربیت حاصل کی۔ جہاد آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔ اس کے نتائج بھگتے۔ مولانا سیف الرحمٰن نے سہ رکنی قافلہ (مولانا عبدالقادر کے بھانجے مولانا محمد اسماعیل اور حکیم محمد حسن قرشی لاہوری کے والد محترم قاضی فضل الدین مرحوم تھے) کے قائد کی حیثیت سے افغانستان میں گئے تاکہ سردار دوست محمد خان کی حکومت سے جہاد آزادی ہند میں مدد حاصل کریں پھر باغستان کے مجاہدین میں شامل ہوئے۔ لدھیانہ میں ان کے خلف الرشید ین محمد افاق تھے۔ ۵ے

صوفی اکبر علی ان کے متعلق تحریر کرتے ہیں۔ مولوی محمد افاق ڈھولیوالہ میں تشریف رکھتے علم حدیث طب اور ادب عربی و فارسی کے ماہر تھے لوگوں کو حدیث کا درس دیتے اور غریبوں کا مفت علاج کرتے۔ ۶ے

مولانا سیف الرحمٰن 1857 کے انقلاب میں کابل چلے گئے اور پھر واپس تشریف نہ لائے اگرچہ متبحر عالم تھے مگر تصنیف وتالیف میں ان کا نام نہیں ملتا۔

مولانا محمد لدھیانوی

آپ وقت کے سب بڑے عالم فقیہ زمانہ تھے اور درس وتدریس میں مشہور تھے ہندوستان کے ہر حصہ میں آپ کے شاگرد علماء کرام کی ایک اچھی خاصی تعداد اسی زمانہ میں پائی جاتی تھی۔ آپ نے مندرجہ ذیل تصانیف تالیف فرمائی۔
(i) حواشی علی موطا امام محمد (ii) حواشی علی شرح معانی الاثار للطحاوی (iii) تقدیس الرحمٰن من الکذب والنقصا ن (iv) انتصار الاسلام (v) فتوی در مرزا قادیانی آپ نے مذکورۃ الصدر رسالہ میں تمام علماء سے قبل مرزا کے ارتداد اور کفر پر فتوی جاری کیا علماء وقت کو مسئلہ ختم نبوت کی اہمیت اور نزاکت سے آگاہ کیا۔ آپ نے فتوی مرتب کیا تھا۔ اور ان کے برادران ان کے مشیر تھے اور نشرواشاعت میں پیش پیش تھے۔ ۷ے

مولانا عبداللہ لدھیانوی

آپ مولانا عبدالقادر کے تیسرے فرزند تھے آپ صوفی منش ہونے کے علاوہ مرد مجاہد بھی تھے۔ تمام علمی ودینی خدمات بیں مولانا محمد کے دست راست اور معاون تھے حواشی موطا امام محمد انہی کے اہتمام وسعی سے طبع ہوئے قادر الکلام متکلم اور مناظر تھے۔ مفتی محمد نعیم مرحوم جمیعت علماء ہند صوبہ پنجاب کے صدر اور بہت سے دارالعلوموں میں بحیثیت صدر المدرس کام کرتے رہے آپ کا سن ولادت 1834 اور سن وفات 1894 ہے۔

مولانا عبدالعزیز لدھیانوی

آپ عبدالقادر صاحب کے چوتھے فرزند تھے جو 1838ء کو پیدا ہوئے اور 1901 میں اللہ کو پیارے ہوگئے آپ نقشبندی مجدد تھے آپ درویش عالم اور صوفی ہونے کے علاوہ جادو بیاں مقرر تھے۔آپ نے چالیس سال وعظ میں قرآن مجید کا ترجمہ بیان فرمایا۔

صوفی علی تحریر کرتے ہیں۔

مولانا عبدالعزیز صاحب معدن محاسن واخلاق تھے ان علاقوں میں علوم ظاہری و باطنی میں از حد مشہور تھے۔ فی زمانہ اس مجلس کا پایا جانا نہایت ہی مشکل ہو رہا ہے۔ واعظین۔ عابدین فقراء اور مدارس اسلامیہ کے جاری کرنے والے بہت ملیں گے لیکن خدا کے خوف سے خالصتاً لوجہ اللہ کام کرنے ان میں سے بعد آزمائش بہت کم نکلیں گے آپ اپنی تمام عمر عمر لوجہ اللہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں مشغول رہے۔ ۸

آپ نے بغرض تبلیغ پاک وہند کے وسیع دورے کئے مگر کسی کے مہمان نہ بنے طریقہ کار یہ تھا کہ قافلہ کی شکل میں اجتماعی سفر کرتے بار برداری کے جانوروں پر ضروری سامان ساتھ اٹھائے آبادیوں کے درمیان کسی موزوں جگہ پر خیمہ زن ہوتے اپنے اور بار برداری کے جانوروں کی خوراک کا خود اہتمام کرتے لوگوں کو وعظ اور درس قرآن سننے کی دعوت دیتے تھے۔ ۹

مرزا صاحب کی زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات واضع ہو جاتی ہے کہ مرزا صاحب کو لدھیانہ شہر سے خاصی رغبت تھی وہ اپنی جمیعت کے ساتھ اس شہر میں پڑاؤ کرتے اور اپنی زبان سے اپنے مریدوں کی اصلاح کرتے۔جب مرزا صاحب نے 1884 میں براہین احمدیہ کو مکمل کرکے چار جلدوں میں شائع کیا۔تو سب سے پہلے جن لوگوں نے مرزا صاحب کی مخالفت کی ان میں علمائے لدھیانہ پیش پیش تھے جنگ آزادی 1857 کے نامور ہیرو مولانا عبدالقادر لدھیانوی کے فرزند مولانا محمد عبداللہ اور مولانا عبدالعزیز نے سب سے پہلے مرزا غلام احمد کے خلاف کفر کا فتوی دیا۔ عزیزالرحمٰن جامعی نے اپنی کتاب ”رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور جنگ آزادی“ میں اس فتوی کے واقعہ کو یوں تحریر کیا ہے۔

لدھیانہ میں مختصر قیام کے زمانہ میں مرزا غلام احمد قادیانی لدھیانہ آیا۔اور اس نے اپنے مجدد ہونے کا دعوی کیا تو مولانا شاہ محمد عبداللہ صاحب مرزا غلام احمد کی قیام گاہ پر گئے اور مرزا کو دیکھتے ہوئے فرمایا یہ شخص کافر و مرتد ہے اس کی بیعت مت کرو۔یہ اپنے آپ کو مجدد نہیں بلکہ نبی پیغمبر ثابت کرنا چاہتا ہے۔مرزا کی مجلس میں اس طرح اعلان حق پر بڑا مشہور ہوا کہ بلا کس دلیل کے مولانا شاہ محمد عبداللہ نے مرزا کو کافر اور مرتد قرار دے دیا ہے۔اس وقت مرزا کی کتاب براہین احمدیہ چھپ چکی تھی۔مولانا شاہ محمد صاحب نے رات بھر میں اس کتاب کا مطالعہ کیا۔اور صبح مرزا کی تحریروں کی بنیاد پر مکمل فتوی لکھ کر شائع کر

دیا۔ کہ ان تحریروں کی بنیاد پر مرزا کو کافر اور مرتد ہے۔اس جرات امیز اعلان پر سارے ہندوستان میں سنسنی پھیل گئی ہندوستان کے بڑے بڑے علماء حتی کہ دارالعلوم دیوبند کے اکابر تک مرزا کے کفر وارتداد کے بارے میں کئی برس تک کوئی فیصلہ نہ دے سکے تھے لیکن آخر کار مرزا کے روز بروز نئے سے نئے الہامات کے اعلانات نے تمام ہندوستان کے علماء کو علماء لدھیانہ کی رائے سے اتفاق کرنے پر مجبور کیا کہ مرزا کافر اور مرتد ہے مرزا غلام احمد نے اپنی کتابوں میں اور اپنے اعلانات اور الہامات میں سب سے زیادہ گالیاں علماء لدھیانہ ہی کو دیں جو علماء لدھیانہ کے خاندان کے لیے یقیناً توشہ آخرت ہے۔ ۱۰

مرزا صاحب نے اپنی تحریک کا آغاز لدھیانہ سے کیا اس لیے کیا کہ پنجاب کے اندر برطانوی استعمار کیلیے علماء لدھیانہ مستقل طور پر ایک چیلنج کی حیثیت اختیار کر چکے تھے جنہوں نے انتہائی جرأت و دلیری کے ساتھ 1836ء سے 1857ء کی جنگ آزادی ہیں برطانوی سلطنت کے خلاف پیہم جہاد بالسیف کرکے برطانوی حکومت کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا۔اس لیے ضروری تھا کہ انگریزی اطاعت وفرمانبرداری کی اس تحریک کو اس مرکز سے شروع کیا جاتا جو اہل فرنگ کی پریشانی کا باعث بن چکا تھا۔ 1857 کی جنگ آزادی پر جن لوگوں نے بھی کتابیں لکھی ہیں ان میں اکثریت نے لدھیانہ کے لوگوں کی ہمت و شجاعت کی تعریف کرتے ہوئے اس بات کا اعتراف کیا ہے۔ کہ علماء لدھیانہ نے شاہ عبدالقادر لدھیانوی کی قیادت میں حب الوطنی کا عظیم مظاہرہ کیا۔ لدھیانہ کے گرد و نواح کا علاقہ جہاد بالسیف کے ذریعے دشمن سے آزاد کرا کر وہاں پر چھ ماہ تک آزاد حکومت قائم رکھی اور براہ راست دہلی حکومت سے رابطہ قائم رکھا۔اور جہاد خیر میں وافر حصہ لیا۔

پروفیسر خلیق نظامی لکھتے ہیں۔

مولانا عبدالقادر بن مولانا عبدالوارث لدھیانہ کے علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں انہوں نے مع اپنے بیٹوں کے جنگ آزادی میں حصہ لیا تھا۔لدھیانہ سے آکر مسجد فتح پوری میں قیام کیا تھا۔ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ان کے پوتے تھے۔ ۱۱

اسی طرح انتظام اللہ شہابی لکھتے ہیں۔

مولانا شاہ عبدالقادر اور مولانا عبدالوارث لدھیانوی پنجاب میں یہ خاندان علم و فضل کے اعتبار سے بھی بلند پایا رکھتا ہے مولانا شاہ عبدالقادر 1796ء میں لدھیانہ سے تحصیل علم کے لیے روانہ ہوئے دہلی آکر مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی کے درس میں شریک ہوئے تکمیل کی اور روحانی تربیت پائی 1825 میں وطن واپس آکر رشد وہدایت میں لگ گئے۔

اس زمانہ میں احمد شاہ ابدالی کے پوتے شاہ زمان اور شجاع الملک انگریزی سیاست کا شکار ہو کر کابل سے لائے گئے۔اور لدھیانہ میں نظر بند ہوئے۔ حضرت شاہ عبدالقادر کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے مولانا کو انگریز سے دلی نفرت تھی ڈپٹی کمشنر چاہتا تھا کہ مولانا کوئی اعلی عہدہ قبول کرلیں آپ نے انکار کر دیا۔ مولانا کے حلقہ اثر میں انقلابی تحریک پنجاب کے علاقہ میں پھل پھول رہی تھی 1857ء میں مولانا اور آپ کے فاضل بیٹوں مولانا سیف الرحمٰن مولانا محمد عبداللہ مولانا عبدالعزیز نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مولانا مع اہل وعیال اپنے مریدوں کو لے کر دہلی جنگ آزادی میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے اور مسجد فتح پوری کے حجرہ میں قیام کیا یہیں پر ان کی اہلیہ کا انتقال ہوا جن کو مسجد کے صحن میں دفن کر دیا گیا۔ ۱۲

رسالہ فتوی در مرزا قادیانی

مولانا محمد لدھیانوی نے مرزا کے کفریات کو للکار اور ایک رسالہ لکھا جس میں مرزا کی تکفیر کے اسباب اور وجوہ تحریر فرمائے مولانا محمد لدھیانوی تحریر کرتے ہیں۔

بعد الحمد ولصلوۃ محمد بن مولانا عبدالقادر صاحب مرحوم لدھیانوی ہیچ خدمات اہل اسلام کے عرض کرتا ہے کہ غلام احمد قادیانی کی تکفیر باعث کلمات کفریہ کے اول 1301ھ میں ہمارے ہی خاندان سے شروع ہوئی اس وقت اکثر لوگ ہمارے مخالف رہے بعد میں رفتہ رفتہ کل اہل علم نے قادیانی کے ضال مضل ہونے پر اتفاق کیا۔ حتیٰ کہ علماء حرمین نے بھی قادیانی پر دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا فتویٰ دیا۔

اگرچہ ان فتوئں سے لوگوں کو بہت ہدایت ہوئی لیکن بعض کور باطنوں کو اس آفتاب ہدایت مآب سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوا۔ یعنی جو کفریات اس کے صاف صاف آیات قطعیات کے مخالف ہیں ان پر ان کے ایمان کی بنیاد ہے جیسا کہ ازالہ اوہام میں عیسیٰؑ کو یوسف نجار کا بیٹا لکھا ہے جو خدا تعالیٰ نے ان کے معجزات مثل احیاء واموات اور مادر زاد نابینوں کو بینا کرنا مٹی سے پرندہ کی شکل بنا کر اس کو سچ سچ کا پرندہ بنا دینا وغیرہ وغیرہ کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے ان سب کو قادیانی نے مشرکانہ خیال لکھ کر منکر قرآن ہو کر اپنا کفر ظاہر کرکے زمرہ مرتدین میں شامل ہوا۔ ۱۴۳

مولوی محمد لدھیانوی صاحب نے غلام احمد پر قرآن واحادیث کی آیات کا انکار کرنے اور حضرت عیسیٰؑ کی توہین اور انکار کرنے کے باعث کفر کا فتویٰ صادر فرمایا۔

مولانا رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں: مرزا صاحب وعدہ فخر دو عالم حضور نبی کریم ﷺ دجال کذاب پیدا ہوا ہے۔ مثل مختار ثقفی کے اول دعوی تائید دین کیا اب مدعی نبوت درپردہ ہو کر مضل خلق ہوا اور بڑا چلاک ہے کہ اشتہار مناظرہ دیتا ہے۔ اور جب کوئی مقابل ہوتا ہے بلطائف الحیل ٹال دیتا ہے اور مناظرہ موت وحیات عیسیٰؑ کرتا ہے۔ اور اپنے دعوی کے باب میں بالکل مناظرہ نہیں ہے ہوتا۔ بندہ نے اس کے باب میں فتوی لکھا ہے وہ ملفوف ہے ہرگز تردد نہ کرنا چاہیے جو نصوص کا منکر ہو گا وہ اہل ہوا میں داخل ہے آپ اپنی طرف سے لوگوں کو قطعاً ممانعت اس سے ملنے کی کردیں۔ ہرگز اس کے ناحق اور اہل باطل ہونے میں تامل نہ فرمائیں۔ ۱۴۴

مولانا محمد حسین بٹالوی

آپ کا اسم گرامی محمد حسین۔ کنیت ابوسعید والد کا نام عبدالرحیم۔ آپ کی ولادت 17 محرم 1241ھ 10 فروری 1841 بٹالہ ضلع گورداسپور میں ہوئی ابتدائی تعلیم کے بعد اعلی تعلیم کے لیے علی گڑھ۔ لکھنو اور دہلی کا سفر کیا۔

آپ کے نامور اساتذہ میں سب سے نامور شخصیت سید محمد نذیر حسین دہلوی کی ہے تکمیل تعلیم کے بعد آپ نے پنجاب واپس آکر امرتسر، بٹالہ اور لاہور میں علوم قرآن و سنت کی خدمات کی۔ ایک مدت تک آپ مدرسہ غزنویہ میں پڑھاتے رہے لاہور میں چینیاں والی مسجد میں بھی مدتوں خطیب اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔

آپ کا اہل حدیث مکتب فکر میں ایک بڑا مقام ہے آپ نے مرزا صاحب کے خلاف کئی مناظرے اور مباحثے کیے۔ آپ نے مرزا صاحب کو مباہلہ کا چیلنج بھی دیا۔ اس کے کافر ہونے پر ایک فتوی جاری فرمایا۔ جس پر پورے ہندوستان کے علماء کے دستخط

موجود ہیں مولانا محمد حسین ابتدا مرزا صاحب کے انتہادرجے کے مداح تھے آپ مرزا صاحب کے بڑے دلائل و براہین کے ساتھ حمایت کی آپ نے مرزا صاحب کی تصنیف براہین احمدیہ پر تبصرہ لکھا جو کہ اشاعۃ السنۃ ج 6 شمارہ 7۔9 جون جولائی اگست 1884 کو لکھا اس کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

یہ کتاب کا خلاصہ مطالب ہے اب ہم اس پر اپنی رائے نہایت بے مبالغہ الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں ہماری رائے کے مطابق یہ کتاب اس زمانے میں موجود حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر اب تک اسلاف میں تالیف نہیں ہوئی اور آئندہ کی خبر نہیں۔لعل اللہ یحدث بعد ذلك امر اور اس کا مئولف بھی اسلام کی مالی جانی و قلبی لسانی ومالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہے اس کتاب میں جملہ فرقہ ہائے مخالفین اسلام خصوصا فرقہ آریہ برہمو سماج سے اس زور و شور سے مقابلہ پایا جاتا ہے۔مگر افسوس صد افسوس مگر ایسی کتاب جو اسلامی حقانیت پر لکھی گئی اس کا انکار بھی مسلمانوں نے کیا۔ان کے انکار و کفران کا مورد و موجب مولف کتاب کے وہی الہامات ہیں جو اس کتاب کے اخص برکات سے ہیں ان الہامات کو بعض (لدھیانہ والے) کھلم کھلا کفر قرار دیتے ہیں بعض امرتسر مسلمان تو صرف غیر صحیح وغیرہ ممکن اور نا قابل تسلیم بتاتے ہیں۔فریق اول وجہ تکفیر بتاتے ہیں کہ ان الہامات میں مولف نے پیغمبری دعوی کیا ہے کمالات کا اپنے آپ کو محل ٹھہرالیا ہے چند آیات معہ ترجمہ نشان محل بیان از قرآن و براہین احمدیہ کی جاتی ہیں۔فاصدع بما تؤمروا عرض عن الجاھلین جبکہ اصل آیت میں عن المشرکین ہے۔اس قسم کی بیسیوں آیات اور ہیں جن کے مورد نزول ہونے کا مولف کو دعویٰ ہے اس کے علاوہ بہت سے عربی وانگریزی فقرات ایسے اسی کتاب میں درج ہیں جن سے مولف کا دعوی نبوت مترشح ہوتا ہے جیسا کہ یہ عربی فقرہ۔انت وجیہ فی حضرتی اخترتك لنفسی۔تو ہماری بارگاہ میں صاحب وجاہت ہے ہم نے تجھے اپنے لیے چن لیا ہے۔انا انزلنا قریبا من القادیان و بالحق انزلنا و بالحق نزل ہم نے اس کو یا اس کے اس کے الہامات کو قادیان کے قریب اتارا ہے اور ہم نے ان کو حق کے ساتھ اتارا ہے اور حق کے ساتھ اترے ہیں۔۱۵

اسی قسم اور آیات بشارات بزبان عربی وفارسی وانگریزی اسی کتاب میں پائے جاتے ہیں۔لیکن اس کتاب میں ان بشارات وعبارات کے الفاظ کی تشریح و تفسیر ایسی ہو چکی ہے کہ اس میں کسی مفتری کے اختراا ور کسی مفسد اختراع کی گنجائش نہیں اس میں واضع لکھا گیا ہے کہ فتح اسلام سے مراد ملکی فتح نہیں اور نہ ہزیمت مخالفین اسلام سے ان کا میدان جنگ میں شمشیر تفنگ سے بھاگ جانا مراد ہے بلکہ فتح اسلام سے اس کا دلائل وبیان وحجت وبرہان سے غالب ہونا ہزیمت سے مراد مخالفین کا بحث ودلائل سے عاجز آنا ہے واضع ہو مولف نے پشین گوئی نمبر 2 حصہ چہارم میں صفحہ 498 نقل کرکے اس کا ترجمہ ان الفاظ سے کیا ہے ''کیا کہتے ہیں کہ ہم ایک قوی جماعت ہیں جو جواب دینے پر قادر ہیں عنقریب یہ ساری جماعت بھاگ جائے گی اور پیٹھ پھیرے گی اور پشین گوئی نمبر 4 کا ترجمہ بھی خود ہی ان الفاظ سے کیا ہے خدا تعالیٰ کے دلائل و براہین کا لشکر چلا آتا ہے وہ دشمن کو مغلوب اور ہلاک کرنے کے لیے تمہارے ساتھ ہیں۔

اور بصفحہ 557 پشین گوئی نمبر 5 جس میں مولف کو بلفظ یا عیسی مخاطب کیا گیا ہے نقل کرکے اس کا ترجمہ ان الفاظ سے کیا ہے یا عیسی متوفیك۔اے عیسی میں تجھے کامل اجر بخشوں گا یا وفات دوں اور اپنی طرف اٹھاؤں گا اور تیرے تابعین کو ان پر

جو کہ منکر ہیں قیامت تک غلبہ بخشوں گا۔ یعنی تیری ہم عقیدہ اور ہم مشربوں کو حجت اور مہربان اور برکات کی رو سے دوسرے لوگوں پر قیامت تک فائق رکھوں گا۔ پہلوئوں میں سے بھی ایک گروہ ہے اور پچھلوں میں سے بھی ایک گروہ ہے اس جگہ عیسی کے نام سے بھی یہ عاجز مراد ہے۔

اس عبارت میں الفاظ حجت.برہان۔برکات ہماری بیان کے صاف مئوید ہیں بالآخر ہم اس قدر کہنے سے باز نہیں آسکتے کہ اگر یہ معاملہ گورنمنٹ تک پہنچتا تو یقین تھا کہ ہماری زیرک اور دانشمند گورنمنٹ ایسے مفسدوں کو جنھوں نے بحق ایسے شریف خاندانی کے جو ایک معزز نیک نام و خیر خواہ سرکار کا بیٹا ہے اور خود بھی سرکاری خیر خواہ و شکر گزار و دعا گو ہے اور درویشی غربت سے زندگی بسر کرتا ہے ایسا مفسدانہ اختراع کیا اور بہت سے لوگوں کے دلوں کو آزار پہچانا ہے سخت سزا دیتی۔

ہم یہ بھی امید رکھتے ہیں کہ گورنمنٹ ایسے خیر خواہ اور وفادار خاندان جس کی جان نثاری اور وفاداری کا وہ نازک وقتوں میں تجربہ کر چکی ہے کبھی نہ بھولے گی اور یومافیوما اس کی قدر و منزلت کو بڑھائے گی۔ ١٦ا

مولانا بٹالوی کا مرزا غلام احمد اور ان کے اہل و عیال کی ضیافت کرنا تاریخ احمدیت کے مصنف لکھتے ہیں۔

جون 1887 میں قادیان سے انبالہ جاتے ہوئے حضور (مرزا قادیان) اہل و عیال سمیت مولوی محمد حسین بٹالوی کے مکان پر ایک رات ٹھہرے تھے اور مولوی صاحب نے حضرت اقدس (مرزا قادیانی) اور آپ کے اہل بیت کی پر تکلف دعوت بھی کی تھی۔ ١٧ا

مولوی محمد حسین بٹالوی کا پہلا مناظرہ

جب مرزا صاحب کی کتاب.براہین احمدیہ شائع ہوئی تو مولانا نے اپنے رسالے میں بڑے اچھے انداز میں ایک طویل تبصرہ بھی تحریر فرمایا لیکن بالاخر جب آپ نے دیکھا کہ مرزا صاحب اسلام کی حدود پھلانگ کر کفر کی آغوش میں آگرے ہیں تو سینہ سپر ہو گئے علماء سے مرزا صاحب کے کفر کا فتوی لیا اور بقیہ عمر رد قادیانیت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ رد مرزائیت کے ضمن میں پہلا مناظرہ لاہور میں ہوا جس میں مسلمانوں کی طرف سے مولوی محمد حسین بٹالوی مناظر تھے جب کہ قادیانیوں کی طرف سے مناظر ان کے امام غزالی حکیم نورالدین بھیروی تھے مناظرے کا موضوع ''حیات مسیح'' تھا۔ اس مناظرے کا اہتمام لاہور کے مرزائی حضرات نے کیا جس میں منشی الہی بخش اکائونٹنٹ منشی عبدالحق اکائونٹنٹ اور حافظ محمد یوسف ضلع دار قابل ذکر ہیں یہ تینوں حضرات اہل حدیث تھے اور لاہور کے اندر قومی کارکنوں کی حیثیت سے اچھے خاصے مشہور تھے لیکن بعد میں مرزائی ہو گئے مولوی محمد حسین خود بھی اہل حدیث تھے اس لیے ان کے مرزائی ہونے پر سخت افسوس ہوا اور وہ کبھی نہ کبھی وقت نکال کر ان کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے رہتے تھے لیکن اس کے مقابلے میں اس بات کی ٹوہ میں تھے کہ مولوی محمد حسین کو حکیم نورالدین سے الجھا دیں تاکہ مولانا ذلیل و رسوا ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں ان کے نزدیک ان کی نجات حاصل کرنے کا ذریعہ صرف یہی تھا چنانچہ اس سلسلے میں ان قادیانیوں نے ایک دفعہ جموں کا سفر کرکے حکیم صاحب سے ملاقات کی اور انہیں آمادہ کیا کہ مولوی صاحب سے مناظرہ کریں لیکن حکیم صاحب کسی کام کے سلسلے لاہور آئے تو یہ تینوں حضرات نے حکیم صاحب کو مولوی صاحب سے مناظرہ کرنے پر تیار کر لیا چنانچہ اس طرح لاہور کو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ داتا کی اس نگری میں قادیانیت اور

اسلام کے درمیان مناظرہ ہوا اس مناظرے میں مولانا محمد حسین نے خوب رگڑا لگایا انہیں دلائل و براہین کی طاقت سے لاجواب کر دیا حکیم نورالدین مناظرہ بیچ میں چھوڑ کر لدھیانہ میں پناہ لی جہاں پر ان کے پیر و مرشد غلام احمد قیام پذیر تھے۔

15 اپریل 1891 کو مولوی صاحب نے لدھیانہ میں مرزا غلام احمد کو تار ارسال کیا جس میں تحریر تھا کہ آپ کا مرید خاص مناظرے سے فرار حاصل کرکے آپ کے پاس پہنچ چکا ہے اسے مناظرے پر آمادہ کریں اور یا پھر خود مناظرے کے لیے تیار ہو جائیں اس پر مرزا صاحب نے بعض شرائط پر آمادگی ظاہر کی لیکن یہ شرائط ایسی تھیں جن کو مولانا نے تسلیم کرنا مناسب نہ سمجھا ۔کیونکہ مولانا محمد حسین بٹالوی کے نزدیک اس طرح مناظرے کی کوئی افادیت نہیں رہ جاتی تھی شرط یوں تھی کہ مرزا صاحب نے مولانا کو کہا کہ آپ چار ورق جو کچھ چاہتے ہیں تحریر کرکے میرے پاس روانہ کر دیں جس کے جواب میں میں بھی چار ورق جواب تحریر کر دوں گا۔ اور اس کے ساتھ ہی مناظرہ ختم ہو جائے گا یہ ایک لایعنی اور فضول شرط تھی جس کو مولانا نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور یوں مرید اور پیر نے مولانا صاحب سے نجات حاصل کی اور اس طرح مناظرہ ختم ہو گیا۔

مرزا غلام احمد قادیانی جب 1905 میں لدھیانہ آیا اس نے ایک تقریر کی جو کہ لیکچر لدھیانہ کے نام سے ربوہ سے چھپ چکی ہے اس میں اس نے اقرار کیا کہ مجھ پر سب سے پہلے فتوی تکفیر علماء لدھیانہ نے لگایا وہ کہتا ہے۔ میں اس شہر میں 14 سال کے بعد آیا ہوں اور میں ایسے وقت اس شہر سے گیا تھا کہ جب میرے ساتھ چند آدمی تھے اور تکفیر و تکذیب اور دجال کہنے کا بازار گرم تھا اور میں لوگوں کی نظر میں اس انسان کی طرح تھا جو مطرود و مخذول ہوتا ہے اور ان لوگوں کے خیال میں تھا کہ تھوڑے ہی دنوں میں یہ جماعت منتشر ہو جائے گی اور اس سلسلے کا نام و نشان مٹ جائے گا چنانچہ اس غرض کے لیے بڑی کوششیں اور منصوبے بنائے گئے اور ایک بھاری سازش میرے خلاف یہ کی گئی کہ مجھ پر اور میری جماعت پر کفر کا فتوی لکھا گیا اور سارے ہندوستان میں اس فتوی کو پھیرا گیا میں افسوس سے ظاہر کرتا ہوں کہ سب سے پہلے مجھ پر کفر کا فتوی اس شہر کے چند مولویوں نے دیا مگر میں دیکھتا ہوں اور آپ دیکھتے ہیں وہ کافر کہنے والے موجود نہیں اور خدا تعالی نے مجھے اب تک زندہ رکھا۔ ۱۸

اس سے واضح ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے خود اقرار کیا مجھ پر سب سے پہلے کفر کا فتوی علماء لدھیانہ نے دیا اس نے یہ بھی کہا کہ جن لوگوں نے مجھ پر سب سے پہلے کفر کا فتوی دیا اب وہ زندہ نہیں۔ اس سے مراد مولوی محمد لدھیانوی مولانا عبدالعزیز ہی ہو سکتے ہیں یہ حضرات قضائے الہی سے 1903 میں وفات پا چکے تھے جب کہ دوسرے حضرات اس کے بمعہ کافی عرصہ تک زندہ رہے۔ مرزا صاحب ایک مرتبہ لاچار ہو کر لکھتے ہیں۔

معلوم نہیں وہ کون سی بدی تھی جس نے اس کو سلسلہ احمدیت کی شناخت سے محروم رکھا تاہم جب تک وہ زندہ رہے ہم اس پشین گوئی کی کوئی تاویل نہیں کرتے جو اس کے متعلق ہے کہ وہ آخر رجوع کرے گا اس میں دوسرے مولویوں کی نسبت ایک بات تو ہے وہ یہ کہ جب کسی بات کو مان لے تو دلیری کے ساتھ اس کا اعلان کرتا ہے۔ ۱۹

مرزا غلام احمد 1893 سے اپنی زندگی کے آخر تک مولانا محمد حسین بٹالوی کے قبول مرزائیت کی پشین گوئیاں کرتے رہے انہیں خواب بھی آتے رہے اور بقول ان کے وحی میں تو ان سے یہ بھی کہہ دیا کہ نہ صرف مولانا بٹالوی بلکہ ان کے ایک اور مخالف منشی الہی بخش اکاؤنٹنٹ بھی مرزائی ہو جائیں گے۔

مولانا رفیق دلاوری لکھتے ہیں۔

منشی الہی بخش قادیان شکنی میں کس سے پیچھے نہیں رہے کتاب عصائے موسی لکھ کر قادیان صاحب کو خوب رگیداور اس خوبی سے مرزائیت کی بخئیے اھیڑے کہ اگر قادیانی صاحب کا طالع سعید ہوتا تو اس کتاب کو پڑھ کر ضرور تائب ہو جائے۔ ۲۰

مرزا غلام احمد نے کئ پشین گوئیاں کر رکھی تھیں کہ مولانا بٹالوی مرزائی ہو جائیں گے مرزا صاحب اس دنیا سے یہ حسرت لے کر رخصت ہو گئے لیکن مولانا کو اللہ تعالیٰ نے راہ ہدایت پر ہی گامزن رکھا مرزائیوں نے پھر توجہیں کرنا شروع کر دیں بیٹا بھی تو باپ کی مثل ہوتا ہے کیا ہوا جو مولانا صاحب مرزائی نہیں ہوئے ان کی اولاد میں سے کوئی نہ کوئی ہوگا۔

1891 میں غلام احمد کے دعوی مسیحیت سامنے آنے کے بعد مولانا بٹالوی نے اس کے دعاوی کے رد کی جو ذمہ داری اٹھائی اسے انہوں نے اپنی باقی زندگی میں اس کو خوبی سے نبھایا جب 1920 میں اس دار فانی سے رخصت ہوئے تو قادیانی اخبار الحکم کے ایڈیٹر نے لکھا' مولوی محمد حسین بٹالوی کی موت کی خبر میں فی الحقیقیت رنج وافسوس سے پڑھی۔ ہر چند وہ ہمارے سلسلہ کا دشمن اول تھا لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ نہایت زبردست عالم اور اپنے عہد کا ذی علم مناظر اور اہل قلم تھا۔ سلسلہ کے ساتھ ان کی مخالفت کی تاریخ کا ایک دلچسپ باب اور 28 سال کی ایک طویل دستان ہے۔ ۲۱

مولانا بٹالوی صاحب کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ 1893 میں مرزا صاحب کی اس پیش گوئی کے بعد کہ مولانا مرزائی ہو جائیں گے ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ مرزا صاحب مفتری علی اللہ تھے کیوں کہ مولانا کبھی دائرہ مرزائیت میں داخل نہیں ہوئے۔

یوں تو مولانا بٹالوی کی زندگی کا بیشتر حصہ رد قادیانیت میں گزرا اور ان کی بہت سے تحریریں اشاعۃ السنۃ میں شائع ہوئی ہیں لیکن چند تحریریں الگ سے بھی مطبوعہ ہیں مثلاً خیالی مسیح اور اسکے فرضی حواری سے گفتگو جو 1891 میں 35 صفحات پر شائع ہوئی

اس میں مرزا صاحب کے ایک خیالی مرید سے مؤلف کی مکمل مراسلت شائع کی گئی اور مرزا صاحب کی کتب (توضیح مرام-ازالہ اوہام) پر بھی تبصرہ کیا گیا۔

ایک دوسری تحریر ''مرزا قادیانی اور مرزائیوں کے بارے میں چند سوالات'' کے عنوان سے 16 صفحات پر شائع ہوئی جو دراصل مولانا بٹالوی کے سوالات اور مولانا محی الدین عبدالرحمن لکھنوی کے جوابات پر مشتمل ہے۔ ۲۲

مولانا محمد حسین کے سوانح بیان کرتے ہوئے مولانا ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں آپ نے علوم اصول و معقول مختلف اساتذہ سے حاصل کیے آپ نے لاہور مسجد چینانوالی میں درس شروع کیا درس کے علاوہ ذریعہ اشاعت تحریر کو سمجھا۔

شروع شروع میں تحریر کا طریق یہ تھا کہ امرتسر میں ایک اخبار سفیر ہند پادری رجب علی عیسائی کا نکلتا تھا اس میں بطور ضمیمہ ہفتہ وار دوورق نکالتے تھے اس کے بعد تحریک ہوئی کہ ایک ماہوار رسالہ نکالا جائے چنانچہ رسالہ اشاعۃ السنۃ جاری کیا۔ رسالہ ماہوار کے علاوہ مستقل رسائل بھی آپ نے لکھے مرحوم کی تصانیف دیکھنے سے آپ کی استعداد اور تبحر علمی کا پتا چلتا ہے کیسا کوئی مضمون جواب یا جواب الجواب ہو۔ ایسا صاف لکھتے کہ پڑھنے والے کو خوب سمجھ میں آجاتا آپ کے رسالہ اشاعۃ السنۃ سے مسائل

حدیثیہ کی بڑی اشاعت ہوئی ابتدامیں آپ کا روئے سخن زیادہ اصناف کی طرف تھا درمیان میں سر سید احمد خان کے مسائل نیچریا کی طرف بھی متوجہ ہوئے اس کے بعد فتنہ قادیانیت کی تردید میں منہمک رہے اس میں آپ نے بہت وقت لگایا آپ کا انتقال 29 جنوری 1920 بمطابق 6 جمادی الاول 1338ھ کو ہوا۔ ۲۳

قاضی محمد سلیمان منصور پوری

یہ بزرگ قاضی محمد سلیمان منصور پوری ہیں جن کو مصنف رحمۃ اللعالمین کی حیثیت سے تو ایک زمانہ جانتا ہے لیکن تحریک ختم نبوت کے ایک کارکن کی حیثیت سے بھی ان کی خدمات نہایت اہمیت کی حامل ہیں اور ان کو اجاگر کرنا بے حد ضروری ہے۔

قاضی صاحب منصور پوری ریاست پیٹالہ میں پیدا ہوئے والد بزرگوار قاضی احمد شاہ بن مولانا باقی باللہ نے لیلتہ القدر میں یہ دعا مانگی تھی کہ الہی بیٹا عطافرماجو عالم با عمل متقی پارسا دین و دنیا میں ذی عزت ہو ان کی والدہ ماجدہ نے عہد کیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو بلاوضو دودھ نہیں پلائیں گی خدا نے بیٹا عطافرمایا تو ماں نے ایسا ہی کیا ابتدائی تعلیم قاضی صاحب نے اپنے والد گرامی سے پائی عربی کتابیں مولوی سید محمد حسین صاحب رام پوری سے پڑھیں حدیث کی سند دادا سے لی اور انہی سے روحانی فیض پایا منشی فاضل کا امتحان پاس کیا ملازمت کا سلسلہ شروع کیا تو ترقی کرتے کرتے ریاست پٹیالہ میں سیشن جج ہو گئے اور وہیں سے پنشن یاب ہوئے اثنائے ملازمت میں درس وتدریس بھی کرتے رہے رروزانہ صبح اپنے محلے کی مسجد میں قرآن پاک کا درس دیتے اور جمعہ کے روز خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے تقریر کے علاوہ تحریر میں ید طولی رکھتے تھے غضب کے ذہین تھے ایک بار جس کتاب کو دیکھ لیتے دوبارہ دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ کرتے تورات اور اناجیل پر آپ بڑا عبور تھا تاریخ میں تو امام وقت تھے کئی کتابیں لکھیں جن میں کچھ مطبوع اور کچھ غیر مطبوع ہیں شاعر بھی تھے تبلیغ اسلام میں آپ نے بڑے بڑے کام کئے اپنی خدمات کو مشہور کرنے کے عادی نہ تھے جو کام کرتے خاموشی سے کرتے چنانچہ بڑے بڑے عیسائی اور ہندو آپ کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے غازی محمود دھرم پالی جو منہ بھٹ آریہ تھے محض آپ کی تبلیغ سے دوبارہ اسلام میں آئے ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی جو مرزا قادیانی کے مخلص مرید تھے اور بیس ہزار روپیہ تبلیغ مرزائیت پر صرف کر چکے تھے آپ کی تبلیغ سے مرزائیت سے تائب ہوئے سادہ زندگی بسر کرتے اور تنخواہ سے جو بچتا بیواؤں یتیموں اور ناداروں پر خرچ کر دیتے قومی اور اسلامی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے 1930 میں دوسری مرتبہ حج پر تشریف لے گئے اور واپسی کے سفر میں جہاز میں انتقال فرمایا۔ ۲۴

آپ نے درج ذیل کتب بھی تصنیف فرمائیں۔

(1) سید البر (2) معراج المومنین (3) برہان (4) بنیان الاسلام (5) انجیلوں میں خدا کا بیٹا (6) اصحاب بدر (7) اسماء اللہ الحسنی (8) استقامت

تحریک تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں قاضی صاحب نے دو کتابیں تصنیف کیں

ایک غایۃ المرام 1893 میں دوسری کتاب تائید الاسلام 1898ء میں

مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب کا محاسبہ قادیانیت

آپ علمائے دیوبند کے پیرو مرشد ہیں حدیث اور تصوف میں سب سلسلے آپ تک پہنچتے ہیں آپ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلیفہ اجل اور دارالعلوم دیوبند کے سرپرست تھے۔

آپ نے مرزا قادیانی اور اس کے پیروکاروں پر جب کفر کا فتوی دیا تو مرزا قادیانی نے آپ کو خوب کوسا۔آپ کی رد قادیانیت کے سلسلہ میں عظیم خدمات مولانا عبدالحق بشیر صاحب نے اس طرح تذکرہ کیا ہے مرزا صاحب کے مریدوں نے مجھ سے مناظرہ کا تقاضا کیا تھا میں نے قبول کر لیا یہ مناظرہ سہارن پور میں تقریری طور پر جلسہ عام میں ہوا لیکن انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ۲۵

مرزا صاحب کی یہ خواہش تھی کہ ادھر ادھر کی بحثیں چھیڑ کر جان چھڑالی جائی اور اصل حقائق سے لوگوں کی توجہ کو ہٹایا جائے۔ جبکہ گنگوہی صاحب اس کے برعکس چاہتے تھے لیکن مرزا صاحب اس پر آمادہ نہ ہوئے اس وجہ سے گنگوہی صاحب فرماتے ہیں "مرزا بڑا چالاک ہے اشتہار مناظرہ دیتا ہے مگر جب کوئی مقابل آتا ہے تو لطائف الحیل سے کام لیتا ہے۔ ۲۶

مرزا صاحب نے دعوی مسیحیت کے بعد مرزا صاحب آپ کو تنقید و تشنیع کا نشانہ بنانے لگے اور مباحثوں کے چیلنج دینے لگے مولانا رشید احمد گنگوہی اس دور میں ایک بزرگ عالم کی حیثیت رکھتے تھے اور اشتہار بازی وغیرہ سے طبعاً دور تھے نہ ہی ان کی طبیعت دوبدو قسم کے مناظروں پر مائل تھی لیکن مرزا کے خلاف انہوں نے اپنے مزاج کے برعکس ایسی سرگرمیوں پر آمادگی ظاہر کی کوئی مباحثہ تو نہ ہو سکا تاہم اشتہار بازی ہوتی رہی چونکہ اپ کا اثر سارے دیوبندی حلقے پر تھا اور مرزا صاحب جانتے تھے کہ آپ کی مخالفت کا اثر کیا ہو سکتا ہے اس لیے وہ آپ سے بہت نالاں تھا جیسا کہ مختلف اشتہارات اور اقتباسات اس بات کے شاہد ہیں۔ ۲۷

مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

ان میں سب سے آخری شخص وہ شیطان اندھا اور بہت گمراہ کن دیو ہے جس کو رشید احمد گنگوہی کہتے ہیں وہ امروہی کی طرح شقی اور ملعونوں میں سے ہے مرزا صاحب نے ایک موقع پر مولانا رشید احمد کے خلاف ایک اشتہار شائع کیا جس کی ابتداء یوں ہوتی ہے۔

ایک فیصلہ کرنے والا اشتہار انعامی ہزار روپیہ میاں رشید احمد گنگوہی وغیرہ کی ایمانداری پرکھنے کے لیے جنہوں نے اس عاجز (مرزا) کی نسبت یہ اشتہار دیا ہے کہ شخص کافر دجال اور شیطان ہے۔ ۲۸

مناظرہ کا دوسرا چیلنج:

جب گنگوہی صاحب نے تقریری مناظرہ پر اصرار کیا تو مرزا صاحب مجبور ہو گئے مگر ایسی شرائط عائد کر دیں تاکہ یہ مناظرہ نہ ہو سکے دوست محمد شاہد قادیانی لکھتے ہیں جس کا خلاصہ کلام یہ ہے۔

مرزا صاحب نے پیر سراج الحق کو کہا کہ گنگوہی صاحب کو لکھا جائے کہ مناظرہ تقریری ہو گا مگر اس شرط پر ایک شخص تقریر کرے گا اس لکھ دیا جائے گا پھر دوسرا شخص تقریر کرے گا دوران تقریر کسی کو بولنے کی اجازت نہیں ہو گی بحث لاہور میں

ہو گی تو گنگوہی صاحب کی طرف سے جواب آیا کہ تقریر نوٹ کرنے کی اجازت نہیں ہو گی حاضرین اپنی تسلی کے لیے سوالات کرنے کے مجاز ہونگے مناظرہ لاہور کی بجائے سہارنپور میں ہو گا مگر مرزا صاحب نے سہارنپور سے انکار کر دیا۔ کیوں کہ ان میں فیصلہ کرنے کی صلاحیت نہیں۔۲۹

تیسرا چیلنج

دوست محمد شاہد لکھتے ہیں

مرزا صاحب کا سفر اتمام حجت کی غرض سے تھا اس لیے لدھیانہ سے 26 مارچ 1891 کو ایک اشتہار کے ذریعے مشہور علماء میں سے گنگوہی صاحب کو تحریری مباحثہ کا چیلنج دیا اور لکھا کہ میرا دعویٰ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف ہر گز نہیں۔۳۰

چوتھا چیلنج

دوست محمد شاہد لکھتے ہیں۔

مرزا صاحب نے خدا کے نشان کی یوں تکذیب دیکھی تو آپ نے 6 ستمبر 1894 کو ایک اشتہار کے ذریعے حاشیہ 2 ص 149 تین بڑے علماء (محمد حسین بٹالوی، مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کو انعامی چیلنج دیا۔۳۱

مناظرہ کا چیلنج

ڈاکٹر بشارت احمد صاحب لکھتے ہیں۔

اربعین نمبر 2 آپ (مرزا قادیانی) نے 27 ستمبر 1900 کو شائع فرمایا۔ یہ بجائے اشتہار کے ایک خاصا رسالہ ہے اس میں جو بات خصوصیات سے قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ اس میں آپ نے اپنے وہ الہامات جمع کیے ہیں جن میں آپ کو خدا کی طرف سے بتایا گیا تھا کہ آپ مجدد اور مامور من اللہ ہیں اور مسیح بن مریم مر چکے ہیں آپ ہی مسیح موعود اور مہدی ہیں پھر علماء و مشائخ کو مخاطب کرتے فرماتے ہیں اس قسم کا تصفیہ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ جب دلون سے بکلی فساد دور ہو جائے اور دہشت آپ لوگوں کا ارادہ ہو جائے کہ خدا کی گواہی کے ساتھ فیصلہ کر لیں اور اس طریق میں (مشہور) مولوی جیسے محمد حسین بٹالوی۔ مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی۔ مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی مولوی رشید احمد گنگوہی۔ پیر مہر علی شاہ صاحب ایک تحریری اقرار نامہ بہ ثبت شہادت پچاس معزز مسلمانان کے اخبار کے ذریعے اشتہار کر دیں۔۳۲

یہاں یہ بات یقیناً محتاج تبصرہ نہیں کہ مرزا صاحب چالیس مشہور اور ذمہ دار مولویوں سے کم کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لیے تیار نہیں اور چالیس جید مشہور اور ذمہ دار علماء کی بھی مرزا صاحب کے ہاں کوئی حیثیت نہیں جب تک کہ پچاس معزز آدمی ان علما کے بارے میں گواہی نہ دیں اور اس گواہی کی بھی مرزا صاحب کے ہاں کوئی حیثیت نہیں جب تک کہ یہ اخبا میں اشتہار کے ذریعے نہ ہو اور یہ فرار کی ایسی انوکھی واردات ہے جس کی مثال فن مناظرہ کی تاریخ میں کہیں نہیں ملے گی لیکن قطع نظر ان تمام باتوں کے حضرت گنگوہی کو مناظرہ کا چیلنج یہاں بھی موجود ہے

مولانا عبدالرشید گنگوہی کو مباہلہ کا چیلنج

مناظرہ کے علاوہ مرزا صاحب نے جن علماء کو مباہلہ کا چیلنج دیا ان میں مولانا گنگوہی کا نام با قاعدہ موجود ہے 1898 میں مرزا قادیانی نے انجام آتھم مرتب کی جس میں علماء کرام کو مباہلہ کا چیلنج دیا دوست محمد شاہد لکھتے ہیں ”چونکہ خدا ناترس علماء اور سجادہ نشین بھی تک آپ کے مفتری کذاب ہونے کی رٹ لگا رہے تھے اس لیے حضور (قادیانی) نے خدا کے حکم سے اس سال 1898 میں ہندوستان کے تمام قابل ذکر مخالف عالموں اور سجادہ نشینوں کا نام لے لے کر ان کو مباہلہ کی فیصلہ کن دعوت دی۔ ۳۳ؔ

ان علماء کے نام حاشیہ میں دیئے گئے ہیں ان مین حضرت گنگوہی کا نام بھی موجود ہے۔ ۳۴ؔ

پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ

پیر مہر علی شاہ صاحب رمضان 1275، اپریل 1859 میں پیدا ہوئے 1290ھ کے قریب یعنی پندرہ سال کی عمر میں آپ نے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے وطن چھوڑا۔

ان دنوں لکھنؤ، دیوبند، رامپور، کانپور، دہلی اور سہارن پور بڑے بڑے علمی مراکز قائم تھے لکھنؤ میں عبد الحق (ف 1304ھ) مرجع خلائق تھے دیوبند میں مدرسہ کا افتتاح 1283ھ میں ہو چکا تھا اور یہ مدرسہ مولانا قاسم نانوتوی صاحب کی سرپرستی میں ترقی کر رہا تھا کانپور میں استاذ الکل مولنا لطف اللہ علی گڑھی (ف 1334ھ) کے شاگرد مولانا احمد حسن مسند ارائے تدریس تھے جو حاجی امداد اللہ کے مرید تھے علی گڑھ میں مولانا لطف اللہ کی ذات گرامی شہرہ آفاق تھی سہارنپور میں مولانا احمد علی فن حدیث میں امام تصور کیے جاتے تھے پیر صاحب نے مولانا لطف اللہ اور مولانا احمد علی وغیرہ سے پڑھا اور 1295ھ میں فارغ التحصیل ہوئے پھر حج کے لیے تشریف لے گئے اور حجاز میں آپ ایک روز مولوی محمد غازی کے ہمراہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے درس میں شامل ہوئے حاجی صاحب نے اپنا سلسلہ چشتیہ صابریہ حضرت کو عنایت فرمایا اور کہا کہ اگرچہ آپ کو اس کی حاجت نہیں مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ کی وجہ سے شمالی ہند میں میرے سلسلہ کی بھی ترویج ہو حضرت پیر صاحب فرماتے تھے میں نے عرض کیا کہ آپ کی عنایت کا شکریہ مجھے طواف کعبہ کی طرف توجہ نہیں ہوتی اگر تو اس قدر مہربانی فرمائیں کہ خدا کرے یہ ہو جائے حضرت حاجی صاحب نے فرمایا میں بھی تیس سال سے ایسی ہی کیفیت میں مبتلا ہوں (مہر منیر ص 128) پیر صاحب نے تردید مرزائیت۔ انسداد چکڑالویت اور رد نیچریت میں عمدہ خدمات سرانجام دیں اور حکام سے دور رہے جیسا کہ لکھا ہے 1911ء میں دہلی میں منعقد ہونے والے برطانوی شاہی دربار میں شمولیت سے انکار کیا۔ ۳۵ؔ

کمشنر کی روبکار پر تحریر فرمایا کہ میں ایک درویش ہوں اور درویشوں کی شاہی درباروں میں کبھی مناسب خیال نہیں کی گئی تاہم اس حکومت میں ہمارے سچے مذہب کے ارکان پر کوئی پابندی نہیں ہے اس لیے میں بادشاہ کے حق میں میں یہیں سے دعا کرتا ہوں۔ ۳۶ؔ

جب آپ حج کے لیے حجاز گئے تو وہاں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ آپ نے مستقل طور پر حجاز میں قیام کا ارادہ فرما لیا۔ حاجی امداد اللہ صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ اپنے وطن ہندوستان واپس چلے جائیں کہ وہاں ایک فتنہ رونما ہونے والا ہے اور اس دور ابتداء میں اگر آپ اپنے وطن میں خاموش بھی بیٹھے رہے تو بھی علماء امت مسلمہ اس فتنہ سے محفوظ رہیں گے بعد

میں پیش آنے والے واقعات سے پتہ چلا تھا کہ یہ فتنہ قادیانیت کی طرف سے اشارہ تھا۔ قادیانیت کی تردید میں آپ نے کتابیں لکھیں اور اشتہارات شائع کئے۔ مرزا صاحب سے مباحثے اور تفسیری مقابلے کئے لیے 1900 میں لاہور بھی تشریف لائے جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں۔ "جن دنوں میں مرزا غلام احمد قادیانی نے بظاہر تحقیق حق کی غرض سے اشتہارات کے ذریعہ دعوت دی او رمیں اسے قبول کرنے کا ارادہ کر رہا تھا مجھے اس نعمت عظمی کا شرف حاصل ہوا میں اپنے حجرہ میں بحالت بیداری آنکھیں بند کیے تنہا بیٹھا تھا کہ میں نے آنحضرتؐ کو دیکھا کہ قعدہ کی حالت میں جلوس فرما ہیں اور یہ عاصی بھی چار بالشت کے فاصلے پر اسی حالت میں باآدب تمام شیخ کی خدمت میں مرید کی بالمقابل بیٹھا ہے اور غلام احمد اس جگہ سے دور مشرق کی طرف منہ کئے اور آنحضرتؐ کی طرف پشت کرکے بیٹھا ہے اس روئت کے بعد میں بمعہ احباب لاہور پہنچا لیکن مرزا اپنے تاکیدی وعدی سے پھر گیا اور لاہور نہ آیا۔

مرزا غلام احمد کی کتاب "اعجاز المسیح اور "شمس بازغہ" کے جواب میں آپ نے اپنی شہرہ افاق کتاب سیف چشتیائی تصنیف فرمائی جو 1902 میں شائع ہو کر بر صغیر کے علماء مشائخ، دینی مدارس اور مذہبی اداروں میں مفت تقسیم کی گئی۔ اس میں حضرت قبلہ صاحب نے مرزا صاحب کی اعجاز تفسیر سورۃ فاتحہ موسومہ اعجاز المسیح پر صرف و نحو۔ لغت۔ بلاغت۔ معانی۔ منطق اور محاورہ کی غلطیاں نیز سرقہ۔ تحریف اور اقتباس کے قریبا ایک سو اعتراضات فرمائے۔ ۷۳

اور اس کتاب میں آپ نے فرمایا ہم پیش گوئی کرتے ہیں کہ مدینہ زادھا اللہ شرف میں حاضر ہو کر سلام عرض کرنے اور جواب سلام سے مشرف ہونے کی نعمت قادیانی کو کبھی نصیب نہ ہو گی۔

چنانچہ پیش گوئی پوری ہوئی اور مرزا صاحب کو نہ تو حج نصیب ہوا اور نہ مدینہ منورہ کی حاضری ہی۔ جو اس حدیث کی رو سے حضرت مسیح ابن مریمؑ یعنی مسیح موعود کے لیے ایک نہایت ہی ضروری نشاں ہے یعنی حضرت عیسیٰؑ آسمان سے نازل ہونے کے بعد حج بھی کریں گے اور آنحضرت ﷺ کے روضہ پر حاضر ہو کر صلاۃ سلام بھی عرض کریں گے۔ اور آنحضرت انہیں قبر مبارک سے سلام کا جواب بھی دیں گے۔

پیر صاحب نے رد قادیانیت میں دو کتابیں تصنیف فرمائیں اور مرزا صاحب سے تفسیری مقابلے کے لیے 1900 میں لاہور بھی تشریف لائے خواجہ اللہ بخش تونسوی کا خیال تھا کہ صوفیاء کو مرزا کے خلاف مناظرانہ سرگرمیوں سے اجتناب کرنا چاہیے پیر مہر علی شاہ صاحب نے خواجہ اللہ بخش تونسوی کی خدمت میں حاضری دی اور کوشش فرمائی کہ وہ اپنا موقف تبدیل کر لیں مرزا صاحب نے پیر صاحب کے خلاف بہت سے اشتہارات شائع کیے اور اپنے لٹریچر میں بڑی دریدہ دہنی کی ہے مرزا صاحب کی وفات کے بعد بھی پیر صاحب تحریک کا کام کرتے رہے اور خواجہ حسن دہلوی آپ ہی کی وجہ سے تحریک ختم نبوت میں شامل ہوئے تھے۔

مرزا صاحب نے علماء اور مشائخ کو اپنے مسیح موعود ہونے کے خط لکھے تو ایک خط پیر مہر علی شاہ صاحب کو بھی بھیجا مرزا صاحب کے ایک مرید مولوی عبدالکریم سیالکوٹی کی جانب سے آپ کو موصول ہوا جس کا نفس مضمون کچھ یوں تھا۔ "میں مسیح موعود ہوں اور ہندوستان میں احیائے دین اور عروج اسلام کے لیے مامور کیا گیا ہوں آپ اس کام میں میری مدد کریں" پیر

صاحب نے جواب میں لکھ بھیجا میں آپ کو مسیح موعود اور مامور من اللہ تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہوں آپ حسب سابق غیر مسلموں سے ہی چھیڑ چھاڑ جاری رکھیں تو بہتر ہے۔۳۸؎

چند دنوں بعد مرزا صاحب نے ایک اور اشتہار شائع کیا جس میں ہندوستان کے تمام درویش صفت بزرگوں اور گدی نشیں مشائخ عظام کو ایک چیلنج دیا گیا جب مشائخ حضرات میں سے کسی نے بھی اس طرف توجہ نہ دی تو جھنجھلا کر مرزا صاحب نے ایک اور چیلنج دے ڈالا جو اس وقت کے اخبار ایام صلح میں چھپا۔اس وقت آسمان کے نیچے کسی کی مجال نہیں کہ جو میری برابری کی لاف مار سکے میں اعلانیہ اور بلا کسی خوف کے کہتا ہوں کہ اے مسلمانوں ! تم میں بعض لوگ محدثیت اور مفسریت کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں اور بعض ازراہ ناز زمیں پر پائوں بھی نہیں رکھتے اور کئی خدا شناسی کا دم بھرتے ہیں اور چشتی قادری نقشبندی، سہروردی اور کیا کیا کہلاتے ہیں ذرا ان سب کو میرے سامنے تو لائو۔اس چیلنج کے بعد مہر علی شاہ صاحب نے رسالہ شمس الہدایت فی اثبات حیاۃ المسیح لکھا اور تمام ملک میں تقسیم کیا۔اس کتاب سے تمام قادیان میں ایک تہلکہ مچ گیا۔اور پورے ملک کے حلقہ علماء میں اس کے دعوی مسیحیت کی دھجیاں بکھرنے لگیں مرزا صاحب کی حواس باختگی کا یہ عالم تھا کہ پیر صاحب کے نام حکیم نورالدین بھیروی سے 20 فروری 1900 کو خط لکھوایا۔۳۹؎

جن میں بارہ سوالات اٹھائے گئے لب لباب یہ تھا۔کہ شمس الہدایت میں آپ مولویوں اور منطقیوں کے رنگ میں جلوہ گر ہوئے ہیں ان میں صوفیوں کے مشرب کی ذرہ بھر جھلک نہیں ان بارہ سوالوں کے جواب میں قبلہ پیر صاحب نے معرکہ آرا خط لکھا جو مولانا حافظ محمد غازی نے بصورت اشتہارات شائع کیا ملک بھر کے علماء اور مشائخ اس خط کی عبارت پر عش عش کر اٹھے مرزا صاحب کے معقدین کو اس کا جواب دینے پر زور دیا تو مرزا صاحب نے ترنگ میں آکر 22 جولائی 1903 کو ایک اشتہار کے ذریعے قبلہ پیر صاحب کو عربی زبان میں تفسیر نویسی کے مقابلہ کا چیلنج دیا۔اس اشتہار کا مضمون گستاخانہ تھا۔جن بیس لوگوں نے اس پر غلام علی ڈپٹی سپریڈینٹ پولیس جہلم اور بعض دوسرے لوگ شامل تھے۔

تحریری مناظرے کا چیلنج

پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی جو سخت مکذب ہیں ان کے ساتھ ایک طریق فیصلہ مع ان علما کے جن کے نام ضمیمہ اشتہار ہذا میں درج ہیں۔

یہ صاحب جن کا نام عنوان میں درج ہے یعنی مہر علی شاہ صاحب ضلع راولپنڈی کے سجاد نشینوں میں سے ایک بزرگ ہیں وہ رسمی شیخیت کے غرور سے اس خیال میں لگے ہوئے کہ کسی طرح اس سلسلہ آسمان کو مٹادیں چناچہ اس غرض سے انہوں نے دو کتابیں لکھیں ہیں جو اس پر کافی دلیل ہیں کہ وہ علم قرآن وحدیث سے کیسے بے بہرہ اور بے نصیب ہیں۔اور چونکہ ان لوگوں کے خیالات بالکل پست اور محدود ہوتے ہیں اس لیے وہ اپنے تمام ذخیرہ لغویات میں ایک بھی بات ایسی پیش نہیں کر سکتے جس کے اندر کچھ روشنی ہو اگر مہر علی شاہ صاحب اپنی ضد سے باز نہ آئے تو میں فیصلہ کے لیے طریق پیش کرتا ہوں اور یہ ہے کہ قرآن شریف سے یہ ثابت ہے کہ جو لوگ حقیقت خدا راست بندے ہیں ان کے ساتھ تین طور سے خدا کی تائید ہوتی ہے (1) ان میں اور ان کے غیر میں ایک فرق یعنی مابہ الامتیاز رکھا جاتا ہے اس لیے مقابلے کے وقت بعض امور خارق عادت ان سے سرزد ہوتے

ہیں جو حریف مقابل سے سرزد نہیں ہوتے (2) ان کو علم معارف قرآن دیا جاتا ہے اور غیر کو نہیں دیا جاتا (3) ان کی دعائیں اکثر قبول ہو جاتیں ہیں اور غیر کی اس قدر نہیں ہوتیں۔

سو مناسب ہے کہ لاہور جو صدر مقام پنجاب ہے صادق اور کاذب پرکھنے کے لیے ایک جلسہ قرار دیا جائے اور اس طرح مجھ سے مباحثہ کریں کہ قرعہ اندازی کے طور قرآن کی کوئی سورت نکالیں اور اس میں سے چالیس آیات یا ساری سورت (اگر چالیس آیات سے زائد نہ ہو) لے کر فریقین یعنی یہ عاجز اور مہر علی شاہ اول تو یہ دعا کریں کہ یاالٰہی ہم دونوں میں سے جو شخص تیرے نزدیک راستی پر ہے اس کو تو اس جلسہ میں اس سورت کے حقائق اور معارف فصیح وبلیغ عربی میں اس جلسہ میں لکھنے کے لیے اپنی طرف سے ایک روحانی قوت عطا فرما اور روح اقدس سے اس کی مدد کر اور جو شخص ہم دونوں فریقوں میں سے تیری مرضی کے خلاف اور تیرے نزدیک صادق نہیں ہے اس سے یہ توفیق چھین لے اور اس کی زبان کو فصیح اور معارف قرآنی کے بیان سے روک دے۔ تاکہ لوگ معلوم کرلیں کہ کون تیرے فضل اور تیری روح القدس کی تائید سے محروم ہے پھر اس دعا کے بعد فریقین عربی زبان میں تفسیر کو لکھنا شروع کردیں اور یہ ضروری شرط ہو گی کہ کسی فریق کے پاس کوئی کتاب موجود نہ ہو نہ کوئی مددگار۔

لکھنے کے لیے فریقین کو سات گھنٹے کی مہلت دی جائے۔ مگر ایک ہی جلسہ میں ایک ہی دن میں اس تفسیر کو گواہوں کے روبرو ختم کرنا ہوگا۔ اور جب فریقین لکھ چکیں تو دونوں تفسریں اور دستخط تین اہل علم کو جن کا اہتمام حاضرین وانتخاب پر مہر علی شاہ صاحب کے ذمہ ہوگا۔ منائی جائیں گی اور ان پر سہ مولوی صاحبان کا یہ کام ہوگا کہ وہ حلفاً یہ رائے ظاہر کریں کہ ان دونوں تقریروں اور دونوں عربی عبارتوں میں سے کون سی تفسیر اور عربی عبارت تائید روح القدس سے لکھی گئی ہے۔ اور ضروری ہوگا کہ ان تینوں عالموں میں سے کوئی نہ اس عاجز کے سلسلے میں شامل ہو اور نہ مہر علی شاہ صاحب کا مرید ہو اور مجھے منظور ہے کہ مہر علی شاہ صاحب اس شہادت کے لیے مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبدالجبار غزنوی اور مولوی عبداللہ، پروفیسر لاہوری کو یا تین اور مولوی منتخب کریں جو ان کے مرید اور پیر و مرشد نہ ہوں۔۔۔ پس اس طرز کے مباحثہ اور اس طرز کے تین مولویوں کی گواہی سے اگر ثابت ہوگیا کہ درحقیقت پیر مہر علی شاہ صاحب تفسیر اور عربی نویسی تائید یافتہ لوگوں کی طرح ہیں اور مجھ سے یہ کام نہ ہو سکا یا مجھ سے بھی ہو سکے مگر انہوں نے بھی میرے مقابلے پر ایسا ہی کر دکھایا تو تمام دنیا گواہ رہے کہ میں اقرار کروں گا کہ حق پیر مہر علی شاہ صاحب کے ساتھ ہے اور اس صورت میں یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ اپنی تمام کتابیں اس دعوی کے متعلق جلا دوں گا اور اپنے تئیں مخذول اور مردود سمجھ لوں گا میری طرف سے یہ تحریر کافی ہے۔ جس کو میں آج یہ ثبت شہادت 20 گواہوں کے اس وقت لکھتا ہوں۔۔۔ یاد رہے کہ مقام بحث لاہور جو مرکز پنجاب ہے اور کوئی نہ ہوگا ایک ہفتہ پہلے مجھے بذریعہ رجسٹری شدہ خط کے اطلاع دینا ہو گی تاکہ اس جگہ حاضر ہو جائوں اگر میں حاضر نہ رہا تو اس صورت میں بھی میں کاذب سمجھا جائوں گا۔ انتظام مکاں جلسہ پیر صاحب کے اختیار میں ہوگا اگر ضرورت ہو گی تو بعض پولیس کے افسر بُلا لئے جائیں گے۔ ۴۰

مرزا صاحب کی طرف سے علماء ہند کو چیلنج

جو دعوت نامہ (چیلنج) پیر مہر علی شاہ صاحب کو وصول ہوا تھا اس کے ساتھ ہی ایک دعوت اشتہار بھی تھا۔ جس میں خاص بات یہ تھی کہ پورے ہندوستان سے مقتدر علماء کرام کو بھی مہر علی شاہ صاحب کے ساتھ چیلنج دے دیا گیا اس "دعوت مناظرہ" میں درج ذیل عبارت درج تھی۔

"پیر مہر علی شاہ کے ہزار ہا مرید یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ علم میں اور معارف و حقائق دین سے اور علوم ادبیہ میں اس ملک کے تمام مولویوں سے بڑھ کر ہیں۔ اس وجہ سے میں نے اس امتحان کے لیے پیر صاحب موصوف کو اختیار کیا ہے تاکہ ان کے مقابلے سے خدا تعالیٰ کا وہ نشان ظاہر ہو جائے جو اس کے مرسلین اور مامورین کی ایک خاص علامت ہے لیکن ممکن ہے کہ اس ملک کے بعض علماء ناحق شیخی سے خیال کریں کہ ہم قرآن شریف کے جاننے میں عربی کے علماء ادب میں پیر صاحب پر فوقیت رکھتے ہیں یا کسی آسمانی نشان کے ظاہر ہونے کے وقت یہ عذر پیش کر دیں کہ پیر صاحب کا مغلوب ہونا ہم پر حجت نہیں ہے اور اگر ہمیں مقابلے کے لیے بلایا جاتا تو ضرور ہم غالب آتے اس لئے قرین مصلحت ہوا کہ ان تمام بزرگوں کو بھی اس مقابلے سے باز نہ رکھا جائے اور خود ظاہر ہے کہ جس قدر مقابلہ کرنے والے کثرت سے میدان میں آئیں گے اسی قدر الٰہی نشان کی عظمت بڑی قوت اور سطوت سے ظہور میں آئے گی اور ممکن ہے کہ بعض نیک دل مولویوں کو ہدایت ہو جائے اب میں ذیل میں ان حضرات مولوی صاحبان کے نام لکھتا ہوں جو اس مقابلے کے لیے بشرط شمولیت "پیر مہر علی شاہ صاحب" یا باشرط جمع چالیس وہ بلائے گئے ہوں اور اگر ان کے سوا اہل پنجاب یا ہندوستان میں سے یا ان عربوں سے ہوں اس ملک کے کسی گوشے میں اور مولوی صاحبان موجود ہوں جو مکذب ہوں وہ بھی اس اشتہار میں ایسے ہی مدعو ہیں جیسے یہ لوگ۔

اگر مولوی صاحبان جو لاہور سے کسی قدر فاصلے پر رہتے ہوں یہ عذر پیش کریں کہ ہم بوجہ ناداری لاہور پہنچ نہیں سکتے تو مناسب ہے کہ وہ بطور قرضہ انتظام کرایہ سفر کرکے لاہور پہنچ جائیں اگر فتح یاب ہو گئے تو کرایہ آمد و رفت ان کو دے دوں گا۔

86 علماء کے نام اس اشتہار میں درج ہیں۔ جن میں پیر مہر علی شاہ صاحب کا نام بھی شامل ہے۔ [۱۴]

یہ اشتہار 25 جولائی 1900 کو گولڑہ شریف میں حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کو موصول ہوا۔ آپ نے اسی روز اس کا جواب تحریر کرکے راولپنڈی کے ایک اخبار "چودھویں صدی" میں شائع کروا دیا۔ [۲۴]

جس کے بعد مرزا صاحب کی خواہش کے مطابق جواب بہ جواب صورت اشتہار کی پانچ ہزار کاپی چھپوا کر پورے ہندوستان کے ممتاز علماء کرام اور عوام تک پہنچا دیں جس کی وجہ سے ہندوستان کے دینی حلقے میں اچھی خاصی دلچسپی پیدا ہو گئی اور اب لوگ بڑی شدت کے ساتھ 25 اگست 1900 کا انتظار کرنے لگے جو حضرت پیر مہر علی شاہ نے مقرر کی تھی۔

پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کا جوابی اشتہار

اما بعد مرزا غلام احمد کا اشتہار مورخہ 20 جولائی 1900 آج اس نیاز مند علمائے کرام و مشائخ کی نظر سے گزرا۔ مجھ کو دعوت حاضری جلسہ منعقدہ لاہور معہ شرائط مجوزہ مرزا بسر و چشم منتظر ہے میں امید کرتا ہوں کہ مرزا صاحب بھی میری ایک گزارش کو بہ سلک شرائط مجوزہ منسلک فرمائیں گے۔ وہ یہ ہے کہ مدعی مسیحیت وہ مہدویت و رسالت لسانی تقریر سے بالمشافہ حصار جلسہ اپنے دعوی کو بہ پایہ ثبوت پہنچا دیں بجواب اس نیاز مند کی معروضات عدیدہ کو حضرات حاضرین خیال فرما کر اپنی

رائے ظاہر فرمائیں گے مجھ کو شہادت ورائے تینوں علمائے کرام مجوزہ مرزا صاحب (مولوی محمد حسین بٹالوی۔ مولوی عبدالجبار غزنوی۔ مولوی عبداللہ ٹونکی پروفیسر لاہوری) کے قبول کرنے میں کچھ عذر نہ ہوگا۔ بعد ظہور اس کے کہ مرزا صاحب اپنے دعوی کو بایائو ثبوت کے نہیں پہنچاسکے۔ مرزا صاحب کو بیعت میں منفرد ہیں بحث تقریری واظہار رائے ہو کر مرزا صاحب کو اجازت مقابلہ تحریری کی دی جائے گی۔ یہ وہ شرط ہے کہ جناب کے دعوی اور تحقیق حق کے لیے عندالعقل مقتضی بالطبع ہے۔

ظاہر ہے کہ تیز نویسی اور قافیہ سنجی بطلان مضامین کے کچھ بھی وقعت وعظمت نہیں حقیقت مضامین کا محفوظ رہنا عیالان صداقت کے لیے نہایت مہتم بالشان ہے اظہار حقیقت بغیر اس طریق کے متصور ہی نہیں کیونکہ مرزا صاحب کے حقائق ومعارف قرآنیہ سے تو ان کی تصانیف بھری ہوئی ہے اور وہی جناب کے دعوی کو عدم حقیقت کی وجہ سے دھبہ لگا رہا ہے علماء کرام کی تحریرات اور اہل دیانت فہم کامل کی تقریرات اس پر شاہد ہیں تیز نوسی چونکہ بروز عیسوی وبروز محمدی سے بالکل اجنبی اور بر طرف ہے لہٰذا اس کو مؤخر رکھا جائے گا اس شرط کی منظوری سے مع تاریخ مقررہ کے مشرف فرمائیں نہایت ممنون ہو کر حاضر ہو جائوں گا قانون فطرت اور کرامات ومسرات کا تجربہ مع شہادت (ولن تجدلسنة الله تبديلا) کے پیش گوئی کر رہا ہے کہ آپ کو عین وقت بحث میں الہام سکوتی ہو جاوے گا آپ فرمائیں اس کا کیا علاج ہوگا۔

اپنے اشتہار میں الہام ضروری الوقوع کا مستثنیٰ نہ فرمانا صاف شہادت دے رہا ہے کہ ایسے الہامات عندیہ اور اپنے اختیاری ہیں ورنہ دوصورت منجانب اللہ ہونے کے کیونکہ زیر لحاظ نہ وہ ں اور مستثنیٰ نہ کیے جاویں یہ بھی مانا منجانب اللہ ہیں تو پھر ان پر تعمیل واجب ہوئی مشائخ عظام اور علماء کرام کو تشریف آوری سے بجز از تضیع اوقات وتکلیف عبث کیا حاصل ہوگا لہٰذا عرض کرتا ہوں کہ مشرق سے مغرب تک ان بزرگوں کو آپ کیوں تکلیف محض دیتے ہیں۔ فقط یہ ایک ہی نیاز مند ان کا حاضر ہو جائے گا۔ بشرط معروض الصدر نامنظوری شرط مذکور یا غیر حاضری جناب کی دلیل ہوگی آپ کی طرف اذن ہونے پر۔ ۴۳؎

حسب الطلب یہ اشتہار بذریعہ رجسٹری ابلاغ ہے اور میں بروئے اختیار اشتہار دعوت 25 اگست 1900 بمقام لاہور مقرر کرتا ہوں براہ مہربانی اب آپ تاریخ مقررہ پر تشریف لے آویں۔ ۴۴؎

اس جوابی اشتہار کے علاوہ ہندوستان سے ساٹھ علماء کی جانب سے ایک جوابی اشتہار شائع ہوا جس میں انہوں نے مرزا صاحب کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے 25 اگست کو لاہور پہنچنے کا اعلان کیا نیز اس اشتہار میں علماء کرام نے حضرت پیر مہر علی شاہ کی شرط برائے مناظرہ تقریری کو جائز اور ضروری قرار دیا تاکہ اصل مسئلہ بھی ساتھ ہی حل ہو جائے۔ جو مرزا صاحب اور اہل اسلام کے درمیان ایک مدت سے موجود ہے علماء کرام نے کہا کہ پیر مہر علی شاہ صاحب تفسیر نویسی کے لیے تیار ہیں۔ ۴۵؎

پیر مہر علی شاہ صاحب کی لاہور آمد اور مرزا صاحب کا مناظرہ سے فرار

مباحثہ کے دن میں فقط چار یوم کا عرصہ باقی رہ گیا تھا کہ اطلاع نامہ سید محمد احسن امروہی کی جانب سے گولڑہ شریف پہنچا جس میں درج تھا کہ مرزا صاحب کو تقریری مباحثہ کی شرط منظور نہیں ہے حالانکہ پیر مہر علی شاہ صاحب کی جانب سے حافظ محمد الدین مالک مصطفائی پریس لاہور نے ایک رجسٹر خط مرزا صاحب کو تحریر کر دیا تھا کہ اگر وہ مباحثہ کی شرائط میں ترامیم کروانا چاہتے ہوں تو وقت پر اطلاع دیں لیکن مرزا صاحب پہلے تو چپ سادھے خاموش رہے اور بعد میں نامنظوری کا پروانہ گولڑہ شریف

روانہ کر دیا لیکن اس کے باوجود پیر مہر والی شاہ صاحب کی طرف سے ایک اعلان 21 یا 22 اگست 1900ء کو راولپنڈی سے شائع ہوا کہ وہ 25 اگست 1900ء کو تقریری و تحریری مناظرہ کے لیے لاہور تشریف لے جائیں۔ پیر مہر علی شاہ صاحب کی تائید میں ان پنجاب، سرحد اور دوسرے صوبوں کے بعض علماء و مشائخ نے بھی اپنے دستخطوں سے اشتہار جاری کئے کہ وہ بھی 25 اگست کو پیر صاحب قبلہ کے ہمراہ مباحثہ لاہور میں حاضر ہوں گے مرزا صاحب تقریری مباحثہ سے فرار کر گئے اور تحریری مباحثہ کی تجویز پیش کی حضرت نے تحریری مباحثہ قبول کر لیا ملک کے طول عرض سے ہزارہا مسلمان لاہور پہنچ گئے۔

مسلمانان لاہور نے اپنی روایتی مہمان نوازی کا حق ادا کر دیا استقبالیہ کمیٹیاں بن گئیں سرائیں مسجدیں مدرسے لاہور اور سیالکوٹ کے شیعہ مجتہدین نے بھی قادیانیت کے محاذ پر حضرت پیر صاحب کو اپنا سربراہ اور نمائندہ ہونے کا اعلان کر دیا۔۴۶

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب 24 اگست گولڑہ سے لاہور پہنچے آپ کے ہمراہ پچاس 50 نامور علماء تھے ان کے علاوہ پنجاب کے دوسرے تمام اضلاع سے مشائخ و علماء چلے آرہے تھے غرض پلیٹ فارم پر ہزار ہا انسانوں کا اجتماع تھا وہ جلوس نکالنا چاہتے تھے مگر آپ نے پسند نہ فرمایا اور ریلوے اسٹیشن سے باہر باغ میں تشریف فرما ہو کر تقریباً دو گھنٹے تک لوگوں سے مصافحہ فرماتے رہے اور ان کے شوق زیارت کی تسکین فرمائی۔

علماء کا خیال تھا کہ تقریری مناظرہ کی شرط کو واپس نہیں لینا چاہیے لیکن حضرت صاحب نے ارشاد فرمایا میں چاہتا ہوں کسی طرح مرزا صاحب ایک بار علماء مشائخ اسلام کی اس برگزیدہ مجلس میں شامل ہو جائیں کیا عجب کہ حدیث شریف "ھم قوم لایشقی جلیسھم (یہ وہ قوم ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں ہوتا) کی برکات سے بہرہ ور ہو کر راہ راست پر آجائیں اور یہی چیز اس نیاز مند علماء و مشائخ کے حق میں اللہ تعالی سبحانہ اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی کا باعث ہو کر مغفرت کا سبب بن جائے۔۴۷

پیر مہر علی شاہ صاحب نے برکت علی محمڈن ہال اور اس سے ملحقہ عمارت میں قیام فرمایا جہاں رات گئے تک عقیدت مندوں کا تانتا بندھا رہا مباحثہ کے لیے شاہی مسجد کا انتخاب کیا گیا۔ مرزا صاحب کی حفاظت کے لیے پولیس نے زبردست انتظامات کر رکھے تھے۔ بعض قادیانی حضرات کی طرف سے بار بار کہا جاتا رہا کہ شرائط کے طے ہونے میں توقف ہو رہا ہے مگر مرزا صاحب ضرور آئیں گے مگر مرزا کو نہ آنا تھا اور نہ آئے۔۴۸

قادیان حلقوں میں انتشار اور افراتفری

جب قادیانی جماعت کا آخری وفد قادیان سے مرزا صاحب کے نہ آنے کی خبر لے کر لاہور پہنچا تو قادیانی حلقوں میں بہت انتشار پیدا ہو گیا۔ بعض نے قادیانیت سے دستبرداری کا اعلان کیا اور بعض سخت مایوس ہو کر خانہ نشین ہو گئے بعض دیگر حضرت مثلاً بابو الٰہی بخش اکاؤنٹنٹ نے جو قادیانیت کے سرگرم رکن رہ چکے تھے پیر صاحب کے علم و فضل کی تعریف و توصیف میں اور آپ کی خداداد کامیابی و نصرت کے بیان میں اشتہارات ٹریکٹ شائع کئے۔۴۹

مرزا صاحب نے عین وقت پر جو اعلان کیا کہ میں کسی قیمت پر لاہور نہیں آؤں گا اس کی توجیہ یہ پیش کی میں بہرحال لاہور پہنچ جاتا مگر میں نے سنا کہ پشاور سے اکثر جاہل سرحدی پیر صاحب کے ساتھ ہیں اور ایسے ہی لاہور کے اکثر سفلہ اور کمینہ

طبع لوگ گلی کوچوں میں مستوں کی طرح گالیاں دیتے پھرتے ہیں۔ نیز مخالف مولوی بڑے جوشوں سے وعظ کر رہے ہیں۔ کہ یہ شخص واجب القتل ہے تو ایسی صورت میں لاہور جانا کسی احسن انتظام کے کسی طرح مناسب ہے۔ ۵۰؎

اس شکست فاش کے باجود مرزا صاحب کے دو مریدوں مولوی محمد احسن امروہی اور مولوی عبدالکریم نے لاہور میں پیر صاحب کی موجودگی کے باوجود اشتہار شائع کئے جن میں مرزا صاحب کی کامیابی کا مفروضہ وضع کیا اور سرخی جمائی کہ۔

"پیر صاحب نے امام آخر الزمان فرار اختیار کیا۔" "آسمانی نشانیوں نے مولویوں اور پیروں کی شیخیوں کو کچل دیا"

"مسیح موعود آسمانی بشارت صحیح ثابت ہوئیں" ۵۱؎

انہی آیام میں قادیانی جماعت کے ایک وفد نے حضرت صاحب کی خدمت حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ مرزا صاحب سے مباہلہ کرلیں ایک ہندو اور ایک لنگڑے کے حق میں مرزا صاحب دعا کریں اور دوسرے اندھے اور اپاہج کے حق میں آپ دعا کریں جس کی دعا سے اندھا اور لنگڑا ٹھیک ہو جائیں اس طرح حق و باطل کا فیصلہ ہو جائیگا حضرت صاحب نے فرمایا اگر مردے بھی زندہ کرنے ہوں تو آجاؤ۔ ۵۲؎

یہ جواب پا کر وفد واپس چلا گیا پھر کچھ پتہ نہ چلا کہ مرزا صاحب اور ان کے حواری کہاں ہیں جب مرزا صاحب کی تعلیاں بڑھ گئیں تو پیر صاحب نے ان کی ملمانہ شوخیوں کا تجزیہ کرتے ہوئے دو روحانی چیلنج کئے ایک یہ کا کاغذ پر قلم رکھ دو سچا قلم خود بخود چلے گا اور تفسیر قرآن لکھ دے گا۔ دوسرا یہ کہ حسب وعدے شاہی مسجد میں آئو دونوں اس کے مینار پر چڑھ کر چھلانگ لگاتے ہیں جو سچا ہو گا وہ بچ جائے گا اور جو کاذب ہو گا مر جائے گا۔

مرزا صاحب نے اس کے جواب میں چپ سادھ لی مرزا صاحب کے فرار کی اس روئیداد کو 59 علماء اور 21 رئوساء نے اپنے دستخطوں سے شائع کیا۔ ۵۳؎

جب پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ واپس آگئے تو مرزا صاحب نے اپنی رفتار طبع کے مطابق 28 اگست 1900 کو ایک اور اشتہار دیا جس میں لکھا میں نے پیر مہر علی شاہ صاحب کے لیے بطور تحفہ ایک رسالہ تالیف کیا جس کا میں نے نام تحفہ گولڑویہ رکھا ہے جب پیر صاحب اس کا جواب دیں گے۔ تو لوگوں کو خود معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے دلائل کیا ہیں اور ان کا جواب کیا؟ ۵۴؎

ایک دوسرے اعلان بمورخہ 15 دسمبر 1900ء کو مرزا صاحب نے کہا وہ تفسیر فاتحہ لکھ رہے ہیں پیر صاحب بھی تفسیر فاتحہ لکھیں اس کے بعد اگر قسم کھا کر اعلان کریں کہ پیر صاحب کی تفسیر میری تفسیر سے بہتر ہے تو اپنی طرف سے پانچ سو (روپے بطور انعام) پیش کروں گا۔ ۵۵؎

اس اعلان کے بعد 15 دسمبر 1900ء کے ستر 70 دن بعد "اعجاز المسیح" کے نام سے مرزا صاحب نے سورہ فاتحہ کی تفسیر شائع کی تمام علماء فضلاء عربی زبان کے اساتذہ اس یورج نگاری پر حیران ہو گئے مرزا کی تفسیر نہ صرف محاورہ عربی سے محروم۔ لغوی اور نحوی اغلاط سے مملو اور مسروقہ عبارت سے پر تھی بلکہ غلط املاء غلط انشاء کا پلندہ تھا مرزا صاحب نے اس تفسیر میں لکھا کہ یوم الدین مسیح موعود کے زمانہ کا نام ہے اور الحمد فی الدنیا والاخرہ سے دو احمد مراد ہیں اور حضورؐ اور احمد آخر سے مراد مرزا غلام احمد ہے۔ ۵۶؎

مرزا صاحب کے مرید مولوی محمد احسن امروہی نے شمس الہدائیت کے جواب میں شمس بازغہ لکھی قبلہ پیر صاحب نے اعجاز المسیح اور شمس بازغہ کے جواب میں سیف چشتیائی لکھی جو 1900ء میں شائع ہوئی اس کا پورا لطف تو علماء حضرات ہی اٹھا سکتے ہیں البتہ اردو دان حضرت بھی اس سے مستفید ہو سکتے ہیں مرزا صاحب گالیوں کے پیغمبر تھے انکے دو ہی شعار تھے اپنے علمی حریفو ں کو گالیاں دینا اور انگریزی حکام سے ان کے مخبری کرنا کہ وہ سلنطت برطانیہ کے بدخواہ ہیں۔

حضرت پیر صاحب کی بدولت مرزا صاحب جمہور مسلمین میں ذلیل اور رسوا ہوئے اور مسلمانوں کے دلوں پر ان کی تکفیر نقش ہو گئی۔ یہ مرزا صاحب کے لیے ایک حادثہ عظیم تھا وہ اب تک علماء کی مزاحمت کے باوجود مسلمانوں میں اپنے عقائد سے نقب لگا رہے تھے لیکن پیر صاحب کی بدولت مسلمانوں کے اندر ان کے لیے کوئی جگہ باقی نہ رہی اور ان گھرانوں کے جو ان فریب کا شکار ہو چکے تھے یا حکومت کی ضرورتوں نے انہیں ان کے ارد گرد جمع کر دیا تھا اور وہ اس طرح سرکاری فوائد حاصل کرنا چاہتے تھے مرزا صاحب نے اس کے بعد علماء مشائخ کے خلاف مستقل کہنا لکھنا شروع کر دیا پیر صاحب کے خلاف ایک ہجویہ نظم لکھی مرزا صاحب اعجاز احمدی میں لکھتے ہیں۔

-" پس میں نے کہا کہ اے گولڑہ کی زمین تجھ پر لعنت، تو ملعونوں کے سبب ملعون ہو گئی پس تو قیامت کو ہلاکت میں پڑے گی اس فرد مایہ نے کمینہ لوگوں کی طرح گالی سے بات کی ہے اور ہر ایک آدمی خصومت کے وقت آزمایا جاتا ہے۔ ۵۷ۓ

قادیانی تاویلوں کا تجزیہ

مرزا قادیانی کی ان تاویلوں کا پروفیسر خالد شبیر احمد نے خوبصورت تجزیہ کیا لکھتے ہیں۔

اس تحریر سے بعض باتوں کی نشاندہی ہوتی ہے اول تو یہ احساس ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کا تمام علماء اور صوفیاء اسلام کو عربی میں تفسیر نویسی میں چیلنج دینا ایک ایسا اقدام تھا جس کا اشارہ مرزا صاحب کو خداوند کی جانب سے ہوا تھا تاکہ لوگوں پر مرزا صاحب کی حقانیت واضح ہو سکے۔

لیکن ان تمام خدائی اشارات کے باوجود انہیں اس بات کا حوصلہ ہر گز نہ تھا کہ وہ حیات وفات مسیح یا کذب و صداقت مرزا غلام احمد کے موضوع پر مہر علی شاہ صاحب کے ساتھ گفتگو کریں ایسی گفتگو کی راہ میں مرزا صاحب کے مطابق سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ حکم حضرات پیر صاحب کے ہم عقیدہ ہیں یعنی عربی تفسیر کے مقابلہ میں انہیں منصفین پر پورا بھروسہ ہے اور وہ پیر صاحب کے ہم عقیدہ ہونے کے باجود قابل اعتماد ہیں لیکن تحریری مقابلہ سے پہلے اگر تقریری مقابلہ میں انہیں اپنے دعوی کے حق میں دلائل پیش کرنے پڑیں تو پھر وہی لوگ ناقابل اعتماد ہو جاتے ہیں اگر یہ بات درست بھی ہو تو مرزا صاحب کو منصفین تبدیل کرنے کے بارے میں کہنا چاہیے تھا نہ کہ سرے سے مباحثہ سے ہی انکاری ہو جاتے۔ ۵۸ۓ

اصل مسئلہ

مرزا قادیانی کے فرار کا پس منظر یہ تھا کہ وہ جس طرح قرآن و حدیث سے نابلد تھے اسی طرح عربی زبان میں لکھنے بولنے کی صلاحیت بھی نہ رکھتے تھے۔ عربی دانی کے تمام تر دعوی کرنے کے باوجود وہ اپنے مبلغ علم کو جانتے تھے ایک تفسیر اور وہ عربی زبان میں مرزا صاحب کے لیے ایک کریلا دوسرا نیم چڑھا والا معاملہ تھا گر وہ فی البدیہ تفسیر لکھنے کے لیے میدان میں اترتے تو سارا

بھرم کھل جاتا اس لیئے انہوں نے عذر، بہانے کرکے اپنی عزت بچانے کی کوشش کی جو کہ بحر حال نہ بچ سکی مرزا صاحب کی عربی دانی پر متعد علماء کرام نے تحقیقات کی ہیں اس حوالہ سے سب سے معلوماتی کتاب آئمہ تلبیس جلد دوم کا مطالعہ زیادہ سود مند رہے گا۔

مولانا ثناء اللہ امر تسریؒ

مولانا ثناء اللہ جون 1868ء میں امر تسر پیدا ہوئے آبائی وطن کشمیر کے ضلع اسلام آباد کا علاقہ ڈور تھا آپ کا خاندان کشمیر النسل برہمنوں کی شاخ منٹو سے تعلق رکھتا تھا یہ آپ کے والد کا نام محمد خضر تھا وہ تاجر تھے اور غالباً 1860ء سے امر تسر متوطن ہو گئے تھے نو سال کی عمر میں مولانا کے سر سے والد کا سایہ اُٹھ گیا اور گھر میں غربت نے ڈیرہ ڈال دیا آپ نے رفوگری کا فن سکیھا اور اپنے پائوں پر کھڑا ہونے کی کوشش میں مصروف ہو گئے اس کے ساتھ ساتھ آپ نے ابتدائی تعلیم مولانا احمد اللہ امر تسری سے حاصل کی پھر مولنا حافظ عبد المنان محدث کے پاس وزیر آباد چلے گئے اور ان سے 1889ء میں سند فراغ حاصل کی پھر دہلی میں سید نذیر حسین کے سامنے زنوئے تلمذ طے کیا پھر چند روز سہارن پور قیام کرکے دیو بند چلے گئے۔ جہاں سے مولانا محمود الحسن سے اکتساب فیض کیا پھر مولانا احمد حسن سے کسب فیض کرکے 1892ء میں دستار فضیلت حاصل کی۔

غرض تعلیم سے فارغ ہو کر آپ نے اسلامی علوم کی ترویج اور اسلام اور مسلمانوں کے دفاع کا کام شروع کیا اس سلسلے میں آپ نے آریہ عیسائی اور قادیانیوں کے خلاف بڑے بڑے معرکے سر کئے مرزا صاحب نے 1889ء میں جن علمائے اسلام کو مباہلے کا چیلنج دیا تھا ان میں مولانا ثناء اللہ امر تسریؒ صاحب بھی تھے اس وقت آپؒ کی عمر 28 سال تھی تعلیم سے فراعنت حاصل کئے بھی چار سال ہی ہوئے تھے آپ کا نام ایک سو سے زائد علماء اور مشائخ کی فہرست مدعووین میں گیارہویں نمبر پر اور بڑے بڑے معروف بزرگوں کے ناموں سے پہلے درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اتنی چھوٹی عمر میں آپ تحریک ختم نبوت کے حلقوں میں اپنی خدمات کے باعث ایک ممتاز مقام حاصل کر چکے تھے۔

مرزا صاحب سے مولانا امر تسری کی ابتدائی ملاقات

موالانا امر تسری لکھتے ہیں۔

جس طرح مرزا صاحب کی زندگی کے دو حصے ہیں (براہین احمدیہ تک اور اس سے بعد) اس طرح مرزا صاحب سے میرے متعلق کے بھی دو حصے ہیں براہین احمدیہ تک اور براہین احمدیہ سے بعد براہین احمدیہ تک میں مرزا صاحب سے حسن ظن تھا چنانچہ ایک دفعہ جب میری عمر کوئی 18-17 سال کی تھی میں بشوق زیارت بٹالہ سے پاپیادہ تنہا قادیان گیا ان دنوں مرزا صاحب ایک معمولی مصنف تھے مگر باوجود شوق اور محبت کے میں نے جو وہاں دیکھا مجھے خوب یاد ہے کہ میرے دل میں جو ان کی بابت خیالات تھے وہ پہلی ملاقات میں مبدل ہو گئے جس کی صورت یہ ہوئی کہ میں ان کے مکان پر دھوپ میں بیٹھا ہوا تھا وہ آتے ہی بغیر اس کے کہ اسلام علیکم کہیں یہ کہا کہ تم کہاں سے آئے ہو کیا کام کرتے ہو میں ایک طالب علم علماء کا صحبت یافتہ تھا فوراً میرے دل میں آیا کہ انہوں نے مسنوں طریقہ کی پرواہ نہیں کی کیا وجہ ہے مگر چونکہ حسن ظن غالب تھا یہ وسوسہ دب کر رہ گیا ۔بٹالہ سے قادیان کا فاصلہ گیارہ میل ہے۔ ۵۹؎

مرزا صاحب دعوائے مسیحیت پر مولانا امر تسری کا رد عمل

جب مرزا صاحب دعوی مسیحیت کے ساتھ جلوہ طراز ہو گئے تو اس پر مولانا کے جو کچھ تاثرات تھے مولانا فرماتے ہیں۔

"مرزا غلام احمد قادیانی نے جب سے دعوی مسیحیت موعود کیا فقیر (مولانا امر تسری) ان کے دعاوی کی نسبت بڑے غور و فکر سے تامل کرتا رہا اور ان کی لکھی ہوئی تحریریں جہاں تک دستیاب ہوئیں عموماً دیکھیں استخارات سے کام لیا مباحثات و مناظرات کیے۔ حکیم نور الدین صاحب سے بمقام امر تسر رات کے وقت تخلیہ میں کئی گھنٹے گفتگو ہوئی آخر حکیم صاحب نے کہا کہ بحث مباحثہ سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا آپ حسب تحریر مرزا صاحب مندرجہ رسالہ نشان آسمانی استخارہ کیجئے خدا کو جو منظور ہو گا آپ پر کھل جائے گا۔

چنانچہ پندرہ روز حسب تحریر نشان آسمانی مصنفہ مرزا جی استخار کیا اور جتنے دنوں تک استخارہ کرتا رہا اتنے دنوں تک مرزا جی کے بارے میں مجھے یاد نہیں کہ میں نے کسی سے مباحثہ یا مناظرہ بھی کیا ہو آخر چودھویں رات میں نے مرزا جی کو خواب میں دیکھا کہ آپ ایک تنگ مکان میں سفید فرش پر بیٹھے ہیں میں قریب جا کر سوال کیا کہ آپ کی مسیحیت کے دلائل کیا ہیں ابھی مرزا جی نے جواب دیا ہی نہیں تھا کہ دو آدمی آگئے ان کی آئو بھگت میں ہم دونوں ایک دوسرے کی مواجہت سے ذرا الگ ہوئے تو مرزا جی کو دیکھتا ہوں کہ لکھنئو کے شہیدوں کی طرح سکڑا سا چہرہ اور درڑھی بالکل رگڑ کر کتری ہوئی سخت حیرانی ہوئی اسی حیرانی میں بیدار ہو گیا جس کی تعبیر میرے ذہن میں آئی کہ مرزا کا انجام اچھا نہیں۔۶۰ـ

رد قادیانیت کا آغاز وارتقاء

مولانا امر تسری نے شرعی دلائل و شواہد کی روشنی میں بھی اور خود مرزا کے بتلائے ہوئے طریقہ تحقیق کے مطابق بھی ان کے دعاوی کو خوب جانچا ہر معیار پر کھوٹا غلط اور پر فریب پایا۔

مولانا ثناء اللہ امر تسری نے تعلیم سے فراعنت کے فوراً بعد مرزا کے دعاوی کی تردید کا محاذ سنبھالا مگر ان کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ موجود نہیں سوائے اس کے مرزا صاحب نے جو طرز تخاطب اختیار کیا اس سے اس کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

اے بد ذات فرقہ مولویاں ! تم کب تک حق کو چھپاؤ گے کب ووقت آئے گا کہ تم یہودیانہ خصلت چھوڑ دوگے اے ظالم مولویو ! تم پر افسوس کہ تم نے جس بے ایمانی کا پیالہ پیا وہی عوام کالانعام کو پلایا جائے گا۔ ۶۱ـ

ایک چیلنج مولانا ثناء اللہ امر تسری پیر مہر علی شاہ صاحب اور بہت سے علماء عصر کو 1900 میں مرزا صاحب نے اپنے مقابل میں تفسیر لکھنے کے لیے دیا تھا جس کے بارے ہیں قادیانی یہ پروپیگنڈے کرتے رہے ہیں (جیسا کہ مولانا امر تسری کی زندگی میں ایک مرزائی نے پیغام صلح۔لاہور 12 دسمبر 1940 کے شمارے میں لکھا تھا) کہ علماء اسلام مقابلے میں آنے سے کتراتے رہے ہیں مولانا امر تسری مرزائیوں سے پوچھتے تھے کہ جن علماء کو مرزا صاحب نے اپنے بالمقابل تفسیر نویسی کا چیلنج دیا تھا انہوں نے اس کا کیا جواب دیا کیا وہ مرزا صاحب سے ڈر کر ہندوستان سے باہر چلے گے تھے کہ وہ صُم" بُکم" ہو کر بیٹھے رہے ایسا ہر

گز نہیں ہوا کیوں کہ ان مخاطبوں میں میرا نام بھی تھا اور پیر مہر علی صاحب گولڑہ والے بھی مخاطب تھے میں نے مرزا صاحب کے اشتہار مورخہ 20 جولائی 1900ء کے جواب میں 26 جولائی 1900ء کو اپنی آمادگی کا اشتہار دیا پیر صاحب نے تو یہاں تک آمادگی ظاہر کی آپ حسب اعلان گولڑہ سے چل کر لاہور آگئے تھے پیر صاحب کی تشریف آوری کی تقریب پر علماء اسلام بھی لاہور میں جمع ہو گئے تھے مولانا عبدالجبار غزنوی مولوی محمد علی بھوپڑی قاضی عبد الاحد خانپوری پیر جماعت علی شاہ علی پوری اور یہ خاکسار اور دوسرے علماء بکثرت شریک مجلس ہوئے جب لوگ مرزا صاحب کا انتظار کرتے کرتے تھک گئے تو انہوں نے جامع مسجد لاہور میں ایک جلسہ منعقد کیا جس میں دس علماء نے تقاریر فرمائی تھیں پہلی تقریر عبد الجبار غزنوی کی تھی اور ساتویں تقریر مولانا امر تسری نے فرمائی۔

مولانا نے مرزا صاحب کی تمام پیشگوئیوں کے غلط ہونے کی نسبت زبردست دلائل بیان کئے اور یہ بھی فرمایا کہ ایسے شخص کو مخاطب کرنا یا اس کا کسی تحریر کا جواب دینا بھی گویا علماء کرام کی ہتک ہے اور ان کی شان سے بعید ہے۔ ۶۲ؕ

بادشاہی مسجد لاہور میں ہونے والے اس جلسے کے بعد ایک قرار داد بھی پاس ہوئی جس میں کہا گیا کہ مرزا غلام احمد شرمناک دروغ گوئی سے اپنی دکان چلانا چاہتا ہے اس نے شرفاء کی پگڑیاں اتارنے اور بازاری و عامیانہ حرکات سے اپنی روزی کمانے کا پاکھنڈ بنا رکھا ہے اس کے عقائد وغیرہ بالکل خلاف اسلام ہیں اس قرار داد پر 59 علماء و مشائخ کے دستخط ہیں اور ان میں نویں نمبر پر مولانا امر تسر کا اسم گرامی ہے۔ ۶۳ؕ

مولانا امر تسری نے 1901 میں دو رسالے شائع کیے ایک کا نام "ہفوات مرزا" ہے جو دس صفات پر مشتمل تھا اس میں مرزا غلام احمد کے کچھ عقائد اور تناقضات بیان کئے اور دلائل کے ساتھ بتایا کہ اس قسم کے اختلاف کا رونما ہونا ایک نبی کے ہاتھوں ممکن نہیں دوسرے رسالے کا نام آپ نے "الہامات مرزا" رکھا اور بعد میں اس کے کئی ایڈیشن اضافات کے ساتھ شائع ہوئے 1940ء میں نئے ایڈیشن کی ضخات 132 صفحات مشتمل تھے اس رسالہ میں آپ نے مرزا صاحب کے الہامات اور پشینگو ئیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہ بناوٹی ہیں اور مرزا صاحب اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں۔

مرزا صاحب نے اپنی زندگی میں چیلنج دیئے تھے کہ ان کی عربی تحریروں کے مقابلے میں عربی لکھا جائے اس قسم کے چیلنج دیکھ کر علماء مسکرا دیتے کہ صرف و نحو اور عربی گرائمر کی قیود سے آزاد عبارت کا کیا جواب لکھیں پیر مہر علی شاہ صاحب نے اپنی کتاب میں مرزا صاحب کی انشاء پردازی کا پوسٹ مارٹم کیا پیر صاحب کے عقیدت مند مولوی محمد حسن فیضی بے نقطہ نظم و نثر کے باعث فیضی مشہور ہو گئے تھے ایک مرتبہ طویل قصیدہ لکھ کر مرزا غلام احمد صاحب کے پاس پہنچ گئے مگر مرزا صاحب اور ان کے حاشیہ نشین تو اس قصیدے کی املاء تک پر قادر نہ ہو سکے یہی وجہ تھی مرزا صاحب نے تفسیر نویسی کے لیے پیر صاحب کو چیلنج دیا تو محمد حسن صاحب نے جوابا چیلنج کیا کہ آپ میرے ساتھ اپنی ہی تمام شرائط پر تفسیر نویسی کا مقابلہ کر لیجئے۔ ۶۴ؕ

مولانا ثناء اللہ امر تسری نے تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن کے نام سے عربی تفسیر لکھی 21 نومبر 1902ء کو مولانا نے مرزا صاحب کو بذریعہ خط خطاب کرکے کہا کہ قرآنی لطائف و معارف دکھانے منظور ہوں تو میرے تفسیر کے مقابلہ میں ایک عربی

تفسیر اس طرز پر لکھیں۔ تیا ہونے کے بعد منصف مسلم الطرفین سے فیصلہ کرایا جائے گا مرزا صاحب نے ساری عمر اس چیلنج کو قبول نہیں کیا وہ عربی میں لکھنا تو کجا اردو میں بھی کوئی تفسیر نہ لکھ سکے۔

تفسیر نویسی پر مولانا امر تسریؒ کی جیلنج بازی مرزا محمود کے ساتھ بھی چلتی رہی جیسا کہ لاہوری مرزائیوں نے ایک مرتبہ مرزا محمود صاحب کو طعنہ دیتے ہوئے لکھا تھا۔ کیا آپ کو علم نہیں کہ جناب میاں محمود صاحب نے تمام دنیا کو ازراہِ لاف زنی اپنے مقابل تفسیر نویسی کے لیے بلایا اور کہا کہ خدا تعالی مجھے تمام معارف خود بتائے گا اور سب کے سب معارف ایسے ہوں جو پہلی تفاسیر میں موجود نہ ہوں گے مگر جب مولانا ثناء اللہ امر تسری بالمقابل ڈٹ گیا اور یہاں تک میاں محمود صاحب کو اجازت دی کہ آپ مقابلہ کے وقت جو کتاب چاہیں ساتھ رکھ لیں میں سادہ کاغذ اور قلم لے کر مقابل میں ہوں گا تو ابھی جناب میاں محمود صاحب خاموش ہی رہے اور اب تک مولوی ثناء اللہ شر مندہ کر رہا ہے۔ ۶۵؎

مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

اگر مولوی ثناء اللہ امر تسری اتنی ضخامت کا رسالہ اردو عربی نظم جیسا میں نے بتایا ہے پانچ روز میں بنادے تو میں دس ہزار روپیہ اسکو انعام دوں گا۔ ۶۶؎

مولانا ثناء اللہ امر تسری کے اشتہار کا خلاصہ 29 نومبر 1902ء کے پیسہ اخبار رہور میں چھپا تھا۔ کہ آپ مرزا جی پہلے ایک مجلس اس قصیدہ اعجازیہ کو ان غلطیوں سے جو پیش کروں صاف کر دیں تو پھر میں آپ سے زانو دو زانو بیٹھ کر عربی نویسی کروں گا۔ ۶۷؎

مولانا نے اپنے اشتہار میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر آپ کی مجلس میں اغلاط نہ سنیں گے تو میں نے اپنے رسالہ میں ان کا ذکر کروں گا چنانچہ مولانا نے الہامات مرزا کی اگلی اشاعتوں میں دکھلایا ہے کہ یہ قصیدہ جیسے مرزا جی معجزہ قرار دے رہے ہیں اس کے کم از کم پچاس اشعار فصاحت و بلاعت تو درکنار صحت کے درجہ سے بھی گرے ہوئے ہیں اور شدید ترین فنی عیوب اور قباحتوں کا مرقع ہیں باقی عربی زبان وادب کا معاملہ تو اس لحاظ سے تو پورا کا پورا قصہ ہی لچر پوچ ہے۔ مرزا صاحب نے مولانا ثناء اللہ امر تسری کے متعلق تین پشین گوئیاں کیں مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

واضح رہے کہ مولوی ثناء اللہ کے ذریعے سے عنقریب تین نشان میرے ظاہر ہوں گے

۱۔ وہ قادیان میں تمام پشین گوئیوں کی پڑتال کے لیے میرے پاس ہر گز نہیں آئیں گے اور سچی پشین گوئیوں کی اپنے قلم سے تصدیق کرنا ان کے لیے موت ہوگی۔

۲۔ اگر اس چیلنج پر وہ مستعد ہوئے کاذب صبح صادق سے پہلے مر جائے تو وہ ضرور پہلے مریں گے۔

۳۔ اور سب سے پہلے اس اردو مضمون اور عربی قصیدے کے مقابلے سے عاجز رہ کر جلد تر ان کی روسیاہی ثابت ہوگی۔ ۶۸؎

تیسری پشین گوئی تو ہر لحاظ سے جھوٹ پلندہ ثابت ہوئی اس سے مرزا جی اور ان کی پوری امت عاجز رہ کر روسیاہ ہوئی۔ دوسری پشین گوئی بھی جھوٹی ثابت ہوئی مرزا جی اس چیلنج پر مستعد ہوئے کاذب صادق سے پہلے مر جائے اور اس کے بعد مرزا صاحب کا اس جہاں بے ثبات سے بصد حسرت یاس گذر گئے اور مولانا امر تسری ان کے بعد چالیس برس تک ان کی امت کی سر کو

بی کے لیے زندہ رہے۔ جبکہ پہلی پشین گوئی کا جواب دینا مولانا صاحب کے بس میں تھا یعنی قادیان پہنچنا چنانچہ 10 جنوری 1903 کو پشین گوئیوں کی پڑتال کے لئے بلائے بے درماں کی طرح قادیان جادھمکے اور ظاہر ہے کہ صرف آپ کے قادیان پہنچ جانے ہی سے مرزا صاحب کی پشین گوئی نمبر 1 باطل ہو گئی۔

10 جنوری 1903ء کو مولانا امر تسری نے مرزا صاحب کو ایک رقعہ لکھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت جناب مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان

خاکسار آپ کی دعوت حسب مندرجہ اعجاز احمدی ص 11، ص 32 قادیان میں اس وقت حاضر ہے جناب کی دعوت قبول کرنے میں آج تک رمضان شریف مانع رہا ورنہ اتنا توقف نہ ہوتا میں اللہ جل شانہ کی قسم کھاتا ہوں کہ مجھے جناب سے کوئی ذاتی خصوصت اور عناد نہیں چونکہ آپ (بقول خود) ایک عہدے جلیلہ پر ممتاز و مامور ہیں جو تمام بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے عموما اور مجھ جیسے مخلصوں کے لیے خصوصا ہے اس لیے مجھے قوی امید ہے کہ آپ میری تفہیم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے۔ اور حسب وعدہ خود مجھے اجازت بخشیں گے کہ میں مجمع میں آپ کی پشین گوئیوں کو نسبت اپنے خیالات ظاہر کروں میں مکرر آپ اپنے اخلاص اور صعوبت سفر کی طرف توجہ دلا کر اس عہدہ جلیلہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ مجھے ضرور موقع دیں۔

راقم ابوالوفاء ثناء اللہ

10 جنوری 1903ء بوقت 3:15 بجے دن

مرزا صاحب نے اس کا جواب نہایت شیریں انداز میں دیا جو یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

از طرف عائذ باللہ الصمد غلام احمد عافاہ اللہ ابداً

بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب:

آپ کا رقعہ پہنچا اگر آپ لوگوں کی صدق دل یہ نیت ہو کہ اپنے شکوک و شبہات پشین گوئیوں کی نسبت یا ان کے ساتھ اور امور کی نسبت بھی جو دعوی سے تعلق رکھتے ہوں دفع کرادیں تو یہ آپ لوگوں کی خوش قسمتی ہو گی اور اگرچہ کئی سال ہو گئے کہ میں کتاب انجام اتھم میں شائع کر چکا ہوں کہ میں اس گروہ سے مخالف ہر گز مباحثہ نہیں کروں گا کیونکہ اس کا نتیجہ بجز گندی گالیوں اور اوباشانہ کلمات سننے کے اور کچھ نہیں ہوا مگر میں ہمیشہ طلب حق کے شبہات دور کرنے کے لیے تیار ہوں اگرچہ آپ نے اس رقعہ میں دعوی کر دیا ہے کہ میں طالب حق ہوں مگر مجھے تامل ہے کہ اس دعوی پر آپ قائم نہ رہ سکیں گے کیوں کہ آپ لوگو ں کی عادت ہے کہ ہر ایک بات کو کشاں کشاں بے ہودہ اور لغو باحثات کی طرف لے آتے ہیں اور میں خدائے تعالی کے سامنے وعدہ کر چکا ہوں کہ ان لوگوں سے مباحثات ہر گز نہیں کروں گا سو وہ طریق جو مباحثات سے بہت دور ہے وہ یہ ہے کہ آپ اس مر حلہ کو صاف کرنے کے لیے اول یہ اقرار کریں آپ منہاج النبوت سے باہر نہیں جائیں گے اور وہی اعتراض کریں گے جو آنحضرتؐ پر یا عیسی یا حضرت موسی پر یا حضرت یونس پر عائد نہ ہوتا ہو اور حدیث اور قرآن کی پشین گوئیوں پر زور نہ ہو دوسری شرط یہ ہو

گی کہ آپ زبانی بولنے کے ہر گز مجاز نہ ہوں گے صرف آپ مختصر ایک سطر یا دو سطر تحریر دے دیں کہ میرا یہ اعتراض ہے پھر آپ کو عین مجلس میں مفصل جواب سنایا جائے گا اعتراض کے لیے لمبا لکھنے کی ضرورت نہیں ایک سطر یا دو سطر کافی ہیں تیسری شرط یہ ہو گی کہ ایک دن میں صرف ایک اعتراض کریں گے کیونکہ آپ اطلاع دے کر نہیں آئے چوروں کی طرح آگئے اور ہم ان دنوں بباعث کم فرصتی اور کام طبع کتاب کے تین گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں خرچ کر سکتے یاد رہے کہ ہر گز نہیں ہو گا کہ عوام کالانعام کے روبرو آپ وعظ کی طرح لمبی شروع کر دیں۔ بلکہ آپ نے بالکل منہ بند رکھنا ہو گا جیسے "صم بکم" یہ اس لیے کہ نا گفتگو مباحثہ کے رنگ میں نہ ہو جائے اول صرف ایک پشین گوئی کی نسبت سوال کریں تین گھنٹہ تک میں اس کو جواب دے سکتا ہوں اور ایک ایک گھنٹے کے بعد آپ کو متنبہ کیا جائے گا کہ ابھی تسلی نہیں ہوئی تو اور لکھ کر پیش کرو آپ کا کام نہیں ہو گا کہ سنا دیں ہم خود پڑھ لیں گے مگر چاہیے کہ دو تین سطر سے زیادہ نہ ہو اس طرز میں آپ کا کچھ حرج نہیں ہے کیوں کہ آپ تو شبہات کو دور کرانے آئے ہیں یہ طریق شبہات کو دور کرنے کا بہت عمدہ ہے میں بآواز بلند لوگوں کو سنا دوں گا کہ اس پشین گوئی کی نسبت مولوی ثناء اللہ صاحب کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا ہے اور اس کا جواب ہے اسی طرح تمام وساوس دور کر دیے جائیں گے لیکن اگر یہ چاہو تو بحث کے رنگ میں آپ کو بات کا موقع دیا جائے تو یہ ہر گز نہیں ہو گا 14 جنوری 1903ء تک میں اس جگہ ہوں بعد میں 15 جنوری 1903 کو ایک مقدمہ پر جہلم جائوں گا سوا گرچہ بہت کم فرصتی ہے لیکن چودھویں جنوری 1903ء تک تین گھنٹہ آپ کے لیے خرچ کر سکتا ہوں اگر آپ لوگ کچھ نیک نیتی سے کام لیں تو یہ ایک ایسا طریق ہے کہ اس سے آپ کو فائدہ ہو گو ورنہ ہمارا اور آپ لوگوں کا اسمان پر مقدمہ ہے خود اللہ تعالی فیصلہ کرا دے گا۔

بالاآخر اس غرض کے لیے کہ اب آپ اگر شرافت اور ایمان رکھتے ہیں قادیان سے بغیر تصفیہ کے خالی نہ جاویں دو قسموں کا ذکر کرتا ہوں اول چونکہ میں "انجام اتھم" میں خدا تعالی سے قطعی عہد کر چکا ہوں کہ ان لوگوں سے کوئی بحث نہیں کروں اس وقت پر اسی عہد کے مطابق قسم کھاتا ہوں کہ میں زبانی آپ کی کوئی بات نہیں سنوں گا۔ صرف آپ کو یہ موقع دیا جائے گا کہ آپ اول ایک اعتراض جو آپ کے نزدیک سب سے بڑا اعتراض کسی پشین گوئی پر وہ ایک سطرے دو سطر حد تین سطر ہے تک لکھ کر پیش کریں جس کا یہ مطلب ہو کہ یہ پشین گوئی پوری نہیں ہوئی آپ کو بھی خدا تعالی کی قسم دیتا ہوں کہ اگر آپ سچے دل سے آئے ہیں تو اس کے پابند ہو جائیں اور ناحق فتنہ و فساد میں عمر بسر نہ کریں اب جو اس سے انحراف کرے گا اس پر خدا کی لعنت ہے اور خدا کرے کہ وہ اس لعنت کا پھل بھی اپنی زندگی میں دیکھ لے سواب میں دیکھوں گا کہ آپ سنت نبوی کے موافق اس قسم کو پورا کرتے ہیں یا قادیان سے نکلتے ہوئے اس لعنت کو ساتھ لے جاتے ہیں اور چاہیے کہ اول آپ اس عہد موکد مقسم کے آج ہی ایک اعتراض مجمع میں کیا جائے گا اور آپ کو بلایا جائے گا اور عام مجمع میں آپ کے شیطانی وساوس دور کر دیئے جائیں گے۔ (مرزا غلام احمد بقلم خود مہر)۔

یہ واقعہ موجودحالات میں جیسا کچھ بھی معلوم ہوا ہو مگر اس وقت بڑے دوررس اثرات و نتائج کا حامل ہوا مرزا صاحب پہلے تو اپنے عربی قصیدہ کو معجزہ قرار دے کر دندناتے پھر رہے تھے پھر مولانا امرتسری کے متعلق پشین گوئی کرکے بڑے ولولے کے ساتھ اپنے قصر نبوت کی تعمیر بھی کرنے لگے تھے اور اپنی ان واہی تباہی ڈینگوں سے اینٹ اور گارے کا کام کر رہے تھے

سارے ملک کی نگاہیں مولانا امر تسری پر لگی ہوئی تھیں مولانا قادیان پہنچ جانے سے مرزا جی کے سارے اینٹ گارے بکھیر دیئے اور ان کا عالی شان قصر نبوت بتاشے کی طرح بیٹھ گیا ظاہر ہے کہ مرزا صاحب ان معاملات کو منظر عام پر آنے سے روک نہیں سکتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی خرافات نے ارتداد کے لیے جو فضا ہموار کر رکھی تھی وہ یکسر بدل گئی اور خود ان کے مریدوں کی بھی آنکھیں کھل گئیں چنانچہ جن طبیعتوں میں سلامتی تھی وہ قادیانیت سے تائب ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب السلام علی من اتبع الھدی مدت سے آپ کو پرچہ اہلحدیث میں میرے تکذیب اور تفسیق کا سلسلہ جاری ہے ہمیشہ مجھے آپ اپنے اس پرچہ میں مردود کذاب دجال مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔ اور دنیا میں میری نسبت شہرت دیتے ہیں کہ یہ شخص مفتری کذاب اور دجال ہے اس شخص کا دعوی مسیح موعود ہونے کا سر سر افتراء ہے میں نے آپ سے بہت دکھ اٹھایا اور صبر کرتا رہا مگر چونکہ حق پھیلانے کے لیے مامور ہوں اور آپ بہت سے افتراء میرے پر کرکے دنیا کو میری طرف آنے سے روکتے ہیں اور مجھے ان گالیوں اور ان تہمتوں اور ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں جس سے بڑھ کر کوئی نقط سخت نہیں ہو سکتا۔

اے میرے مالک میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر اور میری موت سے ان کی جماعت کو خوش کر دے مگر اے میرے کامل اور صادق خدا ! اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ان کو نابود کر مگر نہ انسانی ہاتھوں سے بلکہ طاعون وہیضہ وغیرہ امراض مہلکہ بجز اس صورت کے وہ کھلے کھلے طور پر میرے روبرو اور میری جماعت کے سامنے ان تمام گالیوں اور بدزبانیوں سے توبہ کرے جن کو وہ فرض منصبی سمجھ کر ہمیشہ مجھے دکھ دیتا ہے تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما اور وہ جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں دنیا سے اٹھا لے یا کسی اور سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو مبتلا کر اے میرے پیارے مالک تو ایسا کر آمیں ثم امین۔

بالاخر مولوی صاحب سے التماس ہے کہ اس تمام مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھو دیں اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ الراقم عبداللہ الصمد مرزا غلام احمد مسیح موعود عافاہ اللہ مورخہ 15 اپریل 1907۔

خلاصہ یہ کہ مرزا صاحب نے اشتہار بالا میں جو دعا کی تھی کہ مرزا جی مولانا ثناء اللہ میں سے جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جائے یہ دعا خدا کی تحریک پر کی گئی تھی۔ اور اس کی مقبولیت کا مرزا صاحب کو الہام بھی ہو گیا اس کے بعد جو واقعہ پیش آیا وہ یہ ہے کہ اس اشتہار کی اشاعت کے تیرہ مہنیہ بارہ دن کے بعد 26 مئی 1908ء کو مرزا صاحب اس اشتہار میں نامزد کردہ ایک بیماری ہیضے سے ہلاک ہو گئے اور مولانا امر تسریؒ مرزا صاحب کے انتقال کے بعد مسلسل چالیس سال تک پوری اب و

تاب کے ساتھ زندہ رہے اس طرح مرزا صاحب کی اپنی دعا و طلب کے مطابق خدا تعالی کا یہ دوٹوک فیصلہ ہو گیا کہ وہ باطل کذاب اور دجال تھے اور مولانا امر تسری برحق اور صادق تھے۔

مولانا ثناء اللہ امر تسری کا انتقال سرگودھا میں مارچ 1948ء میں ہوا سید سلیمان ندوی نے اس موقع پر لکھا ہے۔کہ مولانا ثناء اللہ فن مناظرہ کے امام تھے یہ وہ زمانہ تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوتوں سے پنجاب میں فتنہ پیدا ہو گیا تھا انہوں نے مرزا صاحب کے خلاف صف آرائی کی اور اس وقت سے لے کر آخر دم تک اس تحریک اور اس کے امام کی تردید میں پوری قوت صرف کر دی۔

اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی اور قلم اٹھایا اس کے حملے کو روکنے کے لیے ان کا قلم شمشیر بے نیام ہو تا تھا اور اسی مجاہدانہ خدمت میں انہوں نے زندگی بسر کر لی مخالفین اسلام کے اعتراضوں کے جواب میں ان کے اکثر رسالے ہیں مرحوم اسلام کے بڑے مجاہد سپاہی تھے زبان اور قلم سے اسلام پر جس نے بھی حملہ کیا اس کی مدافعت میں جو سپاہی سب سے آگے بڑھتا وہ وہی ہوتے اللہ تعالی اس غازی اسلام کو شہادت کے درجات و مراتب عطافرمائے۔۶۹

مولانا ثناء اللہ امر تسریؒ نے رد قادیانیت پر مندرجہ ذیل کتب تحریر فرمائیں۔

۱۔ہفوات مرزا	۲۔علم کلام مرزا	۳۔تاریخ مرزا
۴۔بہاء اللہ اور مرزا قادیانی	۵۔فیصلہ مرزا	۶۔تعلیمات مرزا
۷۔نکاح مرزا	۸۔نکات مرزا	۹۔عجائبات مرزا
۱۰۔استجابت	۱۱۔فتح ربانی در مباحثہ قادیانی	۱۲۔مراق مرزا
۱۳۔محمد قادیانی	۱۴۔ہندوستان کے دو ریفارمر	۱۵۔فسخ نکاح مرزائیاں
۱۶۔شاہ انگلستان اور مرزا قادیانی	۱۷۔عقائد مرزا	۱۸۔چیستان مرزا
۱۹۔شہادت مرزا ملقب بہ عشرہ مرزائیہ	۲۰۔مرقع قادیانی	۲۱۔زار قادیان
۲۲۔ناقابل مصنف مرزا	۲۳۔مکالمہ احمدیہ	۲۴۔لیکھرام اور مرزا
۲۵۔محمود مصلح موعود	۲۶۔اباطیل مرزا	۲۷۔ثنائی پاکٹ بک
۲۸۔آفت اللہ	۲۹۔قادیانی مباحثہ دکن	۳۰۔عشرہ کاملہ
۳۱۔الہامات مرزا	۳۲۔تفسیر نویسی کا چیلنج اور فرار	

علامہ انور شاہ کشمیری

ولادت: آپ کی ولادت باسعادت کشمیر کے ایک گائوں "دودان" کے ایک علمی گھرانے میں مولانا سید معظم شاہ کے ہاں 27 شوال 1292ھ بروز ہفتہ ہوئی آپ کے والد صاحب کشمیر کے ایک جید عالم دین اور سلسلہ سہروردیہ کے شیخ طریقت تھے سینکڑوں طلباء نے آپ سے علمی استفادہ کیا ہزاروں نے آپ دست حق پر بیعت کرکے اصلاح احوال کا سامان کیا۔۷۰

تعلیم وتربیت:

ابتدائی تربیت اپنی والدہ صاحبہ سے پائی پھر تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی بعد میں عربی۔ صرف ۔ نحو۔ فقہ۔ اصول فقہ کی تعلیم مولانا غلام محمد رسونی پورہ سے حاصل کی دو سال کے عرصہ میں ان علوم کی تکمیل کر لی۔

اس زمانہ میں وادی کشمیر غلامی کے مارے اپنی باقاعدہ دینی درس گاہوں سے قریب قریب خالی ہو چکی تھیں اور حضرت سید احمد شہید کی بے پناہ قربانیوں کی بدولت ہزارہ میں علم و دانش کے چشمے جاری تھے اس ضلع کی علمی درسگاہیں اس زمانہ میں اہل کشمیر کے لیے کشش کا موجب تھیں اسی وجہ سے مولانا معظم شاہ بھی شاہ صاحب کو ہزارہ بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ شاہ صاحب نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ابتدائی علم کی تکمیل کے بعد 1305ھ کشمیر کے مرغزاروں کو خیر آباد کہ کر سرزمین ہزارہ کا قصد کیا اور تین سال تک یہاں کے ماہر حاذق اساتذہ کی شفقت سے بہت علمی مدارج طے کر لئے 1308ھ کے آخر یہاں سے سفر کا سامان کیا۔

دارالعلوم دیوبند میں تکمیل اور فراغت

ہزارہ سے علوم و فنون سے تکمیل کے بعد دیوبند کا رخ کیا تا کہ علمی پیاس کو مزید تسکین مل سکے دیوبند پہنچنے کے اسباب ظاہر یہ و باطنیہ میں والد محترم کی ہمت افزائی اپنا شوق تکمیل علوم اور سب سے بڑھ کر مشیئت ایزدی جیسے عناصر تھے 1310ھ کے تعلیمی سال میں آپ نے داخلہ حاصل کر لیا۔ یہ دور دارالعلوم دیوبند کی تاریخ کا بے حد مقبولیت اور جامعیت کا دور تھا۔ اس وقت دارالعلوم دیوبند کا چرچا نہ صرف اطراف ہند بلکہ اطراف عالم میں عام تھا۔ اور علمی دنیا میں اس ادارے کی عظمت مسلم تھی محدثین فقہاء متکلمین مفسرین اور معقولات و منقولات کی جامع شخصیات کا یہ ایسا سمندر بے پایاں تھا جس کی مثال پورے عالم اسلام ہیں مفقود تھی۔

جس زمانہ میں آپ دارالعلوم آئے مدرسہ کا مطبخ تک نہ تھا اس لئے دار العلوم سے قریب شہر ایک مسجد ''مسجد قاضی'' میں چند روز قیام کیا کھانے پینے کے مصارف نہیں تھے چنانچہ کچھ دن فاقہ کرنا پڑا آخر ایک دن مسجد کے منظّم نے آپ پر فاقہ اور غربت کے اثار دیکھے تو پوچھا کس غرض سے یہاں آئے ہو آپ نے وجہ بتائی تو پہلے اس نے آپ کو کھانا کھلایا پھر شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے پاس آپ لے کر حاضر ہوئے اور یوں آپ کا تعلیمی سلسلہ دارالعلوم میں شروع ہوا اپنے اساتذہ سے آپ کا تعلق سب سے زیادہ شیخ الہند سے تھا۔ آپ نے تقریبا چار سال کے عرصہ میں مختلف علوم و فنون حاصل کر کے دار العلوم دیوبند سے 1313ھ میں فراغت حاصل کر۔ اے

آپ مطالعہ میں بہت دلچسپی رکھتے تھے اس لئے ہر وقت مطالعہ میں مشغول رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے عمدۃ القاری للحافظ العینی اور ''فتح الباری للحافظ ابن حجر'' جس عظیم شروح کا مطالعہ زمانہ طالب علمی میں کر لیا تھا۔ چنانچہ آپؒ خود فرماتے ہیں جس سال دورہ حدیث شریف کا ارادہ تھا اس کی تیاری کے طور پر میں نے رمضان المبارک میں عمدۃ القاری کا مطالعہ کیا بسا اوقات ایک جلد کا مطالعہ ایک ہی وقت میں ہو جاتا تھا اور فتح الباری کا مطالعہ ساتھ ساتھ ہوتا رہا۔ ۲ے

حافظہ:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوی ترین حافظہ عطا فرمایا تھا۔ ایسا حافظہ جو شاید ہی کسی کو نصیب ہوا ہو یہی وجہ ہے کہ ذہانت و زکاوت بچپن ہی سے آپ کے چہرہ سے عیاں تھی آپ کے والد بزر گوار کا بیان ہے کہ ''انور شاہ جب مجھ سے '' مختصر القدوری'' پڑھتے تھے تو بسا اوقات ایسے سوالات کرتے جن کا جواب اہم فقہی کتب کی مراجعت کے بغیر ممکن نہ ہوتا۔ آپ نے ہدایہ کی شرح ''فتح القدیر'' کا مطالعہ ایک مہینہ سے بھی کم مدت میں فرمایا اور ساتھ ساتھ ''کتاب الحج'' تک اس کی تلخیص بھی تحریر فرمادی پھر پوری عمر دوبارہ اس کا مطالعہ کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ ۳۷

مطالعہ کا طریقہ:

آپ کو جو کتاب بھی ہاتھ میں آجاتی اس کا پورا مطالعہ ضرور فرماتے تھے چاہے شرح ہو یا متن مخطوط ہو یا مطبوع آپ کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ صرف فقہ حنفی کی کتب پر اکتفانہ فرماتے تھے بلکہ تمام مذاہب کی کتب کا مطالعہ بڑے غور و فکر سے فرماتے اگر ان میں کوئی مسئلہ راجح نظر آجاتا تو بلا جھجک اس پر عمل کرتے ورنہ فقہ حنفی کو ترجیح دے کر مخالفین کے دلائل کا جواب دیتے حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ آپ سے نقل فرماتے ہیں کہ مجھے اوقات نوم کے علاوہ فکر ایسا مشغول رکھتا ہے کہ دوسری باتوں کی طرف توجہ دینی مشکل ہے۔ ۴۷

اخلاق:

اللہ پاک نے آپ کو عمدہ اخلاق سے نوازا تھا قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے تھے کہ ''ہم سنن نبویہ حضرت شاہ صاحب کی سیرت اور اخلاق سے ہی سیکھا کرتے تھے گویا کہ حضرت شاہ صاحب اخلاق نبویہ کی زندہ تصویر تھے۔

یہی وجہ ہے کہ جب آپؒ ہندوستان کے ایک گاؤں ''مونگر'' خطاب کے لیے تشریف لے جا رہے تھے تو ریلوے سٹیشن پر آپ کا نورانی چہرہ دیکھ کر بعض ہندوؤں کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے کہ ''اس شخص کا دین باطل نہیں ہو سکتا'' اور اسی وقت شاہ صاحب کے دست مبارک پر مشرف با اسلام ہو گئے اور جب ''مونگر'' میں آپ کا خطاب بعض ہندوؤں نے سنا تو پکار اٹھے کہ ''اس شخص کا چہرہ انور دین اسلام کی حقانیت کا واضح ثبوت ہے''۔ ۵۷

علمی سفر:

1315ھجری میں حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے وہاں کے چیدہ چیدہ کتب خانوں سے استفادہ فرمایا جن میں مدینہ منورہ کے شیخ الاسلام عارف حکمۃ الحسینی کا کتب خانہ اور مکتبہ المحمودیہ بھی شامل ہیں ان میں موجود اکثر مخطوطات کا مطالعہ فرمایا حضرت بنوریؒ آپ کے سفر حرمین شریفین کا ذکر کرتے ہیں ''اس سفر میں آپ نے خلافت عثمانیہ کے جلیل القدر اور مشہور عالم شیخ حسین الجسر الطرابلی سے بھی ملاقات فرمائی اور استفادہ کے بعد ان سے درس حدیث کی سند اجازہ بھی حاصل کی۔ ۶۷

حضرت شاہ صاحبؒ اٹھارہ سال تک دار العلوم میں تدریسی اور انتظامی خدمات انجام دیتے رہے آخر کار بعض وجوہات کی بناپر استعفیٰ دے کر یہاں سے ڈابھیل تشریف لے گئے جہاں انہوں نے تدریس حدیث فقہ کے لیے ''جامعہ اسلامیہ'' اور تصنیف کے لیے ''مجلس علمی'' کا سنگ بنیاد رکھا۔ اور چند سالوں میں یہ جامعہ دنیا کے چیدہ چیدہ جامعات میں شمار ہونے لگا۔

وفات:

1352ھ کے شروع میں ڈابھیل میں آپ بیمار ہوئے تو دیوبند تشریف لائے وہاں 60 سال کی عمر میں 3 صفر المظفر 1352ھ کو وفات پائی مولانا سید اصغر حسین نے دار العلوم دیوبند کے صحن میں آپؒ کی نماز جنازہ پڑھائی اور عید گاہ کے قریب وصیت شدہ زمین میں آپ کو دفن کر دیا گیا۔

شاہ صاحب اور علامہ اقبال:

علامہ اقبال بھی حضرت انور شاہ صاحب کے بڑے قدر دان اور ان کے علم و فضل کے معترف تھے دونوں کا کشمیر سے ہی وطنی تعلق تھا یہ ان کی باہمی خلوص و محبت ہی تھی کہ جب حضرت شاہ صاحب دیوبند سے مستعفی ہوئے تو علامہ اقبال نے بے حد کوشش کی کہ کسی طرح شاہ صاحب لاہور میں قیام پر رضا مند ہو جائیں۔ لیکن یہ تجویز پائے تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔

شاہ صاحب کا منظوم رسالہ ''ضرب الخاتم'' جب شائع ہوا تو انہوں نے علامہ اقبال کو بھی تحفہ کے طور پر اس کا ایک نسخہ ارسال فرمایا اقبالؒ نے جب یہ رسالہ غور سے پڑھا تو بے اختیار قلم سے لکھنے لگا۔

''میں تو انور شاہ کا یہ رسالہ پڑھ کر دنگ رہ گیا ہوں کہ رات دن قال اللہ و قال الرسول سے واسطہ رکھنے کے باوجود آج یورپ کا بڑے سے بڑا فلسفی بھی اس مسئلہ پر اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا۔''۔۷۷

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت شاہ صاحب کو جو اخلاص، علم و تقوی اور بے پناہ صلاحیتیں عطا ہوئی تھیں اس کے باوجود ان کی تواضع اور علماء کرام کی قدر دانی و احترام اور قرآن و سنت کی خدمت کے سبب علماء معاصرین کے ساتھ اور ان لوگوں کے ساتھ جو مختلف میدانوں میں دین کی خدمت کر رہے تھے نہایت قوی تعلق تھا۔ اگرچہ علامہ اقبال نے آپ سے دینی مشکلات کے حل میں پورا استفادہ کیا خصوصا قادیانیت کے رد میں جو کچھ تحریر فرمایا اور جو اشعار لکھے ان میں علامہ کشمیری کی پوری سرپرستی حاصل تھی مولانا محمد نظر شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے ختم نبوۃ کے متعلق انگریزی میں چھ خطبے تحریر کئے ہیں جن میں علامہ کشمیری سے پورا پورا استفادہ کیا ہے۔۔۸۷

بلکہ اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو شاہ صاحب نے ہی ڈاکٹر صاحب کو فتنہ قادیانیت اور اس کے ناپاک عزائم سے آگاہ کیا۔ یوں تو بہت سارے واقعات ایسے ہیں جن سے یہ تصویر جھلکتی ہے لیکن نمونہ کے طور پر ایک واقعہ تحریر ہے۔ ایک دفعہ کشمیر کے گورنر نے مرزا بشیر الدین قادیانی کے سربراہی میں مفاد عامہ کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی اور ڈاکٹر صاحبؒ کو اس کمیٹی کا رکن بنایا گیا اس وقت ڈاکٹر صاحب قادیانیت کے متعلق کچھ نہ جانتے تھے۔ جب علامہ کشمیری کو اس کا علم ہوا فوراً ان کے ہاں تشریف لے گئے اور قرآن و حدیث کی روشنی میں قادیانیت کے کفر کو واضح کیا ڈاکٹر صاحب متاثر ہو کر کمیٹی سے مستعفی ہو گئے اور قادیانیت کے خلاف اشعار و مقالہ جات لکھنے شروع کیے۔۹۷

رد قادیانیت میں آپؒ کی خدمات:

اللہ تعالیٰ کا یہ ازلی قانون ہے کہ دین اسلام کو ہمیشہ غالب رکھتا ہے اس لیے جب بھی کوئی فتنہ دین کے خلاف کھڑا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو اس فتنہ دین کی سرکوبی کے لیے توفیق عطا فرما دیے ہیں جب ہم تاریخ کے اوراق پلٹتے ہیں تو

دین اسلام کے خلاف بڑی تعداد میں فتنے کھڑے نظر آتے ہیں خوارج کا فتنہ معتزلہ شیعیت کا فتنہ اور یہ فتنے ختم نہیں ہونے پاتے بلکہ ان کی تعداد اور زیادہ ہوتی رہتی ہے جیسے آپ کے فرمان سے ظاہر ہوتا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں فانہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیراً۔ ۸۰

موجودہ دور کا سب سے خطرناک فتنہ ہندوستان میں قادیانیت کا فتنہ ہے۔ جو کہ انگریز کی تائید سے غلام احمد قادیانی کی دعوی نبوت سے وجود میں آیا قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے ثابت ہے کہ نبوت کا دروازہ بند ہے لیکن غلام احمد نے کھولنے کی جرات کی اللہ تعالیٰ نے اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے جن علماء کرام و مشائخ وعظام کو قبول فرمایا ان میں علامہ کشمیریؒ سر فہرست ہیں آپ نے اس فتنہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ رات دن ایک کرکے کام کیا آپؒ فرماتے ہیں جب سے ہندوستان میں یہ فتنہ پروان چڑھا۔ مجھ پر نیند حرام ہو گئی چونکہ لوگ دین اسلام کی حقانیت کے بارے میں شک و شبہ کرنے لگے ہیں اور اس حالت میں چھ ماہ گذر گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں القاء کیا اس فتنہ کی شان و شوکت عنقریب ختم ہو گئی اور اس کا دائرہ کار تنگ ہو گیا اس القاء کے بنا پر مجھے اطمینان نصیب ہوا اور ان کے خلاف مہم کو تیز تر کر دیا۔ ۸۱

آپؒ نے اس فتنہ کے خلاف کام کرنے کے لیے معاصر علماء کو گہری نیند سے جگایا اور اپنے شاگردوں کو اس کے خلاف صف آراء ہونے کا حکم دیا۔ اللہ نے دوستوں اور شاگردوں کو کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ سب نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کتابیں اور رسالے تالیف کیے یہی وجہ تھی کہ عالم اسلام کے تمام علماء اس فتنہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے پر متفق ہو گئے اور اس میں مجاہد ملت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی سربراہی میں جمعیت احرار کے مساعی جمیلہ بھی قابل ذکر ہیں۔

یوں تو حضرت علامہ کشمیری کی بے پناہ کوششوں پر دلالت کرنے والے واقعات کثرت سے ملتے ہیں لیکن سب سے اہم واقعہ فیصلہ مقدمہ بہاولپور ہے جو کہ ایک عورت نے اپنے قادیانی خاوند کے خلاف دائر کیا تھا۔ اس کی پیروی آپ نے اپنے دوستوں اور شاگردوں کے ہمراہ جن میں مفتی محمد شفیع، سید مرتضیٰ حسن اور پروفیسر نجم الدین قابل ذکر ہیں۔

اس مقدمہ کے دوران آپؒ نے مسئلہ ختم نبوت پر شرعی دلائل دیتے ہوئے جب متعدد مجتھدین اسلام کے اقوال کی روشنی میں یہ ثابت کیا کہ تواتر کا منکر کافر ہے تو قادیانیوں کے وکیل جلال الدین شمس نے یہ اعتراض کیا کہ آپ تو تواتر کے منکر کو کافر کہتے ہیں جبکہ بحر العلوم نے اصول فقہ کی مستند کتاب ''مسلم الثبوت'' کے شرح ''فواتح الرحموت'' میں لکھا ہے کہ امام رازی تواتر معنوی کے منکر ہیں اس پر شاہ صاحب نے جج سے مطالبہ کیا کہ اس سے مذکورہ کتاب اور حوالہ طلب کیجئے اور پر جوش انداز میں کہنے لگے جج صاحب یہ ہمیں دھوکہ دینا چاہتے ہیں میں ایک طالب علم ہوں لیکن اس سے لاجواب نہیں ہوں گا اور فرمایا 32 سال ہوئے ہیں میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا تھا بحر العلوم نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ امام رازی تواتر معنوی کا انکار کرتے ہیں بلکہ انہوں نے یہ لکھا ہے کہ ''امام رازیؒ حدیث ''لا تجتمع اُمتی علی الضلالۃ" کے متواتر معنوی ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

یہ کہتے ہوئے آپ نے ''فواتح الرحموت'' کی عبارت پڑھ کر سنائی۔ جلال الدین شمس اپنی صریح غلط بیانی پر شرمندہ ہو کر رہ گیا آپؒ نے پانچ دن تک متواتر اپنا بیان جاری رکھا جو کہ بیان ازھر کے نام سے ساٹھ صفحات پر مشتمل مطبوع ہے اس میں قادیانی کو قرآن و حدیث کی روشنی میں کافر قرار دیا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے علامہ کشمیری اور ان کے شاگردوں، ساتھیوں کی مساعی

جمیلہ قبول فرما کر عدالت سے شاہ صاحب کی وفات کے بعد 1356ھ میں "تنسیخ نکاح" کا فیصلہ صادر فرمایا جو کہ وصیت کے مطابق آپؒ کی قبر پر سنایا گیا۔ ۸۲؎

علامہ کشمیری نے اس فتنہ کے خلاف کئی تصانیف تحریر کیں جن میں اہم کتابیں ذیل میں ہیں۔

۱۔ اکفار الملحدین ۲۔ التصریح بما تواتر فی نزول المسیح

۳۔ عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ ۴۔ تحیۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ

یہ چاروں کتابیں عربی زبان میں ہیں اور ایک کتاب خاتم النبیین فارسی زبان میں ہے۔

تاریخ دار العلوم دیوبند۔ محبوب احمد رضوی ص64۔ آپ کے فرمان پر بعض تلامذہ اور دوستوں نے بھی اس کے خلاف کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ مولانا بدر عالم صاحبؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، سید مرتضیٰؒ حسن صاحب جیسے علماء و شخصیات شامل ہیں۔

علامہ کشمیریؒ نے ضروریات دین کے منکر اور تاویل کرنے والے کو کافر قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی تصانیف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ توہین انبیاء دعوت انبیاء پر اپنی برتری۔ دعویٰ معجزات اور نئی شریعت کے دعوؤں سے بھری ہوئی ہیں۔ بلکہ بعض مقامات پر اس نے اپنے آپ کو رحمت دو عالم ﷺ پر بھی فوقیت دی ہے جب ایسے صاف و صریح الفاظ دین کے انکار کے بارے میں موجود ہوں جنہیں دیکھ کر ایک ادنی جاہل مسلمان بھی نفرت و بے زاری کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکتا ہو تو پھر ایسے شخص کو کافر کیوں نہ کہا جائے۔ ۸۳؎

علامہ اقبالؒ

ترجمان حقیقت حضرت علامہ اقبال بیسویں صدی کے آفاق دانشور عظیم روحانی شاعر اعلیٰ درجہ کے مفکر اور بلند پایہ فلسفی ہونے ساتھ ساتھ ایک عہد ساز انسان بھی تھے۔ ایسی زندہ جاوید ہستیاں صدیوں بعد پیدا ہوتی ہیں۔ ان کا دل ملت اسلامیہ کے ساتھ دھڑکتا تھا۔ وہ انسانیت کی اعلیٰ قدروں کے وارث تھے ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے انحطاط اور تنزل کی گھاٹی کی طرف تیزی سے گرتے عالم اسلام کے تن مضمحل میں ایک نئی روح پھونکی اور اسے انقلاب کی راہ دکھائی۔ آپ خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ اعلیٰ تعلیم یافتہ راسخ العقیدہ مسلمان تھے جہاں تک قادیانیت کا تعلق ہے تو اس حوالے سے تو وہ محرم راز درون خانہ تھے انہوں نے بنظر غائر دیکھ لیا کہ مرزائی خود تو مرتد اور کافر ہیں ہی لیکن عامۃ المسلمین کو بھی مرتد بنانے کے لیے کوشاں ہیں اور وہ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر انہیں گمراہ کر رہے ہیں تو وہ اپنی اسلامی غیرت و حمیت اور عشق رسول کے حوالے سے برداشت نہ کر سکے انہوں نے انتہائی زیرکی اور ژرف نگاہی سے اس اہم مسئلے کا جائزہ لیا اور اپنے تاثرات امت مسلمہ کے سامنے واضح انداز میں پیش کیے۔

علامہ اقبال کو اس بات پر کامل یقین تھا کہ حضرت محمد عربی ﷺ کی ذات اقدس پر رسالت و نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا آپ خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد قیامت تک کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا اگر کسی نے نبوت کا دعوی کیا تو وہ نہ صرف کاذب و مفتری ہے بلکہ واجب القتل ہے۔

احمدی تحریک کی تاریخ پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ اس تحریک کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی (1908-1839) نے اپنے عوامی زندگی کا آغاز ایک مناظر کے طور پر کیا انہوں نے مسیحی پادریوں آریہ سماجی پنڈتوں کے اعتراضات کے جواب میں اسلام کی حقانیت پر سینکڑوں دلائل دینے کا دعویٰ کیا تھا۔ اور جب مخالفین اسلام کو مرزا صاحب نے ان ہی کے جارحانہ لہجے میں مخاطب کیا مرزا صاحب کے لیے بہت سے دلوں کے دروازے کھل گئے تھے۔ پچاس جلدوں میں ''براہین احمدیہ'' کی تالیف کے دعوے (جو پانچ جلدوں سے آگے نہ بڑھ سکی) اور ''سرمہ چشم آریہ'' نے ان کی شہرت کو پنجاب کے گمنام قصبے قادیان سے نکال کر برصغیر کے بڑے حصے تک پھیلا دیا تھا مرزا صاحب نے ابتدا میں جو کچھ لکھا وہ ان کے معاصر مسلم اہل قلم کی تحریروں سے زیادہ مختلف نہ تھا۔ بلکہ ان کے ہاں مولوی چراغ علی اور بعض دوسرے بزرگوں سے استفادے کی واضح شہادتیں موجود ہیں۔ تاہم مرزا صاحب کے لب و لہجہ میں ماموریت من اللہ کی تعلی بہت نمایاں تھی جس نے انہیں ملہم محدث، مسیح موعود، مہدی معہود اور نبی کے دعوئوں تک پہنچا دیا اور یوں امت مسلمہ کی نمائندگی کرنے کی بجائے انہوں نے اس کے بالمقابل ایک نئی امت کھڑی کر دی جس کی اطاعت کا مرکز و محور مرزا صاحب کی ذات تھی۔

مرزا صاحب کے ان دعوئوں کا ذمہ دار علمائے کرام نے بروقت نوٹس لیا اور انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیا علمائے کرام اس فتوے یا فیصلے کو ان لوگوں نے تو اہمیت دی جو مرزا صاحب کی تحریروں کا مطالعہ کرتے تھے مگر ان افراد کے ہاں جو مرزا صاحب کی تحریروں کے قاری نہ تھے یہ فتویٰ اولاً اس لیے پذیرائی حاصل نہ کر سکا کہ ان کے ہاں علمائے کرام کا تاثر ''جھگڑالو مولوی'' کا تھا جو شعیہ سنی، مقلد غیر مقلد وہابی غیر وہابی اختلافات میں عدم برداشت کا اظہار کرتے رہتے تھے ثانیاً مرزا صاحب اور ان کے پیروکار سماجی سطح پر خدمت اسلام کا امیج برقرار رکھے ہوئے تھے۔ اور غالبا انسانی خصائل کے اعتبار وہ نسبتاً بہتر افراد تھے۔

علامہ اقبال (1877-1938) کا شمار بھی ان ہی آخر الذکر لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے ایک عرصے تک مرزا صاحب کی تحریروں کا مطالعہ نہ کیا علمائے کرام کی تنگ نظری کے شاکی رہے اور مرزا صاحب کے پیروکاروں کے ساتھ اپنے سماجی تعلقات کے تحت احمدی تحریک سے اچھی توقعات وابستہ رکھیں مرزا صاحب جن دنوں (1864-1868) سیالکوٹ میں مقیم رہے ان کی علامہ اقبال کے والد گرامی شیخ نور محمد اور استاد محترم مولوی سید میر حسن کے ہاں نشست رہتی تھی۔ اور ان کے چچازاد بھائی حسام الدین اور ان کے صاحبزادے میر حامد شاہ مرزا صاحب کے پیروکاروں میں سے تھے اسی طرح مرزا صاحب کے ایک بڑے جذباتی مرید مولوی عبدالکریم سیالکوٹی علامہ اقبال کے والد شیخ نور محمد کے احباب میں سے تھے علامہ اقبال کے بچپن کے ساتھیوں اور ہم جماعتوں میں بھی چند نمایاں احمدیوں کے نام آتے ہیں۔

علامہ اقبال کو احمدی جماعت کو قریب سے دیکھنے کا موقع اس وقت ملا جب 1931 میں انہوں نے اس جماعت کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود (1889-1865) کے ساتھ آل انڈیا کشمیر کمیٹی میں کام کیا آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے پلیٹ فارم پر کام کرتے ہوئے علامہ اقبال پر واضح ہو گیا کہ احمدی جماعت اسلام اور کشمیری مسلمانوں کے درد کے نام پر اصلاً اپنے گروہی مقاصد کے لیے کوشاں ہے چنانچہ انہوں نے احمدی تحریک کا سنجیدہ مطالعہ شروع کیا جس کا اظہار ان تحریروں کی شکل میں ہوا جن کی چبھن احمدی

جماعت آج تک محسوس کرتی ہے علامہ اقبال نے احمدی جماعت کے وکیل صفائی پنڈت جواہر لال نہرو کو جو اپنی قوم پرستی کے سبب معروف تھے دو ٹوک الفاظ میں لکھا۔

''میں اس بات میں کوئی شک و شبہ اپنے دل میں نہیں رکھتا کہ احمدی اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں''۔ ۸۴

پنڈت جواہر لال نہرو کے سوالات کا جواب

ماڈرن ریویو کلکتہ میں پنڈت جواہر لال نہرو کے تین مضامین شائع ہونے کے بعد مجھے اکثر مسلمانوں نے جو مختلف مذہبی و سیاسی مسلک رکھتے ہیں متعدد خطوط لکھے ہیں ان میں سے بعض کو خواہش ہے کہ میں احمدیوں کے بارے میں مسلمانان ہند کے طرز عمل کی مزید توضیح کروں اور اس طرز عمل کو حق بجانب ثابت کروں بعض یہ دریافت کرتے ہیں کہ میں احمدیت میں کس مسئلہ کو تنقیح طلب سمجھتا ہوں اس بیان میں ان مطالبات کو پورا کرنا چاہتا ہوں جن میں بالکل جائز تصور کرتا ہوں اور اس کے بعد ان سوالات کا جواب دینا چاہتا ہوں جو پنڈت جواہر لال نہرو نے اٹھائے ہیں بہر حال مجھے اندیشہ ہے کہ اس بیان کا ایک حصہ پنڈت جی کے لیے دلچسپ نہ ہوگا لہٰذا ان کا وقت بچانے کے لیے میرا یہ مشورہ ہے کہ وہ ایسے حصوں کو نظر انداز کر دیں۔

ختم نبوت کا تخیل

انسانیت کی تمدنی تاریخ میں غالباً ختم نبوت کا تخیل سب سے انوکھا ہے۔ اس کا صحیح انداز مغرب اور ایشیاء کے مہذبانہ تمدن کی تاریخ کے مطالعہ سے ہو سکتا ہے موبدانہ تمدن میں زرتشتی یہودی، نصرانی اور صابی تمام مذاہب شامل ہیں۔

اسلام کا غدار

''دینیاتی نقطہ نظر سے اس نظریے کو ہم یوں بیان کر سکتے ہیں۔ اسلام کی اجتماعی اور سیاسی تنظیم میں محمد ﷺ کے بعد کسی ایسے الہام کا امکان ہی نہیں جس سے انکار کفر کو مستلزم ہو جو شخص ایسا الہام کا دعویٰ کرتا ہے وہ اسلام سے غداری کرتا ہے۔

قادیانیت کا مقابلہ

علمائے ہند نے قادیانیت کو ایک دینی تحریک تصور کیا اور دینیاتی حربوں سے اس کا مقابلہ کرنے نکل آئے میرا خیال ہے اس تحریک کا مقابلہ کرنے کے لیے یہ طریقہ موزوں نہیں 1799ء سے ہندوستان میں اسلامی دینیات کی جو تاریخ رہی ہے اس کی روشنی میں قادیانیت کے اصل محرکات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے دنیائے اسلام کی تاریخ 1799 کا سال بے حد اہم سال ہے اسی سال ٹیپو سلطان کو شکست ہوئی اسی سال جنگ نورینو ہوئی جس میں ترکی بیڑہ تباہ ہو گیا اور ایشیاء میں اسلام کا انحطاط انتہا کو پہنچ گیا

(بہ جواب نہرو)

احمدیت کے اداکار

''تمام ایکٹر جنہوں نے احمدیت کے ڈرامے میں حصہ لیا ہے وہ زوال اور انحطاط کے ہاتھوں میں محض سادہ لوح کٹھ پتلی بنے ہوئے ہیں۔ (بہ جواب نہرو)

ہندوستانی پیغمبر

قادیانی جماعت کا مقصد پیغمبر عرب کی امت سے ہندوستانی پیغمبر کی امت تیار کرنا ہے۔ (بہ جواب نہرو)

رواداری

الحاد، کمزوری اور رواداری بسا اوقات خود کشی کے مترادف ہو جاتے ہیں بہ قول گبن ایک رواداری فلسفی کی ہوتی ہے۔ جس کے نزدیک تمام مذاہب یکساں طور پر صحیح ہیں ایک رواداری مورخ کی ہے جس کے نزدیک تمام مذاہب یکساں طور پر غلط ہیں ایک رواداری مدبر کی ہے جس کے نزدیک تمام مذاہب یکساں طور پر مفید ہیں ایک روداری ایسے شخص کی ہے جو ہر قسم کے فکر عمل سے بے تعلق ہوتا ہے ایک رواداری کمزوری آدمی کی ہے جو محض کمزوری کی وجہ سے ہر قسم کی ذات اپنی محبوب اشیاء واشخاص کے متعلق سہتا ہے۔

عجمی اصطلاحیں

''اسلامی ایران میں موبدانہ اثر کے تحت ملحدانہ تحریکیں اٹھیں انہوں بروز حلول ظل وغیرہ اصطلاحات وضع کیں تاکہ نتائج کے تصور کو چھپا سکیں۔ ان اصطلاحات کا وضع کرنا اس لیے بھی لازم تھا۔ کہ مسلمانوں کے قلوب کو ناگوار نہ ہو مسیح موعود کی اصطلاح بھی اسلامی نہیں اجنبی ہے یہ اصطلاح ہمیں دور اول کے تاریخی اور مذہبی ادب میں نہیں ملتی۔

قادیانیت اور بہائیت

''بہائیت، قادیانیت سے کہیں زیادہ مخلص ہے کیونکہ وہ کھلے طور پر اسلام سے باغی ہے لیکن موخر الذکر (قادیانیت) اسلام کی چند نہایت اہم صورتوں کو ظاہری طور پر قائم رکھتی ہے لیکن باطنی طور پر اسلام کی روح اور مقاصد کے لیے مہلک ہے اس کے ضمیر میں یہودیت کے عناصر ہیں گویا تحریک ہی یہودیت کی طرف راجع ہے''۔ (جواب بہ نہرو)

اجتماعی خطرہ

اگر حکومت کے لیے یہ گروہ سفید ہے تو وہ اس کی خدمات کا صلہ دنیا کی پوری طرح مجاز لیکن اس جماعت کے لیے اسے نظر انداز کرنا مشکل ہے جس کا اجتماعی وجود اس کے باعث خطرہ میں ہے۔ (جواب بہ نہرو)

دوسرے فرقے

مسلمانوں کے دوسرے فرقے کوئی الگ بنیاد قائم نہیں کرتے وہ بنیادی مسائل میں متفق ہیں ایک دوسرے پر الحاد کا فتوی جڑنے کے باوجود اساسات پر ایک رائے ہیں۔ (جواب بہ نہرو)

مذہب سے بے زاری

(اس قماش) مذہبی مدعیوں کی حوصلہ افزائی کا ردعمل یہ ہوتا ہے کہ لوگ مذہب سے بے زار ہونے لگتے ہیں اور بالاخر مذہب کے اہم عنصر کو اپنی زندگی سے خارج کر دیتے ہیں (جواب بہ نہرو)

علیحدہ جماعت

حکومت کے لیے بہترین طریق کار یہ ہوگا کہ وہ قادیانیوں کو ایک الگ جماعت تسلیم کرے یہ قادیانیوں کی پالیسی کے بھی عین مطابق ہوگا مسلمان ان سے ویسی ہی رواداری برتیں گے جیسی باقی مذاہب کے معاملہ میں اختیار کرتے ہیں۔ (جواب بہ نہرو)

نام نہاد تعلیم یافتہ

نام نہاد تعلیم یافتہ مسلمانوں نے ختم نبوت کے تمدنی پہلو پر کبھی غور نہیں کیا مغربیت کی ہوا نے انہیں حفظ نفس کے جذبہ سے عاری کر دیا ہے لیکن عام مسلمان جو ان کے نزدیک ملازدہ ہے اس تحریک کے مقابلہ میں حفظ نفس کا ثبوت دے رہا ہے (جواب بہ نہرو)

قادیانی

یہ تحریک (قادیانی) اسلام کے ضوابط کو برقرار رکھتی ہے لیکن اس قوت رواداری کو فنا کر دیتیں ہے جس کو اسلام مضبوط کرنا چاہتا ہے۔

مذہبی سرحدوں کی حفاظت

رواداری کی تلقین کرنے والے اس شخص پر عدم رواداری کا الزام لگانے میں غلطی کرتے جو اپنے مذہب کی سرحدوں کی حفاظت کرتا ہے۔ (جواب بہ نہرو)

ختم نبوت کا تصور

ختم نبوت کے معنی بالکل سلیس ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جنہوں نے اپنے پیروئوں کو ایسا قانون عطا کرکے جو ضمیر انسان کی گہرائیوں سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔آزادی کا راستہ دکھادیا ہے کسی اور انسانی ہستی کے آگے روحانی حیثیت سے سر نیاز خم نہ کیا جائے۔ دینیاتی نقطہ نظر سے اس نظریہ کو یوں بیان کر سکتے ہیں کہ وہ اجتماعی اور سیاسی تنظیم جسے اسلام کہتے ہیں مکمل اور ابدی ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی ایسے الہام کا امکان ہی نہیں جس سے انکار کفر کو مستلزم ہو جو شخص اپنے الہام کا دعوی کرتا ہے وہ اسلام سے غداری کرتا ہے قادیانیوں کا اعتقاد ہے کہ تحریک احمدیت کا بانی ایسے الہام م کا حامل تھا لہذا وہ تمام عالم اسلام کو کافر قرار دیتے ہیں خود بانی احمدیت کا استدلال جو قرون وسطی کے متکلمین کے لیے تیار ہو سکتا ہے یہ ہے کہ اگر کوئی دوسرا نبی نہ پیدا ہو سکے تو پیغمبر اسلام کی روحانیت نامکمل رہ جائے گی وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں کہ پیغمبر اسلام کی روحانیت میں پیغمبر خیز قوت تھی خود اپنی نبوت کو پیش کرتا ہے لیکن آپ اس سے پھر دریافت کریں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت ایک سے زیادہ نبی پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے تو اس کا جواب نفی میں ہے یہ خیال اس بات کے برابر ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی نہیں میں آخری نبی ہوں اس امر کے سمجھنے کی بجائے کہ ختم نبوت کا اسلامی تصور نوع انسان کی تاریخ میں بالعموم اور ایشاء کی تاریخ میں بالخصوص کیا تہذیبی قدر رکھتا ہے بانی احمدیت کا خیال ہے کہ ختم نبوت کا تصور ان معنوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی پیرو نبوت کا درجہ حاصل نہیں کر سکتا خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو نامکمل پیش کرتا ہے جب میں بانی احمدیت کی نفسیات

کا مطالعہ ان کے دعوی نبوت کی روشنی میں کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے دعویٰ کی ثبوت میں پیغمبر اسلام کی تحقیقی قوت کو صرف ایک نبی یعنی تحریک احمدیت کے بانی کے پیدائش تک محدود کرکے پیغمبر اسلام کے آخری نبی ہونے سے انکار کردیتا ہے

اس کا دعوی ہے کہ میں پیغمبر اسلام کا "بروز" ہوں اس سے وہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ پیغمبر اسلام کے بروز ہونے کی حیثیت سے اسکا خاتم النیبن ہونا دراصل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبین ہونا ہے پس یہ نقطہ نظر پیغمبر اسلام کی ختم نبوت کو مسترد نہیں کرتا اپنی ختم نبوت کو پیغمبر اسلام کی ختم نبوت کے مماثل قرار دے کر بانی احمدیت نے ختم نبوت کے تصور کے زبانی مفہوم کو نظرانداز کردیا ہے بہرحال یہ ایک بدیہی بات ہے کہ بروز کا لفظ اس شے سے الگ ہوتا ہے جس کا یہ بروز ہوتا ہے صرف اوتار کے معنوں سے روحانی صفات کی مشابہت بہت مراد لیں تو یہ دلیل بے اثر رہتی ہے اگر اس کے برعکس اس لفظ کے اریائی مفہوم میں اصل شے کا اوتار مراد لیں تو یہ دلیل بظاہر قابل قبول ہوتی ہے لیکن اس خیال کا موجد مجوسی بھیس میں نظر میں آتا ہے ۔ (جواب بہ نہرو)

قادیانی ہفتہ وار "سن رائز"

جب علامہ قبال کی توجہ ایک دوسرے قادیانی ہفتہ وار سن رائز کے ایک خط کی طرف مبذول کی گئ جس میں علامہ اقبال صاحب کی ایک تقریر کا حوالہ دے کر ان پر تناقض خود کا الزام لگایا گیا تھا تو آپ نے جواب میں فرمایا مجھے افسوس ہے کہ میرے پاس نہ وہ تقریر اصل انگریزی میں محفوظ ہے اور نہ اس کا ترجمہ جو مولانا ظفر علی خان نے کیا تھا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے یہ تقریر میں نے 1911ء یا اس سے قبل کی تھی اور مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں کہ اب سے ربع صدی بیشتر مجھے اس تحریک سے اچھے نتائج کی امید تھی اس تقریر سے پہلے مولوی چراغ موحوم نے جو مسلمانوں میں کافی سربرآوردہ تھے اور انگریزی میں اسلام پر بہت سی کتابوں کے مصنف بھی تھے بانی تحریک کے ساتھ تعاون کیا اور جہاں تک مجھے معلوم ہے کتاب موسومہ "براہین احمدیہ "میں انہوں نے بیش قیمت بہم پہنچائیں لیکن کسی مذہبی تحریک کی اصل روح ایک دن میں نمایاں نہیں ہو جاتی اچھی طرح ظاہر ہونے کے لیے برسوں چاہیں تحریک کے دو گروہوں کے باہمی نزاعات رکھتے تھے معلوم نہ تھا کہ تحریک آگے چل کر کسی راستہ پر پڑ جائے گی ذاتی طور پر میں اس تحریک سے اس وقت بیزار ہوا تھا۔ جب ایک نئ نبوت بانی اسلام کی نبوت سے اعلی تر نبوت کا دعوی کیا گیا تھا۔ اور تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا گیا بعد میں یہ بے زاری بغاوت کی حد تک پہنچ گئ جب میں نے کلمات کہتے سنا درخت جڑ سے نہیں پھل سے پہچانا جاتا ہے اگر میرے موجودہ رویہ میں کوئی تناقض ہے تو یہ بھی ایک زندہ اور سوچنے والے انسان کا حق کا ہے۔ کہ وہ اپنی رائے بدل سکے بقول المیرسن صرف پتھر اپنے آپ کو جھٹلا نہیں سکتے۔ ۸۵

سٹیٹسمین کے جواب میں

چونکہ ااپ نے یہ سوال کیا ہے میں چاہتا ہوں اس مسئلہ کے متعلق چند معروضات پیش کروں آپ چاہتے ہیں کہ میں واضح کروں کہ حکومت جب کسی جماعت کے مذہبی اختلافات کو تسلیم کرتی ہے تو میں اسے کسی حد تک گوارکرسکتا ہوں سو عرض ہے کہ۔

اولاً اسلام لازماً ایک دینی جماعت ہے جس کے حدود مقرر ہیں یعنی وحدت الوہیت پر ایمان انبیاء پر ایمان اور رسول کریمؐ کی ختم نبوت پر ایمان دراصل یہ آخری یقین ہی وہ حقیقیت ہے جو مسلم اور غیر مسلم کے درمیان وجہ امتیاز ہے کہ فرد یا گروہ ملت اسلامیہ میں شامل ہے یا نہیں مثلاً برہمو خدا پر یقین رکھتے ہیں اور رسول کریمؐ کو خدا کا پیغمبر مانتے ہیں لیکن انہیں ملت اسلامیہ میں شمار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ قادیانیوں کی طرح وہ انبیاء کے ذریعے وحی کے تسلسل پر ایمان رکھتے ہیں اور رسول کریم کی ختم نبوت کو نہیں مانتے جہاں تک مجھے معلوم ہو ہے کوئی فرقہ اس حد فاصل کو عبور کرنے کی جسارت نہیں کرسکا ایران میں بہائیوں نے ختم نبوت کے اصول کو صریحاً جھٹلایا لیکن ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ وہ الگ جماعت ہیں اور مسلمانوں میں شامل نہیں ہیں ہمارا ایمان ہے کہ اسلام بحیثیت سوسائٹی یا ملت کے رسول کریمؐ کی شخصیت کا مرہون منت ہے میری رائے میں قادیانیوں کے سامنے صرف دو راہیں ہیں یا وہ بہائیوں کی تقلید کریں یا پھر ختم نبوت کی تاویلوں کو چھوڑ کر اس اصول کو اس کے پورے مفہوم کے ساتھ قبول کریں ان کی جدید تاویلیں محض اس غرض سے ہیں کہ ان کا شمار حلقہ اسلام میں ہو تاکہ انہیں سیاسی فوائد پہنچ سکیں۔

ثانیاً ہمیں قادیانیوں کی حکمت عملی اور دنیائے اسلام سے متعلق ان کے رویہ کو فراموش نہیں کرنا چاہیے بانی تحریک نے ملت اسلامیہ کو سڑے ہوئے دودھ سے تشبیہ دی تھی اور اپنی جماعت کو تازہ دودھ سے اور اپنے مقلدین کو ملت اسلامیہ سے میل جول رکھنے سے اجتناب کا حکم دیا تھا علاوہ بریں ان کا بنیادی اصولوں سے انکار اپنی جماعت کا نیا نام (احمدی) مسلمانان کی قیام نماز سے قطع تعلق نکاح وغیرہ کے معاملات میں مسلمانوں سے بائیکاٹ اور ان سب سے بڑھ کر یہ اعلان کہ دنیائے اسلام کافر ہے یہی تمام قادیانیوں کی علحیدگی پر دال ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ اسلام سے اس سے کہیں دور ہیں جتنے سکھ ہندوئوں سے۔ کیوں کہ سکھ ہندوئوں سے باہمی شادیاں کرتے ہیں اگرچہ وہ ہندو مندروں میں پوجا نہیں کرے۔

ثالثاً اس امر کو سمجھنے کے لیے کسی خاص ذہانت یا غور وفکر کی ضرورت نہیں کہ جب قادیانی مذہبی اور معاشرتی معاملات میں علیحدگی کی پالیسی اختیار کرتے ہیں پھر وہ سیاسی طور پر مسلمانوں میں شامل رہنے کے لیے کیوں مضطرب ہیں علاوہ سرکاری ملازمتوں کے فوائد کے ان کی موجودہ آبادی جو 56000 (چھپن ہزار) ہے انہیں کسی اسمبلی میں ایک نشست بھی نہیں مل سکتی اور اس لیے انہیں سیاسی اقلیت کی جداگانہ سیاسی حیثیت بھی نہیں مل سکتی یہ واقعہ اس امر کا ثبوت ہے کہ قادیانیوں نے اپنی جداگانہ سیاسی حیثیت کا مطالبہ نہیں کیا کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ مجلس قانون ساز میں ان کی نمائندگی نہیں ہو سکتی۔ نئے دستور میں ایسی اقلیتوں کے تحفظ کا علیحدگی کا مطالبہ کرنے میں پہل نہیں کریں گے۔ ملت اسلامیہ کو اس مطالبہ کا پورا حق حاصل ہے کہ قادیانیوں کو علیحدہ کردیا جائے اگر حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا تو مسلمانوں کو گراں گذرے گا کہ حکومت اس نئے مذہب کی علیحدگی میں دیر کر رہی ہے کیوں کہ وہ ابھی اس قابل نہیں کہ چوتھی جماعت کی حیثیت سے مسلمانوں کی برائے نام اکثریت کو ضرب پہنچا سکے حکومت نے 1919ء میں سکھوں کی طرف سے علیحدگی کے مطالبہ کا انتظار نہ کیا۔ اب وہ قادیانیوں سے ایسے مطالبہ کے لیے کیوں انتظار کر رہی ہے۔ ۸۶؎

علامہ اقبال کو بوجوہ قادیانی تحریک کا یہ امعان نظر جائزہ لینے کا موقع نہیں مل سکا اس کا اظہار اس خط سے ہوتا ہے جو انہو ں نے 13 نومبر 1915ء کو ہفت روز "پیغام صلح" لاہور کے ایڈیٹر کو لکھا اس خط میں اقبال نے اپنے اس خط کو بھی درج کر دیا جو انہوں نے اس سلسلے میں اپنے دوست سید بشیر احمد کو لکھا تھا اقبال لکھتے ہیں۔

"انعام اللہ شاہ سیالکوٹی نے مجھ سے یہ منسوب کیا ہے کہ میں نے کسی محفل میں کہا کہ عقائد کے لحاظ سے (جماعت احمدیہ) قادیان والے سچے ہیں لیکن مجھے ہمدردی (جماعت احمدیہ) لاہور والوں سے ہے۔ اختلافات سلسلہ احمدیہ کے متعلق وہی رائے دے سکتا ہے جو مرزا (غلام احمد قادیانی) صاحب کی تصانیف سے پوری آگاہی رکھتا ہو اور یہ آگاہی مجھے حاصل نہیں۔ ۸۷؎

اسکے علاوہ 11 اپریل 1916ء کے روز نامہ الفضل قادیان میں اقبال کے ایک مضمون کا اقتباس اس طرح شائع ہوا ہے۔ "لمعات میں ڈاکٹر محمد اقبال صاحب PHD بیر سٹر ایٹ لا کا ایک مضمون چھپا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ جو شخص نبی کریمؐ کے بعد کسی ایسے نبی کے آنے کا قائل ہے جس کا انکار مستلزم کفر ہو تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ ۸۸؎

علامہ اقبال کو جب 1931-32 کے دوران مرزا بشیر الدین محمود کے ساتھ آل انڈیا کشمیر کیمیٹی میں کام کرنے کا اتفاق ہو اتو انہوں نے اس کا مشاہدہ کیا کہ مسئلہ چاہے اجتماعی یا قومی کیوں نہ ہو قادیانی اپنے گروہی مفادات کی سطح سے اوپر نہیں اٹھ سکتے اور وہ صرف اپنے امام کی اطاعت کے پابند ہیں اس لیے اقبال 1933ء کے وسط میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی سے مستعفی ہو گئے اسی سال پروفیسر الیاس برنی کی کتاب "قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ شائع ہوا۔ ۸۹؎

اور کثیر تعداد میں ملک کے اہل علم کو بھجی گئی یہی وہ کتاب ہے جس سے اقبال قادیانیوں کے عقائد سے مکمل طور پر واقف ہوئے بہر حال اقبال کے اس کتاب کے مطالعے کا سال 1934 متعین کیا جاسکتا ہے اسی سال انہوں نے قادیانیوں کی اصل کتابوں کا مطالعہ کیا۔

پروفیسر ڈاکٹر ظفر اللہ بیگ صاحب لکھتے ہیں۔

علامہ اقبال کا عقیدہ ختم نبوت پر کامل ایمان تھا انہوں نے کبھی مرزا غلام احمد قادیانی کی بیعت نہ کی نہ وہ قادیانیوں کے بارے میں کوئی نرم گوشہ رکھتے تھے۔ ابتداء میں انہوں نے ان کی تکفیر سے احتراز کیا کیونکہ وہ مذہبی مباحث تکفیر اور باہمی منافرت کو ہوا دینے کے خلاف تھے علامہ اقبال کشمیر کمیٹی کے زمانے میں قادیانیوں کے مذہبی عقائد ان کے اساسی افکار اور حقیقی کردار کو پوری طرح سمجھنے کا موقع ملا اور اس عملی مشاہدکے بعد انہوں نے مئی 1935ء میں ان کے بارے میں پہلا بیان جاری کیا۔ ۹۰؎

مولانا احمد رضا خان بریلویؒ

آپ بریلوی مسلک کے بانی اور رہنما ہیں آپ علم و فضل کے مالک اور نہایت ذہین و فطین تھے۔ اس میں شک نہیں کہ آپ ایک بڑے عالم اور کتب کثیرہ کے مصنف ہیں آپ نے قادیانیت کے خلاف تحریری طور پر کافی مواد چھوڑا ہے۔

(ا) جزاء اللہ عدوہ باباۂ ختم نبوت 111 صفحات کا یہ رسالہ 1317ھ بمطابق 1899 میں لکھا گیا اس میں تیس آیات اور 120 احادیث مبارکہ سے ختم نبوت ثابت کی گئی ہے۔

(2) الجزاء الدیانی علی المرتد القادیانی۔ یہ کتاب محرم الحرام 1340ھ میں شائع ہوئی اس کتاب کا خاص موضوع رفع و نزول عیسیٰ کا اثبات اور قادیانی دلائل کا رد ہے۔

(3) قھر الدیان علی مرتد بقادیان یہ کتاب 1323ھ میں شائع ہوئی۔

(4) المبین۔ یہ کتاب پہلی دفعہ 1326ھ میں شائع ہوئی۔آپ نے دس وجوہ سے مرزا کا کفر ثابت کیا۔

آپ کے صاحبزادے مولانا حامد رضا بریلوی نے بھی ایک مستقل کتاب قادیانیت کے خلاف لکھا جس کا نام الصارم الربانی علی اسراف للقادیانی ہے یہ کتاب 1315ھ میں شائع ہوئی۔ ۹۱

مولانا احمد رضا خان بریلوی نسباً پٹھان، مسلکاً حنفی مشرباً قادری تھے آپ کے والد ماجد مولانا نقی علی خان بلند پایہ عالم اور صاحب دل بزرگ تھے۔ ۹۲

آپ کی ولادت شوال المکرم 1272ھ بمطابق 14 جون 1856ء کو بریلی میں ہوئی۔ ۹۳

آپ نے علوم معقول و منقول کی تحصیل اپنے والد ماجد حضرت مولنا نقی علی خانؒ سے فرمائی۔ ۹۴

مولانا کوثر نیازی پاکستان کے سابق مرکز وزیر نے آپ کو ان الفاظ سے خراج تحسین پیش کیا بریلی میں ایک شخص پیدا ہوا جو نعت گوئی کا امام تھا احمد رضا خان بریلوی جس کا نام تھا ان سے ممکن ہے بعض پہلوؤں میں لوگوں کو اختلاف ہو عقیدوں میں اختلاف ہو لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ عشق رسولؐ ان کی نعتوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ ۹۵

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری

آپ ایک لاثانی خطیب اور بے مثل لحن داؤدی کے مالک تھے حضور صلی اللہ علی وسلم سے آپ کی محبت انگریز سے نفرت۔انگریز کے خود کاشتہ پودے (قادیانیت سے نفرت آپ کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی)۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کے پہلے امیر اور سربراہ مولانا امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری منتخب ہوئے آپ کے والد اور والدہ دونوں حافظ اور عالم تھے حق تعالیٰ نے زبان کے جوہر بچپن ہی میں عطا کر دیئے تھے تعلیم کے سلسلے میں امرتسر میں رہے۔ پنجاب کے حریت فکر رکھنے والے مسلمان رہنماؤں نے کانگریس سے علیحدہ اپنی جماعت مجلس احرار اسلام بنائی تو اس کے بانی ممبر کی حیثیت سے اس میں شامل ہو گئے۔

زندگی کا ایک چوتھائی حصہ جیلوں میں بسر ہوا۔ مسلمانوں میں سیاسی سماجی اور اقتصادی بیداری پیدا کرنے کے سلسلے میں شاہ جی نے بڑی خدمات سر انجام دیں ہیں۔آپ انتہائی خود دار، غیرت مند، بہادر اور جری انسان تھے زبان سے بولتے نہیں موتی رولتے تھے آواز مین قدرت نے جادو بھر دیا تھا حافظہ خدا کی عطا تھی۔ وہ تقریر کیا کرتے لوگوں کے ہوش و خرد کو شکار کر لیتے ان کی تقریر رات کے 11-10 بجے شروع ہوتی وہ خود اور ان کے تمام سامعین رات بھر خدا جانے کہاں چلے جاتے صبح کی اذان ہوتی تو فرماتے اوہ صبح ہو گئی؟ حضورؐ کا عشق ان کے رونگٹے میں رچا بسا تھا حضور صلی اللہ علی وسلم کا نام اتنے ادب سے لیتے کہ سننے والوں کے دل میں حضور صلی اللہ علی وسلم کے لیے مقام و احترام ہو جاتا تھا۔

مئی 1930 کا جو تاریخی اجلاس انجمن خدام الدین لاہور کا ہو رہا تھا اس وقت امام شیخ رحمۃ اللہ کا اسم گرامی ظفر علی خان نے امارت کے لیے پیش کیا حضرت شیخ نے کھڑے ہو کر تقریر فرمائی اور اپنی کمزوری کی وجہ سے معذرت پیش کی اور سید عطاء اللہ بخاری کی امارت کی نہ صرف تجویز دی بلکہ امیر بنا کر فرمایا میں بھی اس مقصد کے لیے ان کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہون آپ حضرات بھی ان سے بیعت کریں اور اپنے دونوں ہاتھ مبارک سید بخاری کے ہاتھ میں دے دیئے وہ منظر بھی عجیب تھا کہ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رو رہے تھے اور کہتے ہیں خدا کے لیے مجھے معاف کر دیں میں اس کا اہل نہیں اس وقت سب سے پہلے مولانا عبدالعزیز گوجرانوالہ نے پہلی بیعت فرمائی پھر مولانا ظفر اللہ خان مرحوم نے بیعت کی اس وقت شاہ جی امیر شریعت بنائے گئے اور ان کی شخصیت میں مقبولیت اور جاذبیت کا دور شروع ہوا جو اس سے پہلے کبھی نہ تھا اور اس کے بعد اخلاق کے ساتھ خدمت کی تو فیق ان کو ملی وہ ان کی زندگی کا تاریخی دور ہے۔

امیر شریعت شاہ صاحب کی یہ عام مقبولیت اور مجاہدانہ سرگرمیاں منصفانہ خدمات اور حیرت انگیز تاثیر اور بے پناہ مقبولیت حضرت مولانا شاہ کی کرامت تھی اپنے ہاتھ مبارک جو ان کے ہاتھوں میں رکھ دیئے تھے اس کی وجہ تھی اور حضرت مولانا انور شاہ صاحب کو جو قادیانی فرقہ سے بغض و عناد تھا اس نے عطاء اللہ کی صورت میں اختیار کر لی تھی دراصل شاہ صاحب کا وجود مولانا انور شاہ کشمیری کی کرامت تھا جس کی وجہ سے علماء صلحاء عرفاء اتقیاء وقت بڑے بڑے اہل فضل و کمال مولانا عطاء اللہ کے جان نثار محب والہانہ معتقد بن گئے تھے۔ ۹۶

امیر شریعت انتخابات کے دنوں پنجاب کے علاوہ یوپی میں بھی مصروف تھے تاہم ان کی زیادہ توجہ ڈسکہ کی سیٹ تھی اس سیٹ پر چوہدری سر ظفر اللہ خان ہمیشہ اس سیٹ سے مسلمانوں کے ووٹوں سے کامیاب چلا آرہا تھا اور آج اس کا بھائی اسرار اللہ خان بطور امیدوار کے سامنے آیا سیاسی اور معاشرتی اعتبار سے ظفر اللہ خان کو کافی اثر و رسوخ حاصل تھا۔ یہ الیکشن بھائی چارے اور برادریوں کے نام پر لڑے جا رہے تھے کافی دوڑ دھوپ کے بعد اس کی برادری چوہدری غلام رسول جو اس حلقے بڑے اثر و رسوخ کے مالک تھے ان کو انتخاب لڑنے کے لیے آمادہ کیا۔ چوہدی غلام رسول نے پہلے اس پر تشویش کا اظہار کیا تو امیر شریعت نے اسے ان الفاظ سے تسلی دی۔

"دیکھو غلام رسول اس وقت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کا سوال ہے غیر ملکی حکومت کا نمائندہ (وائسرائے) کہتا ہے کہ تم ظفر اللہ خان کو مسلمان نہیں سمجھتے لیکن اس حلقہ کا مسلمان تو اس کو ووٹ دے کر منتخب کرتا ہے۔ اگر آج اس سیٹ سے اس کے خاندان کو کوئی فرد جو آپؐ کو آخری نبی نہیں مانتا مسلمانوں کے ووٹوں سے اسمبلی چلا گیا تو قیامت کے دن تم مجرم قرار پاؤ گے۔ مزید اس کی حوصلہ افزائی کی تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت رکھو اللہ تمہاری عزت کا وارث ہو گا مجلس احرار کی سرخ فوج آج سے تمہارے حلقے میں متعین کر دی گئی ہے بے فکر رہو۔ امیر شریعت نے گاؤں گاؤں جا کر جاٹ برادری کو خصوصیت کے ساتھ حضورؐ خاتم الانبیاء کے ناموس پر اپیل کی کہ وہ اپنا ووٹ برادری کے نام پر نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر دیں تاکہ دشمنان دین کے تمام منصوبے خاک میں مل جائیں۔

امیر شریعت جاٹ برادری کے دل اپنے قبضے میں کر چکے تھے ہزار جدوجہد کے باوجود سرکار کا اثر رسوخ بھی کام نہ آسکا۔ ہر لڑائی مسلمان اور مرزائی کے نام پر لڑی گئی۔ امیر شریعت کی پیہم تقاریر سے ڈسکہ کا مسلمان، مرزائی اور مسلمان کے درمیان حد فاصل کو سمجھ گیا جب الیکشن کا نتیجہ سامنے آیا تو چوہدری غلام رسول کو چوہدری اسد اللہ خان پر ہزاروں ووٹوں سے برتری حاصل تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیاسی طور پر گھرانے کا وقار ڈسکہ سے ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا اور تحریک مرزائیت کو خاصا نقصان پہنچا۔ ۹۷

امیر شریعت کے خطاب سے اقتباس

منصب نبوت:

آپ نے فرمایا: نبوت کھیل تماشا نہیں یہ دکان نہیں جو ہر ایک کھول لیتا ہے یہ تو خدا کی رحمت ہے جس کو چاہیں عطا کر دیں نبی پرائمری فیل اور مڈل پاس نہیں ہوتا نبی یونیورسٹی سے نہیں نکلا کرتے نبی امی ہوتے ہیں اگر حیوان اپنی ساری طاقتوں کے باوجود انسان نہیں بن سکتا تو انسان اپنی ساری خوبیوں کے باوجود پیغمبر نہیں بن سکتا۔ نبی صرف خدا کی شاگردی کرتا ہے وہ کائنات کی شاگردی سے بالکل مبرا ہوتا ہے۔

اعتماد کی بات:

مسلمانو آج میں کھل کر ایک بات کہتا ہوں بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ اللہ کی ربوبیت اس وقت تک قائم ہے جب تک محمدؐ کی نبوت قائم ہے کیوں محمدؐ کی نبوت کی ابدیت اللہ کی ربوبیت کی مظہر ہے ہم میں سے کسی نے خدا کو دیکھا ہے ہم کیسے یقین کر لیں کہ ایسی بھی کوئی ہستی ہے جسے خدا کہتے ہیں ہاں ہم نے محمد رسول اللہ کو دیکھا ہے جنہوں نے ہمیں بتایا ہے کہ خدا بھی ہے ہمیں تو اعتماد ہے اس بلند شخصیت پر بھائی اعتماد تو ساری بات ہے اگر اعتماد نہ رہا تو سارا کھیل چوپٹ ہے۔ ۹۸

امیر شریعت نے ضعیفی کی عمر میں اتمام حجت کے لیے قادیانیوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے قادیانیوں! اگر نیا نبی مانے بغیر تمہارا گزارا نہیں ہو سکتا اگر اس کے بغیر تم جی ہی نہیں سکتے تو ہمارے قائد اعظم کو ہی نبی مان لو۔ ارے مرد تو تھا جس بات پر ڈٹا۔ کوہ کی طرح اڑ گیا۔ آہوں کے بادل اٹھے اشکوں کی گھٹا چھائی۔ خون کی برکھا ہوئی لاشوں کا سیلاب آیا۔ مگر کوئی قائد اعظم کے عزم کو نہ ہلا سکا اس نے تاریخ کے اوراق کو پلٹ دیا اور ملک کے جغرافیہ کو بدل کر رکھ دیا ارے تمہاری نبوت کو بھی لٹ پٹ کر جگہ ملی تو اس کے قدموں میں تمام عمر گزار دی انگریز کی نوکری نہیں کی حکومت سے خطاب نہیں لیا۔ انگریز سے کوئی تمنا وابستہ نہیں کی اور ایک تمہارا نبی ہے کہ جس نے گورنمنٹ کے آگے عاجزانہ درخواستیں کرتے کرتے پچاس الماریاں سیاہ کر ڈالیں۔ ۹۹

امیر شریعت اپنی زندگی کے دو مقاصد بیان کرتے ہیں ایک انگریز حکومت کا خاتمہ اور دوسرا قادیانی تحریک کا انہدام وہ کہتے تھے کہ انگریز تو گیا مگر ابھی قادیانی فرقہ موجود ہے جس کے خلاف ہم میدان میں آئے ہوئے ہیں ان سے عرض کیا گیا کہ شاہ صاحب آپ کی سرگرمیوں کا کوئی نتیجہ نظر نہیں آتا۔ انہوں نے کہا کہ ہماری قادیانی مخالف تحریک کا یہ اثر ہوا ہے کہ تمہارے والد قادیانی ہو گئے تو ہو گئے مگر تمہیں ہم نے قادیانی نہیں ہونے دیا۔ نئے قادیانیوں کی نرسری مرجھا گئی ہے انہوں نے بتایا کہ قادیانی کسی غیر قادیانی کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھتے مگر جب اس تحریک کے زیر اثر نوجوانوں نے ان کی مرمت کی تو مرزا بشیر الدین محمود نے الفضل میں ایک خبر شائع کرائی کہ مرزا غلام احمد کی ایک تحریر مل گئی ہے جس کے مطابق غیر قادیانیوں کے جنازہ میں شرکت کی جا سکتی ہے انہوں نے ہنستے ہوئے کہا کہ اگر ایک اور ضرب لگ گئی تو دوسری تحریر برآمد ہو جائے گی مرزا غلام احمد نبی نہیں ہے۔ ۱۰۰؎

تمغہ حریت

پہلی دفعت زیر دفعہ 124 الف (تحریک بغاوت) 14 مارچ 1921 مدت تین سال جیل میانوالی دوسری دفعہ زیر دفعہ 107 ضابطہ فوجداری (نقص امن وآئین وشکنی) 6 جولائی 1927 مدت سزا ایک سال جیل لاہور (بہ سلسلہ باب فتنہ شاتم رسول راجپال) تیسری دفعہ زیر دفعہ 108 ۔الف 30 اگست 1930 مدت سزا چھ ماہ علی پور جیل ڈم ڈم جیل (بہ سلسلہ تحریک حقوق خود اختیاری وآئین آزادی) چوتھی بار زیرِ دفعہ 124 الف 1931 مدت سزا ایک سال دہلی جیل بہ سلسلہ تحریک کشمیر پانچویں دفعہ زیرِ دفعہ نمبر 153 نومبر 1934 مدت سزا چھ ماہ بعد از اپیل سپیشل کورٹ، سزا پندرہ منٹ تا برخاست عدالت 6 دسمبر 1930ء سلسلہ تحریک استیصال مرزائیت بر بناء تقریر احرار کانفرنس قادیان کل گرفتاریاں (11) کل مدت قید وبند نظری 9 سال 2 ماہ 24 دن تقریباً۔ ۱۰۱؎

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مفتی اعظم پاکستان

آپ دالالعلوم دیوبند میں فقہ و حدیث کے استاد رہے ہیں مفتی کے طور پر بھی خدمات سرانجام دیتے رہے آپ انور شاہ کشمیری کے شاگرد خاص تھے حضرت شاہ صاحب نے آپ سے تحفظ ختم نبوت کے میدان میں بہت کام لیا۔ مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے تفصیل سے جائزہ لیا ہے لکھتے ہیں۔

مفتی صاحب کے کام کی تین جہتیں

مفتی صاحب نے رد قادیانیت پر جو کام کیا اسے آسانی کے لیے تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

اول: دعوت و تبلیغ کے ذریعہ نیز مباحثہ و مناظرہ کے میدان میں اور عدالت کے کٹھرے میں قادیانیت کا مقابلہ۔

دوم: تصنیف و تالیف کے ذریعے قادیانیت کی تردید کی خدمت

سوم: دارالعلوم دیوبند کی مسند دارالافتاء سے قادیانیوں کی دینی حیثیت کی تشخیص اور ان شبہات کا ازالہ

مصر و عراق وغیرہ ممالک اسلامیہ میں فتنہ قادیانیت کی انسداد

مفتی صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک اور روز میں نے اپنے استاد محترم مولانا انور شاہ کشمیری کو مغموم دیکھا اور وجہ معلوم کی تو بتایا عربی ممالک میں بھی فتنہ قادیانیت بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے اس کے سد باب کے لیے علماء نے کوئی اقدام نہیں اٹھایا مفتی صاحب نے اپنے استاد سے اجازت طلب کی تو حکم دیا کہ مسئلہ ختم نبوت پر لکھو۔آپ نے چند روز میں تقریباً ایک سو صفحات پر مشتمل ایک رسالہ عربی زبان میں تحریر کر خدمت میں پیش کیا تو حضرت صاحب رسالہ دیکھتے جاتے اور دعائیہ کلمات دیتے جاتے اور انہوں نے اس رسالہ کا نام ھدیۃ المھدیین فی آیہ خاتم النبیین تجویز فرما کر اس کے آخر میں ایک صفحہ بطور تقریظ تحریر فرمایا اور اپنے اہتمام سے اس کو طبع کرکے مصر شام عراق اور مختلف مقامات پر اس کے نسخے روانہ کیے۔

مولنا انور شاہ کشمیر صاحب نے فرمایا فتنہ قادیانیت کے استیصال کے لیے علمی طور پر تین کام کرنے کے ہیں اول مسئلہ ختم نبوت پر ایک محققانہ مکمل تصنیف جس میں مرزائیوں کے شبہات و اوہام کا ازالہ بھی ہو۔

دوسرے حیات عیسیٰؑ کے مسئلہ کی مکمل تحقیق قرآن و حدیث اور آثار سلف سے مع ازالہ شبہات ملحدین۔

تیسرے خود مرزا کی زندگی ، اس کے گرے ہوئے اخلاق اور متعارض اقوال و انبیاء و اولیا علماء کی شان میں اس کی گستاخیاں اور گندی گالیاں اس کا دعویٰ نبوت و وحی اور متضاد قسم کے دعوی ان سب چیزوں کو نہایت احتیاط کے ساتھ اس کی کتابوں سے مع حوالہ جمع کرنا جس سے مسلمانوں کو اس فرقہ کی حقیقت معلوم ہو اور اصل یہ ہے کہ اس فتنہ کی مدافعت کے لئے یہی چیز اہم اور کافی ہے مگر چونکہ مرزائیوں نے مسلمانوں کو فریب میں ڈالنے کے لیے خواہ مخواہ کچھ علمی مسائل میں عوام کو الجھا دیا ہے اس لیے ان سے بھی اغماض نہیں کیا جا سکتا پھر فرمایا کہ مسئلہ ختم نبوت کے متعلق تو یہ صاحب ایک جامع رسالہ عربی زبان میں لکھ چکے ہیں اور اردو میں لکھ رہے ہیں آخر الذکر معاملہ کے متعلق مواد فراہم کرکے مدون کرنے سب سے بہتر کام حضرت مولانا سید مرتضی حسن صاحب کر سکیں گے۔ کہ اس معاملہ میں ان کی معلومات بھی کافی ہیں اور مرزائی کتابوں کا پورا ذخیرہ بھی ان کے پاس ہے وہ اس کام کو اپنے ذمہ لے کر جلد سے جلد پورا کریں۔

مسئلہ رفع و حیات عیسیٰ رہ جاتا ہے اس کے متعلق میرے پاس کافی مواد جمع ہے آپ دیوبند پہنچ کر مجھ سے لے لیں اور انہیں اپنی طرز پر لکھیں۔ مفتی شفیع صاحب نے جتنی مستند و معتبر روایات حدیث حضرت عیسیٰؑ کی حیات و نزول فی آخر الزمان کے متعلق وارد ہوئی ہیں ان سب کو ایک رسالہ میں جمع کر دیا یہ رسالہ عربی زبان میں لکھا گیا جس کا نام التصریح بما تواتر فی نزول المسیح رکھا گیا۔ جس کو انتہائی پسند کیا گیا اور اسی سال شائع کیا گیا۔

اس کے بعد حسب ارشاد مفتی صاحب نے مسئلہ ختم نبوت پر ایک مستقل کتاب اردو زبان میں تین حصوں میں لکھی پہلے حصے میں قرآنی آیات دوسرے حصہ میں احادیث مبارکہ اور تیسرے حصہ میں اثار صحابہ تابعین سے ختم نبوت پر دلائل و براہین جمع کیئے۔

فتنہ قادیانیت پر مفتی صاحب کی تصانیف

(ا) ختم نبوت۔ التصریح بما تواتر فی نزول المسیح (2) مسیح موعود کی پہنچان نزول مسیح اور علامات قیامت۔
(3) وصول الانکار الی اصول الاکفار (4) مرتد کی سزا (5) البیان الرفیع

مفتی صاحب نے قادیانیت پر ایک فتاوی تیار کیا ہے۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی

آپ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کے شاگرد خاص تھے ان کے حکم پر تحفظ ختم نبوت کے میدان میں آئے اور کئی کتابیں لکھیں۔ متعدد مناظروں میں شرکت کی آپ کی تفسیر معارف القرآن مذاہب باطلہ خصوصاً عیسائیت و قادیانیت کے رد سے بھری ہوئی ہے آپ نہایت عالمانہ شکوہ کے مالک تھے آپ کے صاحبزادہ مولانا محمد مالک کاندھلوی مرحوم اور پوتے ڈاکٹر محمد سعد صدیقی نے دینی خدمات کے سلسلہ کو قائم رکھا ہے آپ کے ایک دوسرے صاحبزادے مولانا ڈاکٹر محمد میاں صدیقی بھی دینی کاموں میں سرگرم عمل ہیں۔

ڈاکٹر محمد میاں صدیقی اپنے والد کی خدمات کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں، مولانا محمد ادریس کاندھلوی مرحوم نے قادیانیوں کے خلاف با قاعدہ تحریری جہاد کا آغاز 1342ھ/1922ء سے ”کلمتہ اللہ فی حیات روح اللہ“ کے نام سے ایک کتاب لکھ کر کیا۔ دیباچہ میں خود تحریر فرماتے ہیں۔

”اس دور پر فتن میں ہر طرف سے دین پر فتنوں کا ہجوم ہے جس میں ایک بہت بڑا فتنہ مرزائیت کا ہے اس فتنے کا بانی مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔ اولاً اس نے اپنے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا پھر مثیل مسیح ہونے کا پھر مسیح اور عیسی ہونے کا اور اپنی مسیحیت کی دھن میں حضرت عیسیٰؑ کی وفات کا مدعی بنا اور ان کے رفع الی السماء کو محال قرار دیا اور صدہا اوراق اس بارے سیاہ کیئے۔

علمائے اہل سنت والجماعت نے ردمزائیت پر عموماً اور حیات عیسیٰؑ پر خصوصاً مفصل، مختصر اور متوسط کتابیں لکھیں۔ ۱۰۲

1953 کی تحریک ختم نبوت میں کئی علماء آپ کے پاس آتے تھے اور آپ سے رہنمائی حاصل کرتے ان میں سے قابل ذکر علماء میں سے قاضی شمس الدین۔ مولانا محمد علی جالندھری مولانا لال حسین اختر۔ مولنا عبدالستار خان نیازی قاضی احسان احمد شجاع آبادی شامل ہے۔ اس دوران مختلف مقدمات عدالت میں چل رہے تھے

عدالت عالیہ نے مولنا محمد ادریس کاندھلوی کو بھی بیان دینے کے لیے بلایا تحقیقاتی بنچ دو ججوں پر مشتمل تھا جسٹس محمد منیر اور جسٹس کیانی مرحوم جسٹس محمد منیر نے آپ سے ایک سوال کیا۔

ترمذی میں ایک حدیث ہے جس میں یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو کافر کہے تو اس کا کفر کہنے والے پر لوٹتا ہے۔ بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے بہت سے علماء دیوبند علماء کو کافر کہتے ہیں اس رو سے ان کا کفر خود بریلوی علماء پر لوٹا اور وہ لوگ کافر ہو گئے۔

آپ نے جواباً کہا کہ حدیث تو ہے مگر آپ نے مفہوم نہیں سمجھا۔ اس کا مفہوم یہ ہے اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ وہ مسلمان ہے دیدہ و دانستہ کافر کہے تو اس کافر کہنے والے پر لوٹے گا جن بریلوی علماء نے بعض علماء دیوبند کو کافر کہا انہوں نے دیدہ و دانستہ نہیں بلکہ ان کی غلط فہمی تھی جس کی بنا پر انہوں نے ایسا کہا ان کا منشا یہ تھا کہ ایسے علماء نے آپؐ کی شان میں گستاخی کی اگرچہ ان کا یہ خیال درست نہیں کیونکہ وہ اگر ذرہ بھی غور و فکر کرتے یا ان ہی حضرات کی وہی کتابیں اور عبارتیں دیکھ لیتے جس سے بریلوی حضرات کو یہ خیال ہوا تو خود ہی اس کا ازالہ ہو جاتا پھر بھی ہم اس چیز کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ

ان حضرات نے بعض علماء دیوبند کی تکفیر اس بنیاد یعنی توہین رسول کے مزعومہ پر کی ہے لہٰذا یہ کفر کہنے والے پر نہیں لوٹے گا کیوں کہ حقیقت یہ ہے کہ علماء دیوبند بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپؐ کی شان میں گستاخی کفر ہے۔

عدالتی بیان کے علاوہ آپ نے ایک مفصل کتاب تالیف کی سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں سے ان کا اپنا عقیدہ اور مذہب بیان کیا اس کے بعد قرآن وسنت کی روشنی میں مفصل بحث کی۔

1953 میں قادیانیت کے خلاف مسلمانوں کی تحریک عروج پر تھی آپ نے ختم نبوت کے موضوع پر ایک کتاب تالیف کی آپؐ کی ختمی المرتبت پر ٹھوس دلائل دیئے کہ قادیانیوں کے کسی حلقے سے آج تک اس کتاب کا جواب نہ بن سکا۔

اس زمانے میں قادیانیوں نے بعض اولیاء کرام اور مولانا قاسم نانوتوی کی بعض عبارتون کو مسخ کرکے اور ان کا سیاق و سباق حذف کرکے لوگوں کے سامنے پیش کیا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ یہ سب اس بات کے قائل ہیں کہ آپؐ کے بعد ظلی اور بروزی نبی کا آنا ممکن ہے آپ نے ان کی اس تلبیس کا جواب دیا اور اس سلسلے میں ایک مفصل کتاب لکھی جس کا ٹائٹل تھا۔ ''حضرات صوفیاء کرام اور مولانا محمد قاسم نانوتوی پر مرزائیوں کا بہتان اور افتراء'' مولانا صاحب نے مسلمانوں کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے ایک رسالہ تالیف کیا جس کا نام ''اسلام اور مرزائیت کا اصولی اختلاف'' رکھا اس رسالہ میں مرزائیوں کی عبارتوں سے یہ ثابت کیا کہ مرزائیت ایک جداگانہ مذہب ہے اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں آپ نے اس رسالے میں اسلام اور مرزائیت کے دس بنیادی اختلافات بیان فرمائے۔

آپ نے ''دعاوی مرزا'' کے عنوان سے ایک رسالہ لکھا اس میں سینکڑوں متضاد اور بعض مضحکہ خیز دعوے نقل کئے جو خود مرزا صاحب نے کیے اور ان کی کتابون میں موجود ہیں۔

اس کے علاوہ مولانا صاحب نے مرزا قادیان کو بے نقاب کرنے کے لیے ''شرائط نبوت'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔ رسالہ مختصر ہونے کے باوجود جامع اور مدلل ہے۔ ۱۰۳

مولانا سید محمد بنوری

آپ عظیم محدث تھے آپ انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد خاص تھے تحفظ ختم نبوت کا جنون آپ کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ مولانا یوسف لدھیانویؒ لکھتے ہیں۔

آپ فارغ التحصیل ہونے کے بعد وطن واپس آئے سرکاری حلقوں اور انگریزی خواں نوجوانوں میں قادیانیت کا خاصہ اثر ورسوخ تھا وہ کھلا قادیانیت کی تبلیغ کرتے اور ''یوم النبی'' کے نام پر جلسہ کرکے مرزائیوں کی یہ کھلے عام مرتدانہ سرگرمیاں حضرت کی ایمانی غیرت کے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتی تھیں اور ان کا انسداد ضروری تھا حضرت فرماتے تھے کہ قادیانیوں نے حسب عادت ''یوم النبی'' کا اعلان کیا اور اس کے اشتہارات لگائے مولانا اور مولانا لطف اللہ نے باہم مشورہ کیا کہ قادیانیوں کی اس جرأت کا سد باب ہونا چاہیے اور یہ طے کیا کہ یہ جلسہ نہیں ہونا چاہیے۔ مقررہ تاریخ آئی مرزائیوں نے جلسے کا انتظام شروع کر دیا تو ہم بھی سٹیج پر بیٹھ گئے قادیانیوں کی طرف سے جلسے کے صدر کا نام تجویز ہوا تو میں نے فوراً اٹھ کر اعلان کیا کہ یہاں جلسہ مسلمانوں کا ہوگا اس جلسہ کی صدارت کے لیے فلاں صاحب کا نام پیش کرتا ہون اس اعلان کا جو نتیجہ ہونا چاہیے تھا وہی ہوا ایک

ہنگامہ مچ گیا ہا تھا پائی ہوئی جس کی وجہ سے پورا شہر ٹوٹ پڑا میں نے ختم نبوت پر تقریر کی قادینوں کی مکاریوں سے لوگوں کو اگاہ گیا قادیانی ذلت و رسوائی کے ساتھ بھاگ گئے آئندہ ان کو جلسہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی آپ کے اس عملی اقدام کے جو نتائج سامنے آئے وہ شاید ہزار روپے کا لٹریچر تقسیم کرنے پر بھی رونما نہ ہوئے۔ ۱۰۴ے

کام کرنے کے تین میدان

بہر حال اس دور میں مولانا صاحبؒ نے "عقیدہ ختم نبوت" کی حفاظت کے لیے خاموشی سے کام شروع کر دیا اس کے لیے تین میدان منتخب کیئے۔

اول: اندرون ملک ہر طبقہ کے وہ سعید قلوب جو اس مقصد کے لیے موئثر ہو سکتے تھے آپ نے انہیں تلاش کر کے جوڑنا اور قادیانیت کے خلاف انہیں منظّم کرنا شروع کر دیا ان میں علماء بھی وکلاء، کاروباری بھی اور سرکاری ملازمین بھی۔ الغرض مولانا صاحب نے ان تمام حضرات کو اپنے ساتھ وابستہ کر رکھا تھا جو اس فتنہ کی سر کوبی میں کوئی موئثر کردار ادا کر سکتے تھے اور کسی کو کچھ خبر تھی کہ یہ مرد مجاہد ختم نبوت کا قلعہ تعمیر کرنے کے لیے کہاں سے اینٹ مصالحہ ڈھونڈ کر لارہا تھا۔

دوم: قادیانی مسئلہ صرف پاکستان کا نہیں بلکہ خود اسلام کا مسئلہ تھا اس لیے حضرت صاحب اسلام کے تمام اکابر سے بھی رابطہ رکھا۔ انہیں قادیانی سازشوں کی تفصیلات سے مسلسل آگاہ کرتے رہے ان کے گھناؤنے عقائد و نظریات کے علاوہ ان کی مسلم کش پالیسیوں سے انہیں چوکنا کرتے رہے۔ اس رابطہ کے تین ذرائع تھے۔ (۱) علماء کے وفود پاکستان آتے نیو ٹاؤن میں ان کی تشریف آوری ہوتی (2) بین الاقوامی کارنفرنسوں میں شریک ہوتے (3) کم از کم دو مرتبہ حرمین شریفین میں حاضری ہوتی جہاں تمام عالم اسلام کا دماغ سمٹ کے آتا ان تمام مواقع میں حضرت کی عظمت کا نقش عالم اسلام کے قلب پر مرتسم ہو جاتا (4) عالم اسلام کے ارباب اقتدار سے رابطہ قائم کرنا اور انہیں قادیانی فتنہ سے اگاہ کرنا ان میں سے اکثر و بیشتر حضرت کے شناسا اور قدر دان محب تھے الغرض تین میدان تھے جن ہیں حضرت مولانا نے قادیانیت کے مقابلہ میں کام کیا اور جن کا دھندلا سا خاکہ آپ کے سامنے آچکا ہے اس پر غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ قادیانیت سے آخری جنگ لڑنے کے لیے حضرت نے اپنی بساط کی حد تک اسباب و وسائل مہیا کر لیے تھے۔ قادیانیت کے خلاف حضرتؒ بے جو کارنامہ انجام دیا تھا اس لیے دست قدرت نے آپ کو خود تیار کیا تھا اور پیکر یوسفی میں لطیفہ نصرت خداوندی کارفرما تھا۔ ۱۰۵ے

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی

آپ عیسی پور ضلع لدھیانہ کے رہنے والے تھے آپ ابتدائی تعلیم حاصل کر رہتے تھے کہ پاکستان بن گیا۔ قیام پاکستان کے بعد آپ مدرسہ رحمانیہ، جہانیہ منڈی، مدرسہ قاسم العلوم اور جامعہ خیر المدارس ملتان میں پڑھتے رہے آپ نے مدرسہ عربیہ روشن والا ضلع فیصل آباد سے تدریس کا آغاز کیا پھر مدرسہ احیاء العلوم ماموں کانجن میں دس سال تدریسی فرائض سرانجام دیئے اس دوران آپ کے مقالات و مضامین ماہنامہ دارالعلوم دیوبند ماہنامہ بینات وغیرہ جرائد میں چھپنے شروع ہو گئے۔

1966 میں مولانا یوسف بنوری کے حکم پر بینات کی ترتیب و اشاعت کا کام سنبھالہ بیس دن جامعہ رشیدیہ ساہیوال اور دس دن کراچی قیام رہتا تھا 1947 میں بنوریؒ کے حکم سے مجلس تحفظ ختم نبوت کے ساتھ وابستہ ہو گئے 1977 میں آپ بنوریؒ

کے وصال کے بعد مستقل طور پر کراچی منتقل ہو گئے اور ماہنامہ بینات کی مکمل ذمہ داری سنبھال لی حضرت مولانا محمد ذکریا مہاجر مدنی اور حضرت ڈاکٹر عبد الحئی گو ییکے بعد دیگر خلافت سے نوازا۔ آپ روزنامہ جنگ میں آپ کے مسائل اور ان کا حل کے عنوان سے کئی برس کالم لکھتے رہے جس سے غیر معمولی شہرت حاصل کی آپ کی بعض کتابیں لوگوں میں بہت مقبول ہوئیں۔ (1) اختلافات امت اور صراط مستقیم۔ (2) شیعہ سنی اختلافات اور صراط مستقیم۔ (3) دنیا کی حقیقت (4) مشاہدات و تاثرات (5) تحفہ قادیانیت (6) اردو ترجمہ خاتم النبیین۔

حضرت مولانا سید ابو الحسن ندوی

آپ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مہتمم دارالعلوم دیو بند کی شوریٰ کے رکن متعدد بین الاقوامی یونیورسٹیوں کے لیکچرر اور رابطہ عالم اسلامی کے بنیادی رکن تھے عربی زبان پر اہل زبان کی طرح عبور رکھتے تھے آپ علم و آدب اور روحانیت کا ایسا حسین امتزاج رکھتے تھے کہ دور حاضر میں اس کی مثال کم ملے گی آپ نے حضرت مولانا احمد علی لاہوری حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری سے روحانی استفادہ کیا ور خلافت سے مشرف ہوئے اور آپ علوم دینیہ اور عربی ادب میں ایک سند کا درجہ رکھتے تھے۔

اس جامع کمالات ہستی کا تذکرہ اپنے موضوع کی مناسبت سے عرض ہے کہ آپ نے حضرت رائے پوری کے حکم پر عربی زبان میں القادیانیہ لکھی جس کے لیے مواد کی فراہمی حضرت مولنا محمد علی جالندھری نے کی حوالہ جات کی تخریج کا کام فاتح قادیان مولانا محمد حیات اور مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی نے کیا اس کتاب کو آپ نے اردو میں بھی خود منتقل کیا اور انگریزی سمیت دنیا بھر کی مختلف زبانوں میں ترجمہ کیا اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس کتاب کے علاوہ آپ نے مندرجہ ذیل مقالات بھی تحریر فرمائے۔

(i) القادیانیہ علی صورۃ محمدیہ (ii) قادیانیت اسلام اور نبوت محمدیہ کے لیے ایک بغاوت۔

آپ نے قادیانیت کی سرکوبی کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہ کیا مختصر یہ کہ عالم اسلام بالخصوص عرب ممالک کو قادیانیت کے متعلق خبر دار کرنے میں آپ کا کردار نا قابل فراموش ہے۔ (تحریک ختم نبوت۔ شورش کاشمیری)

مولانا مودودی

مولانا مودودی اپنے دور کے بڑے علماء کرام میں شمار کیے جاتے ہیں۔ صاحب طرز ادیب اور مفکر تھے حیدر آباد دکن میں مقیم رہے جمیعت علمائے ہند کے ترجمان رسالۃ الحمیۃ کے ایڈیٹر بھی رہے ہیں آپ نے قیام پاکستان سے قبل جماعت اسلامی کی بنیاد رکھی تو اس میں بڑے بڑے نامور علماء کرام شامل ہو گئے مثلاً سید ابو الحسن ندوی مولنا محمد منظور نعمانی مولانا امین حسن اصلاحی وغیرہ لیکن بعد میں مولانا مودودی بعض افکار اور جماعتی پالیسیوں سے اختلاف کرتے ہوئے یکے بعد دیگرے جماعت کو چھوڑ گئے۔ مولانا مودودی ایک بڑے سکالر اور مصنف تھے ان کی کتاب ''خلافت و ملوکیت'' بہت متنازع ثابت ہوئی اور مولانا مودودی کے متنازع افکار کی وجہ سے جماعت اگرچہ عوامی سطح پر مقبولیت حاصل نہ کر سکی لیکن اس میں شک نہیں کہ جماعت اسلامی نے معاشرے پر گہرے اثرات مرتب کیئے 1953 کی تحریک ختم نبوت میں مولانا مودودی مرکزی قائدین میں شامل تھے آپ نے ''قادیانی مسئلہ'' کے نام سے ایک کتابچہ لکھا جس کی بنیاپر حکومت نے اپ کو گرفتار کر لیا مولانا کو مارشل لاء کے تحت

موت کی سزا سنائی گئی بقول شورش کاشمیری لطف کی بات یہ ہے کہ حکومت نے رسالے کی اشاعت پر کوئی پابندی نہ لگائی اور رسالہ برابر شائع ہوتا رہا اصل میں مولانا کو حکومت نے اپنے سیاسی عزائم میں رکاوٹ سمجھ کر گرفتار کیا تھا اور اس کے لیے قادیانی مسئلہ آڑ بنایا گیا۔ مولانا مودودی 28 مارچ 1953 کو گرفتار ہوئے آپ پر مارشل لاء کے ضابطہ نمبر 8 تعزیرات کی دفعہ نمبر 153 الف کے تحت مقدمہ چلایا گیا۔ مولانا کو سزائے موت سنائی گئی اس پر شدید عوامی رد عمل ہوا عرب حکومتوں نے بھی احتجاج کیا اندرونی بیرونی بے پناہ دباؤ کی تاب نہ لاکر حکومت نے سزائے موت منسوخ کردی اور عمر قید میں بدل دیا 1955 میں مولانا کو رہا کر دیا گیا۔ رہا ہونے کے بعد مولانا مودودی منیر انکوائری کا خوب پوسٹ مارٹم کیا اور رپورٹ دینی اور علمی حلقوں میں ایک مذاق بن گئی بقول شورش کاشمیری انکوائری رپورٹ کا بنیادی نقص یہ تھا کہ جسٹس منیر نے پاکستان کے بنیادی صوبے پنجاب کا چیف جسٹس ہونے کی حیثیت سے اپنے قلم کے اللوں تللوں سے ایک ایسی داستان مرتب کی جس کو خلاف اسلام طاقتوں مثلاً امریکہ، یورپ کے عیسائیوں اور یہودی ریاست اسرائیل دانشوروں اور حاکموں نے خوب خوب استعمال کیا۔ قادیانی مغربی ممالک کے علاوہ افریقہ ریاستوں میں اس کا پرچار کرتے رہے۔ اس رپورٹ میں مسلمان کی تعریف کی تحت اسلام کا مذاق اڑایا گیا اور علماء کے اختلاف کی آڑ میں قادیانیت کا جواز پیدا کیا گیا۔

مولانا مودودی کا دوسرا اہم کارنامہ سعودی حکومت کے مختلف محکموں میں گھسے ہوئے قادیانیوں کو نکلوایا اس وجہ سے حرمین شریفین قادیانیوں کے اسرائیلی منصوبے سے محفوظ ہو گئے۔ سعودی حکومت کی درخواست پر آپ نے عربی زبان میں ماھی القادیانیۃ کے نام سے ایک کتاب لکھی جو عرب ممالک میں کثرت سے تقسیم کی گئی آپ نے ضروری 1964 میں ختم نبوت کے نام سے ایک رسالہ لکھا جو عربی میں ترجمہ ہو کر تمام عرب ممالک میں پھیلایا گیا۔ مولانا مودودی کی مذکورہ تالیف کا افریقی زبانوں میں بھی ترجمہ کیا گیا اور افریقی مسلمانوں کو قادیانیوں کی فتنہ انگیزیوں سے اگاہ کیا گیا۔

قصہ مختصر یہ ہے کہ مولانا مودودی نے تحریری طور پر قادیانی کی حقیقت اور ارتدادی سرگرمیوں سے تمام دنیا کو روشناس کرایا جس سے قادیانیت سکڑ کر رہ گئی۔ (تحریک ختم نبوت۔ شورش کاشمیری)

مولانا محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی

آپ 31 اپریل 1892 کو میرٹھ میں پیدا ہوئے آپ کے والد محترم عبدالحکیم ایک اچھے شاعر اور عالم تھے آپ نے دینی تعلیم کی تکمیل جامعہ قومیہ میرٹھ سے کی بعد ازاں دنیوی علوم کی طرف متوجہ ہوئے اور بی۔اے کیا آپ نے عالمی سطح پر تبلیغی کام کیا۔ اور قادیانیوں سے بیرون ملک مناظرے بھی کرتے رہے آپ نے ایک کتاب "مرزائی حقیقت کا اظہار" کے نام سے لکھی جس کا عربی ترجمہ مراۃ اور انگریزی ترجمہ Mirror کے نام سے شائع ہوا۔ [۱۰۶]

مولانا محمد عمر اچھروی

رد مرزائیت میں آپ کی معرکہ آراء تصنیف "مقیاس النبوۃ" تین ضخیم حصوں پر مشتمل ہے جو ڈیڑھ ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے پہلا حصہ 424 صفحات پر مشتمل ہے دوسری جلد 280 صفحات پر محیط ہے او تیسری جلد میں 753 صفحات ہیں۔
مولانا مفتی مسعود علی صاحب قادری لکھتے ہیں۔

اس موضوع پر اتنی مفصل کتاب میری نظر سے نہیں گزری پوری کتاب کی کتابت و طباعت معقول ہے میرے خیال میں جس کے پاس یہ کتاب ہو اسے قادیانیت کے خلاف کوئی اور کتاب خریدنے کی زحمت گوارہ نہیں کرنا پڑے گی۔ مولانا مرحوم نے اہل سنت والجماعت کی طرف سے عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا ہے۔۱۰۷

مولانا شاہ احمد نورانیؒ

آپ معروف مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم صدیقی کے صاحبزادے تھے آپ 1974 کی تحریک ختم نبوت میں صف اول کے قائدین میں شمار کیے جاتے تھے آپ کے والد صاحب اور مولانا لال حسین اختر بیرون ملک تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ کے کچھ اسفار میں اکٹھے رہے۔اس بنا پر مولانا نورانی مولانا لال حسین اختر کا بہت احترام کرتے تھے۔1953 کی تحریک میں کراچی کی سطح پر مولانا نورانی کا نمایاں کردار رہا1974 میں حزب اختلاف کی طرف سے اسمبلی میں قرارداد پیش کرنے کی سعادت مولانا نورانی نے اور مرزا ناصر کے محضر نامہ کے جواب میں ''ملت اسلامیہ کا موقف پڑھنے کی سعادت مولانا مفتی محمود نے حاصل کی 1984 کی تحریک میں آپ نے اپنی نیابت کے لیے مولانا عبدالستار خان نیازی اور مولانا مفتی مختار احمد نعیمی کے نام تجویز کیے اور ہر دو حضرات نے اس تحریک میں بھرپور کردار ادا کیا۔

آپ نے بیرون ممالک کئی قادیانیوں کے مناظرین سے مناظرے کیے اور اللہ کے حکم سے ہر مقام اسلام غالب رہا اور باطل نے فرار کی راہ اختیار کی چھ کے قریب قادیانیوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

آپ نے ایک ختم نبوت پر تفصیلی کتاب لکھی جو مخطوطہ شکل میں ہے ابھی زیر طبع نہیں ہوئی اور ایک کتاب حیات مسیح پر کتاب لکھی۔

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ

مرزا قادیانی کا دست راست پہلا جانشین حکیم نورالدین بھیرہ ضلع سرگودھا کا رہنے والا تھا اس کی وساطت سے بھیرہ کا ایک پور محلّہ گمراہی کا شکار ہو گیا تھا اللہ نے اس زہر کے تریاق کے لیے بھیرہ کے علماء کرام کو کھڑا کر دیا جن میں مولانا ظہور احمد بگوی، مولانا غلام قادر بھیروی حضرت پیر محمد شاہ صاحب (پیر کرم شاہ صاحب الازہری کے والد محترم) سرفہرست ہیں پیر محمد شاہ صاحب نے مسلمانوں کو کافروں کے ہاتھوں گمراہ ہونے سے بچانے کے لیے ایک تنظیم قائم کی جس کا نام ''جنداللہ'' رکھا گیا آپ نے علاقہ بھر کے تبلیغی دورے کیے اور اپنے اسفار میں پیر محمد کرم شاہ صاحب کو ساتھ رکھا اور ان کی تربیت کی۔

پیر محمد کرم شاہ صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں جا بجا قادیانیت کا رد کیا۔ قادیانی جن آیات سے استدلال کرتے ہیں آپ نے ان آیات کی مفصل تشریح بیان کی ہے اور قادیانی کے شبہات کا قلع قمع کیا ہے۔

1974 کی تحریک ختم نبوت میں آپ نے بھرپور حصہ لیا اور ماہنامہ ضیاء حرم کا شمارہ بعنوان ختم نبوت نمبر شائع کیا جو کہ خاصا معلوماتی ہے۔

1974 میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا تو انہوں نے جنیوا میں درخواست دائر کی کہ پاکستان میں ہم پر ظلم ہو رہا ہے ہمارے حقوق سلب کیے جا رہے ہیں ان کے اس پروپیگنڈے کے توڑ کے لیے 1988 میں صدر ضیاء الحق مرحوم نے پیر

محمد کرم شاہ صاحب الازھریؒ کو روانہ کیا صدر صاحب نے کہا کہ یو این او کے ذیلی ادارہ ہیومن رائٹس کے سب کمیشن کا اجلاس 8 اگست سے جنیوا میں ہو رہا ہے آپ وہاں جا کر حکومت پاکستان کی نمائندگی کریں اور قادیانی الزامات کا جواب دیں۔ آپ یکم اگست کو بھیرہ سے روانہ ہوئے اسلام آباد میں وزارت خارجہ کے متعلقہ احکام سے ملاقات کی اور رات ڈیڑھ بجے فلائٹ سے براستہ فرینکفرٹ جنیوا پہنچے اور پاکستانی سفیر جناب سفیر دہلوی کے ہمراہ بحیثیت مبصر شریک ہوئے پاکستان ان دنوں کمیشن کا ممبر نہ تھا اس لیے سفیر پاکستان کمیشن کے ممبران میں سے دو تین کو روزانہ کھانے پر بلاتے رہے اور پیر صاحب ان کو حقائق سے آگاہ کرتے رہے آپ کی کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ گذشتہ سال ممبران نے کھل کر قادیانیوں کی تائید کی اور حکومت پاکستان پر تنقید کی اس سال بفضل اللہ کسی ایک ممبر نے قادیانیوں کی تائید نہ کی واپسی میں آپ نے جرمنی میں چند دن قیام کیا مختلف پروگراموں میں قادیانیت کے بخیئے ادھیڑے۔

1974 کی تحریک ختم نبوت میں پیر صاحب نے ملک بھر میں اہم مشاورتی اجلاسوں میں شرکت کی جبکہ ان کے صاحبزادے دیگر مکاتب فکر کے علماء کرام کے ہمراہ بھیرہ میں سرگرم عمل رہے اس تحریک کے دوران آپ نے الفتح نامی تنظیم قائم کی جس کے سربراہ امین الحسنات شاہ صاحب تھے اور ممبران میں تمام مکاتب فکر کے نوخیز نوجوان تھے اس تنظیم نے بھیرہ اور اس کے ارد گرد میں پوری قوت سے تحریک چلائی اس تحریک میں پیر صاحب کے صاحبزدگان کا کردار بھی مثالی رہا (ملخص)۔۱۰۸

پیر قمر الدین سیالویؒ

آپ نے قادیانی فتنہ کی سرکوبی کے لیے عصر حاضر میں جو شاندار خدمات سرانجام دیں وہ دوسرے صوفیاء کے لیے روشن مثال ہیں 1953 کی تحریک ختم نبوت میں آپ نے علماء اہل سنت کے شانہ بشانہ بلکہ بڑھ چڑھ کر کام کیا ملک گیر دورے فرما کر قادیانی مسئلہ کی اہمیت کو واضح کیا 1974 کی تحریک میں پیرانہ سالی کے باوجود جگہ جگہ دورے کئے مسلمانوں کو قادیانیوں سے سماجی بائیکاٹ کرنے کی تلقین کی حکومت سے پرزور مطالبے کیے کہ مرزائیوں کو جلد از جلد اقلیت قرار دیا جائے یکم ستمبر کو بادشاہی مسجد لاہور میں کل پاکستان مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے جلسہ عام میں آپ نے جو شاندار تقریر کی وہ آپ کی ایمانی قوت اور عشق رسولؐ کے جذبہ کی شاہکار ہے۔۱۰۹

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی

آپ کے اباؤ اجداد کشمیر کے رہنے والے تھے 1895ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اس کے بعد وزیر آباد میں حافظ عبدالمنان سے زانو تلمذ طے کیا۔ آپ نے چالیس سال درس و تدریس اور مناظر و مباحثہ اور دعوت اسلام کے کام میں صرف کیے۔ آپ نے ایک ماہ میں قرآن مجید حفظ کیا مرزا قادیانی نے اپنی کتاب ازالہ اوہام میں قرآن مجید کی تیس آیات لکھ کر ان سے حضرت عیسیٰؑ کی وفات ثابت کرنے کی کوشش کی مولانا صاحب نے اس کے جواب میں دو حصوں ہیں شہادۃ القرآن لکھی جس کے پہلے حصے میں حضرت عیسیٰؑ کے رفع و نزول پر قرآن و حدیث کی روشنی میں بڑی عالمانہ بحث لکھی اور دوسرے حصے میں مرزا قادیانی کی تحریر کردہ تیس آیات کے مدلل جوابات لکھے یہ کتاب مرزا قادیانی کی زندگی میں شائع ہوئی لیکن مرزا قادیانی اور اس کے مریدوں کو اس کتاب کا جواب لکھنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

آپ کی وفات 12 جنوری 1956 کو ہوئی معروف اہل حدیث سکالر پروفیسر ساجد میر آپ کے قریبی رشتہ دار ہیں۔[۱۱۰]

مولانا محمد منظور نعمانی لکھنوٴ

آپ مسلک دیوبند کے ایک مشہور مناظر تھے آپ کی زندگی کا ایک معتدبہ حصہ مناظروں میں گزرا آپ کے بارے میں ماھنامہ الفرقان میں لکھا ہے۔

"قادیانیت کو حضرت مولانا اسلام کی بیخ کنی اور تخریب کاری کا وسیلہ سمجھتے تھے اس فتنہ کے رد کو وقت کا اہم فریضہ سمجھ کر مرزا قادیانی کے کفریات افتراپردازی۔ دروغ گوئی جو خود مرزا نے اپنی کتابوں میں لکھا ان سب کا اچھی طرح مطالعہ کرکے اس کی نبوت اور دیگر جھوٹے دعاوی کا ایسا بھانڈا پھوڑا کہ مولانا کی کتابوں کو پڑھنے والا قادیانیت اور اس کے بانی کو بھی نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھے گا اور اس قابل سمجھے گا کہ یہ شخص شرافت وانسانیت کا حامل سمجھا جائے چہ جائے کہ نبوت ورسالت کا۔

مولانا نے تین کتابیں رد قادیانیت کے موضوع پر لکھیں جو اپنے موضوع پر بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔

(۱) قادیانی کیوں مسلمان نہیں۔ (2) قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ (3) کفر واسلام کے حدود اور قادیانیت۔[۱۱۱]

فاتح قادیان مولانا محمد حیات

آپ 28 رمضان المبارک 1400ھ 11 اگست 1980 کو مناظر اسلام مولانا محمد حیات (فاتح قادیان) خالق حقیقی کو جا ملے۔

آپ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے اس قافلہ حریت کے رکن رکین تھے جس نے انگریزی طاغوت سے ٹکر لی "مجلس احرار" کے تحت منکرین ختم نبوت کے تعاقب و سرکوبی کے لیے شعبہ تبلیغ کا اجراء ہوا تو مولانا مرحوم کو اس کا نگران تجویز کیا گیا۔ اور قادیان کا مشن ان کے سپرد کیا گیا۔ قیام پاکستان کے بعد "مجلس تحفظ ختم نبوت" کی تاسیس ہوئی تو مولانا کی خدمات اس کے لیے وقف ہو گئیں اور آخر دم تک وقف رہیں۔ اس طرح ان کی پوری زندگی جہاد فی سبیل اللہ میں گزری۔

انہوں نے مختلف فرقوں سے مناظرے کیے لیکن قادیانیت ان کا خاص موضوع تھا جس میں متخصص تھے اللہ تعالی نے ان کے ہاتھ پر ان میں سے بہت سے لوگوں کو ہدایت عطا فرمائی اور بہت سے پھسلے ہوؤں کو اسلام پر قرار وثبات نصیب ہوا آپ قادیانی لٹریچر کے حافظ تھے صفحوں کو صفحے ان کو ازبر تھے مزاحاً فرمایا کرتے تھے کہ قادیانیوں نے صرف ایک مسئلہ سیکھا ہے اور وہ ہے وفات مسیح کا اور مجھے بھی بس یہی ایک مسئلہ آتا ہے اس موضوع پر ان کی گفتگو اس فرقہ باطلہ کے بڑوں بڑوں سے ہوئی بفضل اللہ ہر موقعہ پر غالب رہے۔

دو باتیں مولانا مرحوم کا مزاج بن گئی تھیں ایک کثرت مطالعہ انہیں جب دیکھو ہاتھ میں کتاب ہو گی ضعف بصر کا عارضہ بھی ان کے اس شوق کے رستے میں حائل نہ ہو سکا۔

دوسری بات جس کا ان پر حال کے درجہ میں غلبہ تھا وہ افادہ کی شان تھی جو شخص بھی ان کے پاس آکر بیٹھتے قادیانیت کے موضوع پر اس کے سامنے گفتگو شروع کر دیتے آپ ہر سے دعائیں کراتے تھے کہ کسی طرح قادیانیوں کے مرکز ربوہ میں جا

کر بیٹھنے اور وہاں کے لوگوں کو راہ راست اسلام کی دعوت دینے کی سعادت انہیں نصیب ہو جائے چنانچہ جب مسلم کالونی ربوہ میں "ختم نبوت" کے دفتر اور مسجد کی تعمیر شروع ہوئی تو مولانا مرحوم نے وہاں اقامت اختیار کر لی۔ جب تک چلنے پھرنے کی سکت رہی وہاں جمے رہے مقصد سے عشق اور لگن کی یہ مثال اس زمانہ میں نادر الوجود ہے۔

وفات سے کچھ عرصہ پہلے ربوہ سے لاہور منتقل ہو گئے اور پھر وہاں سے اپنے آبائی گاؤں کوٹلی بیرے خان تحصیل شکرگڑھ (ضلع سیالکوٹ) تشریف لے آئے وہیں وصال ہوا نماز جنازہ مدرسہ رحیمیہ تعلیم القرآن کے مہتمم مولانا ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب نے پڑھائی۔ اس طرح یہ سو سال کا تھکا ماندہ مسافر آسودہ خاک ہوا۔ ۱۲۱

مبلغ اسلام مولانا لال حسین اختر مرحوم

آپ اولاً لاہوری مرزائی گروپ کے مبلغ تھے کالج پڑھتے تھے ناواقفی کے باعث ان کے جال میں پھنس گئے 1924 کو مرزائیت قبول کی مولوی محمد علی لاہوری نے آپ کو اپنی جماعت کے قائم کردہ تبلیغی کالج میں داخل کیا اور تین سال ایک مربی کے طور پر تعلیم دیتے رہے۔ تعلیم مکمل ہونے کے بعد انہیں مستقل مبلغ بنا دیا گیا۔ اس کے علاوہ آپ جماعت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔

1931 کے وسط میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت عطا فرمائی آپ نے متعدد بار مرزا قادیانی کو نہایت گھناؤنی حالت میں دیکھا ان خوابوں کی وجہ سے ان کے دل میں قادیانیت کے متعلق شکوک و شبہات پیدا ہوئے آپ نے غیر جانبداری سے مرزا قادیانی کی کتب اور علمائے اسلام کی رد قادیانیت کے موضوع پر تحریر کردہ کتب کا مطالعہ کیا اور گہرا مطالعہ کے بعد قادیانیت پر لعنت بھیج کر مشرف باسلام ہو گئے 1934 میں مجلس احرار اسلام کے زیر اہتمام منعقدہ ایک جلسہ بمقام موچی دروازہ لاہور میں اپنے قبول اسلام کا اعلان کیا اور قادیانیت کے نشیب و فراز پر تین گھنٹے تقریر کی آخر میں سامعین کو سوالات کی دعوت دی گئی قادیانی مربی موجود تھے لیکن کسی کو سوالات کی جرأت نہ ہو سکی۔

لاہوری گروپ کی ترغیب وترہیب

اس عظیم لشان جلسہ کی روئیداد اخبارات میں شائع ہوئی تو آپ کو عوامی جلسوں سے خطاب کی دعوت کا تانتا بندھ گیا آپ رد قادیانیت میں مسلسل تقریریں کرنے لگے آپ کی یلغار سے گھبرا کر لاہور میں قادیانیوں کا ایک وفد آپ سے ملا اور تحریری معاہدہ کی پیش کش کی جس کی شرائط حسب ذیل تھیں۔

(ا) آپ قادینائیت کے خلاف تقریریں فی الفور بند کر دیں جماعت آپ کو کاروبار کے لیے 15 ہزار روپیہ دے گی۔

(2) آپ پندرہ سال ہمارے خلاف کوئی تقریر نہیں کریں گے۔

(3) اگر آپ نے ان شرائط کی خلاف ورزی کی تو آپ جماعت کو تین ہزار روپے ہرجانہ ادا کریں گے۔

مولانا لال حسین اختر نے جواباً کہا آپ صاحبان کو یہ ہمت کیسے ہوئی کہ مجھے یہ لالچ دیں میں ان علماء کے طریق کار کا ذمہ دار نہیں جو تردید مرزائیت سے اجتناب کرتے ہیں میرے لیے تو استیصال مرزائیت کی جدوجہد فرض عین ہے کیونکہ میں نے

مدت تک اس کی نشر واشاعت کی ہے مجھے تو اس کا کفارہ ادا کرنا ہے دنیا کا کوئی مذہب بڑے سے بڑا لالچ مجھے تردید مرزائیت سے منحرف نہیں کر سکتا تقریباً ایک گھنٹہ کے بعد مایوس ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور جاتے ہوئے خطرناک نتائج کی دھمکی دے گئے۔

چنانچہ قادنیوں نے اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنایا آپ پر متعدد بار حملے ہوئے لیکن مارنے والے سے بچانے والا طاقتور ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں محفوظ رکھا البتہ ڈیرہ بابا ٹانک کے مقام پر ہونے والے حملہ میں کچھ زخم آیا ملزم پکڑ گیا۔ مجلس احرار کے رہنماؤں کو ان واقعات کا علم ہوا تو مولنا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مرحوم نے باغ بیرون دہلی دروازہ میں ایک عظیم الشان جلسہ عام منعقد کرایا چالیس ہزار سے زائد کے مجمع میں مولانا لدھیانوی نے مولانا لال حسین اختر کو کھڑا کیا اور ان کا تعارف کرایا اس کے بعد کہا۔

''ہمارے اس نوجوان نو مسلم عالم نے مناظروں میں مرزائیوں کو ذلیل ترین شکستیں دین مرزائی ان کے دلائل کا جواب نہ دے سکے تو ڈیرہ بابا نانک اور ڈلہوزی میں ان پر قاتلانہ حملے کئے گئے میں مرزائیوں سے نہیں ان کے خلیفہ محمود مرزا سے کہتا ہوں کہ اگر تم یہ کھیل کھیلنا چاہتے ہو تو میں تمہیں چیلنج دیتا ہوں کہ مرد میدان بنو۔ نواب لال حسین اختر پر حملہ کراؤ پھر احرار کے فداکاروں کی یورش اور قربانیوں کا اندازہ لگانا ایک کی جگہ ایک ہزار سے انتقام لیا جائے گا۔''

اس پر قادیانیوں کے ہوش ٹھکانے پر آ گئے اور مولانا لال حسین اختر پر قاتلانہ حملوں کا سلسلہ رک گیا۔

قادیانیوں کے روزنامہ الفضل کے ایڈیٹر کی طرف احمدیہ جماعت کے مبلغین کو کھلے الفاظ میں واضح طور پر ان سے مناظرہ کرنے سے منع کیا گیا۔

''میں مبلغین سلسلہ کو کھلے الفاظ میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مناظروں کے لیے ان چیلنجوں پر قطعاً توجہ نہ کی جائے بلکہ ان کے کسی ایسے جلسوں میں کسی احمدی کو شریک نہ ہونا چاہیے۔ ۱۱۳

اس علان کے بعد ایک دوسرا اعلان شائع ہوا اس کے الفاظ یہ تھے۔ ناظر دعوت و تبلیغ سلسلہ عالیہ احمدیہ ربوہ نے ایک مضمون مؤرخہ یکم جولائی 1950 الفضل میں شائع فرما کر مبلغین سلسلہ احمدیہ اور احباب جماعت کو ہدایت فرمائی کہ بد سے بدزبان مولوی لال حسین اختر سے کلام کرنے میں احتراز کریں۔ ۱۱۴

قیام پاکستان کے بعد جب مجلس تحفظ ختم نبویت کا قیام عمل میں لایا گیا تو آپ اس کے ابتدائی اجلاس میں شریک ہوئے تھے یوں آپ کو مجلس کے بانی ارکان میں شمار کیا جاتا ہے 21 اپریل 1971 سے 11 جون 1973 تک مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر بھی رہے مجلس کے دفتر میں ہی آپ کا انتقال ہوا اور وہیں سے اپ کا جنازہ اٹھایا گیا آپ کی تدفین دین پور شریف کے تاریخی قبرستان میں کی گئی 1953 کی تحریک میں مولانا لال حسین اختر نے اہم کردار ادا کیا۔ آپ کی کاوشوں سے لندن مین ایک بہت بڑا رقبہ قادیانیوں کے قبضہ سے چھڑا کر وہاں پر تحفظ ختم نبوت کا ایک مضبوط مرکز بنا۔ آپ نے رد قادیانیت کے سلسلے بیروں ممالک کے تبلیغی دورے کیے یورپ افریقہ میں کئی سال مقیم رہے آپ نے بیرونی ممالک میں قادیانیوں سے بیسیوں مناظرے کیے اور انہیں شکست فاش دے کر اسلام کا جھنڈا بلند کیا۔ 1972 میں ایبٹ آباد میں قادیانیوں نے اپنا گرمائی ہیڈ کوارٹر بنانے کے منصوبے کو ناکام بنایا اور مرزا ناصر نے اس کا سنگ بنیاد رکھا تو مولانا لال حسین اختر نے قادیانیوں کے اس منصوبے کو ناکام بنانے

کے لیے دیوانہ وار جدو جہد کی حکام سے ملے جس کے نتیجے میں حکومت نے مرزائیوں کی الاٹمنٹ منسوخ کر دی اور یہاں پر کالج بنا دیا گیا مولانا لال حسین اختر نے مجلس تحفظ ختم نبوت کے قائم کردہ ادارہ دار لمبلغین میں تدریسی خدمات بھی سرانجام دیں مولانا لال حسین اختر کا نام تحفظ ختم نبوت کی تحریک میں تا قیامت زندہ رہے گا۔ ۱۱۵

مولانا سید محمد علی مونگیری

آپ نے قادیانیت کی تردید کے لیے پوری زندگی وقف کر دی آپ نے قادیانیت کی تردید میں سو سے زائد کتب لکھیں آپ نے اس کو وقت کا افضل ترین جہاد قرار دیا۔ اس کے لیے لوگوں کو ہر قسم کی کوشش اور قربانی پر آمادہ کرنے کی کوشش کی اور بڑی دلسوزی سے اس کی اہمیت سمجھائی آپ کی تصانیف بہار یا ہندوستان کے دیگر علاقوں میں بھی جہاں پہنچی یا مولانا کے مبلغین پہنچے قادیانیت کے قدم اکھڑ گئے مسلمانوں پر اس نئے دین کی حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی ہزارون لاکھوں مسلمان اس فتنہ سے محفوظ ہو گئے۔

ایک مناظرہ

اس جدو جہد کا آغاز تاریخی مناظرہ سے ہوا جس میں قادیانیوں کو ایسی شکست فاش ہوئی کہ انہوں نے دوبارہ اس میدان میں آنے کی جرأت نہ کی۔ یہ قادیانیت پر پہلی ضرب کاری تھی جس سے نہ صرف بہار کے قادیانیوں کو بلکہ پورے ہندوستان کی قادیانی تحریک کو سخت نقصان پہنچا اور اس کے بہت خوشگوار نتائج برآمد ہوئے یہ مناظرہ 1911 میں ہوا۔ تقریباً چالیس علماء شریک تھے دوسری طرف حکیم نورالدین وغیرہ تھے مناظرہ کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لیے اتنا کافی ہے کہ ادھر مناظرہ شروع ہوا ادھر مولانا سجدہ میں گر پڑے جب تک فتح کی خبر نہ آئی سر نہ اٹھایا۔

کانپور اور دہلی سے کتابیں طبع کروا کے مونگیر لانے اور اشاعت کرنے میں خاصا وقت صرف ہوتا تھا اور حالات کا تقاضا یہ تھا کہ اس مین ذرا سستی اور تاخیر نہ ہو اس لیے مولانا خانقاہ میں ایک مستقل پریس قائم کیا اس پریس سے کتابوں کے علاوہ سو سے زیادہ بڑی کتابیں شائع ہوئیں جو سب مولانا کے قلم سے ہیں۔

شہرت و ناموری سے اجتناب

بعض کتب پر ان کی کنیت ابواحمد ہے بعض پر مولانا کا نام ہے یہاں تک کہ مشہور کتاب ”فیصلہ آسمانی“ بھی ابواحمد رحمانی کے نام سے شائع ہوئی ہے ان کتب کو مولانا اکثر مفت تقسیم کرتے تھے آپ کے اس مد پر ہزاروں روپے خرچ ہوئے کیوں کہ آپ کا مقصد اس فتنہ کا خاتمہ تھا۔ مولانا اپنے معتقدین کو بھی اس کام پر لگایا۔

مولانا مونگیری کو سنگین خطرہ کا جو مسلمانوں کے سروں پر منڈلا رہا تھا پورا احساس تھا اور اس کے مقابلہ کو ان کو اس قدر زائد اہتمام تھا کہ یہ کہا کرتے تھے کہ اتنا لکھو اور اس قدر طبع کراؤ اور تقسیم کرو کہ ہر مسلمان جب صبح سو کر اٹھے تو اپنے سرہانے رد قادیانی کی کتاب پائے“۔

قادیانیت کے سد باب کے لیے اسی دلسوزی اور اس کی کوشش کرتے کہ قادیانیت سے ان کی واقفیت بہت گہری ہوتا کہ وہ خود اعتمادی اور کامیابی کے ساتھ یہ اہم فریضہ انجام دے سکیں اور عین وقت پر لاجواب اور شرمندہ نہ ہوں جس کا عام مسلمانون پر بہت برا اثر پڑتا۔

مولانا محمد علی مونگیری کی تصانیف

آپ کی تصانیف احتساب قادیانیت کی جلد پنجم اور ہفتم میں شائع ہو چکی ہے۔ رسالہ ''چیلنج محمدیہ'' عربی فارسی اردو زبانوں میں 1919 میں شائع ہوااور اس کی خوب اشاعت ہوئی ایڈیٹر الفضل اور خلیفہ قادیان کو کئی مرتبہ بھیجا گیا لیکن مسلسل سکوت کے سوااور کوئی جواب نہ ملااس میں مرزا صاحب کو خود ان کی زبان سے جھوٹا ثابت کیا گیا۔

''چشمہ ہدایت'' کے آخر میں اعلان کیا گیا جو اس کا جواب دے گا اس کو دس ہزار روپیہ پیش کیا جائے گا اس رسالہ میں مرزا صاحب کے 18 اقوال نقل کیے گئے ہیں اور اس سے ان کی مفتری اور کاذب ہونا ثابت کیا ہے بار بار چیلنج کے بعد بھی کسی نے اس کا جواب دینے کی کوشش نہیں کی۔

آپ نے ہر کتاب اور رسالہ مین یک عام فہم دلیل ذکر کی ہے وہ یہ ہے کہ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ مہدیؑ کے نزول کی علامت یہ ہے کہ تمام کافر مسلمان ہو جائیں گے اور دنیا سے فسق و فجور اٹھ جائے گا وہ انسان کے انصاف پسند اور سنجیدہ ذہن سے اپیل کرتے ہوئے بار بار کہتے ہیں کہ غور کرو کہ مرزا صاحب کے آنے سے یہ بات حاصل ہوئی جو انہوں نے بیان کی ہے۔

قادیانیوں نے آیات قرآنی کے توڑ موڑ کر اس کے معنی بیان کیے مولانا اس کے رد میں ''معیار المسیح'' کے نام سے ایک رسالہ لکھااور ایک ایک دلیل لے کر اس کی غلطی ظاہر کی۔

مولانا کے ان رسائل کے جواب میں سب قادیانیوں نے مل کر ایک رسالہ ''اسرار نہانی'' لکھااور اپنی ناکامی کو چھپانے کے لیے لوگوں میں مولانا کے خلاف نفرت پھیلانے کے لیے کوششیں شروع کیں تاکہ ان کی محبت لوگون کے دلوں سے نکل جائے جو قادیانیت کے راستہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے۔

مولانا صاحب نے مولانا عبدالرحیم کے نام ایک خط میں اس کا ذکر کیا نیز ''صحیفہ رحمانیہ'' میں اس کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے۔ ''چونکہ اس جماعت کو خدا سے واسطہ نہیں اس لیے جواب سے عاجز ہو کر فحش کلامی اور بے ہودگی کر کے مخدوم بہاری اور حضرت مجدد الف ثانیؒ وغیرہ بزرگوں کو درپردہ اور حضرت مؤلف فیصلہ آسمانی کو اعلانیہ گالیاں دینااور عوام کو بہکانا شروع کیا۔''

''مرزائی نبوت کا خاتمہ'' نامی ایک رسالہ مولانا نے اور لکھااور ختم نبوت کو ثابت کیا یہ رسالہ 1914 میں دہلی میں شائع ہوا 1925 میں اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا لیکن کوئی قادیانی اس کا جواب نہ دے سکا۔

قادیانیوں نے ایک یہ دلیل دی کہ ''مدعی کاذب اور مفتری نہ باقی رہ سکتا ہے اور نہ پھل پھول سکتا ہے لیکن مرزا صاحب کو برابر کامیابی ہو رہی ہے اور لوگ ان کے دائرہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ اور یہ اس کا ثبوت ہے کہ مرزا صاحب حق پر ہیں۔''

اس کے رد میں مولانا نے ایک رسالہ ''عبرت خیز'' لکھااور اس غلط خیال کی تردید کی اور قرآن مجید اور تاریخ، واقعات کے حوالہ سے اس دعویٰ کی کمزوری واضح کی۔

استاد کے نام خط

خواجہ کمال الدین قادیانی نے بڑے زور سے حیدر آباد مین قادیانیت کی تبلیغ شروع کی انداز ایسا اپنایا کہ لوگوں کے جذبات بھی مجروح نہ ہوں اور تدریجاً قادیانیت کو بھی قبول کرلیں انہوں نے ''صحیفہ آصفیہ '' کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا اس نے بڑی چالاکی سے مولانا کے الفاظ میں ''زہر کی تخم پاشی'' کی بدقسمتی سے ان کو دربار میں بھی تقرب حاصل ہو گیا دوسری طرف سے انہوں نے یہ اعلان شروع کر دیا کہ ہمارا مقصد اشاعت اسلام ہے انگریزی تعلیم یافتہ نوجوان اس اعلان سے بہت متاثر ہوئے۔

اس صورت حال سے مولانا پریشان ہوئے اور انہوں نے حیدر آباد دکن کے استاذ فضیلت مولانا انوار اللہ خان صاحب کو ایک مفصل خط لکھ کر اس اہم بات کی طرف توجہ مبذول کرائی۔

مولانا کی تصانیف کا اثر

ان کی تصانیف و رسائل اور خطوط و مکاتب نے اتنا کام کیا کہ بعض اوقات قادیانی مبلغ یہ علم ہوتے ہی کہ مولانا کے رسائل کی فلاں جگہ لوگوں میں اشاعت ہو رہی وہ جگہ چھوڑ کر چلے گئے اور جب وہاں بھی ان کے لٹریچر نے ان کا تعاقب کیا تو تیسری جگہ پناہ لینی پڑی یہاں تک تو بت آئی کہ مولانا کا نام ہی قادیانیوں کی شکست کا رمز بن گیا۔ ایک عقیدت مند مولانا کو ان حالات سے مطلع کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

'' آپ کے رسالوں اور کتابوں کا اس ملک میں اچھا اثر پڑا مسلمانوں کے عقائد درست ہو گئے ایک جم غفیر قادیانی ہونے ولی تھی انہیں کتابوں کی بدولت قادیانی ہونے سے بچ گئی اور اب یہ حالت ہے کہ کسی قادیانی کو اپنے مذہب سے دلچسپی نہیں رہی ہے۔''

چونکہ مولانا پچیدہ مسائل کو بھی سلجھا کر اور سادہ دلنشین انداز میں پیش کرنے کے عادی تھے اس لیے عام مسلمانوں کے لیے بھی اس سے فائدہ اٹھانا بہت آسان تھا اور یہی مولانا کا مقصد بھی تھا۔ ۱۱۶

استاذ المناظرین ڈاکٹر خالد محمود صاحب

آپ علماء دیوبند مین ایک منفرد علمی شکوہ رکھتے ہیں۔ آپ کو دینی و دنیاوی علوم میں کمال مہارت حاصل ہے آپ دارالعلوم دیوبند کے فاضل بھی ہیں آپ کو تمام علوم وفنون بالخصوص علم مناظرہ میں مہارت تامہ حاصل ہے آپ تمام مذاہب باطلہ سے مناظرہ کرنے میں یکساں مہارت رکھتے ہیں آپ نے قادیانیوں کے مناظر جلال الدین شمس اور قاضی محمد نذیر سے بھی مناظرے کیے اور انہیں شکست فاش دی آپ نے پاکستان اور یورپ وامریکہ میں اپنی تقریروں اور مناظروں کے ذریعے اسلام کا جھنڈا بلند کیا کفر کو ذلیل کیا آپ اعلیٰ درجہ کے حاضر جواب مثال علمی استحضار اور کمال درجہ قوت حافظہ کے مالک ہیں آپ نے مولانا منظور احمد چنیوٹی کے ساتھ مل کر یورپ وامریکہ وافریقہ کے متعدد دورے کیے قادیانیوں سے مناظرے کیے انہیں عبرت

ناک شکست سے دو چار کیا اور واضح فتوحات حاصل کیں۔آپ پچاس سے زائد کتابوں کے مصنف بھی ہیں آپ نے کتاب "عقیدہ الامت فی معنی ختم النبوت" امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے حکم پر لکھی آپکی کتاب "عقیدہ خیر الامم فی مقامات عیسیٰ بن مریم" ایک لاجواب کتاب ہے آپ کی تصانیف رد قادیانیت میں اہم مقام رکھتی ہیں آپ کافی عرصہ برطانیہ میں مقیم رہے ہیں اور وہاں اسلامک اکیڈمی کے نام سے ایک دینی ادارہ قائم کرکے تحریر و تقریر کے ذریعے دینی کام کر رہے ہیں آپ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ مرزا ناصر نے 1978 میں برطانیہ میں وفات مسیح کانفرنس منعقد کرائی آپ نے مولانا چینوٹی کو برطانیہ بلا کر اس کے جواب میں حیات مسیح کانفرنس منعقد کرائی اور قادیانیوں کے پھیلائے ہوئے مغالطوں اور گمراہیوں کو دور کیا۔

مولانا منظور احمد چنیوٹی

آپ سفیر ختم نبوت کے نام سے زیادہ مشہور ہیں آپ دور حاضر کے ان علماء میں سے ہیں جن پر امت مسلمہ کو صدیوں ناز رہے گاآپ چنیوٹ کے راجپوت گھرانے میں پیدا ہوئے دینی تعلیم آپ نے دیوبند کے جید فضلاء سے حاصل کی دورہ حدیث آپ نے جامعہ اسلامیہ ٹنڈوالله یار صوبہ سندھ سے کیاآپ کو مولانا بنوری اور مولانا بدر عالم میر ٹھی سے خصوصی تعلق تھاآپ نے فاتح قادیان مولانا محمد حیات سے فتنہ قادیانیت کا خصوصی تعارف حاصل کیا اور پھر تحفظ ختم نبوت کے مقدس مشن کو اپنی زندگی کا مرکز محور بنایاآپ نے قاضی نذیر اور دوسرے قادیانی مناظرین سے بیسیوں مناظرے کیے اور ہر مناظرے میں فتح مقدر آپ کی بنی قادیانیت کی تردید میں تقاریر کرنے کی وجہ سے کئی بار قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں آپ نے مجموعی طور پر پانچ سال سے زائد عرصہ قید میں گزاراآپ حق گو اور باطل سے نہ ڈرنے والے تھے آپ نے سعودی عرب اور دیگر ملکوں سے قادیانیوں کو نکلوا کر پاکستان واپس بھجوایا 1973 میں رابطہ عالم اسلامی نے تمام دنیا کے جید علماء مکہ مکرمہ میں بلایا اور فتنہ قادیانیت کے فتنہ پر غور کرنے کے لیے ایک خصوصی کمیٹی تشکیل دی مولانا صاحب اس کمیٹی کے ممبر تھے۔

آپ نے دن رات محنت کرکے اس کمیٹی ارکان کو فتنہ قادیانیت کی سنگینی اور ان کے کفریہ عقائد سے مطلع کیا اور کمیٹی نے متفقہ طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا قادیانیت کے خلاف آپ کی خدمات کا اعتراف مرزا طاہر نے بھی کیا۔ اور آپ کو اشد اعداء جماعتنا (ہماری جماعت کا شدید ترین دشمن) کالقب دیا آپ کی زندگی کا ایک امتیازی گوشہ ی بھی ہے آپ نے ادارہ مرکزیہ دعوت وارشاد چنیوٹ مین عوام و خواص کے لیے ایک پندرہ روزہ تربیتی کورس کا اجراء کیا جو کہ چالیس سال سے ہر سال شعبان کے مہینہ میں منعقد ہوتا ہے ہزاروں علماء نے آپ سے ان کورسوں کے ذریعے استفادہ کیا اس کے علاوہ آپ نے ملک کے مختلف شہروں میں بھی آپ نے کورس منعقد کرائے جو کہ مسلمانوں کی بیداری کا ذریعہ بنے 1978 میں برطانیہ میں جو حیات مسیح کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس میں آپکا اہم کردار رہا۔ آپ نے عالمی سطح پر رد قادیانیت پر جتنا کام کیاآپ کے ہم عصر علماء میں اس کی مثال نہیں ملتی کئی اسفار میں مناظر اسلام علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب بھی آپ کے رفیق سفر رہے ہیں۔ آپ نے براعظم یورپ، امریکہ، افریقہ میں ختم نبوت کا جھنڈا بلند کیا اور قادیانیوں کو ان کے مراکز میں جا کر مناظروں میں شکست دی ہزاروں قادیانی آپ کے ذریعے مشرف باسلام ہوئے آپ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اور مسجد الحرام میں سعودی حکومت کی خصوصی اجازت سے قادیانیت کے موضوع پر لیکچر دیئے آپ نے بنگلہ دیش کے مدارس میں بھی

متعدد مرتبہ علماء کو تیاری کرائی از ھر ہند دارالعلوم دیوبند میں مولانا اسعد مدنی مرحوم کی دعوت پر آپ تشریف لے گئے وہاں ہزاروں علماء کو دس دن لیکچر دے کر تربیت کی آپ کے اس دورہ انڈیا کے بعد تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں عوام خواص میں بیداری پیدا ہوئی دارالعلوم دیوبند میں شعبہ تخصص فی رد القادیانیہ کا اجراء کیا گیا اور اس شعبہ مین آپ کے ممتاز شاگرد مولانا شاہ عالم گور کھپوری فرائض سر انجام دے رہے ہیں 1960 کے عشرہ میں قادیانی یہ پروپیگنڈہ کرتے تھے کہ مرزا قادیانی نے بہت سے علماء کو دعوت مباہلہ دی لیکن کسی نے قبول نہ کی ان کے اس پروپیگنڈا کے اثرات زائل کرنے کے لیے آپ نے 1956 میں مرزابشیر الدین محمود کو دعوت مباہلہ دی چھ سال کا عرصہ گفت و شنید میں گزر گیا آپ نے ان کی مطلوبہ شرائط پوری کر دیں مقام اور جگہ مقرر ہو گئی آپ اپنے ساتھیوں سمیت مقام مباہلہ پر پہنچ گئے لیکن مرزا محمود یا اس کا کوئی نمائندہ میدان میں نہ آیا آپ ہر سال اس دعوت مباہلہ کی تجدید کرتے رہے مرزا محمود سے لے کر مرزا مسرور تک چاروں قادیانی سربراہوں کو آپ دعوت مباہلہ دیتے رہے لیکن کبھی کسی سربراہ کو یہ دعوت قبول کرنے کی جرأت نہ ہوئی آپ نے ہائیڈ پارک لندن میں بھی مرزا طاہر کو مباہلہ کے لیے بلایا سینکڑوں علماء سمیت آپ پہنچ گئے لیکن اس میدان میں آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

چنیوٹ کے پڑوس میں قادیانیوں نے ربوہ شہر آباد کیا ور بیرونی دنیا کو یہ تاثر دینے لگے کہ قرآن مجید کی سورۃ مؤمنون میں جس ربوہ کا ذکر آیا ہے اس سے مراد ربوہ شہر ہے مولانا صاحب نے قادیانیوں کی اس تحریف اور دجل وفریب کا راستہ بند کرنے کے لیے ایک طویل جدوجہد کی اور اپنے پرانے دوست سابق صدر محمد رفیق تارڑ صاحب کے تعاون سے پنجاب اسمبلی سے ربوہ کا نام تبدیل کر کے چناب نگر رکھا۔ مولانا صاحب کی ان خدمات کے پیش نظر آغا شورش کاشمیری مرحوم نے آپ کو سفیر ختم نبوت اور مولانا محمد عبدالوارث صاحب نے فاتح ربوہ کا لقب دیا یہ دونوں القاب آپ کے نام کا جز بن گئے۔

مولانا غلام غوث ہزارویؒ (مجاہد ملت)

آپ کا خاندان انتہائی دیندار تھا۔آپ کے والد ماجد کا نام حکیم مولانا سید گل تھا۔آپ 1875ء میں ضلع مانسہرہ (ہزارہ ڈویژن) کے مشہور قصبے بفہ کے قریب سجی کوٹ نامی ایک معروف گائوں میں پیدا ہوئے۔آپ نے 1910ء میں مڈل کے امتحان میں پورے ضلع میں اول آئے۔آپ دو سال تک سہارنپور میں بھی رہے۔اسکے بعد دیوبند چلے گئے اور دینی علوم کی تکمیل کی۔

اساتذہ: آپ کے اساتذہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں (1) شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب (2) علامہ سید انور شاہ کاشمیری (3) مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب (4) مولانا شبیر احمد عثمانی (5) مولانا حافظ محمد احمد صاحب (نانوتوی صاحب کے صاحبزادے) (6) مولانا بدر عالم مہاجر مکی (7) مولانا مفتی کفایت اللہ

مولانا قاری محمد طیب مولانا مفتی شفیع صاحب، مولانا محمد ادریس کاندھلوی جیسے حضرات ان کے ہم سبق تھے۔آپ نے دورہ حدیث میں دوسری پوزیشن لی۔اور دار لعلوم دیوبند میں نائب مدرس کی حیثیت سے تدریس کی۔

آپ نے مانسہرہ ضلع ہزارہ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ جہاں پڑھنے والوں میں سے مشہور محدث مولانا سرفراز خان صاحب صفدر گوجرانوالہ بھی ہیں۔

اللہ رب العالمین نے ہزاروی صاحب سے جہاد کا کام لینا تھا۔ اس لیے تدریس کے منصب سے جہاد کے مشن پر لگا دیئے گئے۔ مولانا انور شاکاشمیری نے مولانا صاحب کو باشارہ غیبی اپنے وطن اصلی صوبہ سرحد برطانوی سامراج کے خود کاشتہ پودے مرزائیت کے قلع قمع کرنے کے لئے بھیج دیا۔

اسلامی تاریخ کے ہر دور میں احقاق حق وابطال باطل کے لئے امت مسلمہ کا ایک طبقہ ہمیشہ برسرپیکار رہا ہے جس دور کے افراد، شخصیات اور اداروں کی ضرورت ہوتی رہی منشایٔ خداوندی سے وہ امت مسلمہ کی راہنمائی کے لئے میدان عمل میں آتے رہے۔ کذب و دجل کے فرعون جب بھی اور جہاں بھی پیدا ہوئے علم و فضل کے موسیٰ فوراًہی ان کے تعاقب میں لگ گئے جب کذب ودجل کے فرعون نے مرزا غلام احمد قادیانی کی شکل میں ظہور کیا تو اس فتنے کی سرکوبی کیلئے کئی علمائو صلحا۔ ارباب قلم،اصحاب علم اِصحاب خطابت رد قادیانیت کے میدان میں اترے اور اس فتنے کی سرکوبی کی۔ تحریک ختم نبوت میں مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزاروی نے جو کردار ادا کیا وہ دعوت و عزیمت کا ایک روشن باب ہے۔

مرزا بشیر الدین محمود کی سازش

1934ء میں مرزا بشیر الدین محمود نے ہزارہ کو فتح کرنے اور اپنے اثر ورسوخ کو بڑھانے اور مزید پختہ کرنے کے لئے ان خوانین کی دعوت یا سازش پر اپنے تیز طراز اور شاطر قسم کے مناظر ''ابوالعطااللہ دتہ جالندھری'' کو ہزارہ بھیجا ہزارہ میں بڑے بڑے علماء کرام موجود تھے مگر مناظرہ کے فن میں انہیں مہارت نہ تھی اور نہ ہی مرزائیت کے مغالطوں اور چالاکیوں سے کماحقہ اگاہ تھے۔ چنانچہ یہ مناظر مختلف مقامات پر تقریری کرتا ہوا علماء کرام کو چیلنج دیتا اور اپنی فضا بناتا ہوا پھگلہ آپہنچا (پھگلہ مانسہرہ اور بالاکوٹ کے درمیان ایک پر فضا مقام ہے)۔

مولانا میدان مبارزت میں

یہاں کے بااثر سادات اور بالاکوٹ کا ایک بااثر خان قلیچ خان مرزائیت سے وابستہ ہو کر سب کچھ نچھاور کرنے کے لئے تیار تھا۔ ان سب کی ملی بھگت اور سازش سے مرزائی مناظر اللہ دتہ پھگلے پہنچا تھا۔ ان لوگوں نے مختلف دیہاتوں میں دعوت نامے بھیج کر لوگوں کو بلایا اور بہت بڑے جلسے کا انتظام کیا دوسرے دن اللہ دتہ پروگرام کے مطابق پولیس کی نفری اور اپنے مسلح محافظوں کے جھرمٹ میں سٹیج پر آیا۔ اور مرزا کے قصیدے پڑھنے لگا جب اس پروگرام کا علم علماء کرام کو ہوا تو وہ سخت پریشان ہوئے۔ عوام کے ایمان کو خطرہ میں محسوس کیا اور مرزائی مناظر کو جواب دینا ان کے بس میں نہ تھا۔ اور اتنے جاگیرداروں خوانین اور حکام کی مخالفت کرنا اور ان کے روبرو بات کرنا ان کی طاقت سے باہر تھا۔ یہ کسی بیٹھک یا مسجد کی بات نہ تھی بلکہ میدان مبارزت میں جوہر دکھانے کا مرحلہ تھا۔ قاضی محمد یونس صاحب بالاکوٹی نے مولانا غلام غوث ہزاروی کو اس صورت حال سے آگاہ کیا۔

زین العابدین موت وحیات کی کشمکش میں

مگر مولانا کے گھر کی حالت یہ تھی کہ ان کا نہایت ہی ذہین و فطین اور اکلوتا بیٹا موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ سب اہل خانہ اس کے تصور فراق میں آزردہ تھے اور آنسوئوں کا سیلاب آنکھوں سے جاری تھا۔ مولانا نے چند منٹ سوچا اور قاضی صاحب سے فرمایا ذرا ٹھہریں میں کتابیں لے کر آتا ہوں آپ اندر آئے چند کتابیں لیں اور اپنے لخت جگر کو اللہ کے حوالے کرکے گھر

سے جانے لگے آپ کی والدہ محترمہ نے فرمایا کہ زین العابدین مر رہا ہے اور آپ کتابیں لے کر گھر سے جا رہے ہیں آپ نے بے تکلف فرمایا اماں جان یہاں ایک زین العابدین کی موت کی بات ہے اور ادھر نبی کریم ﷺ کی امت کے ایمان کی بات ہے اگر ایک آدمی بھی مرتد ہو گیا تو میں اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا؟ مجھے زین العابدین کے مقابلے میں امت کا ایمان زیادہ عزیز ہے۔ یہ کہہ کر گھر سے رخصت ہو گئے اڈہ پر اطلاع ملی کہ بچہ فوت ہو گیا ہے نماز جنازہ پڑھ کر جائیں۔

قادیانیت کے زہر کا تریاق

آپ نے فرمایا نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اور مسلمانوں کے ایمان کو بچانا فرض عین ہے اگر میرے پہنچنے سے پہلے مرزائی مناظر اللہ دتہ واپس چلا گیا تو بہت سے مسلمانوں کا ایمان خراب کر جائے گا بچے کو دفن کرنے کے لیے عزیز و اقارب اور اہل محلّہ کافی ہیں یہ کہہ کر وہاں سے پھگلہ روانہ ہو گئے اور ایسے وقت پر وہاں پہنچے جب مرزائی مناظر اللہ دتہ بڑے جوش و خروش سے سٹیج پر براجمان پولیس کی نفری اور مسلح گارڈ کے گھیرے میں تقریر کر رہا تھا۔ لوگوں کو ہم خیال بنانے کے لیے علماء پر چوٹیں لگاتا ہوا انہیں چیلنج دے رہا تھا۔

مولانا ہزاروی کا سٹیج پر قبضہ

سارے گھیراؤ کو توڑ کر مجاہد ملت ہزاروی صاحب سٹیج پر چڑھ گئے اور صاعقہ الٰہی بن کر اس پر ٹوٹ پڑے اور کڑک کر مرزائی مناظر اللہ دتہ سے فرمایا ”اللہ دتہ لوگوں کے ایمان کو خراب نہ کرو تم مرزائی کی نبوت کی بات کرتے ہو نبوت و ولایت تو بڑی چیز ہے میں تم سے کہتا ہوں کہ مرزا کو ایک شریف انسان بھی ثابت کرنے کے لیے مجھ سے مناظرہ کر لو خدا کی قسم مرزا نہایت ہی کمینہ اور بداخلاق انسان تھا۔ تم اس خبیث کی بات کرتے ہو“

اللہ دتہ کو جان کے لالے پڑ گئے اس کی قوت گویائی سلب ہو گئی اس نے اپنے حواریوں کے ساتھ بھاگنے میں عافیت سمجھی مولانا نے اسی سٹیج پر کھڑے ہو کر ختمِ نبوت کے موضوع پر زبردست تقریر کی ختمِ نبوت کے نعرے لگوائے لوگوں کے ایمانی ولولوں کو گرماتے ہوئے فرمایا۔ ”ان مرزائیوں سے سوشل بائیکاٹ کرو۔ ان کی شادی، غمی، نماز جنازہ میں شرکت نہ کرو۔

صوابی میں مرزائیت کا قلع قمع

موضع زیدہ میں بارسوخ خوانین مرزا کے پیروکار بن گئے کئی علاقے مرزائیت کی لپیٹ میں آ گئے وہاں مرزا کا نام بے ادبی سے لینے کی اجازت نہ تھی۔ اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے مولانا غلام غوث ہزاروی اپنے ہم خیال علماء کے ساتھ زیدہ پہنچے جلسے کا انعقاد کرنا بڑا مشکل تھا۔ خانوں کے خلاف ان کے قصبے میں جلسہ منعقد ہوا مولانا لطف اللہ نے بیان شروع کیا مرزائیت کی حقیقت سے پردہ ہٹانا شروع کیا تو وہاں کے مرزائی یوسف خان نے پستول نکال کر دھمکی دی کہ اگر مرزا کے متعلق ایک لفظ بھی زبان سے نکالا تو گولی مار دوں گا۔

مجاہد ملت اس وقت مولانا لطف اللہ کو بٹھایا اور خود اپنا گریباں کھول کر اور سینہ تان کر فرمانے لگے کہ تم میں غیرت ہے تو مارو میرے سینے میں گولی۔ تمہارے موعود پیغمبر میں تو رتی برابر بھی غیرت نہ تھی تم میں اتنی غیرت کہاں سے آ گئی۔آپ جوش ایمانی سے ایسے گرجے کہ کفر پر لرزہ طاری ہو گیا جس سے تمام حاضرین متاثر ہوئے آپ نے پولیس کو للکارا اگر تم مجمع کو کنڑول نہیں کر سکتے تو ہٹ جائیں ہم مسلمان خود کنٹرول کر لیں گے تھانیدار نے مرزائی کے ہاتھ سے پستول چھین لیا باقی شریروں کو بھگا دیا۔اس کے بعد مولانا صاحب نے ڈیڑھ گھنٹہ تقریر کی مرزائیت کے تار پود کو بکھیر دیا۔

(سوانح مجاہد ملت۔عبدالقیوم حقانی،ص166۔174 (جنوری2012)القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ ملخص)

1934ء کی تحریک ختم نبوت:

اس تحریک کے ابتدائی معاملات طے کرنے کے لئے علماء کرام ،اولیاء عظام اور سیاسی زعماء کو دعوت دے کر انہیں ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے ، تحفظ ختم نبوت کے موضوع پر سوچنے اور ملکی صورت حال کو پیش نظر رکھ کر پالیسی طے کرنے کی ذمہ داری ہزاروی صاحب کے سپرد تھی۔آپ نے لاہور ہیں جا کر تحریک کی قیادت سنبھالی۔آپکی گرفتاری کے لیے دستے بھیجے جاتے رہے۔مگر حکومت ناکام رہی۔

مولانا فرماتے ہیں کہ ایک روز مجھے نیم خوابی کی حالت میں آپ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی آپ نے میری پیشانی پر ہاتھ رکھ کر فرمایا''غلام غوث تم نے میری ناموس کے لئے قربانی دی ہے پریشان مت ہونا کوئی تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔اللہ تعالیٰ تمہارا حافظ و ناصر رہے گا۔جب میری آنکھ کھلی تو طبیعت میں زیارت نبوی سے بشاشت کے ساتھ اطمینان پیدا ہو گیا۔پھر اس کے بعد تکالیف آئیں مگر قطعاً پریشانی نہیں ہوئی۔لاہور میں جب تک رہا بعض اوقات پولیس اور فوج میری امامت میں نماز پڑھتے رہے۔لیکن بشارت نبوی ﷺ اور حفاظت الٰہی کا نتیجہ تھا کہ پہچان نہیں سکے۔ بیس مردان حق ۔(مولانا عبدالرشید ارشد۔ ص227۔228)

جواب محضر نامہ

1974 کی تحریک ختم نبوت کے نتیجہ میں جب وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے مرزائیوں کو کافر قرار دینے یا نہ دینے کا مسئلہ قومی اسمبلی کے سامنے پیش کیا۔تو اس موقع پر مجاہد ملت نے مرزائیوں کے جواب میں ''جواب محضر نامہ'' ایسے 257 معنی پر مشتمل ایک مفصل مدلل اور تحقیقی مقالہ بعنوان''مرزائی قطعی کافر اور غیر مسلم اقلیت ہیں''جس میں قومی اسمبلی کو فیصلہ کرنے کا استحقاق، مسلمان کی تعریف ختم نبوت فتاوی کفر کی حقیقت ۔مرزا کے دعاوی، مرزا کی اخلاقی حالت جہاد اور مرزا کے کفریہ خیالات۔انگریز سرکار سے وفاداری حیات عیسیٰؑ اور دیگر موضوعات پر ہمہ جہتی اور سیر حاصل بحث کی گئی ہے، پیش کیا۔

مسئلہ ختم نبوت دین اسلام کی رفیع الشان عمارت کا وہ بنیادی پتھر ہے اگر اس پتھر کو اپنی جگہ سے سرکا دیا جائے تو پوری عمارت چشم زدن میں زمین بوس ہو جاتی ہے اس مسئلہ کی نزاکت اور اہمیت کی وجہ سے آج حضرت ہزاروی کی روح پکار رہی ہے کہ ہر مسلمان دفاع ختم نبوت کا مجاہد بن جائے۔

حضرت مولانا اللہ وسایا مدظلہ

مولانا اللہ وسایا احمد پور شرقیہ ضلع بہاولپور کے نواحی گاؤں کے رہنے والے ہیں فاتح قادیان حضرت مولانا محمد حیات اور مولانا لال حسین اختر مرحوم کے شاگرد خاص ہیں آپ کو کافی عرصہ مولانا تاج محمود مرحوم کے زیر سایہ مبلغ ختم نبوت کے طور پر کام کرنے کا موقع ملا آپ ہفت روزہ لولاک کے مدیر معاون بھی رہے مسلم کالونی چناب نگر میں کچھ عرصہ قادیانیوں سے دوبدو رہے آپ ایک مناظرانہ ذوق رکھتے ہیں آپ کے مناظرہ کا ایک مجموعہ ادارہ علم و عرفان لاہور کی طرف سے شائع ہو چکا ہے قادیانیت کے تعاقب میں دنیا کے بہت سے ملکوں کا دورہ کر چکے ہیں آپ نے مختلف فیہ مسائل میں قادیانی تاویلیں اور ان کے جوابات دو کتابوں کی صورت میں جمع کئے ہیں تحریک ختم نبوت 1953 اور تحریک ختم نبوت 1974 پر متعدد کتابیں لکھی ہیں مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی اور دیگر حضرات کی مشاورت و معاونت سے آپ نے پرانے بزرگون کی نایاب کتابیں احتساب قادیانیت کے نام سے شائع کرنے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے اس وقت تک 75 جلدیں مکمل ہو چکی ہیں آپ زبان کی مٹھاس اور دوسروں کو متاثر کرنے والے لب و لہجہ کے مالک ہیں مختصر یہ آپ پچاس سال سے تحفظ ختم نبوت کے میدان میں سرگرم عمل ہیں اور تازیست اسی مشن سے وابستہ رہنے کا عزم کیے ہوئے ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

١۔ محمد طیب۔ رئیس الاحرار۔ لاہور ص 22-18

٢۔ انسائیکلو پیڈیہ پنجاب یونیورسٹی ص 93

٣۔ جند حریت۔ مولانا خلیل ربانی۔ ادارہ اسلامیات لاہور ص 66

٤۔ جند حریت۔ ٢٧

٥۔ جند حریت۔ ص 93

٦۔ سلیم التواریخ۔ ص 691۔ صوفی اکبر علی۔ ادارہ اسلامیات لاہور 1985

٧۔ جند حریت۔ ص 97-98

٨۔ سلیم التواریخ۔ ص 475

٩۔ جند حریت ص 100

١٠۔ مولانا عبدالعزیز الرحمٰن۔ رئیس لاحرار حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور جنگ آزادی مطبوعہ دہلی۔ ص 91-92

١١ پروفیسر خلیل نظامی 1857 کا تاریخی روزنامہ 1971 ص 167

١٢۔ انتظام اللہ شہابی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء 1956 ص 37

١٣۔ مولانا محمد لدھیانوی۔ فتاوٰی قادریہ ص 25

۱۴۔ مولانا اشرف علی تھانوی مفاضات رشیدیہ لاہور میں 41

۱۵۔ مرزا غلام احمد قادیانی۔ براہین احمدیہ مطبوعہ قادیان ص 489

۱۶۔ اشاعۃالسنۃ امرتسر۔ ج 7 شمارہ 60 ص 193

۱۷۔ محمد نذیر۔ تاریخ احمدیت۔ ج۔ 7 ص 365 مطبوعہ ضیاء السلام پریس ربوہ)

۱۸۔ لیکچر لدھیانہ۔ مطبوعہ ربوہ۔ ص 2۔3

۱۹۔ مرزا غلام احمد قادیانی تذکرہ۔ ص 718

۲۰۔ رئیس قادیان ص 132

۲۱۔ الحکم قادیان ماخوذ از اہل حدیث امرتسر 19 اپریل 1920

۲۲۔ عبدالرشید عراقی - قادیانیت کی تردید میں علماء اہل حدیث کی تفصیلی خدمات محدث لاہور - فروری 2000

۲۳۔ اہل حدیث - امرتسر 19 اگست 1921

۲۴۔ منقول از سوانح عمری مولانا عبداللہ غزنوی) سید سلیمان ندوی - یادرفتگان کراچی 1983 - ص 106

۲۵۔ مقاوضہ نمبر 7 - ص 42

۲۶۔ مقاوضہ نمبر 26 ص 41

۲۷۔ انجام آتھم روحانی خزائن ج 11

۲۸۔ انوارالاسلام - طبع 1894

۲۹۔ دوست محمد شاہد تاریخ احمدیت - ج 1 ص 402

۳۰۔ تاریخ احمدیت ج 1 ص 400

۳۱۔ تاریخ احمدیت ج ا - ص 323

۳۲۔ ڈاکٹر بشارت احمد مجدد اعظم ج 2 - ص 77

۳۳ تاریخ احمدیت ج 1 ص 548

۳۴۔ تاریخ احمدیت ج 1 ص 553

۳۵۔ مہر منیر، فیض احمد فیض، پاکستان انٹر نیشنل پرائیویٹ لمیٹڈ، 118، جی ٹی روڈ، ہمن زار، سٹریٹ، لاہور، 1991 ص 144

۳۶۔ مہر منیر - ص 183

۳۷۔ مہر منیر ص 246

۳۸۔ مہر منیر۔ ص 208

۳۹۔ مہر منیر، ص 208

۴۰۔ المشتہر خاکسار غلام احمد قادیانی 20 جولائی 1900) (مولانا فیض احمد فیض مہر منیر۔ فیض۔ ص 214

۴۱۔ المشتہر خاکسار۔ غلام احمد از قادیان 20 جولائی1900۔ (مہر منیر۔ ص218)۔ (انجام آتھم۔ قادیان۔ مرزا غلام احمد۔ ص 71-89

۴۲۔ مہر منیر۔ مولانا فیض احمد فیض۔ ص221

۴۳۔ مہر منیر۔ ص۔220

۴۴۔ مہر منیر۔ ص221

۴۵۔ مہر منیر۔ ص۔228

۴۶۔ مہر منیر۔ ص۔230

۴۷۔ مہر منیر۔ ص231

۴۸۔ مہر منیر ص332

۴۹۔ مہر منیر ص 232

۵۰۔ مہر منیر ص241

۵۱۔ مہر منیر 233

۵۲۔ مہر منیر 233

۵۳۔ مہر منیر ص240

۵۴۔ مہر منیر ص242

۵۵۔ مہر منیر ص244

۵۶۔ مہر منیر ص 245

۵۷۔ اعجاز احمدی۔ مرزا غلام احمد قادیانی ص75

۵۸۔ تاریخ محاسبہ قادیانیت ص197

۵۹۔ تاریخ محاسبہ قادیانیت طبع ششم ص49

۶۰۔ الہامات مرزا ص6

۶۱۔ انجام آتھم مصنفہ مرزا غلام احمد 1996 ص20

۶۲۔ مہر منیر ص236

۶۳۔ مہر منیر۔ ص238-237

۶۴۔ مہر منیر ص55

۶۵۔ مضمون از مولوی عمرالدین شملوی قایادنی۔لاہوری مندرجہ پیغام صلح لاہور 9 جون 1934ء

۶۶۔ اعجاز احمدی مرزا غلام احمد ص88

۶۷۔ الہامات مرزا ص96

۶۸۔ اعجاز احمدی۔ مرزا غلام احمد ص 37

۶۹۔ یادرفتگان از سید سلیمان ندوی مجلس نشریات اسلام 1983ص 373

۷۰۔ مولانا تاج الدین مدنی ستمبر 1991 انور شاہ کشمیری اور ان کی علمی خدمات۔ ص19۔ دارالعلوم امینیہ تخت نصرتی کرک۔

۷۱۔ نزھۃالخواطر عبدالحی الحسینی ج8ص 80

۷۲۔ تحفۃالعنبر محمد یوسف بنوری ص30۔ التصریح۔ علامہ انور شاہ کشمیری۔ ص14

۷۳۔ مقدمہ انوارالباری۔ احمد رضا بجنوری ج4۔ ص240

۷۴۔ تحفۃالعنبر۔ محمد یوسف بنوری ص38

۷۵۔ نقش دوام۔ مولانا انظر شاہ صاحب ص 07

۷۶۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند محبوب احمد رضوی ص99

۷۷۔ انور شاہ کشمیری اور ان کے علمی کارنامے۔ ڈاکٹر قاری محمد رضوان اللہ ص 72

۷۸۔ تاریخ الدعوۃالاسلامیہ۔ مسعود الندوی ص219

۷۹۔ اقبال اور کشمیر۔ محمد صابر افاقی ص176

۸۰۔ صحیح مسلم ج ا۔ ص75

۸۱۔ تحفۃالعنبر۔ محمد یوسف بنوری ص204

۸۲۔ بیس بڑے مسلمان۔ عبدالرشید ارشد ص295

۸۳۔ اکفار الملحدین۔ محمد انور شاہ کشمیری ص65

۸۴۔ ڈاکٹر سفیر اختر ص VI-V، اقبال اور قادیانیت۔ بشیر احمد۔ ایم۔ اے

۸۵۔ حرف اقبال ترتیب لطیف احمد خان شروانی۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی لائٹ کے جواب میں ص 112 اشاعت اول اگست 1984

۸۶۔ حرف اقبال لطیف احمد شیروانی ایم اے ص118-116

۸۷۔ کلیات مکاتیب اقبال ج امرتبہ مظفر حسین برنی ص 431

۸۸۔ قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ از پروفیسر الیاس برنی ص 61 مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان

۸۹۔ مقدمہ قادیانی مذہب ص78

۹۰۔ حرف اقبال۔ لطیف احمد شیرانی۔ ایم۔ اے ص6

۹۱۔ ماہنامہ۔ کنزالایمان لاہور ختم نبوت نمبر ستمبر 1997

۹۲۔ مولوی رحمان علی۔ تذکر، علماء ہند۔ ص 98۔ مطبوعہ کراچی 1961

۹۳۔ احمد رضا خان۔ حدائق بخشش ص 85۔ ج 2۔ 1325ھ مطبوعہ کراچی

۹۴۔ مولوی رحمان علی۔ تذکرہ علماء ہند۔ ص 530 مطبوعہ کراچی

۹۵۔ مولنا کوثر نیازی۔ بحوالہ تقریب اشاعت ارمغان نعت۔ ص 29 کراچی 1975

۹۶۔ ماہ نامہ نقیب ختم نبوت۔ امیر شریعت نمبر حصہ اول ص 332

۹۷۔ حیات امیر شریعت۔ جانبار مرزا۔ ص 208

۹۸۔ ماہ نامہ نقیب ختم نبوت نمبر امیر شریعت نمبر ص 217

۹۹۔ پیام اسلام۔ امیر شریعت نمبر۔ ص 90-89

۱۰۰۔ ماہ نامہ نقیب ختم بنوت ملتا۔ امیر شریعت نمبر حصہ دوم ص 405

۱۰۱۔ بیس بڑے مسلمان۔ عبدالرشید ارشد ص 867

۱۰۲۔ حیات عیسیٰؑ طبع ملتان 1376ھ ص 4-3

۱۰۳۔ تذکرہ مولنا محمد ادریس کاندھلوی ملخصا از قلم مولانا محمد میاں صدیقی

۱۰۴۔ ماہ نامہ بینات۔ مولانا یوسف بنوری نمبر ص 96-95

۱۰۵۔ ماہنامہ بینات کراچی۔ مولانا بنوری نمبر ص 76

۱۰۶۔ ملخصا تذکرہ اکابر اہل سنت ص۔ 236

۱۰۷۔ دسمبر 1974ء ماہنامہ ضیاء حرم تحریک ختم نبوت

۱۰۸۔ ماہنامہ ضیائے حرم۔ ضیاء الامت نمبر مضمون نگار پروفیسر حافظ احمد بخش۔

۱۰۹۔ ماہنامہ۔ ضیائے حرم۔ ختم نبوت نمبر 1974۔ از قلم محمد صادق قصوری

۱۱۰۔ اہل حدیث امرتسر 24 اکتوبر 1930 ص 8

۱۱۱۔ ماہنامہ الفرقان۔ لکھنوٗ۔ مولانا محمد منظور نعمانی نمبر اپریل تا اگست 1998

۱۱۲۔ بینات شوال 1400 بمطابق ستمبر 1980

۱۱۳۔ روزنامہ الفضل یکم جولائی 1950

۱۱۴۔ الفضل 5 جولائی 1950

۱۱۵۔ مولانا لال حسین اختر سوانح وافکار۔ از قلم مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

۱۱۶۔ سیرت مولانا سید محمد مونگیری ملخصا از قلم سید محمد حسینی مطبوعہ کراچی

فصل دوم: معروف مسلم علماء کی مناظرانہ تالیفات اور رسائل کا مطالعہ

مولانا ثناء اللہ امر تسریؒ (متوفی 1948)

آپ اہل اسلام کے فاضل نبیل، بطل جلیل، مناظر اسلام اور معتبر عالم دین تھے حاضر جوابی میں اپنی مثال آپ تھے زندگی بھر فتنہ قادیانیت کے خلاف آپ صف آرار ہے۔ قدرت نے آپ کو فتنہ قادیانیت کے خاتمے کے لیے ہی پیدا کیا تھا۔ آپ کے اساتذہ میں سے حافظ عبدالمنان وزیر آبادی، مولانا احمد حسن کانپوری اور حضرت شیخ الھند مولانا محمود الحسن دیوبندی جن سے اکتساب فیض کیا۔ آپ نے مولانا انور شاہ کشمیری کی زیر صدارت خطاب کیا اور انہوں نے آپ کو دعائوں سے نوازا۔ صفی الرحمٰن مبارک پوری نے اپنی تصنیف "فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امر تسریؒ اور سیرت ثنائی میں مولانا ثناء اللہ کی رد قادیانیت پر رسائل کی تعداد چھتیس بیان کی ہے۔

مولانا کی طرف کچھ رسائل کو منسوب کیا گیا مگر وہ آپ کی تالیفات نہیں مثلاً عشرہ کاملہ، یہ مولانا محمد یعقوب پٹیالوی کی تصنیف ہے اس طرح مراق مرزا اس کو بھی مولانا ثناء اللہ امر تسری کی طرف منسوب کیا گیا لیکن یہ تالیف مولانا حبیب اللہ امر تسری کی ہے۔ اس طرح مولانا ثناء اللہ امر تسری کے رسائل کی تعداد چونتیس رہ جاتی ہے۔ مولانا اللہ وسایا کی تحقیق کے مطابق اتنے ہی موصوف کے رسائل رد قادیانیت کے موضوع پر ہیں اس کے علاوہ دیگر موضوعات پر ان کی کثیر تالیفات ہیں مگر وہ اس باب کا حصہ نہیں ہیں۔ ان کے رسائل کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) الہامات مرزا (2) ہفوات مرزا (3) صحیفہ محبوبیہ (4) فاتح قادیان

(5) فتح ربانی (در مباحثہ قادیانی) (6) عقائد مرزا (7) مرقع قادیانی (8) چیستان مرزا
(9) زار قادیان (10) فسخ نکاح مرزائیاں (11) نکاح مرزا (12) تاریخ مرزا
(13) شاہ انگلستان اور مرزائے قادیان (14) مباحثہ دکن (15) شہادت مرزا (16) نکات مرزا
(17) ہندوستان کے دو ریفارمر (18) محمد قادیانی (19) قادیانی حلف کی حقیقت (20) تعلیمات مرزا
(21) فیصلہ مرزا (22) تفسیر نویسی کا چیلنج اور مرزا (23) علم کلام مرزا (24) عجائبات مرزا
(25) ناقابل مصنف مرزا (26) بہاء اللہ اور مرزا (27) ثنائی پاکٹ بک (متعلقہ حصہ (28) اباطیل مرزا
(29) تحفہ احمدیہ (30) مکالمہ احمدیہ (31) بطش قدیر بر قادیانی تفسیر (32) لیکھرام اور مرزا
(33) محمود مصلح موعود (34) آفتہ اللہ

مولانا ثناء اللہ امرتسری کے رد قادیانیت پر مضامین جو ہفتہ وار اخبار اہل حدیث امرتسر اور ماہنامہ مرقع قادیان امرتسر میں شائع ہوتے رہے۔ بلاشبہ ان کی معرکۃ الارء تصانیف کی طرح بے مثالی ہے اگر اہل حدیث حضرات ان کو ایک کتابی شکل شائع کر دیں تو اس باب میں ایک خوبصورت اضافہ ہوگا۔

الہامات مرزا قادیانی کی زندگی میں تین دفعہ شائع ہوا مگر ان کو جواب دینے کی ہمت نہ ہوئی۔ قادیانی کی وفات کے بعد جب ان کو مزید اکسایا گیا تو اس کے جواب میں "آئینہ حق نما" اس کے جواب میں شائع کیا۔ یہ رسالہ اچھا خاصہ گالیوں اور بدزبانیوں کا مجموعہ ہے۔

ھفوات مرزا میں مولانا نے مرزا صاحب شرکیہ قسم کے دعائوی اور حضور نبی کریم ﷺ کی گستاخی کی قرآن مجید کی تحریف اور انبیاء و بزرگان دین کی سخت توہین کی ہے۔[۱]

مرزا قادیانی خدا تعالی کی اولاد ثابت کرتے ہیں۔ الہام ہوتا ہے "انت منی بعنزلۃ اولادی"۔ یعنی مرزا تو میری اولاد کے مرتبہ پر ہے۔[۲]

رسول کریم ﷺ کی بے ادبی

تمام اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ (مبشراً برسول من بعدی اسمہ احمد) یہ آیت رسول اللہؐ کے حق میں ہے اور احمد آپؐ ہیں مگر مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ یہ میرے حق میں ہے۔ میرا نام احمد ہے۔[۳]

صحیفہ محبوبیہ مولانا یہ رسالہ مرزا حکیم نورالدین بھیروی کی کتاب صحیفہ آصفیہ کے جواب میں لکھا۔ حکیم نورالدین قادیانی نے اپنے صحیفہ آصفیہ میں دو باتوں کے ثابت کرنے کی کوشش کی

(i) دنیا میں بدکاری کثرت سے ہے جو آفات ارضی اور سماوی کی موجب ہے۔

(ii) چونکہ مرزا صاحب نے ان واقعات کی پیش از وقت خدا سے علم پا کر خبر دی اس لیے وہ ملہم ربانی اور خلیفہ سبحانی تھے۔

پہلی بات تو یقین ہے۔ جبکہ دوسرا پہلو قابل غور ہے۔ مولانا صاحب نے حکیم نور الدین بھیروی کے پیش کردہ پشین گوئیوں میں سے ایک عبداللہ اتھم، دوسری منکوحہ اسمانی، تیسری قادیان میں طاعون نہ آنے کی ان کو مرزا صاحب کی تحریروں سے غلط ثابت کیا ہے۔

حکیم صاحب نے صحیفہ آصفیہ میں دو طرح سے مرزا کی نبوت کو ثابت کیا ہے۔ (i) ایک واقعات و حوادثات گر لکھا ہے۔ (ii) مرزا صاحب کی مختلف پشین گوئیوں کے ذریعے نبوتِ مرزا کو ثابت کیا ہے۔

حکیم نورالدین قادیانی لکھتے ہیں:

''آپ (مرزا صاحب) کی بعثت سے قبل آپ کے وصال تک صدہا مکذب آپ کے مقابل اٹھے جنھوں نے آپ کی توہین کمر باندھی لیکن اللہ تعالی نے انہیں ذلیل و خوار کیا جو آپ کے مقابل میں آیا ہلاک ہوا جس رنگ میں کسی نے آپ کی ذلت کا ارادہ کیا اسی طرح کی ذلت اسے نصیب ہوئی۔ آپ کے مکفرین یکے بعد دیگرے قریباً کل کے کل دنیا سے اٹھائے گئے''۔ ۴

مولانا صاحب لکھتے ہیں:

یہ ایک ایسا سفید جھوٹ ہے کہ شاعرانہ مبالغہ بھی اس حد تک نہیں پہنچ سکتا واقعات صحیحہ اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ مرزا صاحب کے سب سے بڑے مکذب خود مولانا صاحب ہیں۔

مرزا صاحب خود مولانا کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مولوی ثناء اللہ صاحب جو آج کل ٹھٹھے ہنسی اور توہین میں دوسرے علماء سے بڑھے ہوئے ہیں''۔ ۵

مرزا صاحب کے مکذبین بفضل خدا زندہ ہیں گویا ان میں سے مولنا ثناء اللہ کی موت دیکھنے کی ہوس حکیم نور الدین قادیانی کو بھی تھی مگر پوری نہ ہو سکی۔ مرزا صاحب کے مضمون کا جواب جو سکھوں نے دیا تھا اس میں لکھا تھا کہ ''مرزا صاحب کی تحریرات کسی شریف آدمی کے پڑھنے کے لائق نہیں''۔ آخر میں مولانا صاحب نے مرزا صاحب کے عقائد پر مختصر انداز میں گفتگو کی ہے۔

عقائد مرزا

عقائد مرزا مولانا ثناء اللہ امر تسریؒ کا رسالہ ہے۔ اس رسالہ میں مرزا کی زبانی سے اس کے مختلف دعاوی کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں سورۃ صف کی آیت نمبر 6 میں آپؐ کے آنے کی خوشخبری دی گئی مگر مرزا غلام احمد اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ''میں وہ احمد ہوں یعنی حضرت عیسیٰؑ نے میرے حق میں بشارت دی ہے۔ ۶

پس جو میری جماعت میں داخل ہوا اور حقیقت میرے سردار خیر المرسلین (محمد رسول اللہ) کے صحابہ میں داخل ہوا (یعنی میرے مرید صحابہ کے برابر ہیں)۔ ۷

مرزا صاحب کا ایک الہام یوں ہے۔ ''خدا قادیان میں نازل ہوگا'' ۸

مرزا صاحب کا دعوی ہے میں حضرت ابو بکرؓ بلکہ بعض انبیاء سے افضل ہوں۔ ۹

یہ اور ان جیسے اور بھی خیالات ہیں جن کی وجہ سے علماء اسلام مرزا صاحب کے مخالف ہوئے جو عام ناظرین کی واقفیت کے لیے شائع کئے گئے۔ ۱۰

مرقع قادیانی

مرقع قادیانی 1907 میں زیر ایڈیٹری مولانا ثناء اللہ صاحب ماہواری رسالہ کی صورت میں جاری ہوا تھا جو مرزا صاحب کی وفات کے بعد بند ہوگیا۔اس رسالہ کے بعض مضامین انتہائی دلچسپ تھے۔اس لیے ان مضامین کو اس نام کے رسالہ میں یکجا کرکے شائع کر دیا گیا۔اس رسالہ میں مسٹر ڈاکٹری کی وفات پر پشین گوئی کے پورے ہونے پر رسالہ الحکم میں خوشی کا اظہار کیا گیا تو مرزا صاحب کے اس کے جواب میں مولانا صاحب نے یہ رسالہ تحریر کیا۔

چیستان مرزا

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اس رسالہ میں مرزا صاحب کے الہامات، ارشادات اور تضادات کو ایسے دلنشین انداز میں پیش کیا ان کا جواب دینے پر انعامات دینے کا اعلان بھی کیا ہے۔ مولانا آغاز مضمون میں لکھتے ہیں۔

''چونکہ ہمارے یقین میں قادیانی مشن کے لیے یہ مضمون ایک فیصلہ کن ہے۔اس لیے اس کے جواب پر بہ تفصیل انعام دینے کا اعلان شائع کرتے ہیں۔ لاہور پارٹی کے سرکردہ مولوی محمد علی صاحب جواب دیں تو وہ دو سو روپیہ انعام کے مستحق ہوں گے۔ان دونوں سرگروہوں کے سوا کوئی اور صاحب بھی جواب دیں گے تو انعام کے مستحق ہوں گے بشرطیکہ ان دونوں میں سے مجیب جس کے ماتحت ہو اس جواب پر تصحیح کے دستخط کردیں۔ روپیہ امین کے پاس رکھا جائے گا اور تین اصحاب منصف ہوں گے۔ ایک ایک ہر فریق کا تیسرا سرپنچ غیر ملسم مسلمہ طرفین، تاریخ اشاعت کے پندرہ روز تک مجیب کی طرف سے درخواست آنی چاہیے جس میں اپنے مصنف کا نام، عہدہ اور سرپنچ کے لیے متعدد ناموں کی فہرست ہو جن میں سے کسی ایک کو ہم مقرر کرلیں گے یا اور کوئی بتا دیں گے۔[11]

قادیانیوں کی طرف سے اس کا جواب نہ ملنے پر اس کو چیستان مرزا کے نام سے شائع کردیا۔ یہ رسالہ مرزائیوں کے لیے ایک سوہاں روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ مولانا نے اس میں مرزا صاحب کے دو پہلو پر بحث کی ہے جن میں واضح اختلاف ہے۔ (1) نبوت کی ابتدا (2) موت

(1) بعثت

مولانا صاحب نے مرزا صاحب کی کتاب ازالہ اوہام، حقیقت الوحی، تحفۃ گولڑویہ تریاق القلوب کے حوالے سے مرزا قادیانی کے تین بیانات منظر عام پر لائے ہیں۔ (i) سنہ ہجری پورے تیرہ سو ہونے پر (ii) تیرہویں صدی سے دس سال رہتے ہوئے 1290ھ (iii) تیرھویں صدی کے پورے 26 سال رہتے ہوئے 1274ھ آپ مبعوث ہوئے۔ان تینوں بیانات میں جو اختلاف ہے ناظرین اندازہ کرسکتے ہیں۔[12]

(2) موت کے متعلق اختلاف

مولانا صاحب نے مرزا صاحب کی الہامات کے ذریعے جو ان کی کتاب حقیقۃ الوحی تریاق القلوب اور اعجاز احمدی میں درج ہیں ان کو بیان کرنے کے بعد واضح کیا۔ مولانا صاحب لکھتے ہیں:

ہم نے مرزائی الہامی الجھن کو صاف کرنے میں بہت کوشش کی مگر افسوس سے اظہار کرنے میں ہمیں ذرہ تامل نہیں کہ ہم اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوئے ہم نے اس جواب میں بصد کوشش مرزا قادیانی کا انتقال حسب الہام 76 سال کی عمر میں

ہو مگر دوسری طرف سے بگاڑ پیدا ہو گیا کیونکہ سابقہ حوالوں میں مرزا قادیانی بڑے صاف الفاظ میں خود لکھتے ہیں۔ 1300ھ کے اختتام پر میری عمر ٹھیک چالیس سال تھی۔ انتقال آپ کا 1326ھ میں ہوا، اس طرح آپ کی عمر کے 66 چھیاسٹھ سال بنتے ہیں کسی طرح الہامی مقررہ وقت 1335ھ کے موافق نہیں ہے۔ ۱۳؎

زار قادیان

مولانا ثناء اللہ صاحب نے اس رسالہ میں مرزا صاحب کی زلزلہ کے بارے میں پشین گوئی کے بارے تحریر کا اسلوب اتنا لطیف اور اس قدر دلکشی اور ظرافت سے بھرپور ہے جس سے قاری کو ہر موڑ اور ہر پہلو پر عجیب لطف محسوس ہوتا ہے۔ مرزا صاحب نے مجموعہ اشتہارات ج3، ص: 526 پر زلزلہ عظیم کے پشین گوئی کی ہے اس کے شروع میں لکھا۔

''9 اپریل 1905 کو پھر خدا تعالیٰ نے مجھے سخت زلزلہ کی خبر دی ہے جو نمونہ قیامت اور ہوش ربا ہوگا''

مرزا صاحب سے گول وصول پشین گوئی کے بارے پوچھا تو اس کو لطاف الحیل سے ٹال دیا۔ اس زلزلہ کا انتظار بڑی بے چینی سے کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اگر زلزلہ نہیں بھی آتا ہے تو ضرور آکر رہے۔ آخر 28 فروری 1906 رات کے ایک بجے کے بعد ایک ہلکا سا جھٹکا زلزلہ کا محسوس ہوا تو مرزا صاحب نے سوچا شاید آئندہ اتنا بھی زلزلہ نہ آئے۔ اس کو غنیمت سمجھتے ہوئے ایک اشتہار بعنوان ''زلزلہ کی پیشن گوئی دیا''۔ مولانا صاحب نے اس مضمون کا اختتام اس شعر پر کیا۔

تھے دو گھڑی سے شیخ جی شیخی بھگارتے　　　وہ ساری ان کی شیخی دو گھڑی کے بعد ۱۴؎

فسخ نکاح مرزائیاں

مولانا نے مضمون کے شروع میں بحوالہ مرزا محمود احمد لکھا ہے کہ امت مسلمہ دائرہ اسلام سے خارج ہے اس بنا پر یہ بھی دیکھا ہے مسلمان باپ ہے اس کا جنازہ مرزائی بیٹے نہیں پڑھا۔ خاوند مرزائی ہے تو بیوی مسلمان ہے۔ اس سلسلے کیا سلوک کیا جائے تو تمام اسلام کے مکاتب فکر کے علماء نے فیصلہ دیا۔

بے شک مرزا کے کفر میں کوئی شبہ نہیں کیوں کہ وہ اپنے آپ کو خدا کا شریک ثابت کرتا ہے۔ اس لیے مرزائیوں سے مناکحت صحیح نہیں۔ ۱۵؎

نکاح مرزا تالیف مئی 1919

اس رسالہ میں مرزا صاحب کی آسمانی منکوحہ محمدی بیگم پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ یہ پشین گوئی مرزا صاحب کے لیے رسوائی کا باعث بنی مرزا صاحب کے مرنے کے بعد مرزا صاحب کی تمام تاویلات کا خاتمہ ان کے جھوٹ پر آخری مہر لگا گیا۔ ان کے بعد ان اتنیوں نے تاویل کے ہر دروازے پر دستک دی مگر مولانا نے اس رسالے میں ایک ایک کرکے تمام عذر ہائے لنگ کی قلی کھول دی۔

تاریخ مرزا

یہ مولانا کی عظیم شاہکار ہے۔ آپ اس کتاب کی وجہ تالیف مقدمہ میں کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔ ''خاکسار کے بعض دور اندیش احباب (مولانا ابراھیم سیالکوٹی متوفی 1956) نے ایک روز بر سبیل تذکرہ فرمایا کہ جتنا کچھ آج تک لکھا گیا ہے مسائل مرزا

پر لکھا گیا جو کافی ہے۔اس وقت تو بہت سے لوگ مرزا صاحب کی شخصیت کو جاننے والے خاص کر پنجاب میں موجود ہیں ممکن ہے کچھ مدت بعد ان کی شخصیت کی تلاش ہو نہ ملنے پر ان کی تصنیفات اپنا اثر کر جاویں اس لیے کوئی کتاب بطور سوانح کے لکھی جائے موجودہ اور آئندہ نسلوں کو بہت مفید ہو"۔۱۶؎

جبکہ مناظرانہ رنگ مولانا صاحب کی دوسری کتاب "الہامات مرزا" مرقع قادیانی" وغیرہ دیگر اصحاب کی تصانیف ہیں۔

شاہ انگلستان اور مرزائے قادیان

مولانا صاحب لکھتے ہیں کہ جس بات کو خدا جھوٹا کرنا چاہتا ہے اس کے اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ ہمارے ملک میں مرزا صاحب کے الہام سے بڑھ کر جھوٹی کوئی چیز نہیں۔آخر اللہ تعالیٰ نے اپنی محض مصلحت سے دنیا کا سب سے بڑی شان و شوکت کا آدمی جو نہ صرف ہم ہندوستانیوں کا بلکہ دیگر بہت سے ممالک کا بادشاہ ہے یعنی جارج پنجم شاہ انگلستان و قیصر ہند کو ہندوستان اس غرض کے لیے بھیجا کہ ہندوستان کے لوگوں کو عموماً اور مرزا صاحب کے معتقدین کو خصوصاً اعلان کر دے کہ مرزا قادیانی کا دعوی الہام غلط بلکہ کذب ہے۔ چنانچہ شاہ انگلسان نے دسمبر 1911 میں ایک بہت بڑے جلسے میں دہلی کے مقام پر اعلان کیا کہ مرزا کا دعوی "دروغ بے فروغ" کا ہے۔اس دعوی کے ثبوت کے لیے مولانا صاحب نے یہ رسالہ تصنیف کیا۔۱۷؎

لیکھرام اور مرزا

مولانا صاحب اس رسالہ کے لکھنے کی وجہ بیان کرتے ہیں۔ ہم نے رسالہ "الہامات مرزا" میں مرزا صاحب کی ساری اہم پشین گوئیوں پر بحث کی ہوئی ہے چونکہ مرزا صاحب اور ان کے اتباع کو پنڈت لیکھرام والی پشین گوئی پر بڑا ناز ہے وہ اس کو ایسا صحیح مانتے نہیں جیسے دو اور دو چار ہوتے ہیں۔ ہماری تحقیق میں یہ پشین گوئی سب سے زیادہ غلط ہے اس لیے یہ رسالہ لکھنے کی ضرورت پیش آئی۔

ثنائی پاکٹ بک۔ متعلقہ حصہ

مرزا صاحب 1261ھ میں پیدا ہوئے اور 1308ھ میں مسیح ہونے کا دعوی کیا اس پر دلیل یہ دی۔ حضرت عیسیٰؑ فوت ہوگئے ان کے نام سے جو آنے والا مسیح ہے اسی سے مری مثیل مسیح ہے جو میں ہوں مسیح موعود کے نزول کا مقام جو حدیثوں میں دمشق آیا ہے اس سے مراد قادیان ہے۔

مولانا صاحب لکھتے ہیں:

میری ابتداء سے یہ رائے رہی کہ مرزا صاحب کے نزع میں حیوہ مسیح قابل بحث نہیں بلکہ ان کے الہامات اور روحانی کمالات ہیں جن کے وہ مدعی ہیں اس لیے ان پر میری توجہ رہی تاہم "پاکٹ بک" میں حیوۃ مسیح کی ایک زبردست دلیل پیش کی جاتی ہے۔ "بوقت نزول قرآن مجید یہودی اور عیسائی دونوں متفق تھے کہ مسیح کو مصلوب کیا گیا ایک سپاہی نے ان کو بھالا مارا جس سے ان کا خون نکلا اور انہوں نے چلا کر جان دی۔۱۸؎

جبکہ قرآن نے اس کی تردید کی اب اس کے مقابلہ مرزا صاحب نے نفس قرآنی کے مقابلہ میں فلسفہ پیش کیا ہے یہ پورا رسالہ اس موضوع پر بڑا معلوماتی ہے۔

شہادت مرزا

مولانا اس کے لکھنے کی وجہ بیان کرتے ہیں۔ میرے بعض دوستوں نے مجھ سے خواہش کی کہ میں ایسی کتاب لکھوں جس میں دلائل حدیثہ سے گفتگو ہو یعنی ان احادیث کا ذکر بھی ہو جن میں حضرت عیسیٰؑ کا آنا مذکور ہو اس کے علاوہ اور بھی کچھ بھی ہو تو مضائقہ نہیں اس لئے مختصر رسالہ میں مرزا قادیانی کے دعوے کی تردید میں تین طرح کی شہادت ناظرین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ (i) مرزا کے وحی الہام سے (ii) احادیث صحیح سے (iii) مرزا صاحب کے اپنے اقوال سے۔ مولانا صاحب نے دس شہادتیں پیش کیں جن میں تین مرزا صاحب کے اقوال سے کیا احادیث طیبہ سے دو مرزا صاحب کے وحی اور الہام سے 3 مرزا صاحب کے اپنے لٹریچر سے جو قادیانی حضرات کے نزدیک واجب التسلیم ہیں۔ مولانا صاحب نے اس کے جواب کا چیلنج کیا مگر کسی کو جرأت نہ ہوئی۔

نکات مرزا:

مولانا صاحب فرماتے ہیں: مرزا صاحب اپنے الہامات اور نظریات کے ثبوت کے لیے دو قسم کے دلائل دیا کرتے تھے ایک لفظی اور دوسرے روحانی لفظی دلائل وآیات واحادیث سے ہوتے جن کی حقیقت معلوم ہے۔ روحانی دلائل دو قسم کے تھے۔ اول الہامات ربانی متضمن پشین گوئیاں دوم قرآنی معارف اور نکات۔ 19

مولانا صاحب اس رسالہ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہیں۔ خلاصہ کلام حسب ذیل ہے۔ مارچ 1925 میں قادیان میں جلسے کے دوران دیوبند عالم سید مرتضیٰ حسن نے دوران تقریر مرزا صاحب کے معارف قرآنیہ کا انکار کیا۔ اس پر اخبار الفضل میں مرزا محمود 16 جولائی 1925 میں تقریر کی جس کے دو حصے تھے ایک مرزا صاحب کے بیان کردہ معارف کا دوسرا خود خلیفہ صاحب کا چیلنج۔

دوسرے حصے کے چیلنج کو مولانا ثناء اللہ نے قبول کیا کیونکہ پہلا چیلنج دو تین سال کے عرصہ پر محیط تھا۔ خلیفہ نے کہا کہ میرا چیلنج علماء دیوبند کو ہے۔ مگر مرزا محمود احمد نے اپنے باپ کی طرح لطائف الحیل سے اس چیلنج ٹال دیا۔

اس رسالہ میں مولانا ثناء اللہ امرتسری نے مرزا صاحب کے بیان کردہ معارف جس کا دعوی ان کی جماعت کے افراد بھی کرتے ہیں کہ اس طرح کے معارف کسی سابق مفسر نے بھی بیان نہیں کیے ان کو ایسے اچھوتے انداز سے بیان کیے ہیں جن کو پڑھنے کے بعد مرزا صاحب کی شخصیت کا ہر سطح کے انسان کو پتا چل جاتا ہے۔ یقینا اس طرح کی لایعنی باتوں کو ہمارے اسلاف کیسے بیان کرتے وہ تو حقیقت کے ترجمان تھے اور یہ اپنی نبوت اور مجددیت کے ثبوت کے لیے قرآن کے اپنی مرضی سے معارف بیان کیے۔ اس رسالہ کے آخر میں عبداللہ چکڑالوی جو منکر حدیث تھا اس نے قرآن کے معارف بیان کیے جو مرزا صاحب سے کم نہ نکلے حالانکہ مرزا صاحب ان کو ملحد اور اس کے علاوہ نہ جانے کن القاب سے یاد کرتے تھے۔ اس پر مولانا صاحب نے دس نکات کی شکل میں چکڑالوی کے معارف قرآن بیان کیے۔ رسالہ کا اختتام مولانا صاحب نے ان الفاظ سے کیا ہے۔

بلحاظ عقیدہ نہ نکات مرزا کے قائل ہوں گے اور نہ معارف چکڑالویہ کے معتقد بلکہ در حقیقت اصل مطلب ہمارے لکھنے کا آپ کے پڑھنے کا صرف اتنا ہے کہ ایسے جدید مدعیوں کی وہ دلیل دیکھیں جن پر ان کے دعوی کی بنیاد ہے یعنی قرآن مجید سے معارف نمائی۔ ۲۰

ہندوستان کے دو ریفارمر

اس رسالہ میں مولانا نے دو شخصیتوں کو متعارف کرایا ہے۔ (i) دیانند سوامی آریوں کے رہنماء تھے اور دوسرے مرزا غلام احمد مرزائیوں اور قادیانیوں کے رہنما تھے۔ مولانا نے سوامی کے 89 حوالے درج کیے اور مرزا کے تقریباً 22 حوالہ جات درج کیے اور ان کی تشریح و توضیح نہیں کی اور نہ اس پر کوئی تبصرہ کیا ہے۔ مولانا صاحب اس مضمون کے آخر میں مرزا صاحب کے بقول ایک شہادت پیش کی کہ سخت کلامی کے بارے جو انتہائی عمدہ بات ہے۔

"تجربہ شہادت دیتا ہے کہ ایسے بدزبان لوگون کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ خدا کی غیرت اس کے پیاروں کے لیے آخر کام دکھاتی ہے پس اپنی زبان کی چھری سے کوئی بدتر چھری نہیں ہے۔ ۲۱

فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیا کہ ایسے بدمزاج، بدزبان اور تلخ گو مصلح یا ریفارمر ہو سکتے ہیں یا نہیں۔

محمد قادیانی

مولانا صاحب نے اس رسالہ کے دیباچہ میں اس کے لکھنے کی وجہ بیان کرتے ہیں واضح رہے کہ مرزائی دعاوی کی تحقیق کرنے کے لیے کئی معیار ہیں۔ (i) ان کی پیشین گوئیاں (ii) ان کی صداقت کلام (iii) قرآن و آحادیث کی تصریحات آج جو معیار ہم پیش کرتے ہیں وہ اچھوت ہے اس میں ہم صرف اس معیار پر گفتگو کریں گے کہ مرزا قادیانی چونکہ اپنے آپ کو بروز محمدؐ کہا کرتے تھے اس لیے وہ محمد ثانی بنتے اور اپنی اتباع کو اصحاب محمد اول میں داخل کرتے تھے۔ ۲۲

لہٰذا دیکھنا ضروری ہے کہ محمد ثانی (قادیانی معاذ اللہ) کو محمد اولؐ کے کاموں سے کہاں تک مشابہت ہے؟ اس اصطلاح پر ہم نے اس رسالہ کا نام "محمد قادیانی" تجویز کیا اس میں ہم دیکھائیں گے کہ محمد اول (علیہ السلام) نے کیا کام کیا اور ان کے بروز ثانی قادیانی نے کیا کام کیے۔ تاکہ ان کاموں میں مطابقت یا عدم مطابقت سے مرزا قادیانی کے صدق و کذب کا ثبوت ہو سکے۔ ۲۳

مولانا صاحب اس مضمون کو ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں۔ مفلح کے معنی نجات دہندہ ہیں۔ مرزا قادیانی کے اسماء میں محمد اور مفلح کا مرکب نام ہونا اسی غرض سے ہو سکتا ہے کہ آپ محمد اول کی طرح مسلم قوم کو یا کم سے کم احمدیہ امت کو غیر حکومت کی غلامی سے آزادی دلاتے مگر آہ افسوس کچھ بھی نہ ہوا جس پر ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اپنی قسمت پر روئیں یا مرزا صاحب کی ناکام تشریف بری پر افسوس کریں اس نامرادی کا کلمہ ہم کن لفظوں میں کریں۔ اس وقت ہمارے دل کو سخت صدمہ ہے اس صدمہ کی حالت میں ہمارے قلم سے یہی شعر نکلتا ہے۔

کوئی بھی کام مسیحا ترا پورا نہ ہوا　　　　نامرادی میں ہوا ترا آنا جانا۔ ۲۴

تعلیمات مرزا

مولانا ثناء اللہ اس رسالہ کی وجہ تالیف لکھتے ہیں۔ خاکسار نے جو کچھ لکھا اس کا بیشتر حصہ مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوی کے متعلق ہے یہ رسالہ پانچ مضامین پر مشتمل ہے۔ (i) صفات مرزا (ii) اختلافات مرزا (iii) کذبات مرزا (iv) نشانات مرزا (v) اخلاق مرزا

ان پانچ ابواب میں مجموعی طور پر مرزا صاحب کے 75 فرمودات نقل کئے گئے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ تشریح و توضیح یا تبصرہ کے طور پر مختصر جاندار اور جامع نوٹ لگائے گئے ہیں۔ مرزا صاحب کی تعلیمات جو ان کا طریقہ تھا اس کی پوری رونمائی کی گئی۔ مرزا کی شخصیت کا نقشہ قاری کے سامنے آجاتا ہے۔ یہ مولانا کی ایسی جامع کتاب ہے جس سے مرزا صاحب کا حقیقی کردار تمام تر جہتوں کے ساتھ واضح ہو جاتا ہے۔ اس رسالہ کی معلومات کے ذریعے سے مرزائی شبہات کا ازالہ باسانی ہو جاتا ہے جو حق کا متلاشی قادیانی صدق نیت سے اس کا مطالعہ کرے یقیناً توفیق الہی اس کی دستگیری کرے اور راہ حق پر آجائے۔

اس کا جواب قادیانی مبلغ نے ''تجلیات رحمانیہ'' سے دیا مگر مولانا صاحب نے ''صفات مرزا'' سے کا باب مزید بڑھایا رسالہ کی تکمیل کی جس سے مرزا کی حقیقی شخصیت نمایاں ہو کر سامنے آگئی مگر دوبارہ مرزا صاحب کے طرف دار کو دوبارہ حق تعالیٰ کے علمبر دار اور محمد مصطفیٰ کے وفادار کو جواب دینے کی ہمت نہ ہوئی اس رسالہ نے دنیا مرزائیت پر ایک لرزہ کی کیفیت طاری کر دی۔

فیصلہ مرزا

مولانا ثناء اللہ امر تسری کی یہ ایک تصنیف لطیف ہے۔ مولانا صاحب اسی رسالہ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔ الہاص طریق سے مراد یہ ہے کہ آپ نے اپنے دعوی کے اثبات میں کئی ایک الہام شائع کیے جن میں آئندہ زمانہ کے متعلق خبریں تھیں جن کی بابت یہ خبریں مجھے خدا نے بتائی ہیں جن کا ظہور میری سچائی کا ثبوت ہے (جو افسوس پوری نہ ہوئیں) اس ضمن میں کئی ایک مسائل میں علماء اسلام سے انہوں نے اختلاف کیا۔ علماء اسلام نے ان کے جواب میں بکثرت کتابیں لکھیں خاکسار نے بھی کئی ایک کتابیں ان کے جواب میں شائع کیں جن میں ان دونوں طریق پر کافی بحث کی گئی کتابوں کے علاوہ اپنے اخبار ''اہل حدیث'' میں سالہا سال تک ان کا تعاقب کیا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے ایک اعلان شائع کیا جس کا نام ہے۔ ''مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ'' اس میں یہ کہا گیا جو جس کی زندگی میں مارا جائے وہ چھوٹا اور اسکو تین سو روپے انعام دیا جائے گا۔ مولانا صاحب کو آخر تین سو روپیہ وصول ہو گئے۔ اس رسالہ میں مرزا کے دعاوی کو بیان کیا گیا ہے۔ جن کی تعداد 16 ہے۔ مولانا نے ''اعذار اتباع مرزا'' کا عنوان قائم کیا۔ اس حوالے سے واضح ہوتا ہے کہ آخری فیصلہ والا اعلان محض دعا تھا۔ مباہلہ نہ تھا اور وہ دعا ضرور قبول ہو گی مگر نتیجہ وہی نکلا جو خدا کے علم میں تھا۔ یعنی کاذب صادق کی حیوۃ میں مر گیا۔ جبکہ حکیم نورالدین کو بصد حسرت یاس یہ لکھنا پڑھا:

''ہم تو اس بات کو اب بھی مانتے ہیں کہ حضرت (مرزا) صاحب کی بددعا اس کے حق میں منظور ہوئی وہ اس کا نتیجہ بھی انشاء اللہ دیکھ لے گا۔ ۲۵

پھر مولانا صاحب نے ناکامی مرزا کا عنوان قائم کیا جس کے تحت مرزا کے مختلف دعاوی کی تکذیب بڑے لطیف انداز میں بیان کی ہے۔ رسالہ کے آخر میں مولانا صاحب نے بیان کیا ہے۔ مرزا صاحب نے دعویٰ کیا کہ اونٹ بے کار ہو گئے اور ریل مکہ

مدینہ کے درمیان جاری ہے (ہر گز ہر گز نہیں) پس جس شخص نے کہا تھا مگر اس کا پورا نہ ہوا حالانکہ آج سے 22 سال پہلے فوت ہو چکا ہے اور آج تک ریل پائی نہیں کی اور مدعی آیا اور چلا گیا۔ افسوس......۲۶

علم کلام مرزا

مولانا غلام مصطفیٰ مولانا ثناء اللہ کی اس تصنیف لطیف پر ان الفاظ سے تبصرہ کیا ہے۔ میں نے اس رسالہ کا مطالعہ کیا میں نے اس کو مرزا کا قلعہ کو گرانے والا پایا۔ مؤلف نے ثابت کیا ہے کہ مرزا علم کلام محض اوہام کا مجموعہ ہے اور کچھ کام نہیں دیتا جو اس کی تعریف کرے وہ سخت اندھیرے میں گرتا ہے اور سراب کو پانی جانتا ہے۔ مولف رسالہ کو خدا اچھا بدلہ دے۔۲۷

مولانا محمد ابوالقاسم صاحب (سیف بنارسی اس کی تعریف کچھ یوں بیان کی۔ مولانا ممدوح کا زو بیان اور ہر فن میں ان کا کمال مسلم ہے بیک وقت ہر مخالف کا فوری اور مسکت جواب دیتے ہیں ایک طرف اہل بدعت سیر صنف کا الزامی و تحقیقی جواب لکھ رہے ہیں ایک طرف مرزائی قادیانی لاہوری کے خرافات کا ابطال فرماتے ہیں تو دوسری طرف ااہل قرآن چکڑالوی وغیرہ کی دھجیاں بکھیر رہے ہیں۔۲۸

مولانا ثناء اللہ مرزا صاحب کے علم الکلام کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ ہماری تحقیق تو یہ ہے کہ مرزا قادیانی کا علم کلام کسی سابق معتبر مذہب پر مبنی نہیں بلکہ محض اپنی ایجاد ہے مگر ہم نے بعض اتباع مرزا کی تحریرات میں دیکھا ہے کہ مرزا قادیانی کا علم کلام اصول اشاعرہ پر مبنی تھا۔۲۹

مولانا ثناء اللہؒ نے مرزائیوں کو چیلنج کیا تم اپنے مسیح کے لٹریچر کا تجزیہ کرو تو پتہ چل جائے گا اس نے اسلام کی خدمت کتنی کی۔ مثلاً کتنا فی صد حصہ مسیحیت کے اثبات کے لیے؟ کتنا گورنمنٹ برطانیہ کی وفاداری کی تعلیم میں؟ اور کتنا حصہ اسلام کے لیے؟ اس کے بعد فیصلہ آسان ہو جائے گا کہ مصنف صادق القول ہے یا مبالغہ گو شاعر؟ ۳۰

عجائبات مرزا

مولانا احمد علی صاحب تیسرانوالہ اس رسالہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔ مرزا غلام احمد نے دنیا کی تحقیق میں جو انوکھا ثبوت اپنی نبوت کا پیش کیا تھا۔ مولانا ثناء اللہ نے اس رسالہ میں مرزا صاحب کی عبارات ہی سے تضاد ثابت کرکے اس تحقیق کی تکذیب اور انہیں کے منہ سے ان کی نبوت مخترعہ کی تردید کرکے دکھائی ہے چونکہ مرزا بشیر الدین محمود بھی استدلال میں اپنے والد صاحب کے ہمنوا ہیں۔ اس کے خلیفہ صاحب نے اپنے والد (مرزا) کو دور جدید کا باوا آدم قرار دیا ہے۔ مولانا نے ثابت کیا ہے کہ خلیفہ کے استدلال کی بنا پر مرزا صاحب کی عمر ایک ہزار اکتیس سال ہوتی ہے یہ شرف مولانا کے حصہ میں آیا کہ ان کے قلم کو ہر رقم کے نکات دور حاضر کے دجال کے دجل کے لیے عصا موسیٰ کا کام دیتے ہیں۔۳۱

مولانا اس رسالہ کا اختتام کچھ اس طرح کرتے ہیں۔ سائل نے دنیا کی عمر چھ ہزار سال پیش کرکے سوال کیا خلیفہ صاحب نے چھ ہزار تسلیم کرکے موجودہ دور کی مدت بتائی جس کو پہلے حوالے میں سات ہزار کہہ چکے ہیں کیا مسیح ہے۔

کیونکہ مجھے باور ہو کہ ایفا ہی کریں گے کیا وعدہ انہیں کرکے مکرنا نہیں آتا

حسب استعداد معلوم فراہم اس کے نتائج پر غور کرنا ناظرین و قارین پر چھوڑ دیا ہے۔

ناقابل مصنف مرزا

مولانا ثناء اللہ اس رسالہ کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں۔ مرزا قادیانی سب سے پہلے بطور مصنف نمودار ہوئے تھے پھر مجدد بنے پھر ترقی کرکے مسیح موعود بنے ان ترقیوں کے ساتھ فن تصنیف میں ترقی کرتے گئے۔ یہاں تک کہ آپ کو سلطان القلم کا لقب ملا۔ (ریویو قادیان بابت اگست 1942) آپ کی دیگر پہلوئوں پر بے شمار کتب لکھیں گئیں مگر فن تصنیف پر کسی نے توجہ نہ دی۔ اس حوالے سے میں نے دو رسالے "علم کلام مرزا"، "عجائبات مرزا" شائع کیے مگر مرزا کی ذریت کو جواب دینے کے لیے ہمت نہ ہوئی۔ ان کے دلوں پر اثر یہ ہوا کہ اللہ دتہ نے قادیان کے سالانہ جلسہ منعقدہ دسمبر 1943 میں یوں گویا ہوئے۔ مرزا صاحب نے بطور متکلم نہیں بطور نبی کے متعارف کرانا چاہیے (الفضل قادیان، دسمبر 1943) مگر اس پہلو پر مولانا نے رسالہ "الہامات مرزا" لکھا ہے۔

مولانا اس رسالہ کا خلاصہ کچھ اس انداز سے پیش کرتے ہیں۔ مرزا قادیانی نہ مسیح موعود تھے نہ مجدد زمان نہ صاحب الہام یہاں تک کہ قابل مصنف بھی نہ تھے باجود اس کے ان کے اتباع محض انہی قلمی شہادت سے ان کو مسیح موعود مجدد اور تصنیف میں سلطان القلم سمجھتے ہیں۔ ۳۲؎

بہاء اللہ اور مرزا

مولانا ثناء اللہ اس رسالہ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔ آج ہم نے اس مضمون پر قلم اٹھایا اور کیوں؟

اس لیے کہ ہم ہمیشہ سے کہتے آئے ہیں کہ مرزا قادیانی کا دعوی دراصل شیخ بہاء اللہ ایرانی کے دعوی کی کاپی ہے مگر اس کو مستقل کتاب کی صورت میں ثابت نہیں کیا۔ اس میں بتایا کہ مرزا قادیانی دراصل بہاء اللہ کے پیرو تھے اس رسالہ میں ذرا وضاحت سے لکھتے ہیں۔ مولانا ثناء اللہ نے دونوں کی سوانح عمری پر تفصیل دی ہے۔ باب اول میں دونوں کے نبوت کے دعوی پر بحث کی ہے۔ دونوں کے نزدیک جہاد کی تنسیخ متفق علیہ مسئلہ ہے۔ دوسرے باب میں دونوں کے نبوت کے دعاوی پر روشی ڈالی ہے۔

اباطیل مرزا

جون 1934 یہ رسالہ چند مضامین کا مجموعہ ہے جو "اہل حدیث امرتسر" میں شائع ہوئے ان مضامین کی عنوانات یہ ہیں۔ "آہ"، "قادر خان کہاں گیا"، "لطف موکد بعذاب"، "زلزلہ بہار"، نکاح آسمانی"، "تقریر لائلپوری" یہ مضامین دو طرح کے ہیں۔

(1) ایسے مضامین جن سے مرزا صاحب کا کذب ثابت ہوتا ہے۔

(2) جن میں اس دور کے قادیانیوں کی پرفریب چالبازیوں کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔

مولانا سید محمد علی مونگیری کی تالیفات

حضرت مولانا محمد علی مونگیری کا وجود قادیانی امت کے لیے درہ عمر کی حیثیت عمر رکھتا تھا۔ رد قادیانیت کے عنوان پر کام کرنے والے حضرات کے لیے مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کی حیثیت مثالی شخصیت کی ہے۔ آپ نے اس عنوان پر گراں قدر

خدمات سرانجام دی ہیں جو رہتی دنیاتک امت مسلمہ کے لیے مشعل راہ اور فتنہ قادیانیت کے لیے سوہاں روح ہیں۔ان کے وجود سے اللہ نے فتنہ قادیانیت پر اتمام حجت کا کام لیا ہے وہ بلاشبہ اپنے دور میں امت مسلمہ کے لیے آیت من آیات اللہ تھے آپ کی رد قادیانیت پر چودہ رسائل و کتب میسر اور دستیاب ہیں۔

(1) مرزا قادیانی کا دعوی نبوت	(2) مرزا قادیانی کا دعوی نبوت وفضیلت
(3) عبرت خیز	(4) فیصلہ آسمانی حصہ اول
(5) فیصلہ آسمانی تتمہ حصہ اول	(6) فیصلہ آسمانی دوم
(7) فیصلہ آسمانی حصہ سوم	(8) دوسری شہادت آسمانی (اول۔دوم)
(9) تنزیہ ربانی از تلویث قادیانی	(10) معیار صداقات
(11) حقیقت المسیح	(12) معیار المسیح
(13) ہدیہ عثمانیہ و صحیفہ انواریہ	(14) حقیقت رسائل اعجازیہ مرزائیہ۔

فیصلہ آسمانی اول

اس رسالہ کی ابتدا میں حدیث کی رو سے آپ نے یہ بتایا ہے کہ کم فہم اپنے آپ کو دانا اور کم علم اپنے آپ کو دین کا ماہر گم راہ اپنے آپ کو ہادی کہہ رہے ہیں۔ متکبر اپنے آپ کو مجدد بلکہ اس سے بڑھ کر مہدی اور مسیح ہونے کا دعوی کر رہا ہے۔ ہندوستان میں مرزا صاحب اپنے آپ کو مسیح موعود اور مہدی معہود کا دعوی کیا ہے۔اس کے دعوے کو معلوم کرنے کے طریقوں میں پہلا طریقہ احادیث نبویہ ہیں۔ دوسرا طریقہ آثار و احادیث میں مسیح و مہدی کی علامات ہیں۔ تیسرا طریقہ مدعی کی حالات زندگی اور اس کا کردار ہے۔

اس کے بعد مہدی بیگم کی پشین گوئی پر پر کیف انداز سے بحث کی ہے۔ اس کے تین امور پر غور کرنا ضروری ہے (1) نکاح کا پیام کیوں اور کیسے دیا۔ (2)اس کے حصول کے لیے کون سی تدابیر ہیں۔ (3) نہ مقصد پورا ہونے میں کئی غیر اخلاقی حرکات کیں جس سے اس کا نفس کا بندہ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔اس کے دو چیزوں کی طرف توجہ سبذول کرائی گئی ہے۔ (1) مرزا صاحب کے اقوال اور پشین گوئیاں قابل غور ہیں جو ان سے سرزد ہوتیں۔ (2)اس پشین گوئی کو پورا کرنے کے لیے جو ہتھکنڈے اختیار کیے گئے اس سے ان کی شخصیت ہم پہلو سامنے آجاتی ہے۔اس کے بعد لڑکے کی پشین گوئی جو پوری نہ ہو سکی اس پر ایک جاندار تبصرہ موجود ہے۔ ۳۳؎

تتمہ فیصلہ آسمانی حصہ اول

مولانا صاحب رسالہ کے آخر میں کچھ اس طرح خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مرزا قادیانی نے جو بڑے زور و شور سے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (1) احمد بیگ کی لڑکی تیرے نکاح میں آئے گی اور ایک (2) ایسا عجوبہ لڑکا تجھے دیا جائے گا گویا اللہ تعالیٰ آسمان سے اتر آیا یا مثلاً (3) قادیان میں طاعون نہ آئے گا مگر ان وعدوں کا ظہور نہ ہوا اور نہ لڑکی نکاح میں آئی نہ اس عجوبہ لڑکے کا ظہور ہوا نہ قادیان طاعون کے ظہور سے بچا۔ اب مرزا جھوٹے ہوئے جاتے ہیں۔اس لیے حکیم صاحب اس کا جواب دینے میں مجبور ہوئے

اور غلبہ محبت امر حق کو قبول کرنے نہیں دیتا۔ بلکہ آمادہ کرتا ہے کہ جس طرح مرزا قادیانی کو اس الزام سے بچانا چاہیے اگرچہ خدا پر اور اس کے رسول پر الزام آئے اس لیے پہلے جواب تو ایسا دیا کہ جناب رسول کریم ﷺ پر الزام آیا کہ فلاں پیشین گوئی یا خواب آپ کا سچا خواب نہیں اور دوسرے جواب میں خدا تعالیٰ پر الزام ہے کہ وہ قدوس ہو کر وعدہ خلافی کرتا ہے۔ مرزا صاحب سے وعدہ کیے وہ پورے نہ کیے اور دوسرے جواب میں ایک بڑے بزرگ کو سند میں پیش کرتے ہیں مگر ظاہر ہو گیا کہ ان کی غلط فہمی تھی۔ مسلمانوں مرزا صاحب کے اور ان کے خلیفہ کے یہ جوابات میں اور یہ ان کے اقوال ہیں۔ اب تم ہی انصاف کرو کہ صدی کے مجدد اور وقت کے مسیح ایسے شخص ہو سکتے ہیں۔ ۳۴ے

فیصلہ آسمانی دوم

مولانا صاحب اس رسالہ کا خلاصہ کلام بیان کرتے ہیں۔ انتہائی درد مندی سے کہتا ہوں کہ اس رسالہ کو تحقیق اور انصاف کی نظر سے احمدی حضرات دیکھ لیں اور غور کریں۔ مرزا صاحب کا قول ہے۔ ’’ہمارا صدق یا کذب جانچنے کے لیے ہماری پشین گوئی سے بڑھ کر کوئی محک امتحان نہیں ہو سکتا‘‘۔ ۳۵ے

ہم نے مرزا صاحب کی عظیم الشان پشین گوئیوں کو حالات واقعات کی روشنی میں غلط ثابت کیا اور ان کا کذب اس سے ظاہر ہو گیا۔ مزید کسی کے لیے اس میں بحث کی گنجائش نہیں بشرطیکہ وہ عاقبت کے لیے ایک دروغ گو کی کیوں مطابقت کرے۔ مرزا صاحب نے اپنی پشین گوئیاں نہ پورے ہونے کی بنا پر آپؐ کی پشین گوئیوں کے پورا نہ ہونے کے بارے میں بحث کی مگر بحکم خدا آپ نے جو بھی پشین گوئی فرمائی وہ پوری ہوئی۔ اس کے حوالے سے مرزا صاحب نے صلح حدیبیہ اور غزوہ خندق کے پشین گوئیوں کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی تاکہ مرزا صاحب کی پشین گوئیوں کے کذب ہونے پر اعتراض نہ کر سکے۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں مالک ہوں گا بلکہ آپؐ نے فرمایا کہ وہ مالک ہوں گے یقیناً اس کا ظہور ہوا اور آپؐ کی تمام پشین گوئیاں پوری ہوئیں۔ مرزا صاحب کے اپنے بقول کہ پشین گوئی نہ پوری ہوئی تو وہ جھوٹا ہے تو اس کے مطابق مرزا صاحب کی ایک پشین گوئی بھی پوری نہ ہوئی تو اس سے بڑھ کر کون جھوٹا ہو سکتا ہے۔ مولانا نے ان دو رسالوں کو جو بغور پڑھ لے یقیناً اس پر واضح ہو جائے گا مرزا صاحب کا غلط ہونا قرآن مجید سے حدیث سے گذشتہ اور موجودہ حالات سے ثابت ہو گیا اور عقلاً بھی مرزا صاحب کا جھوٹا ہونا ثابت ہو گیا۔ اگر کوئی سچائی کو نہ مانے تو اس کو اللہ کے حضور اس کا بدلہ لینے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ ۳۶ے

فیصلہ آسمانی یعنی (دلائل حقانی)

مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ انہوں نے میری نشانیوں کے تکذیب کا ٹھٹھا کیا سو خدا ان کے لیے تجھے کفایت کرے گا اور اس عورت کو تیری طرف واپس لائے گا اس کے بعد قول خداوندی اسی طرح بیان کرتے ہیں۔ اس عورت کا واپس لانا ہماری طرف سے ہے اور بلاشبہ ہم ہی اس کرنے والے ہیں واپسی کے بعد ہم نے نکاح کر دیا۔ تیرے رب کی طرف سے سچ ہے تو شک کرنے

والوں میں سے نہ ہو اس کا نکاح ہونا اس وعدہ خداوندی کا پورا ہونا بیان ہوا ہے۔ بے شک ہم اس کو واپس لانے والے ہیں بلاشبہ ہم اس کو تیری طرف لائیں گے۔ ۳۷

یہاں تاکید سے محمدی بیگم سے نکاح کو پانچ بار وحی سے بیان کیا گیا ہے زمانہ نے بتا دیا کہ یہ اس کا جواب دیتے ہوئے مرزا صاحب لکھتے ہیں۔اس میں یہ شرط بھی تھی کہ اے عورت توبہ کر توبہ کر تو اس نے توبہ کر لی جس کی وجہ سے نکاح فسخ ہو گیا۔ ۳۸

اسی جواب کا غلط ہونا کئی وجوہات سے ثابت ہے۔ (1) اس کی وجہ سے اللہ کا عالم الغیب ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ (2) اس سے خدا خلاف وعدہ ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ (3) اس سے اللہ تعالیٰ قادر توانا، عالم الغیب والشادہ نہ ہونا ثابت ہوگا۔ (4) اس وعدے کا پورا نہ ہونا خدا کے تمام وعدے غیر معتبر ہوں گے۔ (5) یہ جملہ کہ عورت ضرور مرزا کے نکاح میں آئی گی نکاح کے منسوخ ہونے کی شرط نہیں ہو سکتا محض مرزا صاحب نے گھبر کر پشین گوئی نہ پوری ہونے کی وجہ سے مایوس ہوئے تو یوں بناوٹ کرنے لگے۔ (6) اس عورت نے توبہ نہیں کی شرط کسی طرح پوری نہیں ہو سکتی۔ (7) اگر مرزائیوں کی شرط مان لی جائے تو مرزا کے بقول نکاح کا ظہور ہونا چاہیے شرط مشروط لازم ملزم ہوتے ہیں مگر شرط تو پائی گئی مگر مشروط پورا نہ ہوا یعنی نکاح ہونے کی بجائے منسوخ ہو گیا۔ (8) توبہ کی شرط کہنا اس کی بنیاد پر نکاح کا فسخ بتانا مغالطہ ہے اور اس کے اسی اولاد کی پشین گوئی بھی غلط ہو گئی۔ ۳۹

جب ان پشین گوئیوں کا غلط ہونا ثابت ہو گیا تو کسی مدعی نبوت کی ایک پشین گوئی بھی جھوٹی ثابت ہو جائے تو وہ جھوٹا ہوتا ہے۔ ۴۰

دوسری شہادت آسمانی

مولانا اس رسالہ میں مرزا صاحب کا کاذب ہونا نو طریقوں سے ثابت کر دیا ہے:۔

(1)۔ ان کے دعوی نبوت سے مسلمانوں کو دینی و دنیاوی نقصان ہوا یعنی تھوڑے مسلمانوں کے علاوہ چالیس کروڑ مسلمان جہنمی ہو گئے۔

(2)۔ غیر معتبر روایت کو اپنے مدعا کے ثبوت کے لیے درست قرار دیا۔ (3) غیر معتبر روایت کو درست ثابت کرنے کے لیے صریح دھوکے سے کام لیا۔

(4)۔ ایک معمولی گرہن کو آسمانی شہادت قرار دیا۔ (5) تمام انبیاء اولیاء اور جن مسلمان علماء نے اس جھوٹے دعوی کو قبول نہیں کیا ان کو غیر مہذب طریقے سے مخاطب کیا۔

(6)۔ حدیث میں اپنی طرف سے اضافہ کیا۔

(7)۔ حدیث کے غلط مطلب نکالے جو اہل علم پر پوشیدہ نہیں۔

(8)۔ گہن کا بینظیر اور خارق عادت ہونا روایت کے ہر جملہ سے اظہر من الشّمس ہے مرزا قادیانی کہتے ہیں کہ کسی لفظ سے ثابت نہیں ہوتا۔

(9)۔ اپنے بیان سے ظاہر کیا کہ امام مہدی رسالت و نبوت کا دعوی کریں گے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد سچے رسول نبی آئیں گے حالانکہ قرآن و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

تنزیہ ربانی از تلویث قادیانی

مولانا اس کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کئی لوگوں نے دعوے کئے بہت سے لوگوں نے ان کے جھوٹا ہونے کے باوجود سچا سمجھ کر مان لیا اس طرح نویں صدی محمد جونپوری نے دعوی کیا اور تیرھویں صدی محمد علی بابی نے ایران میں دعوی کیا اس وقت تک اس کے ماننے والوں کی کثیر تعداد ہے چودھویں صدی میں مرزا صاحب نے دعوی کیا مگر کوئی ہندو، آریہ اور عیسائی مسلمان نہیں ہوا مگر چند مسلمان اس کے معتقد ہو گئے چند علماء اس کے ہمنوا بن گئے بعض گمراہ عقائد کو وہ قرآن مجید سے ثابت کرتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے جھوٹ اور مخالفت کو منافقت کی نشانی قرار دیتے ہوئے انتہائی اسکو کریہ عادت قرار دیا مگر مرزا قادیانی کا عقیدہ ہے کہ خدا جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ خلافی کرتا ہے اگر ایسی بات ہے تو اس کے ماننے والے اس کے رسولوں پر کیسے ایمان لا سکتے ہیں۔ اس کے ضمن میں قرآنی آیات سے استنباط کرتے ہیں۔[۱۴]

مولانا صاحب نے ان کے غلط عقاید کا بڑی تفصیل سے جواب دیا ہے۔ محمدی بیگم کے بارے میں پشین گوئی نہ پوری ہونے پر غیر متعلقہ شرط کو اس واقعہ سے مشروط کر دیا مولانا صاحب نے اس غلط فہمی کی پانچ وجوہات بڑے لطیف پیرائے میں بیان کیں ہیں۔ اگر اس رسالہ کو حق کی نیت پڑھے تو اس کے دل پر جو شکوک و شبہات کا غبار پڑا ہوا ہے وہ صاف ہو جائے۔

معیار صداقت

مولانا صاحب نے کتاب کے مقدمے میں لکھا ہے۔ مرزا قادیانی نے اپنے دعوے کے ثبوت کے لیے پیشن گوئیاں پیش کیں ہیں ان میں سے دو مہتم بالشان ہیں جن کو مرزا قادیانی نے اپنے دعوی کو نہایت عظیم الشان نشان بتایا ہے۔ (1) احمد بیگ کی لڑکی میرے نکاح میں آئے گی (2) سلطان محمود اس کا شوہر میرے روبرو مرے گا۔ بڑی تفصیل سے ان پشین گوئیوں کے بطلان پر روشنی ڈالی ہے۔[۴۲]

مولانا صاحب اس کتاب کے ضمیمہ میں لکھتے ہیں: مرزا قادیانی کی صداقت کا بڑا معیار دیکھیں اور فیصلہ کریں کہ اس کی وجہ سے کیا کیا چھوڑنا پڑے گا اور کن خطرناک باتوں کو ماننا پڑے گا۔ مولانا صاحب نے بڑے لطیف پیرائے میں آٹھ چیزوں سے ہمیں دست بردار ہونا پڑے گا۔ اگر ہم مرزا صاحب کو صادق مانیں اور آٹھ قسم مغلطات پر ایمان لانا پڑے گا:۔

(i) خدا جھوٹ بولتا ہے۔
(ii) قرآن کی رو سے خدا وعدہ خلاف ہے۔
(iii) قرآن کی وعدہ اور وعیدیں غیر یقینی ٹھہریں گی۔
(iv) اللہ تعالیٰ ہر چیز میں محو و ثبات کرتا ہے۔
(v) تمام احادیث غیر معتبر ہیں۔
(vi) مرزا صاحب کے بقول تمام خلفاء، آئمہ، محدثین اور تمام اولیاء کے کام بے کار ہیں۔
(vii) حضور نبی کریمؐ کی پیشین گوئیاں پوری نہیں ہوئیں۔
(viii) جو مرزا پر ایمان نہ لائے وہ کافر ہے۔

قادیانیت مطالعہ و جائزہ

یہ کتاب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ہے جس کو مجلس نشریات اسلام 1۔کے۔2 ناظم آباد مینشن، ناظم آباد نمبر1 کراچی نے شائع کیا ہے۔ یہ کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب 188 صفحات پر مشتمل ہے۔ مولانا ابوالحسن ندویؒ اس کتاب کی تالیف کی تحریک پر روشنی ڈالتے ہیں۔ دسمبر 1957 کے آخر اور 1958 جنوری کے اوائل میں پنجاب یونیورسٹی کے زیر اہتمام مجلس مذاکرات اسلامی کا انعقاد ہوا۔ جس میں عالم اسلام اور مغربی ممالک کے اہل علم واہل فکر نے شرکت کی خصوصاً شرق اوسط کے سرکردہ علماء نے اپنے ملک کی نمائندگی کی اس مجلس میں شرکت کے لیے مصر، شام و عراق کے علماء و اساتذہ آئے تھے۔ انہوں نے ہندوستان و پاکستان کے مشہور مذہبی تحریک ''قادیانیت'' اور اس کے اساسی عقائد و خیالات کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ یہ ان کا قدرتی امر تھا۔ اسی زمین میں اس تحریک کا ظہور ہوا اور یہیں سے اس کے متعلق مستند معلومات اور مواد حاصل ہو سکتا ہے۔ اس موقع پر برصغیر پاک و ہند کے علماء کو اس خلا کا شدت سے احساس ہوا کہ ان کو پیش کرنے کے لیے عربی میں جدید طرز کی کوئی کتاب نہیں۔ اس احساس کا نتیجہ تھا کہ میں جب لاہور پہنچا تو میرے شیخ و مربی حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری نے اس موضوع پر عربی میں ایک مکمل تالیف کا حکم دیا۔ عربی ممالک کے قیام دوران اس بات کا احساس بار بار ہوا مگر اس طرف توجہ کرنے کی نوبت نہ ہوئی۔ موضوع کے متعلق اس وقت مولانا صاحب کا ذوق قادیانی ادب اور خود مرزا صاحب کی تالیفات کے مختصر سے مختصر حصہ کے مطالعہ کے لیے بھی کبھی آمادہ نہ ہوسکے۔ اس سے مکمل ناواقفیت تھی۔ لیکن اس تحریک نے اس موضوع کی طرف توجہ دلائی۔ چند ہی دن قیام گاہ کا ایک کمرہ قادیانی ادب کتب خانہ اور دارلتصنیف بن گیا اور پورے انہاک کے ساتھ اس پر کام کیا ایک پورا مہینہ اس موضوع پر مشغول رہا اس مطالعہ و جستجو کا نتیجہ وہ عربی کتاب تھی جو ''القادیانی والقادیانیہ'' (مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کی تحریک قادیانیت) کے نام سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کے مکمل ہونے پر مولانا عبدالقادر صاحب نے حکم دیا کہ اس کا اردو ترجمہ بھی کیا جائے چونکہ اس ترجمہ میں اصل عبارتوں کو نقل کرنا تھا۔ اس لیے دوبارہ پورے کتب خانہ کی ضرورت پیش آئی جو لاہور میں فراہم کیا گیا۔ پھر مولانا صاحب نے لاہور میں جا کر اس کتاب کو اردو میں منتقل کیا اس کو ترجمہ کہنے کی بجائے ایک الگ تصنیف کہا جائے تو قرین انصاف ہوگا۔ پوری احتیاط کے ساتھ اس کو اصل مآخذ سے تیار کیا گیا ہے۔

مولانا صاحب نے اس کتاب کی تیاری میں مولانا الیاس برنیؒ کی کتاب سے استفادہ کیا جس سے اصل مآخذ تک اس کے ذریعے سے رسائی ہوئی۔ ۴۳

ذیل میں مولانا ابوالحسن ندویؒ کی کتاب ''القادیانیت'' سے کچھ حوالہ جات پیش کیے جاتے ہیں جن سے مرزا صاحب کی سیرت و کردار پر ان کا بے لاگ تجزیہ معلوم ہوتا ہے آپ لکھتے ہیں۔

ملازمت اور مشغولیت

مرزا صاحب نے سیالکوٹ شہر میں ڈپٹی کمشنر کی کچہری میں قلیل تنخواہ پر ملازمت کرلی تھی۔ وہ عرصہ 1964 سے 1968 تک چار سال اس ملازمت میں رہے۔ ۴۴

اسی زمانے میں انہوں نے مختاری کا امتحان دیا لیکن اس میں ناکام رہے۔ ۴۵

1868 میں وہ اس ملازمت سے مستعفی ہو کر قادیان آگئے اور بدستور زمینداری کے کاموں میں مشغول ہو گئے مگر اکثر حصہ وقت کا قرآن شریف کے تدبر اور تفسیروں اور حدیثوں کے دیکھنے میں صرف ہوتا تھا۔ ۴۶ ؎

اخلاق و اوصاف

فرط استغراق میں دائیں بائیں جوتے کا امتیاز مشکل ہو جاتے تھے۔ مرزا بشیر احمد ایم اے لکھتے ہیں: ایک دفعہ کوئی شخص آپ کے لیے گرگابی لے آیا آپ نے پہن لی مگر اس کے الٹے سیدھے پاؤں کا آپ کو پتہ نہیں لگتا تھا۔ کئی دفعہ الٹی پہن لیتے تھے۔ پھر تکلیف ہوتی تھی بعض دفعہ الٹا پاؤں پڑ جاتا تو تنگ ہو کر فرماتے ان کی کوئی چیز بھی اچھی نہیں۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا میں نے آپ کی سہولت کے لیے الٹ سیدھے پاؤں کے لیے نشان لگا دیئے تھے۔ مگر باوجود اس کے آپ الٹا سیدھا پہن لیتے تھے اس لئے آپ نے اسے اتار دیا۔ ۴۷ ؎

وفات

مرزا صاحب نے 15 اپریل 1907 کو ایک اشتہار جاری کیا جس میں مولانا ثناء اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر کیا۔ اگر میں ایسا ہی کذاب و مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہلاک ہو جاؤں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد و کذاب کی عمر لمبی نہیں ہوتی اور آخر ذلت و حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ناکام ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کا ہلاک ہونا بہتر ہوتا ہے۔ تاکہ خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے اور اگر میں کذاب و مفتری نہیں اور خدا کے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ سنت اللہ کے موافق کے مکذبین اللہ کی سزا سے نہیں بچیں گے پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ خدا کے ہاتھوں سے ہے یعنی طاعون، ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں وارد نہ ہوئیں تو میں خدا کی طرف سے نہیں۔ ۴۸ ؎

جبکہ مولانا ثناء اللہ صاحب نے مرزا صاحب کی وفات کے پورے چالیس برس بعد 15 مارچ 1948 میں اسی برس کی عمر میں وفات پائی۔

اس اشتہار کے ایک سال بعد 26 مئی 1908 کو مرزا صاحب بمقام لاہور بعد عشاء اسہال میں مبتلا ہوئے بالآخر 26 مئی سہ شنبہ کو دن چڑھے آپ نے انتقال کیا۔ مرزا صاحب کے خسر میر ناصر نواب صاحب کا بیان ہے:

حضرت مرزا صاحب جس رات کو بیمار ہوئے اس رات کو میں اپنے مقام پر جا کر سو چکا تھا جب آپ کو بہت تکلیف ہوتی تو مجھے جگایا گیا تھا میں جب حضرت صاحب کے پاس پہنچا تو آپ نے مجھے خطاب کرکے فرمایا۔ میر صاحب مجھے وبائی ہیضہ ہو گیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے کوئی ایسی صاف بات میرے خیال میں نہیں فرمائی یہاں تک کہ دوسرے دن دس بجے کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔ ۴۹ ؎

حکیم نور الدین بھیروی

بعض اہل نظر کا خیال ہے کہ حکیم صاحب اس پورے سلسلے میں دماغ کا درجہ رکھتے ہیں اور اس تحریک و نظام کا علمی و فکری سرچشمہ ان کی ذات ہے۔ حکیم نور الدین 1841 کو شاہ پور ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد حافظ غلام رسول

بھیرہ کی ایک مسجد کے امام تھے۔ والدہ سے پنجابی زبان میں فقہ کی تعلیم پائی۔ مختلف حضرات سے تعلیم پائی درس حدیث بھوپال میں مولانا مفتی عبدالقیوم سے حاصل کیا۔ علم کی تکمیل کے بعد حرمین شریفین کا قصد کیا۔ ۵۰؎

1894 میں ملازمت کو چھوڑ کر اپنے وطن بھیرہ چلے گئے۔ انہوں نے اپنی زندگی مرزا صاحب کی حمایت اور تحریک کی دعوت و اشاعت کے لیے وقف کر دی۔ مرزا صاحب کی وفات کے بعد خلیفہ اول قرار پائے خلیفہ المسیح الموعود اور نور الدین اعظم ان کا خطاب ہوا۔ کچھ لوگوں نے ان پر اعتراضات کیے تو انہوں نے کہا۔

میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے خدا ہی نے خلیفہ بنایا سو اب کس میں طاقت ہے کہ وہ خلافت کی ردا کو مجھ سے چھین لے اللہ کی مشیت نے چاہا اور اپنے مصالح سے چاہا مجھے تمھارا امام و خلیفہ بنا دیا۔ ہزار نالائقیاں مجھ پر تھوپو مجھ پر نہیں خدا پر لگیں گی جس نے مجھے خلیفہ بنایا ہے۔ ۵۱؎

وفات

گھوڑ سے گر کر زخمی ہوئے اسی وجہ سے 13 مارچ 1914 کو انتقال کیا۔ وفات سے چند روز پہلے زبان بند ہو گئی۔ ۵۲؎

براھین احمدیہ کا اثر اور اسکا رد عمل

محمد حسین بٹالوی نے اس کو بڑے شاندار الفاظ میں سراہا اسکو عصر حاضر کا علمی کارنامہ قرار دیا۔ مگر بعد میں اس میں وارد شدہ الہامات کی وجہ سے مرزا صاحب کے حریف بن گئے۔ جبکہ لدھیانوی علماء کو یہ نظر آنے لگا کہ یہ شخص نبوت کا دعوی کرنے والا ہے۔ امرتسر کے علماء نے ان الہامات کی مخالفت کی اور اس کو مستبعد قرار دیا ہے۔ ۵۳؎

رخ کی تبدیلی

مرزا صاحب کو اپنی دو کتابوں (براہین احمدیہ۔ سرمہ چشم آریہ) کے لکھنے کے بعد اپنی شخصیت کا ایک نیا انکشاف ہوا ان کو اپنی تحریری و متکلمانہ و مناظرانہ صلاحیتوں کا علم ہوا اور ان کو اندازہ ہوا کہ ان میں اپنے ماحول کو متاثر کرنے اور ایک نئی تحریک و دعوت کو چلانے کی اچھی استعداد ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس انکشاف نے ان کے ذہن میں ایک نئی تبدیلی پیدا کی اب ان کا رخ عیسائیوں اور آریہ سماجیوں سے مناظرہ کرنے کے بجائے خود مسلمانوں کو دعوت مناظرہ و مقابلہ دینے کی طرف ہو گیا۔ ۵۴؎

مرزا صاحب مثیل مسیح ہونے کے مدعی

مرزا صاحب نے حکیم نور الدین کی تجویز کو قبول کیا اور تھوڑے ہی دنوں میں انہوں نے "مثیل مسیح" ہونے کا دعوی اور اعلان کیا۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں:

"مسلمانوں ار عیسائیوں کا کس قدر اختلاف کے ساتھ یہ خیال ہے کہ حضرت مسیح بن مریم اسی عنصری وجود سے آسمان کی طرف اٹھائے گئے ہیں اور پھر وہ کسی زمانہ میں آسمان سے اتریں گے میں اس خیال کا غلط ہونا اپنے اسی رسالہ میں لکھ چکا ہوں کہ اس نزول سے مراد در حقیقت مسیح ابن مریم کا نزول نہیں بلکہ استعارہ کے طور پر ایک مثیل مسیح کے آنے کی خبر دی گئی ہے۔ جس کا مصداق حسب اعلام و الہام الٰہی یہی عاجز ہے"۔ ۵۵؎

مستقل نبوت

خطبہ الہامیہ میں مرزا صاحب فرماتے ہیں۔اس طرح ہمارے نبی کریمؐ کی روحانیت نے پانچویں ہزار میں اجمالی صفات کے ساتھ ظہور فرمایا اور وہ زمانہ اس روحانیت کی ترقی کی منتھی نہ تھا بلکہ اس کے کمالات کی معراج کے لیے پہلا قدم تھا۔ پھر اس روحانیت نے چھٹے ہزار کے آخر میں یعنی اس وقت پوری طرح سے تجلی فرمائی جیسا کہ آدم چھٹے دن کے آخر میں احسن الخالقین خدا کے اذن سے پیدا ہوا اور خیر الرسل کی روحانیت نے اپنے ظہور کمال کے لیے اور اپنے نور کے غلبہ کے لیے ایک مظہر اختیار کیا جیسا کہ خدا تعالیٰ نے کتاب مبین میں وعدہ فرمایا پس میں وہی مظہر ہوں وہی نور معمود ہوں۔

مالی اعتراضات

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے زمانے میں ان کی نگرانی میں لنگر کا جو انتظام تھا۔اس سے بہت سے مخلصین مطمئن نہیں تھے ان کے نزدیک اس میں بہت سی بد عنوانیاں ہوتی تھیں۔اس بحث نے بہت طول کھینچا معترضین میں خواجہ کمال الدین پیش پیش تھے اور مولوی محمد علی صاحب مؤید تھے جب یہ باتیں مرزا صاحب تک پہنچیں تو مرزا صاحب نے یہ ارشاد فرمایا:

''مجھے پختہ ذریعے سے معلوم ہوا ہے کہ مسیح موعود نے بہت اظہار رنج فرمایا کہ باوجود میرے بتانے کے خدا کا منشاء یہی ہے کہ میرے وقت میں لنگر کا انتظام میرے ہی ہاتھ میں رہے اور اگر اس کے خلاف ہو تو لنگر بند ہو جائے گا مگر خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ یہ انتظام ہمارے سپرد کر دو اور مجھ پر بد ظنی کرتے ہیں۔۵۶؎

مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین

اس کتاب کے مولف مولانا محمد نافع ہیں اور اس کے ترتیب دینے والے مولانا مشتاق احمد قاسمی ہیں۔ اس کتاب کو دارالکتب، کتاب مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور والوں نے طبع کیا ہے۔ یہ کتاب 199 صفحات پر مشتمل ہے۔ مولانا مشتاق احمد صاحب اس کتاب کا مختصر تعارف اور اس کے لکھنے کی وجہ بیان کی ہے۔ علمائے امت نے اس انگریز کے قائم کردہ فتنہ قادیانیت سے ہر اعتبار سے مقابلہ کیا مسلمانوں کو بیدار کیا اور عدالت میں قادیانیوں کو لائے۔ قومی اسمبلی کے ذریعے سے کافر قرار دلوا کر اقلیت قرار دیا۔ قادیانیوں نے اسلاف کے اقوال اور معانی کو غلط رنگ میں پیش کیا۔ان کے اس مکر و فریب سے آگاہ کرنے کے لیے مولانا محمد نافع کو توفیق نصیب ہوئی۔

اس کتاب کی تالیف کی وجہ بیان کرتے ہیں۔ قادیانیوں نے 1953 میں روزنامہ ''الفضل'' کا ''خاتم النبیین'' نمبر شائع کیا۔انہوں نے حسب عادت بزرگ دین پر الزام لگایا کہ وہ عقیدہ اجرائے نبوت کے قائل ہیں۔اس سلسلے میں ڈاکٹر خالد محمود، مولانا لال حسین اختر اور مولانا محمد نافع نے قلم اٹھایا۔اول الذکر دو حضرات نے اختصار سے کام کیا مگر محمد نافع کی کتاب مفصل ہے۔اس کتاب کی تالیف میں مندرجہ ذیل چھ امور کا خاص خیال رکھا ہے۔یعنی اس کتاب کے اہم مآخذ یہ ہیں۔

(1)۔ مولانا منظور احمد چنسیوٹی اور مولانا نافع کی تحریر میں فرق کرنے کیلئے استدراک کا عنوان قائم کرکے اپنی

تحریر کاآغاز کیا ہے۔

(2)۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے علوم سے خصوصی استفادہ کیا۔

(3)۔ علامہ خالد محمود کی کتاب سے اکتساب کیا۔

(4) قادیانیوں کے اصل کتابوں سے حوالہ دیا۔

(5) مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی کتاب تحفہ قادیانیت سے استفادہ کیا ہے۔

(6) احتساب قادیانیت کی چودہ جلدوں سے استفادہ کیا ہے۔

اس کتاب میں حضرت عائشہؓ، حضرت علیؓ، شیخ محی الدین ابن عربی، مولانا جلال الدین سیوطی، حضرت مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ، مولانا قاسم نانوتوی، مولانا عبد الحئی لکھنوی، علاہ ابن حجر، عبدالکریم جبلی، علامہ عبدالواہاب شعرانی اور امام مالکؒ جیسے عظیم المرتبت علماء کی عبادات پر غلط الزامات لگا کر اپنے مطلب برابری کے لیے ان سے قادیانیوں جو استنباط کیا ہے اس کا مفصل جواب دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے لا ینحل مسائل کا حل انتہائی آسان پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔

ان مذکورہ اسلام کی عبارتوں میں تحریف و تاویل کرکے قادیانی مربیوں نے اسلاف پر بہت بڑا بہتان باندھا ہے۔ بڑی چالاکی سے یہ افتراء عظیم تیار کیا ہے کہ صحابہ کے زمانہ سے لے کر تیرھویں صدی کے بزرگ و عالم دین کو الزام میں شریک کیا گیا ہے۔ کہ وہ اجرائے نبوت کے عقیدہ کے قائل تھے۔ ان پر لگائے گئے ان الزامات کا جواب دینا مقصود ہے تاکہ عام مسلمانوں کو شک و شبہ نہ ہو اس احتمال کے باعث کہیں وہ امت محمدیہ سے کٹ کر رہ نہ جائے۔ قادیانی حضرات نسخ کے حوالے سے جو اعتراضات کرتے ہیں ان کا تفصیل طلب جواب دیا گیا۔ اس فصل کے آخر میں مولانا فتح لکھتے ہیں :

تمام امت مسلمہ نسخ کی قائل ہے۔ اول یہود طعن فی الدین کے طور پر اس کے منکر ہوئے ہیں۔ پھر معتزلہ نے اس کج بحثی کو جمہور امت کا خلاف کرکے اپنایا۔ اب یہ مرزائی امت انہیں خوردہ فرسودہ اقوال کو اور مردوہ و مطرودہ دلائل کو پھونک بھانک کر اپنے دامن تقدس میں جمع کرکے عامۃ المسلمین کو دھوکہ میں ڈال رہی ہے۔ مرزائیوں نے دوسرے اباطیل دعاوی کی طرح "مسئلہ نسخ" میں بھی دجل فریب سے کام لیا ہے۔ ما ننسخ من آیۃ سے اثبات نسخ کے جوابات انہوں نے ابو مسلم معتزلی کے ہی دلائل سرقہ کرکے نئے طریقے سے پیش کئے ہیں جس میں اپنا علمی کمال ظاہر کر رہے ہیں اور اپنی جدت تحقیق کا پرچار کر رہے ہیں یہ ان کی اپنی تحقیقات نہیں بلکہ ان کے بیشتر و چند معتزلی لوگوں کے اقوال زائغہ ہیں یہ بے چارے ان کے خوشہ چین ہیں۔ ۵۷

مولانا محمد نافع محی الدین بن عربی کے حوالے جو اعتراضات مرزائیوں کی طرف کیے گئے ان جوابات بالتفصیل دینے کے بعد چند نکات میں ان کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

☆ حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر نبوت ختم ہو چکی ہے البتہ بعض کمالات نبوت باقی ہیں۔ جیسے مبشرات یعنی اچھے خواب... نبوت کے بعض اجزاء باقی رہ جانے کی وجہ سے نبوت کے جارے ہونے پر استدلال کرنا ایسا ہی ہے جیسے جزو کو کل، ایک اُنگلی کو ہاتھ ایک بازو کو انسان کہہ دینا۔

☆ شیخ ابن عربیؒ کا ختم نبوت کے متعلق وہی نظریہ ہے جو جمہور امت کا ہے۔ البتہ شیخ نے صرف تشریعی نبوت بند ہونے کی

بات حضرت عیسیٰؑ کے نزول کے پیش نظر لکھی ہے۔

☆ شیخ اکبر نے بعض جگہ اجرائے نبوت کو نبوت سے تعبیر کیا ہے۔اگرایسی عبارات ان کی طرف سے صحیح مان لی جائیں تو جواب یہ ہے کہ شیخ صاحب کی مخصوص اصطلاح ہے ہمارے دعوے کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ امت میں سے الہامات و مبشرات کا درجہ پانے والوں کو شیخ نے کسی جگہ ایسا نبی نہیں قرار دیا ہے جس پر جبرائیلؑ وحی لائے ہوں اور واجب الاتباع ہو۔

☆ علامہ شعرانی کے نزدیک یہ بات یقینی اور ناقابل تردید ہے کہ شیخ ابن عربی کی کتب میں کافی ردوبدل کیا گیا۔اس اعتبار سے بھی اجرائے نبوت کا شبہ پیدا کرنے والی عبارات ان کی طرف منسوب کرنا درست نہ ہوگا۔

☆ مرزا صاحب نے ابن عربی کو ملحد اور زندیق قرار دیا ہے جبکہ مرزا صاحب کے ماننے والے اجرائے نبوت کے اثبات کے لیے ابن عربی کا سہارا لیتے ہیں۔

☆ ابن عربی اپنی مخصوص اصطلاحات کے باوجود متعدد مقامات پر واضح الفاظ میں ختم نبوت کا اعتراف کرتے ہیں۔۵۸ؕ

مولانا صاحب نے رفع و نزول عیسیٰؑ کے متعلق چند مغالطوں کا تحقیقی جواب دیا وہ یہ ہیں۔:۔

(i)ہبیرہ بن مریم کی روایت اور اس پر کلام

(ii)امام مالک کی طرف منسوب مات عیسی بن مریم کے جوابات

(iii)ابن حزم الظاہری کا قول اور اسی کا جواب

(iv)حیات عیسیٰؑ پر ابن کثیر کا حوالہ، اس پر شیخ فہیم ابو عبیدہ کا حاشیہ اور اس کا جواب یعنی اس کے مغالطوں کا جواب۔۵۹ؕ

غایت المرام

یہ تصنیف لطیف مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی ہے علامہ صاحب محقق زماں شخصیت تھے قدرت نے آپ کو دینی و دنیاوی دونوں علوم سے بہرہ ور فرمایا تھا۔آپ ریاست پٹیالہ کے سیشن جج تھے۔آپ نے متعدد کتب لکھیں۔ سیرت النبیؐ پر آپ کی شہرہ آفاق کتاب ''رحمۃ اللعالمین'' ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے انگریزی دور استبداد میں اپنی جھوٹی میسحیت و نبوت کے جھوٹے دعوی کیئے۔ مرزا قادیانی کی توضیح مرام، فتح اسلام اور ازالہ اوہام کے رد میں آپ نے اپنی غایت المرام تصنیف فرمائی۔اس کے سات ابواب ہیں جن کی تفصیل فہرست میں ہے۔پوری کتاب انتہائی تہذیب و متانت سے مرزا قادیانی کے دعاوی جدیدہ کے رد میں عالمانہ مباحث پر مشتمل ہے۔پہلی بار یہ کتاب 1891 میں شائع ہوئی۔کچھ عرصہ بعد دوبارہ شائع ہوئی عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے لیے مقام اعزاز ہے کہ ایک سو گیارہ سال بعد اسے شائع کیا جارہا ہے۔ یہ کتاب مرزا قادیانی کے زمانہ حیات میں شائع ہوئی۔اس کی اشاعت اول کے بعد سترہ سال تک مرزا قادیانی زندہ رہا۔ لیکن جواب دینے کی اسے جرأت نہ ہوئی۔ مصنف مرحوم نے یہ کتاب لکھ کر مرزا قادیانی کے کفر پر اتمام حجت کر دیا۔۶۰ؕ

مولانا قاضی محمد سلیمان اس رسالہ لکھنے کی وجہ بتاتے ہیں: جب مرزا صاحب نے فتح الاسلام اور توضیح المرام دو رسالے لکھے تو اس کے بعد یہ رسالہ جواباً لکھا۔ میں یہ رسالہ مرزا صاحب تک پہنچانا چاہتا تھا۔ مگر اس کی طرف سے یہ کہہ کر مجھے روک دیا

گیا کہ مرزا صاحب کی طرف سے ایک اور رسالہ ازالہ اوہام منظر عام پر آنے والا ہے۔ مولانا صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس کو غیر جانبدار ہو کر پڑھا۔ اللہ کے حضور گڑگڑا کر دعا کی جس قدر دعا کی اسی قدر میرا فکر سلیم اور دقیق ہوتا گیا۔ اسی قدر ان رسالوں کی خامیاں مجھ پر منکشف ہوتی گئیں۔اس طرح مجھے مضامین لکھ کر شائع کرنے کی جرأت ہوئی۔[61]

مولانا صاحب نے ابتدا میں حضورؐ کی تشریف آوری پر عرب کی موجودہ حالت پر بڑی پر کیف گفتگو کی ہے۔ مولانا صاحب نے حضرت مسیح علیہ السلام کے دوبارہ اس دنیا میں آنے کا عنوان قائم کیا جس میں احادیث مبارکہ کے ذریعے معنی خیز گفتگو رقم فرمائی پھر مرزا صاحب کا من پسند ان احادیث کو غلط معنی کا لباس پہنایا ہے اس کو ذکر فرمایا۔ اس کے بعد انجیل کے ذریعے حضرت عیسیٰؑ پر روشنی ڈالی ہے۔ حالانکہ انجیل میں تحریف ہو چکی ہے مگر انجیل کی وہ باتیں جو احادیث کی مؤید ہوں وہ قابل اعتماد ہیں۔ پھر احادیث نبویہ کے ذریعے اس پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ جبکہ مرزا صاحب حدیث کے مختصر حصہ کا مفہوم اپنے مطلب کے لیے تین اوراق سیاہ کر ڈالے ہیں اور جہاں اس حدیث کے حصہ کی تاویل کرنے سے عاجز رہے اس کا ترجمہ کرنا بھی قابل اعتناء نہ سمجھا۔ مولانا صاحب نے اس کتاب کا دوسرا باب استعارہ و مجاز پر محققانہ گفتگو کی ہے۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

جس طرح مسلمان مسیح نزول من السماء کے منتظر ہیں۔ اسی طرح یہود ایلیا کے ہیں آنے والے ایلیا کی نسبت مسیحؑ نے یہ فیصلہ دیا کہ وہ یوحنا ہے اور اسی خاصیت و طبع و قوت کا لڑکا زکریا کے گھر میں پیدا ہوا تھا۔ یہود نے اس فیصلہ کو غلط سمجھا اور دو نبیوں یعنی مسیح و یوحنا کے مکذب ٹھہرے۔ مسلمان اگر مسیح کو سچا مانتے ہیں۔ اگر قرآن جو تصدیق مسیح کرتا ہے۔ سچی کتاب جانتے ہیں ان کو لازم ہے کہ مسیح کے فیصلہ پر عمل کریں اور آنے والے مسیح سے اسی خاصیت و طبع و قوت کا شخص (جو رزا قادیانی اپنے آپ کو فرماتے ہیں مراد لیں ورنہ قرآن و مسیح کے مکذب ٹھہریں گے۔[62]

مولانا قاضی سلیمان منصور پوری نے مرزا صاحب کی اس طرح تردید کی ہے۔ اگر انجیل کا یہ بیان ہے کہ مسیح یوحنا کو ایلیا بتلایا تو انجیل کا ہی بیان ہے کہ خود یوحنا نے ایلیا ہونے سے انکار کیا ہے۔ چیلہ نے اپنے گرو کو بنانا چاہا مگر وہ نہ بنا۔ مسیح جو دوسرے کے بارے میں کہہ رہا ہے وہ سچا ہے یا یوحنا جو خود اپنے حال کی خبر دیتا ہے وہ صادق ہے۔ نبی دونوں ہیں اور دونوں سچے ہیں قصہ جھوٹا ہے۔ مرزا صاحب اپنے دعوی کے لیے کوئی اور مثال پیش کریں۔

مولانا صاحب نے اس کتاب کا تیسرا باب رفع عیسیٰؑ قائم کیا ہے۔ مولانا صاحب مرزا صاحب کے من گھڑت عقیدہ کا بطلان کچھ یوں کرتے ہیں۔ **یاعیسی انی متوفیك وَرَافعكَ اِلَیَّ** (آل عمران 55) اے عیسیٰؑ میں تجھ پورا پورا لینے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں''۔

اگر ان معانی کی بجائے مرزا صاحب کی تفسیر کو صحیح مان لیا جائے اور توفی سے وفات جسمی اور رفع سے عروج روحی مراد لی جائے تو لامحالہ عبارت میں یہ تقدیر ماننا پڑے گی **انی متوفیك جَسَدَكَ وَرَافع روحك** حالانکہ معنی بنانے کے لیے قرآن شریف کی عبارت مین الفاظ کی تقدیم و تاخیر مرزا قادیانی کے مذہب میں الحاد اور کفر ہے لیکن اگر یہ مسئلہ صرف علماء کو ڈرانے کے لیے نہیں گھڑ لیا تو ضروری ہے کہ ''**کاف**'' مرجع دونوں صورتوں میں ایک ہی ہو پس اگر ''**توفی**'' کا اثر جسم پر مانا جائے تو رفع کا اثر بھی جسم پر ہونا چاہیے۔ اس صورت میں حضرت عیسیٰؑ کے مردہ جسم کا آسمان پر جانا تسلیم کرنا پڑے گا۔ اگر ''**توفی**'' کا اثر روح پر

تسلیم کر لیا جائے (جو غلط ہے) تو لفظ عیسیٰؑ کا مدلول و مسمّٰی صرف روح کو قرار دینا ہوگا۔ لہٰذا مرزا صاحب کو لازم ہوا کہ نہایت سیدھے سادھے معنی اختیار کریں کہ رب کریم نے حضرت عیسیٰؑ سے دو وعدے کئے تھے۔ (i) **متوفیك** (ii) **رافِعك الی**۔ ایک وعدہ تو **بل رفعه الله الیه** (النساء 58) میں پورا کر دیا دوسرا وعدہ بھی جب چاہے گا پورا کر دے گا یہ معنی تو اس صورت میں ہیں جب متوفیک کے معنی مارنا لئے جائیں۔ ۶۳؎

مرزا صاحب نے سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر 93 سے حضرت عیسیٰؑ آسمان پر جانے کو مستبعد قرار دیا ہے جبکہ اس کے درمیانہ حصہ کو بالکل حذف کر دیا ہے۔ مولانا صاحب مرزا صاحب کی خوب خبر لی ہے۔ مولانا صاحب نے اپنی کتاب کا باب چہارم ''حضرت عیسیٰؑ کا نزول اور ان کی نبوت کا اشکال'' قائم کیا ہے۔

اس باب کا خلاصہ مولانا صاحب بیان کرتے ہیں جس کو مزید اختصار کے ساتھ پیش کیا جاسکتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ قرآن کے ہوتے ہوئے انجیل کا نام نہیں لیں گے تو اس وجہ سے قرآن کی اکملیت ہو گی نہ اس وجہ سے ان کا انجیل سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ حضرت عیسیٰؑ کا ارشاد آپ کا محب اور عاشق رسولؐ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ''علامات قیامت آثار خروج دجال آیات نزول خود بیان کرتے رک گئے اور یوں فرمایا اگے کو تم سے وہ باتیں نہ کروں گا کیوں اس دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں جو محب رسول کی وجہ سے تعلیم کو نامکمل چھوڑتا ہے تو کیا اس سے یہ بات ثابت ہو سکی ہے کہ کامل تعلیم کو چھوڑ کر ادھوری تعلیم پر ڈٹا ہے۔ اس کی وجہ سے اسلام کی اکملیت کی تکذیب اور حضرت عیسیٰؑ کی جناب میں سوء ادبی ہے۔ رہا یہ سوال کہ وہ کیا نبوت کا نام لیں گے۔ معجزہ رسول کو دیکھئے کہ جو اعتراض آج ہو رہے ہیں ان کا جواب حدیث میں موجود ہے یعنی آپ کو رسول اللہ نبی اللہ فرمایا ہے یعنی نبوت سے تو سرفراز ہوں گے مگر مجدد دین محمدیہؐ بھی ہوں گے اس کا ثبوت قرآن کی آیت سورۃ آل عمران کی 81 ہے۔

مزید اس کی تاکید رسول کے اس فرمان سے کرتے ہیں لوکان موسیٰ حیًّا لمّا وسعہ اِلا اتباعی تو جو جسطرح موسیٰ کا زندہ ہونا پایا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کا زندہ ہونا بھی ثابت ہو گیا کیوں اس اتباع کے لیے حیات کو شرط قرار دیا گیا۔ پانچواں باب عیسیٰؑ کا نزول اور قانون قدرت کے عنوان سے قائم کیا ہے۔ مولانا اس باب کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جب حیوانوں انسانوں کا اجسام عنصری کے ساتھ آسمان پر سے اترنا ثابت ہے اور کھانوں کا اترنا منصوص ہے تو نزول عیسیٰؑ پر کیوں خلاف نصوص قرآنیہ نبویہ شک کیا جاتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ ملائکہ کے بارے میں مرزا صاحب کا وہ فقرہ کہ ذرہ کے برابر بھی آگے پیچھے نہیں ہوتے تو اس بیش بندی سے بیسیوں آیات قرآنی کا ابطال لازم آتا ہے۔ حالانکہ یہ سب امور ثابت کر رہے ہیں کہ آسمان وزمین میں اس ملک وملکوت میں نزول وصعود کا سلسلہ لگاتار جاری ہے۔ ۶۴؎

باب ششم ''حضرت عیسیٰؑ کا نزول وحیات'' کے نام سے عنوان قائم کیا ہے۔ مرزا صاحب کے تینوں رسالوں میں یہ دعاوی ہیں۔

(i) حضرت عیسیٰؑ فوت ہو گئے ہیں۔ (ii) نزول عیسیٰؑ سے مراد ان کے مثیل کا ظہور ہے۔

(iii) وہ مثیل مسیح مرزا قادیانی ہیں۔

اگر پہلے دو دعوئوں کو قبول بھی کر لیا جائے اور جس قدآیات احادیث ان دعوئوں کی تردید میں موجود ہیں۔ ان سے بھی صرف نظر کرلی جائے تو تب بھی مرزا صاحب مسیح نہیں ہو سکتے کیوں آنے والے مسیح سے پہلے ان واقعات کا ظہور پذیر ہونا ضروری ہے ان واقعات سے پہلے دعوی کرنا سراپا جھوٹ ہے۔ مرزا صاحب اور ان کے معتقدین میں سے کسی نے اپنے رسالوں میں ان احادیث کا ذکر نہیں کیا۔ مرزا صاحب اس بات کو مان چکے ہیں۔ نزول عیسیٰؑ کی پشین گوئی کو تواتر کا اول درجہ حاصل ہو چکا ہے اور یہ کہنا کہ تمام احادیث موضوع ہیں وہ مانتے ہیں کہ نزول مسیح کا انکار ایسا ہی ہے جیسے خلفاء راشدین اور وجود مصطفیٰؐ کا انکار۔ ۶۵

مولانا صاحب نے ہفتم باب عیسی بن مریمؑ کے نام سے قائم کیا ہے۔ مولانا صاحب نے تمثیل کے ذریعے مرزا صاحب کے مثیل مسیح ہونے کا دعوی بڑے لطیف انداز سے رد کیا۔ قرآن و حدیث سے جو علامت حضرت ابن مریمؑ کی ہیں ان کا اور مرزا صاحب کا کیا اور یہ ثابت کیا مرزا صاحب کا مثیل مسیح ہونے کا دعوی جھوٹا ہے۔ مرزا صاحب نے فرشتوں کے وجود کو مستبعد قیاس قرار دیا۔ قاضی صاحب نے قرآن و حدیث کے دلائل سے مرزا صاحب کے موقف کو باطل قرار دیا ہے۔ جبکہ مرزا صاحب ملائکہ کے متعلق یونانی خیالات و تاویلات کو راجع قرار دیا ہے۔

الدجال کی بحث کے شروع میں ابن صیاد پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ مولانا صاحب نے بڑی تحقیق کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ ابن صیاد کو دجال قرار دینا الحاد ہے۔ خروج دجال کے راوی کی تعداد 14 ہے۔ مرزا صاحب نے تاویلات باطلہ سے دجال پر بحث کی جس محققانہ انداز سے قاضی سلیمانؒ نے بڑے جچے تلے انداز سے تردید کی اور ایسا انداز اختیار کیا جس کا جواب دینا ان کے بس کی بات نہیں آخر میں آپ ﷺ پندرہ پشین گوئیوں کا ذکر فرمایا ہے جن بارے میں بیان کرتے ہیں کہ ان میں اکثر پشین گوئیاں پوری ہو چکی ہیں۔

تائید الاسلام

مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی یہ تصنیف لطیف غایت المرام کا حصہ دوم ہے۔ مرزا صاحب ازالہ اوہام میں تیس آیات میں تحریف و تلبیس کرکے اپنے خیال کے مطابق کہ حضرت عیسیٰؑ وفات پا چکے ہیں۔ یہ کتاب ان کے اس دجل وفریب کے تارپور کو بکھیرنے کے لیے تالیف فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ دیگر کئی مفید مباحث شامل ہیں۔ قاضی صاحب نے پورے جزم کے ساتھ کتاب کے صفحہ نمبر 6 پر ایک پشین گوئی بیان کی ہے:

"(بموجب حدیث شریف) حضرت مسیحؑ مقام روحاء میں آکر حج و عمرہ (احرام باندھیں گے اور نیت) کریں گے میں (مصنف) نہایت جزم کے ساتھ باآواز بلند کہتا ہوں کہ حج بیت اللہ مرزا قادیانی کے نصیب میں نہیں میری اس پیشین گوئی کو سب یادرکھیں۔ ۶۶

اس کتاب کے شائع ہونے کے دس سال بعد تک مرزا صاحب زندہ رہا اس کو حج کرنا نصیب نہ ہوا۔ جتنی پیشن گویاں زور سے کیں اسی زور سے اللہ نے اس کو جھوٹا کیا اور ایک بھی پوری نہ ہوئی اس کے مقابلہ حضورؐ کے ایک امتی (مصنف نے ایک پیش

گوئی جو نہ صرف پوری ہوئی بلکہ مرزا کے کذب پر مہر تصدیق ثبت کر گئی۔ مولانا صاحب کی کتاب ''تائید الاسلام سے کچھ حوالہ جات پیش کیے جاتے ہیں جس سے مرزا صاحب کے دجل وفریب کا پردہ چاک ہوتا ہے۔

''براھین احمدیہ میں جس کو خدا کے حکم والہام سے مرزا صاحب نے لکھا اور جس کو کشف میں حضرت سید فاطمہ نے مرزا صاحب کو یہ کہہ کر دیا کہ یہ تفسیر علی مرتضی کی ہے۔ مرزا صاحب نے آیت یا عیسی اِنی متوفیکَ کا اپنے اوپر الہام ہونا لکھا ہے اور پھر اس کا ترجمہ یہ کیا ہے ''اے عیسی میں تجھے پوری نعمت دوں گا'' ظاہر ہے کہ اگر متوفیکَ کے معنی حقیقی تجھے ماروں گا ہوتے تو الہامی کتاب اور کشفی تفسیر میں یہ ترجمہ اس کا نہ کیا جاتا۔ مرزا صاحب اس وقت بھی کچھ جاہل نہ تھے جو توفی کے معنی نہ جانتے ہوں پس اگر یہ ترجمہ ان کے لیے جائز اور صحیح ترجمہ تھا تو حضرت مسیح کے لیے کیوں یہ ترجمہ صحیح نہیں اگر مرزا صاحب فرمائیں کہ اللہ کے الہام میں تو اس وقت متوفیکَ کے معنی نہ مارونگا، مراد تھی مگر ترجمہ کرنے میں غلطی ہوئی تو خیر یہ بھی سہی مگر ظاہر ہے کہ براہین میں اس اس الہام کو چھپے ہوئے یعنی مرزا صاحب کو خبر وفات منجانب باری تعالیٰ ملے ہوئے پندرہ سال کا عرصہ ہو چکا ہے اور مرزا صاحب کو اب تک موت نہیں آئی تو اس سے واضح ہوا کہ جس طرح مرزا صاحب کے لیے بعد از خبر وفات پندرہ سال کا عرصہ اوپر گذر جانا جائز ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح کے لیے صدیوں کا عرصہ گذر جانا بھی جائز ہے''۔ ۶۷

حضرت مسیح جو خدا کے نبی ہیں وہ ہمارے سید و مولا محمد مصطفیٰ ﷺ کے صحابی ہیں۔ صحابی کے لیے ضروری ہے کہ ایمان کے ساتھ زندگی میں رسول کریمؐ کو دیکھا ہو آنحضرت ﷺ کا حضرت مسیح سے شب معراج کو ملاقات کرنا ثابت ہے پس نتیجہ یہ ہے کہ اگر صدیق و فاروق کی خلافت کے لیے آیت خاتم النبنین مانع ہے۔ تو حضرت عیسیٰؑ کے لیے بھی مانع نہیں ایک نبی کا نبی ہو کر بھی صحابی ہونا بھی بعید نہیں حضرت ہارونؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت یحیٰؑ، حضرت زکریاؑ کے صحابی تھے۔ او تَرْقی فی السماء قل سبحان ربی ھل کُنتُ اِلا بَشَراً رَسُولاً اس کا مرزا صاحب نے ترجمہ یوں کیا ہے یعنی کفار کہتے ہیں کہ تو آسمان پر چڑھ کر ہمیں دکھلا تب ہم ایمان لے آویں گے ان کو کہہ دے کہ میرا خدا اس سے پاک و برتر ہے کہ اس دار ابتداء میں ایسے ایسے کھلے نشان دکھا دے اور میں بجز اس کے اور کوئی نہیں ہوں کہ ایک آدمی ''ترجمہ کے بعد لکھا ہے کہ کفار نے آنحضرتؐ سے آسمان پر چڑھنے کا نشان مانگا تھا انہیں جواب صاف ملا یہ عادت اللہ کے خلاف ہے۔

اول تو آیت کے اول اور آخر کے الفاظ کو ملا کر اور بیچ کے الفاظ کو بالکل اڑا کر اس کو ایک مستقل آیت بنا دیا۔ پھر اس کے ترجمہ میں بہت کمی بیشی کی مثلاً ہم کو معلوم نہیں ہوتا ''کہ تب ہم ایمان لے آویں گے'' کن الفاظ کا ترجمہ ہے قرآن مجید کی اصل آیت یہی ہے۔ او تَرْقی فی السماء وَلَنْ نُؤمِنَ لِرُقِیِکَ حَتّی تُنَزّل عَلَیْنَا کِتَابًا نَّقْرَءُہٗ قل سبحان رَبّی ھَلْ کُنْتُ اِلّا بَشَراً رَسُوْلاً اس طرح مرزا صاحب نے قرآن مجید کو بھی اپنی تحریف سے محروم نہ چھوڑا پہلے تو احادیث کو ظنی وغیرہ کہہ کر قرآن مجید پر ملال ڈالا۔ جب قرآن مجید بھی اپنے مطالب کے مخالف پایا اور تاویل سے کام نہ چلا تب الفاظ اور آیتوں کو بھی قلم انداز کرنا شروع کیا یہ تو محض رب کریم کا کرم ہے کہ خود اس نے اس کی حفاظت کا ذمہ اپنے اوپر لیا ہے۔ ۶۸

اب مرزا صاحب انصاف اور حق پسندی کی راہ سے فرما دیں کہ آپ حضرت مسیح کا بیان ان کے نزول کے بارے میں جو اس قدر مفصل ہے اور اناجیل اربعہ میں منقول ہے کیوں منظور نہیں فرماتے انجیل یوحنا کا یہ فقرہ میں نے تم کو کہا ''کہ جاتا ہوں

اور تمھارے پاس پھر آتا ہوں" زیادہ تر تدبر اور غور کے قابل ہے ظاہر ہے "پھر آتا ہوں" وہی شخص کہہ کر جاتا ہے جو پہلے جایا کرتا ہے۔ پہلے جانا حضرت مسیحؑ کا ہمارے اور مرزا صاحب کے نزدیک مسلم ہے گو اس کی کیفیت میں اختلاف ہو "مگر پھر آتا ہوں" کی مرزا صاحب نے بڑے زور سے تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت مسیح کا پھر آنا محال اور قدرت کے خلاف ہے۔ اندریں حالت کہ مرزا صاحب "فاسئلوا اھل الذکر" پکار رہے ہیں اور انجیل حضرت مسیح کا بذات خود دنیا پر مکرر آنا باآواز بلند پکار رہی ہے پھر معلوم نہیں کہ مرزا صاحب نے کیوں اور کیوں کر اس آیت کو وفات مسیحؑ کی دلیل بنایا ہے اور نہ صرف خوش اعتقاد مریدوں کو بلکہ کل مسلمانوں کو کیسی صریح غلطی میں ڈالنا چاہا۔ ۶۹ے

"ہمارا ایمان ہے کہ ہر شے کے ساتھ فنا لگی ہوئی ہے ہم مرزا صاحب کے بیان کو سچ جانتے ہیں۔ کل من علیھا فان میں فان کی جگہ یفنی کا لفظ استعمال نہ کیا مگر مرزا صاحب یہ تو بتائیں کہ اس میں وفات بالفعل کی دلیل کہاں ہے یہ مولوی صاحبان کا محض افتراء ہے کہ مسیح بلا تغیر و تبدل آسمان پر بیٹھا ہے ہاں ہم یہ ضرور اعتقاد رکھتے ہیں کہ زمانے کے تغیر و تبدل کا اثر بعض جسموں پر (غیر معمولی کہو حرق عادت کے طور پر سمجھو) ایسا حفیف ہوتا ہے کہ وہ اثر نہ خود کسی جسم کو محسوس ہوتا ہے اور نہ اس کے دیکھنے والے کو اصحاب کہف 309 سال کے بعد اٹھے تو انہوں نے اپنے خواب دازی مدت کو صرف یوم اوْ بعض یوم خیال کیا تھا"۔ ۷۰ے

قاضی سلیمانؒ اپنی کتاب میں "مسیح موعود" کا عنوان قائم کیا ہے یہ وہ مضمون ہے کہ جس پر مرزا صاحب کی تمام کامیابی کا دارومدار ہے۔ مولانا صاحب اس کے دعوی مسیحیت کی تردید کی ہے یہ ان کے کمال علمی دلیل بین ہے۔ مرزا صاحب نے مسیح موعود ہونے پر بارہ دلائل دیئے ہیں۔ قاضی صاحب نے مرزا صاحب ان پر پیچ کا ایسے انداز سے جواب دیا ہے کہ عقل سلیم والا انسان مرزا صاحب کے دامن تزویر میں بھنس نہیں سکتا۔

"مرزا صاحب نے اپنے مسیح موعود ہونے کی دلیل یہ دی ہے کہ اس کے دم سے کافر مریگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مخالف اور منکر کسی بات میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ کیوں کہ اس کے کاملہ دلائل کے سامنے مر جائیں گے سو عنقریب لوگ دیکھیں گے کہ حقیقت میں حجت اور دلیل کی رو سے مر گئے"۔ ۷۱ے

مولانا صاحب اس پر اس طرح جرح کرتے ہیں لکھتے ہیں اس بیان میں چند غلطیاں ہیں۔

(1) اس کی وجہ سے کافر مریگا، یہ علامت اس حدیث سے لی گئی جس کے راوی نواس بن سمعان ہیں۔ جس کے مضمون کو مرزا صاحب نے شرک اور حماقت سے پر بتایا ہے۔ پھر اس سے دلیل کیسے دی جا سکتی ہے۔

(2) اب تک تو ان کے دلائل سے ہوا کچھ نہیں۔ شاید مستقبل میں ایسا ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ صفت موصوف سے جدا نہیں ہو سکتی۔ مرزا صاحب مسیح تو بنے مگر مسیح کی صفات سے عاری ہیں۔ ۷۲ے

مرزا قادیانی اور نبوت

مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے یہ رسالہ مرزاغلام احمد قادیانی کے اشتہار ''ایک غلطی کاازالہ'' کے جواب میں تحریر فرمایا۔ مرزا صاحب کا یہ اشتہار روحانی خزائن، ج18، ص:216-206تک شامل ہے۔ اس اشتہار میں دو باتیں صحیح لکھیں ہیں۔

(1) مرزائی جماعت میں بہت ہی کم لوگوں کو مرزا قادیانی کے دلائل سے واقفیت ہےاور نہ انہوں نے غور سے پڑھا۔

(2) نبی اور رسول بننے کادعوی مرزا قادیانی کومدت مدید سے ہے۔اس بات کے ثبوت کے لیے مرزاصاحب نے کئی حوالہ جات دیئے ہیں۔ اگرچہ مرزا صاحب آیات قرانیہ کی من گھڑت توضیح میں کئی صفحات سیاہ کئے مگر واضح اپنی نبوت کا اظہار

نہ کیا۔

مرزا صاحب نے اپنے آپ کو ظل محمد قرار دیا اور بروزی طور محمدؐ بننے کی کوشش کی ہے۔ اپنے آپ کو رسول کریمؐ کی تشبیہ اور تصویر قرار دیا جبکہ رسول کریمؐ نے تصویر کو حرام قرار دیا اور اس کی سخت ممانعت فرمائی۔ رہا ظل کا معاملہ تو اللہ نے آپ کا سایہ ہی پیدا نہیں کیا اس وجہ یہ تھی کہ کسی مدعی کو مجازاً بھی ظل محمد کہنے کی جرأت نہ ہو کیونکہ جس چیز کے لیے حقیقت نہ ہو اس کا مجاز کیسے ہوسکتا ہے۔ رہا بروز کا معاملہ تو اس کا معنی ظاہر ہونا باہر نکلنا ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ قبروں سے مردوں کے نکلنے یا اوٹ میں سے نکل کر سامنے آجانے کے معنی میں لیا گیا ہے۔ یعنی او جھل جسم کے سامنے آنے کو بروز کہتے ہیں۔ پس یہ ہو نہیں سکتا کہ اس لفظ کا اطلاق ایسے شخص پر کیا جائے جو خود ہی شخصیت کے لحاظ سے اپنا غیر ہونا تسلیم کرتا ہو۔ بروز محمدی کے معنی تو صرف یہ ہیں کہ محمدؐ مدینہ طیبہ کی مرقد انور سے اٹھ بیٹھیں جس کے بارے میں ہمالایقین ہے۔ یہ نفخ صور کے بعد ہی ہوگا۔

مرزا صاحب نے اشتہار کے ص:11پر لکھا۔ ''یہ ممکن ہے کہ آنحضرتؐ نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار ہادفعہ دنیا میں بروزی رنگ میں آجائیں اور بروزی رنگ میں اور کمالات کے ساتھ اپنی نبوت کا اظہار کریں''۔

مولانا صاحب لکھتے ہیں کہ مرزا صاحب سے یہ فقرہ دریافت طلب ہے کہ آپ سے پہلے بھی کوئی شخص بروزی رنگ میں نبوت محمدیہ سے مشرف کیا گیا ہے؟ اگر ہے تو کیا وہ مسلمان سمجھا جاتا رہا ہے اگر نہیں تو مرزا صاحب نے یہ امکان کہاں سے قائم کیا ہے۔ آگر ہزاروں اشخاص ہو سکتے ہیں تو اپنا نام محمد خاتم الانبیاء کیوں تجویز کیا ہے۔

اللہ پاک کی نسبت

مرزاصاحب کے مذہب میں اس کو ''لم یلد و یولد'' کا ترجمہ کہنا چاہیے ایک اور الہام یہ ہے ''تو میرے سے ایسے ہے جیسے میری توحید'' ۳ے

یہاں مرزا صاحب نے اپنے درجہ صفات ربانی قرار دیا اور انسان فانی ہو کر ازل ابدی ہونے کا دعوی کیا توضیح المرام میں تثلیث پاک کا مذہب نکالا اور روحانی طور پر مسیح کا اور اپنا دین اللہ ہونا بتایا ایک اور الہام۔ انت منی بمنزلتی ولدی۔ ۴ے

مولانا صاحب مرزا صاحب کی تصنیفات کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

مرزا قادیانی کی تصنیفات دیکھنے سے جو تجربہ مجھے ہوا ہے اس پر بھروسہ کرکے میں کہہ سکتا ہوں کہ محمد ثانی مرزا اس لیے بنے کہ "نقاش نقش ثانی بہتر کشد زوال" آپ کے پیش نظر ہے چنانچہ پہلے مرزا قادیانی مثل مسیح بنے تھے مگر پھر مسیح کا مکاشفہ کو مکدّر بتلایا اور ان کے معجزات کو اپنے لئے ننگ و عار سمجھا آنحضرتؐ پر جزوی فضیلت کثرت براھین و دلائل میں آپ اپنے لئے تجویز کر ہی چکے ہیں۔

اب میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ جن پشین گوئیوں کی بنیاد پر مرزا قادیانی نے اپنی غیب اور غیب دانی کی بناء پر نبوت و رسالت کا اظہار کیا ہے وہ کیا حالت رکھتی ہیں۔ مرزا قادیانی نے اپنی پشین گوئیوں کی تعداد دوسو (200) سے زائد تحریر کی ہے جس کی تفصیل نامعلوم محض "یہ ابتدائی بات ہے بعد میں دس لاکھ نشانات کا اعلان کیا۔ ۵ے

اہل القرآن حضرات کی رد قادیانیت میں تالیفات

ڈاکٹر غلام جیلانی برق

"حرف محرمانہ" جناب ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی تصنیف ہے جو آپ نے جولائی 1953 میں تحریر فرمائی تمام اس بارے میں جانتے ہیں کہ "انکار حدیث" کا رجحان آپ میں غالب تھا۔ آپ کی یہ تصنیف بھی اس زمانے کی ہے جگہ جگہ حدیث شریف کے انکار پر ان کا قلم زور آور طوفان کی طرح مارتا نظر آتا ہے علماء کرام کی مخالفت میں جی بھر کر منہمک نظر آتے ہیں۔ اس کے باوجود رد قادیانیت کے لٹریچر پر ان کی بھرپور گرفت ہے۔ مرزا صاحب کا صحیح محاسبہ کرتے ہیں۔ کاش متلاشی حق قادیانی اس کتاب کا مطالعہ کرے چاہے اسے ایمان نصیب نہ ہو مگر اتمام حجت تو یقینی امر ہے۔

اس کتاب میں مسئلہ ختم نبوت کا اس انداز سے ذکر کیا گیا ہے کہ جس میں حق کے قبول کی استعداد ہو تو حق کو قبول کرے۔ ڈاکٹر صاحب نے ختم نبوت پر قرآن، لغت، حدیث اور مرزا صاحب کے اقوال کے ذریعہ سے مسکت دلائل پیش کیے ہیں۔

مرزا صاحب 1901 سے قبل عام مسلمانوں کی طرح نبوت پر یقین رکھتے تھے بعد میں نبی ہونے کا اعلان کیا۔ اس الجھن کا ایک حل جماعت احمدیہ کے امام میاں محمود احمد قادیانی نے پیش کیا ہے اور وہ یہ کہ "1901 سے قبل جو حوالے جن میں آپ (مرزا قادیانی) نے نبی ہونے سے انکار کیا ہے۔ اب منسوخ ہیں ان سے حجت پکڑنی غلط ہے۔ ٦ے

ڈاکٹر صاحب نے اس کی پانچ وجوہات سے تردید کی ہے۔ جن میں ایک بطور نمونہ کے پیش خدمت ہے۔ مرزا قادیانی کی تصانیف کی تعداد 72 ہے جن میں اڑتالیس 1901 سے پہلے کی ہیں اور چوبیس بعد کی ہیں۔ اگر 1901 سے قبل کی تحریرات منسوخ کر دی جائیں تو مرزا صاحب کی دو تہائی تحریرات سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اگر ایک رسول کی دو تہائی تحریرات کو ناقابل اعتماد قرار دیا جائے تو باقیماندہ ایک تہائی پر سے بھی اعتماد اٹھ جائے گا۔

ڈاکٹر صاحب نے مختلف دعاوی کو مختلف عنوانات کے تحت بیان کرکے ان پر خوب جرح کی ہے۔ مرزا صاحب کی طرف سے جہاد تنسیخ کے حوالے سے پر مغز گفتگو کی آٹھویں باب میں مرزا صاحب کی پشین گوئیاں زیر بحث لائیں اور دلائل و براہین کی

رو سے ان کا بطلان پیش کیا ہے اور اس کے علاوہ مرزا صاحب کے الہامات پر گفتگو کی ہے۔ مرزا صاحب کی علمی شخصیت کا بھانڈا چوراہے میں توڑا اور مرزا صاحب کے بارے جوان کے معتقدین کا دعوی ہے کہ موصوف سلطان القلم ہیں۔ ان کی فصاحت و بلاغت کے غبارے سے ہوا نکال کر ان کی تحریرات کو ایک عام انسان کی تحریرات سے کم تر ثابت کیا ہے اور اس پر واضح ثبوت فراہم کئے ہیں۔

احمدیہ تحریک

جناب ملک محمد جعفر خان نے "احمدیہ تحریک" نومبر 1957 میں کتاب تحریر کی۔ یہ اٹک کے رہائشی تھے آپ پہلے قادیانی تھے ان کا پورا خاندان قادیانی تھا۔ خوب پڑھے لکھے اور مضبوط قسم کے قلم کار تھے۔ قادیانیت کو ترک کیا۔

مرزا غلام احمد قادیانی سے قطع تعلق ہونے کے بعد غلام احمد پرویز کے ہر دل عزیز دوست بنے۔ ملک صاحب نے اپنے قادیانی عزیزوں کو قادیانیت سمجھانے کے لیے انہوں نے پوری قوت صرف کی۔ بہت ساری باتیں رد قادیانیت کے سلسلہ کی نہایت ہی بلیغ اور اچھوتے انداز میں اس کتاب میں آگئی ہیں۔ یہ بات قابل صد تعریف ہے کہ ملک صاحب نے خوب دل سوزی کے ساتھ اپنے قادیانی عزیزوں کو قادیانیت کے چنگل سے نکالنے کی کوشش کی ملک صاحب نے 1970 کے انتخابات میں پی پی پی کے ٹکٹ پر الیکشن لڑا۔ اگرچہ ملک صاحب جگہ جگہ رد قادیانیت کے ساتھ ساتھ پرویزی خیالات کی ترجمانی میں کسر نہیں چھوڑتے مگر اس کے باوجود قادیانیت زدہ افراد کو قادیانیت سمجھانے کے لیے یہ کتاب مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

ملک صاحب نے کتاب کے پیش لفظ میں کتاب کے لکھنے کے مقاصد کو بیان کیا ہے جو تقریباً چوبیس صفحات پر محیط ہیں۔ ملک محمد جعفر خان کتاب کا پہلا باب کا عنوان کتاب الفتن دیا ہے۔ جس میں صحیحین کی حضرت عیسیٰؑ کے متعلق احادیث تھیں ان کا ذکر کرکے۔ پھر مرزا صاحب کی کتاب ازالہ اوہام کے حوالہ جات ذکر کیے ہیں۔ مرزا صاحب کی ان احادیث کے متعلقہ تاویلات پیش کیں جن کو کچھ علماء نے جو کہ علم میں مرزا صاحب سے کہیں بلند مقام پر فائز تھے مگر اس کے باوجود مرزا صاحب کے اس مکر وفریب کے ساتھ بالکل خاموش ہو کر امنا و صدقنا کہہ رہے تھے۔

اس کے بعد کتاب کا ایک مستقل عنوان "حدیث کا مقام اور نزول مسیح" کا دیا ہے جس میں مرزا صاحب نے اپنی مطلب براری احادیث کا بعض حصہ قبول کر لیا بقیہ حصہ جس سے ان کا مقصود بر نہیں آرہا تھا۔ اس کو نا قابل التفات اور عقلی تقاضوں سے ٹکراؤ کی وجہ سے موضوع قرار دیا ہے۔ جبکہ ملک صاحب بھی منکرین سنت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس وجہ سے مرزا صاحب کے اس حوالے سے ان کے اس بیان کی تائید کرتے ہیں۔

ملک صاحب نے فہم قرآن اور شہادۃ قرآن کے دو موضوع قائم کئے ہیں جن میں یہ ثابت کیا ہے کہ مرزا اپنی نبوت کے ثابت کرنے کے لیے آیات کی بھی کسی قسم کی تاویل کر سکتے ہیں اور یہ ان کو بنیادی حق حاصل ہے اس لیے کہ وہ مامور من اللہ اور ملہم ہیں۔ اس کے مقابلے علماء کو یہ شان حاصل نہیں۔ اس وجہ سے ان کے معتقد مولوی حضرات اپنی علمی وجاہت کے باوجود مرزا صاحب سامنے گونگے محسوس کرتے ہیں اور اس پر اعتراض کرنے کا بھی استحقاق نہیں رکھتے۔

ملک صاحب اپنی بحث کو ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں: قرآن کے ساتھ مرزا صاحب کی اس آزادی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جماعت احمدیہ میں اس طرح کی تفسیر کرنا ایک بڑا کارنامہ اور قابل قدر کام سمجھا جاتا ہے۔ اس وقت کا خلیفہ صاحب بار بار اس امر کا دعوی کر چکے ہیں کہ وہ قرآن کی ہر آیت سے مرزا غلام احمد قادیانی کی صداقت ثابت کر سکتے ہیں۔ اس بارے میں انہوں نے چیلنج دے رکھا ہے۔

مرزا صاحب کی تفسیر کا کچھ حصہ مطالعہ کرنے پر یقین آگیا ہے کہ خلیفہ صاحب بھی آیت سے جو چاہیں ثابت کر سکتے ہیں خود مرزا صاحب کے خلیفہ کا قول ہے کہ ایک دفعہ اس چیلنج کے وقت کسی صاحب نے اپنے خیال سے ایک ایسی آیت پیش کر دی جس کا بظاہر مرزا صاحب سے کوئی تعلق نہ تھا۔ فوراً اُس سے مرزا قادیانی کی صداقت ثابت کر دی۔ ۷۷ے

ملک صاحب نے ایک غلطی کا ازالہ۔ اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

مرزا صاحب کا رسالہ ایک غلطی کا ازالہ فی الواقع کسی غلطی کا ازالہ نہیں کرتا۔ اس رسالے میں اپنی کسی غلطی کا تو خیر مرزا قادیانی اعتراف ہی نہیں کرتے مرید کی جس غلطی کا ازالہ کرنا مقصود تھا وہ یہ تھی کہ اس نے اس بات سے انکار کر دیا تھا۔ کہ مرزا قادیانی نے نبی اور رسول ہونے کا دعوی کیا ہے لیکن مرزا صاحب یہ نہیں بتاتے کہ اس شخص کے لئے صحیح جواب کیا ہونا چاہیے۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ سوال کرنے والے کو اصل رسالہ دے دیا جائے اور کہہ دیا جائے کہ اس کو پڑھ لو لیکن چھوٹے سائز 16 صفحات کے اس رسالے کو کم از کم پانچ دفعہ پڑھنے کے بعد بھی مرزا صاحب کے دعوی کی نسبت کوئی واضح تصور قائم نہیں کر سکے اور یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ غلطی کیا تھی اور اس کا ازالہ کیسے ہو گیا۔ ہو سکتا ہے کہ ہماری کم فہمی ہو۔ مگر مرزا صاحب کی جماعت میں چوٹی کے علماء تھے جب احمدیہ جماعت کے دو فرقوں میں اختلاف پیدا ہوا اور مرزا محمود احمد نے یہ نظریہ پیش کیا کہ مرزا صاحب نے 1901 میں نبوت کا دعوی کیا۔ تو جماعت کے ستر افراد نے اس کی تردید کی۔ ۷۸ے

ختم نبوت اور احمدیہ تحریک

اس کے مصنف جناب غلام احمد پرویز ہیں۔ پرویز صاحب جولائی 1903 میں بٹالہ ضلع گورداسپور پیدا ہوئے۔ فروری 1985 کو لاہور میں فوت ہوئے۔ یہ اپنے آپ کو اہل القرآن کہتے ہیں۔ علماء کرام ان کو منکر حدیث کہتے ہیں۔ انہوں نے یہ کتاب اضافوں کے ساتھ 1974 کے آخر میں شائع کی۔ پرویز صاحب نے قادیانیت کا تجزیہ اپنے طور خوب سے خوب تر کیا ہے۔ قادیانیت و پرویزیت اس کتاب میں ایک دوسرے کو مد مقابل ہے ایک غلام احمد نے دوسرے غلام احمد کو آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ اسے چت گرا کر اس کے سینے پر سوار ہو کر سینے پر مونگ دلنے کا جو انداز اختیار کیا ہے۔

پرویز صاحب اس کتاب کے لکھنے کی وجوہات بیان کرتے ہیں: ۔

(1) اسلام خدا کا آخری اور مکمل دین اسی صورت میں قرار پاسکتا ہے کہ نبوت محمدیہ کو قیامت تک کے آنے والے انسانوں کے لیے تسلیم کیا جائے۔ تحفظ ناموس رسالت میرے عشق کا تقاضا ہے۔

(2) دوسری وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ مسئلہ احمدیہ کا حل حکومت کے قانون کی رو سے ہو گا۔ غلام احمد پرویز صاحب کے

بقول مسئلہ احمدیہ کا حل مناظروں یا فتوؤں سے نہیں ہوسکے گا۔ اس کا حل حکومت کے قانون سے ہوگا جبکہ علماء نے دیگر سہاروں کو اپنایا بالآخر انہیں حکومت سے کہنا پڑا نوے سالہ لاینحل مسئلہ کو حکومت کے قانون نے حل کر دیا۔

(3) احمدی حضرات نے اس فیصلہ پر کچھ نہ کھویا۔ آئین پاکستان کی رو سے مسلم و غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں غیر مسلم اس اعتبار سے بہتر پوزیشن میں ہیں۔ اقلیت ہونے کی بنا پر انہیں ہر قسم کا تحفظ حاصل ہے۔ غیر مسلم ہونے کی حیثیت سے انہیں ہر قسم کا امن و امان حاصل ہے۔ غیر مسلم کو اہل الذمہ اس لیے کہا جاتا ہے اسلامی حکومت ان کی جان، مال، عزت آبرو اور مذہبی شعار کی حفاظت کرتی ہے۔

(4) خدا کی طرف سے آنے والوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ جس کو آنا تھا وہ چودہ سو سال پہلے آگیا۔ اللہ نے جو کچھ انسان سے کہنا تھا اب وہ مکمل قرآنی شکل میں محفوظ ہے۔ تمت کلمات ربک خدا نے جو باتیں کہنا تھیں کہہ دیں۔ للذا اب خدا سے مکالمات کا امکان تمت کلمت ربک کے منافی ہے۔ آنے والے کا نظریہ یکسر غیر قرآنی ہے۔ جھوٹے نبیوں کا بہترین حل قرآن مجید ہے۔ اس سے ہمیشہ کے لیے یہ حقیقت ثبت ہو جائے گی۔ (ص:166-165) غلام احمد پرویز صاحب کی یہ کتاب 172 صفحات پر مشتمل ہے جس کے نو ابواب ہیں۔

الکاویہ علی الغاویۃ

مولانا محمد عالم آسیؒ (م 1944) ''امرتسر'' کے رہنے والے تھے۔ مولانا غلام قادر بھیروی سے آپ نے تعلیم حاصل کی آپ کی رد قادیانیت پر شہرہ آفاق کتاب ''الکاویہ علی العاویۃ'' جو دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ آپ نے کتاب کے سرورق پر خود یہ تعارف لکھا جن لوگوں نے اسلام کو نامکمل سمجھ کر تجدید و ترمیم یا تنسیخ و تحریف شروع کر دی اور اپنے آپ کو مصلح مجدد دین مھدی یا مسیح ظاہر کرکے لوگوں کو دھوکے میں ڈال رہے ہیں۔ کہ ہم اسلام کا روشن پہلو دکھلا کر دیں محمدی کے اصل رخ سے پردہ اٹھا رہے ہیں۔ ایسے محرفین کے لیے یہ رسالہ ''الکاویہ علی الغاویہ'' لکھا گیا ہے جس میں عام شبہات کا عموماً اور مرزائی تعلیم کا خصوصا ایک ایسا خاکہ پیش کیا گیا ہے کہ جس کے دیکھنے سے قاری حضرات خود معلوم کر سکیں گے کہ یہ مرزائی تعلیم یا نئ اصطلاحات میں کہاں تک تحریف تنسیخ سے کام لیا گیا ہے۔

اس کتاب پر تقاریظ بڑے نامی گرامی علماء نے لکھیں جن میں سے مولانا اعزاز علیؒ دیوبندی، مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی امرتسری، مولانا نور احمد امرتسری، مولانا عبدالغفور غزنوی، مولانا عبدالرحمٰن امرتسری، مولانا محمد حسینؒ، مولانا سید محمد دائود غزنوی اور دوسرے اکابر علماء شامل ہیں۔

مصنف نے کتاب کے آغاز میں مرزا صاحب کی سوانح حیات اور ان کی وفات کے جو غلط فہمی تھی ان کا صحیح تعین کیا ہے۔ اس کے علاوہ مرزا صاحب کے نبوت و مسیحیت کا دعوی کرنے کے محرکات میں سے ان کا مراقی ہونا اور ذیابطس کے شواہد پیش کئے گئے ہیں۔ مرزا صاحب کے دعاوی میں سے بروز، ظل، انعکاس اور تناسخ کو تفصیل اور لطیف انداز سے بیان کئے گئے ہیں۔

مصنف نے مرزا صاحب کے وہ تمام محاذ جن پر رہ کر جنگ کرتے رہے ان پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ مولانا صاحب نے پندرہ محاذوں کا ذکر فرمایا جن پر مرزا صاحب کو مخالفین سے ہاتھا پائی کرنا پڑی۔ مگر ہر مقام پر سوائے ذلت ورسوائی کچھ ہاتھ نہ آیا۔ وہ مقام حسب ذیل ہیں۔

جنگ تناسخ کے حوالے سے پہلا مقابلہ 1878 کو ہوا جس میں زیر تنقیح مسئلہ یہ تھا کہ آیا تناسخ کا مسئلہ درست ہے یا غلط مگر شرائط یک طرفہ ہونے کے باعث یہ مناظرہ نہ ہو سکا۔ اس وقت علماء اسلام کی طرف سے مرزا صاحب کو حمایت حاصل تھی۔ اس وقت مرزا صاحب اپنا نام صرف اتنا لکھتے تھے "غلام احمد رئیس قادیانی"

1880 میں الہامات کے محاذ پر علمائے امت سے جنگ کرنا پڑی اس موقع پر دور اندیش حضرات نے مرزا صاحب سے تنفر کا اظہار کیا جبکہ حسن ظن رکھنے والوں نے مرزا صاحب کی تائید کی۔ مرزا صاحب نے ایک محاذ پر جنگ کی اپنے بشیر کی پشین گوئی کی جو اعلی صفات کا حامل ہوگا مگر وہ پشین گوئی پوری نہ ہوئی مرزا صاحب نے اس پشین گوئی کا ذکر کرنا بھی چھوڑ دیا جب مرزا محمود مسند خلافت پر جانشین ہوا تو اس نے اپنے نام کے ساتھ بشیر کا اضافہ کر دیا۔ مرزا صاحب کو چونکہ شروع سے مراق تھا اور یہ الہام بھی اسی کا نتیجہ نکلا۔

چوتھا مقابلہ جو مرزا صاحب اور مولوی محمد بشیر صاحب کے درمیان کو ٹھولوہار کے مقام پر حیات مسیح کے موضوع پر مناظرہ کی صورت میں 1891 میں ہوا۔ مرزا صاحب بہانہ بنا کر ادھورا چھوڑ کر قادیان چلے گئے۔ اس وقت مرزا صاحب ازالہ اوہام اور توضیح مرام لکھ چکے تھے۔

پانچواں محاذ جس پر مرزا صاحب 1893 میں عبداللہ اتھم سے مناظرہ کیا مگر رسوائی ہوئی تو اس کی موت کی پشین گوئی کر دی جو کہ پوری نہ ہو سکی اور وہ زندہ رہا جس سے مرزا قادیانی کا یہ الہام بھی ادھورا رہا۔

چھٹا محاذ جس پر مرزا صاحب کو جنگ کرنا پڑی وہ مولوی عبدالحق غزنوی صاحب ہیں۔ آخر تنگ آکر ان سے مباہلہ کیا اور کہا کہ اگر اس مباہلہ کے بعد ایک سال تک کوئی نشان ظاہر نہ ہوا تو میں خدا کی طرف سے نہ ہوں گا۔ مگر مولانا صاحب کا مرزا صاحب کی وفات کے نو سال بعد وصال ہوا۔

ساتواں محاذ جس پر مرزا صاحب کو مقابلہ کرنا پڑا جو ان کے لیے سوہاں روح کی حیثیت اختیار کر گیا۔ محمدی بیگم کے ساتھ نکاح کرنے کی پشین گوئی تھی۔ مگر زندگی بھر یہ پشین گوئی پوری نہ ہو سکی۔

آٹھواں محاذ جہاں پر مرزا صاحب کو پسپائی نصیب ہوئی۔ پانچ نومبر 1899 کو مرزا صاحب نے اعلان کا کہ 1900 سے 1902 تک میری صداقت کے لیے کوئی ضرور ہی آسمانی نشان ظاہر ہوگا۔ اگر ایسا نہ ہوا تو میں کذاب اور مفتری ہوگا۔ اس اعلان کے بعد اس طرح کا کوئی آسمانی نشان ظاہر نہ ہوا۔

اگلا جنگ کا جو محاذ تھا وہ پیر مہر علی شاہ صاحب سے مناظرہ اور رتفسیر نویسی کا مقابلہ مگر اس میں سابقہ محاذوں کی طرح شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

دسواں محاذ جہاں پر مرزا صاحب کو مقابلہ کرنا پڑا وہ آپ نے 5 نومبر 1901 کو نبوت کا اعلان کیا جس پر تمام عالم اسلام کی طرف سے مرزا صاحب کو مرتد کافر اور ملعون قرار دے دیا گیا۔

20 فروری 1893 کو مرزا قادیانی نے اشتہار دیا اس میں درج تھا "کہ "اندر من مراد آباد" اور "لیکھرام پشاوری" منظور کریں تو ان کی نسبت پیشین گوئیاں شائع کی جائیں تو اندر من نے اعراض کیا اور کچھ عرصہ بعد مر گیا۔ مگر لیکھرام نے اجازت دی تو الہام ہوا **عجل جسد له خوار له نَصَبٌ و عذاب**۔ جبکہ لیکھرام بدزباں تھا۔ اس کو کسی فدائی نے قتل کر دیا۔

بارھواں مقابلہ 1902 غیب کے جاننے سے ہوا اس محاذ پر مرزا صاحب کے مد مقابل مولانا ثناء اللہ امرتسری تھے۔ جس میں مرزا صاحب ذلت آمیز ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا اور دو مقابلوں کا بھی تعلق مولانا ثناء اللہ امرتسری کے حوالے سے ہے۔

پندرھواں مقابلہ 1908 میں ڈاکٹر عبد الحکیم سے کرنا پڑا جو ابتداء ان کے مرید خاص تھے۔ بعض معاملات میں مرزا صاحب نے اپنے مغالطے دور کرنے کے لیے کہا مگر تشفی نہ ہوئی اور دین اسلام اختیار کرکے مرزا صاحب کے بہت بڑے حریف بن گئے۔[97]

مولانا صاحب اپنی کتاب تصریحات اسلام اور ختم نبوت کا باب قائم کیا ہے۔ جس کے تحت 27 مغالطوں کو جواب بالتفصیل دیا گیا ہے جو مغالطے احمدیوں کی طرف کئے گئے تھے۔ نبوت کے حوالے سے جو مرزا صاحب نے دعوے کئے ان کے ابطال کے لیے مولانا صاحب نے 9 دلائل دیئے۔

مہدی و مسیح کے بارے میں جو مرزا صاحب کا نظریہ تھا۔ اس کی بڑی محققانہ انداز سے تردید کی ہے۔ مسیح علیہ السلام کی حیات پر مولانا صاحب کا نظریہ تھا۔ اس کی بڑی محققانہ انداز سے تردید کی ہے۔ مسیح علیہ السلام کی حیات پر مولانا صاحب نے ایسے دلائل دیئے ہیں جن کا ابطال ناممکن ہے۔ مرزا صاحب نے اپنے مقصود کے لیے ایسے دلائل دیئے ہیں جو مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہیں۔ مرزا صاحب نے دس تحریفیں کیں ہیں ان کا مثبت انداز سے حل پیش کیا ہے۔ مرزا صاحب نے جو دین اسلام پر سولہ تہمتیں لگائی گئی ہیں۔ ان کا احسن انداز سے مولانا نے جواب دیا ہے۔ مرزا صاحب اور مرزائیوں نے جو طرح طرح پر فریب مباحث اپنی گمراہ کن لٹریچر میں پیش کیا اس بڑے لطیف پیرائے میں جواب دیا۔ مختلف فرقوں کا تذکرہ کیا پھر مرزائیوں پر اکہتر سوالات کیے ہیں۔

شمس الہدایہ فی اثبات حیات المسیح 1900ء

مہر منیر میں اس کتاب کے لکھنے کی وجہ فیض احمد فیضی یوں بیان کرتے ہیں: سید مہر علی شاہ صاحبؒ نے فتنہ قادیانیت کے ابطال میں معرکۃ الاراء کردار ادا فرمایا۔ اس تحریک کے بانی اپنی اوائل العمری میں وہی اعتقادات رکھتے تھے جو عامۃ المسلمین کے تھے اور اپنے دعوائے نبوت تک پہنچنے کے لیے انہوں نے کئی مدارج طے کئے اپنے ابتدائی دور میں انہوں نے آریہ سماجیوں اور نصاری کے خلاف دین اسلام کی حمایت میں کئی مناظرے بھی کیے جس سے اس وقت کے اہل قلم کافی متاثر ہوئے سب سے پہلا قدم جو انہوں نے اپنے دعوائے نبوت کے ارتقاء کی طرف اٹھایا اپنے آپ کو مجدد ظاہر کرنے کا تھا۔ اس پر عامۃ المسلمین کا ایک طبقہ مشوش ہوا مگر اس خیال سے خاموش رہا کہ اگر یہ شخص اہل ہنود نصاری کے مقابلے میں کھڑا ہوا ہے اگر بوجہ تفاخر اپنے آپ کو

القابات سے مرصع کرنا چاہتا ہے۔ تو کوئی مضائقہ نہیں ان کا دوسرا قدم اپنے آپ کو مسیح موعود کہلانے کا تھا یہ قدم اٹھانے سے پہلے انہوں نے اس عقیدہ اجماعیہ اہل اسلام کی نفی کی حضرت عیسیٰؑ سولی پر نہیں چڑھائے گئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جسد عنصری اوپر اٹھالیا جہاں وہ اس وقت تک رہیں گے جب وہ قیامت سے پہلے دوبارہ اس زمین پر اتارے جائیں گے اور کہا کہ اگرچہ حضرت عیسیٰؑ کو یہود نے سولی پر چڑھایا مگر ان کی موت واقع نہ ہوئی بلکہ ان کے حواریوں نے انہیں وہاں سے اتار کر چھپا دیا اور وہ اپنی عمر طبعی گزار کر 87 سال بعد سری نگر میں فوت ہوئے اور جس مسیح کے قیامت سے پہلے آنے کا ذکر ہے وہ مثیل مسیح ہوگا اور دعوی کیا کہ وہ مثیل وہ خود ہیں۔ اپنے اس دعوی کی تصدیق میں انہوں نے آیات قرآنی اور احادیث نبوی پیش کیں۔ اس موقع پر دیگر علمائے اسلام نے محسوس کیا کہ اب خاموش رہنے کا وقت نہیں کیوں کہ خدشہ تھا کہ مغربی تعلیم یافتہ لوگ بوجہ اپنی کم علمی در بارہ امورات مذہبیہ مرزا صاحب کی توجیہات کا رد نہیں کر سکیں گے۔ اس پر سید مہر علی شاہؒ نے اپنی یہ کتاب ''شمس الہدایہ فی اثبات حیاۃ المسیح'' تالیف فرمائی۔ ۸۰

پیر صاحب نے بانی مرزائیت کے ان دلائل کا ذکر فرمایا جو وہ حضرت عیسیٰؑ کے وفات پا جانے کے حق میں بیان کرتے ہیں۔

''آج کل کے تعلیم یافتہ افراد اور علماء جو علم کے مسند پر جانشین ہیں سے پوچھا جائے کہ بتاؤ آیا یا عیسی انی متوفیكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ فلما توفّیتنی کُنْتَ انت الرقیب علیھم جس قرآن کے ساتھ تمھارا ایمان ہے اس میں موجود ہے یا نہیں اور لفظ توفی قرآن میں موت کے معنی میں مستعمل ہے اور افقہ الناس عبداللہ ابن عباس نے بھی یہی معنی لیا ہے تو حسب قولہ تعالیٰ یا عیسی انی متوفیك ورافعك الیّ کے وعدہ وفات اور بمقتضائے فلمّا توفیتنی عیسی بن مریم کی موت اور اس کے بعد ان کا رفع روحانی ہو چکا اور آیت قیل ادخل الجنتہ ایسے ہی فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی اور ایسے ہی احادیث صحیحہ سب شہادت دے رہی ہیں کہ ارواح مقربین بعد الوفات جنت میں داخل ہو جاتے ہیں بعد دخول جنت کے پھر نکلنا اس سے بحکم آیت وما ھم منھا بمخر جین کے ناممکن ہے۔ ایک فلمّا توفیتنی کیا بلکہ آیت قدخلت من قبلہ الرُّسُل اور انّكَ میّت و انھم میتون اور اموات غیر أحیآء بمقامها اور فیها تحیون وفیها تموتون اور ولكم فی الارض مستقر۔۔۔ الی حین اور کانا یا کلن الطعام اور اوصانی بالصلوٰۃ والزکٰوۃ مادمت حیّا اور قُل سبحان رَبّی ھل کُنْتُ اِلّا بَشَرَرّ سُوْلاً اور ھل ینظرون اِلا اَن یاتیکم اللہُ فی ظُلل من الغام وآالملئكة وَقُضِیَ الامرُ اور ھَل ینظرون اِلا اَن تاتیھم الملئكة اَوْ یَاتِیَ ربك اَو یاتی بعض ایات ربك یوم یاتی بعض آیت ربك لا ینفع نفساً ایمانُهَا لَمْ تکن امنت من قبل اَوْ كَسَبَتْ فی ایمانها خیراً اور قالو لو لا انزل علیه ملك ولو انزلنا ملكاً لقضی الامر ثم لا ینظرون اور حدیث صحیح لا یاتی مائة سنة علی الارض نفس منفوسة نِ الْیَوْمَ یہ سب احادیث صحیحہ بآواز بلند موت ابن مریم علی نبینا و علیہ السلام کی خبر دے رہی ہیں۔ علاوہ اس کے عقل انسانی اور قصہ عود ایلیا بھی جو انجیل میں مذکور ہے صعود اور نزول مسیح سے بعینہٖ بجسدہ العنصری منکر ہیں۔ احادیث نزول ابن مریم اور خروج دجال وغیرہ منجملہ مکاشفات نبویہ کے ہیں اور کشف اجمالی مثل دیکھنے

آنحضرتؐ کے عورت پراگندہ بالوں والی کو کہ گرد اگرد مدینہ طیبہ کے گھوم رہی تھی وغیرہ وغیرہ تعبیر طلب ہوتا ہے بحالت خواب دیکھنے میں کچھ اور آتا ہے اور ظہور میں کچھ اور ہوتا ہے جیسا کہ خواب میں آپؐ نے اس عورت کو دیکھا اور تعبیر اس کی وبائے مدینہ طیبہ سے فرمائی۔ لہٰذا تعبیر میں خطا بھی ممکن ہے جیسا کہ خواب میں آپ نے یہی سمجھا کہ امسال مکہ معظّمہ کو جانا ہوگا اور بعد مراجعت فرمانے کے حدیبیہ سے معلوم ہوا کہ تعبیر میں تخصیص امسال کی غلطی ہوئی الغرض آیات و احادیث متذکرہ بالا باعث شدید ہیں۔ ماؤّل ٹھہرانے پر احادیث نزول مسیح اور خروج دجال وغیرہ کے یعنی کہ احادیث نزول سے مراد ظہور اس شخص کا ہے جو مماثل ہو۔ ابن مریم کا جیسا کہ مراد ایلیا کے دوبارہ آنے سے مثیل ایلیا یعنی ظہور یحییٰؑ کا بشادت مسیح ابن مریم کے تھا وہ شخص مثیل ابن مریم کا کون ہے؟ میں ہوں۔ ۸۱؎

پیر صاحب فرماتے ہیں کہ آج کل کے تعلیم یافتہ طبقہ حضرات ان دلائل کو مجبوراً تسلیم کریں گے۔ کیوں کہ یہ قرآن و سنت کے دلائل ہیں اور اگر نہ کریں تو قرآن و سنت کے منکر ہوں گے۔

مرزا صاحب نے یہ چیلنج کیا ہے کہ ”اس وقت آسمان کے نیچے کوئی شخص میری برابری کی لاف نہیں مار سکتا۔ میں اعلانیہ کہہ رہا ہوں ہرگز ایسا کہنے سے نہیں ڈرتا کہ مسلمانو! تمھارے اندر بعض لوگ ایسے ہیں جو محدثیت و مفسریت کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں اور بعض نازش ادب سے زمین پر پاؤں نہیں رکھتے اور ایک گروہ ہے جو خدا شناسی کا دم بھرتے ہیں اب سب کو میرے سامنے لاؤ۔ ۸۲؎

پیر صاحب اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

آپ نے بجا فرمایا۔ وہ لوگ چونکہ مفسر اور محدث اور خدا شناس ہیں تو پھر لاف زنی ان سے کیسے ظاہر ہو سکتی ہے بلکہ وہ لوگ تو چاہتے ہیں کہ آپ کو بھی اللہ تعالیٰ ایسے لافوں سے بچائے اور فوق کل ذی علم علیم کی طرف توجہ دلائے۔

رفع و نزول حیات مسیح پر دلائل

پیر صاحب اس کتاب میں دین مرزائیت کے بنیادی مسئلہ وفات مسیح کی تردید کر کے حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر بجسد عنصری زندہ اٹھائے جانے اور قیامت کے قریب زمین پر دوبارہ نزول فرما کر اسلام کی نصرت کا باعث بننے کو قرآن و حدیث سے نہایت زبردست دلائل سے ثابت فرمایا اور اسے امت اسلامیہ کے متفق علیہ عقائد سے قرار دیا ہے۔ نیز یہ بھی ثابت فرمایا کہ ان کی موت اور ان کے مثیل کے دنیا میں بطور مسیح موعود آنے کے قادیانی عقائد غلط اور باطل ہیں۔ کتاب سوالات اور جوابات کے رنگ میں ہے جس سے مسئلہ زیر بحث نہایت صاف اور واضح ہو جاتا ہے چند ایک چیدہ ابحاث کا خلاصہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔

سوال: اہل اسلام کا حضرت مسیحؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بارے میں عقیدہ اجماعیہ کیا ہے؟

جواب۔ اکثر اہل اسلام حضرت عیسیٰؑ کے اس جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر اٹھائے جانے کے قائل ہیں۔ مگر اہل اسلام حضرت عیسیٰؑ کے اس جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر اٹھائے جانے کے قائل ہیں مگر بعض محققین کا خیال ہے کہ وہ جسم برزخی تھا لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہی مسیح دوبارہ آسمان سے نازل ہوں گے۔

سوال: یہ عقیدہ محض بے اصل اور اجماعِ کورانہ ہے جیسا کہ مرزا صاحب نے ازالہ اوہام میں لکھا یا قرآن و حدیث سے بھی اس کی کوئی سند ہے؟

جواب: وَمَا قتلوہ یقیناً بل رفعه الله الیه یعنی یہود نے حضرت مسیح کو یقینا قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی طرف اٹھالیا۔ یہ نص قطعی ہے جو دلالت کرتی ہے کہ آپ یہودیوں کے ہاتھوں مقتول نہیں ہوئے بلکہ جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے۔

سوال: بل رّفعه الله إلیه سے کیا رفع روحانی مراد نہیں ہے بشہادت قرآن یاَیتھا النفس المطمئنہ ار جعی اِلی ربّكِ راضیۃً مَرْضِیۃً جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ عنداللہ معزز و مکرم ہوئے۔

جواب: آیت مذکورہ میں حسب محاورہ قرآنیہ اور اہل لسان ''بل'' کا ترجمہ ابطال ما قبل کے لیے ہے یعنی اللہ زعم یہود کو جو حضرت مسیح کے مقتول و مصلوب کے قائل تھے باطل فرماتا ہے اور ما قبل اور مابعد اضرابیہ ابطالیہ کے متضاد ہوتے ہیں یعنی دونوں معاً متحقق نہیں ہوتے بلکہ پہلے جملہ کا ابطال اور دوسرے کا اثبات کیا جاتا ہے۔ مثلاً وَقالُو اتخذ الرحمن وَلَدًا بل عباد مُکرَمُونَ میں والدیت کا ابطال اور عبودیت کا اثبات کیا گیا ہے۔ اور آم یقولون به جِنة بَل جا ءَهُم بالْحَقِ میں جنوں کا ابطال ہے اور ایتان بالحق کا اثبات ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے زید کو میں نے نہیں مارا بلکہ اس کو عزت دی۔ عمرو کو میں نے بھوکا نہیں چھوڑا بلکہ پیٹ بھر کے کھلایا۔ ان سب مثالوں میں بل سے پہلی اور پچھلی کلام کے مضمون کا باہم تضاد واقع ہوتا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ بل اضرابیہ کے ما قبل اور مابعد کے درمیان تضاد اور تنافی ضروری ہے۔ پس آیت مذکورہ میں بھی ضروری ہوا کہ مقتولیت اور مرفوعیت میں منافات ہو یعنی دشمنوں کے ہاتھوں مارے جانے اور اللہ تعالی کے حکم سے اس کی طرف اٹھائے جانے کے درمیان تضاد ہو اور دونوں چیزیں جمع نہ ہو سکیں اور یہ ظاہر ہے کہ قتل اور رفع روحانی بھی ایک لازمی امر ہے۔ پس رفع سے مراد رفع جسمانی لینا پڑے گا۔ کیوں کہ حضرت مسیح کے قتل جسمی اور رفعِ جسمی میں ہی تضاد ہو سکتا ہے اگر جسم آپ کا یہود کے ہاتھوں مقتول ہوا تو وہی جسم عالم بالا کی طرف مرفوع نہ ہوا اور اگر مسیح اسی جسم ظاہری کے ساتھ اٹھائے گئے اور یہ سوال غلط ہے کہ خدائے تعالیٰ کی طرف اٹھائے جانے سے لازم آتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے لیے بھی کوئی مکان ہو جہاں پر حضرت عیسیٰؑ کو اٹھایا گیا ہو کیونکہ اس قسم کی تمام آیات میں سلف نے عالم علوی اور سمٰوات کی طرف اٹھایا جانا مراد لیا ہے چنانچہ آیت یصعد الکلم الطیب و العمل الصالح یرفعه وغیرہ دیگر آیات میں تمام مفسرین یہی معنی لیتے چلے آرہے ہیں کہ اعمال صالح اور کلمات طیب آسمان کی طرف اٹھائے جاتے ہیں جو محل قبول خیرات ہے اور مقام علیین اور اعلی الدرجات۔

آیت اِذ قال الله یعیسی انی متوفیك ورافعُك میں توفی موت کے معنی میں لینے سے کا ابطال صحابہ اور تابعین کی تفاسیر سے کماحقہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر توفی سے موت کے معنی بھی لیے جائیں تو مرزا صاحب کا مقصد حاصل نہیں ہوتا کیونکہ یہاں متوفی اسم فاعل کا صیغہ ہے جو حال اور مستقبل دونوں پر حاوی ہے جس سے یہی معنی حاصل ہوگا کہ میں ہی آئندہ زمانہ میں کسی وقت تجھے وفات دوں گا یہ یہود تجھے قتل کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے اور تمام اہل اسلام اس چیز پر متفق ہیں۔ آپ قربِ قیامت نازل ہوں گے۔

مرزا صاحب نے قد خلت من قبله الرّسل میں خلو کو موت کے معنی دے کر استدلال کیا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کی موت پر یہ آیت دلالت کرتی ہے۔ حضرت فرماتے ہیں اس طرح ایت سنه الله الّتی قد خلتْ کے معنی ہوں گے کہ معاذ اللہ سنت الٰہی مر چکی ہے اور ادخلوا الی شیطینهم کے ماتحت جب منافقین اپنے سرداروں کی طرف جاتے تھے تو مر جاتے تھے۔

اِن دلائل اور کئی دیگر ضمنی مباحث پر استدلال کا پورا لطف اس کتاب کے دیکھنے پر موقوف ہے جو اپنے نقش اول پر نصف صدی سے زیادہ عرصہ گذرنے پر بھی بار بار طبع ہو رہی ہے۔

سیف چشتیائی 1902ء

مہر منیر میں فیض احمد فیضی وجہ تالیف کچھ یوں بیان فرمائی ہے۔

بانی مرزائیت (مرزا غلام احمد قادیانی) اپنے دعوی نبوت تک بتدریج پہنچے تھے۔ پہلے اپنے مجدد ہونے کا اعلان کیا پھر مسیح موعود ہونے کا اور آخری منزل اعلان نبوت کی تھی جو انہوں نے 1901 میں طے کی حضرت کی اپنی تصنیف ''شمس الھدایہ'' میں جہاں ان کے دعوائے مسیح ہونے کو نہایت حتمی طور پر قوی دلائل اور برہان کے ساتھ باطل قرار دیا تھا وہاں ان سے چند سوالات بھی کئے تھے اور ساتھ ہی کلمہ طیبہ کے معانی بیان کرنے کی دعوت دی تھی قریباً دو سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد مرزائیوں کی جانب سے مولوی محمد حسن صاحب نے شمس الہدایۃ کا جواب شمس بازغہ کے نام سے شائع کیا اور خود بانی مرزائیت نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر ''اعجاز المسیح'' تالیف کی اور اسے الہامی اعجاز قرار دیتے ہوئے دعوی کیا کہ اس کا جواب طاقت بشری کے لیے ناممکن ہے۔ ۸۳

ان دو کتب لکھنے سے پہلے بانی مرزائیت کی طرف سے پیر صاحب کو لاہور میں مناظرہ کا چیلنج دیا گیا جس میں اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام فتح مبین سے نوازا۔ ان دو کتابوں کے جواب میں حضرت صاحبؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب ''سیف چشتیائی'' تحریر فرمائی ۔اس میں ''اعجاز مسیح'' پر پورے ایک سو اعتراض اور اشکال وارد فرما کر آپ نے یہ آشکار فرمایا کہ مؤلف نے نہ صرف لغت اور صرف و نحو کی غلطیاں کی ہیں بلکہ سرقہ اور تحریف سے بھی گریز نہیں کیا۔ مرزائیوں کی دوسری کتاب ''شمس بازغہ'' میں مؤلف نے کلمہ طیبہ کے معانی بیان کرنے کے علاوہ حضرت صاحبؒ کی تصنیف ''شمس الہدایت'' پر مختلف اعتراضات کیے تھے کلمہ طیبہ کے معانی بیان کرنے میں پیر صاحب کی کتاب ''تحقیق الحق'' سے استفادہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر بوجہ کم فہمی کے اس کا صحیح استعمال نہ کرسکے اور تمام مضمون بے ربط ہو کر رہ گیا۔ پیر صاحب نے نہ صرف ان کی اس ناکام کوشش کو عیاں کر دیا بلکہ انہیں کلمہ طیبہ کا صحیح مطلب بھی ''سیف چشتیائی'' میں سمجھایا اور ''شمس الہدایت'' کے خلاف تمام اعتراضات کا قرآن و حدیث کی روشنی میں مفصل دلائل کے ساتھ رد فرمایا اس کتاب کو علمائے عصر نے تحریراً اور تقریراً ایک علمی شاہکار قرار دیا اور مفسرین نے اپنی تفاسیر اور مصنفین نے اپنی تصانیف میں بطور حوالہ پیش کیا۔ شعراء نے اس کی شان میں قصیدے لکھے اس کتاب کی اشاعت کے بعد علماء کے حق میں مرزائیت کی تبلیغ قطعاً غیر مؤخر ہو کر رہ گئی اور ہزاروں مذبذبین اہل اسلام عقیدہ حقہ پر مضبوط ہو گئے بلکہ کئی مرزائی اس کتاب کو پڑھ کر مرزائیت سے تائب ہو گئے۔ چنانچہ صاعقہ رحمانی بر نخل قادیانی کے مصنف مولوی حبیب اللہ امرتسری نے جو مکتوب حضرتؒ کی خدمت میں ارسال فرمایا کہ مرزائیوں کی کتاب ''عسل مصفٰی'' پڑھ کر میرے دل میں قسم

قسم کے شکوک پیدا ہوگئے تھے۔ مگر الحمد اللہ کہ جناب کی تصانیف ''سیف چشتیائی'' اور ''شمس الہدایت'' نے میرے مذبذب دل میں تسلی بخش امرت ٹپکایا اور نیز چند مرزائیوں نے اسے پڑھا۔ چنانچہ حکیم الٰہی بخش صاحب مرحوم اور اس کے لڑکے مرزائیت سے تائب ہوگئے اور اسلام پر فوت ہوئے۔

یہ کتاب بھی سوال و جواب کی صورت میں ہے آسان انداز میں اردو میں لکھی گئی۔

پیر صاحب کی یہ تصنیف ''سیف چشتیائی'' اپنے نادر استدلال، بلند پایا علمی مضامین اور مسئلہ زیر بحث پر سوال و جواب کے پیرایہ میں واضح اور دل نشین انداز اور تجزیہ کے باعث نہایت مقبول ہوئی اور آج نصف صدی گزرنے کے باوجود بھی بار بار طبع ہو کر ہاتھوں ہاتھ جارہی ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنی تفسیر بیان القرآن میں آیت **وَقولهم اِنا قَتَلنَا المسيح عيسَى ابنَ مريم رَسُولَ اللهِ** (نساء 157) کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ اور حیات و موت عیسوی کی بحث میں کتاب ''سیف چشتیائی قابل مطالعہ ہے'' اسی طرح علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے بھی اپنی کتاب ''عقیدہ الاسلام فی حیوۃ عیسیٰؑ'' کے دیباچہ میں ''سیف چشتیائی کو مسئلہ حیات مسیح پر ایک بہترین اور کافی وافی تحریر قرار دیا ہے۔ ۸۴

اب چیدہ چیدہ اقتباسات یہاں بطور نمونہ پیش خدمت ہیں۔

مرزا صاحب نے اپنے ابتدائی دور میں اپنی تصنیفات میں آنحضرتؐ کے بعد کسی نئے نبی کے آنے کو وعدہ الٰہی کے خلاف بتایا تھا مگر جب خود دعوائے نبوت کیا تو اس طرح کا استدلال لانے لگے کہ میں ظلی طور پر محمد ہوں پس اس طور سے خاتم النبین کی مہر نہیں ٹوٹی کیونکہ محمدؐ کی نبوت ان تک ہی محدود رہی یعنی جب میں بروزی طور پر آں حضرت ﷺ ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمد معہ نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں تو پھر کون سا الگ انسان ہوا جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعوی کیا۔ مؤلف شمس بازغہ نے بھی اسی استدلال کا اعادہ کیا۔ اپنی تصنیف کے خطبہ میں بھی **اشهد انّ محمداً خاتم النبيين لانبي بعده** تحریر کیا اور کہا کہ یہاں نبی سے وہ انبیاء مراد ہیں جن کی نبوت اصالتا ہو۔ مرزا صاحب تو بہ سبب اتباع کامل ظلی طور پر نبوت اور رسالت کے مدعی ہیں نہ اصالۃً پیر صاحب نے اس کا رد فرماتے ہوئے یہ ثابت فرمایا کہ مرزا صاحب نبوت اصلیہ کے مدعی تھے نہ نبوت ظلیہ اور ظلیت، بروز اور فنافی الرسول کے الفاظ کو بظاہر سپر بنا رکھا تھا۔

''اشتہار ایک غلطی کا ازالہ'' مجریہ 5 نومبر 1901 کے مندرجہ ذیل الفاظ دیکھئے۔

''چنانچہ وہ کلمات الٰہیہ جو ''براہین احمدیہ'' میں شائع ہو چکے ہیں ان میں سے ایک یہ وحی الٰہی ہے۔ ''**هو الذى ارسل رسوله بالهدى و دين الحق ليظهره على الدين كله**'' وہ خدا جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ سب ادیان پر اسے غالب کر دے'' اس میں صاف طور پر اس عاجز کو رسول کہہ کر پکارا گیا ہے'' یہ آیت سورۃ فتح کے رکوع آخر میں موجود ہے جس میں آپؐ کی رسالت اور آپؐ کے دین کے غالب کر دینے کا ذکر ہے پیر صاحب فرماتے ہیں۔

اول تو کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا کہ اگر کسی شخص کو خواب یا بیداری میں یہ آیت سنائی دے جیسا کہ اکثر حفاظ اور شاغلین کو کثرت استعمال و خیال کے سبب ایسا ہوا کرتا ہے یا فرض کیا بذریعہ الہام ہی سہی تو وہ شخص بشادت اس آیت کے رسول کہلانے کا مجاز ہو یا ایسا ہی **اُقِيمُو الصلوة و اٰتُو الزكوة** کے سننے سے کوئی دعوی نہیں کر سکتا میں نبی اور رسول ہوں اور نئی نماز اور نئی

زکوۃ کا حکم مجھ پر نازل ہوا ہے۔ لیکن بر تقدیر الہام بآیت مذکورہ **ھو الذی ارسل** بفرض محال اگر رسول کہلانے کا مستحق بنے تو اس معنی سے رسول ہوگا جو معنی اسی آیت میں مراد ہیں۔ یعنی اصلی رسول ورنہ دلیل دعوے پر منطبق نہ ہوگی کیوں کہ دعوی میں رسول ظلی اور دلیل یعنی ارسل رسولہ میں رسول اصلی اور نیز رسولہ سے رسول ظلی مراد لینے کی تقدیر میں کلام الٰہی میں تحریف معنوی لازم آئے گی۔ لہٰذا استدلال بآیت مسطورہ بلند آواز سے پکار رہا ہے کہ دعویٰ اصلی نبی ہونے کا ہے۔ اسی اشتہار میں ''ایک غلطی کا ازالہ'' میں اپنے نبی ہونے کی ایک اور دلیل مرزا صاحب نے ان الفاظ میں پیش کی تھی۔

''**ولکن رسول اللّٰہ و خاتم النبیین**'' میں ایک پیشین گوئی ہے جس کی ہمارے مخالفوں کو خبر نہیں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ آپؐ کے بعد پیشین گوئیوں کے دروازے قیامت تک بند کر دیے گئے اور ممکن نہیں کہ اب کوئی ہندو یا یہودی یا عیسائی یا کوئی رسمی مسلمان لفظ نبی کو اپنی نسبت ثابت کر سکے۔ نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی کھلی ہے۔ یعنی فنافی الرسول کی پس جو شخص اس کھڑکی کی راہ سے خدا کے پاس آتا ہے اس پر ظلی طور وہی نبوت کی چادر پہنائی جاتی ہے جو نبوت محمدیہ کی چادر ہے۔ اسی لیے اس کا نبی ہونا غیرت کی جگہ نہیں''۔

اس کے جواب میں پیر صاحب فرماتے ہیں کہ اگر فنافی الرسول کا مقام ہی رسول اور نبی کہلانے کی اجازت دیتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ صدیق اکبرؓ کی شان میں **لو کنت متخذًا خلیلاً لا تخذتُ ابابکر خلیلاً** فرمایا گیا ہے اور ایسا ہی عمر فاروقؓ نے باوجود لقب محدثیت کے اور عثمان نے باوجود کمال اتباع صوری اور معنوی کے اور علی مرتضیٰؓ نے باوجود بشارت **انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ** (تیرا مقام مجھ سے ایسے ہے جیسا ہارون کا موسیٰؑ سے) کے **سیدا شباب اھل الجنۃ** حسنینؓ نے جن کا مجموعہ بعینہٖ جمال باکمال آنحضرتؐ کا آئینہ تھا۔ رسول اور نبی کہلوانے پر جرأت نہ کی اور ہزار ہا اہل اللہ جن کے فانی فی الرسول ہونے پر ان کا سایہ کا گم جانا بھی شہادت دیتا تھا کسی نے نبی اور رسول نہیں کہلوایا قطب لاقطاب غوث اعظمؒ مکالمات الٰہیہ میں سے کسی مکالمہ میں باوجود شان اخضنا بحر اًلم یقف علی ساحلہ الانبیاء (ہم نے ایسے سمندر میں غوطہ لگایا جس کے کنارے پر انبیاء نہ ٹھہرے) کے یعنی نبی اور رسول کے لفظ سے نہ پکارے گئے یہ تو سب اسی قاعدہ مسلمہ میں محدود رہے مگر یہ حضرت باوجود اپنے اوصاف کے مقام فنا سے نبوت تک پہنچ گئے۔

مزید فرماتے ہیں ''مسلمانو! بعد آں حضرتؐ کے لقب نبی اور رسول کا کسی مسلمان کے لیے شرعی نظر سے جائز نہیں نہ اصلی نہ ظلی اگر ظلی طور پر یہ لقب متبع نبی کو عطا ہو سکتا اور فنافی الرسول کا مقام مجوز اس کا ہوتا تو سب سے زیادہ مستحق مہاجرین اور انصار ہوتے جن کا ذکر خیر کتاب و سنت میں موجود ہے۔ ۸۵؎

آنحضرتؐ کی پیشین گوئیاں

کتاب ''ایام الصلح'' میں مرزا صاحب نے آپؐ کی پیشین گوئیوں کے بیان میں لکھا تھا۔ پیشین گوئیوں میں قبل از وقوع ملہم کی رائے بھی خلاف نفس الامر مائل ہو جاتی ہے۔ مگر ایسا قبل از وقوع ہی ہوتا ہے نہ بعد از وقوع اس کا جواب دیتے ہوئے پیر صاحب لکھتے ہیں۔ سلسلہ تکوین میں آپؐ کے بعد کوئی نبی مبعوث ہونا مقدر نہ تھا۔ لہٰذا اللہ کی حکمت کا تقاضا ہوا۔ ان واقعات کے احکام بھی آپؐ کی زبان مبارک پر جاری ہوں جو قیامت تک ہونے والے ہیں اور ان کے متعلق اللہ کی رضاء یا عدم رضا بھی ظاہر ہو

تاکہ نعمت الٰہی تمام ہو اور محبت قائم پس وہ سب وقائع منکشف ہوگئے اور آپؐ نے بعض کی نسبت تو اس طرح خبر دی گویا کہ بہ چشم دیکھ رہے ہیں اور بعض کی نسبت بہ تقریبات اطلاع دی تاکہ بعد آپؐ کی امت مرحومہ تاریکی میں نہ رہے۔ میں کہتا ہوں احادیث نزول میں بھی بڑی بڑی تاکیدات اور بیان نشانیات سے اس لیے ارشاد فرمایا گیا ہے تاکہ امت مرحومہ جھوٹے مسیحیوں سے بچے اور کشف عینی والی پیشین گوئیوں کی یہی علامت ہے۔ ان ہیں بڑی توضیح و تشریح و تاکید و بیان حلفی سے کام لیا جاتا ہے۔ بخلاف کشف اجمالی کے کہ ان میں بایں طرز بیان نہیں کیا جاتا نزول مسیح وغیرہ اشراط الساعۃ والی پیشین گوئیوں بوجہ ہونے ان کے مناط احکام ورضا وعدم رضا کفر وایمان نہایت مہتم بالشان ہیں۔

مولانا عبداللہ معمار کا رد قادنیت کا کردار مارچ 1935

محمدیہ پاکٹ بک

مولانا عبداللہ معمار اور بابو حبیب اللہ صاحب کلرک دونوں مولانا ثناء اللہ صاحب کے خصوصی تلامذہ اور تربیت یافتگان میں سے تھے اور دونوں ہی انوکھے طرز نگارش کے مالک تھے دونوں حضرات امرتسر کے رہائش پذیر تھے۔ اس لئے مولانا امرتسریؒ سے خصوصی طور پر فیض یافتہ تھے۔ موجودہ صدی کے ربع ثانی میں یہ دونوں شخصیتیں نمایاں طور پر ابھر چکی تھیں اخبار اہل حدیث امرتسر میں رد قادیانیت پر ان کے مضامیں تقریباً مسلسل شائع ہوتے رہتے تھے۔ جن سے قادیانی حلقوں میں ہلچل مچ جایا کرتی تھی۔ جب کوئی اہم مناظرہ درپیش ہوتا مولانا ثناء اللہ کسی وجہ سے حاضر نہ ہوسکتے تو عموماً آپ ان دونوں حضرات میں کسی کو بھیج دیا کرتے تھے۔ آپ مولانا عبداللہ معمار ہی کو بھیجا کرتے تھے اور موصوف اپنے استاذ کا حق نیابت پورا پورا ادا کرتے تھے۔

مضامین اور مناظرات کے علاوہ ان دونوں حضرات نے رد قادیانیت کے موضوع پر تصنیفات ورسائل کی بھی ایک خاصی مقدار چھوڑی ہے۔ مولانا حبیب اللہ صاحب کلرک دفتر محکمہ النہار امرتسر کے سب مولانا ثناء اللہ امرتسری کے صاحبزادے مولانا ابورضا عطاء اللہ صاحب کے زیر اہتمام ثنائی پریس کے چھپے ہوئے ہیں۔ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ مولانا حبیب اللہ صاحب کے رسائل کی تعداد سترہ 17 ہی ہے۔ کیونکہ ان میں سے صرف ایک رسالہ 1929 کا شائع شدہ ہے۔ بقیہ رسائل صرف ڈھائی سال کے دوران یعنی دسمبر 1932 سے 1935 کے وسط تک کے طبع شدہ ہیں۔ حالانکہ ان کی تقریری اور تحریری خدمات کا دائرہ ڈھائی برسوں پر محیط نہیں ہے۔

مولانا عبداللہ معمار کو تحریری میدان میں بھی ایک خاص امتیازی حیثیت حاصل ہے اور انہیں قادیانیت کے موضوع پر مولانا امرتسری کا صحیح جانشیں کہا جاسکتا ہے وہی انداز استدلال، وہی طرز گفتگو، وہی انداز تحقیق و تنقید، گویا شاگرد استاد کی خامیوں اور کمالات کا صحیح معنوں میں اتباع کیا ہے۔

رد قادیانیت پر مولانا عبداللہ معمار کی نہ تو جملہ تالیفات دستیاب ہوسکیں اور نہ ہی ان کی جامع فہرست مل سکی۔ البتہ ان کی صرف ایک ہی تالیف سینکڑوں تالیفات پر بھاری ہے اور وہ ہے ''محمدیہ پاکٹ بک'' قادیانیت کے موضوع سے دلچسپی رکھنے والا انسان اس کتاب سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ رد قادیانیت پر اس کی حیثیت ''انسائیکلوپیڈیا'' یا ''دائرہ المعارف'' کی سی ہے۔ یہ مولانا

صاحب کی کتاب ایک علمی تحقیقی اور تنقیدی شاہکار ہے۔ تردید قادیانیت کے سلسلے میں جو کچھ ممکن ہے وہ اس کتاب میں موجود ہے۔ یہ کتاب چھوٹے سائز کے ساتھ سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور ہر صفحہ باریک خط میں 23 سطروں پر مشتمل ہے اس میں 258 عنوانات کے تحت قادیانیت کے موضوع سے متعلق تمام مباحث پر فیصلہ کن گفتگو کی گئی ہے اور کسی مبحث کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا گیا۔ درحقیقت یہ کتاب قادیانیت کے موضوع پر سب سے زیادہ جامع اور ہمہ گیر ہے اور یہ عرب کی مشہور کہاوت ''ہر شکار نیل گائے کے پیٹ میں ہے'' کے مصداق ہے۔

اس کتاب پر اس وقت کے ہند اور بیرون ہند کے چوٹی کے رسائل و جرائد... معارف اعظم گڑھ، جامعہ، دہلی، فاران، بجنور، انجم لکھنؤ، شیر رنگون، خلافت، بمبئی، مدینہ بجنور، احسان لاہوری، مسلمان سوہدرہ اور دیگر رسائل و جرائد نے نہایت شاندار اور حوصلہ افزاء تبصرے کئے ہیں اور بالعموم اس کتاب کو اپنے موضوع پر منفرد قرار دیا اور حقیقت بھی یہی ہے بلکہ یہ کتاب بعض ایسی منفرد خصوصیات کی حامل ہے کہ اس کو حرف آخر کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔

یہ کتاب پہلی بار یکم مارچ 1935 کو مولانا ثناء اللہ امر تسری کے ثنائی پریس امر تسر سے طبع ہو کر شائع ہوئی اور صرف تین ماہ کے قلیل عرصہ میں ہاتھوں ہاتھ نکل گئی اس کل صفحات 534 ہیں۔

دوسرے ایڈیشن کی اشاعت سے پہلے مصنف ملک کے نامور اہل علم کے مشورہ کی روشنی میں کتاب کے اندر کئی طرح کے اضافے کئے جس کے نتیجے میں دوسرا ایڈیشن کی بابت کی تفصیلات کا علم نہ ہو سکا۔ تقسیم ملک کے بعد یہ کتاب ناپید ہو رہی تھی جبکہ قادیانیوں کی سرگرمیاں اندرون پاکستان تیز سے تیز تر ہو رہی تھیں۔ اس لیے اس کی طباعت و اشاعت کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی۔ یہ بیڑہ مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب بھوجیانی اٹھایا اور المکتبۃ السّلفیہ لاہور کے زیر اہتمام جولائی 1964 میں اس کا چوتھا ایڈیشن شائع ہوا۔

خاتم النبیین

یہ کتاب ختم نبوت پر تمام عقلی و نقلی دلائل کی جامع ہے اور حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے اس کا تعارفی اشتہار موصوف ہی کے ایک رسالہ ''کباب مرزا'' کے ٹائٹل کے پچھلے اور آخری صفحہ پر دستیاب ہوا ہے جو اس کی طباعت سے پہلے کا ہے۔ 400 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے بارے زیادہ علم نہیں ہے۔

مولانا عبداللہ معمار اور حبیب اللہ امر تسری کے علاوہ ثناء اللہ امر تسری کے تربیت یافتگان میں بابو محمد اسحاق امر تسری بھی خصوصیت کے ساتھ قابل زکر ہیں۔ یہ وہی بابا محمد اسحٰق ہیں جنہوں نے مولانا امر تسری پر کئے جانے والے قاتلانہ حملہ میں لپک کر قاتل کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ رد قادیانیت کے موضوع پر موصوف کے متعدد رسائل موجود ہیں جن کے مطالعے سے مولانا موصوف کی علمی قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے ان میں سے بعض رسائل کے آغاز میں علمائے کرام کی زریں آراء بھی شامل شائع کی گئی ہیں جو ان رسالوں کی افادیت اور مقبولیت کے آئینہ دار ہیں۔

بعض اشتہارات سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ موصوف ''صحیفہ حقانی'' کے نام سے ایک ماہنامہ بھی رسالہ بھی جاری کرتے تھے جن میں دیگر موضوعات کے علاوہ رد قادیانیت پر بھی باقادگی سے مضامین شائع ہوتے تھے۔

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی۔ 1291ھ تا 1375ھ کی خدمات

شہادت القرآن 1321ھ

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کی یہ عظیم الشان کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے حصہ اول میں حضرت عیسیٰؑ کی حیات پر بحث ہے اور دوسرے حصہ میں مرزا صاحب کی پیش کردہ تیس آیات کا تسلی بخش جواب ہے۔ جنہیں مرزا صاحب نے ازالہ اوہام میں وفات عیسیٰؑ کے ضمن میں پیش کیا ہے پہلا حصہ رجب 1321ھ میں مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی میں زیور طبع سے آراستہ ہوا اور دوسرا حصہ بھی مرزا صاحب کی زندگی میں رمضان المبارک 1323ھ میں طبع ہوا جبکہ مرزا صاحب 24 ربیع الاوّل بمطابق 26 فروری 1908 کو دار فانی سے رخصت ہوئے۔

حقیقت میں شہادت القرآن کا جواب نہیں اسی نے خود ان کی جماعت میں بھی اس کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی اس کی دو وجہیں ہیں اول یہ کہ مولوی محمد اکمل صاحب ''شہادت القرآن'' کے مطالب عالی اور لطائف علمیہ کو سمجھ نہیں سکے۔ بلکہ جن امور کو بالصریح بیان کیا گیا ہے۔ ان کو بھی خیال میں نہیں رکھ سکے بلکہ جو باتیں مرزا صاحب خود بیان کرتے تھے وہی دہرائی گئیں ہیں۔ حالانکہ ان کی تردید ''شہادت القرآن'' میں کی جاچکی ہے۔ خاکسار نے اس کتاب کو اس اہتمام سے لکھا تھا کہ مرزا قادیانی اور اس کی جماعت کے علماء اس کے جماعت سے عاجز ہیں۔ اگر کچھ ان کی طرف سے اس کا جواب نکلے تو اس کا جواب ''شہادت القرآن'' میں ہی ہے مجھے نیا جواب لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مرزا قادیانی اور اس کی ذریت اس کے دلائل کا توڑ نہ کر سکی اور جواب میں جو آیا مجھے اس کے جواب الجواب کے لئے ''شہادت القرآن'' سے باہر نہ جانا پڑا دوسری وجہ یہ کہ خاکسار نے شہادت القرآن کا پہلا حصہ چھپوایا، ساڑھے پانچ سال بعد مرزا صاحب کے بعد صرف پہلے باب کا جواب طبع ہوا اور دوسرے باب سے جس میں مرزا صاحب کے دلائل کو لغت عرب، قواعد علمیہ، احادیث نبویہ، علوم الٰہیہ اور اصول استدلال سے ایسا غلط ثابت کیا گیا کہ اس کے مطالعہ کے بعد مرزا صاحب کی عیسوئیت کا رنگ تو کجا ان کی علیت کا بھی بھرم کھل جاتا ہے اور قطار علماء میں بھی شمار نہیں ہو سکتے۔ استفسار کیا جائے کہ دین چہ بوالعجیست۔ لہٰذا خاکسار محمد اکمل صاحب کے جواب کا جواب ہی نہیں سمجھا جاتا۔ (شہادت القرآن، مولانا محمد ابراہیم، ص: 6، حصہ اول، طبع سوم، مجلس تحفظ ختم نبوت۔ پاکستان)

حصہ اول کی یہ تیسری طباعت ذی قعدہ 1346ھ بمطابق 1928 میں ہوئی۔ اسی جواب الجواب کی تیسری اشاعت حصہ اول کے ایک نسخہ پر مولانا محمد ابراہیم نے طبع چہارم کے لیے اپنے دست مبارک سے جگہ جگہ ضروری اضافے فرمائے اور اس نسخہ کے سرورق پہ الفاظ تحریر فرمائے کہ اس نسخہ کو ضائع نہ ہونے دیا جائے چنانچہ اس نسخہ کے تمام اضافوں کے ساتھ یہ مکمل کتاب چوتھی بار ذی الحجہ 1377 ھجری، جولائی 1958ء میں طبع ہوئی۔ اس کا پہلا حصہ 228 اور 132 صفحات پر مشتمل ہے۔

''شہادت القرآن'' حضرت رائے پوری اور مجلس تحفظ ختم نبوت

اس کتاب کی طبع چہارم تمام تر حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری کی توجہ خاص کی مرہون منت ہے انہیں کی ہدایت و حکم پر اس کی طباعت کا اہتمام مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے ''حرف اول'' میں لکھا گیا:

''اثبات حیات مسیح کے عنوان سے حضرت مولانا محمد ابراھیم صاحب کی معرکۃ الارآء تصنیف محتاج تعارف نہیں۔ اس کتاب کی مقبولیت کااندازہ لگائیے کہ یکے بعد دیگرے چند مرتبہ اشاعت کے باوجود بازار سے ناپید ہو گئی ہے اور اس کے بعد زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکی۔ حسن اتفاق سے کتاب کا ایک نسخہ مولانا عبدالقادر رائے پوری کی خدمت میں پیش کیا گیا تو حضرت صاحب نے موضوع کی عظمت، مضامین کی بلندی اور دلائل کی پختگی سے متاثر ہو کر اس کتاب کو کچھ مجالس میں بالا قساط پڑھوایا۔ ساعت کے بعد حضرت صاحب نے اس کتاب کی فوراً اشاعت کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ سب سے پہلے مولانا ابراھیم سیالکوٹی کے بھتیجے مولانا عبدالقیوم صاحب سے مولانا مرحوم کا وہ ذاتی نسخہ اصل مل گیا جس میں مولانا صاحب نے طبع چہارم کے لیے جابجا ضروری اضافہ اور مناسب ترمیم کو بصورت حاشیہ قلم بند کر رکھا تھا۔ مگر انہیں اپنی زندگی میں اس کی اشاعت کا موقع نہ مل سکا۔ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور تردید مرزائیت کے سلسلے میں موضوع کی مناسبت سے اس کتاب کی اشاعت کے اہتمام کی سعادت حضرت رائے پوری کی خواہش کے مطابق مجلس مرکزیہ ''تحفظ ختم نبوت'' پاکستان ملتان کو نصیب ہوئی۔ ۸۶ے

علمائے دیوبند کی رائے

بحیثیت مجموعی علمائے دیوبند نے اس کتاب کی علمی جامعیت کا اعتراف کیا چنانچہ مولانا صاحب دیباچہ ثالث میں لکھتے ہیں:

میں حضرات دیوبند کا خصوصیت سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنی علمی قدر شناسی اور فراخدلی کا عملی ثبوت دیا۔ خصوصاً مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کا کہ وہ برابر طلباء اور زیر اثر شائقین کو اس کتاب کی طرف توجہ دلاتے رہتے ہیں۔ ۸۷ے

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑویؒ اپنی رائے کا اظہار فرماتے ہیں۔

''رسالہ ''شہادت القرآن'' نظر ناقص سے گزرا جس نے اہل اسلام کو الحاد اور تحریف سے بچانے کی وجہ سے مامون و ممنون فرمایا۔ لاریب فیہ یہ اہل اسلام کے لیے عظیم تحفہ ہے۔ اس کتاب میں دیگر تالیفات سے جداگانہ جھلک دکھائی دیتی ہے۔

''فللہ دار المؤلف حیث اری الناظر کل کلمتہ من کلمات القرآنیہ سلطا دارھا و کل آیات من آیات الفرقانیہ برھان بارھا و ان ماتوھم فیھا من التکرار فمن رمد الابصار''۔ ۸۸ے

کتاب کا پہلا حصہ تین مقدمات ایک تنبیہ اور دو فیصلوں پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں معجزہ، کرامت اور خرق عادت امور کے ثبوت پر بحث ہے قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور کتب کلمائے اسلام سے یہ ثابت کیا ہے کہ معجزات کا وجود برحق ہے تمام قدیم حکماء بھی معجزات کو تسلیم کرتے تھے بلکہ اس کے منکر کو قابل سزا سمجھتے تھے۔ اس سلسلے میں معجزات کو غیر معقول قرار دے کر معقول و منقول میں تطبیق و توفیق کی روش سے پہلے ''بو علی سینا'' نے نکالی اور ان کے افکار میں کوئی بھی ایسی یقینی دلیل نہیں جس پر اعتماد کیا جاسکے۔

اس ضمن میں مولانا مرحوم نے طریق ثبوت معجزات پر بحث کرکے اس کی تکمیل کر دی اور صاف صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ امکان معجزات سے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام ہر ممکن امر کو محض اس کے امکان کی بناپر واقعہ کی صورت میں بھی نہیں منواتا بلکہ اس کے امکان کے بعد اس کے وقوع کے لیے اس خبر کا پرکھنا بھی ضروری ہے کہ وہ سچی ہے یا کیسی؟ سچی ثابت ہو جانے پر

اس کی تسلیم و تصدیق سے اپنے خیالات و قیاسات سے جس کی بنا قصور فہم یا عدم علم یا نقص علم پر ہے ان کا انکار نہ تو عقلاً صحیح ہے اور نہ شرعا درست ہے واللہ الھادی۔۹ے

مولانا صاحب کے یہ الفاظ کسی وضاحت کے محتاج نہیں نہ معجزہ کا انکار ممکن ہے اور نہ کرامات کا لیکن اس کے وقوع اور ثبوت کا پرکھنا بہر حال ضروری ہے۔ اولیاء کرام کی طرف منسوب کرامات جو آج پڑھنے اور سننے میں آتی ہیں اگر ان کے وقوع کے بارے میں تیقن کے مسلمہ اصول کو اپنا لیا جائے تو بہت حد تک یہ مسئلہ سلجھ سکتا ہے۔ اہل اللہ کے نزدیک اصل استقامت ہے کرامت نہیں۔ وہ کرامات کا اخفاء پسند فرماتے بلکہ شیخ عبدالقادر جیلانی نے یہاں تک فرمایا کہ جب کوئی اہل اللہ کی کرامتوں سے کسی کرامت پر مطلع ہو جاتا تو اسے قسم دلاتے اور فرمایا کرتے تم نے یہ کرامت دیکھ لی۔ ہاتھ لاؤ عہد کرو کہ زندگی بھر اس کا کسی سے تذکرہ نہیں کروگے۔ غور فرمایئے اللہ والوں کا یہ انداز اور کجا آج کی ہوس رانی کی انتہا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا حیات مسیحؑ سے انکار کا ایک سب سے بڑا سبب یہی معجزات سے انکار پر مبنی تھا۔ اس لیے مولانا محمد ابراھیم سیالکوٹی نے مقدمہ میں اس کی ضروری توضیح بیان فرما دی بلکہ قارئین کے لیے چونکا دینے والا یہ انکشاف بھی ساتھ ہی کر دیا۔ مرزا غلام احمد دعوی مسیحیت سے پہلے تو معجزات کا قائل تھا بلکہ حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ دنیا میں تشریف لانے کا بھی معترف تھا جیسا کہ اس کی کتاب ''سرمہ چشم آریہ'' اور ''براھین احمدیہ'' سے ظاہر ہوتا ہے لیکن جب مسیحیت کا دعوی کرنے کی سوجھی اور حضرت عیسیٰؑ کی حیات اور رفع سماوی راستے میں حائل نظر آئی تو پٹری ہموار کرنے کے لیے جھٹ سے معجزات کا انکار کر دیا۔

مقدمہ ثانی میں معجزات کے منکرین کی سب سے بڑی دلیل ''سنت اللہ'' کی وضاحت ہے۔ منکرین کے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ وہ کارخانہ قدرت میں ایک خاص نظام کو دیکھتے ہیں۔ مثلاً ماں باپ کے اختلاط سے شکم مادر سے پیدا ہونا، بچپن، جوانی، بڑھاپا، زمین پر بسر کرنا، کھانا، پینا اور حوائج ضروریہ سے دوچار ہونا اور مر کر قبر میں دفن ہو جانا۔ اس نظام کو وہ سنۃ اللہ سے تعبیر کرتے ہیں اور دعوی کرتے ہیں کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ ''ولَن تجل سنۃ اللہ تبدیلا'' یعنی سنت الہی بدلا نہیں کرتی۔ اس بنیاد پر حضرت عیسیٰؑ کا بغیر باپ پیدا ہونا اور پھر آسمان پر اٹھائے جانے کا انکار ہے کہ یہ انسان کے بارے میں سنت اللہ ہے۔ اس کے خلاف ہے مولانا سیالکوٹی نے مقدمہ ثانی میں اس اصطلاح سنت اللہ کی وضاحت کی ہے اور قرآن پاک میں جہاں جہاں یہ الفاظ آئے ہیں۔ ان کے تناظر میں اس عقدہ کی گرہ کشائی کی ہے کہ اس سے مراد انبیائے کرام کی نصرت اور ان کے مقابلے میں دشمنوں کی تباہی و بربادی مراد ہے پھر کسی معاملے کو خود لسنۃ اللہ باور کر لینے سے یہ کیسے لازم آجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یا رسول کریمؐ کے نزدیک بھی یہی ''سنۃ اللہ'' ہے دعوی بلا دلیل قابل سماعت نہیں جب انسان اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے اسرار و رموز اور اس کے نظام کو نہ کامل دلی طور پر سمجھ سکتا ہے اور نہ ہی ان کا احاطہ کر سکتا ہے تو پھر بلا دلیل کسی نظام کو سنت اللہ قرار دینا کیونکہ درست ہو سکتا ہے۔

مقدمہ ثالث میں حضرت عیسی کی خصوصیت پر بحث ہے کہ عیسیٰؑ کی ذات بابرکت ولادت سے لے کر آسمان پر اٹھائے جانے تک سراپا معجزات و خوارق پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قدرت کاملہ کا نشان قرار دیا ہے ان کی ولادت بچپن میں حکیمانہ، ان کے معجزات، رفع آسمانی اور آسمان سے نزول سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملی کے نشانات ہیں۔ ایک مومن صادق کے

لیے جس طرح پہلی تین حقیقتیں واقعی ہیں۔اسی طرح اس کے لیے آخری دونوں باتوں سے انکار کی گنجائش بھی باقی نہیں رہتی، مگر ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

ان تینوں مقدمات کے بعد "تنبیہ" میں اثبات مدعی کے لیے حضرت مولانا نے اپنے مآخذ کو بیان کیا ہے اور وہ ہیں قرآن، حدیث اور لغت عرب، اس لے انہوں نے قرآن پاک کی آیات کی تفسیر و تعبیر میں جابجا حضرات مفسرین کے اقوال کو بھی اپنی تائید کی ضرورت کے سلسلے میں بیان کیا۔اس کا ایمان افروز جواب خود انہیں کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

"مفسرین کے اقوال صرف اس لیے ذکر کئے ہیں کہ زمانہ جہالت میں کفران نعمت کی صفت مذموم بڑھتی جاتی ہے۔ بناء برآں بعض مصنف تو تحقیقات کو اپنی طرف منسوب کرنا چاہتے ہیں اور بعض مآخذ کا پتہ نہیں بتاتے اور بعض آئمہ مفسرین کے اقوال کو عزت کی نظر سے نہیں دیکھتے لیکن خاکسار دونوں امروں میں ان لوگوں کے ساتھ نہیں جس امر کو کاتب سے لکھ لیا ہے اس کا نام لکھ دیا ہے اور مفسرین کے جس قول کو اختیار کیا ہے۔اس کی تائید قرآن و حدیث اور لغت عرب یا قواعد علمیہ سے کردی ہے۔ بس جس قدر شناس لوگ سلف صالحین کے اقوال کو قرآن و حدیث، لغت عرب اور قواعد علمیہ سے مؤید پائیں گے تو ان شاء اللہ بد ظنی دور ہو جائے گی۔ دوسرے اس غرض کے لیے کہ اپنے موافقین کو زیادہ اطمینان حاصل ہو کہ نازک خیالی کے مدعی جو حقیقت میں تفسیر بالرائے کرتے ہیں "نہیں پہنچ سکتے"۔[90]

مولانا ابراھیم سیالکوٹی نے اس کتاب کی تیاری میں 130 سے زائد کتابوں سے استفادہ کیا جس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا صاحب نے کسی قدر عرق ریزی سے کام لیا ہے۔

مولانا محمد انوار اللہ خان 1325ھ کی رد قادیانیت میں خدمات

افادۃ الافہام (2 جلد) اردو

مرزا صاحب کی کتاب "ازالہ اوہام" کا جواب امت محمدیہ میں سے متعدد افراد نے دیا۔ قاضی سلمان منصور پوری نے "غائت المرام" اور "تائید الاسلام" قاضی فضل احمد نے "کلمہ فضلِ رحمانی" اور مولانا محمد انوار اللہ خان صاحب نے "افادۃ الافہام" کے نام سے کتابیں لکھیں۔

اِفادۃ الافہام بڑے سائز کی دو جلدیں ہیں پہلی جلد 376 صفحات اور دوسری 360 صفحات پر مشتمل ہے۔ جلد دوم کے آخر میں سن تصنیف اس سے لیا گیا ہے۔

اہل حق کو ہے مژدہ جان بخش   قادیانی کا رد خوش اسلوب
ہے معلّٰی پہ اس کا سال طبع   ہوئی تردید اہل باطل خوب 1325ھ

رد قادیانیت پر کام کرنے والے ان دونوں جلدوں کے انڈکس پڑھ لیں تو حیران رہ جائیں گے کہ شاید ہی قادیانیت کا پھیلا ہوا کوئی ایسا وہم ہو جس کا جواب اس کتاب میں موجود نہ ہو۔ اس کتاب میں مرزا صاحب کے تمام دعاوی اور خیالات کا جواب قرآن و سنت کی روشنی میں دیا گیا ہے۔ جگہ جگہ مرزا صاحب کی تحریروں پر گرفت کرکے ان کا علمی رد پیش کیا گیا ہے۔ تحریر میں ترشی یا تلخی نام کی کوئی چیز نہیں ملے گی۔

یہ کتاب زبردست دلائل، محکمہ براہین وعمدہ الفاظ کا مجموعہ ہے۔ مصنف موصوف صوبہ جات دکن کے مذہبی امور کے صدر الصدور (چیف جسٹس) ایک جہاں دیدہ عالم دین اور دین دنیوی علوم کے حامل تھے۔ یہ کتاب اس موضوع پر حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے۔

توضیح الکلام فی اثبات حیات عیسیٰ

اس کتاب کے مصنف ابو عبیدہ نظام الدین۔ مارچ 1936 محرم 1355ھ ہیں جو اردو زبان میں تحریر کی گئی ہے۔

قرآن وسنت، آثا صحابہ، اقوال بزرگان دین اور تصریحات سلف صالحین سے ثابت کیا گیا ہے کہ حیات عیسیٰ کا عقیدہ امت محمدیہ کا ایک اجماعی عقیدہ ہے۔ اس کا منکر دین اسلام کے بنیادی عقیدہ کا منکر ہونے کے باعث ناقابل اعتبار ہے۔ حیات عیسیٰ کے عنوان پر یہ انتہائی مدلل اور تحقیقی کتاب ہے۔ اس کتاب میں مرزا صاحب کی تمام تحریروں اور خیالات کا علمی محاکمہ کیا گیا ہے۔ حیات عیسیٰ کا مطالعہ کرنے والا کوئی انسان بھی اس کتاب سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اس کے کل صفحات 358 ہیں مطبع کا نام درج نہیں ہے۔

کلمہ فضل رحمانی بجواب اوہام قادیانی

اس کتاب کے مولف قاضی فضل احمد ہیں۔ اس کو 1988 میں دوسری بار طبع کیا گیا ہے یہ اردو زبان میں تحریر کی گئی ہے۔

یہ کتاب تقریباً ایک صدی پہلے لکھی گئی تھی۔ ایک صدی بیت جانے کے باوجود اس کے مضامین کی خوبصورتی وحسن استدلال جوں کا توں قائم ہے۔ اب یہ اتنی نایاب تھی کہ اس کا کوئی نسخہ کہیں بھی موجود نہ تھا۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان نے روزنامہ جنگ لاہور اور دیگر رسائل وجرائد میں اس کتاب کے متعلق اشتہار دیا۔ چنانچہ ایک نسخہ کہیں سے مل گیا جس کی فلم لے کر اعلیٰ خوبصورت، دیدہ زیب، طباعت آفسٹ پیپر پر انتہائی خوبصورت ٹائٹل سے اسے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان ملتان نے 1988 میں شائع کروایا۔ مرزا صاحب بھی گورداسپور کے تھے اور اس کتاب کے مصنف بھی گورداسپور کے رہنے والے تھے۔ طبع اول 1314ھ اور طبع دوم 1988ء میں ہوئی۔ یہ کتاب مرزا صاحب کی زندگی میں شائع ہوئی۔ 175 صفحات پر مشتمل کتاب انتہائی مدلل اور محققانہ انداز میں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کے مصنف پولیس انسپکٹر تھے۔ اس لیے انہوں نے مرزا صاحب کی شخصیت، جماعت، عقائد، عزائم، علم وعمل کی خوب تفتیش کی ہے۔ یہ کتاب مرزا صاحب کی کتاب ''انجام اتھم'' کا مکمل جواب ہے۔

مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری۔ طبع دوم 1396ھ

مجموعہ رسائل (گیارہ عدد رسائل)

(1) فتح قادیان کا مکمل نقشہ جنگ
(2) مرزائیوں کا چیلنج
(3) مرزائیت کا خاتمہ
(4) مرزائیت کا جنازہ بے گوروکفن
(5) مرزائیوں سے خدائی مباہلہ
(6) مرزا اور مرزائیوں کا دربار نبوت سے چیلنج

(7) قادیان میں قیامت خیز زلزلہ (8) ابطال استدلال الدجال
(9) مرزائیوں کے گلے کی لعنت کا طوق (10) تعلیم الخبیر فی حدیث ابن کثیر
(11) صاعقہ آسمانی بر قادیانی

نمبر 1 سے 6 تک رسائل کے کل صفحات 30 تیس ہیں۔ نمبر 7 کے دس صفحات نمبر 8 اور نمبر 9 کے 68 صفحات نمبر 10 کے 12 صفحات ہیں اور نمبر 11 کے 44 صفحات ہیں۔ یہ رسائل 1343ھ میں شائع ہوئے۔ اب طبع ثانی "عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان پاکستان" نے ان کی مجموعہ کو ایک خوبصورت جلد میں ایک ساتھ شائع کر دیا ہے۔ ان کے آخر میں چار صفحات قادیانی عقائد ہیں جو مولانا محمد یوسف لدھیانوی کے مرتبہ ہیں۔ یوں یہ کتاب 150 صفحات پر مشتمل ہے جو اپنے علمی، تنقیدی اور تحقیقی انداز میں بے نظیر اور لاجواب ہے۔ مولانا چاند پوری مرحوم اپنے وقت کے زبردست مناظر اسلام تھے۔ جنہوں نے ہر میدان میں قادیانیوں کو شکست دی یہ تحقیقی رسالے ان کی علمی یادگار ہیں۔

مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور تردید قادیانیت پر ان کی تصنیفی خدمات

انفرادی اور اجتماعی سطح پر قادیانیت کے لیے جو کوششیں کی گئیں ہیں ان میں دارالعلوم دیوبند کا ایک اپنا منفرد کردار رہا ہے اور ان علماء میں سے مولانا انور شاہ کشمیری مولانا مرتضٰی چاند پوری، مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا محمد انور لائلپوری، مولانا بدر عالم، مولانا حفظ الرحمٰن مرحوم مولانا ثناء اللہ امرتسری اور چھوٹے بڑے سینکڑوں علماء نے اپنی صلاحیت اور استطاعت کے مطابق تحریری و تقریری میدان میں قادیانیت کی تردید کو ایک اسلامی فریضہ سمجھتے رہے قادیانیت کا تعاقب کرنے والے ان علماء میں مولانا انور شاہ کشمیری کا نام بہت نمایاں ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی تحریک نے جب پورے ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور نت نئے دعوے اور روز مرہ اپنے منصوبوں میں جو تبدیلیاں کیں اور پھر خدا کے نیک بندوں کا جس طرح مذاق وہ مرزا صاحب کا تصنیف کردہ ادب ان پہلوؤں سے بھرا پڑا ہے یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ مرزا صاحب نے جب اپنے مسیح موعود ہونے کا اعلان کیا اور خدا کے برگزیدہ نبی سیدنا عیسٰی علیہ السلام کے لیے صراحتاً اعلان کیا کہ ان کی وفات ہو گئی اور وہ کشمیر کے ایک شہر سرینگر مین دفن ہیں تو علامہ انور شاہ کشمیری نے اپنی مستعار زندگی میں اس فتنہ کا شدت سے احساس کیا آپ نے خود لکھا اہل علم و دانشور طبقہ کو بھی متوجہ کیا ور بالخصوص اپنے فاضل تلامذہ کو بھی تلقین کی کہ وہ بھی اپنی صلاحیتوں کو قادیانیت کی تردید میں وقف کر دیں چنانچہ مفتی محمد شفیع صاحب اپنے مقالہ "فتنہ قادیانیت" میں یوں لکھتے ہیں کہ:

"ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ہم چند خدام جلسہ قادیان میں حضرت ممدوح کے ساتھ حاضر تھے صبح کی نماز کے بعد حضرت شاہ صاحب نے اپنے مخصوص تلامذہ حاضرین کو خطاب کرکے فرمایا کہ زمانہ کو الحاد کے فتنوں نے گھیر لیا اور قادیانی دجال کا فتنہ ان سب میں زیادہ شدت اختیار کرتا جاتا ہے اب ہمیں افسوس ہوتا ہے کہ ہم نے اپنی عزم اور توانائی کا بڑا حصہ اور درس حدیث کا اہم موضوع حنفیت و شافعیت کو بنائے رکھا ملحدین زمانہ کے وساس کی طرف توجہ نہ دی حالانکہ ان کا فتنہ مسئلہ حنفیت و شافعیت سے کہیں زیادہ اہم تھا۔ اب قادیانی فتنہ کی شدت نے ہمیں اس طرح متوجہ کیا تو میں نے اس کے متعلقہ مسائل کا کچھ مواد جمع کیا ہے اگر میں اس کو خود تصنیف کی صورت میں مدون کروں تو میرا طرز ایک خاص علمی اصطلاحی رنگ کا ہے اور زمانہ قحط الرجال کا

ہے اس قسم کی تحریر کو نہ صرف یہ کہ پسند نہیں کیا جاتا اس لیے اگر آپ لوگ کچھ ہمت کریں تو یہ مواد آپ کو دے دوں گا اس وقت حاضرین میں چار آدمی تھے احقر ناکارہ (مفتی محمد شفیع دیوبندی)، حضرت مولانا سید مرتضٰی حسن دیوبندی، ناظم شعبہ تعلیم و تبلیغ دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا بدر عالم صاحب سابق مدرس دیوبند۔ حضرت مولنا محمد ادریس صاحب کاندھلوی سابق مدرس دارالعلوم دیوبند۔ ہم چاروں نے عرض کیا کہ جو حکم ہو ہم امتثال امر کو سعادت کبری سمجھتے ہیں۔ ۹۱؎

سب سے پہلے مولانا انور شاہ کشمیری صاحب کی ان تصانیف کا جائزہ پیش کریں گے جو آپ نے رد قادیانیت پر محققانہ انداز میں تصنیف کیں۔

(1)۔"عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام"

اس سلسلہ کی سب سے پہلی کڑی "عقیدہ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام ہے یہ کتاب اڑھائی سو صفحات پر مشتمل ہے جسے "رمضان المبارک 1343ھ میں آپ نے تصنیف فرمایا۔ اس کتاب کی ابتداء میں ارشاد ہے کہ

"الحمد اللہ الذی جعل الحق یعلو ولا یعلی و جعل کلمتہ ھی العلیاء و ترك الباطل زبدًا رابیًا یذھب جفاءً"

مقدمہ میں ارشاد ہے۔"حیات عیسی علیہ الصلوۃ والسلام سے متعلق میں نے طلباء کے سامنے ارتجالاً ایک تقریر کی تھی مقصد یہ تھا کہ وہ اس سلسلہ میں مسلح رہیں اور قادیانیت کی تردید کے لیے مستعد ہوں بعد میں ضرورت محسوس ہوئی کہ اسے تالیف کی شکل دوں تاکہ امت محمدیہ زیغ وضلال سے محفوظ رہے اور قرآنی حقائق کی منکر ہو کر عذاب الٰہی کی مستحق نہ بنے حضرت شاہ صاحب نے اس کا ایک نام اپنے قلم سے "حیاۃ المسیح متن القرآن والحدیث الصحیح" تحریر فرمایا۔ ۹۲؎

مرزا صاحب چونکہ بار بار حیات مسیح کا انکار کرتے تھے اس لیے ان کی تردید میں یہ کتاب تصنیف کی گئی جس میں قرآن مجید کی ان آیات کو متن کی حیثیت دی گئی جو حیات عیسیٰ سے متعلق رکھتے ہیں پھر ان کی تشریح و تائید کے لیے احادیث پیش کی گئیں "توفی" کی حقیقت اور مفہوم پر عالمانہ بحث کنایہ و مجاز کی حقیقت۔ ذوالقرنین کا تعین یاجوج ماجوج کا تشخص۔ ملا سکندری کی دریافت اور بہت سے فاضلانہ مباحث اس کتاب میں موجود ہیں۔ ۹۳؎

اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ عربی زبان میں تحریر کی گئی یہ کتاب کہنے کو تو ایک مسئلہ کی بہترین و جامع تحقیق ہے لیکن حضرت شاہ صاحب کی تقریر و تحریر کو جاننے والے جانتے ہیں کہ ایک مسئلہ کے ضمن میں کتنے علوم و معارف کے ابواب آجاتے ہیں یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک عجیب و غریب تصنیف ہے۔

(2) تحیۃ الاسلام فی حیاۃ عیسی علیہ الصلوۃ والسلام

آٹھ سال بعد اور اپنے سانحہ وفات سے ایک سال پہلے 1351ھ میں بزمانہ قیام ڈھابیل حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام ہی کی حیات سے متعلق ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب تصنیف فرمائی جس کی ابتدا یہ ہے۔

الحمد الله الذی ایدالحق و شیدہ واعلی منارہ ورفع رأیاتہ بحیث صفقت بین اجنحتہ ملئکہ و نصر انصارہ والصلوۃ والسلام علی نبی الھدیٰ

مقدمہ میں تحریر فرمایا:۔ قرآن و حدیث سے حیات عیسیٰ کے جو دلائل صراحتاً واشارۃ مہیا ہیں ان پر اس سے پہلے بھی لکھ چکا ہوں لیکن کچھ بحث کے گوشے باقی رہ گئے تھے جن پر اس جدید تالیف میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ ۹۴

اصل میں یہ کچھ حواشی میں جو عقیدہ اسلام پر اضافہ کیے گئے مجلس علمی نے حال ہی میں ان دونوں کتابوں کو یکجا شائع کیا ہے عقیدہ الاسلام میں صرف عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی حیات ہی سے متعلق دلائل کا استقصا نہیں کیا گیا بلکہ ذیلاً علامات قیامت پر گفتگو کرتے ہوئے ذوالقرنین، یاجوج ماجوج، سد ذوالقرنین، توفی کی حقیقت اور قرآن کی آیات پر جن میں خروج یاجوج وماجوج کا تذکرہ ہے اور جنہیں مشکلات القرآن میں سے سمجھا گیا ان سب پر فاضلانہ بحث کی ہے جو نکات قرآن، اس کے ایجاز واختصار، بلیغ تغیرات اور نادر اسلوب پر ایک ایسی متوازن گفتگو ہے جسے بے مثال کہا جا سکتا ہے افسوس ہے کہ یہ اہم چیز علمی ذخیرہ عربی زبان میں ہونے کی بناء پر عام اردو دان طبقہ کی نظر سے مستور ہے۔ کاش کہ اس کا اردو ترجمہ ہو تو فتنہ قادیانیت کی تردید میں موثر کار آمد ذخیرہ کے ساتھ ایک فاضل روزگار کی علمی پرواز کا بھی اندازہ ہو سکے گا ان ہر دو تالیفات کے بعد حضرت علامہ انور شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ''میں نے عیسی علیہ الصلوۃ والسلام کی حیات اور ان کے دامن نبوت کو قادیانی دست درازیوں سے محفوظ رکھنے کی جو بلیغ کوشش کی ہے اس کے نتیجے میں امید ہے کہ عیسیٰؑ میری شفاعت کریں گے۔

کتاب کا اصل نام ''التصریح بما تواتر المسیح'' جس میں تواتر پر گفتگو کرتے ہوئے نزول مسیح حیات مسیح دونوں کو اسلام کے مسلمہ عقائد قرار دے کر ان احادیث کو جمع کیا جو مذکورہ بالا عنوان سے تعلق رکھتی ہیں پھر ان ہر دو تصانیف پر ''تحیۃ الاسلام'' کے نام سے اضافہ کیا۔ یہ ہر سہ کتب دیوبند کے مختلف کتب خانوں سے شائع ہوتی رہیں پھر '' مجلس علمی ڈھابیل'' نے خصوصی مطبوعات میں اسے شائع کیا اور حال ہی میں مجلس علمی کراچی نے ان تینوں کتابوں کو یکجا شائع کر دیا ہے۔

ادھر دمشق میں شیخ عبد الفتاح جو علامہ کاشمیری مرحوم کے مایہ ناز تلمیذ ہیں نے ''التصریح بما تواتر المسیح'' کو اپنے گرانقدر حاشیوں کے ساتھ تقریباً ساڑھے چار سو صفحات کی ضخامت میں ایڈٹ کیا ہے جس کا ذکر تالیفات شیخ میں آتا ہے۔

اکفار الملحدین

بعض نام نہاد علماء یہ سمجھتے تھے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے متبعین کیوں کہ خود کو مسلمان کہتے ہیں۔ نماز روزہ کے پابند ہیں آنحضرت کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں اور بجانب قبلہ نماز ادا کرتے ہیں اس لیے وہ اہل قبلہ ہوئے اور ان کی تکفیر جائز نہیں۔ قبلہ شاہ صاحب نے اس کتاب میں اس مسئلہ کے تمام اطراف و جوانب پر سیر حاصل بحث کی اور بتایا کہ ضروریات دین جنہیں عام و خاص مسلمان جانتے ہوں ان کا انکار کھلا کفر ہے ختم نبوت کا عقیدہ اور یہ کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا ضروریات دین میں سے ہے اور اس کا انکار کرنے والا یا اس میں تاویل کرنے والا اگرچہ اس قبلہ سے ہو تاہم کافر ہے بلکہ کافر کو کافر نہ جاننے والا خود کفر کا ارتکاب کر رہا ہے حسب دستور آپ نے اس تالیف میں فقہاکے اقوال، لطیف استنباط کا دفتر گرانمایاں پیش فرمایا شاہ صاحب نے اس وقت ایک سو اٹھائیس صفحات پر مشتمل یہ رسالہ تحریر فرمایا۔ اور اس مین ضروریات دین کا حقیقی

مصداق معین فرمایااور واضح فرمایا کہ چند چیزوں کو ماننے اور دین کے اہم وبنیادی حقائق کاانکار کرتے ہوئے کوئی مسلمان نہیں رہ سکتا۔ ضروریات کاآپ کے خیال میں مطلب یہ تھا اسلام کے وہ بنیادی حقائق جنہیں عام و خاص اسلامی حقیقتیں سمجھتے ہیں۔ یہ رسالہ قیمتی حوالوں اور بہت سے مراجع و مصادر کی نشاندہی پر مشتمل ہے چند سال پہلے آپ کے ایک شاگرد رشید جناب مولانا ادریس میرٹھی نے اس کتاب کااردو ترجمہ کرکے بلکہ مکمل شرح و حواشی کی سو صفحات میں بڑی عرق ریزی اور جانفشانی سے اسے شائع کیا جسے مجلس علمی کراچی نے شائع کیا۔٩٥؎

اور یہ وضاحت کرتے ہوئے کہ اس تالیف سے میرا مقصد مومنین کی خیر خواہی نیز کفر وایمان کے الجھے ہوئے مسئلہ میں صراط مستقیم کی نشاندہی کی ہے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اپنی کتاب کا نام ”اکفار الملحدین والمتأولین فی شئی من ضروریات الدین“ رکھ رہاہوں اس کتاب کا مآخذ قرآن کریم کی یہ آیت ہے۔

”ان الذین یلحدون فی آیٰتنا لا یخون علینا افمن یلقی فی النار خیر ام من یأتی آمنا یوم القیمۃ اعملوا ما شئتم انہ بما تعملون بصیر“۔

(4) التصریح بما تواتر فی نزول المسیح

حیات عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے مختلف پہلوؤں کو قرآن واحادیث کی روشنی میں ایک مسلمہ حقیقت ثابت کرنے کے لیے آپ نے ”عقید الاسلام“ وغیرہ تالیف کی لیکن آپ کا منشاء یہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کی حیات اور ان کے قرب قیامت میں نزول سے متعلق احادیث جو حدیث کے مختلف مجموعوں میں منتشر ہیں انہیں یکجا کیا جائے قاضی شوکانی مصنف ”نیل الاوطار“ نے اپنے دور میں اس موضوع پر ایک رسالہ جس کا نام التوضیح بما تواتر فی المنظر والمھدی ورآء المسیح ہے تصنیف کیا جس میں وہ کل انتیس 29 احادیث اس سلسلے میں پیش کرسکے حضرت شاہ صاحب نے اپنی اس کتاب میں ستر 70 احادیث اس باب کی جو تمام کی تمام صحیح وحسن میں جمع کیں اور اس کے ساتھ ان اقوال صحابہ کا بھی اضافہ کیا جو عیسیٰؑ کی حیات ونزول سے متعلق ہیں۔ یہ کتاب بہت سے مصادر و مراجع کی جانب طویل مطالعہ اور مراجعت کے بعد تالیف کیا گیا اور اپنے موضوع پر ایسا بے نظیر و بے مثال ہے کہ مشہور شامی عالم شیخ ابوالفتاح نے اس کو بیروت سے نہایت آب وتاب کے ساتھ ایڈٹ کیا اور پھر شائع کیا بلاشبہ یہ تعلیقات و حواشی نہایت گراں قدر اہمیت کی حامل ہیں۔ ٩٦؎

(5) خاتم النبیین

کشمیر کے غریب اور نادار مسلمان اپنی غربت اور ناداری کی بناپر قادیانیت کا خاص شکار ہوئے قادیانی مشینری نے ان غریب اور نادار مسلمانوں کو بے دریغ روپیہ دے کر ان کے ایمان کے سرمایہ کو خرید لیا۔ مولانا انور شاہ کشمیری کا وطن بھی چونکہ کشمیر ہی تھا اس صورتحال پر آپ سب سے زیادہ مضطرب اور بے چین تھے مرض وفات میں آپ جب نیم جان ہو کر بستر مرگ پر لیٹے ہوئے تھے فارسی زبان مین ایک رسالہ ”خاتم النبیین“ لکھا فارسی زبان میں یہ رسالہ اپنے وطن کی رعائت سے تحریر کیا گیا جس مین سو دلائل آنخضرت صلی اللہ کے خاتم النبیین ہونے پر پیش کئے گئے اور موضوع پر بڑی دقیق اور علمی گفتگو کی۔ اس کتاب کو آپ اپنے لیے توشہ آخرت قرار دیتے تھے۔ ٩٧؎

اسے طبع کرا کر ہزاروں نسخے کشمیر میں تقسیم کرنے کا پروگرام بنایا تھا مگر یہ تمنا پوری نہ ہو سکی اور یہ کتاب آپ کی وفات کے بعد مجلس علمی ڈھابیل نے شائع کی جس کا اردو ترجمہ حکیم عزیزالرحمٰن صاحب اعظمی استاد جامعہ طیبہ دارالعلوم نے کیا ہے حال ہی میں اس کا ترجمہ اردو زبان میں مولانا محمد یوسف لدھیانوی نے کیا ہے اور وہ شائع ہو چکا ہے۔ ۹۸

اس رسالہ میں ختم نبوت آنحضورؐ کا خاتم النبیین ہونا قادیانی کے دجل وفریب سے نقاب کشائی بھرپور انداز میں کی گئی۔

درحقیقت یہ رسالہ قرآن کی آیت ’’ **ماکان محمد اباَاحد من رجالکم ولکن رّسول الله و خاتم النبیین** ‘‘کی عالمانہ اور محققانہ تشریح ہے یہ آپ کی آخری تالیف ہے جسے آپ اپنے لیے زادآخرت فرماتے اور وہ بھیانک جس کی ابتداء اس فخر روزگار انسان کی موت کی تمہید تھی اور جس تاریک شب کے درمیانہ حصہ میں زمین پر اللہ کی بے پناہ قدرتوں کی یہ زندہ نشانی عالم فانی سے عالم باقی کی جانب پا بہ رکاب تھی مگر شام مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم تشریف لائے تو ایک مسافر زنگی کے قلم کا سفر دو چار ساعت ہی پہلے منزل پر پہنچ کر آسودہ منزل ہوا تھا۔ مہتمم صاحب سے حضرت شاہ صاحب نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

’’مولوی صاحب میں اس دنیا سے خالی دامن جاتا ہوں میرے پاس کوئی توشہ آخرت نہیں امید ہے کہ میری یہ تالیف میرے لیے زادآخرت ہوگی۔ میں نے ارادہ کیا کہ اسے اپنے مصارف پر طبع کرا کر اپنے برادران وطن کو ہدیہ کروں گا۔ ۹۹

مگر یہ آرزو پوری نہ ہوئی حسب معمول یہ رسالہ دقیق بیان، عالمانہ تعبیر اور شاہ صاحب کے منفرد اسلوب پر مشتمل ہونے کی بناپر عام فہم نہیں ہے مولانا مناظر احسن گیلانی نے اردو ترجمہ شروع کیا لیکن تکمیل کو نہ پہنچ سکا ایک نامور بہاری شاگرد حضرت شاہ صاحب جناب مولانا عزیز الحق بہاری نے اردو ترجمانی کی ابتدا کی مگر وہ بھی انجام سے محروم رہی دارالعلوم کے شعبہ طب کے استاد جناب حکیم عزیز الرحمٰن صاحب بھی اردو ترجمہ کی کوشش کر رہے ہیں مگر یہ سعادت صرف اور صرف مولانا یوسف لدھیانوی کو نصیب ہوئی انہوں نے ترجمہ کرکے اسے شائع کر دیا۔

(6) بیانات علماء ربانی برارتداد فرقہ قادیانی

تردید قادیانیت کے سلسلے میں مولانا انور شاہ کشمیری کا وہ تاریخی بیان بھی خاص اہمیت کا حامل ہے جو آپ نے ریاست بہاولپور کی عدالت میں ایک مقدمہ میں دیا۔ آپ کا یہ بیان قادیانیت پر سیر حاصل تبصرہ اور مرزا صاحب کے کفر پر برہان قاطع ہے اس میں علمی وقار کا مظاہرہ۔ بے پناہ معلومات کا اظہار اور دعوے پر قطعی دلائل و براہین کا انبار ہے آپ کی اس علمی و تحقیقی یادگار کو اگر قلمبند نہ کیا جائے تو یہ ایک علمی خیانت ہوگی بیانات کے سرورق کا عنوان ’’بیانات علمائے ربانی برارتداد فرقہ قادیانی‘‘ ہے اس مجموعہ کے 178 صفحات ہیں جس میں علماء کے بیانات شریک طباعت کیے گئے ہیں حضرت شاہ صاحب کا بیان ص 100 سے ص 142 تک ہے سب سے جامع بیان جس سے مقدمہ بہاولپور کی تاریخ اور اس کا پس منظر واضح ہوتا ہے۔

ریاست بہاولپور پنجاب میں ایک اسلامی ریاست ہے اس میں ایک شخص مسمیٰؒ عبدالرزاق مرزائی ہو کر مرتد ہو گیا اس کی منکوحہ مسماۃ غلام عائشہ نے سن بلوغ پہنچ کر 24 جولائی 1936 کو فسخ نکاح کا دعویٰ کیا اور مقدمہ 1931 تک ایک دفعہ انتہائی مراحل طے کرکے پھر 1932 میں ریاست کی عدالت اعلی یعنی دربار معلّٰی سے ابتدائی حیثیت میں ڈسٹرکٹ جج صاحب بہاولپور کی عدالت میں بغرض تحقیق شرعی واپس ہوا مدعیہ کی طرف سے ہندوستان کے مشہور اکابر علماء کی شہادتیں پیش ہوئیں اور مدعی

علیہ کی جانب سے ان شہادتوں کی تردید پر پوری کوشش صرف کر دی گئی آخر 7 فروری 1935 کو فیصلہ بحق مدعیہ صادر ہوا۔ مولانا محمد انور لائلپوری آپ کے رفیق سفر تھے بہاولپور پہنچنے کے بعد جمعہ مولانا انور شاہ کشمیری نے بہاولپور کی جامع مسجد میں پڑھا اور نماز کے بعد ہزاروں مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

میں بواسیر خونی کے مرض کے غلبہ سے نیم جان تھا اور ساتھ ہی اپنے ملازمت کے سلسلے میں ڈابھیل کے لیے پابہ رکاب کہ اچانک شیخ الجامعۃ کا مکتوب مجھے ملا جس میں بہاولپور آ کر مقدمہ میں شہادت دینے کے لیے لکھا گیا تھا میں سوچا کہ میرے پاس کوئی زاد آخرت تو ہے نہیں شاید یہی چیز ذریعہ نجات بن جائے کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کے دین کا جانبدار بن کر یہاں آیا ہوں۔ ۱۰۰

یہ سن کر مجمع بے قرار ہو گیا ایک شاگرد مولانا عبد المنان ہزاروی آہ و بکار کرتے ہوئے کھڑے ہو گئے مجمع سے بولے کہ اگر حضرت کو بھی اپنی نجات کا یقین نہیں تو پھر اس دنیا میں کسی کی مغفرت متوقع ہو گی؟ جب وہ بیٹھ گئے تو پھر مجمع کو خطاب کر کے فرمایا "ان سب نے ہماری تعریف میں مبالغہ فرمایا حالانکہ ہم پر یہ بات کھل گئی کہ گلی کا کتا بھی ہم سے بہتر ہے اگر ہم تحفظ ختم نبوت نہ کر سکیں" ۔۱۰۱

ان کلمات کو سن کر مجمع آہ و بکا ہو گیا بہر حال یہ تاریخی بیان حسب روایت جامع 25 اگست 1932 کو شروع ہوا۔

"عدالت کا کمرہ اور علماء و رؤساء ریاست سے پر تھا عدالت کے بیرونی میدان میں دور تک زائرین کا اجتماع تھا باوجودیکہ حضرت شاہ صاحب عرصہ سے بیمار تھے اور جسم مبارک نہایت ناتواں ہو چکا تھا۔ مگر متواتر پانچ دن تک تقریباً پانچ پانچ گھنٹہ یومیہ عدالت میں تشریف لا کر علم و عرفان کے دریا بہاتے رہے اور مرزائیت کے کفر وارتداد دجل وفریب کے تمام پہلوؤں کو آفتاب کی طرح روشن کر دیا۔

آپ نے اپنے اس بیان میں کفر وایمان کی حقیقت پر جامع تبصرہ فرماتے ہوئے فرمایا۔

"کسی کے قول کو اس کے اعتماد پر باور کرنے اور غیب کی خبروں کو انبیاء کے اعتماد پر یقین کرنے کو ایمان کہتے ہیں؟ ۱۰۲
اور کفر کے بارے میں فرمایا۔ "حق ناشناسی اور انکار کا نام کفر ہے"

شاہ صاحب نے اس موقع پر نہ صرف اجماع کا ثبوت بہم پہنچایا بلکہ عدالت کو یہ بھی بتایا کہ ایک نبی کاذب مسیلمہ کے قتل پر پہلا اجماع امت منعقد ہوا تھا "پہلا اجماع جو اس امت میں ہوا ہے وہ مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کے قتل پر ہی ہوا۔ صدیق اکبر نے اپنی خلافت کے زمانے میں مسیلمہ کے قتل کے واسطے صحابہ کو بھیجا اور کسی صحابی نے مسیلمہ کے قتل میں تردد نہیں کیا جس کا حاصل یہی نکلا کہ خاتم النبیین کے جو ختم نبوت کا دعوی کرے وہ مرتد۔ زندیق اور بلاشبہ واجب القتل ہے۔ ۱۰۳

آپ نے قرآن مجید کی اس مشہور آیت پر جو ختم نبوت کے باب میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ توجہ فرمائی اور بتایا کہ آیت واضح کرتی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا علاقہ دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے منقطع ہو گیا ور اس کے عوض رسالت اور نبوت کا علاقہ ہمیشہ کے لیے قائم اور ثابت ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبوت ورسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری دنیا کو گھیر رکھا ہے کوئی جگہ اس سے خالی نہیں بلکہ احادیث سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ "آپ خاتم النبیین ہیں بلکہ

یہ بھی کھل جاتا ہے کہ اشخاص نبوت کے بھی خاتم ہیں حضرت عیسیٰؑ کا آنا اس بات کی علامت ہے کہ انبیاء کے عدد میں کوئی باقی نہیں رہا اس لیے پہلے نبی کو لانا پڑا۔ ۱۰۴

مطلب یہ ہے کہ اگر انبیاء ہیں کوئی نبی باقی رہتا تو قرب قیامت میں اس باقی ماندہ نبی کو لایا جاتا سابق انبیاء میں سے عیسیٰ کا لانا اس بات کی علامت ہے کہ جماعت انبیاء میں کوئی ایسا باقی نہیں رہا تھا جسے آنحضورؐ کے بعد دنیا میں مبعوث کیا جاتا ہے اس لیے غلام احمد قادیانی کا دعویٰ نبوت کے فریب سے آج بھی کچھ ایسے سادہ لوح جو غلام احمد قادیانی کے کفر میں صرف اس وجہ سے متردد ہیں کہ مرزا صاحب کا تعلق اہل قبلہ سے ہے اور ان میں خود غلط لوگوں نے کہیں سے یہ بھی سن پایا کہ اگر کسی شخص کے کلمہ کفر میں ننانوے احتمالات کفر کے ہوں اور ایمان کا صرف ایک ہی امکان ہو تو اس کی بھی تکفیر میں احتیاط برتنا چاہیے سمجھ میں نہیں آتا کہ علوم و معارف کے طویل و عریض دفتر سے ناآشنائی کے باوجود صرف اس بنیاد پر یاوہ گوئیوں کا جواز ان غریبوں کے ہاتھ کہاں سے لگ گیا۔ علامہ انور شاہ صاحب نے دین پر ظلم کرنے والے اس گروہ کی غلط فہمی پر انتباہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "یہ جو مشہور ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں حسب تشریح علماء اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کے کلمات کے بارے مین عاجلانہ تکفیر نہیں کی جائے گی جو تمام متواترات اور ضروریات دین پر پورا ایمان رکھتا ہو گویا کہ اہل قبلہ کا لفظ ایک عنوان ہے اس کا معنی وہ جو میں نے واضح کیا اس کی مزید وضاحت فتاوی عالمگیری ص 420 در مختار ص 475 شرح فقہ اکبر ص 179 میں مل جائے گی۔ ۱۰۵

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: جو لوگ ضروریات دین کے منکر ہوتے ہیں وہ عموماً اپنے کفر کو چھپانے کے لئے تأویلیں کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ ہم قبلہ ہیں اور اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں کبھی کہتے ہیں کہ ہم ارکان اسلام ادا کرتے ہیں اور تبلیغ اسلام میں سرگرم حصہ لیتے ہیں اس لیے ہمیں خارج از اسلام کیسے کہا جاتا ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ فقہا نے وضاحت کی ہے کہ اگر کسی کے کلام میں ننانوے وجوہ کفر کے ہوں اور ایک وجہ اسلام کی تو مفتی کو چاہیے کہ اس ایک وجہ کو اختیار کرکے اسے مسلمان کہے اور کبھی کہا جاتا ہے کہ فقہا قائل ہیں کہ اگر کوئی شخص کلمہ کفر تاویل سے کہے تو قائل کے کفر کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ ۱۰۶

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی رد قادیانیت میں خدمات

مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں آپ دارالعلوم دیوبند کی ایک ممتاز مذہبی شخصیت تھے عیسائی پادری اور قادیانی کے رد کی سعادت آپ کو نوجوانی میں ملی 1921 میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر ہوئے قادیانی فتنہ اس وقت اپنی زندگی کے ابتدائی مگر انتہائی خطرناک مراحل میں داخل ہو چکا تھا برصغیر کے سبھی علماء اس فتنہ ارتداد کے مقابلے اور سدباب کے لیے سینہ سپر تھے ہر طرف تحریر و تقریر اور مناظروں کا ہنگامہ برپا تھا۔ عیسائی حکومت برسراقتدار تھی اور وہ بھی اسی حکومت جس کی قادیانیوں کو مکمل حمایت اور سرپرستی حاصل تھی علماء حق قادیانیوں سے مناظرے ہی کر سکتے تھے ان کے کفریہ عقائد اور دعاوی کا تحریری و تقریری طور پر دلائل و براہین سے رد ہی ممکن تھا چنانچہ علماء نے اس ضمن میں اپنا فرض بخوبی ادا کیا اور خاص طور دہلی یو۔پی اور پنجاب کے علماء نے امت مسلمہ کو عہد حاضر اس فتنہ کبری سے بچانے کے لیے اپنی تمام تر علمی، فکری اور عملی صلاحیتوں سے کام کیا۔

اپنے قابل فخر اساتذہ علامہ انور شاہ کشمیری ، علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا حسن خان کے ہمراہ کئی بار قادیان ، فیروزپور، لاہور آنا ہوااور ایسی ایمان افروز تقریریں کیں کہ اساتذہ کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔

پنجاب میں قادیانیوں کے خلاف علمائے دیوبند نے جو فکری، علمی محاذ قائم کیا مفتی محمد شفیع صاحب اس کا ذکر یوں فرماتے ہیں۔

''اسی زمانہ میں اکابر دارالعلوم کے ایک وفد نے جس کی قیادت استاد محترم حضرت شاہ صاحب فرمارہے تھے عام مسلمانوں میں قادیانی دجل وفریب کا پردہ چاک کرنے کے لیے ملک کا دورہ کرنا تجویز کیا۔اس دورے مین بھی ہم تینوں مفتی محمد شفیع صاحب۔ مولانا محمد ادریس اور مولانا بدر عالم کو حضرت کا ہمسفر رہنے کی سعادت نصیب ہوئی''

اس زمانہ میں یہ طے ہوا کہ ہر سال ایک جلسہ قادیان میں کیا جائے جس میں مرزاکے اوہام باطلہ کی تردید خود ان کے مرکز میں جا کر کی جائے ان جلسوں میں حضرات اکابر کے ارشاد کے مطابق ہم تینوں کو شریک رہنے کا موقع ملا فیروزپور پنجاب میں قادیانیوں نے مناظرہ کیا چیلنج کیا تو ان سے مناظرے کے لیے دارالعلوم دیوبند کی طرف سے مولانا سید مرتضٰی حسن کی سرکردگی میں ہم تینوں رفیق سفر رہے۔ خود حضرت شاہ صاحب اور علامہ شبیر احمد عثمانی بھی پہنچ گئے تین روز یہ تاریخی مناظرہ جاری رہا حضرت شاہ صاحب کی خاص توجہ اور کوشش نے چند سال میں ایسا کردیا تھا کہ علمی اعتبار سے مرزا صاحب اور قادیانیت نے دم توڑ دیا اور یہ لوگ مناظرے اور مباہلے کا نام چھوڑ کر زیر زمین سازشوں میں مشغول ہو گئے۔[۱۰۷]

کلمتہ اللہ فی حیات روح اللہ

مولانا کاندھلوی نے سب سے پہلے قادیانیت کے خلاف جہاد کا آغاز ''کلمتہ اللہ فی حیات روح اللہ'' کے نام سے ایک کتاب لکھ کر کیا۔آپ تحریر کرتے ہیں۔ ''اس دور پر فتن میں ہر طرف دین پر فتنوں کا ہجوم ہے جس میں ایک بہت بڑا فتنہ قادیانیت کا ہے۔اس فتنے کا بانی، مرزا غلام احمد قادیانی ہے اولاً اس نے اپنے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا پھر مثیل مسیح ہونے کا پھر مسیح اور عیسیٰ ہونے کا اور اپنی مسیحیت کی دھن میں حضرت عیسیٰؑ کی وفات کا مدعی بنا اور اس کے رفع سماء کو محال قرار دیا اور صدہا اوراق اس بارے میں سیاہ کیے۔ علماء اہل سنت والجماعت نے رد مرزاعیت پر عموماً اور حیات عیسیٰؑ پر خصوصاً مفصل، مختصر اور متوسط کتابیں تالیف فرمائیں اور بارگاہ خداوندی سے اجر حاصل کیا 1342 ھ میں اس ناچیز اور بے بضاعت نے بھی ایک رسالہ ''کلمتہ اللہ فی حیات روح اللہ'' کے نام سے لکھا تھا جس کو مولنا حبیب الرحمٰن نے اپنے اہتمام سے شائع فرمایا تھا۔[۱۰۸]

اس کتاب کے بارے میں مولنا کاندھلوی اپنا ایک عجیب خواب بھی بیان فرماتے ہیں

''جس شب میں اس رسالے ''کلمتہ اللہ فی حیات روح اللہ'' کا ٹائٹل طبع ہو رہا تھا اس ناچیز نے یہ خواب دیکھا کہ یہ ناچیز دارالعلوم دیوبند کی مسجد میں داخل ہوا دیکھتا کیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ منبر کے قریب اور محراب امام کے سامنے تشریف فرما ہیں چہرہ مبارک پر عجیب وغریب انوار ہیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک فرشتہ بیٹھا ہوا ہے اور حضرت کے ساتھ کوئی خادم بھی ہے یہ ناچیز نہایت ادب کے ساتھ دوزانوں بیٹھ گیا تھوڑی دیر میں ایک قادیانی پکڑ کر لایا گیا اور سامنے کھڑا کر دیا گیا۔ بعد ازاں دو عبا لائے گئے ایک نہایت سفید اور خوبصورت ہے اور دوسرا نہایت سیاہ اور بدبودار ہے حضرت عیسیٰؑ نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ سفید

عبااس ناچیز کو پہنادیں اور بدبودار عبااس قادیانی کو پہنایا جائے۔ جنانچہ اس ناچیز کو پہنایا گیااور سیاہ اس قادیانی کو پہنایا گیا جبکہ یہ ناچیز خاموش کھڑا ہے اور قادیانی کو دیکھ کر یہ آیت پڑھ رہا ہے" **سرابیلھم من قطران و تغشی وجوھم النار**" اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔ ۱۰۹

"کلمتہ اللہ فی حیات روح اللہ" کا موضوع یہ ہے کہ قادیانیوں نے حضرت عیسیٰؑ کے زندہ آسمانوں پر اٹھائے جانے پر جو اعتراضات کیئے ہیں ان کا قرآن و حدیث اور اجماع امت سے مفصل اور مدلل جواب دیا ہے نیز حضرت عیسیٰ کا آسمان پر زندہ رہنا اور آخر زمانہ میں آسمان سے نازل ہونا بھی ثابت کی گیااس کتاب کے تقسیم ہند سے قبل اور اس کے بعد کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں 142 صفحات پر مشتمل ہے۔

کتاب مختصر مگر مضمون کے اعتبار سے کتنی اہم ہے اس کا اندازہ مولانا انور شاہ کشمیری کی تقریظات سے لگایا جاسکتا ہے جو اس کتاب پر انہوں نے تحریر فرمائیں شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ بعض مضامین کو میں نے مؤلف کی زبانی سنا۔ رسالہ مذکورہ کافی وشافی اور مباحث متعلقہ کا جامع ہے کتاب کے مآخذ معتبر اور مستند ہیں عمدہ سے عمدہ قول سامنے رکھ دیا ہے علماء اور طلباء کو تلاش اور تتبع سے بے نیاز کر دیا ہے۔ ۱۱۰

علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:۔ " تقریباً دو سال ہوئے 1922 مقام فیروزپور پنجاب، قادیانیوں سے متنازعہ فیہ مسائل میں علماء دیوبند کی گفتگو ہوئی تھی۔ سب سے پہلی بحث حضرت مسیح ابن مریم کی حیات اور رفع الی السماء اور دوبارہ تشریف آوری کے متعلق تھی جس میں دیوبند کی طرف سے برادر مکرم جناب محمد ادریس کاندھلوی مدرس دارالعلوم وکیل تھے مولانا صاحب نے جو عالمانہ اور محققانہ تقریر فرمائی بحمد اللہ تعالیٰ نہ صرف عام پبلک میں بھی اس لحاظ سے محظوظ اور مطمئن ہوئی بلکہ بندہ کے روبرو بعض ممتاز مرزائیوں نے بھی اس کی معقولیت اور سنجیدہ روش کی داد دی اور اس طرح مولوی صاحب کے عالمانہ طرز استدلال نے منکرین سے بھی خراج تحسین وصول کیا۔ میں نے اسی وقت مولانا صاحب سے درخواست کی تھی کہ آپ اس مسئلہ کے تمام اطراف وجوانب کی توضیح و تحقیق ایک کتاب کے ذریعے اس طرح کر دیجیئے کہ غائب و حاضر کے لیے اس میں بصیرت ہو اور مسئلہ کا تمام مادہ بیک وقت سامنے آجائے اور کسی باطل پرست کو گنجائش نہ رہے کہ اس کتاب کے مطالعے کے بعد وہ ایک حق پرست کے قدم ڈگمگا سکے۔ شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہو گا کہ اس وقت تک کوئی کتاب اس قدر جامع اور حاوی ایسے سادہ اور بے تکلف انداز میں نہیں لکھی گئی۔ ۱۱۱

حیات عیسیٰ میں قرآنی ایات اور احادیث صحیح سے یہ ثابت کیا ہے کہ کسی جسم عنصر کا آسمان پر اٹھایا جانا نہ قانون قدرت کے خلاف ہے نہ سنت اللہ سے متصادم ہے اور اسی طرح کسی جسم عنصری کا بغیر کھائے پیئے زندگی بسر کرنا اور ایک عرصہ تک زندہ رہنا ممکن ہے حضرت عیسیٰ کے وفات نہ پانے اور زندہ آسمان پر اٹھائے جانے اور پھر قیامت کے قریب نزول پر چار دلیلیں قرآن کریم سے اور چھ دلیلیں حدیث صحیحہ سے دی گئ ہیں یہ کتاب اگرچہ مرزا قادیانی کے رد میں تالیف کی گئی مگر اس سے عیسائیوں کا بھی رد ہوا کیونکہ وہ بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کو سولی چڑھا دیا گیا تھا۔

1953 کی تحریکِ ختم نبوت کے نتیجہ میں جب پنجاب میں مارشل لاء لگایا گیا اور آخر کار تحقیقات کے لیے ایک اعلیٰ اختیاراتی کمشن بیٹھا جس کے رروبرو علماء کرام پیش ہوئے دوران بیان جسٹس منیر نے مولانا مرحوم پر مختلف سوالات کیئے۔

عدالت میں زبانی بیان دینے کے علاوہ ایک تحریری بیان قلم بند کیا یہ بیان بعد میں پوری تفصیل سے ایمان اور کفر کی تعریف اس کے وجوہ اور اسباب پر بحث کی یہ بیان بعد میں "مسلمان کون، کافر کون" کے نام سے شائع ہوا اس میں ایمان اور کفر کے موضوع پر جس قدر تفصیل سے بحث کی گئی اتنی یقیناً یکجا کسی ایک کتاب اور مضمون میں اس سے پہلے نہیں کی گئی تھی۔

سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کی کتابوں سے ان کا عقیدہ اور مذہب بیان کیا اس کے بعد جو عنوانات قائم کئے اور قرآن و حدیث کی روشنی میں ان پر مفصل بحث کی وہ یقیناً اس موضوع پر ایک گران قدر اضافہ ہے۔

حسب ذیل چند عنوانات سے اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے:

(ا) ایمان کی تعریف (2) کفر کی تعریف (3) ضروریات دین کی تعریف

(4) قومی اسلام اور شرعی اسلام (5) اسلام میں ختم نبوت کا عقیدہ متواتر ہے۔ (6) ایمان باللہ وایمان بالرسول میں فرق

(7) مسئلہ تکفیر اہل قبلہ (8) الحاد، زندقہ اور ارتداد کی تعریف اور احکام (9) مرتدین کے حق میں قرآن کا فیصلہ

(10) آنحضرت ﷺ حضرت آدم کی پیدائش سے پہلے خاتم النبیین تھے

(11) اسلام میں مدعیان نبوت کے بارے میں اجماعی فیصلہ جس پر صدیق اکبرؓ اور بعد کے قرون میں عمل کیا

(12) ختم نبوت کا مفہوم۔ ۲۱۲

(۲) حضرت صوفیائے کرام اور مولانا محمد قاسم نانوتوی پر مرزائیوں کا بہتان اور افتراء

اس زمانے میں قادیانیوں نے بعض اولیاء کرام اور مولانا محمد قاسم نانوتوی کی بعض عبارات کو مسخ کرکے اور ان کا سیاق و سباق حذف کرکے لوگوں کے سامنے پیش کیا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ نعوذ باللہ بعض اولیاء کرام اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی ظلی اور بروزی نبی کا آنا ممکن ہے اپ نے مرزائیوں کی اس تلبیس کا جواب دیا اور خاص اسی موضوع پر ایک رسالہ لکھ کر شائع کر دیا جس کا موضوع ہی یہ تھا جو اوپر مذکور ہو چکا ہے آپ نے اس رسالہ کے پیراؤ میں تحریر فرمایا:

بندہ ناچیز محمد ادریس کاندھلوی اہل اسلام کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ مرزائیوں کو اپنی گمراہیوں اور غلط عقائد کے ثابت کرنے کے لیے کتاب اور اقوال صحابہ و تابعین اور آئمہ دین فقہا، محدثین، مفسرین اور متکلمین کا کلام میں تو کہیں تل رکھنے کی گنجائش نہیں ملتی اس لیے یہ گروہ حضرت اولیاء کرام اور عارفین کے ناتمام اقوال قطع وبرید کرکے عوام کے سامنے پیش کرتا ہے تاکہ عوام ان حضرت اولیاء کی وجہ سے کچھ نہ کہہ سکیں حالانکہ ان بزرگوں کا صریح عقیدہ جو عین قرآن و حدیث کے مطابق ہوتا ہے وہ ان کتابوں میں مذکور ہوتا ہے اس کو یہ لوگ نقل نہیں کرتے البتہ بزرگوں کے بعض ایسے مبہم اور مجمل فقروں کو نقل کر دیتے ہیں جو ان بزرگوں سے خاص سکر میں نکل جاتے ہیں جو باتفاق علماء صحیح نہیں جیسا کہ منصور نے ایک خاص بے خودی کے عالم میں "انا لحق" کہہ دیا مگر جب ہوش آیا تو تائب ہوئے تو کیا کوئی عاقل منصور کے "انا الحق" کہنے سے یہ استدلال کر سکتا ہے

کہ ظلی و بروزی الوہیت بندے کو بھی حاصل ہو سکتی ہے ''لاالٰہ الااللہ'' کے یہ معنی ہیں کہ خدا کے سوا کئی مستقل خدا نہیں ہو سکتا ہے البتہ ظلی اور بروزی خدا ہو سکتا ہے حاشا و کلا۔ یہ صریح کفر اور ارتداد ہے اسی طرح ''لانبی بعدی'' میں یہ تاویل کرنا کہ حضور علیہ السلام کے بعد کوئی مستقل نبی تو نہیں آسکتا البتہ ظلی و بروزی نبی ہو سکتا ہے یہ بھی صریح کفر و ارتداد ہے۔

اس رسالے میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کی اس عبارت کو سیاق و سباق کے ساتھ نقل کرکے مفہوم کی وضاحت کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ ان کا ہر گز وہ مقصد نہیں جو اس عبارت سے مرزائی اخذ کرتے ہیں مولانا نانوتوی ختمی خاتمیت زمانہ کے قائل ہیں اور صراحتاً تحریر فرماتے ہیں ''حضور پر نور سلسلہ نبوت کے علی الاطلاق خاتم ہیں زمانا اور رتبہ بھی'' نیز فرماتے ہیں کہ ''اپنا دین و ایمان ہے کہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور نبی ہونے کا احتمال نہیں جو اس میں تامل کرے اس کو کافر سمجھتا ہوں۔ ۱۱۳

(3) اسلام اور مرزائیت کا اصولی اختلاف

قادیانی چونکہ ہر جگہ اور خاص طور پر بیرونی ممالک میں اسلام کے نام پر تبلیغ کرتے اور اپنے لیے عنوان ''مسلمان'' ہی کا اختیار کرتے ہیں ان کے انداز تبلیغ سے عام لوگوں کو یہ دھوکا اور مغالطہ ہوتا ہے کہ یہ بھی مسلمانوں کا ایک فرقہ اور طبقہ ہے ایسے لوگوں کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے مولانا کاندھلوی نے ایک مستقل رسالہ تالیف فرمایا اور اس کا نام ''اسلام اور مرزائیت کا اصولی اختلاف'' رکھا اس رسالے میں اپنے ہی نقطہ نظر سے نہیں بلکہ خود مرزائے قادیان کی عبارتوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ مرزائیت کا ایک جداگانہ مذہب ہے اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے محمد ادریس کاندھلوی صاحب نے اس رسالہ میں اسلام اور مرزائیت کے دس بنیادی اختلاف بیان کیے ہیں۔

(4) شرائط نبوت

مرزائے قادیان کو بے نقاب کرنے کے لیے مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب نے ''شرائط نبوت'' کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرمایا اس میں نبی کی دس شرائط بیان کیں مثلاً عقل کامل ہونا، علم کامل ہونا، معصوم ہونا، صادق و امین ہونا، اعلیٰ حسب و نسب ہونا۔ اخلاق فاضلہ کا مجموعہ ہونا۔ زاہد و قانع ہونا، مرد ہونا عورت نہ ہونا اور پھر یہ بتایا کہ اللہ تعالی نے حضرت آدمؑ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے انبیاء بھیجے ان سب میں یہ شرائط و صفات موجود تھیں مگر مرزائے قادیان میں ان شرائط میں سے کوئی شرط بھی موجود نہ تھی خود اس کے بقول عقل میں بھی فتور تھا۔ مراق تھا۔ حافظہ خراب تھا علم و فضل کا یہ حال ہے کہ دنیا کوئی زبان صحیح لکھنے پر قادر نہ تھا صدق و امانت اور زاہد و قناعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے ساری عمر مقدمہ بازی میں گزری بہر کیف رسالہ مختصر ہونے کے باوجود انتہائی جامع اور مدلل ہے۔

مولانا بدر عالم میرٹھی کا رد قادیانیت میں کردار

ترجمان السنۃ

مولانا بدر عالم میرٹھیؒ مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے ایک ممتاز شاگرد تھے جن کی سعی و توجہ سے جناب شاہ صاحب کی بخاری شریف کی درسی تقریر ''فیض الباری'' کے نام سے عربی کا جامہ پہن کر اور زیور طبع سے آراستہ ہو کر زندہ جاوید بن گئی۔ آپ نے

بھی رد قادیانیت پر اپنے بعد گراں قدر نقوش چھوڑے ہیں جن مین ان کا ایک ''رسالہ آواز حق'' جب منظر عام پر آیا تو اہل قدر نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا چنانچہ پروفیسر محمد الیاس برنی جن کی تصنیف ''قادیانی مذہب'' اس موضوع پر سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے یہ ایک ایسی کتاب ہے جس سے قادیانیت پر کام کرنے والا کوئی شخص بے نیاز نہیں ہو سکتا نے اپنی اس کتاب کی تمہید میں لکھا کہ قادیانی صاحبان کی یہ غیر معمولی یورش اور سرگرمیوں کو دیکھ کر مسلمانوں میں بھی توجہ اور حرکت پیدا ہوئی۔ تحقیق کا شوق پھیلا۔ چنانچہ ختم نبوت کے مسئلے پر مسلمانوں کی طرف سے بھی رسالے نکلنے شروع ہوئے لیکن اس سلسلے میں سب سے مدلل اور جامع رسالہ ''آواز حق'' نکلا جو مولانا بدر عالم میرٹھی، استاذ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کا علمی کرشمہ ہے اور حیدرآباد میں شائع ہوا۔ ۱۱۴

اس کے علاوہ مولانا نے اپنی گراں قدر بلکہ شاہکار تصنیف ''ترجمان السنۃ'' کے حصہ سوم کے ایک مستقل باب میں حضرت عیسیٰ کے زندہ آسمان پر تشریف لے جانے اور قیامت کے قریب پھر آسمان سے تشریف لانے پر احادیث نبویہ نیز دلائل عقلیہ سے استدلال کرکے اسے ثابت کیا ہے مولانا نے مسئلہ نزول عیسیٰؑ پر اس تفصیل کے ساتھ کام کیا ہے اور قادیانی تلبیسات کا اچھی طرح جائزہ لے کر ان کو بے نقاب کیا ہے اسی لیے یہ باب کتابی شکل میں مصنف کے پیش لفظ کے ساتھ ''نزول عیسیٰؑ کے نام سے پاکستان کے ایک ادارہ ''ادارہ نشریات اسلام۔ رحیم یار خان'' نے علیحدہ شائع کر دیا ہے اس میں مولانا مرحوم نے اپنے خاص محققانہ اسلوب میں بہت بصیرت افروز اور علمی طریقہ پر ''نزول مسیح'' کے بارے میں اہلسنت کے عقیدہ کا اثبات اور قادیانی دعویٰ مسیحیت کا ابطال کیا ہے موصوف نے بحث کا آغاز ایک اچھوتے اور موثر انداز میں کیا فرماتے ہیں ''حضرت عیسیٰ کا رفع و نزول بے شک عالم کے عام دستور کے خلاف ہے لیکن ذرا اس پر بھی تو غور کیجئے کہ ان کی ولادت کیا عالم کے عام دستور کے موافق ہے ان کا نزول عالم کے درمیانی واقعات میں نہیں بلکہ عالم کی تخریب کی علامات میں شمار ہے اور ''تخریب عالم'' یعنی قیامت کی بڑی علامات میں سے ایک علامت بھی ایسی نہیں جو عالم کے عام دستور کے موافق ہو''۔ ۱۱۵

مولانا بدر عالم میرٹھی نے ختم نبوت کے مسئلے کی اپنی کتاب ''ترجمان السنۃ'' میں قرآن و حدیث کی روشنی میں نہایت تفصیل سے وضاحت کی ہے ''مسئلہ ختم بنوت'' پر ان کی بحث کا خلاصہ حسب ذیل پیش خدمت ہے۔

''ہدایت انسانی رسولوں کی ذات کے ساتھ وابستہ ہے اس لیے عالم کی ابتداء اور انتہاء اور رسالت کی ابتداء و انتہاء میں گہرا ربط ہے پروردگار عالم جب ایک طرف عالم کی بنیاد رکھی تو دوسری طرف قصر نبوت کی پہلی اینٹ بھی رکھ دی۔ یعنی عالم میں جس کو خلیفہ بنایا اسی کو قصر نبوت کی پہلی خشت قرار دیا ادھر عالم بتدریج پھیلتا رہا اور ادھر قصر نبوت اپنی جملہ خوبیوں اور محاسن کے ساتھ مکمل ہوگیا اسی طرح ضروری ہوا کہ جس طرح انبیاء کی بعثت کی اطلاع ابتدائے عالم کو تھی اب انتہاء پر رسولوں کے خاتمے کا اعلان کر دیا جائے تاکہ قدیم سنت کے مطابق اب کوئی شخص رسولؐ کی آمد کا انتظار نہ کرے گویا تکمیل ہدایت انسان کے لیے انسانوں ہی سے (سنت الٰہی کے مطابق) آخری نبی کا چناؤ عمل میں آگیا یعنی اسرائیلی سلسلے آخری رسول نے اسماعیلی سلسلے کے اس رسول کی بشارت دی جس کا اسم مبارک احمد تھا عالم کے اس منتظر اور حضرت عیسیٰؑ کے مبشر نے آکر خود بھی اعلان کر دیا قصر نبوت

میں اینٹ کی ایک جگہ خالی تھی اور وہ میری آمد سے پوری ہو گئی اب صلاح و تقوی دیکھنے کا نتیجہ دیکھنے کا زمانہ ہے قرآن پاک نے ختم نبوت کا اعلان ان الفاظ میں کر دیا۔ ۱۱۶

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین و کان اللہ بکل شئ علیما۔ اب نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی تشریحی پیغمبر، غیر تشریعی پیغمبر نہ ظلی نہ بروزی۔ مگر اس کے معنی یہ نہیں آئندہ نفوس انسانیہ کو کمال تکمیل سے محروم کر دیا گیا ہے۔ بلکہ یہ کہ اب یہ منصب ختم ہو گیا ہے۔

چونکہ سنت الہیہ یہ ہے کہ اللہ جب کسی چیز کو ختم کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کامل ہی ختم کرتا ہے ناقص ختم نہیں کرتا۔ نبوت بھی اپنے کمال کو پہنچ گئی ہے اس لیے اس کا مقصد پورا ہو گیا اس کو بھی ختم کر دیا جائے۔ آنحضرتؐ کے بعد اگر نبوت جاری ہو تو لازم آئے گا کہ خاتم نقصان پر ہو۔

فطرت عالم پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر جز و کل میں حرکت ہے یہ حرکت ارتقاء و کمال کی متلاشی ہے اور پھر اک حد تک پہنچ کر وہ حرکت ہو جاتی ہے مثال دیکھئے کہ چھوٹی سی گٹھلی حرکت کرکے ایک تن آور درخت بن جاتی ہے۔ آخر کار اس میں پھل نمودار ہوتے ہیں اور پھر منتہائے کمال پر پہنچ پر درخت کا ایک دور حیات ختم ہو جاتا ہے گویا درخت پھر ارتقائی مدارج کو یکے بعد دیگر دہراتا رہتا ہے یہاں مقام غور ہے کہ تمام شریعتیں اور تمام نبوتیں کمال کی جانب متحرک تھیں پہلی شریعت پچھلی شریعت سے ارتقائی نظر آتی ہے اس لیے طبعی احوال کے مطابق ضروری تھا کہ اس ارتقاء کمال کا بھی نقطہ آخر ہو اور جب نبوت ہمارے ادراک سے باہر تھی تو خود اللہ تعالیٰ نے اس کا تکفل فرمایا اور اعلان ہوا **ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین**

ایک پیغمبر کے بعد دوسرے پیغمبر کے آنے کی صرف تین وجہیں ہو سکتی ہیں:

(i) پہلے نبی کی تعلیم و ہدایت نابود ہو چکی ہو اور پھر زندہ کرنے کی ضرورت ہو۔

(ii) پہلے نبی کی تعلیم مکمل نہ ہو اس میں ترمیم و اضافے کی ضرورت ہو

(iii) یا پہلے نبی کی آمد کسی خاص قوم یا طبقے کے لیے ہو اور دوسری قوم کے لیے دوسرے نبی کی ضرورت ہو۔

اب تینوں وجوہات باقی نہیں رہیں کیونکہ آپ کی تعلیم زندہ ہے نبی کی تعلیمات کا زندہ ہونے کے مترادف ہے جب ایک نبی اپنے عہدہ یا منصب پر فائز ہو دوسرا نبی کیسے آسکتا ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے دنیا کو مکمل ہدایت دی چکی تھی اب اس میں نہ کسی کمی بیشی کی ضرورت ہے اور نہ ہی کوئی ایسا نقص باقی رہ گیا ہے جس کی تکمیل کے لیے کسی نئے نبی کی ضرورت ہو۔

آنحضرت چونکہ کسی خاص قوم کے لیے نہیں بلکہ ساری کائنات کے لیے رسول مبعوث ہوئے ہیں۔ اور تمام اہل جہاں کے لیے آپ کی تعلیم و ہدایت کافی ہے اس لیے اب کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں رہی آپ کی بعثت کا دامن قیامت تک انسانوں کے لیے پھیلا ہوا ہے اور اگر بعثت عام ہوتی مگر نبوت ختم نہ ہوتی اور آئندہ کوئی اور کامل رسول آتا تو آپ کی بجائے اس کی اتباع لازم آتی۔ تو اس طرح آپؐ کا نقصان ثابت ہوتا اور اگر کوئی ناقص رسول آتا تو کامل کے ہوتے ہوئے ناقص کے دامن میں آنا بجائے رحمت کے زحمت بنا جاتا۔ اس لیے بعثت عام کے بعد نبوت کا ختم ہونا لازم اور ضروری ہو گیا۔ ۱۱۷

(4) مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی رد قادیانیت میں خدمات

قصص القرآن۔ جلد چہارم۔ مسئلہ ختم نبوت

آپ نے مسئلہ ختم نبوت پر ایک مدلل بحث کی جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے

''سلسلہ نبوت ورسالت کی ضرورت واہمیت بتانے کے بعد بعثت محمدی کی عمومیت کے بارے مین لکھتے ہیں کہ تمام دیگر انبیاء کی رسالت خاص زمانوں اور وقت و قوم کے لیے محدود تھی للذا جب عقل انسانی اور ارتقاء کے اپنے کمال کو پہنچ گئی اور حلقہ دعوت وارشاد آہستہ آہستہ ترقی پذیر اور وسعت گیز ہوتا چلا گیا تو سلسلہ نبوت قانون قدرت کے عام قانون اصول کے خلاف کس طرح ہمیشہ کے لیے محصور رہ سکتا تھا چنانچہ عالم اسباب میں فطرت کے عام قانون کی طرح رشد و ہدایت کا جو آغاز پہلے انسان کے ذریعے ہوا تھا۔ اس کا انجام اس مقدس ہستی پر پہنچ کر کامل و مکمل ہو گیا جس کا نام محمدؐ واحمدؐ ہے تو فرمایا۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ آغاز وانجام ان دو لفظوں سے کائنات ہستی کا دائرہ بنتا ہے اور یہی دونوں زوال و عروج نقص و کمال اور نشیب و فراز کی پرکار بناتے ہیں پس آدمؑ نبوت کا آغاز تھے اور محمدؐ اس کے آخری انجام۔ پس جو شخص دلیل یا وجدان کی ہدایت سے تسلیم کرتا ہے کہ کائنات ہست و بود سب کچھ اس کی مخلوق ہے گویا یہ تسلیم کر لیا ہے کہ یہ سب ازلی ہیں نہ ابدی۔ بلکہ ان کا آغاز بھی ہے اور انجام بھی اس لیے آسمانی تحقیق نے جو بھی روپ اختیار کیا بہر حال وہ اپنے ساتھ روحانی اور مادی ہدایت لے کر آیا۔ یہی آغاز تھا جس کو آدیان سماوی نے نبوت آدم کے نام سے یاد کیا اور جس کا سلسلہ برابر اس دنیا میں قائم رہا۔ تاآنکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا اور ذات قدسی صفات نے بعثت عام کا اعلان فرمایا للذا اب یہ اس روحانی رشد و ہدایت یا پیغام الٰہی کے نشو و نما کے لیے اگر ذات اقدس کے ساتھ ختم نبوت کو وابستہ نہ سمجھا جائے تو تین صورتوں میں سے ایک صورت وہی وقوع پذیر تسلیم کی جا سکتی ہے ایک یہ کہ سلسلہ نبوت ورسالت نبی اکرمؐ پر ختم نہیں ہوا بلکہ آگے ترقی تکمیل پر گامزن ہے یہاں تک کہ اس حد کمال تک پہنچ جائے جس کے بعد کسی تکمیل کی حاجت مائل ہو جائے یہ خواب کسی طرح شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے۔

تیسری شکل یہ ہے کہ ایک خاص حیثیت میں روبہ ترقی ہے وہ جب تکمیل کو پہنچ جائے تو پھر کمال ضرورت زوال اختیار کرے یا یوں کہیے کہ کمال آغاز کی جانب لوٹ جائے اور تحلیل حاصل کا نمونہ پیش کرے۔

لیکن آخری دو شکلیں غیر معقول بلکہ فطری تقاضے کے خلاف ہیں دوسری صورت تو اس لیے کہ اس خدا کی ربوبیت کاملہ اور صفت رحمت و قدرت کا نقص لازم آتا ہے اور جس مقصد سے اس نے آغاز کیا تھا اسے اپنی مرضی کے باوجود درجہ تکمیل تک نہ پہنچا سکا۔

اگر یہ مان لیا جائے تو یہ مطلب ہو گا کہ دکان فطرت میں عیب کے سوا کچھ نہیں ہے اسی طرح تیسری شکل بھی نامعقول ہے کیونکہ تکمیل ایسی حقیقت کا نام ہے کہ جس کے بعد اس سلسلے کی نہ مزید ضرورت ہے اور نہ طلب اور پھر رشد و ہدایت اور پیغام

حق جیسی روشن شے کے پائے تکمیل تک پہنچ جانے کے بعد اس کو ابتداء سے دہرانا بے معنی بات ہے اور تحصیل حاصل ہے نہ یہ عقل کا کام ہے نہ حکمت و دانائی کا اور ایسے فعل کو اس کی جانب منسوب کرنا۔ جس کے لیے کہا گیا ہو ''انّ ربك عَلِيْم حَكِيْم'' نہایت بے وقوفی اور جہالت کی بات ہے پس اگر مؤخرالذکر دونوں صورتیں گیر معقول ناقابل توجہ ہیں تو پھر پہلی شکل لائق غور رہ جاتی ہے اور جب اس کی تحصیل کی جائے تو یہ سوال سامنے آتا ہے کہ قرآن ایک ایسا روحانی دستور اور پیغام ہے رشد وہدایت ہے کس کی نظیر پیش کرنے میں تمام سابقہ ادیان دور موجودہ مدعیان نبوت، وحی الہام عاجز و درماندہ رہے ہیں تو پھر علم و عقل اور حکمت و دانش کا وہ کون سا تقاضا ہے جس کے پیش نظر ''الیوم اکملت لکم دینکم'' کا انکار کیا جاسکے۔ جو تکمیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے ہو چکی ہے اس کو جھٹلا کر اور تاریخ ادیان کو صاف اور صادق شہادت کا منکر بن کر اس سلسلے کی آخری کڑی نبی منتظر کے لیے چشم براہ ہوا جاسکے اور یہی وہ حقیقت ہے کہ جس کو قرآن نے ''ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین'' کہہ کر روشن کر دیا ہے اور جس کی شہادت خود ذات قدسی صفات نے یہ کہہ کر دی۔

''قال رسول اللہ ﷺ مثلی ومثل النبیین کمثل رجل بنی داراً'' آپؐ نے فرمایا کہ میری مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جس نے ایک گھر بنایا اور اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی پس میں اس قصر نبوت کی آخری اینٹ ہوں۔ ۱۱۸

جب ہم اس کاخاکدان ہستی پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ حقیقت ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہے کہ ہر کثرت کے لیے وجود اور وجودات کے لیے وجودیت (خالص) محور و مرکز ہے نیز اعداد خواہ اپنی کثرت میں کسی حد تک کیوں نہ پہنچ جائیں ان کا محور و مرکز ہر حالت میں اکائی ہے۔

چنانچہ کثرت کے ساتھ وحدت کا تصور لازم ہے پس وحدت و کثرت کا یہی رابطہ ہے جس نے حدود عدم سے گزر کر ہست کے ساتھ تعلق پیدا کیا اور اس کو عالم ہست و بود کا نام دیا ہے تو اس حقیقت کو پیش نظر رکھ کر جب ہم مسئلہ نبوت و رسالت پر نظر ڈالتے ہیں اور سبع سموات کی طرح عالم پر مختلف ادوار میں ہزاروں سیارگان رشد و ہدایت کو ضوفشاں پاتے ہیں تو اس حقیقت کی بنیاد پر فطرت تقاضا کرتی ہے کہ کثرت کا بھی کوئی نقطہ وحدت ضرور ہونا چاہیے اس طرح ابنیاء رسل کا سلسلہ کثرت کے لیے بھی مبدا و منتہا ہونا از بس ضروری ہے۔

یہی وہ حقیقت ہے جو ''ختم نبوت'' کے نام سے منسوب ہے اور اس کو قرآن کریم نے اس حکمت کے ساتھ ادا کیا ہے'' ماکان محمد ابا احد من رّجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین'' یہی وہ حقیقت ہے کہ جس کو حدیث نبویؐ نے خاتم النبیین کی تفسیر ایک روشن مثالؐ کے ذریعے سمجھایا اور ختم نبوت کی حقیقی روح کو مادی شکل میں پیش کر کے حرف آخر بنا دیا۔ فرمایا۔'' الرسالۃ النبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی''

حاصل کلام یہ ہے کہ رب العالمین کی ربوبیت کاملہ نے کائنات ہست و بود میں قانون ارتقاء کو جس طرح نافذ فرمایا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ عقل و شعور انسانی حد بلوغ پر پہنچ جانے کے باوجود اس کی ترقی کا سلسلہ تا ابد جاری رہے اور اس میں ایسی پابندی یا روک نہ ہونی چاہیے جس سے اس کی صلاحیتوں کے نشوو ارتقاء کا سد باب ہو جائے اور دوسری جانب پیغام حق کا جو سلسلہ

نبوت بذریعہ وحی الٰہی عالم کی رشد و ہدایت کے لیے عطا ہوا ہے وہ بھی حد کمال تمام پر پہنچ جانے کے باوجود فطرت کے قانون ارتقاء کے مطابق کمال سے نقص کی جانب نہ رجوع کرے کہ ہفت ظل و بروز کے پردہ میں مستور ہو کر رہ جائے اور ربوبیت حق کے اس عطا اور بخشش کا سد باب ہو جائے بلکہ رشد و ہدایت کے عنوان سے معنون ہو کر عالم کا رہنما بنے اس لیے یہی طریقہ رکھا گیا کہ جب انسان اپنے عقل و شعور میں حد بلوغ کو پہنچ گیا ہے اس کے سامان پوری طرح مہیا ہو گئے ہیں تب نبوت و رسالت کو بھی حد کمال تمام پر پہنچا کر ختم کر دیا گیا اور اعلان کر دیا "**الیوم اکملت لکم دینکم**" مگر رشد و ہدایت کو رہتی دنیا تک قائم کرکے آخری پیغمبر کے ذریعے جو آخری پیغام کامل مکمل بن کر آیا۔ وہ اساس و بنیاد قرار دیا جائے اور نت نئے مادی ترقیات کے ساتھ ساتھ اس کا فیضان علم بھی درخشاں و تاباں رہے اور یہ خدمت علماء حق کے سپرد ہو۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کو معجز نظام نے اس انداز میں بیان کیا" **فان تنازعتم فی شیئٍ فردوہ الی اللہ والرسول**" اگر نبوت کا سلسلہ کسی نقطہ انتہا تک نہ پہنچتا تو یہ نہ کہا جاتا کہ آپؐ کے ارشادات کی جانب رجوع کرو۔ اس لیے نبوت کو ظل یا بروز کی آڑ میں باقی رکھنا بے معنی ہو جاتا ہے۔

حق تعالیٰ کی طرف سے خاتم النبیین کا منصب جلیل ذات اقدس کو عطا ہوا ہے عقل و نقل دونوں اعتبار سے ایک اور صرف ایک ہی معنی رکھتا ہے وہ یہ کہ محمدؐ آخر الانبیاء والرسل ہیں اور نبوت و رسالت کا سلسلہ آپؐ پر ختم ہو گیا ہے۔ ۱۱۹

قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ۔ نیا ایڈیشن

پروفیسر محمد الیاس برنی

جناب پروفیسر محمد الیاس برنی سابق صدر شعبہ معاشیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کی شہرہ آفاق کتاب "قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ" کے مصنف ہیں جو رد قادیانیت پر انسائیکلوپیڈیا کا درجہ رکھتی ہے۔ رد قادیانیت پر کام کرنے والا کوئی انسان اس کتاب سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ اب تک قادیانیت کے موضوع پر جو لکھا گیا ہے وہ تقریباً اس کتاب سے استفادہ کرنے کے بعد لکھا گیا ہے۔ رد قادیانیت پر آج تک جو لٹریچر شائع ہوا سب سے زیادہ مقبولیت اس کتاب کو ہوئی اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔ فاضل مصنف ہر نئے ایڈیشن میں اضافہ پر اضافہ کرتے چلے گئے تاآنکہ ایک جامع اور قابل قدر تاریخی دستاویز کی شکل اختیار کر گئی۔ یہ کتاب تقریباً 20 فصلوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اول میں پانچ تمہیدیں ہیں۔ فصل اول میں ذاتی حالات، دوسری فصل میں نبوت کی تمہید، تیسری فصل میں نبوت کی تحصیل، چوتھی فصل میں نبوت کی تکمیل، پانچویں فصل میں فضیلت کی تفصیل، چھٹی فصل میں انکشاف، ساتویں فصل میں ارشادات، آٹھویں فصل میں تعلقات، نویں فصل میں معاملات، دسویں فصل میں قادیانی صاحبان اور مسلمان دین و ملت۔

اس کے بعد "قادیانی مذہب" حصہ دوم شروع ہوتا ہے جس میں گیارہویں فصل سیاسیات دور اول، بارھویں فصل سیاسیات دور ثانی، تیرھویں فصل سیاسیات، تیسرا دور چودھویں فصل قادیانی صاحبان اور مسلمان سیاست و مملکت، پندرھویں فصل قادیانی اکابر سولہویں فصل قادیانی کی جماعت قادیان، سترھویں فصل قادیانیوں کی جماعت لاہور، اٹھارویں فصل دعوؤں کا داخلی نقشہ، انیسویں فصل پچرنگ، بیسویں فصل سیاسیات۔

اس کے ساتھ پانچ ضمیمے بھی شامل ہیں۔ ضمیمہ اول، قادیانی مذھب کی کاوش و نالش، ضمیمہ دوم قادیانی حساب، ضمیمہ سوم قادیانی کتاب، ضمیمہ چہارم قادیانی جماعت، ضمیمہ پنجم قادیانی کتابیں شامل ہیں۔

اس کتاب پر 70 سال کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن آج تک قادیانی اس کتاب کے کسی ایک حوالے کو بھی غلط ثابت نہیں کر سکے۔ یہ کتاب دنیامیں اس قدر مقبول ہوئی اس کے ایڈیشن پر ایڈیشن چھپتے رہے۔

اس کے بعد اس کتاب کو خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان پاکستان نے 1995 میں شائع کیا یہ 1129 صفحات پر مشتمل ہے۔ پروفیسر الیاس برنی صاحب کی زندگی میں غالباً اس کے چھ ایڈیشن چھپے اور اس آخری ایڈیشن میں کتاب مکمل ہو گئی۔ اس کا اظہار پروفیسر محمد الیاس برنی صاحب اپنی اس کتاب کے تعارف میں یوں فرماتے ہیں:

"الحمد اللہ کتاب قادیانی مذھب کا ایڈیشن ششم شائع ہو گیا اور ایڈیشن پنجم کے مقابل اس میں جدید اقتباسات بہ تعداد کثیر اس میں اضافہ ہوئے جن سے مباحث بہت واضح اور محکم ہو گئے کتاب کا حجم بھی کافی بڑھ گیا۔ بنابریں ایڈیشن ششم کا مقدمہ جو بجائے خود ایک مختصر مگر جامع تالیف ہے علیحدہ شائع ہوا اور خود کتاب بھی دو حصوں میں شائع ہو رہی ہے۔ حاصل کلام یہ کہ کتاب نے ایڈیشن ششم میں مستقل شکل اختیار کر لی ہے اور آئندہ ایڈیشنوں میں مزید رد و بدل اور اضافوں کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ ۱۲۰

اس تالیف میں جو کتابیں وغیرہ پیش نظر ہیں اور جن سے اقتباسات لئے گئے ہیں ان کی مجموعی تعداد 150 کے قریب ہے جن میں مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابیں 40 سے زیادہ شامل ہیں اور جملہ قادیانی کتب کی تعداد 125 کے قریب ہے باقی کچھ کتابیں مسلمانوں کی شریک ہیں۔ چنانچہ پانچویں ضمیمہ میں حوالہ کی کتابوں کی فہرست درج ہے۔ ۱۲۱

اخبارات نے اس تحقیقی کام کو کافی سراہا ہے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد قادیانیوں کی تدلیس و تلبیس پوری طرح بے نقاب ہو جاتی ہے دیانت تحریر کا یہ عالم کہ کوئی بات بغیر حوالہ کے نہیں کہی۔ دلچسپی کی یہ کیفیت کہ جب تک کتاب ختم نہ کر لیجئے کتاب چھوڑنے کو جی ہی نہیں چاہتا۔ کتاب کیا ہے مذہب کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔ مرزا صاحب کے اباطیل کا دندان شکن جواب، ایک ایسا آئینہ جس میں قادیانیوں کا ایک ایک خدوخال نمایاں ہے۔ برنی صاحب اب تک ایک ماہر معاشیات کی حیثیت سے مشہور تھے لیکن کتاب لکھ کر انہوں نے ثابت کر دیا کہ مذہب کے مطالعہ اور ان کی تحقیق و تدقیق میں ابھی انہوں نے پورا وقت دیا ہے اور جو کچھ ہے خوب سوچ سمجھ کر اپنی ذمہ داریوں کا لحاظ کر کے۔ ہم اپیل کرتے ہیں ہر وہ شخص جو قادیانیت سے کچھ بھی متاثر ہے یا قادیانیوں کی خفیہ سازشوں سے واقف ہونا چاہتا ہے۔ ضرور اس کا مطالعہ کرے۔ ضرورت ہے کہ اس کتاب کی قادیانیوں میں بھی تبلیغ کی جائے۔ ۱۲۲

برنی کا یہ رسالہ "قادیانی مذھب" مولویانہ لعن طعن سے قطعاً پاک ہے۔ قادیانی اور اہل سنت مباحثات کے متعلق ایسی متین کتاب غالباً نہیں دیکھی گئی۔ جس کو موافق و مخالف سب ٹھنڈے دل سے پڑھ کر سکون قلب کے ساتھ رائے قائم کر سکتے ہیں جناب مؤلف نے اس رسالہ میں اپنی طرف سے بہت کم لکھا ہے زیادہ تر مرزا صاحب اور ان کی مستند متبعین کی تحریریں ایک خاص

ترتیب سے جمع کر دیں ہیں اور ان پر جو کچھ اظہار رائے کیا ہے مختصر ہے اور تہذیب و متانت کے ساتھ ہے یہ مولف صاحب کے حسن نیت کی دلیل ہے کہ انہوں نے اس رسالے کو بلا قیمت شائع کیا اور کسی مالی منفعت کا ذریعہ نہیں بنایا۔ ۱۲۳

محمد الیاس برنی معاشیات کے ایک مستند عالم ہیں جن کی کتابیں اردو زبان میں اس فن پر شاید سب سے زیادہ ہیں لیکن وہ ایک ماہر معاشیات ہونے کے ساتھ ساتھ ایک متکلم اور مناظر بھی ہیں۔ وہ جتنے بلند پایہ معاشی ہیں اتنے ہی دقیق النظر متکلم اور کامیاب مناظر ہیں ان کی یہ کتاب رجب 1352ھ میں اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔ پہلے یہ کتاب 100 صفحے کا ایک چھوٹا سا رسالہ تھا۔ دوسرے ایڈیشن میں 350 صفحے ہوئے اور اب تقریبا 600 صفحات ہیں۔ پروفیسر الیاس برنی جیسے سنجیدہ اور متین مصنف کی تصنیف میں لہجے کی متانت اور سنجیدگی، رائے کا استحکام، نقل کی احتیاط اور ذاتیات سے علیحدگی کی جس قدر امید کی جا سکتی تھی وہ اس کتاب میں پورے طور پر نمایاں ہے اور قادیانی مذہب کے متعلق ہر قسم کی معلومات بلاحاشیہ آرائی جس قدر مستند مواد سے اس کتاب میں جمع ہیں وہ اور کتابوں سے دستیاب نہیں ہو سکتیں۔ اس کتاب کی اشاعت سے قادیانی فرقے میں اگرچہ ہلچل مچ گئی تو کوئی تعجب نہیں اور یہی اس کی افادیت اور کامیابی کی سب سے بڑی اور روشن دلیل ہے۔ ۱۲۴

''قادیانی مذھب'' کے تمام ابواب و فصول ان اقتباسات پر مشتمل ہیں جو مولف نے بکمال محنت و دیانت مرزا صاحب اور مرزا صاحب کے تابعین اور مریدوں کی تصانیف۔ ان کے اشتہارات، اخبارات اور رسائل سے اخذ کیے ہیں۔ پوری کتاب 20 فصلوں پر منقسم ہے اور ان میں یکے بعد دیگرے (1) بانی تحریک (2) ان کے حالات زندگی (3) قادیانیت کی تدریجی نشو و نما (4) احمدیوں کا جماعتی افتراق ان کے مخصوص عقائد، اجتہادات و نزاعات (5) ملت کی طرف جو ان کا طرز عمل رہا ہے اس پر خود اس جماعت ہی کے الفاظ میں ایک مکمل اور مبسوط تبصرہ موجود ہے ہماری رائے میں پروفیسر کی تصنیف قادیانیت کا ایک جامع ''قاموس'' ہے جس سے مسلمانوں کا کوئی گھر خالی نہیں ہونا چاہیے جو حضرات ادیان و مذاھب کا مطالعہ علمی نہج پر کرتے ہیں۔ ان کے لیے یہ کتاب خاص طور پر مفید ثابت ہوگی۔ ۱۲۵

اس ضخیم کتاب میں مولف نے کمال یہ کیا ہے کہ خود بہت کم لکھا ہے بلکہ خود مرزا صاحب کی تحریروں سے ان کے اقتباسات لے لے کر انہیں ایک خاص ترتیب اور سلیقہ مندی سے پرو دیا ہے جس سے مرزا صاحب کے وعدے اور تعلیمات اور خود ان کی زندگی کے سارے خد و خال نظر آجاتے ہیں۔ رومی اور چینی نقاشوں کے معرکہ کا مشہور قصہ یہ چلا آرہا ہے کہ چینی نقاشوں نے بڑی محنت سے دیوار پر نقش و نگار بنائے رومی ہنر مندوں نے اور کچھ نہ کیا صرف یہ کیا کہ مقابل کی دیوار کو صیقل کرکے آئینہ بنا دیا اور جونہی پردہ اٹھا ساری چینی نقاشیاں ہو بہو رومی دیوار پر منعکس ہو گئیں۔ برنی صاحب کا فن نقاشی بھی کچھ اس قسم کا واقع ہوا ہے انہوں نے مرزا کا چہرہ مرزے کے آئینے میں لاکے دکھلایا ہے اور خود الگ کھڑے ہو گئے۔ دلچسپی سے خالی کوئی صفحہ نہیں عبارت کسی خنک علمی یا مذھبی کتاب کی نہیں ناول یا افسانہ کی معلوم ہوتی ہے جابجا قلم کی شوخیاں اور مہذب ظرافتیں اس پر مستزاد ہیں۔ ۱۲۶

یہ کتاب بھی قادیانی مذھب کے اصلی چہرے پر سے نقاب اٹھانے کے لیے لکھی گئی ہے اس میں مرزا صاحب بانی مذہب کے ان احوال و اقوال کو جن سے مرزا صاحب کی نبوت کی حقیقت منکشف ہوتی ہے خود مرزا صاحب اور ان کے متبعین کی خاص

تحریروں اور تقریروں سے اقتباس کرکے ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے جن کے پڑھنے سے ہر ایک کا مذہب کس حد تک حامل صداقت اور قابل اتباع ہے۔اس کتاب میں بھی خلاف تہذیب اور دل آزاد کلمات کے استعمال نہ کرنے کا پورا اہتمام کر دیا گیا ہے جو تعلیم یافتہ مسلمان قادیانی غلط فہمیوں کا شکار ہو کر قادیانیت کا دم بھرنے لگے ہیں۔ان کی آنکھیں کھولنے کے لئے ایسی ہی کتابوں کی ضرورت ہے۔۱۲۷؎

"قادیان سے اسرائیل تک"

یہ کتاب 224 صفحات پر مشتمل ہے اور اسے موتمر المصنّفین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور نے زیر اہتمام مولانا سمیع الحق، شائع کیا ہے۔کتاب نام سے یہ بات ظاہر ہے کہ اس کے اندر قادیانیوں کے یہودیوں سے مذہبی و سیاسی روابط بیان کئے گئے ہیں دونوں کی عالم اسلام کے خلاف متحدہ ریشہ دوانیاں اس کتاب میں زیر بحث لائی گئی ہیں۔ نیز اس کتاب میں یہ ثابت کیا گیا ہے ۔ قادیانیوں کا اصل مآخذ یہودی فکر اور نظریات ہیں اور پورا قادیانی علم کلام یہودی تحریکات و نظریات سے ماخوذ ہے۔

تحریک قادیانیت کی تاسیس میں کونسا خفیہ ہاتھ کام کر رہا تھا؟ برطانوی سامراج اور یہودی قوم پرستوں نے ہندوستان اور عالم عرب میں بے پناہ تخریب کاری کے لیے سیاسی تحریک کے پلیٹ فارم کو کیسے استعمال کیا؟ قادیانی مشن استعمار کے زیر تسلط ممالک میں کیا کردار ادا کرتے رہے؟ فلسطین مشن کی غرض و غایت کیا تھی؟ اسرائیل کے قیام اور تعمیر کے المیہ میں قادیانی اکابر نے کن کن زاویوں سے مالی جانی خدمات انجام دیں؟ اس کتاب میں ایسے بہت سے سوالات کا جواب درج ہے اس کتاب میں مذہب کے نام پر پھیلائے گئے اس سیاسی سامراجی صیہونی سازش کے اور بہت سے خفیہ گوشوں کو آشکار کیا گیا ہے اس کتاب کا اکثر مواد مستند قادیانی لٹریچر سے حاصل کیا گیا ہے۔اس کتاب میں دلائل سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ پورا قادیانی علم کلام یہودی افکار سے ماخوذ ہے۔

تردید عیسائیت کے درپردہ محرکات

کسرے صلیب کے وعدے کی جدید یہودیت کے احیاء کی تحریک میں اعانت بہم پہنچانے کے علاوہ برطانوی سامراج کے لئے بھی یک گونہ اہمیت تھی۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

1۔ عیسائی مشنریوں کی اشتعال انگیز تحریریں پڑھ کر انہیں خدشہ محسوس ہوا کہ مباد مسلمانوں کے دلوں میں ایک جوش رکھنے والی قوم ہے۔ سخت اشتعال اور شر پیدا نہ ہو اور کوئی بغاوت نہ کر بیٹھیں۔اس لیے عام جوش کو دبانے کے لیے ایسی کتابیں

لکھیں جن میں کمال سختی سے بد زبانی کی گئی تھی۔ چند ایسی کتابیں تھیں جن میں کسی قدر بالمقابل سختی تھی کیونکہ میرے

کاشیش نے قطعی طور پر مجھے فتوی دیا کہ اسلام میں جو بہت سے وحشیانہ جوش والے آدمی ہیں ان کی غیض و غضب کی آگ بجھانے کے لیے طریق کافی ہوگا کیونکہ عوض معاوضہ کے بعد کوئی مگر باقی نہیں رہتا سو میری یہ پیشن بینی کی تدبیر صحیح نکلی۔۱۲۸؎

2۔ ان مباحثات کی کتابوں سے ایک یہ بھی مطلب تھا کہ برٹش انڈیا اور دوسرے ملکوں پر بھی اس بات کو واضح کر دیا جاتا کہ ہماری گورنمنٹ نے ہر ایک قوم کو مباحثات کے لیے آزادی دے رکھی ہے کوئی خصوصیت پادریوں کی نہیں ہے۔ ۱۲۹؎

3۔ میں سچ کہتا ہوں کہ ایسی کتابوں کی تالیف سے جو پادریوں کے مذہب کے رد میں لکھی جاتی ہیں گورنمنٹ کے عادلانہ اصولوں کا اعلیٰ نمونہ لوگوں کو ملتا ہے غیر ملکوں کے لوگ خاص طور اسلامی بلاد کے نیک فطرت جب ایسی کتابوں کو دیکھتے ہیں جو ہمارے ملک سے ان ملکوں میں جاتی ہیں تو ان کو اس گورنمنٹ سے انتہائی انس پیدا ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض خیال کرتے ہیں کہ شاید یہ گورنمنٹ در پردہ مسلمان ہے اور اس طرح پر ہماری قلموں کے ذریعے گورنمنٹ ہزاروں دلوں کو فتح کرتی جاتی ہے۔ ۱۳۰؎

دور حاضر کے عرب محققین خصوصا مصر کے قاضی عباس محمود العقاد، الشیخ محمد ابوزھرہ، الشیخ محب الدین اور الشیخ محمد المدنی نے قادیانی تحریک اور اس کے استعمار پر ستانہ پر بحث کی ہے اور اس عظیم سامراجی یہودی سازش کے سیاسی کردار کو بے نقاب کیا ہے۔ علامہ محمود الصوف نے اپنی مشہور تصنیف ''المخالطات الاستعماریۃ لمکافحۃ الاسلام'' میں قادیانیت کو ذیلی شاخ ثابت کیا ہے۔ مراکش کے مشہور محقق ڈاکٹر عبدالکریم نے یہودی سازشوں اور ریشہ دوانیوں پر تحقیق کرتے ہوئے انکشاف کیا کہ قادیانیوں کے عقائد اٹھارویں صدی کے ان یہودی مستشرقین کی پیداوار ہیں جنہوں نے جہاد کو حرام قرار دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور بعض یہودی اسی صدی کے اوائل میں ہندوستان مناظرے کرنے کے بھیس میں وارد ہوئے۔ ۱۳۱؎

یہودی مفکروں کی دلچسپی

یہودی مفکروں نے قادیانی تحریک کے مطالعے اور اس کے فروغ میں ہمیشہ دلچسپی لی یروشلم یونیورسٹی، جس کی بنیاد 1925 میں رسوائے زمانہ یہودی بالفور نے رکھی تھی۔ اس سلسلے میں کافی اہم کردار ادا کرتی ہے اس یونیورسٹی میں دانشوروں کا ایک گروپ شود ڈاکٹر میگن کے تعاون سے قادیانی اور یہودی جج الیگزینڈر والڈام، نے ایک دلچسپ مضمون زیر عنوان ''اسلام کی طرف جدید صیہونی راستہ اور احدیہ تحریک'' تالیف کیا۔ جس کے نام سے ظاہر ہے کہ اس نے اسلام میں احمدیہ تحریک کو جدید صیہونی راستہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ یہ مضمون قادیان کے مشہور انگریزی پرچے ''ریویو آف ریلجنز'' نے مارچ 1927 کی اشاعت میں نقل کیا۔ اسرائیل کے ظالمانہ قیام کے آخری سالوں میں یہودیوں نے قادیانی تحریک کے فروغ و ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ان کی مذعومہ ریاست میں اگر کسی جماعت کو تبلیغ کی کھلی آزادی اور سرپرستی حاصل تھی اور اب بھی ہے تو وہ یہی تحریک احمدیہ تھی۔ 1948 میں قادیانی مبلغ فلسطین چوہدری محمد شریف نے مرکز کو جو رپورٹ پیش کی اس میں خاص طور پر یروشلم یونیورسٹی کی ایک یہودی خاتون ''ریشے روہیل'' کے احمدیہ کے لیے اخبارات میں مضامین لکھنے کا ذکر کیا ہے۔ ۱۳۲؎

قادیان کے اسرائیلی

لطف کی بات یہ ہے کہ مرزا صاحب نے خود کو اسرائیل اور اپنی جماعت کو بنی اسرائیل قرار دیا۔ اپنی ایک وحی میں فرماتے ہیں:

"خدا نے فرمایا تیری جماعت کے لوگ مخلص ہیں اور بیٹوں کا حکم رکھتے ہیں۔ میں بچاؤں گا ایک وحی میں مجھے "اسرائیلی" قرار دیا گیا ہے اور مخلص لوگوں کو میرے بیٹے اس طرح وہ "بنی اسرائیل" ٹھہرے۔ ۱۳۳ؔ

مرزا غلام احمد کا الہام " یأتی علیک زمن کزمن موسیٰ" کے مطابق جس طرح بنی اسرائیل مصر میں فرعون کی حکومت میں بے گار دھرے گئے تھے اسی طرح احمدیوں سے قادیان میں غیر مسلموں نے کیا پھر بنی اسرائیل کو مصر سے ہجرت کرنی پڑی اور "مسیح موعود" کی قوم کو قادیان سے ہجرت کرنی پڑی تاکہ وہ مشابہت پوری ہو جائے۔ ۱۳۴ؔ

1935 میں بیروت یونیورسٹی کے ایک صیہونی پروفیسر ہنر لمین نے ایک کتاب "اسلام" تالیف کی اس میں مسیح کے متعلق عقائد آمد مہدی کے معتقدات اور جہاد کے متعلق خیالات کا اظہار کیا۔ اس نے مرزائی عقائد کی تعریف کی، خاص طور پر عقیدہ جہاد کے مکمل طور پر منسوخ ہونے کے نظریے کے متعلق کہا کہ "جہاد کے متعلق سلسلہ احمدیہ کی طرف سے جو تعلیم دی جاتی ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس جماعت کی طرف سے درحقیقت اصلاح کی کوشش کی جارہی ہے۔ ۱۳۵ؔ

قبر مسیح

قادیان کے یہودی مسیح موعود نے ووفات مسیح کے اعلان کے بعد یہ دلچسپ دعوی کیا کہ مسیحؑ کی قبر گلیل (فلسطین) میں ہے کچھ عرصہ کے بعد یہ قبر طرابلس میں بنائی گئی۔ آخرکار خدا کی وحی کی آڑ میں محلّہ خانیاسری نگر کشمیر میں قبر کی موجودگی کا اعلان کیا گیا۔

مرزائیوں نے قبل مسیح کا چونکا دینے والا انکشاف کرکے درپردہ انہی یہودیوں کی ہم نوائی کا فریضہ سرانجام دیا۔ ان تخریب کاروں نے یہودی ریاست کے قیام کے لیے جو فکری اور اخلاقی بنیادوں پر تحریک چلا رکھی تھی اس میں مدد دی گئی اس سلسلے کا تمام قادیانی ادب اسرائیلیوں کی خوشہ چینی پر مشتمل ہے۔ درج بالا یہود کی کتب اور مرزا صاحب کی کتاب "راز حقیقت" "مسیح ہندوستان میں" "اتمام حجۃ" وغیرہ اور ان کے پیروکاروں میں مولوی شیر علی کے مضامین مندرجہ رسالہ ریویو قادیان (1902تا1909) مفتی صادق کی تالیف "قبر مسیح" قاضی محمد یوسف کی کتاب "عیسی در کشمیر" وغیرہ کے علاوہ خواجہ نذیر احمد مرزائی فریق لاہور کی کتاب اور اس کے دوچربے یعنی جلال الدین شمس اور ممتاز فاروقی کی کتابوں میں تمام دلائل و شواہد اور طرز استدلال کے نمونے درج ہیں جو یہودیوں کی کتب میں مذکور ہیں۔

یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ مرزا صاحب نے جو نظریہ پیش کیا کہ مسیحؑ صلیب پر تو چڑھائے گئے لیکن بے ہوشی کے عالم میں اتار لئے گئے۔ سب سے پہلے ایک یہودی نے پیش کیا۔ مسیحؑ کے کفن کے بارے میں آئے دن جو نظریات پیش کئے جاتے ہیں اور جنہیں قادیانی بڑی شدومد سے پیش کرتے ہیں۔ یہودی سیاح نے اپنے سفر نامہ ہند میں یہ غلط بیانی کی کہ اسے تبت کے راموں نے بدھ مت کی ایسی کتب دکھائیں جن میں مسیح کے ہندوستان میں آنے کا ذکر تھا۔

مرزا صاحب نے واقعہ صلیب کے بعد مسیح کی آمد ہند کے نظریے میں "قبر مسیح" کی پیوند کاری کی اور "یوسف آسفا" کو مسیح بنا ڈالا۔ بدھ شاہی عہد کی پندرہویں صدی کی ایک قبر جو محلّہ خانیار سری نگر کشمیر میں تھی مسیحؑ کی قبر قرار دیا۔ ۱۳۶

مسلم مناظراتی ادب (مختلف رسائل وجرائد کا تعارف)

مرزا صاحب کی زندگی اور اس کے بعد کے زمانہ میں جن جن رسائل، جرائد، مجلات نے رد قادیانیت کے سلسلے میں نمایاں کردار سرانجام دیا۔ مرزاصاحب کی زندگی میں جن جن رسائل اور جرائد نے تحریک احمدیہ کا انتہائی موثر اور پرزور انداز میں مقابلہ کیا ان کا ذکر پیش خدمت ہے۔

اشاعۃ السنۃ، ایڈیٹر، مولانا محمد حسین بٹالوی

آپ کا تعلق اہل حدیث کے علماء سے تھا۔ شروع شروع میں آپ مرزا صاحب کے بارے میں انتہائی خوش فہمی کا شکار رہے مگر جیسے جیسے مرزا صاحب کے کفریہ عقائد اور ان کا دعوی نبوت مولانا صاحب کے سامنے واضح ہوا تو آپ مرزا صاحب کے مخالف ہوگئے۔ مرزا صاحب نے بھی ان کے بارے میں جس طرح کے ناگفتہ بہ کلمات کا اظہار کیا ہے اس پر مرزا صاحب کا پورا تحریری ادب گواہ ہے۔ "اشاعۃ السنہ" مولانا بٹالوی کا پندرہ روزہ رسالہ ہے جس کو مولانا بٹالوی نے مرزا صاحب کی تردید کے لیے وقف کردیا۔ کچھ جلدیں نظر سے گذریں جبکہ بقیہ جلدوں کی تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

جلد نمبر 13 میں فتوی علمائے پنجاب وہندوستان مرزا غلام احمد کے بارے میں ہے جو اس کے چھ نمبر 8-7-6-5-4 اور بارہ 12 میں یہ فتوی شائع ہوا جو ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ جلد نمبر 15 کے عنوانات یہ ہیں۔ قادیانی کی گیدڑ، بھبھکی، اعاذہ رحمانی اور وساوس قادیانی درخواسب مباہلہ، اعتراض دشنام دہی کا جواب، قادیانی کی تازہ دروغ گوئی، تبدیلی ناگہانی یہ جلد 328 صفحات پر مشتمل ہے۔

ماہنامہ مرقع قادیانی امرتسر، ایڈیٹر مولانا ثناء اللہ امرتسری

یہ جریدہ دو ادوار پر مشتمل ہے۔

1۔ پہلی بار اس کا اجراء اس وقت عمل میں آیا جب "آخری فیصلہ" والے اشتہار مرزا پر ڈیڑھ ماہ کا عرصہ گزر رہا تھا یعنی جون 1907 سے اس کی اشاعت شروع ہوئی لیکن مرزا صاحب کی وفات کے بعد اکتوبر 1908 کے شمارے پر ختم ہو گئی۔

2۔ دوسرا دور اپریل 1931 سے شروع ہوا اپریل 1933 پر ختم ہوا۔

پہلے دور میں سترہ مہینوں میں تیرہ شمارے شائع ہوئے لیکن ان میں چار شمارے دوگنا حجم کے ساتھ دو دو ماہ کے مشترکہ شمارے کے طور پر شائع ہوئے اس طرح 17 مہینوں میں سترہ شماروں کا حساب پورا ہوگیا۔ ایک ساتھ دو ماہ کے شمارے اس بنا پر نہیں شائع ہوئے تھے کہ انتظامی دشواریں باقاعدہ اشاعت میں حائل ہو جایا کرتی تھیں اور ان کی وجہ سے تاخیر ہو جایا کرتی تھی۔ بلکہ مباحث کی کثرت کے سبب آنے والے مہینہ کا شمارہ اس سے پہلے والے مہینہ کے شمارے کے ساتھ ملا کر پیشگی چھاپ دیا جاتا تھا۔ ان سترہ ماہ تیرہ شماروں میں مولانا امرتسری نے 25 سے زائد عنوانات کے تحت قادیانی مذہب و تحریک پر گفتگو کی ہے اور ان کے خود ساختہ مسائل و دلائل کی قلعی کھولی ہے۔ آپ کے مضامین 256 صفحات پر پھیلے ہوئے تھے۔ ان میں متعدد مضامین

نہایت ہی معرکہ آرا اور فیصلہ کن مباحث پر مشتمل ہیں اور اتنا طول اختیار کر گئے ہیں کہ انہیں باقاعدہ ایک کتاب یا رسالہ کی شکل دی جا سکتی ہے۔ مولانا امرتسری کے علاوہ کچھ دیگر حضرات نے بھی مضمون نگاری میں حصہ لیا لیکن ان کی نگارشات بہت ہی کم ہیں یعنی کل آٹھ عنوانات کے تحت 45 صفحات پر محیط ہیں۔

اس دور کی جلد دوم کا دوسرا اور تیسرا شمارہ مشترکہ طور پر شائع ہوا ہے اور مرزا صاحب کی وفات کی مناسبت سے اسے مرزا صاحب کا ''یادگار نمبر'' قرار دیا گیا ہے۔

دوسرے دور کے آغاز کے وقت مولانا کی عمر ساٹھ 60 سال سے متجاوز ہو چکی تھی لیکن مولانا کے عزائم میں ابھی کوئی فرق نہیں آیا تھا چنانچہ انہوں نے قادیانی تحریک میں تیزی کے اثرات دیکھ کر بلا پس و پیش دوبارہ ''مرقع قادیانی'' کا اجراء کر دیا۔ اس وقت آپ کے متعدد شاگرد اور تربیت یافتگان تیار اور نمودار ہو چکے تھے۔ خصوصاً آپ کے شاگرد مولانا عبداللہ معمار امرتسری اور مولوی حبیب اللہ صاحب کلرک قادیانی اباطیل کی کڑیاں بکھیرنے میں نمایاں مقام حاصل کر چکے تھے۔ اس دوسرے دور میں ان شاگردوں نے اس جریدہ کے ذریعے قادیانی تحریک کے خلاف نمایاں کام سرانجام دیا۔

اس دور میں مولانا امرتسری کے مضامین "27" عنوانات کے تحت 222 صفحات کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ جبکہ بقیہ اہل قلم کے مضامین کی تعداد اکسٹھ اور صفحات کی تعداد 322 ہے۔ اس دور میں دو شمارے خاص نمبر کی حیثیت سے شائع ہوئے ہیں۔ ایک شمارہ ''معارف قرآنی'' نمبر کے نام سے جنوری 1932 میں شائع ہوا۔ جس کا جلد نمبر 3 اور شمارہ نمبر 10 اس خاص نمبر میں خلیفہ قادیان کی طرف سے تفسیر نویسی کے چیلنج اور فرار کی پوری تفصیل دی گئی ہے۔ دوسرا خاص شمارہ ''ضرورت مسیح'' نمبر کے نام سے دسمبر 1932 میں شائع ہوا اس کا جلد نمبر 4 اور شمارہ نمبر 8 ہے پہلے دور کے شماروں کی طرح اس دور کے شمارے بھی متعدد معاملات کے سلسلے میں تاریخی دستاویز کی حیثیت سے کوئی خاص مضمون نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ ابتداء ہی سے سلسلہ مضامین شروع ہو جاتا تھا۔ پہلے دور میں ابتدائی صفحہ پر گلدستہ قادیانی کے عنوان سے اور دوسرے دور میں آخری صفحہ پر ''گل دستہ اخبار'' کے عنوان سے مہینہ بھر کی چیدہ چیدہ خبریں ہوا کرتی تھیں۔ جن کا تعلق عموماً قادیانیت سے ہی ہوا کرتا تھا۔ مرزا صاحب جب تک حیات تھے اس وقت تک شماروں میں خبر کے صفحے پر ان کی ''تازہ بہ تازہ الہامات'' بھی قادیانیت سے متعلق مضامین کے لیے وقف ہوتا تھا۔ اور ان مضامین کے علاوہ صرف اہم ترین دفتری اعلانات ہی کے لیے کچھ جگہ نکالی جاتی تھی کتابت طباعت نہایت معیاری ہوتی تھی۔

ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ''ایڈیٹر'' مولانا ثناء اللہ امرتسری

یہ جریدہ اسلامی حلقوں کے اندر اور باہر سے اٹھنے والے باطل نظریات و خیالات و ایرادت و اعتراضات کی بیخ کنی اور شکست و ریخت کے سلسلے میں پورے متحدہ ہندوستان کا سب سے بڑا ہنگامہ خیز، تلاطم انگیز معرکۃ الآرا اور بے نظیر جریدہ تھا۔ جو میدان میں حریف مقابل کے طولانی کلام کی کڑیاں بکھیرنے میں اپنی مثال آپ تھا۔ یہ مولانا صاحب کی عبقری شخصیت کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ اس میں اگر ایک طرف آریوں پر نقد و جرح ہو رہی ہے تو دوسری طرف عیسائیوں کے مزعومات فضائے آسمانی

میں بکھیرتے نظر آرہے ہیں۔ ایک طرف اسلام دشمنی کے نعروں کے ساتھ نمودار ہونے والے غیر مسلم فرقوں کے حملوں کا دفاع ہے تو دوسری طرف اشاعت اسلام کے نعروں کے پردہ میں نبوت کاذبہ کو فروغ دینے کی نامسعود مساعی کا ابطال ہے۔

غرض اس بے نظیر ہفت روزہ کا ایک ایک شمارہ اپنے جلو میں علمی مباحث کا لشکر لئے ہوئے تھے۔ یہ متحدہ ہندوستان کی نصف صدی کے تمام مناقشات کا مخزن ہے اور اس دور کے تمام مذہبی نشیب و فراز کا آئینہ دار بھی ہزاروں افراد کی رشد و ہدایت سے لے کر صحت و بیماری اور موت و حیات کی داستان بھی اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے اور ملکی سیاحت کے تمام مراحل کی روداد بھی۔

اس ہفت روزہ کو قادیانی مشن کی تردید کے سلسلے میں امتیازی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اپنے اجراء کے پہلے دن ہی سے اس نے قادیان مشن کی تردید اتنے ٹھوس انداز میں شروع کی کہ اس کی ضربات کی تاب نہ لاکر صرف تین سال پانچ ماہ بعد 15اپریل 1907 کو قادیانیت کے پیشوا مرزا غلام احمد قادیانی اپنا مقدمہ خدا کے حضور لے جاکر پہنچے۔ مرزا صاحب اس ہفت روزہ اہل حدیث سے اس قدر پریشان تھے کہ انہوں نے ''آخری فیصلہ'' والے اشتہار میں اس کا باقاعدہ طور پر ذکر کیا اور اس کی اہمیت کا ایک اعترف کیا ہے۔

اہل حدیث کا تقریباً ہر شمارہ اپنے جلو میں رد قادیانیت سے متعلق ایک یا ایک سے زائد مضامین لے کر نمودار ہوتا تھا اور اس کی جو نوعیت یا کیفیت ہوتی تھی اس کا تاحال مولانا ظفر علی خان کی زبان سنئے۔

''کسی دوسری جگہ فاضل ''معاصر اہل حدیث'' ایک دلاویز اقتباس ''قادیانی مشن'' کے عنوان سے درج ہے۔ جس میں مولانا ثناء اللہ نے جن سے بڑھ کر قادیان کے گھر کا بھیدی اور کوئی کم ہوگا لنکا ڈھاتے ہوئے اپنی چابکستی کا تازہ ترین کمال دکھایا ہے۔ مولانا بعض دفعہ ایسے پتے کی بات کہہ جاتے ہیں اور آپ کی تحریرات قادیانی ارسطوؤں، اصولیوں اور سائیوں کے لئے اس درجہ صبر آزما ہوتی ہیں کہ ان حضرات کی جان مبتلا ایک نئے مخمصہ میں الجھ کر رہ جاتی ہے۔ ''اہل حدیث'' کا جب کوئی تازہ نمبر قادیان میں پہنچتا ہے تو اس مقدس آسمان کے فرشتے ایک دوسرے سے پوچھنے لگتے ہیں کہ یہ ثناء اللہ اخبار کا اڈیٹر کاہے کو ہے اچھا خاصا پنساری ہے جو پسی ہوئی فلفل سرخ کی پڑیہ ہر ہفتے ہمارے پاس بھیج دیتا ہے اور اس کے دام ہم سے مناظرہ اور مباہلہ کے بازار میں وصول کرلیتا ہے۔

اسی طرح محمد عطاء اللہ نامی ایک صاحب کٹک وارد ہوئے۔ انہوں نے وہاں قادیانی امت کے دونوں گروپ لاہوری و قادیانی کی مساعی اور ان کے مقابل میں ہفت روزہ اہل حدیث کے اثرات دیکھ کر ایک خط لکھا جس کا بقدر ضرورت حصہ حسب ذیل ہے۔

''اگر اخبار'' اہل حدیث، جو ہفت وار شائع ہوتا ہے اور خاص ایک کالم بسرخی قادیانی مشن معین ہے... نہ ہوتا تو یہ دونوں فریق بہت کچھ کر گزرتے مگر یہ اخبار ان کے تمام عائد باطلہ کی بیخ کنی میں ہمیشہ مصروف سر گرم ہے خصوصاً اس ملک اڑیسہ کے لیے کہ یہاں وجود علماء مثل عنقاء ہے ایک بے نظیر واعظ وہادی کا کام دیتا ہے ورنہ بعض مرزائی یہاں پر جو دام تزویر بچھاتے تھے بہت سے لاعلم اردو خوانوں کو شکار کرلئے ہوتے۔ سبب اسی اخبار کے ان کے تمام منصوبے ملیا میٹ ہوجاتے ہیں۔ ۷ ۱۳

پھر اسی کٹک کے علاقے کے ایک صاحب سید عبدالجبار ساکن محلّہ دریاپور ڈاکخانہ سونگڑ ضلع کٹک (اڑیسہ) آئے یہاں کے مقامی حالات بیان کرتے ہوئے ایک مراسلہ میں رقمطراز ہیں۔ "مقام سونگڑا ضلع اٹک (اڑیسہ) میں 152 گھر مسلمانوں کے ہیں ہمارے بھائیوں میں مولوی عبدالرحیم صاحب حیدر آباد میں ملازم تھے وہ وہاں سے مرزائیت کا جامہ پہن کر ہمارے دیار میں مرزائیت کا جال پھیلا کر بہتوں کو مرزائی بنادیا تھا۔ آخرش ہم نے اخبار اہل حدیث کی خریداری کی اور دوسروں کو ترغیب دلائی۔ جس کی وجہ سے بہت سے لوگ مرزائیت سے تائب ہوئے امید ہے کہ اخبار میں مرزائیوں کے متعلق مفصل مطلع کیا کریں گے۔ ۱۳۸

اب اسی کٹک کا ایک تیسرا مراسلہ ملاحظہ فرمائیں یہ مراسلہ اہل حدیث کے ایک مستقل خریدار جناب فیاض الدین صاحب نے بھیجا تھا۔ لکھتے ہیں: "شیر پنجاب بفضلہٖ تعالی اب بھی غرارہا ہے مگر گالیں اور کوسوں کے وار کرنے والے مدت سے زیر زمین ہیں۔ بلکہ کٹک میں قادیانیوں کی تعداد انگلیوں پہ گننے کے برابر ہے۔ اگر چندے اس کی نگہداشت کی جائے تو امید ہے کہ مذہب مرزائی مع بوریا بدھنا یہاں سے غائب غلہ ہو جائے گا۔ ۱۳۹

خلاصہ یہ کہ یہ اخبار دیگر باطل فرقوں کی طرح بلکہ ان سے بڑھ کر قادیانیت کی تردید میں بھی یکتا و یگانہ تھا اور اس کے اثرات بڑے دور رس اور ہمہ گیر تھے۔ ابتداء رد قادیانیت کے لیے کوئی مستقل عنوان کی تعین ہوا کرتی تھی۔ لیکن جلد نمبر 10، شمارہ نمبر 33، سے باقاعدہ "قادیانی مشن" کا مستقل عنوان تجویز ہوا۔ اس کے بعد قادیانی مذہب سے متعلق جتنے مضامین شائع ہوئے تھے ان کی علامتی ہیڈنگ یہی عنوان ہوا کرتا تھا۔ پھر مضمون کی مناسبت سے جو عنوان تجویز ہوتا وہ جلی حرفوں میں اس علامتی عنوان کے تحت درج ہوتا تھا۔

مولانا ظفر علی خان کا رد قادیانیت میں کردار

مولانا ظفر علی خان برصغیر پاک و ہند کے وہ پہلے رہنما ہیں جنھوں نے برطانوی استعمار وملوکیت کی بیخ کنی کے ساتھ ہی ساتھ انگریز کے خود کاشتہ پودے یعنی مرزائیت کی پوری شدومد سے مخالفت کی اور ساری عمر اس کے خلاف مصروف جدوجہد رہے اسی لئے نام نہاد ترقی پسند روشن خیال گروہ جسے دین حنیف کی روایات سے زیادہ لگائو نہیں اور اشتراکی حضرات جنہیں مذہب کے نام سے چڑ ہے ظفر علی خان کو رجعت پسند تنگ نظر ملا جیسے خطابات سے نوازتے ہیں۔ جہاں تک اندازہ ہوتا ہے مولانا کے نزدیک اس فتنہ ضالہ کی مخالفت کی وجوہ حسب ذیل تھیں:۔

1۔ اول یہ کہ وہ اسلام کی صداقت و حقانیت پر اور حضور نبی کریم ﷺ کی ختم المرسلین پر سچے دل سے ایمان رکھتے تھے اور ملت کی چودہ سو سالہ پوری تاریخ پر نظر رکھتے تھے اور جانتے تھے کہ پوری ملت اسلامیہ اس امر پر متحد ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ پر ہر قسم کی نبوت ختم ہو گئی اور اب اس کے بعد ظلی و بروزی نبوت کا ڈھونگ حضورؐ کی شان میں گستاخی ہے اور بلکہ صریحاً کفر ہے۔

2۔ ان کی مخالفت کی دوسری وجہ افرنگ دشمنی تھی۔ مولانا انگریز کے ازلی مخالف تھے اس کا اس امر پر یقین تھا کہ انگریز ہی نے پوری دنیائے اسلام میں سازشوں کا جال بن رکھا ہے تاکہ ملت اسلامیہ بیدار ہو کر اپنے اصلی مقام سے آشنا ہو جائے

وہ خوب سمجھتے تھے کہ مرزائیت انگریز کا خود کاشتہ پودا ہے جس کا مقصد اپنے اغراض کے استعماری مقاصد کے لئے مسلمانوں کے دلوں سے جذبہ جہاد ختم کرکے انہیں انگریزی حکومت کی اطاعت و فرمانبرداری پر تیار کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مرزا بشیر الدین محمود اور ان کے والد مرزا غلام احمد کو جو انگریز حکومت کی وفاداری کو جزو ایمان سمجھتے تھے اور اس لیے آیہ رحمت قرار دیتے تھے کہ اس سایہ میں ان کا کاروبار فروغ پاسکے تحریک آزادی ہند کی راہ میں زبردست روڑہ سمجھتے تھے۔ اس لیے اس کافریب کارانہ عزائم سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا اپنا ملی فرض سمجھتے تھے اور اس کی گوشمالی کو اپنا جزو ایمان سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سے مولانا نے "زمیندار" کی ادارت سنبھالی اور سیاسی زندگی میں قدم رکھا۔ تحریر و تقریر اور نظم و نظر کے ذریعے عمر بھر اس فتنہ ضالہ کا مقابلہ کیا اور اس کے خلاف مصروف جہاد رہے۔ اپنے ہفت روزہ اخبار "ستارہ صبح" میں دلائل و شواہد علمی و عقلی کے "بعثت مجددین" احمد کون ہے" الولد سرلابیہ" القادیان ما القادیان جیسے معرکۃالاراء مضامین لکھے۔

گذشتہ جنگ عظیم اول (1914 تا 1918) میں فتح بغداد، یعنی برطانیہ جب اس پر قابض ہوگیا۔ پر قادیان میں چراغاں کیا گیا۔ پھر ترکی کی شکست پر قادیان میں جشن منایا گیا۔ اس وجہ سے مولانا صاحب اس فرقہ ضالہ کے خلاف اور زیادہ شدت سے میدان میں اترے۔ اس دور میں "الفضل" نے 13 اکتوبر 1917 کے پرچے میں "زمیندار" اور "ستارہ صبح" کے زور دار مضامین سے بوکھلا کر ایک اپیل "صلح" شائع کی تو مولانا نے اس پر جواب دیا کہ مرزائی حضرات:

1۔ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی قرار دینا چھوڑ دیں۔

2۔ لسان شرح مبین میں چونکہ علیہ السلام کا لقب انبیاء کے ساتھ خاص ہے۔ لہٰذا آئندہ مرزا غلام احمد کو نبی قرار دینا چھوڑ دیں اور اس کے نام کے ساتھ علیہ الصلوٰۃ والسلام استعمال نہ کریں۔ ایسے ہی ازواج مطہرات حضورؐ کی طرح مرزائی مرزا صاحب کی بیویوں کو "ام المومنین" کہہ کر اس مقدس نسبت کی توہین نہ کریں۔

اتنے کافرانہ اور انوکھے عقائد صرف اپنے اور اپنی جماعت تک محدود رکھیں۔ مسلمانوں میں قطعاً اس کی تبلیغ نہ کریں۔ لیکن مرزائیوں کو اگر یہ شرائط نامنظور ہیں تو پھر ناموس رسالت و شریعت مطہرہ کا تقاضا ہوگا کہ ہمارا قلم حرکت میں آئے گا اور وہ پردہ ضلالت چاک کرتا جائے۔[۱۴۰]

"زمیندار کا قادیان نمبر" (ماہ رجب 1351ھ)

ماہ رجب 1351 کو ایک خصوصی نمبر قادیانیت کے متعلق "قادیان نمبر" کے نام سے شائع کیا۔ یہ نمبر اپنے علمی مضامین اور فلسفہ قادیان پر تبصرے اور قادیانیت کے متعلق مختلف علما نے علمی مضامین اور مولانا ظفر علی خان کے "ایک معرکۃ الاراء" اداریہ کے ساتھ نکلا صفحہ اول پر ان کی ایک طویل نظم "قول فیصل" کے عنوان سے جلی قلم میں حسب دستور شائع ہوئی۔ فکاہات میں "باپ بیٹے" کے عنوان سے نقاش کے قلمی نام سے ان کی وہ نظم بھی چھپی جن کے چند اشعار یہ ہیں:

معنی لیس کمثلہ آپ ہیں — یعنی آپ اللہ میاں کے باپ ہیں
عرش کو جس نے کیا ہے بے سپر — آپ اسی گھوڑے کی برق ٹاپ ہیں

جو سبق دیتا ہے ابلیس لعین — ''موسیو'' محمود دیتے چھاپ ہیں
قادیاں ہے چشم آب تمیم — باپ بانی تھے تو بیٹے بھاپ ہیں
دیکھئے ملتی ہے کب ان سے نجات — اور کب کٹتے ہمارے پاپ ہیں۔ ۱۴۱

اس قادیان نمبر کا اداریہ علمی اور ادبی لحاظ سے اہم ترین اداریہ تھا جو مولانا ظفر علی خان کے قلم سے قادیانیت کی تاریخ اور ان کے عقائد کے سلسلے میں مفصل انداز میں نکلا۔ اس اداریہ کے چند اقتباسات حسب ذیل ہیں:

''پاپائے قادیان کی شوخ چشمانہ جسارت (ایک آلودی خطا انسان کو مسند اکملیت پر بٹھانے کی کوشش) ہماری باتیں ''موسیو'' بشیر اور ان کے خرد باختہ حلقہ بگوشیوں کو کڑوی معلوم ہوتی ہیں۔ ہمارے اقوال ان کو گراں گزرتے ہیں اور ہمارے ان فرقوں کی تفصیل بار بار گنائی جاتی ہے۔ ہمارے ان حقائق نے ان کے جگر میں چرکے لگائے ہیں اور ہم سے استدعا کی جاتی ہے کہ اس سلسلے میں طعن و تشنیع بند کریں۔ اس کے دوسرے معنی یہ ہوئے کہ ''موسیو بشیر'' اور ان کی امت کثیر الانفار کو تو یہ اختیار دیا جائے کہ اسلام کا منہ چڑائیں۔ روایت اسلام کا استخفاف کریں۔ رسول کریم ﷺ کی نقلیں اتاریں آپ ﷺ کے ناموں کو اپنے خاندان کی خواتین کے القاب و آداب کے لئے وجہ محاکات بنائیں لیکن ہم کو اجازت نہ ہو کہ اس بے باکانہ طرز عمل پر ایک حرف بھی زبان و قلم سے نہ نکالیں۔

مولانا نے آگے چل کر اس سلسلے میں لکھا کہ آپ (مرزا غلام قادیانی) اس حقیقت کبری سے دور جا پڑے لیکن ہمارے دل کے پاک ترین گوشے اور ہماری آنکھ کے نازک ترین پردے میں اس کا جیتا جاگتا مفہوم ہر وقت موجود ہے کہ خدائے بزرگ و برتر کے بعد محمد مصطفیؐ کا جیتا جاگتا مفہوم ہر وقت موجود ہے کہ خدائے بزرگ و برتر کے بعد محمد مصطفیؐ خلاصہ کائنات ہیں جن پر انسان کے لیے محبت حق ختم ہو گئی جن کی ذات عدیم المثال ہے اور جن کی صفات فقید المثال ہیں۔ پھر آپ ہی انصاف فرمائیں کہ ہمارے دل کو کس درجہ تکلیف پہنچتی ہے ہماری روح کو کس قدر صدمہ پہنچتا ہے۔ ہمارے جذبات کس حد تک مجروح ہوتے ہیں جب آپ مرزا غلام احمد صاحب جیسے آلودہ خطا و نسیان انسان کو حضورؐ جیسے انسان کامل کی مسند اکملیت پر بیٹھا کر اسلام کا منہ چڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:

1۔ ہم بغیر کسی فرق کے بلحاظ نبوت انہیں (مرزا صاحب) ایسا ہی رسول مانتے ہیں جیسا کہ پہلے رسول مبعوث ہوتے رہے۔
2۔ ہم مانتے ہیں اور صدق دل سے مانتے ہیں کہ رسول کریمؐ کی بعثت اول جسے کہ پانچویں ہزار سال میں ہوئی ایسے ہی چھٹے ہزار سال کے لیے مقدر تھی۔
3۔ حضرت مرزا کی صداقت کے اس قدر نشانات ظاہر ہوئے کہ اگر ہزار نبی پر بھی تقسیم کر دیئے جائیں تب بھی ان کی نبوت ثابت ہو سکتی ہے۔
4۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ وہ تمام انبیاء کا نمونہ تھے۔
5۔ آپ نے یعنی مسلمانوں نے اس کو (یعنی مرزا صاحب کو) نہیں پہنچانا مگر ہم نے تو اسے دیکھنے کی آنکھوں سے دیکھا۔ وہ یقیناً پیغمبر اسلام کے تمام کمالات قدسیہ کا جامع ہے اور ''مبشر برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد'' کا مصداق

6۔ جس بات نے حضرت محمدؐ کو حضرت محمد مصطفیٰؐ بنا دیا وہی بات اس میں موجود تھی۔

7۔ ان کے اقوال و تصانیف کا ایک ایک لفظ ہمارے لیے تو ایسا ہی حجت قوی ہے اور قیمتی ہے جیسا کہ کوئی اور نبی کہے۔

8۔ جب ایسے شخص کی بھی تعظیم کی جاتی ہے جو دو چار خادم رکھتا ہو اور کوئی مہذب آدمی اس امر کو پسند نہیں کرتا کہ ایک معمولی وجاہت کے انسان کو بھی برا کہے اور اس کی توہین کرے تو آپ کے لیے یہ کیونکر جائز ہوگا کہ اس خدائے برگزیدہ و جاہ و جلال کے نبی عظیم الشان نبی اور ایک لاکھ چوبیس ہزار کی شان رکھنے والے نبی ''انت منی و انا منک ظہورک ظہوری'' کو مخاطب نبی کو کھلم کھلا الفاظ میں گالیاں دے۔ ۱۴۲؎

غضب خدا کا آپ غلام احمد کو محمد مصطفیٰؐ بنائے دیتے ہیں جو القاب سرور کائنات کے لیے مخصوص ہوگئے ہیں وہ ان سے چھین کر مرزا صاحب کو علیہ الصلوۃ والسلام لکھتے ہیں۔ آپ گھر کی ہر بی بی کو ام المومنین کے لقب سے پکارتے ہیں۔ ذرا آپ اپنے آپ کو (ہر امپریل) کا خطاب تو تجویز کر دیجئے۔ سیاست برطانیہ کا آہنی ہاتھ آپ کو کسی کالی کوٹھڑی میں نہ بند کر دے تو سہی۔ اللہ اس مسخرے پن سے باز آیئے اور ہم مسلمانوں کے مقدس ترین جذبات کو پائے استہزاء سے نہ ٹھکرایئے۔ گھر میں جو چاہیے آپ کر لیجئے لیکن سر بازار اسلام کی عزیز ترین روایات کو رسوا نہ کیجئے۔ ہمارا آپ سے کوئی عناد نہیں ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہم مسلمانوں کے عقائد کا استخفاف نہ کریں اور جو روایات ہمیں مدینے سے ملی ہیں ان کی نقلیں نہ اتاریں ہمارا التماس آپ سے صرف اسی قدر ہے۔ ۱۴۳؎

4مارچ 1933 قادیان نمبر (اداریہ نمبر2)

مولانا ظفر علی خان کے قلم سے یہ انتہائی مختصر لیکن پر مغز صدائے عام ہے جس میں انہوں نے اللہ اور اس حقیقی نبی کریم ﷺ کی طرف بلایا ہے۔

''وہ آخری فتنہ جس کے بارے میں آپؐ نے اگاہ کیا مشرق میں قادیان کی شکل پکڑ کر ظاہر ہو چکا ہے۔ صاف نظر آرہا ہے کہ اگر اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمانوں کی اجتماعی غیرت دینی اپنی پوری استقامت کے ساتھ نہ اٹھ کھڑی ہوئی تو اسلام کا ہندوستان میں خدا ہی حافظ ہے۔ میں مسلمانوں کو اللہ کے نام پر جو ''لم یلد ولم یولد'' ہے اور محمد مصطفیٰؐ کے نام پر جو خاتم النبیین ہیں اور اسلام کے نام پر اللہ کے نزدیک وہی دین ہے۔ درد بھرے دل سے صدائے عام دیتا ہوں کہ ''مجلس مرکزیہ دعوت و ارشاد'' لاہور کی شاخیں ہندوستان کے ہر صوبے اور ہر ضلع اور ہر قریہ میں قائم کرے اور اپنے تمام جزئی اختلافات کو اس مجلس عالیہ کے ان دو بڑے مقاصد کی تکمیل کی خاطر مٹا دیں۔ (i) فتنہ قادیان کا ستیصال (ii) فتنہ تفرنج کی بیخ کنی، اگر مسلمان ان دو گونہ مقاصد کے حصول میں کامیاب ہوگئے تو دنیا بھی ان کی ہے ورنہ پھر حسران مبین یعنی دینی و دنیاوی رسوائی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ ۱۴۴؎

قادیان نمبر کے علمی شاہ پارے

(1) مسئلہ بعثت مجددین۔ از قلم ظفر علی خان

یہ مضمون دراصل خواجہ کمال الدین کی اس تحریر کے جواب میں لکھا گیا تھا جس میں انہوں نے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس امت پر ہر سو سال کے بعد ایک ایسا مجدد بھیجتا ہے جو دین کی تجدید کرتا ہے۔

(2) 19 مارچ 1933ء (قادیان نمبر) مشائخ قادیان کی علت۔ ظفر علی خان کے قلم سے

یہ علمی مضمون دوبارہ شائع ہوا اس سے پہلے یہ مضمون ''ستارہ صبح'' میں شائع ہو چکا تھا۔

(3) اسلام اور مرزائیت کا تضاد۔ دعوت حفظ ایمان

مولانا انور شاہ کشمیری کے بیان، بہاولپور کے مقدمے میں مرزائیوں پر باطل شکن جرح اور اس کے علاوہ دوسرے کئی آدمیوں کے علمی مضامین تھے۔

قادیان نمبر کی اشاعت کا بڑا زبردست ردعمل ہوا اور یہ اخبار جبری طور پر کئی مہینے کے لیے بند کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ یہ دوبارہ جولائی 1933 میں جاری ہوا۔ اس کے اجراء پر معاصر اخبارات ''ہمدم لکھنو'' روزنامہ ''شیر رنگوں'' پیسہ اخبار لاہور'' ''خلافت بمبئی'' وغیرہ نے خاص طور پر مبارک باد دی۔ اس طرح لاہور کی مختلف تنظیموں نے بھی ''زمیندار'' کی خدمات کا اعتراف کیا۔ 1934ء یہ سال ''زمیندار'' کے لیے بڑا امتحان کا سال تھا۔ اس لیے کہ نمبر 1934 میں اخبار کی ضمانت بھی ضبط ہوئی اور پریس بھی ضبط ہوا۔ ۱۴۵

اسی سال ''تبلیغ کانفرنس'' کے سلسلے میں جو مرزائیوں کے خلاف کی گئی تھی زمیندار نے ''تبلیغ نمبر'' نکالا۔ اس کے نتیجے میں انہیں قتل کی دھمکیاں بھی دی گئیں۔ اسی سال قرطاس ابیض شائع ہوا اور پارلیمنٹری کمیٹی کی رپورٹ نکلی۔ اسمبلی کے آئندہ انتخابات کے سلسلے میں مسلمانوں کو اپنا لائحہ عمل تجویز کرنے کے لیے غور و غوض کرنے کی ''زمیندار'' نے دعوت دی۔ زمیندار کی خدمات کے سلسلے میں ہندوستان بھر کے مسلمان اخباروں نے زمیندار کی خدمات پر خراج تحسین ادا کیا اور قادیانیوں کی طرف سے قتل کی دھمکی پر کہ ان کو 11 دسمبر کو قتل کر دیا جائے گا کی مذمت میں وقیع قسم کے کالم تحریر کیے۔

مصر کے موقر روزنامہ ''البلاغ'' میں محمود فواد مصری کا ایک مضمون اور مولانا کے نام ایک ہمدردی کا خط شائع ہوا۔

14 نومبر 1934 کا پرچہ اس لیے اہم تھا کہ مولانا نے اپنے قلم سے اداریہ میں اخبار کی ضبطی کے متعلق زبردست احتجاج کیا اور 24 نومبر 1934 کا پرچہ اس لیے اہم تھا کہ مولانا ظفر علی خان سے ایک مکتوب مفتوح شاہ انگلستان اور پوری مسیحی دنیا کے نام اردو اور انگریزی میں قادیانیت کے خلاف نکلا۔ جس میں انہوں نے مختلف حوالوں سے بتایا کہ قادیانی حضرت مریم اور حضرت عیسی کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہیں اور یہ کہ جو ان پر ایمان نہیں لاتا وہ کافر ہے۔ انہوں نے اس طویل مکتوب میں لکھا کہ مرزا غلام احمد نے اپنی کتاب ''آئینہ کمالات اسلام'' میں صفحہ 537 میں نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ بنی نوع کی تواضع ذیل کے مغلظات سے کی ہے۔ ''تمام وہ لوگ جو میری بات کو قبول نہیں کرتے، حرام زادے ہیں''

قادیانیوں کے جھوٹے نبی کا خلیفہ مرزا محمود اس سارے خرافات کی حرف بہ حرف تصدیق کرتا ہے اور اپنی کتاب ''آئینہ صداقت'' میں لگی لپٹی رکھے بغیر صاف اور غیر مشتبہ الفاظ میں اعلان کرتا ہے کہ ''تمام وہ لوگ جو میرے باپ کی نبوت پر ایمان نہیں لاتے وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں''۔

مسٹر ظفر اللہ خان جو مرزائے قادیان کے ایک راسخ العقیدہ مرید اور مرزا محمود کے دست راست ہیں تمام مسلمانان ہند کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

ارمغان قادیان۔ مولانا ظفر علی خان 1936

''ارمغان قادیان'' مولانا ظفر علی خان کی نثری اور شعری تحریروں کا مجموعہ ہے۔ جس کی اشاعت اول 1936 میں ہوئی اور اس کی اشاعت ثانی 1945 میں ہوئی جس کا اہتمام مکتبہ کاروان لاہور نے کیا۔ اشاعت دوم کا سرآغاز جناب صغیر حسین خان نظیر لدھیانوی نے لکھا اور اشاعت اول کا مقدمہ چراغ حسن حسرت مرحوم نے لکھا۔ مولانا حسرت کا یہ مقدمہ رد قادیانیت پر بذات خود ایک تحقیقی مقالہ کی حیثیت رکھتا ہے جو انتہائی قابل مطالعہ ہے چند اقتباسات حسب ذیل ہیں:

''اسلام میں فتنوں کا ظہور قرون اولی ہی سے ہو گیا تھا۔ مسیلمہ کا فتنہ اپنی قسم کا پہلا فتنہ تھا اور مرزا غلام احمد قادیانی کا ادعائے نبوت صدر اول کے اس فتنے کی ایک ترقی یافتہ شکل معلوم ہوتی ہے۔ اس زنجیر کی درمیانی کڑیوں کے پیچ و خم میں وہ تمام تحریکیں آجاتی ہیں جو اسلام اور دوسرے مذاہب کا تصادم سے پیدا ہو جائیں۔ جن کی تاریخ مسلمانوں کی سیاسی قوت کے زوال اور اسلامی عقائد میں عجمی خیالات کی امیزش ہے۔ دراصل خود قادیانی تحریک بھی اپنی ہیئت اور ترکیب کے اعتبار سے مسیلمہ کذلب کے فتنے کی بجائے ان فتنوں سے زیادہ تعلق رکھتی ہے جن کا بیج مسلمانوں کی غیر ملکی فتوحات کے زمانے میں بویا گیا۔ مسیلمہ کا دعوائے نبوت قبائلی رقابت کا نتیجہ تھا اور ان عجمی تحریکوں کو مفتوح اقوام کے نسلی تعصب کھوئی ہوئی حکومتوں کے حاصل کرنے کی خواہش اور یہودیوں اور مجوسیوں کے فکری رجحانات کی مخلوق سمجھنا چاہیے۔ ۱۴۶

مولانا چراغ حسن حسرت آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

افغانستان اور روس کے حالات نے بھی مسلمانوں کے اس انتظار و اضطراب میں معتدبہ اضافہ کر دیا۔ اس زمانے میں روس نے آہستہ آہستہ مشرق کی طرف قدم بڑھانا شروع کر دیا تھا اور سینٹ پیٹرز برگ اور لندن کے سیاسی حلقوں میں یہ خیال عام تھا کہ زار روس ہندوستان پر حملہ کرنے کے لئے صرف موقع کا منتظر ہے۔ دفعتاً خبر آئی کہ روس نے تاشقند، مرہ اور خیوہ پر قبضہ کرکے اپنی سلطنت کو دریائے جحون تک پھیلا دیا۔ انگریز پہلے ہی مسلمانوں سے بدظن تھے۔ اس واقعہ نے انہیں زیادہ بدگمان کر دیا۔ جہاد کا مسئلہ ان کے لیے سب سے زیادہ تشویش و فکر کا باعث بنا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ظہور مہدی کے مسئلے کی سیاسی حیثیت بھی ان کے پیش نظر تھی۔ سوڈان میں وہ ایک مہدی کو فوق السادات قوت کا مشاہدہ کر چکے تھے اور ابھی تک وہ اپنے وسیع ذرائع و رسائل کے باوجود مہدی سوڈانی اور ان کے درویشوں کو حیلے میں کامیاب نہیں ہوسکے تھے۔ کلکتے کے ایوان حکومت میں ہندوستان کا برطانوی نائب السلطنت اواس کے مشیر تخت اضطراب کے عالم میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ ایک مہدی نے ہندوکش کی بلندیوں سے اتر کر جہاد کا پرچم بلند کر دیا تو ہم کیا کریں گے؟ روس یقیناً اس موقع سے فائدہ اٹھائے گا۔ افغانستان پر اعتمام

نہیں کیا جاسکتا باقی رہے۔ ہندوستان کے مسلمان تو جہاد کے انبوہ کثیر کے بعد شاید وہ بغاوت پر آمادہ ہو جائیں۔اس وقت ہر شخص کی زبان پر چار الفاظ تھے۔ مہدی، جہاد، روس اور امیر کابل اور ہندوستان کے نائب السلطنت کی زبان بھی انہیں الفاظ کا اعادہ و تکرار کے لیے وقف ہو چکی تھی۔

انگریزوں کے نکتہ نظر سے سر سید احمد خان جیسا شخص چنداں مفید نہیں تھا۔انہیں ایسے شخص کی ضرورت ہے جو مذہب کے حربے سے لوگوں کے دلوں پر ان کی وفاداری اور اطاعت منقش کر دے دینوی فرمانبرداروں نے مذہب کو ہمیشہ اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا۔انگریز اپنے ملک میں مذہب کو ایک کارآمد سیاسی حربے کی حیثیت سے استعمال کر چکے تھے کوئی وجہ نہیں تھی کہ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں کے باشندوں کے دلوں پر مذہب کی گرفت مضبوط رہی ہے یہی حربہ استعمار نہ کیا جائے۔ اگر افریقہ میں ایک جہاد کی دعوت دینے والا ''مہدی سوڈانی'' ہو سکتا ہے تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہندوستان میں حکومت کی وفاداری کا وعظ کرنے والا مہدی پیدا کر دیا جائے۔

خراساں سے مہدی کا ظہور، مہدی کا ابنائے فارس میں سے ہونا، مہدی کا حضرت سلمان فارسی کی نسل میں سے ہونا، اس قسم کی حدیثیں ہیں۔ مرزا صاحب مغل تو تھے ہی انہوں نے فوراً اپنا سلسلہ نسب فارسی سے ملا دیا۔

یہ عجیب بات ہے کہ مرزا صاحب کے حلقہ ارادت میں سب سے پہلے وہی لوگ شامل ہوئے جو فرنگی دشمنی کے باعث ہندوستان بھر میں مشہور تھے۔ یعنی وہابی تحریک کے لوگ ان کے مریدوں میں جوق در جوق شامل ہوئے۔ مہدویت اور میسحیت کا دعوی کرنے سے پہلے خود مرزا صاحب نے اپنے عام عقائد کے اعتبار سے وہابی تھے لیکن ان کی وہابیت پر تصوف کا گہرا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ ان کے افکار میں کہیں کہیں وحدت الوجود کی بھی جھلک پائی جاتی ہے اور وہ خدا کے تجسم و تشبہ کے بھی قائل معلوم ہوتے ہیں۔

مولانا ظفر علی خان نے قادیانیت تحریک کی طرف توجہ کی تو انہوں نے سب سے پہلے اس تحریک کے سیاسی پہلو کی جانب توجہ کی جسے علماء نے بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے ختم نبوت کے مسئلے کی اہمیت کی جانب لوگوں کی توجہ دلائی قادیانی تحریک کے عقائد کا تجزیہ کیا ان عناصر و عوامل کے چہرے سے نقاب الٹ دیا جو اس تحریک کو بروئے کار لے آئے ہیں۔انہوں نے نہایت ناسازگار اور غیر مساعد حالات میں اس مسئلہ کی جانب توجہ کی جن دنوں انہوں نے پہلے پہل اس موضوع پر قلم اٹھایا قادیانیوں کی تبلیغی سرگرمیوں خصوصاً ولائت کے تبلیغی مشن نے مسلمانوں میں ان کے متعلق ایک گونہ حسن ظن پیدا کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ خود مسلمانوں کے اکابر بھی اس راہ وفا کے جاہ و سپاہ بن چکے تھے جسے طے کرنے میں قادیانی ایک عرصے سے مصروف تھے۔ س لئے مسلمانوں نے اس تحریک کی سیاسی مضرتوں کی جانب زیادہ توجہ نہ کی لیکن مولانا کے پائے ثبات کو لغزش نہ ہوئی اور وہ پورے تیس سال تک صبر واستقامت سے اس کام میں مصروف ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ اس ملک کے گوشے گوشے میں قادیانیت کے دھوکے کا جو احساس پیدا ہو گیا ہے وہ مولانا کی مساعی کا نتیجہ ہے۔

''ارمغان قادیان'' کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے حصہ نظم اور حصہ نثر:

حصہ نظم میں بعض نظمیں ایسی ہیں جن میں سنجیدگی سے قادیانی عقائد پر بحث کی گئی ہے لیکن اکثر نظموں میں طنز و ہجو کا انداز غالب ہے۔ مولانا کی شاعری پر بعض نقادوں کا بڑا اعتراض یہی ہے کہ وہ انوری یا خاقانی کی یا تو قصیدہ اچھا لکھ سکتے ہیں یا ہجو میں خوب چمکتے ہیں۔ لیکن دراصل یہ خیال مشرقی شاعری کے سطحی مطالعے اور کم نظری پر مبنی ہے۔ اگر ان کی شاعری میں ہجو یا مدح سرائی کا پہلو پایا جاتا ہے تو اردو اور فارسی کا کوئی شعر اس اعتراض سے نہیں بچتا۔ معترضین کی شاعری میں بھی یہی دو عنصر ہیں۔ وہ قادیانیوں کی ہجو اس لئے نہیں کرتے کہ انہیں اس جماعت سے کوئی ذاتی عناد ہے بلکہ وہ اس جماعت کو ساری کائنات انسانی کے لیے مضر سمجھتے ہیں۔ آپ نے مرزا صاحب کو ہجو و طنز کا ہدف بننے کے لیے منتخب کیا ہے جو آپ ﷺ کی ہمسری کے مدعی ایک نعت گو شاعر کے غیظ و غضب کے نشانہ بننے کے لیے بے حد موزوں ہیں۔

اس کے علاوہ اس زمانے میں جن رسائل و جرائد نے قادیانیت کے محاسبے کو محو نہ ہونے دیا اور اس کے خدوخال پر کڑی نگاہ رکھے ان میں لولاک، لائل پور، خدام الدین لاہور، المسر، رائیل پور، ترجمان الاسلام، لاہور "ترجمان اہل حدیث" لاہور، الاعتصام لاہور، شہید لاہور، ندائے بلوچستان کوئٹہ، چٹان لاہور، سرفہرست ہیں۔ ان ہفت وار جرائد کے علاوہ ماہنامہ "الحق" اکوڑ خٹک، بینات کراچی، ماہنامہ " بلاغ" کراچی، ماہنامہ "الرشید" ساہیوال، بھی محاسبہ کی تحریک میں نمایاں رہے۔

مولانا کوثر نیازی نے جماعت اسلامی کے دور میں اپنے ہفتہ وار "شہاب" میں قادیانیت کا ہر نوعی محاسبہ کیا۔ ان کے جواب میں ربوہ نے قلم اٹھایا لیکن جواب ان غزل پا کر سپر انداز ہوگیا۔ حکیم عبدالرحیم اشر نے اپنے ہفتہ وار جریدہ "المسر" کی معرفت قادیانیت کے حصار میں بڑے بڑے شگاف والے جس سے اہل ابوہ کو انتہائی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا لیکن قادیانی فضلاء سے ان کی مدلل تحریروں کا جواب نہ بن پڑا۔ حکیم عبدالرحیم اشرف ایک نامور طبیب، ایک معتبر عالم اور ایک صاف گو صحافی ہیں۔ قدرت نے انہیں زیرک سیاستان کا ذہن عطا کیا تھا۔ اس سلسلے میں ان کی خدمات کا ہر گوشے میں احترام کیا جاتا ہے جس شخص نے علم و فضل کے میدان میں والہانہ جرأتوں کے ساتھ قادیانی عزائم کو بے نقاب کیا وہ مولانا تاج محمود مدیر "لولاک" لائلپور ہیں مولانا تاج محمود تحریک ختم نبوت کے سرگرم رہنما تھے۔ تمام زندگی ان کا یہی نصب العین رہا اور کبھی اس سے غافل نہ رہے۔ انہیں سید عطاالله شاہ بخاری سے غائت درجہ ارادت تھی۔ وہ ذہنی طور پر انہی کے شاگرد تھے۔ شاہ جی ان سے بے حد محبت کرتے اور تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں ان پر ہمیشہ اعتماد فرماتے تھے۔ حقیقت یہ کہ انہوں نے علامہ انور شاہ کشمیری، مولانا ظفر علی خان، سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور دوسرے اکابرین امت کی مساعی مشکور کے اس پرچم کو کبھی جھکنے نہ دیا۔ جو قادیانیت کے خلاف ملک کے ہر ہر گوشے میں گڑ چکا تھا۔ مولانا نے ہفت روزہ "لولاک" کو تحریک ختم نبوت کا ترجمان بنا دیا۔ وہ جماعت علماء میں پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے قادیانیت کا سیاسی تجربہ شروع کیا اور "لولاک" کے ہر شمارے کو حقائق سربستہ کی چہرہ کشائی کے لیے وقف کر دیا۔

مولانا ایک صاحب فکر صحافی ہی نہیں، ایک خوش بیان خطیب بھی تھے۔ ہر جمعہ کو ریلوے سٹیشن لائلپور کی جامع مسجد میں خطبہ دیتے تھے اور آپ کے ہر خطبہ کا مقطع قادیانیت کا احتساب ہوتا۔ آپ نے 1953 کی تحریک راست اقدام میں نہایت جگر واری کا ثبوت دیا۔ ۱۴۷

سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا محمد علی جالندھری کے بعد ان کی روائتوں اور حکایتوں کے وارث ہو گئے۔ وہ قادیانیت کے سلسلے میں کسی عنوان سے کوئی مفاہمانہ تصور نہیں رکھتے تھے۔ ان کا اعتراف نہ کرنا زیادتی ہوگی کہ آپ نے ختم نبوت کی تحریک کو پروان چڑھانے میں اپنی تمام زندگی صرف کی ہے۔ اس سلسلے میں آپ کا وجود نقطہ اتحاد ہے۔ آپ کے علاوہ جن لوگوں نے تحریک کا چراغ مدھم نہ ہونے دیا اور مسئلے کو آب و دانہ مہیا کرتے ان میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے تین بیٹے سید ابوذر بخاری، سید عطاء الحسن اور سید عطا المہیمن قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے کڑے وقت میں اپنے باپ کی معجز بیانیوں کو زندہ رکھا۔ ۱۴۸؎

مولانا ابوالحسنات قادری کی بدولت بریلوی علماء کا طبقہ قادیانیت کے محاذ پر ڈٹ گیا اور اپنے مسلسل وعظوں میں عامۃ المسلمین کے ذہنی احتساب کو مستحکم کیا۔ آپ کے فرزند سید خلیل احمد قادری نے 1953 کی تحریک میں عمر قید کی سزاء پائی۔ پھر جب رہا ہوئے تو اس دن سے قادیانیت کا احتساب اپنے زبان و قلم میں شامل کر لیا۔ آپ کے بھتیجے علامہ سید محمد احمد رضوی خلف الرشید مولانا ابوالبرکات قادری نے بھی قادیانیت کے خلاف اپنی قلم و زبان کی روانی قائم رکھی۔ آپ اس سلسلے کی آخری تحریک میں مجلس عمل کے جنرل سیکرٹری رہے۔ ۱۴۹؎

آپ ایک ادیب اور خطیب بھی تھے بلکہ عالم و محدث بھی تھے۔ مولانا عبید اللہ انور نے اپنے مایہ ناز والد حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی خصوصیت کو خدام الدین میں برقرار رکھا اور ان کے بے مثال بے باکی ہی سے قادیانیت کا محاسبہ کرتے رہے۔

سید مظفر علی شمس نے اپنے اپنے ہفتہ وار "شہید" میں اپنے قلم سے ذوالفقار کا کام لیا۔ ادھر کوئٹہ سے "ندائے بلوچستان" شائع ہوتا تھا۔ اس کے نوجوان ایڈیٹر سعید اقبال نے پورے صوبے میں قادیانیت کو تہ و بالا کر دیا۔ جب بلوچستان کی عوام کو معلوم ہوا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکاروں کی دینی ساخت اور سیاسی فطرت ہر رعائت سے مکروفریب ہے تو انھوں نے مرزائیت کو فورٹ سنڈیمن اور قلات ڈویژن سے نکال دیا اس احتساب و انجام سے گھبرا کر مرزائیوں نے کوئٹہ میں پناہ لی۔ لیکن ان میں کوئی بلوچی نہ تھا۔ اکثر پنجاب سے جا کر آباد ہوئے تھے۔ جن میں دو چار وکلاء تھے اور چند ایک کاروباری۔ باقی چار پانچ درجن مختلف شعبوں کے سرکاری ملازم۔ کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں کی اندر خانہ سازش کے باعث مولوی شمس الدین ڈپٹی سپیکر بلوچستان شہید کئے گئے اور یہ فورٹ سنڈیمن سے قادیانیت کے اخراج کا انتظام تھا۔ مولوی شمس الدین کے خون ناحق کا نتیجہ یہ نکلا کہ مرزائیت کے لیے بلوچستان میں رہنا ناممکن ہو گیا۔ ۱۵۰؎

جن رسائل و جرائد و ماہناموں نے مرزائیت کے خلاف مسلسل جہاد کیا۔ ان سب کی ادارت بڑے بڑے فضلاء کے ہاتھ میں رہی۔ ان کے مضامین علمی اعتبار سے اس پائے کے تھے کہ میرزائیت کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر مدینہ یونیورسٹی سے فراغت پا کر لاہور آ گئے تو آپ کے سپرد جماعت اہل حدیث نے اپنی تاریخی مسجد چینانوالی لاہور کی امامت کی۔ علامہ صاحب ایک فاضل اجل نوجوان تھے۔ انہیں عربی زبان میں قدرت تامہ حاصل تھی۔ آپ نے جماعت اہل حدیث کے ہفتہ وار اخبار کی ایڈیٹری کے فرائض سرانجام دینا شروع کر دیئے۔ اس کے بعد اپنا ماہنامہ ترجمان اہل حدیث نکالا اور اس طرح قادیانیت کی خیر لی کہ اس کے ایوانوں میں کھلبلی مچ گئی۔ علامہ صاحب ایک شعلہ بیان خطیب، معجز راقم ادیب، بالغ نظر صحافی اور دور رس نگاہ

کے متبحر عالم تھے۔آپ نے قادیانیت کے متعلق پہلے اردو میں ایک مبسوط کتاب لکھی۔ پھر اس کا انگریزی ایڈیشن شائع کیا۔آخر رابطہ عالم اسلامی کی خواہش پر عربی زبان میں ایک ضخیم کتاب تیار کی جس کو شاہ فیصل شہید نے بے حد سراہااور تمام عرب ریاستوں میں اس کے بے شمار نسخے تقسیم کرائے۔علامہ صاحب فن خطابت کی نزاکتوں سے کماحقی واقف تھے اور ایک بلند پایہ خطیب تھے۔

ماہنامہ تائید الاسلام 1918ء

ماہنامہ تائید الاسلام کی اس اشاعت کا نام ''بشارت محمد فی ابطال رسالت غلام احمد'' ہے اس کے مصنف بابو پیر بخش لاہوری ہیں۔ مؤلف نے کتاب کے ٹائٹل پر کتاب کا تعارف اس طرح کرایا ہے۔

''بشارت محمدی فی ابطال رسالت غلام احمدی جسے خاکسار بابو پیر بخش (پنشنر پوسٹ ماسٹر) مصنف معیار عقائد قادیانی اور تردید نبوت قادیانی و سیکرٹری انجمن تائید الاسلام لاہور نے جماعت مرزاغلام احمد قادیانی کی غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کو منکشف اور طشت از بام کرنے کے لیے 1918ء/1336ھ میں انجمن تائید الاسلام لاہور کی طرف سے مطبع گلزار محمدی لاہور میں شیخ گلزار محمد کے اہتمام میں چھپوائی ٹائٹل کے ایک طرف حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کی کتاب سیف چشتیائی کا تذکرہ ہے''۔

کرشن قادیانی۔1920ء

یہ کتاب ماہنامہ تائید الاسلام کی اشاعت خاص کرشن قادیانی سن 1920ء کو شائع ہوئی مولف بابو پیر بخش لاہوری ہے ۔کتاب کے ٹائٹل پر قرآن مجید کی سورۃالنساء کی آیت نمبر 151اور اس کا اردو ترجمہ تحریر کیا گیا ہے۔اس کا تعارف یوں پیش کیا گیا۔

کرشن قادیانی جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ اگر مرزا (قادیانی) صاحب کرشن جی کے اوتار تھے تو مسلمان نہ تھے۔[۱۵۱]

مباحثہ حقانی فی ابطال رسالت قادیانی (1922ء)

اس کے مؤلف بھی بابو پیر بخش ہیں۔ مولف اور غلام رسول راجیکی کے درمیان لاہور میں 28-27-26جون 1921 کو مناظرہ ہوا۔ مناظرہ کا موضوع تھا کہ مرزائی غلام رسول نے بعد حضور ﷺ کسی نبی کے پیدا ہونے کے امکان پر بحث کرنی تھی اور قرار پایا تھا کہ قرآن و حدیث کے سوا کچھ پیش نہ کیا جائے۔ بابو پیر بخش نے ختم نبوت دلائل دیئے کہ آپؐ کے بعد نبی پیدا ہونے کا امکان نہیں۔اس مناظرہ میں قادیانی مناظر نے شکست کھانے کے بعد یہ کہہ کر جان چھڑائی کہ میں اپنے دلائل کتابی شکل میں شائع کروں گا۔ بابو پیر بخش اپنے دلائل لکھیں میں ان کا جواب لکھوں گا۔ چنانچہ ستمبر 1921 میں بابو پیر بخش نے اپنے رسالے ''تائید الاسلام'' میں اپنے دلائل تحریر کیے۔ قادیانی مربی نے مباحثہ لاہور نامی کتابچہ میں ان کا جواب الجواب لکھا۔ بابو پیر بخش نے مباحثہ لاہور کے جواب میں مباحثہ حقانی فی ابطال رسالت قادیانی تحریر کی اس میں مباحثہ لاہور کا جواب ہے۔

شمس الاسلام (برق آسمانی برخرمن قادیانی 1350/1932ھ)

ایڈیٹر مولانا ظہور احمد بگویؒ

ضلع سرگودھا کے شہر بھیرہ میں ایک علمی خاندان بگوی خاندان ہے۔ یہ خاندان علم و فضل میں ایک اعلیٰ خاندان تھا۔اس خاندان کے چشم و چراغ مولانا ظہور احمد بگویؒ تھے۔ تحفظ ختم نبوت اور رد قادیانیت کے سلسلہ میں لوگوں نے اپنا تن من دھن

سب داؤ پر لگایا تھا۔ ان میں سے ایک حضرت بگوی بھی تھے۔ اپنے زمانے میں ایک اتھارٹی مانے جاتے تھے۔ آپ نے فتنہ قادیانیت کے خلاف دعوت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ تحریری میدان میں بھی نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں۔ آپ انجمن حزب الانصار بھیرہ کے روح رواں تھے۔ آپ نے انجمن کا نقیب ماہنامہ شمس الاسلام جاری کیا۔ اس ماہنامہ میں اسلامی عقائد و اعمال اور فرقہ ہائے باطلہ کا رد بڑی شدومد سے کیا جاتا تھا۔ فتنہ قادیانیت کے رد میں آپ کی تصانیف متعدد ہیں جن میں ایک برق آسمانی بر خرمن قادیانی ہے۔ اس کتاب کے 215 صفحات ہیں۔ سن اشاعت 1932ء ہے یہ کتاب ماہنامہ شمس الاسلام کا خاص اشاعت نمبر ہے۔

اس رسالہ میں اعمال نامہ مرزا، سوانح مرزا، خلفاء مرزا کے علاوہ ستمبر کے اندر مرزائیوں کے ساتھ بھیرہ سلانوالی چک نمبر 37 جنوبی میں مناظروں کی روئیداد اور ضلع شاہ پور میں مرزائیوں کے تعاقب کی مفصل کیفیت بیان کی گئی ہے۔

ہفت روزہ رضوان ختم نبوت نمبر 1952۔1372ھ

ایڈیٹر علامہ سید محمود احمد رضویؒ

حزب الاحناف سے ہفت روزہ رضوان مولانا سید ابوالبرکات قادریؒ کے زیر سرپرستی اور حضرت سید محمود احمد رضویؒ کے زیر ادارت شائع ہوتا تھا۔ آپ نے اپنے رسالہ کے ذریعے اشاعت اسلام اور احیائے اسلام کے ساتھ ساتھ فرقہ ہائے باطلہ کا خوب خوب رد فرمایا۔

ہفت روزہ رضوان کا ختم نبوت نمبر ہے یہ شمارہ 7 تا 28 اگست 1952 کی اشاعت خاص ہے حضرت سید محمود احمد رضوی اس کا تعارف کراتے ہوئے اس شمارہ کے صفحہ نمبر 46 پر رقم طراز ہیں۔

الفضل کے خاتم النبیین نمبر کا جواب

رضوان کا ختم نبوت نمبر کی کتابت جاری تھی کہ مرزائیوں کے آرگن الفضل نے مورخہ 27 جولائی 1952ء کو خاتم النبیین نمبر شائع کیا۔ جس میں آیات وآحادیث واقوال بزرگان دین کی غلط تفسیر وتاویل کرکے مسلمانوں کو گمراہ اور دین سے بے خبر عوام کو دھوکہ وفریب دینے کی کوشش کی گئی۔ بفضلہٖ تعالیٰ رضوان کے ختم نبوت نمبر میں الفضل کے استدلالات و شبہات کا نہایت متانت سے مدلل و اکمل جواب دیا اور اس کی مکاری کا پردہ چاک کیا ہے اور بوقت تردید احمد یہ پاکٹ فتح کو بھی سامنے رکھا ہے جن مسلمانوں نے الفضل کا یہ نمبر پڑھا ہے اگر وہ انصاف و دیانت سے اور مرزائی تعصب وہٹ دھرمی سے علیحدہ ہو کر ہمارے مدلل و مسکت جوابات کو پڑھ لیں گے تو ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ الفضل کے فریب سے بچ جائیں گے اور حقیقت ان پر منکشف ہو جائے گی۔ ۱۵۲؎

یہ خاص نمبر 112 صفحات پر مشتمل ہے اب یہ نمبر مسئلہ ختم نبوت کے عنوان سے محمد نعیم اللہ قادری نے دوبارہ شائع کر دیا ہے۔

ماہ طیبہ کا ختم نبوت نمبر 1952۔1372ھ تیسرا ایڈیشن

ایڈیٹر۔ مولانا ابوالنور محمد بشیر کوٹلویؒ

احمد رضا قادری محدث بریلویؒ کے خلیفہ فقیہ اعظم حضرت مولانا ابو یوسف محمد شریف کوٹلویؒ کے صاجزادے اشاعت دین کے لیے ماہنامہ ماہ طیبہ ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں کوٹلی لوہاراں سے شائع کرتے رہے۔اس رسالہ کا خاص نمبر ختم نبوت نمبر کا تعارف مولانا بشیر کوٹلوی صاحب خود یوں تحریر کرتے ہیں۔

مرزائیوں کے رد کے لیے بہترین تصنیف آپؐ پر سچی نبوت ختم ہو گئی۔ قرآن و حدیث، اجماع امت اور ارشادات آئمہ سے اس کا ثبوت اور مرزائیوں نے اجرائے نبوت پر جس قدر بھی احمدیہ پاکٹ بک میں دلائل لکھے ہیں ان سب کے متعدد جوابات اس میں موجود ہیں۔

ہفت روزہ لولاک

اس رسالہ کے بانی اور ایڈیٹر مولانا تاج محمودؒ ہیں انہوں نے یہ رسالہ 1964ء کو فیصل آباد ریلوے کالونی کی جامع مسجد سے نکالا۔ یہ رسالہ ابتداء ہفت روزہ کی شکل میں شائع ہوتا رہا جس قدر اس رسالہ کے سرپرست اعلی علم دوست شخصیت کے مالک تھے اسی نوعیت کے علمی شاہ پارے اس رسالے کے صفحات کی زینت بنتے رہے زندگی بھر اس رسالے کو پورے اہتمام کے ساتھ شائع کرتے رہے۔جب 1983ء کو آپ دار فنا سے دار بقا کو رحلت فرما گئے تو ان کے خلف رشید مولانا طارق محمود صاحب اس کی نشر واشاعت کے فرائض بحسن وخوبی سرانجام دیتے رہے۔ مگر ان کے وصال کے بعد یہ رسالہ مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان کے مرکزی دفتر میں منتقل ہو گیا۔اس وقت اس کے نگران اعلی مولانا اللہ وسایا صاحب اور چیف ایڈیٹر مولانا عزیز احمد صاحب ہیں۔اس کی مجلس منتظمہ میں جید علمائے کرام شامل ہیں۔ جبکہ اس رسالہ کو شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید لدھیانوی اور مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق سکندر کی سرپرستی حاصل ہے اب یہ رسالہ ہفت روزہ کی بجائے ماہ نامہ کی صورت میں تاحال شائع ہو رہا ہے۔اس رسالے کی اشاعت کا مقصد اہل اسلام میں اسلام کی اقدار کو زندہ و تابندہ رکھنا۔ان میں عقیدہ ختم نبوت کے متعلق غلط فہمیاں جو پیدا کی جاتی ہیں ان کا ازالہ کرنا۔اور امت مسلمہ کے درمیان انتشار وافتراق کی وسیع خلیج کو ختم کرکے ان میں اتحاد واتفاق کی فضا کو سازگار بنانا ہے۔

اس رسالہ کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ یہ ہر ماہ میں اٹھائیس ہزار کی تعداد میں شائع ہو رہا ہے۔

ہفت روزہ ختم نبوت کراچی

ہفت روزہ ختم نبوت کراچی کا آغاز عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے ہوا۔اس ہفت روزہ کا پہلا شمارہ 29 مئی 1982ء کو منظر عام پر آیا۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی کو اس کا ڈیکلریشن حاصل کرنے کے لیے بڑی جدوجہد کرنا پڑی۔اس ہفت روزہ کے اجراء کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ قادیانی مبلغین کی طرف سے مرزا غلام احمد قادیانی اور قادیانیت کی حمایت میں جو لٹریچر چھپتا رہتا ہے اور جس میں وہ شریعت مطہرہ کے مصادر و مراجع سے عبارات لے کر اپنی مرضی سے من گھڑت تاویلیں کرتے ہیں اور اسی طرح عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ان کی اس نوعیت کی کارروائیوں کو طشت از بام کیا جائے۔اور عوام کو اصل حقیقت بتائی جائے۔علاوہ ازیں پورے ملک میں قادیانیت کی ترویج واشاعت کے لیے جہاں جہاں اور جس جس سطح پر کام ہو رہا ہے اس کے بارے میں عوام کو بتایا جائے۔ بعد ازاں قادیانی مبلغین کے مذموم مقاصد اور عزائم کو ناکام بنایا جائے۔

ہفت روزہ ختم نبوت نے اپنے بنیادی اہداف کو پیش نظر رکھ کر دقیع خدمات انجام دی ہیں۔اس کی مقبولیت کااندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی سرکولیشن جو آغاز میں دو تین ہزار تک تھی بعد میں 30,000 تیس ہزار سے تجاوز کر گئی۔ اس ہفت روزہ کو خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ اور مفتی احمد الرحمان رحمۃ اللہ کے علاوہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ کی بھرپور سرپرستی حاصل رہی۔ اس کے مینجنگ ایڈیٹر علی اصغر چشتی رہے۔ اور مدیر مسوئل کی حیثیت سے عبدالقادر باوا اس کے ساتھ منسلک رہے۔ ہفت روزہ ختم نبوت اب تک الحمد اللہ مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی کی طرف سے باقاعدگی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

ماہنامہ ضیائے حرم کا ختم نبوت 1974-1394ھ

مدیر اعلیٰ ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ صاحب الازھریؒ

ابوزاہد خواجہ عابد نظامی صاحب

29 مئی 1974 کو ربوہ میں قادیانیوں نے نشتر میڈیکل کالج ملتان کے مسلمان طلبہ پر غنڈا گردی کا مظاہرہ کیا جو ظلم و ستم و بربریت وطاغوتیت میں مرزائی روایات کا علمبردار تھا۔ اس واقعہ کے خلاف تحریکِ ختم نبوت چلی جس کے نتیجے میں 7 ستمبر 1392/1974ھ کو مرزائی آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار پائے۔ تحریکِ ختم نبوت کے خدوخال واضح کرنے کے لیے ماہنامہ ضیائے حرم کا یہ شاندار نمبر شائع کیا گیا جو گراں قدر قیمتی مضامیں کا مجموعہ ہے۔

اس نمبر میں مشاہیر اہل سنت کے بلند پایہ مضامین شامل اشاعت ہیں۔ سر دلبراں کے عنوان سے پیر صاحب کا مقالہ عقیدہ ختم نبوت پر دلائل کی اہم دستاویز ہے۔ فتنہ انکار ختم نبوت کے عنوان سے مقالہ میں ختم نبوت کے تحفظ میں متعدد احادیث مبارکہ نقل کی گئی ہیں۔

تحریکِ ختم نبوت 1953 اور 1974 کے عظیم رہنما مولانا شاہ احمد نورانیؒ کا انٹرویو قومی اسمبلی میں قادیانیت پر آخری ضرب کے عنوان سے مترجم قرآن مولانا پروفیسر شاہ فرید الحق صاحب کا معلوماتی مقالہ خوابہ عابد نظامی کا مضمون عہد صدیقی میں مسیلمہ کذاب کا استیصال، رد مرزائیت میں صوفیائے کرام کا حصہ از محمد صادق قصوری، حضرت خواجہ غلام فرید اور مرزائیت از قاضی محمد منصور، پیر مہر علی شاہ صاحب اور معرکہ قادیانیت از علامہ عبدالحکیم شرف قادریؒ تحریکِ ختم نبوت اور پیران تونسہ از شیخ غلام محمد نظامی، مشائخ کانفرنس از خواجہ عابد نظامی، رد مرزائیت میں علماء اہل سنت کا کردار از علامہ محمد منشاء تابش قصوری، ختم نبوت اور علامہ اقبال از عابد نظامی، تحریکِ ختم نبوت اور مولانا ظفر علی خان از خالد بزمی، قادیانیوں کو دعوت اسلام، مولانا گلام رسول سعیدی جیسے اہم مضامین کا یہ خاص نمبر ہے۔

ختم نبوت پر ادب کا تجزیہ

مرزا غلام احمد قادیانی نے ابتداء میں مجدد پھر مہدی پھر مسیح موعود اور 1901 میں نبی اور رسول ہونے کا دعوی کیا۔ چونکہ یہ دعوی اس نوعیت کا تھا کہ کبھی انہوں نے نبوت کا انکار کیا اور کبھی اقرار کیا اس لیے علمائے کرام نے زیادہ توجہ حیات و وفات مسیح کے مسئلے پر مرکوز رکھی اور اس واسطے سے ختم نبوت پر بھی بحث کی۔ یہ ایک دلچسپ بات ہے کہ مرزا صاحب کی زندگی میں ان کا کسی عالم کے ساتھ ختم نبوت کے موضوع پر تحریری یا زبانی مناظرہ نہ ہوا۔ اس کی وجہ شاید یہی تھی کہ آپ نبوت کو

ظلی، بروزی اور غیر تشریعی وغیرہ کے رنگ میں اس طرح سے پیش کر دیتے کہ بظاہر ختم نبوت قائم رہتی لیکن دراصل اس پر خفیہ انداز سے ضرب کاری لگائی جاتی۔ مرزا صاحب کی یہ تحریرات اتنی گنجلک اور مختلف النوع ہیں کہ ان کے زمانے میں ان کی نبوت کے متعلق اختلاف پیدا ہو گئے اور ان کو 1901 میں ایک پمفلٹ ''ایک غلطی کا ازالہ'' لکھ کر اس بات کی تشریح کرنا پڑی کہ آیا وہ نبوت کا دعوی کرتے ہیں یا محض ظلی نبوت کے مدعی ہیں یہ پمفلٹ لکھنے کے باوجود آپ کے دعوی کو مکمل طور پر سمجھنے میں مدد نہیں ملتی۔ خود احمدیہ جماعت کے دو بڑے فریق اسی پمفلٹ کی بنیاد پر نبوت ثابت کرتے ہیں اور غیر نبی ہونے کے بھی دلائل دیتے ہیں۔

1901 کے بعد مرزا کی تحریرات میں ہمیں لفظ نبوت کا استعمال زیادہ وضاحت سے ملتا ہے۔ کبھی کبھی آپ اپنے لئے مطلق نبوت اور رسالت کی اصطلاح استعمال کرتے اور کبھی اس کے ساتھ ظلی اور بروزی کا اضافہ کرتے لیکن ان تمام تحریرات میں اپنے امتی ہونے پر زور دیتے اور کہتے ہیں کہ میں ایک پہلو سے امتی اور ایک پہلو سے نبی ہوں۔ اگرچہ ان کی 1901 سے قبل کی تحریروں میں لفظ نبی کا کسی نہ کسی طور سے استعمال ہوا ہے۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ آپ شروع ہی سے ختم نبوت کا دعوی کرنا چاہتے تھے لیکن عوام کے رد عمل کے خوف سے احتیاط سے آگے بڑھ رہے تھے۔

1901 سے 1908 تک ختم نبوت کے موضوع پر کوئی الگ جامع کتاب نہیں ملتی جس میں مرزا صاحب کو ختم نبوت کا مطلق طور پر منکر قرار دے کر اس عقیدے کی وضاحت کی گئی ہو۔ اس کے برعکس مرزا صاحب نے بذات خود بڑی ہوشیاری کے ساتھ آیت ''خاتم النبیین'' کو اپنے دعوے کی بنیاد بنایا اور خاتم کے لفظی اور لغوی معنی اس انداز سے کئے کہ اس سے بظاہر ختم نبوت قائم رہی لیکن درپردہ اس میں لغت لگا دی۔ مرزا صاحب کا احتساب کرنے والوں میں علمائے اہل حدیث خصوصاً مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولوی محمد حسین بٹالوی قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر مکاتب فکر کے لوگوں نے بھی آپ کے خلاف بہت کچھ لکھا جو زیادہ تر الہامات کے متعلق ہے یا پیشین گوئیوں کی صداقت اور آپ کی ذاتیات سے متعلق ہے۔

ایک دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ لاہور سے شائع ہونے والے ''اخبار عام'' نے مرزا صاحب سے چند روز قبل آپ کے نبی ہونے کے بارے میں ایک مضمون شائع کیا جس میں نبوت و رسالت کی تردید کا پہلو نمایاں تھا۔ آپ اس وقت لاہور میں مقیم تھے اور بیمار تھے اس کے باوجود آپ نے اخبار کے نام ایک خط روانہ کیا جس میں اپنی نبوت و رسالت کی وضاحت کی اور کہا وہ ایک پہلو سے امتی اور ایک پہلو سے نبی ہیں اور چونکہ ان کی وحی میں نبی کا لفظ موجود ہے اور خدا نے ان کو نبی کہا اس لیے وہ اس کا کیسے انکار کر سکتے ہیں۔

مرزا صاحب کی وفات کے بعد آپ کی نبوت کے متعلق جماعت احمدیہ میں اختلافات کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا اور جن لوگوں نے یہ اختلاف کیا وہ بعد میں لاہوری جماعت کہلائے۔ چونکہ حکیم نور الدین کی شخصیت ایسی تھی کہ تمام جماعت ان کا احترام کرتی تھی۔ اس لیے یہ معاملہ دبا رہا اور جماعت کے اندر ہی اندر یہ بحث چلتی رہی کہ مرزا صاحب کی نبوت کیسی ہے اور اس کو نہ ماننے والا کافر ہو جاتا ہے یا نہیں۔ اس چھ سالہ (1908 تا 1914) دور میں ہمیں علمائے اسلام کی طرف سے کوئی ایسی کتاب نہیں ملتی جس میں ختم نبوت پر الگ سے بحث کر کے مرزا صاحب کے دعوی کی نفی کی گئی ہو نہ ہی لاہوری جماعت کے کسی فرقی

نے ایسی کوئی کتاب لکھی۔ البتہ گوجرانوالہ ایک احمدی "ظہیر الدین اروپی" نے مرزا صاحب کے دعاوی کی بنیاد پر ان کو شریعی نبی قرار دیا اور ان کی اس موضوع پر تحریرات کافی مقبول ہوئیں اور احمدیہ جماعت کے کسی فرد نے اس پر کوئی تنقید نہ کی۔ ان کا یہ بھی دعوی تھا کہ وہ مرزا صاحب کے الہامات کے رو سے "یوسف مولود" ہیں۔ البتہ اس کی تردید کی جاتی رہی۔

حکیم نورالدین کی وفات (1914) کے بعد جماعت احمدیہ میں دو فریق پیدا ہو گئے۔ ایک قادیانی جماعت اور دوسرا لاہوری جماعت کہلائی۔ قادیانی جماعت کے خلیفہ مرزا محمود احمد تھے اور لاہوری جماعت کے امیر مولوی محمد علی تھے۔ جماعت میں خلافت کے مسئلہ پر اختلاف کے علاوہ "نبوت" "مسلمانوں کی تکفیر"، "نماز جنازہ"، رشتہ ناطہ وغیرہ پر کافی اختلافات تھے۔ قادیانی جماعت مرزا صاحب کو نبی اور رسول حقیقی معنوں میں قرار دیتی تھی۔ جبکہ لاہوری جماعت ان کو مجازی نبی اور ظلی نبی ان معنوں میں سمجھتی تھی کہ آپ کی نبوت کے انکار سے کفر لازم نہیں آتا۔ اس بحث کے نتیجے میں لاہوری جماعت نے جماعت قادیان کے خلاف باضابطہ طور پر ختم نبوت کے منکر ہونے کا الزام لگایا اور لٹریچر شائع کیا۔ جس کے بعد مسلمانوں کی طرف سے بھی "قادیان امت" کی تکفیر اور ختم نبوت پر بحث کا آغاز ہوا۔ اس اختلاف کے نتیجے میں بہت سا لٹریچر لاہوری جماعت کے امیر مولوی محمد علی لاہور اور قادیانی جماعت کے خلیفہ مرزا محمود احمد کی طرف سے شائع ہوا۔ مولوی محمد نے کتاب "آخری نبی" اور مرزا محمود کے کتاب "حقیقت النبوۃ" 1925 میں لکھی جس کا جواب مولوی محمد علی لاہوری نے "النبوۃ فی الاسلام" میں دیا۔

ختم نبوت کے مذہبی، تہذیبی اور معاشرتی پہلو پر سب سے زیادہ جاع تحریر علامہ اقبال کی ہے۔ 1930 میں قائم ہونے والی کشمیر کمیٹی جس کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود تھے کی کارکردگی سے اختلاف کے باعث علامہ اقبال نے کمیٹی سے استعفیٰ دے دیا اور اس کے نتیجے میں قادیانی عقائد پر بحث شروع ہو گئی۔ کیوں کہ مجلس احرار اسلام نے الزام لگایا کہ قادیانی کشمیر کمیٹی کے پلیٹ فارم کو اپنے عقائد کی تبلیغ اور اپنے سیاسی نظریات کے حصول کے لیے استعمال کر رہے ہیں یہ بات قابل ذکر ہے کہ علامہ اقبال نے ختم نبوت کے موضوع پر 1935 سے قبل بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ لیکن 1935 میں اس پر باقاعدہ مقالہ "اسلام اور احمدیت" کے عنوان سے تحریر کیا۔ جو تقریباً 19 جنوری 1936 کو طبع ہوا۔ یہ مقالہ اتنا جامع اور واضح ہے کہ اس سے اس موضوع کی اہمیت کا احساس پیدا ہوا۔ اس سے قبل مقدمہ بہاولپور میں کافی بحث ہوئی۔ مقدمہ بہاولپور میں قادیانی مناظر جلال الدین شمس اور غلام احمد مجاہد کے جواب میں مولانا انور شاہ کشمیری اور مولانا مرتضی شاہ جہاں پوری کی بحث قابل قدر ہے۔ اس کی مکمل تفصیل "روئیداد مقدمہ میرزائیہ بہاولپور 1926 تا 1935) کے عنوان سے "اسلامک فائونڈیشن لاہور" نے اکتوبر 1988ء میں تین جلدوں میں شائع کر دی ہے۔ حیدر آباد دکن سے پروفیسر محمد الیانی برنی نے "قادیانی مذہب" 1352ھ شائع کی جو کم و بیش ایک ہزار صفحات پر مشتمل تھی۔ اس کتاب میں الیاس برنی نے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا بلکہ قادیانی رہنمائوں، مبلغین کی تقریریں اور تحریریں ہیں جو صحیح حوالوں کے ساتھ درج کر دی گئی ہیں۔ اس کتاب کو موجودہ دور میں قادیانیت کے حوالے سے انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت حاصل ہے۔ 1935 میں مولانا عبداللہ معمار کی کتاب محمدیہ پاکٹ" شائع ہوئی جو قادیانیوں کی کتاب "احمدیہ پاکٹ بک" کے جواب میں لکھی گئی کتاب کا اسلوب مناظرانہ ہے۔

ختم نبوت کے موضوع پر گذشتہ اسی سالوں میں مسلمان علماء کی طرف جو کتابیں شائع ہوئیں ان میں مولانا انور شاہ کشمیری کی کتاب ''اکفار الملحدین'' (1343ھ عربی) خاتم النبیین (فارسی 1399ھ) انتہائی قابل ذکر ہیں۔ اکفار الملحدین مختلف اقوال اور کلامی عبارتوں سے پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کا ازالہ ہے اور ''خاتم النبیین'' جو دراصل مولانا انور شاہ صاحب نے اپنے اہل وطن کشمیریوں اور بلوچستان کے رہنے والوں کے لئے تحریر کی ہے۔

کیونکہ ان علاقوں میں فارسی بھی عام طور پر مقامی زبانوں کے علاوہ سمجھی جاتی ہے جیسا کہ کتاب کے مقدمہ نگار مولانا انور شاہ صاحب کے شاگرد مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی مرحوم نے تصریح کی ہے۔ اس میں مصنف کے بیان کے مطابق قرآن مجید کی سورۃ احزاب کی آیت ''خاتم النبیین'' کی صحیح تفسیر و تشریح احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ و تابعین نیز جمہور امت کی آراء کی روشنی میں کی گئی ہے۔

علامہ انور شاہ کاشمیری نے اپنے ممتاز تلامزہ کو بھی اسی راہ پر لگایا اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نزول عیسیٰؑ سے احادیث جمع کرنے کا کام اپنی رہنمائی اور نگرانی میں انجام دلوایا۔ جس کے نتیجے میں ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح'' جیسی ضخیم و نافع کتاب وجود میں آئی اس کو بعد میں محقق عصر و محدث روزگار شیخ عبدالفتاح ابو غدہ ثانی، استاد جامعہ محمد بن مسعود (ریاض) نہایت اہتمام سے شائع کرکے اس کے حسن معنوی و صوری میں غیر معمولی اضافہ کیا۔ اس کے علاوہ مفتی محمد شفیع کی کتاب ''ختم النبوۃ (کامل) جو تین اجزاء پر مشتمل ہے۔ پہلی مرتبہ مکتبہ دارالاشاعت دیوبند سے 1935 میں شائع ہوئی۔ اس کے حصہ اول ختم النبوۃ فی القرآن میں موصوف نے پوری ایک سو آیات قرآنی سے آنحضرت ﷺ پر نبوت کا ختم ہونا ثابت کیا ہے اور دوسرے حصہ ''ختم النبوۃ فی الحدیث'' میں مصنف کے بیان کے مطابق دو سو دس احادیث ختم نبوت کے اثبات میں جمع کرکے پیش کی گئی ہیں۔ تیسرے اور آخری حصہ ''ختم النبوۃ فی الاثار'' میں دلائل کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ مسئلہ ختم نبوت ان مسائل میں سے ہے۔ جن پر صحابہ تابعین، ائمہ مجتہدین اور جمہور امت کا اجماع و اتفاق رہا ہے اور یہ کہ ان چیزوں میں ہے جنہیں ضروریات دین کا درجہ حاصل ہے۔ مولانا انور شاہ صاحب کے دوسرے شاگرد رشید مولانا بدر عالم میرٹھی کے بھی اس سلسلے میں گرانقدر نقوش ہیں جن میں ان کا ایک رسالہ آواز حق جو حیدر آباد دکن سے شائع ہوا جب منظر عام پر آیا تو اہل نظر نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ اس کے علاوہ مولانا بدر عالم میرٹھی نے اپنی گراں قدر تصنیف ترجمان السنۃ کے حصہ سوم کے مستقل باب میں حضرت عیسیٰؑ کے زندہ آسمان پر تشریف لے جانے اور قرب قیامت میں آسمان سے نزول پر احادیث نبویہ نیز دلائل عقلیہ سے استدلال کرکے ثابت کیا ہے۔ مولانا انور شاہ کشمیری کے علاوہ مولانا محمد منظور نعمانی نے اپنی خاص طرز میں انتہائی مدلل اور موثر دو مختصر رسالہ (i) قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ (ii) قادیانی کیوں مسلمان نہیں، تحریر کئے۔ اسی طرح مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب ''قادیانیت'' خصوصاً جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لیے زہر کا تریاق فراہم کرتی ہے۔ مولانا ندوی نے ایک دوسری کتاب ''النبی الخاتم'' (لکھنؤ قاہرہ 1975) بھی لکھی ہے جس سے یہ ثابت کیا ہے کہ ختم نبوت کا عقیدہ جن ملکوں میں نہیں مثلاً ''عیسائیت'' وہ اس درجہ انتشار اور پراگندگی کا شکار نہیں کہ ہر روز نت نئے پیغمبروں سے تنگ آکر وہ ان سب کی تکذیب ہی میں عافیت سمجھنے لگیں۔ مولانا انور شاہ کاشمیری کے ایک اور مایہ ناز شاگرد مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے ''مسک الختام فی ختم النبوۃ'' (1370ھ) لکھی۔

یہ مختصر کتاب اپنے موضوع پر حرف آخر ہے طرز بیان متکلمانہ ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کتاب ''فلسفہ ختم نبوت'' 1948ء ایک لاجواب اور مدلل طرز بیان کی حامل تحریر ہے۔ مولانا محمد اسحاق سندیلوی ندوی ''مسئلہ ختم نبوت علم و عقل کی روشنی میں'' (نومبر 1965 لکھنؤ) تحریر کی جو بیش بہاء مدلل پر مغز، حقیقت افروز مضامین کا مجموعہ ہے۔

جب فتنہ قادیانیت پنجاب سے نکل کر دوسری جگہوں پر پھیلا تو جو علمائے حق بے چین اور مضطرب ہو گئے۔ ان میں مولانا سید محمد علی مونگیری کا نام سر فہرست ہے آپ کو اس فتنہ کا اتنا شدید احساس ہوا کہ تہجد کے وقت بھی رسائل اور کتب لکھتے اور ان کی اشاعت کا بندوبست کرتے۔ مولانا صاحب نے قادیانیت کے خلاف با قاعدہ اور منظّم طریقے پر زبردست مہم شروع کی۔ اس کے لیے دورے کئے، خطوط لکھے رسائل اور کتابیں لکھیں۔ آپ نے قادیانیت کی تردید میں سو سے زیادہ کتابیں اور رسائل تصنیف کئے جن میں سے چالیس صرف کتابیں ان کے نام سے طبع ہوئیں اور بقیہ دوسرے ناموں سے یا ابواحمد کے نام سے جو ان کی کنیت تھی۔ رد قادیانیت پر مولانا موصوف کی سب سے پہلی تصنیف ''فیصلہ آسمانی'' یہ کتاب تین جلدوں میں ہے۔ اس کے تین ایڈیشن مولانا کی زندگی میں شائع ہوئے۔ قادیانیت کے خلاف سارے لٹریچر میں جواب تک لکھا گیا ہے۔ یہ کتاب ایک خاص امتیاز رکھتی ہے اور اپنے محکم طرز استدلال اسلوب کی وضاحت اور صفائی و صحیح طاقتور گرفت کے اعتبار سے بہت کم کتابیں اس معیار پر پورا اترتی ہیں۔

رد قادیانیت پر دو اہم رسائل: پہلا رسالہ، اس سلسلے میں پہلا رسالہ ''صحیفہ رنگوں بر پیروان دجال ربون'' ہے۔ ایک سو چھیالیس صفحات پر مشتمل یہ رسالہ اس مناظرے کی روئیداد ہے جو مولانا عبدالشکور لکھنوی (مدیر النجم لکھنؤ) اور قادیانیوں کی لاہوری جماعت کے سر براہ خواجہ کمال الدین بی۔اے ایل ایل بی کے درمیان 1920 میں بمقام رنگون ہوا تھا۔ اس مناظرے کا اہتمام ''جمیعۃ علمائے رنگون'' نے کیا تھا۔ جس کے سربراہ مولانا احمد بزرگ تھے جو اس وقت جامع مورتی رنگوں کے مہتمم اور مفتی بھی تھے ۔ آپ کی ہی دعوت پر مولانا لکھنوی رنگون آئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالمومن فاروقی (1976م) اور مولانا محمد منظور نعمانی صاحب (مدیر الفرقان) بھی تھے۔ اس رسالہ کو ایک مقدمہ دو ابواب اور ایک خاتمہ میں منقسم کیا گیا ہے یہ رسالہ انتہائی جامع اور مدلل ہے اور اپنے موضوع پر ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔

دوسرا رسالہ: اس سلسلہ کا دوسرا رسالہ صولت محمدیہ بر فرقہ غلام احمدیہ ہے۔ سب سے پہلے یہ رسالہ 1923 میں ''النجم لکھنؤ'' کے صفحات پر قسط وار شائع ہوتا رہا پھر اس کے بعد علیحدہ سے کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا۔ اس کے مرتب و ناشر مولانا عبدالسلام فاروقی (م 1973) تھے جو دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور مولانا عبدالشکور لکھنوئی کے صاحبزادے تھے۔ اس رسالہ کے اندر مقدمہ بہاول پور 1935۔1936ء کی کاروائی درج ہے۔

1953 میں ڈاکٹر غلام جیلانی برقی کی کتاب ''حرف محرمانہ'' شائع ہوئی۔ یہ کتاب علمی دلائل پر مشتمل ہے اور پڑھے لکھے طبقے کو اپیل کرتی ہے۔ مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کی دو کتب ''المبین ختم النبیین'' 1326ھ قابل ذکر ہیں۔ اسی عہد میں مولانا محمد رفیق دلاوری نے دو قابل قدر کتابیں ایک ''ائمہ تلبیس'' اور دوسری ''رئیس قادیان'' جسے عالمی مجلس ختم نبوت ملتان نے 1927 میں دہلی سے شائع کی یہ کتاب اس اعتبار سے منفرد ہے کہ اس میں اسلام اور قادیانیت کا تقابلی مطالعہ پیش کرتے

ہوئے یہ واضح کیا گیا کہ قادیانیت نے کن کن امور میں اسلام سے خروج وانحراف کا راستہ اختیار کیا ہے اور اسلامی عقائد بالخصوص عقیدہ ختم نبوت اور جناب عیسی علیہ السلام کو ایسے دلائل وبراہین سے آراستہ کیا ہے کہ ایک سلیم الفطرت آدمی کو اسلامی عقائد کی حقانیت میں ذرا بھی شبہ نہیں رہتا۔ اسی سلسلے میں چند اور قابل ذکر کتابیں شائع ہوئیں جن میں مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی کتاب ''عقید ختم نبوت'' 1989، مولانا لال حسین اختر کی کتاب احتساب قادیانیت 1989 جو ان کے مختلف چودہ رسائل کا مجموعہ ہے اور مولانا منظور احمد کی کتاب احتساب قادیانیت 1989 جو ان کے مختلف چودہ رسائل کا مجموعہ ہے اور مولانا منظور احمد چنیوٹی کی کتاب چودہ میزائل 1992، (یہ کتاب بھی مولانا چنیوٹی کے چودہ مختلف رسائل کا مجموعہ ہے) قابل ذکر ہیں۔ 1962 میں مولانا سید ابوالاعلی کی کتاب ''ختم نبوت'' لاہور سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں عقیدہ ختم نبوت کی حقیقت اور دین میں اس کی اہمیت عقلی اور نقلی دلائل کے ساتھ سمجھائی گئی ہے۔ اس سلسلے میں شبہات دلوں میں ڈالے جاتے ہیں انہیں معقول دلائل کے ساتھ رد کیا گیا ہے۔ اس مختصر کتاب نے عصر حاضر کے پڑھے لکھے مسلمان کو بہتر متاثر کیا ہے۔

1974 میں غلام احمد کی کتاب ''ختم نبوت اور تحریک احمدیت'' شائع ہوئی یہ کتاب بعض امور میں اسلامی نظریات سے مختلف ہے تاہم اپنے انداز کی ایک منفرد کتاب ہے۔

مولانا قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی کتاب ''خاتم النبیین'' بھی قابل ذکر ہے جسے جنوری 1977 میں ادارہ اسلامیات انار کلی لاہور نے شائع کیا۔ کتاب کا اسلوب متکلمانہ ہے ختم نبوت کے موضوع پر جن کتب، رسائل اور جرائد کا مذکورہ بالا سطور میں ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں اول تو اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اور اس کے لیے قرآن و حدیث سے استدلال کیا گیا ہے۔ تفاسیر میں آیت خاتم النبیین کے سلسلے میں جو بحث کی گئی ہے۔ اس کو اجمالی طور پر بعض کتب میں درج کر دیا گیا ہے تاکہ یہ ثابت ہوسکے کہ یہ اجماعی عقیدہ ہے اس کے برعکس قادیانیوں نے ختم نبوت کی مخالفت میں جو رسائل و جرائد تحریر کئے ان کا بنیادی مآخذ محمود کی کتاب ''حقیقۃ النبوۃ'' ہے اور اس میں نہ صرف لفظی موشگافیاں کی گئی ہیں بلکہ تفاسیر اور احادیث کے سرمائے کو بڑی دیدہ دلیری سے کانٹ چھانٹ کر اپنے موقف کے حق میں پیش کیا گیا۔ البتہ جماعت احمدیہ لاہور کی کتابوں میں قادیانی تحریفات اور تاویلات کا نہایت اچھا جواب دیا گیا۔ جو امت مسلمہ کے مسلک کے زیادہ قریب ہے۔

اکثر کتابیں جو قادیانیوں کے خلاف لکھی گئی اور ان میں زیادہ زور ختم نبوت پر دیا گیا ہے ان کا انداز بیان جارحانہ ہے اور موضوع پر مواد کم اور مرزا صاحب کی شخصیت الہامات اور ان کی پیشگوئیوں کی عدم صحت پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔

مجلس احرار اسلام کا قیام 1928 میں عمل میں آیا۔ مجلس احرار کے اکابرین سید عطاء اللہ شاہ بخاری، چوہدری افضل حق، شیخ حسام الدین، مولانا مظہر علی اظہر، مولانا تاج الدین انصاری، مولوی محمد علی جالندھری، قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا محمد حیات (فاتح قادیان) نے زبانی طور پر اپنی تقاریر میں ختم نبوت کے موضوع پر نہایت جامع دلائل دیئے جن میں قادیانی دلائل کا رد کیا گیا تھا۔ لیکن اپنے بعد کوئی مستقل تصنیف نہیں چھوڑی۔ برصغیر پاک و ہند کی دیگر دینی انجمنوں اور افراد نے انفرادی طور پر اس سلسلے میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ ہفوات مرزا، صفحہ نمبر3، مصنفہ ثناء اللہ امر تسری، احتساب قادیانیت، ج8، ص149

۲۔ روحانی خزائن ج17، ص: 452، اربعین نمبر4، ص: 19، مصنفہ مرزا قادیانی

۳۔ ازالہ ص: 673

۴۔ صحیفہ آصفیہ، ص: 53، طبع اول

۵۔ حقیقۃ الوحی، ص: 30، روحانی فنزائن، ج22، ص: 462

۶۔ ازالہ اوہام، ص: 73، روحانی خزائیں، ج3۔ ص463

۷۔ خطبہ الہامیہ، ص: 259-258، روحانی خزائن، ج16، ص: 259

۸۔ البشری حصہ اول، ص: 56

۹۔ مجموعہ اشتہارات، ج۔3، ص: 278

۱۰۔ احتساب قادیانیت۔ج8، ص: 371 (عقائد مرزا۔ مولانا ثناء اللہ امر تسری، ص: 9

۱۱۔ چیستان مرزا، مولانا ثناء اللہ امر تسری۔ ص: 2

۱۲۔ چیستان مرزا۔ مولانا ثناء اللہ، ص: 5

۱۳۔ چیستان مرزا، مولانا ثناء اللہ، ص: 8

۱۴۔ زار قادیان، مولانا ثناء اللہ، ص: 6

۱۵۔ فسخ نکاح مرزائیاں۔ ص: 21

۱۶۔ تاریخ مرزا، ص: 2

۱۷۔ شاہ انگلستان اور مرزائے قادیان، ص: 3

۱۸۔ انجیل متی باب 27

۱۹۔ نکات مرزا، مولانا ثناء اللہ، ص: 2

۲۰۔ نکات مرزا، مولانا ثناء اللہ، ص: 28

۲۱۔ خاتم چشمہ معرفت ص: 15، روحانی خزائن، ج۔23، ص: 287

۲۲۔ خطبہ الہامیہ، ص: 259-258، روحانی حزائن، ج۔6، ص: 259

۲۳۔ محمد قادیانی، مولانا ثناء اللہ، ص: 110-109

۲۴۔ محمد قادیانی، مولانا ثناء اللہ، ص:126

۲۵۔ ریویو نمبر 7، جلد نمبر 7، ص:298، بابت جون جولائی1908

۲۶۔ فیصلہ مرزا، مولانا ثناء اللہ، ص:20

۲۷۔ علم کلام مرزا، مولانا ثناء اللہ، ص:2

۲۸۔ علم، کلام مرزا، مولانا ثناء اللہ، ص:8-7

۲۹۔ ایضاً ص نمبر46

۳۰۔ ایضاً ص:91

۳۱۔ ایضاً ص نمبر:5

۳۲۔ ایضاً ص:65

۳۳۔ ایضاً ملخصا، ص:15-1)

۳۴۔ ایضاً ص نمبر:28

۳۵۔ آئینہ کمالات ص:288، فنزائن، ج5، ص:288

۳۶۔ ایضاً ص نمبر68-67) ملحض

۳۷۔ انجام آتھم، ص:61-60، خزائن، ج11، ص:61-60

۳۸۔ تتمہ حقیقۃالوحی، ص:132، خزائن22/570

۳۹۔ ایضاً ملخصا، ص:128-120

۴۰۔ ایضاً ص:134

۴۱۔ ایضاً ص:5-1 تلخیص

۴۲۔ ایضاً ص:2

۴۳۔ ایضاً ص:9-5

۴۴۔ سیرت المھدی حصہ اول۔ بشیر احمد، ایم اے، ص:44، قادیانیت، ص:19

۴۵۔ قادیانیت ابوالحسن ندوی ص:156

۴۶۔ حاشیہ کتاب البریۃ، ص:155

۴۷۔ سیرۃ المھدی ج، ص:1/6، القادیانیت، ص:20

۴۸۔ تبلیغ رسالت۔ ج دہم، ص:12، قادیانیت، ص:24

۴۹۔ حیات ناصر مرتبہ شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی، قادیانیت، ص:25

۵۰۔ مرقاۃ الیقین حکیم نورالدین، ص:79، قادیانیت، 28

۵۱۔ رسالہ ریویو آف ریلجنز، قادیانیت، ص:23، قادیان، ص:234، ج:14
۵۲۔ الفضل 23، فروری 1932، قادیانیت، 24
۵۳۔ قادیانیت، ص:51، رسالہ اشاعت السنۃ، ج7، جون 1884
۵۴۔ قادیانیت، ص:53
۵۵۔ توضیح الاسلام، ص:2، قادیانیت:61
۵۶۔ کشف الاختلاف، ص:15، قادیانیت:99
۵۷۔ ایضاً ص:182
۵۸۔ ایضاً ص:54
۵۹۔ ایضاً ص:159
۶۰۔ احتساب قادیانیت، جلد6، ص:2
۶۱۔ غایت المرام، ص:11
۶۲۔ ازالہ اوہام۔اول، ص:71-70، توضیح المرام، ص:7-3، روحانی خزائن، ج3، ص:54-52
۶۳۔ غایت المرام، ص:37-36
۶۴۔ غایت المرام اعرا، ص:59
۶۵۔ غایت االمرام، ص:82-81
۶۶۔ احتساب، 68، ص:269
۶۷۔ تائید السلام، ص:17
۶۸۔ تائید الاسلام، ص:73
۶۹۔ تائید الاسلام، ص:63
۷۰۔ تائید الاسلام، ص:67
۷۱۔ ازالہ، ص:699
۷۲۔ تائید الاسلام، ص:91
۷۳۔ اشتہار ایک غلطی کا ازالہ، ص:6، روحانی حزائن، ج22، ص:81
۷۴۔ تائید الاسلام، ص:13) بحوالہ احتساب قادیانیت، ج6، ص:313
۷۵۔ تائید الاسلام۔ص:16) (تذکرہ الشہادتین، ص:41، خ۔ج20، ص:43
۷۶۔ حقیقۃ النبوۃ۔ص:121
۷۷۔ احمدیہ تحریک، ملک محمد جعفر خان، ص:102

۷۸۔ احمدیہ تحریک، ملک محمد جعفر خان، ص:182-183

۷۹۔ مولانا محمد عالم آسیؒ (م1944) ”امر تسر“ الکاویۃ ملخصا(59-120)

۸۰۔ مہر منیر، ص:522، فیض احمد فیض، پاکستان انٹر نیشنل پرائیویٹ لمیٹڈ، 118، جی ٹی روڈ، ہمن زار، سٹریٹ، لاہور، 1991ء

۸۱۔ (مہر منیر ص:524

۸۲۔ اَیام الصلح۔ مرزا غلام احمد، ص۔38

۸۳۔ مہر منیر، ص:524

۸۴۔ سیف چشتیائی۔ پیر مہر علی شاہؒ، ص16

۸۵۔ سیف چشتیائی۔ ص:15

۸۶۔ شہادت القرآن، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی، ص(ا۔ب) طبع چہارم، مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان، پاکستان

۸۷۔ شہادت القرآن، مولانا محمد ابراحیم سیالکوٹی، ص:9، دیباچہ طبع ثالت

۸۸۔ ایضاً، طبع ثالث، ص:228، حصہ اول

۸۹۔ شہادت القرآن، مولانا محمد ابراحیم سیالکوٹی، ص:32

۹۰۔ شہادت القرآن، سیالکوٹی، مولانا محمد ابراحیم، ص:47-48

۹۱۔ حیات انور، قیصر، سید محمد ازھر شاہ قیصر ص254-255۔ محبوب المطالع برقی پریس دہلی 1955

۹۲۔ نقش دوام۔ مسعودی۔ مولانا النظر شاہ مسعود ص313 المکتبہ البوریہ۔علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر15

۹۳۔ نقش دوام۔ مسعود۔ مولانا النظر شاہ مسعودی ص185

۹۴۔ نقش دوام۔ ص314

۹۵۔ ایضا ص186

۹۶۔ (ایضاً۔ ص317

۹۷۔ ایضاً۔ ص186

۹۸۔ خاتم النبیین ۔ کشمیری ۔ مولانا انور شاہ کشمیری ترجمہ و تشریح محمد یوسف لدھیانوی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان 1397ھ

۹۹۔ نقش دوام ص327

۱۰۰۔ ایضا 191

۱۰۱۔ ایضاً ص91

۱۰۲۔ ایضا۔ ص192

۱۰۳۔ ایضاً ص 195

۱۰۴۔ ایضا۔ ص 196

۱۰۵۔ یضاً۔ ص 197

۱۰۶۔ ایضا ص 198

۱۰۷۔ ماہنامہ۔البلاغ۔ کراچی۔ مقالہ مفتی محمد شفیع ص 2 شمارہ رمضان 1394ھ اکتوبر 1974

۱۰۸۔ حیات عیسیٰ۔کاندھلوی۔ مولنا محمد ادریس ص 3-4 طبع ملتان 1376

۱۰۹۔ ایضاً ص 5-6

۱۱۰۔ تذکرہ۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ مولانا محمد میاں صدیقی ص 102 مکتبہ عثمانیہ جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور 1977

۱۱۱۔ حیات عیسیٰؑ۔ ص 142

۱۱۲۔ تذکرہ ص 107

۱۱۳۔ رسالہ حضرت صوفیائے کرام اور مولانا محمد قاسم پر مرزائیوں کا بہتان اور افتراء کاندھلوی مولانا محمد ادریس کاندھلوی ص 9-137110ھ 1952 لاہور

۱۱۴۔ قادیانی مذہب۔برنی۔ پروفیسر محمد الیاس برنی ص 3

۱۱۵۔ ترجمان السنۃ۔ میرٹھی۔ مولانا بدر عالم، باب نزول عیسیٰ ص ۱۱ حصہ سوم ادارہ نشریات اسلام۔ رحیم یار خان

۱۱۶۔ احزاب 40

۱۱۷۔ قصص القرآن۔ سیوہاروی۔ حفظ الرحمٰن۔ ج۔1 ص 384-374، 1948 دہلی

۱۱۸۔ مسلم

۱۱۹۔ قصص القرآن۔ سیوہاروی۔ حفظ الرحمٰن۔ ج4 ص 384-374، 1948 دہلی

۱۲۰۔ قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ، برنی، محمد الیاس، ص:6

۱۲۱۔ قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ، برنی، پروفیسر محمد الیاس، ص:8، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت 1995

۱۲۲۔ اخبار خلافت، بمبئی جلد نمبر 13، ص:223، 30 ستمبر 1934

۱۲۳۔ رسالہ بلاغ امرتسر بابت اپریل 1934، قادیانی مذہب، ص:19

۱۲۴۔ رسالہ فاران، بجنور بابت جولائی 1935، قادیانی مذہب، ص:36

۱۲۵۔ رسالہ طلوع اسلام، لاہور اگست 1936، قادیانی مذہب، ص:109

۱۲۶۔ اخبار صدق لکھنؤ، مورخہ 21 جون 1935) (قادیانی مذہب، ص:38

۱۲۷۔ اخبار ''منادی' (ص: 27)' دہلی 6 اکتوبر 1934

۱۲۸۔ تریاق القلوب۔ ص:308، قادیان

۱۲۹۔ تبلیغ رسالت۔ ج8، ص:53

۲۳۰۔ تبلیغ رسالت، ج۔7، ص:17

۱۳۱۔ ہفت روزہ چٹان، لاہور، 9فروری1970

۱۳۲۔ الفضل قادیان، 12جون1946

۱۳۳۔ اشتہار 21اپریل1905، بحوالہ الفضل لاہور، 4اکتوبر 1947

۱۳۴۔ الفضل لاہور، 18دسمبر 1927

۱۳۵۔ الفضل قادیان، 13ستمبر 1935

۱۳۶۔ مفتی شاہ سعادت، تحقیق یوز آصف، سری نگر، ص:4) (قادیان سے اسرائیل تک، ابو مدثرہ، ص:52-44، مؤتمر المصنّفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور

۱۳۷۔ ہفت روزہ اہل حدیث، 28اکتوبر 1917، ص:6

۱۳۸۔ ایضاً۔ 6اپریل 1917

۱۳۹۔ ایضاً، یکم فروری1918

۱۴۰ ستارہ صبح، یکم نومبر 1917

۱۴۱۔ زمیندار، ستمبر 1917

۱۴۲۔ الفضل قادیان، 12اکتوبر 1917

۱۴۳۔ مولانا ظفر علی خان بحیثیت صحافی، زیدی ڈاکٹر نظیر حسنین، ص:201تا203، مکتبہ اسلوب پوسٹ بکس 2119، کراچی نمبر18، اشاعت اول 1985

۱۴۴۔ قادیان نمبر، ص:204تا205

۱۴۵۔ ایضاً، ص:207-206

۱۴۶۔ مولانا ظفر علی خان، ارمغان قادیان مطبع کاروان پریس، لاہور، 1945، اشاعت ثانی

۱۴۷۔ تحریک ختم نبوت، شورش کاشمیری، ص:169، مطبوعات چٹان، میکلوروڈ، لاہور، مئی 1984

۱۴۸۔ ایضاً، ص:170

۱۴۹۔ ایضاً، ص:171

۱۵۰۔ ایضاً، ص:171

۱۵۱۔ بابو پیر بخش لاہوری، ٹائٹل کرشن قادیانی مطبوعہ 1920

۱۵۲۔ رضوان ختم نبوت نمبر 1952، ص:46

فصل سوم: مشہور مناظرے ومباہلے

مباحثہ لدھیانہ ا۔ مئی 1891ء

اس مناظرہ کی تفصیلات پروفیسر خالد شبیر احمد اس طرح بیان کرتے ہیں۔

حکیم نورالدین بھیروی نے بھی لاہور سے لدھیانہ آکر مرزاصاحب کو یہی مشورہ دیا تھا کہ آپ علمائے لدھیانہ سے مناظرہ کرنے کی بجائے کسی ایسے عالم کے ساتھ مناظرہ کریں جس نے ابھی تک آپ کے خلاف کفر کا فتوی نہ دیا ہو۔ چنانچہ اس کام کے لیے مولانا بٹالوی کا انتخاب خود مرزاصاحب کی طرف سے ہوا اس کا ذکر اس اشتہار میں بھی موجود تھا جس میں مرزاصاحب نے علمائے لدھیانہ کو حیات وممات مسیح کے مسئلے پر مناظرہ کا چیلنج دیا تھا کہ اگر مناظرہ کے لیے تیار نہ ہو سکو تو اپنی طرف سے مولانا محمد حسین بٹالوی کو مقرر کرلو۔ جب لاہور میں مولانا محمد حسین بٹالوی کو یہ معلوم ہوا کہ مرزا غلام احمد نے خود میرے ساتھ مناظرہ کے لیے میرا نام تجویز کیا ہے تو وہ بغیر کسی تاخیر مولانا بٹالوی صاحب نے مناظرے کا موضوع یہ تجویز کیا۔ وہ مسیح جس کے قدوم کی احادیث مبارکہ میں خبر دی گئی ہے وہ مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔ لیکن مرزاصاحب نے اس موضوع پر مناظرہ کرنے سے انکار کر دیا اور یہ انکار آج تک چلا آرہا ہے۔ مرزاصاحب نے مولوی صاحب کو جواب دیا کہ میں اپنی مسیحیت پر گفتگو کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں البتہ آپ کے ساتھ حیات ووفات مسیح کے موضوع پر بات ہو سکتی ہے کیونکہ میرا دعوی مسیحیت کی بنیاد یہی ہے اگر آپ میری اس بنیاد کو رد کر دیں گے تو اس کے ساتھ ہی میرا دعوی کا رد بھی ہو جائے گا مرزاصاحب کی اس بات کے جواب میں استدلال مولانا بٹالوی نے اختیار کیا وہ یہ تھا کہ آپ کے چیلنج کے اشتہار میں یہ دونوں دعوے موجود ہیں یعنی (۱) حضرت عیسیٰؑ کی وفات کا دعوی۔ (۲) اپنے مسیح ہونے کا دعوی اور یہ دونوں دعوے ایک دوسرے کے ساتھ یوں منتھی نہیں کہ ایک ثابت ہونے کے ساتھ دوسرا دعوی بھی لازم ثابت ہو جائے لہٰذا پہلے آپ کے دعوی مسیحیت پر بات ہو گی جس کے بعد حضرت عیسیٰؑ کی حیات و وفات کا مسئلہ آئے گا مولانا بٹالوی صاحب کے اس استدلال سے مرزاصاحب بوکھلا اٹھے اور کوئی ایسی بات لکھ بھیجی جس سے یہ تاثر قائم ہوتا تھا کہ مرزاصاحب مناظرے کے موڈ میں نہیں ہیں شاید یہ مناظرہ نہ ہوتا اگر مرزاصاحب کے مریدین پٹیالہ سے آکر مرزاصاحب کو مجبور نہ کرتے چنانچہ مناظرے کے بارے میں مولانا رفیق دلاوری یوں لکھتے ہیں۔

آج مباحثہ ہوا مولانا محمد حسین بٹالوی نے یہ سوال کیا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تمام حدیثیں تمہارے نزدیک صحیح ہیں یا نہیں مرزاصاحب نے ٹال مٹول سے کام لیا حیلے بہانے شروع کیے اور بارہ دن تک غیر متعلق باتوں سے جواب کو ٹالتا رہا کیوں کہ اس نے تہیہ کر رکھا تھا کہ اصل سوال کا جواب نہیں دوں گا آخر جب ہر جگہ مشہور ہوا کہ قادیانی اتنے دنوں سے صرف ایک بات کا جواب دینے میں لیت ولعل کر رہا ہے تو مرزا اور مرزائیوں کا ہر جگہ مزاق اڑایا جانے لگا، بدنامی اور رسوائی ان پر ہر جگہ مسلط ہوئی جب امرتسر اور لاہور کے مرزائیوں کو معلوم ہوا کہ ان کا مسیح بارہ دن سے صرف ایک سوال کا جواب دینے میں لیت ولعل کر رہا ہے تو مرزاصاحب کے ایک حواری حافظ محمد یوسف ضلعدار نے مرزا کو پیغام بھیجا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں ان سو

الات وجوابات سے مولوی بٹالوی کا یہی مقصد ہے کہ آپ کی تذلیل کرے اس لیے مناسب ہے کہ اس بحث کو ختم کر دیجئے ورنہ زیادہ ذلت ہو گی غرض حافظ محمد یوسف کے انتباہ کا یہ اثر ہوا کہ مرزا نے بارہویں دن کی تحریر کے ساتھ موقوفی بحث کی درخواست پیش کرکے اپنی جان چھڑالی

مولانا صاحب لکھتے ہیں کہ مرزا صاحب نے اس شرط کی بھی خلاف ورزی کی اور نہ صرف مقابلہ سے فرار اختیار کیا بلکہ اپنی آخری تحریر کی نقل دینے سے بھی انکار کیا اور مباحثہ بلا تصفیہ منقطع کر دیا۔ نقل نہ دینے اور مناظرہ بند کر دینے سے بہت سے مرزائی بددل ہوئے۔[1]

رئیس قادیان کا قدوم دہلی اور مولانا نذیر حسین کو دعوت مناظرہ

مرزا قادیانی نے مباحثہ لدھیانہ میں شکست کھانے کے بعد اپنی ذلت وبدنامی کے داغ دھونے کے لیے مولوی محمد حسین بٹالوی کو دوبارہ دعوت مناظرہ دی انہیں معلوم تھا کہ مرزا قادیانی ایک بے علم شخص اور سستی شہرت کا بھوکا ہے۔اس لیے انہوں نے اعراض کیا یہاں سے مایوس ہو کر مرزا نے دہلی پہنچ کر ایک اشتہار 12 اکتوبر 1891 کو شائع کیا جو کہ مجموعہ اشتہار کی پہلی جلد ص 230 تا 237 پر موجود ہے اس میں اپنے متعلق لکھا کہ میں ختم نبوت اور دیگر اسلامی عقائد کو ماننے والا ہوں کسی دوسرے مدعی نبوت ورسالت کو کافر سمجھتا ہوں میرا عقیدہ ہے کہ عیسیٰؑ فوت ہو چکے ہیں اور آنے والے مسیح کے بارے میں جو پیشین گوئی ہے۔اس کا مصداق میں ہوں میرا صرف مثیل مسیح ہونے کا دعوی ہے۔چونکہ مولانا نذیر حسین دھلوی اور مولانا عبدالحق حقانی مجھے کافر قرار دیتے ہیں اس لیے میں ان دونوں کو حضرت عیسیٰؑ کی حیات ووفات کے موضوع پر دعوت مناظرہ دیتا ہوں اس کے لیے تین شرطیں ہیں۔

(i) امن قائم کرنے کے لیے سرکاری انتظام ہو (ii) بحث حیات ووفات مسیح پر ہو۔ میں اس اشتہار کے شائع ہونے کے بعد ایک ہفتے تک انتظار کروں گا مرزا کا یہ چیلنج جب مولانا نذیر حسین دھلوی کے پاس پہنچا تو انہوں نے مرزا کو دعوت دی کہ آئیں اور اپنے شبہات دور کریں مرزا کی دعوت مناظرہ کو قبول کیا اور چودہ اشتہار شائع کیے مولوی عبدالمجید صاحب نے یہاں تک کہا کہ آپ اپنی قیام گاہ کی چھت پر بیٹھ جائیں یہ اس کے بالمقابل دوسرے کوٹھے پر بیٹھ کر گفتگو کروں گا درمیان میں بازار بلی ماراں حائل رہے گا اور اس طرح آپ کو کوئی ڈر اور خطرہ نہیں ہو گا لیکن مرزا صاحب نے ان دعوتوں کو منظور نہ کیا اسی اثناء یہں مولوی محمد حسین بٹالوی بھی دہلی پہنچ گئے۔مرزا صاحب کو ان کی آمد کا علم ہوا تو وہ بہت گھبرائے اور مولانا حقانی کا نام دعوت مناظرہ واپس لے لیا اور کہا آپ تو متقی ہیں اور میرا مقابلہ تو صرف مقلدوں سے ہے مولانا حقانی نے کہا آپ نے مجھے جو پیغام بھیجا ہے جو بصورت اشتہار شائع کر دیں تو میں دست بردار ہو جاؤں گا ورنہ نہیں۔مرزا صاحب نے چھ اکتوبر 1891 کو ایک اشتہار شائع کیا۔جس میں لکھا کہ مجھے مولوی عبدالحق کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ صوفی مزاج اور گوشہ نشیں آدمی ہیں اور قرآن مجید کی تفسیر لکھنے میں مشغول ہیں اس لیے میری شرطیں پوری نہیں کر سکتے چنانچہ ان کی جگہ مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی نذیر حسین کو مناظرے کا چیلنج دیتا ہوں۔[2]

مرزا صاحب کا یہ حیلہ کامیاب نہ ہوا کیونکہ مولوی عبدالحق صاحب نے 9اکتوبر کو مطبع یوسفی دہلی میں اس مضمون کا ایک اشتہار چھپوا کر مشہور کیا کہ مرزا صاحب نے میرے ساتھ مناظرہ نہ کرنے کا عذر پیش کیا وہ سراسر دروغ امیز ہے میں واقعی حکام سے میل جول نہیں رکھتا لیکن بالائی انتظام کے لیے اوپر کے لوگ موجود ہیں پس قادیانی صاحب 11اکتوبر کو ٹاؤن ہال میں آئیں اور مجھے سے مناظرہ کرلیں ورنہ جھوٹے سمجھے جائیں گے۔ ۳؎

تمام مرزائی شرائط کی منظوری

دوسری طرف مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے الہامی صاحب کو اقرار مباحثہ کے جواب میں 7اکتوبر 1891 کو ایک اعلان شائع کیا جس میں مرزا صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا۔آپ نے خاکسار اور حضرت مولانا نذیر حسین صاحب کو مقابل و مباحث بنانا چاہا ہے اور یہ حقیقت ظاہر ہے کہ مباحثہ میں ایک ہی شخص بول سکے گا دونوں مل کر آپ سے ہم کلام نہ ہونگے لہٰذا یہ اقرار پایا ہے کہ پہلے خاکسار آپ سے گفتگو کرے اگر خاکسار آپ کو ساکت اور لاجواب نہ کردے تو پھر مولوی نذیر حسین دہلوی گفتگو کے مجاز ہوں گے یہی امر بحکم عقل موزوں ہے اور شاگردوں کے ہوتے ہوئے شیخ الکل امام وقت کو زیب نہیں ہے۔ کہ آپ جیسوں کو اپنا مخاطب بنائے اور اگر آپ اپنی ہی شرطیں منظور کرانا چاہتے ہیں تو ہم اس امر کے لیے بھی حاضر ہیں لیجیئے بتاریخ 11اکتوبر 1891 بوقت 9بجے دن کے چاندنی محل میں تشریف لے آیئے اور خاکسار سے گفتگو کر لیجئے ہماری طرف سے کوئی شرط نہیں آپ کی تمام شرائط منظور ہیں یہ اشتہار چھپوا کر متعدد ذرائع سے مرزا صاحب نے اس اشتہار کو پڑھ کر اور پیغامات سن کر کوئی عذر وانکار نہ کیا جس سے ہر ایک کو یقین ہوگیا کہ وہ وقت مقررہ پر چاندنی محل پہنچ جائیں گے اس لیے فرش کا انتظام کیا گیا۔ اب مولوی محمد حسین اور مولوی عبدالحق صاحب حقانی کی طرف سے ایک مشترکہ چٹھی مرزا صاحب کے نام بھیجی گئی جس کا مضمون یہ تھا مولوی عبدالحق صاحب نے آپ کو ٹاؤن ہال میں مباحثہ کے لئے بلایا تھا آج یہ قرار پایا ہے کہ بالفعل ایک ہی مناظرہ چاندنی محل میں ہو آپ وقت مقررہ پر ضرور تشریف لائیں کیونکہ فرش وغیرہ پر بہت سارو پیہ خرچ آچکا ہے وقت مقررہ پر مرزا صاحب کا سخت انتظار شروع ہوا لیکن انہیں نہ آنا تھا نہ آئے اور جلسہ بے نیل مرام برخاست ہوا۔ ۴؎

مرزا صاحب کی عہد شکنیاں اور مقابلہ سے گریز

مرزا صاحب نے 6اکتوبر 1891 کے اشتہار میں لکھا تھا کہ مولوی نذیر حسین صاحب اور ان کے شاگرد بٹالوی صاحب جواب دہلی میں موجود ہیں ان کاموں میں اول درجہ کا جوش رکھتے ہیں لہٰذا اشتہار دیا جاتا ہے کہ وہ میرے ساتھ پابندی شرائط مندرجہ اشتہار 2اکتوبر 1891 بحث کریں۔ ۵؎

لیکن مرزا صاحب نے مولوی محمد حسین صاحب کے ساتھ مباحثہ کرنے سے صاف انکار کرکے نقض عہد کیا اور کہا کہ میں خاص مولوی نذیر حسین صاحب سے گفتگو کروں گا کیوں کہ مجھے ابو سعید محمد حسین کی گفتگو سے بالطبع نفرت ہے ہاں وہ مولوی سید نذیر حسین صاحب کے مددگار ہیں اس اصرار کی وجہ سے میاں صاحب مجبور ہو گئے بذات خود قادیانی صاحب سے گفتگو کریں اس فیصلے کے بموجب 11اکتوبر 1891 کو ایک اور جلسہ چاندنی محل میں تجویز ہوا اور میاں صاحب نے قادیانی صاحب کو ایک چٹھی میں اطلاع دی کہ میں بذات خود آپ سے گفتگو کرنے پر آمادہ ہوں آپ 11اکتوبر کو چاند محل میں آجائیں لیکن قادیانی

اس عہد کے بھی پابند نہ رہے اور مجلس مناظرہ میں آنے سے صاف انکار کیا اور اس مضمون کا ایک خط لکھ بھیجا کہ چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ جوش عوام کا حد سے بڑھا ہو لہٰذا یہ تجویز قرار پائی ہے کہ غلام قادر صاحب فصیح ڈپٹی کمشنر کے پاس جا کر اطلاع دیں تو پھر ایک تاریخ مقرر کرکے جلسہ ہو اس پر چاندنی محل کا جلسہ برخاست ہوا اور اہل دہلی کو یقین ہوا کہ قادیانی کو مباحثہ منظور نہیں ہے وہ محض حیل بہانے سے کام لے رہا ہے مرزا صاحب کے پاس قرار کا نہ صرف اہل دہلی بلکہ تمام ہندوستان میں شہرہ ہوا ان کے دامن شہرت پر سخت بدنما داغ لگا۔۶

میاں صاحب کی شان میں دریدہ دہنی

مرزا صاحب نے مولانا سید محمد نذیر حسین دھلوی اپنے اشتہار مورخہ 17اکتوبر 1891میں ان کی شان میں دریدہ دہنی کی اور لکھا۔ کہ اگرچہ آپ کو شرم آنی چاہیے کہ شیخ الکل ہونے کا دعوی ہے اور پھر اس فضیحت کی غلطی کہ مسیح کو قرآن حدیث کی رو سے زندہ سمجھ رہے ہیں اگر آپ کو کچھ شرم ہے تو بلا توقف بحث کے لیے میدان میں آجائیں میں حیران ہوں کہ آپ کس بات کے شیخ الکل ہیں اگر آپ بحث نہیں کرنا چاہتے تو ایک مجلس میں میرے تمام دلائل وفات مسیح سن کر تین مرتبہ قسم کھا کہ کہہ دیجئے کہ یہ دلائل صحیح نہیں ہیں اور میرا یہی عقیدہ ہے کہ مسیح بجسدہ آسمان کی طرف اٹھائے گئے ہیں تب میں آپ کی گستاخی اور حق پوشی اور جھوٹی گواہی کے فیصلے کے لیے جناب الہی میں تضرع اور ابتہال کروں گا اور اگر آپ تقوی کا طریق چھوڑ کر ایسی گستاخی کریں گے تو ایک سال تک اس گستاخی کا آپ پر ایسا کھلا کھلا اثر پڑے گا۔ جو دوسروں کے لیے بطور نشان کے ہو جائے گا۔۷

جامع مسجد دہلی میں مجلس مباحثہ

مولانا بٹالوی اور دیگر علماء کو اس بات پر کامل یقین تھا کہ مرزا صاحب حسب سابق اپنے وعدہ پر قائم نہیں رہیں گے اور مباحثہ نہ ہوگا 18اکتوبر 1891 کو مسلمانان دہلی کی طرف سے اس مضمون کا ایک اشتہار دیا کہ مرزا صاحب بدگوئی اور دریدہ دہن کی وجہ سے جو انہوں نے حضرت شیخ الکل کی شان میں کی اس قابل نہیں رہے کہ حضرت میاں نذیر حسین شاہ صاحب ان کو اپنا مخاطب بنائیں مولانا بٹالوی اور میاں صاحب کے دوسرے تلامذہ میں سے جس کسی سے گفتگو پسند کریں ان سے مباحثہ کریں اور اگر مباہلہ کرنا پسند ہے تو مولوی عبد الحق امرتسری یا مولوی عبد المجید صاحب سے کریں۔۸

اس کے بعد فیصلہ ہوا کہ 20اکتوبر کو جامع مسجد میں مجلس مناظرہ منعقد ہو عوام الناس اور بعض خواص نے میاں نذیر حسین کو اس بات پر راضی کریں کہ جامع مسجد کے اجلاس میں تشریف لائیں 20اکتوبر کو نماز عصر سے پہلے ہزارہا مسلمان جامع مسجد میں پہنچ گئے مولانا نذیر حسین اور دوسرے علماء دہلی بھی تشریف لے آئے قادیانی صاحب بھی اپنے بارہ حواریوں کے ساتھ اموجود ہوئے نماز عصر باجماعت ادا کی گئی مرزا صاحب اور ان کے ساتھی جماعت کے ساتھ شامل نہ ہوئے اتنے میں انگریز پولیس افسر بھی جو مرزائیوں کی دعوت پر آیا تھا۔ جامع مسجد میں آموجود ہوا

نماز کے بعد نواب سعید الدین احمد خان صاحب رئیس و مولوی عبد المجید اور سید بشیر حسین انسپکٹر پولیس مولانا نذیر حسین کے ایماء سے مرزا صاحب کی جگہ پر گئے پولیس افسر بھی ساتھ ہو لیا ان لوگوں نے جا کر مرزا صاحب سے کہا کہ آپ لکھ دیجئے کہ اگر مولانا نذیر حسین صاحب میرے دلائل کو حلف اُٹھا کر مسترد کریں تو میں اس مجمع میں توبہ کرلوں گا مرزا صاحب نے

اس کا کچھ جواب نہ دیا ان کے سکوت سے مضطرب ہو کر ایک مرزائی اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ ہاں ایک سال کے بعد توبہ کرلیں گے بشرطیکہ مرزا صاحب کی بد دعا کا کوئی اثر نہ ہوا۔

اولاً مرزا صاحب سے گذارش کی گئی کہ آپ دلائل سے وفات مسیح پیش کر سکتے ہیں اگر مولانا میاں صاحب آپ کے دلائل کو صحیح نہ تسلیم کریں تو ان کے بطلان پر حلف اٹھالیں گے تو کیا آپ توبہ کرلیں گے مگر مرزا صاحب نے اس کا جواب نہ دیا مرزا صاحب حضرت مسیح کی حیات وممات مسیح پر گفتگو کرنے کا اصرار کیا۔

مرز صاحب کو کہا گیا کہ آپ مسیح موعود ہیں یا نہیں اگر ہیں تو ثبوت دیجئے فرض کرو کہ مسیح انتقال کر گئے تو اس حالت میں سب برابر ہیں آپ کو دوسروں سے زیادہ استحقاق ہے بحر حال آپ اپنے اس دعوی پر دلائل دیجئے مگر مرزا صاحب کی طرف جواب نہ ملا مرزا صاحب نے انکار کر دیا مرزا صاحب پہلی بات پر ڈٹے رہے۔ بالاخر یہی طے پالیا گیا کہ آپ وفات مسیح پر ہی دلائل دیں آخر یہ اعلان کیا گیا کہ مرزا صاحب گفتگو نہیں کرتے اس لئے جلسہ برخاست ہے اس کے بعد کوتوال نے مرزا صاحب کے پاس جا کر کہا کہ اب تشریف لے جایئے بیٹھنا بے کار مرزا صاحب نے اس بات کو غنیمت سمجھا۔ 9

مولوی محمد بشیر سہوانی سے مناظرہ

مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی کے شاگردوں میں مولوی محمد بشیر سہوانی بھی ایک بلند پایہ عالم تھے مرزا صاحب نے 2 اکتوبر 6 اکتوبر 1891 جو جو اشتہار دہلی ہیں شائع کیے وہ کسی نے مولوی محمد بشیر صاحب کے پاس بھی بھوپال بھیج دیئے انہوں نے حاجی محمد احمد سوداگر دہلی کے توسط سے ان اشتہاروں کا جواب قادیانی صاحب کے پاس بھیجا جس میں ان تمام شرائط کو قبول کرتے ہوئے تیسری شرط میں کسی قدر ترمیم چاہی مرزا صاحب نے بھی اس ترمیم کو منظور کرلیا۔

قادیانی صاحب کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی

اب مرزا صاحب نے اپنے سابقہ معاہدہ کو بالائے طاق رکھ کر شرائط میں مندرجہ ذیل تبدیلی فرمائی مولوی محمد بشیر صاحب مدعی ہوں گے حیات مسیح کا بار ثبوت انہی پر ہوگا (2) بحث اس عاجز مرزا غلام احمد کے قیام گاہ پر ہوگی (3) جلسہ عام نہیں ہوگا (4) مولوی صاحب دس معزز آدمی ساتھ لائیں مگر ان میں مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبد المجید ہر گز آنے کے مجاز نہیں ہوں گے (5) پرچوں کی تعداد پانچ ہوگی۔

مولانا صاحب کے احباب کی رائے یہ تھی کہ ان نئی شرائط کو مسترد کر دیا جائے مگر مولانا صاحب نے محض اس خیال سے کہ قادیانی صاحب کو مناظرہ سے گریز کرنے کا کوئی حیلہ نہ مل سکے سب شرائط کے بعد کم وکاست منظور کرلیں 19 ربیع الاول کو بعد از نماز جمعہ مناظرہ شروع ہوا مولانا صاحب نے مرزا جی کے مکان پر جا کر مجلس مناظرہ میں حیات مسیح کے پانچ دلائل لکھ کر حاضرین کو سنائے اور دستخط کرکے مرزا صاحب کے حوالے کر دیے۔

مجلس بحث میں جواب لکھنے سے گریز

مرزا صاحب پر لازم تھا کہ اس وقت جواب لکھواتے لیکن اتنی قابلیت نہیں تھی کہ اپنے دماغ سے بھی کوئی بات نکال سکیں مجلس بحث میں جواب لکھوانے سے انکار کیا۔ حاجی محمد احمد صاحب مرزا صاحب کو بہت سمجھایا کہ نقض عہد اور شرائط مقررہ

کی خلاف ورزی نہ کریں۔مگر انہوں نے کسی کی ایک نہ سنی بلکہ اس بات پر مصر رہے کہ میں جواب لکھ رکھوں گا آپ کو کل دس بجے آکر جواب سن لیجئے ناچار مجلس مناظرہ بر خاست ہوئی یہ حضرات دوسرے دن دس بجے دردولت پر پہنچے اور اطلاع دی گئی تو مرزاصاحب باہر نہ آئے اور کہلا بھیجا کہ ابھی جواب تیار نہیں ہوا جب تیار ہوگا آپ کو بلالیا جائیگا دو بجے کے بعد ان حضرات کو بلا کر جواب سنایا اور کہا کہ اس مجلس بحث میں جواب لکھنے کی ضرورت نہیں آپ اپنے مکان پر جا کر جواب لکھ رکھئے اسی طرح پانچ دن تک سلسلہ بحث جاری رہا۔

خسرہ کی بیماری کا حیلہ تراش کر کے مناظرہ سے گریز

چھٹے دن جانبین کے تین تین پرچے ہو چکے تو مرزاصاحب پہلی ہی بحث ناتمام چھوڑ کر مناظرہ سے دست بردار ہو گئے اور کہنے لگے اب مجھے زیادہ قیام کی گنجائش نہیں اور زبانی یہ فرمایا کہ میرے خسر نواب ناصر بیمار ہیں اس لیے میرا جلد جانا ضروری ہے علماء حضرات کو مرزاصاحب کی نفسیات کا علم تھا تو قبل از وقت پیشین گوئی کر رکھی تھی کہ مرزاصاحب بحث ناتمام چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔اس لیے مرزاصاحب کے فرار سے پہلے مقالہ لکھ رکھا گیا تھا وہ مضمون مرزاصاحب کی موجودگی میں سب حاضرین کو سنادیا گیا تھا اس میں مرزاصاحب کے نقض عہد پر خوب لے دے کی گئی تھی حاضرین نے مرزاصاحب کو ان کی وعدہ خلافی پر بہت ملامت کی مگر مرزاصاحب نے اس کی پروانہ کی اور اس روز دہلی سے تشریف لے گئے مرزاصاحب کی اصل وجہ یہ تھی کہ مرزاصاحب مدعی مسیحیت ہے اور علماء کی طرف سے ہمیشہ یہ مطالبہ ہوتا رہا کہ آپ مسیح موعود ہونے کا ثبوت دو اس لیے اس بحث سے بچنے کے لیے دو سدین قائم کر رکھیں تھیں ایک مسئلہ حیات وممات مسیح دوسرا نزول مسیح جب مرزاصاحب نے مولوی محمد بشیر کے مناظرہ میں دیکھا کہ پہلا بند جو ان کے زعم میں نہایت مضبوط ومستحکم ہے ٹوٹنے والا ہے اور دوسرا بند جو بالکل کمزور ہے اس میں مدافعت کی زیادہ وقعت نہیں وہ معاً ٹوٹ جائے گا پھر اصل قلعہ پر حملہ ہوگا جو روئی کے گالے سے زیادہ کمزور ہے اور قادیانی مسیحیت کا قلعہ چشم زدن میں پاش پاش ہو جائے گا تو مرزاجی کے لیے بجز اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ غنیم کے قلعہ فتح کرنے سے پہلے ہی بھاگ کھڑے ہوں اس کی تفصیل الحق الصریح فی اثبات حیوۃ المسیح ص 12 یہ تصریح اسی رسالہ سے ماخوذ ہے۔ ١٠١

مولوی غلام دستگیر قصوری کے مقابلہ سے فرار

جن ایام میں مرزاصاحب کے خسر میر ناصر نواب دہلوی نقشہ نویسی نہر سرہند کے دفتر واقع چھاؤنی فیروزپور میں کام کرتے تھے مرزاصاحب وقتاً فوقتاً فیروزپور جا کر ٹھہرتے تھے گو بادی النظر میں اس آمد ورفت کی غرض خسر کی ملاقات ہوتی تھی لیکن اس کا حقیقی مقصد مسلمانوں کو مرتد کرنا تھا۔مرزاصاحب فیروزپور جا کر وہاں کے روسا کو مرزائیت کی دعوت دیتے تھے اور اپنے قیام گاہ پر قدم رنجہ فرمانے کے لیے مدعو کیا کرتے تھے۔لیکن چونکہ لوگ مرزائی مسیحیت کی حقیقت سے پوری طرح باخبر تھے ان کی طرف سے ہر دعوت کا یہ جواب ملتا تھا کہ ہمارے علماء تمہیں مرتد اور خارج از اسلام قرار دیتے ہیں اس لیے ہم اس وقت تک تمہاری بات پر کان نہیں دھرتے جب تک تم ہمارے علماء کو قائل نہ کرو آخری دعوت کے بعد مرزاصاحب نے کہا اچھا تم اپنے کسی مولوی کو بلالو۔

ان ایام میں مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری علماء پنجاب میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے ان کا داماد چھائونی فیروز پور میں ایک سربراور دہ تاجر تھا رئو ساۓ فیروز پور نے مولوی غلام دستگیر صاحب کے داماد سے کہا مولوی صاحب کواسی کی اطلاع دو کہ مراز غلام احمد نے اپنے مقابلہ میں کسی مسلمان عالم کو طلب کیا ہے مولوی صاحب کے پاس پیغام بھیجا گیا انہوں نے کہلا بھیجا کوئی قریبی تاریخ مقرر کرکے مجھے اطلاع دو چنانچہ اتوار کا دن مقرر ہوا اور مطبع صدیقی فیروز پور میں اس مناظرہ کے اشتہار چھپ کر بڑی تعداد میں تقسیم ہوئے مقام مناظرہ مسجد مولوی غلانبی قرار پایا مولوی غلام دستگیر صاحب تاریخ مناظرہ سے ایک دن پہلے کتابیں لے کر فیروز پور پہنچ گئے۔ اور وقت معہود میں مسجد غلام نبی کے صحن کی ایک جانب کتابوں کا ڈھیر لگا کر جا مقیم ہوئے لیکن مرزا صاحب وقت مقررہ پر مسجد مولوی غلام نبی میں تشریف فرمانہ ہوئے۔ آخر عماید چھائونی فیروز پور مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئے حضرت والا آپ کی خواہش کے مطابق ہمارا ایک عالم مقام مناظرہ میں پہنچ کر آپ کا انتظار کر رہا ہے جلد تشریف لے چلے مرزا صاحب نے حیلے حوالے شروع کیے اور روساء کو بے نیل مرام واپس آنا پڑا آخر مولانا صاحب کی تحریک پر وہ لوگ دو تین بار گئے لیکن مرزا صاحب تیار نہ ہوئے جب زیادہ اصرار بڑھا۔ مرزا صاحب کہنے لگے مجھے الہام ہوا ہے کہ آج کل کے مولویوں سے مباحثہ کرنا لاحاصل ہے لیکن ان معززین شہر نے جان نہ چھوڑی آخر جب مرزا صاحب نے دیکھا یہ لوگ تو گلے کا ہار بن گئے ہیں تو مرزا صاحب فرمانے لگے کہ میں نے فیروز پور جیسی چھوٹی مسجد میں بحث کرنا مناسب نہیں خیال کرتا۔

البتہ اگر تمہاری خواہش ہو تو کسی مرکزی مقام مثلاً لاہور میں مناظرہ کرنے کو تیار ہوں۔ مسلمان عمائدین نے کہا اچھا آپ لاہور ہی میں مناظرہ کیجئے لیکن کیجئے ضرور کیوں کہ ہمیں آپ کو برسر مقابلہ دیکھنے کا بڑا اشتیاق ہے آخر موچی دروازہ لاہور کی مسجد چھہل بی بیان میں بتاریخ 25 دسمبر 1892 مناظرہ قرار پایا مسلمانوں کی طرف سے اس مناظرہ کے متعلق برابر اعلان ہوتے رہے آخر مولوی غلام دستگیر کتابیں لے کر تاریخ معین پر مناظرہ گاہ پہنچ گئے قصور، فیروز پور اور پنجاب کے دوسرے اضلاع کے بھی ہزارہا آدمی مناظرہ گاہ پہنچ گئے لیکن مرزا صاحب نے لاہور آنا پسند نہ فرمایا مولوی غلام دستگیر صاحب پانچ چھ دن تک مرزا صاحب کے انتظار میں لاہور میں مقیم رہے قادیانی صاحب نہ خود آئے اور نہ کسی کو اپنی طرف سے نمائندہ بنا کر بھیجا اور نہ تار اور رجسٹری شدہ خط کا جوب دیا۔ ناچار مولوی صاحب قصور واپس چلے گئے۔[11]

مولانا عبدالحکیم کلانوری سے مناظرہ - 3فروری 1892

جب مرزا صاحب نے اپنے حق میں بنی اور رسول کے لفظ لکھنے شروع کیے تو مولوی عبدالحکیم صاحب کلانوری نے یہ عزم کر لیا کہ اب جب مرزا صاحب لاہور آئیں گے تو ان کی مزاج پرسی کی جائے گی چنانچہ جب مرزا صاحب نے لاہور میں قدم رنجہ فرمایا تو مولوی صاحب بھی ان کی قیام گاہ واقع چونے منڈی جا دھمکے اور اس خفت اور ہزلمیت پر پردہ ڈالنے کے لیے باقاعدہ مناظرہ کی خواہش کی مولوی صاحب کی تحریروں پر گرفت کرکے ان کی میسیحت کی دھجیاں بکھیرنا شروع کردیں مرزا صاحب تو پہلے یہی چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے اسے بخوشی قبول کر لیا مرزا صاحب چاہتے تھے کہ مناظرہ تحریری ہو جبکہ مولوی صاحب تو پہلے بھی یہی چاہتے تھے کہ مناظرہ سر عام ہو تاکہ عوام الناس بھی اس سے فائدہ اٹھائیں اور حق و باطل کے درمیان امتیاز کر سکیں جبکہ مرزا صاحب کاغذی گھوڑے دوڑانے کے شوقین تھے لہٰذا مرزا صاحب نے عوامی مناظرہ کرنے سے انکار کر دیا مولوی عبدالحکیم ہر

حالت میں مناظرہ چاہتے تھے اور چاہتے تھے مرزا صاحب کے فرار کی کوئی کنجائش نہ رہے لہٰذا مولوی صاحب نے بادل نخواستہ مرزا صاحب کی تحریری شرط کو قبول کر لیا یوں مناظرے کا آغاز ہوا۔

مناظرے کا موضوع

مناظرے کا موضوع یہ تھا ''محدث'' کس حیثیت سے نبی ہوتا ہے یا نہیں؟ مرزا صاحب مدعی تھے کہ وہ ایک حیثیت سے نبی ہوتا ہے لیکن مولوی صاحب کو اس سے انکار تھا الغرض مناظرہ شروع ہوا تین چار تحریری پرچوں کے بعد جب مرزا صاحب کا کیسہ دلائل سے خالی ہو گیا اور یقین پیدا ہوا کہ اب مولوی صاحب انہیں بری طرح شکست سے دوچار کر دیں گے تو ناچار انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور صلاح کا پیغام بھیجا۔ جواب میں مولانا عبدالحکیم صاحب نے کہا کہ اچھا لکھ دو کہ ''آئندہ نبی کا لفظ اپنے حق میں کبھی استعمال نہ کروگے۔ مرتا کیانہ کرتا مرزا نے آٹھ معزز گواہوں کے روبرو ایک اقرار نامہ لکھ دیا یہ اقرار نامہ یا توبہ نامہ قادیانیوں نے خود شائع کیا ہے چنانچہ میر قاسم علی مرزائی ایڈیٹر فاروق قادیان کی کتاب تبلیغ رسالت سے جو قادیانیوں کے اشتہارات کا مجموعہ ہے اقرار نامہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

''جو مباحثہ لاہور میں مولوی عبدالحکیم کلانوری اور مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کے درمیان چند روز سے بابت مسئلہ دعوائے نبوت مندرجہ کتب مرزا صاحب کے ہو رہا تھا آج مولوی صاحب کی طرف سے تیسرا پرچہ جواب الجواب کے جواب میں لکھا جارہا ہے اثنائے تحریر میں مرزا صاحب کی عبارت مندرجہ ذیل بیان کرنے پر جلسہ عام میں فیصلہ کیا جو عبارت درج ذیل ہے

''الحمد للہ الصلوۃ والسلام علی رسولہ خاتم النبیین اما بعد تمام مسلمانوں کی خدمت میں گذارش ہے کہ اس عاجز کے رسالہ فتح اسلام و توضیح المرام وازالہ اوہام میں جس قدر ایسے الفاظ موجود ہیں کہ محدث ایک معنی میں نبی ہوتا ہے یا یہ ہ محدثیت جزوی نبوت ہے یا یہ کہ محدثیت نبوت ناقصہ ہے یہ تمام الفاظ حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں بلکہ صرف سادگی سے ان کے لغوی معنوں کی رو سے بیان کیے گئے ہیں۔ ورنہ حاشا و کلا مجھے نبوت حقیقی کا ہر گز دعوی نہیں ہے بلکہ جیسا کہ ''ازالہ اوہام'' کے صفحہ 137 میں لکھ چکا ہون میرا اس بات پر ایمان ہے کہ ہمارے سیدی مولائی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ختام الانبیاء ہیں سو میں تمام مسلمان بھائیوں کی خدمت میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اگر وہ ان لفظوں سے ناراض ہیں اور ان کے دلوں پر یہ الفاظ شاق ہین تو وہ ان الفاظ کو ترمیم شدہ تصور فرما کر بجائے اس کے ''محدث'' کا لفظ میری طرف سے سمجھ لیں کیوں کہ کسی طرح مجھ کو مسلمانوں میں تفرقہ اور نفاق ڈالنا منظور نہیں ہے جس طرح ابتداء سے میری نیت میں جس کو اللہ جل شانہ خوب جانتا ہے اس لفظ نبی سے مراد نبوت حقیقی نہیں ہے بلکہ صرف محدث مراد ہے جس کے معنی آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متکلم مراد لیے ہیں یعنی محدثوں کی نسبت فرمایا عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد کان فی من کان قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیر ان یکون الانبیاء فان یکو فی امتی منھم احد فعمر (صحیح بخاری جلد اول ص 521) پارہ 14 - باب مناقب عمر) تو پھر مسلمان بھائیوں کی دلجوئی کے لیے اس لفظ کو دوسرے پیرائے میں بیان کرنے سے کیا عذر ہو سکتا ہے۔ سو دوسرا پیرایہ یہ ہے کہ بجائے نبی کے محدث کا لفظ ہر جگہ سمجھ لیں اور اس کو یعنی لفظ ''نبی'' کو کاٹا ہوا خیال فرمالیں اور نیز عنقریب یہ عاجز ایک الگ سے رسالہ نکالنے والا ہے جس یں ان شبہات کی تفصیل اور سبط سے

تشریح کی جائے گی جو میری کتابوں کے پڑھنے والوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں اور میری بعض تحریرات کو خلاف عقیدہ اہلسنت والجماعت خیال کرتے ہیں سو میں ان شاء اللہ عنقریب اس اوہام کے ازالہ کے لیے پوری تشریح کے ساتھ اس رسالہ میں لکھوں گا اور مطابق اہلسنت والجماعت کے بیان کروں گا۔ ۱۲؎

اس مباحثہ میں مرزا صاحب کو ایسی عبر تناک اور ذلت امیز شکست ہوئی کہ جس کی نظیر شاید دنیاکے کسی اور متنبّی کی تاریخ میں نہ مل سکے گی۔ مرزا علی محمد باب نے بھی ایک مناظرہ میں علماء ایران کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے تھے مگر مرزا صاحب کی طرح توبہ نامہ لکھ کر نہیں دیا تھا لیکن مرزا صاحب نے اپنی اس یادگار پسپائی کے بعد اقرار نامہ لکھ کر اپنی ہزیمت پر اور بھی مہر تصدیق ثبت کر دی۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مرزا صاحب تقریری مناظرہ سے ہمیشہ گھبراتے تھے اس کی وجہ یہ تھی انہیں یہ ڈر لگا رہتا تھا کہ اگر میدان مناظرہ مین انہیں شکست ہوئی تو تمام لوگ ان سے برگشتہ ہو جائیں گے اور ان کا مشن ناکام ہو جائے گا یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جتنے بھی مناظرے کئے وہ تحریر کیے مکان بند ہو کر کیے اور محدود سے چند لوگوں کے درمیان بیٹھ کر کئے گو کہ ان تمام تحریری مناظروں ہیں سبھی انہیں شکست ہوئی لیکن اس کا فائدہ انہیں یہ ہوا کہ عوام الناس تک بات نہ پہنچ سکی اور لوگوں کو اول تو ان تحریروں کو پڑھنے کا موقع ہی نہ مل سکا اور اگر کسی ے بمشکل تمام پڑھ بھی لیں تو اس سے خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہو سکا دوسری طرف مرزا صاحب خواہ مخواہ اپنی ہزیمت کو چھپانے کے لیے اپنی کامیابیوں کے اشتہار چھاپ دیتے جس سے لوگوں کے اندر یہ تاثر قائم ہو جاتا کہ مرزا صاحب تو مولویوں کو مسلسل شکست دیئے جا رہے ہیں۔ مرزا صاحب تقریری مناظرے سے ہمیشہ راہ فرار اختیار کرتے اور علماء مجبوراً تحریری مناظرے پر تیار ہو جاتے تاکہ کسی نہ کسی طرح مرزا صاحب کو قابو میں تو لے آئیں اور یہ بھاگنے نہ پائیں۔ مرزا کے تحریری مناظروں کے بارے میں ان کے بیٹے مرزا بشیر احمد ایم اے لکھتے ہیں۔

مرزا صاحب نے مدت العمر پانچ مناظرے کئے :۔

(1) ماسٹر مدنی دھر آریہ کے ساتھ بمقام ہوشیار پور مارچ 1886

(2) مولوی محمد حسین بٹالوی کے ساتھ بمقام لدھیانہ 1891

(3) مولوی محمد بشیر بھوپالی کے ساتھ بمقام دہلی اکتوبر 1891

(4) مولوی عبدالحکیم کلانوری کے ساتھ بمقام لاہور جنوری فروری 1892

(5) ڈپٹی عبداللہ آتھم مسیحی کے ساتھ بمقام امرتسر مئی جون 1893 ۔ ۱۳؎

مولانا عبدالحق غزنوی کا مرزا قادیانی سے مباہلہ

مولانا عبد الحق غزنوی امرتسر کے رہنے والے اور مسلکا رہل حدیث تھے مرزا غلام احمد قادیانی نے جب 25اپریل1893 کے اشتہار میں مولانا بٹالوی، میاں نذیر حسین دہلوی، مولنا عبدالجبار غزنوی سمیت متعدد علماء کو دعوت مباہلہ دی اور لکھا ان تمام علماء (مذکورہ) میں ہر ایک نامی مولوی یا سجادہ نشین کو جو اس عاجز کو کافر سمجھتا ہو مخاطب کرکے عام طور پر شائع کیا جاتا ہے کہ اگر وہ اپنے تئیں صادق قرار دیتے ہیں تو اس عاجز سے مباہلہ کریں اور یقین رکھیں کہ خدا تعالیٰ ان کو رسوا کرے

گا لیکن یہ بات واجبات سے ہو گی کہ فریقین اپنی اپنی تحریریں بہ ثبت دستخط گواہان شائع کریں کہ اگر کسی فریق پر لعنت کا اثر ظاہر ہو گیا تو وہ شخص اپنے عقیدے سے رجوع کرے گا اور اپنے فریق مخالف کو سچا مان لے گا۔[۱۴]

مولانا عبدالحق غزنوی نے اس دعوت مباہلہ کے جواب میں درج ذیل اشتہار چھپوایا

اطلاع عام برائے اہل اسلام؛از صوفی عبدالحق غزنوی مباہلہ مرزا

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' اس میں کچھ شک نہیں کہ میں مرزا کے مباہلہ کا مدت سے پیاسا ہوں اور تین برس سے پہلی درخواست ہے کہ اپنے کفریات پر جو تو نے اپنی کتابوں میں شائع کیے ہیں مجھ سے مباہلہ کر مگر چونکہ خاص کر دہ ان دنوں پادریوں کے مقابلے میں اسلام کی طرف سے لڑتا ہے تو اس موقع پر میں نے اور ہمارے اور مسلمان بھائیوں نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ مرزا سے اس موقع پر مباہلہ یا مباحثہ یا اور کسی قسم چھیڑ چھاڑ کی جائے تا کہ وہ پادریوں کے مقابلے میں کمزور نہ ہو جائے لہٰذا میں نے یہ خط مسطور الذیل بتاریخ 7 ذیقعد 1310ھ ارسال کیا کہ ہم کو آپ سے مباہلہ بادل و جان منظور ہے مگر تاریخ تبدیل کر دو وہ خط یہ ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم : مرزا غلام احمد قادیانی السلام علی من اتبع الھدیٰ چونکہ آپ آج کل اسلام کی طرف سے مخالفین اسلام کے ساتھ مقابلہ کر رہے ہیں اور اہل اسلام کی مدد میں ہو لہٰذا اس موقع پر کسی مسلمان کو آپ پر حملہ کرنا یا آپ کے ساتھ مقابلہ کرنا یا مباہلہ میں پیش آنا نہایت نامناسب اور بہت خلاف مصلحت معلوم ہوتا ہے اور اس امر کی عقل اور عرف اجازت نہیں دیتی کیوں کہ اس میں اسلام اور اہل اسلام کی ذلت اور بدنامی ہے لہٰذا یہ تاریخ مقررہ آپ کی بے موقع ہے اس تاریخ کا بدلنا ضروری ہے ہم کو مباہلہ کرنا آپ سے بادل و جان منظور ہے رسالہ موسومہ ''سچائی کا اظہار'' میں آپ لکھتے ہیں کہ عنقریب ایک جلسہ مباحثہ علماء لاہور سے 15 جون 1893 تک ہونے والا ہے اس لیے ضروری ہے کہ مباہلہ اس کے بعد ہو جبکہ آپ اسلام کے مقابلہ پر ہوں نیز آپ کا لیکچر اس موقع پر ہمیں بالکل منظور نہیں کیونکہ جب آپ اپنی صفائی ظاہر کریں گے تو ہم بھی آپ کی تردید کریں گے پھر تو مباحثہ ہوا نہ مباہلہ یہ بحثوں کے جھگڑے تو ختم ہونے والے نہیں مقام مباہلہ میں فقط فریقین یہی دعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ پر لعنت کرے فقط اس کا جواب بدست حاملان رقعہ ھذا بھیج دیں۔

راقم عبدالحق غزنوی بقلم خود 7 ذی قعد 1310ھ

اس خط کا جواب جو مرزا صاحب نے بھیجا بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی از طرف عبد اللہ الصمد، غلام احمد عافاہ اللہ وایدہ میاں عبدالحق غزنوی کو واضح ہو کہ اب حسب درخواست آپ کے جس میں آپ نے قطعی طور پر مجھ کو کافر اور دجال لکھا ہے مباہلہ کی تاریخ مقرر ہو چکی ہے اور میرے امرتسر میں آنے کی دو غرضیں تھیں ایک عیسائیوں سے مباحثہ اور دوسرا آپ سے مباہلہ میں بعد استخارہ مسنونہ انہیں دو غرضوں کے لیے مع اپنے قبائل کے آیا ہوں اور جماعت کثیر دوستوں کی جو میرے ساتھ کافر ٹھہرائی گئی ہے ساتھ لایا ہوں اور اشتہار شائع کر چکا ہوں اور متخلف پر لعنت بھیج چکا ہوں اب جس کا جی چاہے لعنت سے حصہ لے میں تو حسب وعدہ میدان مباہلہ یعنی عید گاہ میں حاضر ہو جاؤں گا ''خدا تعالیٰ کذاب اور کافر کو ہلاک کرے'' ولا تقف ما لیس لك به علم ان

السمع والبصر والفواد کل اولئك کان عنه مسئولا یہ بھی واضح رہے کہ میں 15 جون 1893 کے مباحثے میں نہیں جاؤں گا بلکہ میری طرف سے اخویم حضرت حکیم نورالدین صاحب یا حضرت سید محمد حسن صاحب بحث کے لیے جائیں گے ہاں یہ مجھے منظور ہے کہ مقام مباہلہ میں کوئی وعظ نہ کروں صرف یہ دعا ہو گی کہ میں مسلمان اور اللہ کے رسول کا متبع ہوں اگر میں اس قول میں جھوٹا ہوں تو اللہ تعالی میرے پر لعنت کرے اور آپ کی طرف سے یہ دعا ہو گی کہ یہ شخص در حقیقت کافر اور کذاب اور دجال اور مفتری ہے۔

مولانا ثناء اللہ امر تسری کے مناظرے

موضع مد ضلع امر تسر میں مناظرہ اکتوبر 1902ء

الہامات مرزا کی اشاعت سے قادیانی صفوں میں کھلبلی مچ گئی اور ان پر ایک ناگہانی آپڑی مولانا ثناء اللہ امر تسریؒ کے الفاظ میں۔

"تفصیل اس اجمال کی ہے ہے کہ موضع مد ضلع امر تسر میں مرزائیوں نے شور و شغب کیا تو ان لوگوں نے (یعنی باشندن موضع مدنے) لاہور ایک آدمی بھیجا کہ وہاں سے کسی عالم کو لائو کہ ان سے مباحثہ کریں اہلیان لاہور کے مشورے سے "قرعہ فال بنام من دیوانہ فردند" ایک تار آیا اور صبح ہوتے ہی جھٹ سے ایک آدمی آپہنچا کہ چلئے ورنہ گائوں کا گائوں بلکہ اطراف کے لوگ بھی سب گمراہ ہو جائیں گے خاکسار چارو ناچار موضع مد پہنچا مباحثہ ہوا۔[۱۵]

یہ مناظرہ 30-29 اکتوبر 1902 کو ہوا تھا اور بڑے پیمانے پر اور بڑی دھوم دھام سے ہوا تھا۔ مرزائیوں کے مناظر مولوی سرور شاہ صاحب تھے موضوع بحث یہ تھا۔ کہ "مرزا صاحب اپنے الہاموں و دعوئوں میں سچے ہیں یا جھوٹے"۔[۱۶]

مولانا امر تسری نے مرزا صاحب کے مقرر کیے ہوئے معیار اور اصولوں کے مطابق انہیں قطعی طور پر جھوٹا اور فریب کار ثابت کیا۔ مولوی سرور شاہ صاحب نے جان چھڑانے کی بہت کوشش کی مگر شکست کھا کر اپنے ساتھیوں سمت میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔[۱۷]

مرزا صاحب کے ان فرستادوں نے قادیان پہنچ کر جب یہ دستان مرزا صاحب کو سنائی تو انہوں نے حسرت اور جوش غضب میں بڑے دردناک اشعار کہے اور ساتھ ہی مولانا امر تسری کو بے تحاشا گالیاں دیں بطور نمونہ کے کچھ یہ ہیں۔

"تباہ کن، گمراہ کن، جھوٹا، بھیڑے کی طرح بھونکنے والا، متکبر، جہنم کا رہنما، احمق اجڈ ہذیان گو، جاہل، بھوت، ابن الھوی، بے روح جسم، ہانڈی کی طرح جوش مارنے والا، غدار الزمان، خاسر راغم الائف، فحش گو وغیرہ۔[۱۷]

اس مناظرے کے اثرات و نتائج مسلمانوں کے حق میں بہت ہی مفید اور خوشگوار رہے قادیانی مکروفریب اچھی طرح کھل گیا اور "موضع مد" کی اسی شکست فاش کو مرزا صاحب نے اپنی ذاتی شکست اور ہزیمت تسلیم کیا اور مولانا ثناء اللہ امر تسری کے ہاتھوں قادیانی مناظر کی شکست فاش مرزا صاحب کے لیے عبرتناک اور یادگار بن گئی اس شکست کا داغ دھونے کے لیے مرزا صاحب نے جو قصیدہ لکھا اس کا نام انہوں نے "قصیدہ اعجازیہ" رکھا اس میں مزید کچھ دعوے اور تجدیدات لکھ کر "اعجاز احمدی" کے نام سے اسے کتابی شکل میں شائع کر دیا پھر اس میں ایک اشتہار دیا کہ

”اگر مولوی ثناء اللہ امر تسری اتنی ہی ضخامت کا رسالہ اردو، عربی نظم جیسا میں نے بتایا ہے۔ پانچ روز میں بنادے تو میں دس ہزار روپیہ اسکو انعام دوں گا۔ ۱۹

اسی انعامی چیلنج کے جواب میں مولانا ثناء اللہ امر تسریؒ نے فرمایا:

”میں نے 21 نومبر 1902 کو ایک اشتہار دیا جس کا خلاصہ 29 نومبر 1902 کے ”پیسہ اخبار“ لاہور میں چھپا تھا۔ کہ آپ (مرزا صاحب) پہلے ایک مجلس میں قصیدہ اعجازیہ کو ان غلطیوں سے جو ہیں پیش کروں صاف کر دیں۔ تو پھر میں آپ سے زانو بہ زانو بیٹھ کر عربی نویسی کروں گا یہ کیا بات ہے کہ آپ گھر سے تمام زور لگا کر ایک مضمون اچھی خاصی مدت میں لکھیں اور مخاطب کو جیسے آپ کی مہلت کوئی علم نہیں محدود وقت کا پابند کریں اگر واقعی آپ خدا کی طرف سے ہیں اور جدھر آپ کا منہ ہے ادھر خدا کا منہ ہے (جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے) تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ میدان میں طبع آزمائی نہ کریں۔ ۲۰

مرزا اور ان کے پیروکاروں پر مولانا کا رعب اس طرح طاری ہوا کہ اس چیلنج کے جواب میں انہیں میدان میں آنے کی جرآت نہ ہوئی۔

مولانا نے اپنے اشتہار میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر آپ مجلس میں اغلاط نہ سنیں گے تو میں اپنے رسالہ میں ان کا ذکر کردوں گا چنانچہ مولانا مرحوم نے اپنے رسالہ ”الہامات مرزا“ کی اگلی اشاعتوں میں مرزا صاحب کے اس قصیدہ اعجازیہ کا تنقیدی جائزہ لیا اور ثابت کیا کہ کم از کم پچاس اشعار فصاحت و بلدعنت تو درکنار صحت کے درجے سے بھی گرے ہوئے ہیں اور قباحتوں کا مرقع ہیں رہا عربی زبان کا معاملہ تو اس لحاظ سے پورے کا پورا قصیدہ ہی لچر پوچ ہے۔

مرزا صاحب نے اعجاز احمدی میں مولانا امر تسری کو ایک اور چیلنج دیا جس کے الفاظ یہ ہیں۔

”اگر یہ مولوی ثناء اللہ سچے ہیں تو قادیان میں آکر پشین گوئی کو جھوٹی تو ثابت کریں اور ہر ایک پشین گوئی کے لیے ایک ایک سو روپیہ انعام دیا جائے اور آمد ورفت کا کرایہ علیحدہ۔ ۲۱

پھر مزید لکھتے ہیں۔

”مولوی ثناء اللہ نے (مباحثہ مد میں) کہا تھا کہ سب پشین گوئیاں جھوٹی نکلیں اس لئے ہم (مرزا صاحب) ان کو مدعو کرتے ہیں اور خدا کی قسم دیتے ہیں۔ کہ وہ اس تحقیق کے لیے قادیان آئین یا کہ رسالہ نزول مسیح میں ڈیڑھ سو پشین گوئی میں نے لکھی ہے۔ تو گویا جھوٹ ہونے کی حالت یں پندرہ ہزار روپیہ مولوی ثناء اللہ صاحب لے جائیں گے۔ اور دربدر کی گدائی سے نجات ملے گی بلکہ ہم اور پشین گوئیاں بھی مع ثبوت ان کے پشین کریں گے۔ اور اسی وعدہ کے موافق فی پشین گوئی سو روپیہ دے جاویں گے۔ اس وقت ایک لاکھ سے زیادہ میری جماعت ہے پس میں اگر مولوی صاحب کے لیے ایک ایک روپیہ بھی اگر اپنے مریدوں سے لوں گا تب بھی ایک لاکھ روپیہ بن جائے گا۔ وہ ان کی نذر ہوگا۔ جس حالت میں دو دو آنہ کے لیے دربدر خوار ہوتے پھرتے ہیں اور خدا کا قہر نازل ہے اور مردوں کے کفن اور وعظ کے پیسوں پر گزارہ ہے۔ ۲۲

ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی اور مرزاغلام احمد قادیانی

ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی اسسٹنٹ سرجن سول ہسپتال پٹیالہ مرزاصاحب کے خاص مریدوں میں سے تھے جو بعد میں مرزا صاحب کے باغی بن گئے اور بقیہ پوری زندگی مرزاصاحب سے تحریری تقریری مباحثات و مناظرات کرتے رہے چنانچہ آئے روز نوک جھوک نے ایک روز فیصلہ کن شکل اختیار کرلی اور پھر دونوں کے درمیان تحریری مباہلہ ہوا جس میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے اگست 1908 تک مرزاصاحب کی موت کی حد مقرر کردی کہ شخص جھوٹا ہے اور اس عرصہ کے اندراندر مرجائے گا اور یہی موت اس کا کاذب ہونے کی دلیل ہوگی مرزاصاحب نے بھی بالمقابل جوابی اشتہارات چھپوائے جس میں ڈاکٹر پٹیالوی کے اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے جوابی پشین گوئی کی کہ ڈاکٹر عبدالحکیم جھوٹا ہے اور یہ شخص میری زندگی میں ہلاک ہوگا نیز دعا مانگی ''اے میرے خدا صادق اور کاذب میں فرق کرکے دکھا تو جانتا ہے کہ صادق و مصلح کون ہے۔

مرزاصاحب لکھتے ہیں:

''ایسے ہی کئی اور دشمن مسلمانوں میں سے میرے مقابلے پر کھڑے ہوئے اور ان کا نام ونشان نہ رہا ہاں آخری دشمن ایک اور پیدا ہوا ہے اور وہ ڈاکٹر ہے اور ریاست پٹیالہ کا رہنے والا ہے جس کا دعوی ہے کہ میں ان کی زندگی میں 14 اگست 1908 تک ہلاک ہو جائوں گا اور یہ اسکی سچائی کے لیے ایک نشان ہوگا یہ شخص الہام کا دعوی کرتا ہے اور مجھے دجال، کافر اور کذاب قرار دیتا ہے پہلے اس نے بیعت کی اور برابر بیس سال تک میرے مریدوں اور میری جماعت میں داخل رہا ہے پھر ایک نصیحت کی وجہ سے جو میں محض للہ اس کو کی تھی ''مرتد'' ہوگیا نصیحت یہ تھی کہ اس نے یہ مذہب اختیار کیا تھا کہ بغیر قبول اسلام اور پیروی آنحضرت ﷺ کے نجات ہو سکتی ہے گو کوئی شخص آنحضرت ﷺ کے وجود کی بھی خبر رکھتا ہو چونکہ یہ دعوی باطل تھا۔ اور عقیدہ جمہور کے بھی خلاف اس لیے میں نے منع کیا اور باز نہ آیا۔ آخر میں نے اس کو اپنی جماعت سے خارج کردیا۔ تب اس نے پشین گوئی کی کہ ''میں اس کی زندگی میں ہی 14 اگست 1908 تک اس کے سامنے ہلاک ہو جائوں گا مگر خدا اس کو ہلاک کرے گا اور میں اس پر اس کے شر سے محفوظ رہوں گا سو یہ وہ مقدمہ ہے جس کا فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے بلاشبہ یہ بات سچی ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی نظر میں صادق ہے خدا اس کی مدد کرے گا۔ ۲۳

مرزاصاحب کا دوسرا اشتہار

اس امر سے اکثر لوگ واقف ہوں گے کہ ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب جو تخمینہ 20 برس تک میرے مریدوں میں داخل رہے چند دنوں سے برگشتہ ہو کر میرے سخت مخالف ہو گئے ہیں اور اپنے رسالہ ''المسیح الدجال'' میں میرا نام کذاب، مکار، شیطان، دجال، شریر اور حرام خور رکھا ہے مجھے خائن و شکم پرست، نفس پرست مفسد، مفتری اور خدا پر افترا کرنے والا قرار دیا ہے اور کوئی ایسا عیب نہیں ہے جو میرے ذمہ نہیں لگایا گیا غرض ہم نے اس کے ہاتھ سے بہت دکھ اٹھایا ہے جس کے بیان کی حاجت نہیں۔ میاں عبدالحکیم صاحب نے یہی یہ بس نہیں کیا بلکہ ہر ایک لیکچر کے ساتھ یہ پشین گوئی بھی صدہا آدمیوں میں شائع کی کہ مجھے خدا نے الہام کیا ہے۔ میں نے اس کی پشین گوئیوں پر صبر کیا۔ مگر آج 14 اگست 1908 ہے پھر اس کا ایک خط میرے دوست فاضل جلیل مولوی نور الدین صاحب کے نام آیا۔ اس میں میری نسبت کئی قسم کی عیب شماری اور گالیوں کے بعد لکھا ہے

کہ 12 جولائی 1906 کو خدا تعالیٰ نے اس شخص (مرزا صاحب) کے ہلاک ہونے کی خبر دی ہے کہ اس تاریخ سے تین برس تک ہلاک ہو جائے گا جب اس حد تک نوبت پہنچ گئی تو اب مرزا صاحب بھی اس بات میں کچھ مضائقہ نہیں دیکھتا کہ جو کچھ خدا نے اسکی (یعنی عبدالحکیم) نسب میرے پر ظاہر فرمایا ہے میں بھی شائع کردوں اور درحقیقت اس میں قوم کی بھلائی ہے کیوں اگر درحقیقت میں خدا تعالیٰ کے نزدیک کذاب ہوں اور پچیس برس سے دن رات خدا تعالیٰ پر افتراء کر رہا ہوں اور اس کی عظمت و جلالت سے بے خوف ہو کر اس پر جھوٹ باندھتا ہوں اور اس کی مخلوق کے ساتھ میرا یہ معاملہ ہے کہ میں لوگوں کا بد دیانتی اور حرام خوری کے طریق سے کھاتا ہوں اور خدا کی مخلوق کو اپنی بد کرداری اور تن پرستی کے جوش سے دکھ دیتا ہوں تو اس صورت میں تمام بد کرداروں سے بڑھ کر سزا کے لائق ہوں تاکہ لوگ میرے فتنے سے نجات پائیں اور اگر میں ایسا نہیں ہوں جیسا کہ عبدالحکیم صاحب نے سمجھا ہے تو میں امید رکھتا ہوں کہ خدا مجھے ذلت کی ایسی موت نہیں دے گا میرے آگے بھی لعنت ہو اور میرے پیچھے بھی میں خدا کی آنکھ سے مخفی نہیں ہوں مجھے کون جانتا ہے مگر وہی اس لیے میں اس وقت دونوں پشین گوئیوں یعنی میاں عبدالحکیم کی میری نسبت پشین گوئی اور اس کے مقابل پر جو کچھ خدا نے میرے پر ظاہر کیا ذیل میں لکھتا ہوں اور اس کا انصاف خدائے قادر پر چھوڑتا ہوں۔

الف: میاں عبدالحکیم صاحب اسسٹنٹ سرجن پٹیالہ کی پشین گوئی میری نسبت

''12 جولائی 1906 کو یہ الہام ہوا کہ مرزا کذاب و عیار ہے صادق کے سامنے شریر فنا ہو جائے گا اور اس کی معیاد تین سال تک بتائی گئی ہے۔ ۲۴؎

ب: اس کے مقابل پر وہ پشین گوئی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے میاں عبدالحکیم خان پٹیالوی کی نسبت مجھے (مرزا صاحب) معلوم ہوئی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

'' خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں اور وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں ان پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ فرشتوں کی کھچی ہوئی تلوار تیرے آگے ہے پر تو نے وقت کو نہ پہچانا نہ دیکھا نہ جانا۔ اب فرق ''بین الصادق والکاذب انت تری کل مصلح و صادق'' یعنی اے میرے خدا صادق و کاذب میں فرق کرکے دکھا تو جانتا ہے کہ ''صادق و مصلح کون ہے''

(مرزا غلام احمد قادیانی، اشتہار، بعنوان ''خدا سچے کا حامی ہو'' مورخہ 16 اگست 1906)۔ ۲۵؎

چنانچہ ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی نے حضرت مسیح موعود کے اس اشتہار کے جواب میں اپنی پہلی پشین گوئی کو منسوخ قرار دیتے ہوئے لکھا:

''اللہ نے مرزا کی شوخیوں اور نافرمانیوں کی سزا میں سہ سالہ معیاد میں جو 11 جولائی 1909 کو پوری ہوئی 15 مہینے اور 11 دن کم کر دیئے ہیں اور مجھے یکم جولائی 1907 کو الہاماً فرمایا کہ مرزا آج سے چودہ ماہ تک سزائے موت ہاویہ میں گرایا جائے گا۔

اس کے جواب میں مرزا صاحب 5 نومبر 1907 کو ایک اشتہار بعنوان تبصرہ شائع فرمایا جس میں خدا تعالیٰ کا یہ کلام درج تھا۔

''اپنے دشمن سے کہ دے کہ خدا تجھ سے مواخذہ کرے گااور تمہاری عمر کو بھی بڑھائے گا یعنی جو دشمن کہتا ہے کہ صرف جولائی 1907 سے 14 ماہ تک تیری عمر کے دن رہ گئے ہیں یا ایسا ہی دوسرے دشمن پیش گوئی کرتے ہیں ان سب کو میں جھوٹا کروں گا۔۲۶

نتیجہ : خدا کی قدرت کہ مرزا صاحب ڈاکٹر صاحب کی پیش گوئی کے عین مطابق 26 مئی 1908 کو وبائی ہیضہ سے انتقال فرما گئے ڈاکٹر صاحب کئی سال تک زندہ رہے

تاریخی مناظرہ اپریل 1912 انعامی مباحثہ لدھیانہ

مولانا ثناء اللہ امرتسر۔۔۔منشی قاسم علی قادیان

مولانا ثناء اللہ امرتسری کے مناظروں کے بارے میں گزشتہ اوراق کے اندر بہت کچھ ذکر ہو چکا ہے ان میں سے ایک اہم مناظرہ اپریل 1912 میں قادیانیوں کے ساتھ لدھیانہ میں ہوا مناظرہ میں زیر بحث موضوع مرزا صاحب کی وہ تحریر تھی جو انہوں نے مولانا ثناء اللہ سے تنگ آکر بذریعہ ''دعا'' ''آخری فیصلہ'' کے عنوان سے 15 اپریل 1907 کو شائع کی تھی جب خدا نے فیصلہ مولانا کے حق میں کر دیا تو قادیانی اس پر بہت پریشان ہوئے۔ انہیں یہ بات تسلیم نہ تھی کہ مرزا صاحب اپنی اس ''دعا'' ''آخری فیصلہ'' کے نتیجے میں فوت ہوئے ہیں اس قضیہ کو حل کرنے کے لیے قادیانیوں نے بذریعہ ''اشتہار چیلنج'' ایک اور مباحثے کا چیلنج دیا۔۲۷

جسے مولانا امرتسری نے اپنے اخبار ''پرچہ اہل حدیث'' یکم مارچ 1912 میں تسلیم کر لیا جس کے بعد مناظرے کی شرائط درج ذیل طے پائیں۔

ا۔ مناظرہ تحریری ہوگا۔

۲۔ ایک ثالث مسلمان دوسرا احمدی (قادیانی) اور تیسرا غیر مسلم ہوگا جسے دونوں فریق قبول کریں گے۔

۳۔ دونوں منصفوں کے درمیان اختلاف کی صورت میں غیر مسلم منصف جس منصف کا ساتھ دیں گے وہ ناطق ہوگا۔

۴۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری مدعی ہوں گے اور منشی قاسم علی قادیانی مدعی علیہ ہوں گے۔

۵۔ کل تحریریں پانچ ہونگی تین مدعی کی اور دو مدعی علیہ کی۔

۶۔ مدعی کے حق میں فیصلہ ہو تو مدعی علیہ مبلغ تین سو روپیہ بطور انعام تاوان مدعی کو دے گا۔ مدعا علیہ غالب ہو تو اسے مدعی کچھ نہیں دے گا (اس شرط سے واضح ہوتا ہے کہ قادیانی مناظر کو اپنی کامیابی کا کس قدر یقین تھا)

۷۔ مناظرہ منشی قاسم علی کی تجویز کے مطابق لدھیانہ شہر میں ہوگا۔

۸۔ تاریخ مناظرہ 15 اپریل 1907 کی تحریر تھی جس کے ایک سال بعد وہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

15 اپریل کو فریقین اگرچہ مناظرے کے لیے لدھیانہ پہنچ گئے لیکن اس روز صرف اتنا کام ہی ہوا کہ قادیانیوں نے 300 روپے کی رقم امین مناظرہ کے سپرد کی اور امانت کے اس عہدے کے لیے دونوں فریقوں نے مولانا محمد حسن صاحب مرحوم رئیس لدھیانہ پر اتفاق کیا۔ کیوں کہ شہر میں اس کام کے لیے ان سے بہتر اور کوئی شخص نہ تھا۔

مسلمانوں کی طرف سے مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی منصف مقرر ہوئے جبکہ قادیانیوں کی طرف سے منشی فرزند علی صاحب ہیڈ کلرک قلعہ میگزین فیروز پور کا انتخاب ہوا جہاں تک تیرے منصف کا معاملہ تھا کافی گفتگو اور بحث مباحثہ کے بعد مسلمانوں اور قادیانیوں نے متفقہ طور پر ''سردار بچن سنگھ'' صاحب بی اے پلیڈر گورنمنٹ لدھیانہ کو منتخب کیا۔ 17اپریل 1912 کو تین بجے دوپہر اس تاریخی مناظرے کاآغاز ہوا جو آخر تک بڑے امن واطمینان کے ساتھ جاری رہا۔ دوران مناظرہ کسی قسم کی بدمزگی نہ ہوئی۔ سینکڑوں افراد نے اس مناظرہ میں شرکت کی پہلا پرچہ مدعی مولانا ثناء اللہ امرتسری کا تھا جس کا عنوان یہ تھا۔

ا۔ 15اپریل 1907 والا اشتہار بحکم خداوندی مرزا صاحب نے دیا تھا۔

۲۔ خدا نے دعا مندرجہ اشتہار مذکورہ کی قبولیت کاالہام کر دیا تھا۔

صاحبان مرزا صاحب نے 15اپریل 1907 کو اشتہار دیا تھا۔ جس کی پیشانی پر لکھا

''مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ'' اس کے اندر یہ دعا کی

''اے میرے مالک بصیر و قدیر جو علیم و خبیر ہے جو میرے دل کے حالات سے واقف ہے اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا میرے نفس کی افتراء ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں اور دن رات افتراء کرنا میرا کام ہے تو اے میرے مالک میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ کی زندگی میں مجھے ہلاک کر''

''میں تیرے تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما اور جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اسکو صادق کی زندگی میں ہی اٹھالے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مولانا امرتسری مرزا صاحب سے مباہلہ کرنا چاہتے تھے اور مولنا نے اس سلسلے میں ایک اشتہار بھی بطور چیلنج دیا تھا۔ لیکن مرزا صاحب نے اس کی عدم قبولیت پر ایک عذر پیش کیا کہ فی الحال وہ (مرزا صاحب) کتاب ''حقیقۃ الوحی'' لکھنے میں مصروف ہیں۔ جب کتاب چھپ جائے گی تو پھر یہ کتاب آپ (مولانا امرتسری) کو بھیجی جائے گی تاکہ اس کو پڑھنے کے بعد آپ میری تکذیب پر قسم اٹھا سکیں جب کتاب چھپ گئی تو مولانا امرتسری نے مرزا صاحب کو کتاب ''حقیقۃ الوحی'' کے حصول کے لیے خط لکھا۔ جس میں یہ تحریر تھا ''حقیقۃ الوحی'' بھیجئے تاکہ میں اسے پڑھ کر آپ کی تکذیب پر قسم اٹھاؤں جسے آپ مباہلہ کہتے ہیں۔ اس کے جواب میں مرزا صاحب کی طرف سے ان کے سیکریٹری مفتی محمد صادق نے مولانا کو خط لکھا وہ یہ تھا۔

آپ کا کارڈ مرسلہ ۲جون 1907 حضرت مسیح موعود کی خدمت میں پہنچا۔ جس میں آپ نے 14اپریل1907 کے ''بدر'' کا حوالہ دے کر جس میں قسم کھانے والا مباہلہ بعد ''حقیقۃ الوحی'' کا ایک نسخہ مانگا ہے اس کے جواب میں آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ آپ کی طرف ''حقیقۃ الوحی'' بھیجنے کا ارادہ اس وقت ظاہر کیا گیا تھا جبکہ آپ کو مباہلہ کے واسطے لکھا گیا تھا اب مشئیت ایزدی نے آپ کو دوسری راہ سے پکڑا اور حضرت حجۃ اللہ کے قلب میں آپ کے واسطے ایک دعا کی تحریک پید کرکے فیصلہ کا ایک اور طریق

اختیار کیا۔ اس واسطے مباہلہ (سابقہ) کے ساتھ جو شرائط تھیں وہ سب کے سب بوجہ اقرار پانے مباہلہ کے منسوخ ہوئے لہٰذا آپ کی طرف کتاب بھیجنے کی ضرورت نہیں رہی۔ ۲۸

مذکورہ تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے مباہلہ کا راستہ چھوڑ کر "دعا" کا راستہ اختیار کیا اور اس طریق سے صادق اور کاذب کے درمیان فرق ظاہر کرنے کے لیے خدا سے فریاد کی اور اس کا نام "آخری فیصلہ" رکھا۔ آخر میں یہ لکھا "اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے"

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اپنے دعوے کے حق میں بھرپور تحریری دلائل دیئے جواب میں قادیانی مناظر نے بھی ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی نے اپنا فیصلہ حلفاً مولنا ثناء اللہ امرتسری کے حق میں لکھا جبکہ منشی فرزند علی صاحب نے اپنا فیصلہ بغیر حلف کے منشی قاسم علی قادیانی کے حق میں لکھا۔

دونوں فریقوں کے منصفوں نے جب اپنا اپنا فیصلہ منصف سردار بچن سنگھ ایڈوکیٹ کے سامنے پیش کیا تو اس نے بعد اس مناظرے کا آخری مرحلہ یعنی منصف اعلی کا فیصلہ تھا۔ چنانچہ سردار صاحب موصوف نے جنہیں دونوں مذاہب کے نمائندوں کا مکمل اعتماد حاصل تھا۔ 21 اپریل 1912 کو یہ فیصلہ دیا فیصلہ چونکہ بہت طویل ہے اس فیصلہ کے ضروری اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

منصف اعلیٰ سردار بچن سنگھ کا فیصلہ 21 اپریل

میری ناقص رائے میں بحکم خداوندی ہونے کا ایک یہ بھی معیار ہے کہ کسی فعل کا نتیجہ کیا ہوا ہے اگر نتیجہ الفاظ استدعا کے مطابق ہوا ہے تو اس سے یہ قیاس پیدا ہوتا ہے کہ یہ استدعا خداوند تعالیٰ کے حکم سے ہی تھی لیکن نتیجہ استدعا کے برخلاف ہوتا ہے تو قیاس یہ پیدا ہوتا ہے کہ فلاں استدعا خلاف حکم ایزدی تھی پس جب اس معیار سے بھی دعا مندرجہ اشتہار کو دیکھا جاوے تو چونکہ نتیجہ بالفاظ سائل پیدا ہوا اس واسطے قیاس یہ ہے کہ یہ اشتہار بحکم ایزدی دیا گیا اگر ان قیاسات کو چھوڑ کر واقعات متعلقہ اشتہار متنازعہ کو دیکھا جائے تو میری رائے ناقص میں یہی نتیجہ نکلتا ہے حضرت مرزا صاحب نے اس اشتہار کے ذریعے کسی معمولی مسئلہ دینی کے فیصلے کے لیے استدعا نہیں کی بلکہ اپنے مشن کی تصدیق یا تکذیب کرنے کی استدعا کی اشتہار کے متعلق ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کو اس اشتہار کے دینے اور اپنے مشن کی تصدیق کرانے کی کیوں ضرورت محسوس ہوئی خود اشتہار کے مفصلہ ذیل فقرات سے صاف ظاہر ہے کہ مرزا صاحب بہ ایام اشتہار ستائے ہوئے تھے حد درجہ دکھی کئے گئے تھے۔

پس میں اس نتیجے پر پہنچنے پر مجبور ہوں کہ تحریر "بدر" 13 جون 1907 منجانب مرزا صاحب تھی اور متعلق اشتہار متنازعہ تھی اور اس سے صاف ثابت ہے کہ اشتہار مذکور "بحکم خداوندی" تھا ایک اور سوال جس پر زیادہ زور دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ خود اشتہار متنازعہ میں "بحکم خداوندی" کی نفی کی گئی ہے اس بارے میں اتنا ہی عرض کر دینا کافی ہے کہ یہ نفی محض اس لیے عمل میں آئی کہ مرزا صاحب نے بعدالت ڈپٹی کمشنر صاحب گورداسپور میں اقرار کیا تھا۔ کہ میں آئندہ خاص قسم کی پیشین گوئیاں جن میں ہلاکت کا سوال آوے نہیں کروں گا۔ اس واسطے بپابندی احکام قانون دنیاوی نفی مذکور کی گئی ہے میر قاسم علی صاحب نے

آج ربانی عذر کیا کہ وہ اقرار نامہ کے صاف اور صریح الفاظ سے پایا جاتا ہے پس آخر نتیجہ یہ ہے کہ حسب دعوی مرزا صاحب 15اپریل 1907والا اشتہار ''بحکم خداوندی'' مرزا صاحب نے دیا تھا۔

''میں صاف اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب کے اس جہاں فانی سے بحیات مولوی ثناء اللہ صاحب رحلت فرمانے سے مرزا صاحب کی دعا مندرجہ اشتہار خداوند تعالیٰ نے قبول فرمائی اور اس کی قبولیت کا اظہار خود مرزا صاحب نے اپنی زبان مبارک سے کیا۔ملاحظہ ہو تحریر ''بدر'' 25اپریل 1907بکالم ڈائری جو اس رائے کا جزو تصور ہوگا۔۲۹؎

خلاصہ کلام سردار صاحب نے مباحث کے تمام پہلوئوں کا نہایت باریک بینی سے مفصل جائزہ لیتے ہوئے صاف اور صریح الفاظ میں مولنا ثناء اللہ امر تسری کو قائم قرار دیا۔

اس مناظرے کا جو خوشگوار رد عمل ہوا وہ مولانا امر تسری کے حسب ذیل بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔

''21اپریل کے مغرب کے وقت سردار صاحب موصوف نے فیصلہ دیا فوراً ہی تمام شہر میں یوں خبر مشہور ہوئی جیسے عید کے چاند کی مسلمان ایک دوسرے کو مبارک خیر مبارک کے نعرے سنتے سناتے چھوٹے چھوٹے بچے گاڑیوں پہ بیٹھ کر خوشی کے نعرے لگاتے یہاں تک کہ دس بجے شب کے حضرت مولانا محمد حسین خان صاحب کے مکان کے وسیع احاطہ میں جلسہ ہوا جس میں فیصلہ کے اظہاراور سرپنچ کے حق میں شکریہ اور دعا کا ریزولیشن بڑی خوشی سے حاضرین نے پاس کیا۔ اس کے بعد مبلغ 300روپے کا انعام امین صاحب سے وصول کرکے صبح کو ڈاک پر امر تسر روانہ ہوئے اسٹیشن پر احباب کا مجمع تھا جنھوں نے نہایت مسرت کا اظہار کیا ایک جلوس کی معیت میں اپنے مکان پر پہنچے شب کو احباب کی دعوت اور جلسہ ہوا جس میں مختصر کیفیت جلسہ کے بعد فیصلہ سنایا گیا اور سرپنچ صاحب کے تدبر انصاف اور محنت و دیانت کا ذکر کرتے ہوئے ان کے حق میں شکریہ اور دعا کا ریزولیشن پاس کیا گیا''۔۳۰؎

اسی مناظرہ کی یادگار کے طور پر مولانا نے ''فاتح قادیان'' نامی رسالہ تحریر فرمایا تھا جس میں فریقین کے پورے مباحث اور تینوں منصفوں کے فیصلہ کے مکمل متن درج کرنے کے ساتھ ساتھ اس مناظرے کے پس منظر اور پیش منظر کی پوری تفصیل بھی قلمبند فرمائی اسے انعامی رقم سے چھپوا کر مفت تقسیم کیا یہ رسالہ بار بار چھپا اور ہاتھوں ہاتھوں نکل گیا۔اور یہ مناظرہ ''انعامی مباحثہ'' کے نام سے مشہور ہوا اس فیصلہ نے اہل قادیان کی کمر توڑ کر دکھ دی اور مرزا صاحب کی وفات کو عبرتناک بنادیا۔

تاریخی مناظرہ رام پور جون1909

یہ بڑا تاریخی مناظرہ ہے۔اب قادیانیوں کے دام تزویر کا نشانہ وہ لوگ تھے جو نوابوں اور حکمرانوں کے دربار سے تعلق رکھتے تھے قادیانی حضرات خفیہ طریقے سے ایسے لوگوں پر ڈورے ڈالتے تھے اور انہیں اپنے زیر اثر لاکر قادیانی حکومت کی داغ بیل ڈالنے کے خواب دیکھ رہے تھے اس سلسلے میں انہوں نے نواب رام پور کے ملازمین خاص میں سے ایک شخص منشی ذوالفقار علی کو قادیانیت کے دام میں پھنسا لیا اس شخص قادیانی مذہب اختیار کرکے کافی شر انگیزی پیدا کی نواب صاحب رام پور نے اپنے خرچ پر ایک عظیم الشان مناظرہ کا اہتمام کیا۔ اس میں ہندوستان کے ہر طبقہ خیال کے بڑے بڑے علماء مدعو کئے گئے شیعوں کے مجتھد دین۔اہل سنت کے پیران طریقت حکمائے امت اور مشائخ ملت کی ایک عظیم تعداد اس بے نظیر اجتماع میں شریک ہوئی

اہل اسلام کی طرف سے مناظرے کے لیے فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امر تسری کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ قادیانیوں کی طرف سے حکیم نور الدین خلیفہ قادیان کے دست راست مولوی محمد حسن امروہی مناظر منتخب ہوئے 16-15اور 19جون 1909ء کو مناظرہ ہوا پہلے دن مولوی محمد احسن امروہی صاحب مقابلہ کرتے رہے لیکن دوبارہ انہوں نے آنے کی جرأت نہیں کی بقیہ دنوں میں مولوی قاسم علی قادیانی نے ان کی نیابت کی 17 اور 19 جون کو مناظرہ نواب صاحب کی ناسازی طبع کی وجہ سے نہ ہو سکا 19جون کو نواب صاحب نے نئے نئے موضوع ''صدق کو کذب مرزا'' پر مباحثہ کرانا چاہا لیکن قادیانی گروہ کسی طرح بھی تیار نہ ہوا20جون کو قادیانی حضرات نواب صاحب کی اجازت کے بغیر میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

اس مناظرہ میں مولانا امر تسری کا جو عالمانہ کمال ظاہر ہوا اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاتا ہے کہ نواب صاحب مسلکاً''شعیہ'' تھے لیکن مولانا امر تسریؒ جیسے وہابی الخیال عالم کے زور بیان، انداز استدلال سے متاثر ہو کر عش عش کرا ٹھے ان کی محویت اور مسحوریت کا یہ عالم تھا کہ رہ رہ کر بھڑک اٹھتے تھے اور اٹھ اٹھ کر بیٹھ ٹھونکتے اور شاباش دیتے 22جون کو ہندوستان کے کبار علماء نے مناظرہ کا فیصلہ لکھا اور اس میں مولانا ثناء اللہ کو متفقہ طور پر فاتح قرار دیا۔

نواب صاحب رام پور نے مولانا کی فتحیابی کا ایک سرٹیفکیٹ عطا فرمایا جن کے الفاظ یہ ہیں۔

''رام پور میں قادیانی صاحبوں سے مناظرہ کے وقت مولوی ابو الوفاء ثناء اللہ صاحب کی گفتگو ہم نے سنی۔ مولوی صاحب نہایت فصیح البیان اور بڑی خوبی یہ ہے کہ برجستہ کلام کرتے ہیں انہوں نے اپنی تقریر میں جس امر کی تمہید کی اسے بدلائل ثابت کیا ان کے بیان سے محظوظ اور مسرور ہوئے دستخط خاص نواب بہادر محمد حامد علی خان۔ ۱۳۱

مناظرہ امر تسر اپریل1916

اس مناظرہ کی بنا اس طرح پڑی کہ جناب مرزا بشیر الدین محمود صاحب کی خلافت کا عہد سنبھالنے کے فوراً بعد ایک ولولے اور ایک نئے جوش و خروش کے ساتھ مسلمانوں کو قادیانی بنانے کی مہم تیز کر دی۔ اس سلسے میں ایک قادیانی مبلغ و مناظر مولوی غلام رسول راجیکی بہت متحرک اور فعال نظر آنے لگے اس کے رد عمل میں مسلمانوں نے ''انجمن حفظ المسلمین'' قائم کی جس کے زیر اہتمام مولانا امر تسری اور مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی کی متعدد تقریریں ہوئی اس دوران فریقین کی طرف سے خاصی اشتہار بازی ہوئی۔ جس کے نتیجہ میں فریقین کے درمیان 30-29اپریل 1916 کو ایک محدود اجتماع میں ایک تحریری مناظرہ ہوا۔

مباحثہ کے بعد صرف یہی نہیں کہ قادیانیوں کا جوش و خروش سرد پڑ گیا۔ بلکہ بعض ایسے سلیم الفطرت حضرات جو محض غلط فہمی کی بنیاد پر قادیانیت کا شکار ہو گئے تھے اس مناظرہ کے اثرات سے دوبائو دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

''اس مباحثہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کو مولوی غلام رسول راجیکی پر فتح ہوئی مرزائی ہار گئے جلسہ میں مسلمانوں کے علاوہ دیگر مذاہب کے لوگ بھی موجود تھے سب نے بالاتفاق مرزائیوں کے خلاف فیصلہ دے دیا (اہل حدیث 12 مئی 1916ء امر تسر)

اس مناظرہ کی روئیداد انجمن حفظ المسلمین کے زیر اہتمام "فتح ربانی در مبحثہ قادیانی" کے نام سے رسالہ کی شکل میں شائع ہوئی اس رسالہ میں فریقین کی مکمل تحریریں اور ان پر مبسوط ریویو، مناظرہ کا پس منظر اور اس کے نتائج واثرات درج ہیں۔

مباحثہ سرگودھا دسمبر 1916

سرگودھا پنجاب (پاکستان) کا ایک بڑا معروف شہر ہے اسے مولانا ثناء اللہ امرتسری کی آخری آرام گاہ ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔ یہاں امرتسر کے مناظرہ کے چند ہی ماہ بعد مناظرہ کی صورت پیدا ہو گئی اس کا سبب یہ ہوا کہ اس شہر میں بہت سے قادیانی حضرات مختلف سرکاری عہدوں سے وابستہ ہو کر جمع ہو گئے تھے ان کے بعد ایک مسلمان اپنی کلکٹر منیر شیخ محمد شریف صاحب امرتسری تبدیل ہو کر وہاں پہنچے تو قادیانیوں نے ان سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی انہوں نے ان سے مباحثہ کا خیال ظاہر کیا۔ چنانچہ 4,3 دسمبر 1916 کو دونوں فریقین کے درمیان مباحثہ منعقد ہوا جس میں مولانا ثناء اللہ امرتسری نے قادیانیوں کو عبرتناک شکست دی۔ مناظرہ تحریری ہوا۔ مولانا نے قادیانی تحریر کا دندان شکن جواب دے کر ان پر ایسی حجت قائم کی کہ جس سے قادیانی حضرات عاجز ودرماندہ رہ کر خاموش ہو رہی۔" فاتح قادیان کی ہوشیار پور لدھیانہ اور جالندھر میں آمد۔ ۳۲

مناظرے اور مباحثے۔ فروری، اپریل 1918ء

لاہور کے محاذ سے فرصت پاتے ہی ہوشیار پور میں معرکہ کارزار گرم ہو گئے یہاں انجمن اہل حدیث کے زیر اہتمام 3-2 فروری 1918ء کو بڑا زوردار مناظرہ ہوا اور قادیانیوں کو ایسی عبرتناک شکست ہوئی کہ ایک عرصہ تک ان کا سکون غارت ہو کر رہ گیا۔ چنانچہ اوائل مئی میں جب مولانا امرتسری ال انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے سلسلے میں مدراس تشریف لے گئے ہوئے تھے تو قادیانیوں نے خفت مٹانے کے لیے ٹھیک انہیں تاریخوں میں جلسہ رکھ دیا لیکن مولانا کی غیر موجودگی میں خود ہوشیار پور کے لوگوں نے قادیانی حضرات سے اس طرح نمٹ لیا کہ ان کی سیاہی کا رنگ اور پختہ ہو گیا۔ ۳۳

لاہور اور ہوشیار پور کے بعد اضلاح لدھیانہ اور جالندھر کی باری آئی 1918 کے موسم بہار ان دونوں ضلعوں کے دیہی آبادی کے اندر قادیانی مبلغین نے اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں مسلمانوں نے مولانا امرتسری کو طلب کیا۔ آپ 19 اپریل 1918 کو ان علاقوں کی گردش کے لئے امرتسر سے روانہ ہوئے اور قادیانیوں کی شورش فرو کی۔ بہاول پور کے ایک مراسلہ نگار کا بیان ہے جس میں اس نے لکھا ہے "میں 21 اور 22 اپریل 1918 کو مولانا امرتسری کی تقریریں سن کر قادیانیت سے تائب ہو گیا۔ ۳۴

اسی طرح مولانا امرتسری کے ایک مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے 23 اپریل 1918 کو مقام کرتارپور ضلع جالندھر میں قادیانیوں سے ایک کامیاب مناظرہ کیا تھا۔ ۳۵

پے در پے بحث وتردید قادیانیت (اگست 1918 تا ستمبر 1919)

شملہ کے ضلع لائل پور کے ایک دیہی مقام "بار" میں مناظرہ کی نوبت آئی۔ یہ مباحثہ 14 اگست 1918 کو شروع ہوا۔ نامہ نگار کے حسب بیان "نتیجہ یہ ہوا کہ دیہات کا بچہ بچہ مولانا امرتسری کو دعائیں دیتا تھا اور مرزائیوں کی شکست کا اعلان کرتا تھا ۳۶۔

22 دسمبر 1918 انجمن اہل حدیث اشاعت اسلام لاہور کا صبح اور دوپہر دو وقت جلسہ ہوا مولانا نے قادیانیوں کے رد میں تقریریں کیں اور انہیں دعوت مناظرہ دی مگر انہیں ہمت نہ ہوئی۔ ۳۷

4-5 جنوری 1919 کو گنج پور کانپور میں جلسہ کیا آخری نشست میں مولانا "اسلام اور قادیانیت" کے عنوان سے تقریر کی۔ پھر قادیانیوں کو مباحثہ کا چیلنج دیا مقابلے آئے لیکن مختلف بہانے بنا کر فرار ہو گئے۔ ۳۸

یکم اور دو مارچ 1919ء کو گوجرانوالہ میں بڑے پیمانے پر جلسہ ہوا۔ پہلے دن مولانا امرتسری مولانا سیالکوٹی کے بعد مولانا ثناء اللہ امرتسری کا نام آیا تو قادیانیوں نے راہ فرار اختیار کی آخر آپ نے ایک جامع تقریر کرکے جلسہ کو ختم کر دیا۔ ۳۹

پھر 11,12,13 اپریل 1919ء کو کانپور میں پریڈ گراؤنڈ کے اندر ایک عظیم الشان ال انڈیا اہل حدیث کانفرنس کا کل ہند آٹھواں اجلاس ہوا۔ 11 اپریل کو مولانا امرتسری نے اسلام اور قادیانیت کے عنوان پر تقریر کے بعد قادیانیوں سے مناظرہ ہوا۔ جس کے نتیجے میں قادیانیوں کی رہی سہی کسر بھی پوری ہو گئی۔ ۴۰

قادیان میں علماء دیوبند اور اہل حدیث کا مشترکہ دوسرا اسلامی جلسہ مارچ 1921

مرزا بشیر الدین محمود نے خلافت کا عہدہ سنبھالتے ہی قادیان کے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ جس کے رد عمل میں قادیان کے مسلمانوں کی دینی ملی اور ایمانی غیرت بیدار ہو گئی۔ انہوں نے ایک اسلامی انجمن قائم کی جس کے قیام کے محرک مولانا ثناء اللہ امرتسری تھے اس انجمن کے زیر اہتمام 25-24 نومبر 1917 کو قادیان پہلی بار اسلامی جلسہ منعقد ہوا۔ "قادیان کے جلسے میں اتنے علماء تھے کہ انجمن حمایت اسلام لاہور میں شاید نہ ہوتے ہوں تقریروں کی یہ بھرمار تھی کہ اوقات منٹوں میں بٹتے گئے۔ ۴۱

چنانچہ جب اگلے سال 1918ء میں دوبارہ اس سالانہ جلسے کی تیاری ہوئی تو قادیانی حضرات نے اپنے اثر و رسوخ مسلسل تگ و دو کے ذریعے حکومت کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ مسلمانوں کو جلسہ کرنے سے روک دیا پھر 1919، 1920 میں بھی یہی کیفیت برقرار رہی۔ اس وقت جنگ عظیم اول کے خاتمے کے بعد ہی ہندوستان میں جو شعلہ بار واقعات پیش آرہے تھے اور یہاں کے سیاسی سٹیج سے جو ہنگامہ عدم تعاون برپا تھا۔ اس نے اس طرح پابندیوں کے لئے یوں بھی راہ ہموار کر دی تھی لیکن بعض سخت گیر انگریز افسران کے تبادلہ کے بعد 1921ء میں قادیانیوں کی جدوجہد کے باوجود قادیان کے مسلمانوں کو جلسہ کرنے کی اجازت مل گئی۔

19,20 مارچ 1921ء کو بڑے ہی تزک و احتشام کے ساتھ جلسہ ہوا۔ اکابرین علماء دیوبند و علماء حدیث کا یہ مشترکہ اجتماع تھا بڑی تعداد میں علماء کرام جمع تھے مولانا امرتسری کے بیان کے مطابق" 19 مارچ کو گیارہ بجے دوپہر کو قافلہ قادیان میں پہنچا۔ قادیان اور ارد گرد کے مسلمان وہاں جمع تھے خلیفہ قادیان نے اپنی جماعت کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ قلعہ بند ہو جاؤ۔

مکانات۔ مساجد باغات اور بہشتی مقبرہ حفاظت میں لے لئے گئے تھے یہاں تک کہ مرزا صاحب کو بھی ایک گنبد کے ساتھ ڈھانپا گیا تھااور لاٹھیوں اور ہاکیوں سے مسلح مریدین پہرے پر کھڑے تھے نیز حکم تھا کہ جلسہ مسلمانان میں کوئی احمدی نہ جائے سوائے سامعوں (محررین رپورٹ) کے۔ ۴۲

''صدر جلسہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نائب مہتمم مدرسہ دیوبند مقرر ہوئے۔ سب سے پہلے میری تقریر تھی جس کا عنوان تھا''مرزااور ہم'' مولوی ابراھیم سیالکوٹی صاحب نے مسئلہ حیات مسیح پر متعدد تقریریں کیں۔ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب نے بھی مرزائی الہامات پر تقریر کی۔ بابو پیر بخش صاحب لاہور نے حیات مسیح کے متعلق ایک مطبوعہ تحریر پڑھی۔

(اہل حدیث۔ امرتسر یکم اپریل 1921ء)۔

اس جلسہ میں لدھیانہ کے شکست خوردہ مناظر قاسم علی قادیانی نے ایک بار پھر مولانا امرتسری کو مناظرہ کا چیلنج کیا اور ایک سو روپیہ انعام بھی رکھا مولانا امرتسری نے مناظر قاسم کی تمام شرائط مناظرہ تسلیم کر لیں لیکن اپنی طرف سے بھی ایک شرط پیش کی اور وہ یہ کہ ''اپنے خلیفہ قادیان سے اپنی نیابت کی سند لے آؤ'' ورنہ خاموشی کہ ایں شور و فغاں چیزے نیست''۔ ۴۳

بہرحال منشی قاسم علی اور ان کے رفقاء کو سامنے آنے کی جرات نہ ہوئی اور وہ مناظرے سے فرار اختیار کر گئے۔

مالیر کوٹلہ میں دو مناظرے مارچ و اپریل 1921ء

مالیر کوٹلہ مشرق پنجاب (ہند) کے ضلع سنگرور کا ایک معروف مقام ہے۔ تقسیم ہند سے پہلے اسے ایک ریاست کی حیثیت حاصل تھی اور اس پر ایک مسلم خاندان حکمران تھا۔ خاندان ریاست کے ایک فرد میاں محمد علی خان تھے جو مرزا صاحب قادیانی کے ساتھ پیچ و پیچ رشتوں میں گتھے ہوئے تھے یہ حضرات اتنے پر جوش قادیانی تھے کہ مالیر کوٹلہ چھوڑ کر قادیان میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی انہوں نے خاندان کی بیگمات میں سے سب سے اہم شخصیت کو جو ''بو'' صاحبہ کے لقب سے مشہور تھیں والئی ریاست کی چچی اور خالہ تھیں اور شیعہ مذہب رکھتی تھیں اس بات پر آمادہ کرنا چاہا کہ وہ خاندان کی دیگر بیگمات کو قادیانیت سے مستفیض کریں بو صاحبہ نے جوب دیا کہ میں علماء کو بلا کر مباحثہ کرانے کے بعد صحیح رائے قائم کر سکوں گی۔

ان کی اس تجویز پر 29 مارچ 1921ء کو ان کی پس پردہ موجودگی میں مناظرہ ہوا مولانا امرتسری مناظر مسلمانوں کی طرف سے تھے۔ بو صاحبہ کے ساتھ دیگر مستورات بھی تھیں اندر سے سوال آیا حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کا کیا ثبوت ہے اس پر دو پہر تک بحث ہوتی رہی۔

خاتمہ گفتگو کے بعد میاں محمد علی خان کے منہ سے نکل گیا کہ ہم پبلک مباحثہ کرنے پر تیار ہیں ادھر سے ان کے بھتیجے احسان علی خان (شیعہ) نے کہا پبلک مباحثہ کا ذمہ دار میں ہوں 15,14,13 اپریل 1921 کو تاریخیں مقرر ہوئیں۔ لیکن مباحثہ 17 اپریل کو تین روز تک مسلسل ہوتا رہا موضوع بحث یہ تھے۔

۱۔ حیات مسیح ۲۔ معیار صداقت مامورین ۳۔ پیشین گوئیوں پر اصولی بحث

۴۔ صداقت مرزا ۵۔ مولانا ثناء اللہ صاحب کے ساتھ مرزا صاحب کا آخری فیصلہ

اس میں طے یہ ہوا کہ طرفین کی تحریریں شائع کرکے فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیا جائے۔(اہل حدیث امر تسر 29-22اپریل 1921)

معلوم نہیں ہے کہ یہ تحریریں شائع ہوئیں یا نہیں؟ لیکن مناظرہ سننے والوں کا متفقہ بیان جو چالیس حضرات کے دستخط سے شائع ہوا ہے اس میں اس مناظرہ کا نتیجہ یوں بیان کیا گیا ہے۔ ''ہم خدا لگتی کہتے ہیں کہ مرزائیوں کو سخت شکست ہوئی''۔ ۴۴؎
مالیر کوٹلہ کے مفتی صاحب کا بیان ہے

''تمام پبلک اہل اسلام بلکہ ہنود نے بھی جو بکثرت اس مباحثہ میں شریک رہے یہ رائے قائم کی ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب غالب رہے اور جماعت قادیانی مغلوب رہی۔۔۔۔ اور جو مقصود اس مباحثہ میں تھا کہ عوام الناس قادیانیوں کے دھوکہ میں نہ آویں وہ حاصل ہو گیا۔ ۴۵؎

ریاست کپور تھلہ میں مناظرہ ستمبر 1921

وسط ستمبر 1921 غالباً 18-17 اپریل 1921ء کو ریاست کپور تھلہ میں قادیانی مسلم مناظرہ ہوا کپور تھلہ ایک غیر مسلم ریاست تھی جسے اب ضلع کی حیثیت حاصل ہے یہ امر تسر کے مشرق میں واقع ہے۔ یہاں کے وزیر اعظم ایک مسلمان میاں عبدالحمید صاحب تھے مناظرہ انہیں کے زیر انتظام انہیں کی رہائش گاہ پر ہوا۔ موصوف خود سوال کرتے اور جواب طلب فرماتے مولانا ثناء اللہ امر تسری قادیانیوں کے بالمقابل تھے مباحثہ میں مولانا امر تسری کو فتح حاصل ہوئی مذبذبین اور غیر جانبداروں کو بہت فائدہ ہوا۔ ۴۶؎

موضع دہلی ضلع لاہور میں ایک مناظرہ۔۔9نومبر 1923

9نومبر 1923 کو دہلی ضلع لاہور میں ایک فیصلہ کن مناظرہ کی نوبت آئی۔ مولانا امر تسری نے سید عبدالرحیم شاہ لکھنوی کو اپنا نائب بنا کر بھیج دیا۔ شاہ صاحب نے نیابت کا حق ادا کر دیا۔ چنانچہ ''صدر مناظرہ'' سردار نرائن سنگھ نے دوٹوک الفاظ میں یہ فیصلہ لکھا کہ ''ہماری رائے ہیں اہل حدیثوں کو اس مناظرہ میں کامل فتح ہوئی اور مرزائیوں کو بری طرح شکست ہوئی۔ ۴۷؎

گوجرانوالہ میں مناظرہ فروری 1926

مولانا امر تسری ابھی امر تسر میں سکون سے بیٹھے ہی نہ تھے کہ گوجرانوالہ کے لیے رخت سفر باندھا وہاں 28-27 فروری 1926 کو انجمن اہل حدیث کا سالانہ جلسہ تھا پہلے دن عیسائیوں سے دوسرے دن قادیانیوں سے زبردست پیمانے پر مناظرہ ہوا حاضرین آٹھ، دس ہزار سے کم نہ تھے مولانا عبدالمجید خادم لکھتے ہیں۔

دوسرے دن 28 فروری 1926 کو مولانا نے ختم نبوت پر تقریر فرمائی جس پر مرزائیوں کو مناظرے کے لیے وقت دیا گیا مرزائیوں کی طرف سے مولوی غلام احمد قادیانی پیش ہوئے مگر وہ تو مولانا کے استدلال کے استدلال چھوڑ کر آپ کے انداز بیان اور طرز تکلم سے ایسے حواس باختہ ہوئے کہ کوئی معقول بات ہی نہ کر سکے جس کا نتیجہ یہ ہو کہ چھ مرزائی بھرے جلسے میں

مرزائیت سے تائب ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے اس مناظرہ کا اثر نہ صرف اس شہر پر بلکہ قرب وجوار کے لوگوں پر بھی بہت ہی اچھا رہا۔ ۴۸ے

مناظرہ پٹھان کوٹ نومبر 1928ء

یہ مناظرہ بڑا ہی اہم اور فیصلہ کن تھا۔ اس کا سلسلہ میں دو دن تک قائم رہا۔ مسلمانوں کی طرف کئی بڑے بڑے عالم پیش ہوئے جو مختلف مجلسوں میں باری باری مناظرہ کرتے آخر کار مولانا ثناء اللہ امر تسری کی باری آئی مناظرہ 25-24 نومبر 1928 کو ہوا۔

''دوسرے روز کے پہلے اجلاس میں مسلمانوں کی طرف سے فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امر تسری اور مرزائیوں کی طرف سے مولوی اللہ دتہ جالندھری پیش ہوئے۔ فاتح قادیان نے مسیح موعود سے متعلق احادیث سے ثابت کیا کہ آپ فج الروحاء سے احرام باندھ کر تلبیہ و تحلیل کرتے ہوئے حج بیت اللہ فرمائیں گے نیز آپ بعد وفات مقبرہ رسول پاک ﷺ میں جہاں آپ ہر دو صاحب حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ مدفون ہیں دفن ہوں گئے اور پھر قیامت میں رسول کریم ﷺ اور اصحاب کرام کے ہمراہ مقبرہ مبارک سے اکھٹے نکلیں گے۔

غرض مناظرہ کا خاتم اہل اسلام کی شاندار فتح اور مرزائیوں کی شرمناک شکست پر ہو، ہر دو روز ہجوم خلق بے شمار اور دور دور سے لوگ مناظرہ سننے کے لئے آئے تھے اہل اسلام کے علاوہ آریہ، عیسائی صاحبان بھی کثرت سے موجود تھے۔ ۴۹ے

بٹالہ میں مناظرہ۔ نومبر 1930

15 نومبر 1930 کو بٹالہ میں ایک عظیم الشان مباحثہ ہوا جو تقریباً ایک گھنٹہ تک جاری رہا نامہ نگار لکھتا ہے ''مباحثہ کیا تھا؟ قادیان تک اس سے زلزلہ پڑا ہو گا قادیانی مناظر مع اپنے ہمراہیوں کے ہر فقرہ پر گرتا جاتا تھا پبلک نے یک آواز تسلیم کیا کہ مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ ۵۰ے

(مناظرہ وزیر آباد- اپریل 1932)

10 اپریل 1932 کو بروز اتوار وزیر آباد (پنجاب) میں ایک زبردست مناظرہ ہوا۔ اس مناظرہ سے قادیانی کیمپ میں کھلبلی مچ گئی ملک ہدایت اللہ صاحب سوہروی مرحوم لکھتے ہیں ''ہمارا یقین ہے کہ اس قسم کے دو تین مناظرے مختلف مقامات میں ہو جائیں تو پنجاب سے قادیانیت اکھڑ جائے'' ۔ ۵۱ے

لاہور میں مناظرہ- جنوری 1934

یکم جنوری 1934ء کو لاہور میں قادیانیوں سے ایک تاریخی مناظرہ ہوا۔ مناظرہ کی نوبت اس لیے آئی کہ قادیانیوں نے اپنے مخصوص تبلیغی پروگرام کے تحت لاہور کی فضاء میں کافی کشیدگی پیدا کر دی تھی اس مناظرے کے دو حصے ہیں۔

پہلا حصہ: مولانا عبداللہ معمار کے سپرد تھا۔ جو فاضل مرزائیت کے لقب سے مشہور تھے اور مولانا ثناء اللہ مر تسری کے شاگرد تھے۔

دوسرا حصہ: مولانا ثناء اللہ امر تسری کے سپرد تھا مولانا معمار لکھتے ہیں۔

”لاہور میں یہ مناظرہ بے مثل رہااور رہے گاان شاء اللہ خدا کاشکر ہے کہ دلائل کی رو سے حاضرین پر واضح ہو گیا کہ مرزا صاحب ایک طرف توہین مسیح کے مرتکب ہوئے ہیں اور دوسری طرف اپنے اعلان کی رو سے پہلے مر کر خدا کے ہاں کاذب ٹھہرے یہ مناظرہ لاہور کے بیرون موچی دروازہ کے کھلے میدان میں منعقد ہوا تھا۔ حاضری تقریباً 16-15 ہزار نفوس کی ہو گی۔ ۵۲ؑ

بٹالہ اور امرتسر میں چار مناظرے-مارچ مئی ستمبر 1934

(1) 14-13-12 مارچ 1934 کو ایک عظیم الشان جلسے کے بعد مولانا ثناء اللہ امرتسری کا قادیانی مناظر مولوی محمد سلیم قادیانی سے تقریباً ایک گھنٹہ مناظرہ ہوا جس میں مولنا ثناء اللہ کامیاب رہے۔ ۵۳ؑ

(2)۔ 26 مئی 1934 کو مولانا امرتسری اور قادیانی مناظر مولوی جلال الدین شمس قادیانی کے درمیان مناظرہ ہوا جس میں مولانا صاحب کامیاب رہے۔ ۵۴ؑ

(3)۔ 30 ستمبر 1934 کو مولانا امرتسری اور قادیانی مناظر مولوی جلال الدین شمس کے درمیان امرتسر کے مقام پر مناظرہ ہوا جس میں قادیانی مناظر نے ایڑی چوٹی کازور لگایا مگر ناکام رہا بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے۔ ۵۵ؑ

(4) 28 اکتوبر 1934 کو مولانا عبد اللہ معمار نے قادیانیوں کے ساتھ مناظرہ کیا جس میں انہوں نے قادیانیوں کی ذلت کی رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ ۵۶ؑ

میرٹھ میں دو مناظرے مارچ 1935- جنوری 1939)

12 مارچ 1935 کو دار العلوم جامع مسجد میرٹھ میں ایک مناظرہ ہوا جس میں مسلمانوں کی طرف سے مولانا ثناء اللہ امرتسری تھے اور قادیانیوں کی طرف سے مولوی اختر حسین مبلغ پیش ہوئے مولوی اختر حسین قادیانی کے ساتھ ان کے معاون مولوی عمر الدین جالندھری بھی تشریف فرما ہوئے میرٹھ میں قادیانیوں نے بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن جس قدر کوشش کی یہ داغ اتنا ہی زیادہ گہرا اور سیاہ تر ہو گیا۔ مولانا امرتسری اس میں بھی کامیاب ہوئے۔ ۵۷ؑ

28 جنوری 1939 کو مدرسہ دار العلوم میرٹھ میں پھر مولانا امرتسری اور بابو عمر الدین جالندھری کے درمیان مباحثہ ہوا لیکن اس میں بھی قادیانی شکست کھا گئے اے بسا ارزو کہ خاک شد۔ ۵۸ؑ

لائل پور میں مناظرہ-نومبر 1941

31 اکتوبر اور یکم نومبر جامعہ سلفیہ لائلپور میں ایک عظیم الشان مناظرہ ہوا اس مین مد مقابل قادیانی اور لاہوری دونوں پارٹیاں تھیں قادیانیوں کی طرف سے مشہور مناظر مولوی اللہ دتہ جالندری پیش ہوئے قادیانی مبلغ مولانا ثناء اللہ امرتسری کے دلائل کا توڑ نہ پیش کر سکا نتیجہ یہ نکلا کہ وقت معینہ تمام ہوا قادیانی حضرات کامیاب نہ ہو سکے ۵۹ؑ

مناظرہ ہریا ضلع گجرات اکتوبر 1924

اسلامی مناظر : مفتی غلام مرتضیٰ صاحب و مولانا غلام احمد گھوٹوی۔ مولانا نجم الدین پروفیسر اورنٹیل کالج و مولانا محمد حسین کولوتارڑوی

قادیانی مناظر : جلال الدین شمس

ہریا ضلع گجرات 19-18 اکتوبر 1924 کو معروف قادیانی مناظر جلال الدین شمس کے ساتھ حیات مسیح پہ مناظرہ ہوا۔ اہل اسلام کی طرف سے مولانا محمد کھوٹوی شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بہاولپور تھے۔ مناظرہ کے اختتام پر مولانا گھوٹوی مرحوم گولڑہ شریف تشریف لے گئے اور مناظرہ کی پوری روئیداد حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کو سنائی تو آپ نے مولانا غلام مرتضیٰ کو مبارک بادی کا خط لکھا جس میں یہ جملہ تحریر فرمایا" بل کے بل نے سب بل مبلغین کے نکال دیئے ہیں بعد میں مولانا غلام مرتضیٰ مرحوم نے مناظرہ کی پوری روئیداد کو ایک کتاب بہ عنوان "الظفر الرحمانی فی کشف القادیانی" کے نام سے شائع کر دی یہ کتاب فن مناظرہ پر ایک مستند اور عمدہ تحقیق ہے یہ 200 صفحات پر پھیلی ہوئی ایک ضخیم کتاب ہے اس مناظرہ میں مولانا نجم الدین پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور اور مولانا محمد حسین کولوتارڑوی بھی شامل تھے ان کی شہادتیں اس میں درج ہیں بعض حضرات اس مناظرہ کی کامیابی پر مولانا کو منظوم خراج عقیدت بھی پیش کیا وہ بھی اس میں درج ہے۔ ۶۰؎

حکیم نورالدین بھیروی سے مولنا بٹالوی کا پہلا مناظرہ

منشی عبدالحق اکاؤنٹنٹ، منشی الٰہی بخش اکاؤنٹنٹ لاہور اور حافظ محمد یوسف ضلع دار محکمہ نہر تینوں اہل حدیث تھے جو کچھ دنوں سے مرزائی ہو گئے تھے چونکہ یہ تینوں حضرات نہایت مستعد سرگرم قومی کارکن تھے اور لاہور کی اسلامی تحریکوں میں سب سے پیش پیش رہتے تھے۔ اس لیے مولوی محمد حسین بٹالوی کو جو ان دنوں لاہور میں قیام فرما تھے ان کے مرزائی ہو جانے کا بڑا قلق تھا۔ مولوی صاحب نے ان کو راہ راست پر لانے کی بہتری کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی جس طرح مولوی صاحب کی ہر وقت یہ خواہش تھی کہ کس طرح یہ لوگ مرزائیت سے منقطع ہوں اسی طرح ان کی بھی یہ آرزو تھی کہ کسی موقع پر مولوی صاحب کو حکیم نورالدین سے ذلیل کرائیں اور ان پر ثابت کریں کہ مرزا صاحب کے پیرو ہی حق پرست ہیں۔ ۶۱؎

اسی خیال کے پیش نظر ایک مرتبہ حافظ محمد یوسف ضلع دار منشی عبدالحق اکاؤنٹنٹ کے ساتھ لے کر جموں پہنچے اور اپنے حکیم الامت سے درخواست کی کہ مولوی محمد حسین سے مناظرہ کریں لیکن حکیم صاحب بلطائف الحیل ٹال دیا اور یہ لوگ بے مراد واپس آ ئے۔

حکیم نورالدین کا فدورہ لاہور اور مولانا بٹالوی سے مسئلہ حیاتِ مسیح پر گفتگو

کچھ دنوں کے بعد حکیم نور الدین مہاراجہ جموں کے ساتھ لاہور آئے اس وقت حافظ محمد یوسف باہر گئے ہوئے تھے مولوی محمد حسین دوسرے لوگوں کے توسط سے طالب مباحثہ ہوئے مگر حکیم صاحب کچھ جواب دیئے بغیر اپنے مسیحا کے پاس لدھیانہ چلے گئے 12 اپریل 1891 کو مولوی فضل الدین گجراتی نے لدھیانہ آکر مولوی محمد حسین کو بتایا کہ مرزا غلام احمد آپ سے مقابلہ کی زبردست تیاریاں کر رہے ہیں دوسرے دن حافظ محمد یوسف بھی لاہور پہنچ گئے اور حکیم نورالدین بھی لدھیانہ سے لاہور آکر منشی امیر الدین مرزائی کے مکان پر فروکش ہو گئے رات کے دس بجے حافظ محمد یوسف نے مولوی محمد حسین صاحب کو پیغام بھیجا کہ حکیم صاحب لدھیانہ سے واپس آ گئے ہیں آپ صبح کو منشی امیر الدین کے مکان پر ان سے گفتگو کر لیں۔ مولوی صاحب علی الصبح وہاں پہنچ گئے بعض مقتدر علماء پہلے ہی پہنچ چکے تھے مولوی صاحب نے دیکھا کہ مجمع کثیر ہے خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر حضرات یہ تھے۔ مفتی عبداللہ، پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور مولوی عبدالرحمٰن، سید فقیر جمال الدین شیخ خدا بخش جج عدالت

خلیفہ لاہور۔ مولوی محمد حسین نے کہا بہتر ہے کہ اصل گفتگو سے پہلے بنیادی اصول طے ہو جائیں تاکہ اثناء بحث میں دلائل کے رد و قبول میں اختلاف نہ ہو۔ حکیم نورالدین نے اس کو قبول کیا۔ مبادیات کے بعد اصل گفتگو کا آغاز ہوا مولانا نے حکیم صاحب سے زمانہ نبوی میں لفظ عیسیٰ ابن مریم دجال کا مفہوم پوچھا اس بارے ہیں جب کافی بحث ہوئی تو حکیم صاحب نے جان لیا کہ مولوی صاحب نے ان کے نکلنے کا راستہ بند کر دیا اور انہیں چاروں شانوں چت گرا کر ان کی چھاتی پر سوار ہونے والے ہیں تو جھٹ حیلہ بہانہ بنا کر جلدی سے باہر چل دیئے انتظار کے بعد جب حکیم صاحب نہ آئے تو اس کے بعد مولوی محمد حسین اور مفتی عبداللہ کے سوا تمام لوگ چلے گئے جب نہ آئے جب گھنٹہ ہو گیا تو ان دونوں نے حافظ محمد یوسف سے فرمایا بہت دیر ہو گئی ہم بھی جاتے ہیں اگر دوبارہ حکیم صاحب واپس آ جائیں تو ہمیں اس کی اطلاع کر دینا حکیم صاحب چار بجے تک لاہور میں تھے بعض حضرات نے حکیم صاحب سے گفتگو کرنے پر بڑا اصرار کیا کہ کسی نہ کسی طرح گفتگو پر راضی ہو جائیں مگر حکیم صاحب لدھیانہ میں مرزا صاحب کے پاس چلے گئے۔ 15 اپریل 1891 کو مولوی صاحب نے مرزا صاحب کو تار دیا کہ آپ کے حواری حکیم نورالدین صاحب نے مباحثہ شروع کیا اور بھاگ گئے یا تو ان کو واپس بھیجئے یا خود مناظرہ کے لیے آیئے ورنہ سمجھا جائے گا کہ آپ نے شکست کھائی۔ ٦٢ے

مولانا بٹالوی کو جواب الجواب کا موقع نہ دیئے جانے کی حیلہ گری

اس کے بعد مرزا صاحب نے اپنے ایک اشتہار مورخہ مئی 1891 میں (تبلیغ رسالت ج2-ص56) میں درج ہے یہ شرطیں بڑھا دیں

(۱)۔ مجلس بحث میں کوئی یورپین افسر یا ہندو مجسٹریٹ اور چند دیسی پولیس کانسٹیبل بھی ہوں

(2) سوال جواب لکھنے والا کوئی خوشخط ہندو ہو۔ ٦٣ے

قادیانی صاحب کی اس تحریر کا ماحاصل یہ ہے "جب وہ مولوی صاحب کی تحریر کا جواب دے چکیں تو مناظرہ ختم کر دیا جائے اور مولوی صاحب کو جواب الجواب کا حق نہ دیا جائے" ظاہر ہے کہ یہ کس قدر خود غرضانہ تجویز تھی جو قادیانی نے پیش کی تھی انگریزی عدالتوں میں بھی جا کر دیکھو تو آپ کو معلوم ہوگا کہ پہلے مدعی یا وکیل تقریر کرتا ہے پھر فریق ثانی اس کو جواب دیتا ہے پھر فریق اول کو جواب الجواب کا موقع دیا جاتا ہے جب مرزا صاحب مولوی صاحب کو بات کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے کہ ان کا دلائل کی تردید کریں تو پھر یہ مباحثہ ہی بے معنی تھا اور اس پر کوئی مفید نتیجہ مترتب نہیں ہو سکتا تھا۔

حکیم نورالدین سے مولانا بٹالوی کا ریل گاڑی میں مناظرہ

حکیم نورالدین سے مولوی محمد حسین بٹالوی کے ایک مناظرہ کا تذکرہ یہ ہے پہلی مارچ 1893 کو مولوی صاحب لاہور سے بعزم یورپ ریل گاڑی میں سوار ہوئے اتفاق سے حکیم نورالدین صاحب بیٹھے تھے مولوی صاحب نے مزاج پرسی کے بعد کہا حکیم صاحب! نہایت افسوس کا مقام ہے کہ آپ سے متعدد وجوہ کی بنا پر اتحاد و یک جہتی تھی تعلق اسلام - وحدت مذہب محدثانہ (دونوں کا اہل حدیث ہونا) دوستی وغیرہ مگر آپ کی مرزائیت نے اس رابطہ محبت واتحاد کو منقطع کر دیا حکیم صاحب نے بھی اس پر اظہار افسوس کیا اس کے بعد مولوی صاحب نے کہا حکیم صاحب میں مدت سے اس امر کا خواہاں تھا آپ سے بالمشافہ گفتگو ہو اور وہ

باحثہ جو 4 اپریل 1891 بمقام لاہور شروع ہو کر ناتمام رہ گیا تکمیل کو پہنچے مگر آپ کی ناجائز شرطوں نے اس کا موقع نہ دیا اب یہ اجتماع غنیمت ہے اگر آپ اجازت دیں تو اس گفتگو کی تکمیل کی جائے حکیم صاحب نے کہا ہاں شروع کیجئے۔

مولوی صاحب نے مسئلہ حیات مسیحؑ کے از سر نو دلائل پیش کئے اس اثناء میں متعدد سوال و جواب ہوئے آخر جب حکیم صاحب کا کیسہ دلائل سے خالی ہو گیا اور دندان شکن جواب پا کر مباحثہ سے عاجز ہوئے تو کہنے لگے کہ اس بے نتیجہ بحث ہی کو جائے دیجیئے اس التماس پر مولوی صاحب نے ان کو چھوڑ دیا۔ ۶۴ے

حکیم صاحب کی زبان بند کرنے کے بعد مولوی صاحب نے پوچھا اگر آپ متنازعہ فیہ مسائل پر گفتگو نہیں کرنا چاہتے تو کم از کم اتنا تو بتا دیجیئے کہ قادیانی غلط بیانی سے کیوں کام لیتا ہے؟ ایک بات اپنی کتاب میں لکھتا ہے اور پھر اس سے مکر جاتا ہے ایک جگہ ایک بات لکھتا ہے اور دوسری جگہ اس کے خلاف لکھ دیتا ہے اور آخری تحریر کے وقت یہ اقرار نہیں کرتا کہ اب میں نے اپنے پہلے بیان سے رجوع کر لیا ہے اس وقت مجھ سے غلطی ہوئی تھی اس کے چند نظائر ملاحظہ ہوں رسالہ 'فتح الاسلام'' کے صفحہ نمبر 54 میں لیلۃالقدر کے رات ہونے سے صاف انکار کیا ہے اور پھر ازالہ کے صفحہ 430 میں اس انکار سے انکار کر دیا ہے ''توضیح المرام'' کے صفحہ 17 میں آنے والے مسیح کے نبی ہونے سے انکار کیا ہے اور پھر ازالہ صفحہ 532 میں اپنے آپ کو مسیح قرار دے کر نبی بھی کہا ہے توضیح المرام میں اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے لیکن بعض اشتہارات و تقریرات میں دعوی نبوت سے انکار کیا ہے ازالہ کے صفحہ 673 میں آیت و مبشرًا برسول یاتی من بعد اسمہ احمد کو اپنے حق میں بشارت ٹھہرایا ہے اور آنحضرتؐ کا اس آیت کا مصداق ہونا تسلیم نہیں کیا لیکن اس کے بعد'' وساوس'' کے صفحہ 42 میں اس آیت کو آنحضرتؐ کے حق میں بشارت قرار دیا ہے یہ کہہ کر مولوی صاحب نے قادیانی صاحب کی متذکرہ صدر کتابیں نکالیں اور حکیم صاحب کو ان میں قادیانی صاحب کی تمام متعارض تحریریں دکھا دیں حکیم صاحب نے کہا کہ میں نے یہ چیزیں مرزا صاحب کی کتابوں میں نہیں دیکھی تھیں لیکن اب یہ باتیں ان سے ضرور پوچھوں گا اور وجہ تعارض دریافت کروں گا اور کہا دراصل میں مرزا صاحب کی تصانیف نہیں دیکھا کرتا میں تو صرف ان کا چہرہ دیکھتا ہوں اور اس سے سبق آموز ہوتا ہوں مولوی صاحب نے کہا حکیم صاحب میں آپ کا بیان تسلیم نہیں کرتا ان کی کتابون کا نمونہ دیکھنا کیا معنی رکھتا ہے قادیانی جو کچھ لکھتا ہے وہ آپ ہی کا بتایا ہوا ہے مضمون آپ کا ہے عبارت اس کی ہے آپ کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ میں ان کے چہرے سے سبق حاصل کرتا ہوں آپ قادیانی کے مرید نہیں پیر ہیں وہ آپ کے مرید و شاگرد ہیں۔ آپ شروع سے نیچری خیالات رکھتے تھے اور سر سید احمد خان کی تصانیف کے دلدادہ تھے آپ نے یہ دیکھا کہ اس شخص کی وساطت سے نیچری مذہب کی خوب اشاعت کی جاسکے گی اس لیے اس کو پیر بنا کر خود مرید بن گئے قادیانی کو جس قدر الہام ہوتے ہیں وہ آپ ہی کے القاء ہیں۔ اب بھی اسے کچھ الہام ہی کرنے جا رہے ہیں ان حالات کی موجودگی میں آپ کا یہ کہنا کہ میں ان کے چہرے سے سبق لیتا ہوں محض تصنع اور کذب ہے حکیم صاحب نے حیرت زدہ ہو کر کہا یہ بات غلط ہے مولوی صاحب نے کہا آپ اس کا اعتراف نہ کریں گے لیکن حقیقت حال یہی ہے۔ ۶۵ے

مناظرہ ڈاور - 20 اپریل 1985 - اسلامی مناظر - مولانا لال حسین اختر

ربوہ ضلع جھنگ کے قریب ایک معروف قصبہ جس کا نام ڈاور ہے وہاں ''جناب مسیح'' کے عنوان پر مولانا لال حسین اختر اور قادیانی مناظر نذیر احمد لائلپوری کے درمیان ایک معرکہ آراء مناظرہ ہوا10 اپریل 1985 کے اس مناظرہ میں قادیانیوں کو عبرتناک شکست ہوئی دوسرے موضوع پر مناظرہ کے لیے 20 اپریل 1985 کی تاریخ مقرر کی گئی تھی لیکن قادیانی مناظر نے راہ فرار اختیار کی اس مقام پر اسلامی مناظر لال حسین اختر نے کہا کہ ''قادیانی زہر کا پیالہ پی لیں گے لیکن مرزا قادیانی کو میرے سامنے ایک شریف انسان ثابت نہیں کر سکتے یہ روئیداد مناظرہ ڈاور کے نام سے 1965 میں چھپ چکی ہے اور کل 8 صفحات پر مشتمل ہے۔ ٦٦ؔ

مناظرہ شیخوپورہ

مورخہ 28 مئی 1932 کی صبح مرزائیوں کے ساتھ زیر صدارت خان بہادر خان صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس، حیات وممات مسیح علیہ السلام و ختم نبوت پر (قادیانیوں سے) مناظرہ انجمن اہل سنت والجماعت کی طرف سے مولانا محمد اسلم صاحب مولانا محمد حسین صاحب مناظر تھے جن کے دلائل قاطع نے مرزائیوں کو اس حد تک ساکت کر دیا کہ انہیں اپنی شکست تسلیم کے بغیر چارہ نہ رہا۔ مناظرہ کے بعد مرزائیوں کی کتب سے بابو حبیب اللہ امرتسری اور مولانا لال حسین اختر نے مرزائیت کے زہر آلود پروپیگنڈہ کا اپنی تقاریر میں اس حد تک سد باب کیا کہ عوام کو مرزائیت کے بطلان کا اعلان کرتے دیکھا گیا۔ ٦٧ؔ

مناظرہ چیچہ وطنی-1932

قادیانی چیچہ وطنی ضلع ساہیوال میں مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی مہم چلائے ہوئے تھے مسلمانوں نے ان کی ارتداد مہم بند کرنے کے لیے تین مناظروں کا اہتمام کیا۔

3 جون 1932ء کو مولانا لال حسین اختر اور مولوی علی محمد امیری کے درمیان رفع و نزول عیسیٰؑ کے موضوع پر مناظرہ ہوا۔

دوسرا مناظرہ مرزا قادیانی کے صدق و کذب کے موضوع پر ہوا مولانا لال حسین اختر نے قادیانی مناظر کو چیلنج کیا کہ اگر تم چاند گرہن اور سورج گرہن والی روایت کی سند حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچادو تمہیں پچاس روپے انعام دوں گا مرزائی مناظر مولانا لال حسین اختر کے اس چیلنج کو قبول نہ کر سکا تیسرے دن مسلمانوں کی طرف سے مولانا نور حسین گرجاکھی کا مولوی علی محمد سے ختم نبوت کے موضوع پر مناظرہ ہوا ان سب مناظروں میں قادیانی عبرتناک شکست سے دوچار ہوئے۔

مناظرہ خانیوال-1932

جون 1932 میں خانیوال میں مولانا عبد العزیز صاحب اور مولانا لال حسین اختر نے قادیانی مناظرین سے مناظرے کیے اور مرزا قادیانی کا جھوٹا ہونا ثابت کیا۔ ان مناظروں کے بہت مفید اثرات مرتب ہوئے کئی قادیانی توبہ تائب ہو گئے اور قادیانیت کا دروازہ بند ہو گیا۔

مناظرہ مال روڈ لاہور-1962-ڈاکٹر خالد محمود-جلال الدین شمس قاضی نذیر احمد

یہ مناظرہ 18 ستمبر 1962 کو علامہ ڈاکٹر خالد محمود کے ساتھ قادیانی مناظر جلال الدین شمس و قاضی نذیر احمد لائلپوری کا ہوا جس میں اسلامی مناظر کو کامیابی نصیب ہوئی بعد میں ڈاکٹر خالد محمود نے اس مناظرہ کی مکمل روئیداد ''نصرت الاسلام'' نامی کتاب کی شکل میں شائع کر دی مولانا محمد الیاس خطیب جامع مسجد پٹولیاں لاہور نے اسے مرتب کیا اس کے صفحات 80 ہیں۔ ۶۸ے

مناظرہ انار کلی لاہور 25 جنوری 1983

لاہور کے عین وسط انار کلی میں 25 جنوری 1983 کو یہ تاریخی مناظرہ ہوا مسلمانوں کی طرف سے مولانا محمد الیاس۔ مولانا عبد الرشید اور قادیانیوں کی طرف سے حامد خان اور ان کے معاونین نے حصہ لیا اس کی تفصیل ایک رسالہ ''مناظرہ انار کلی لاہور میں چھپ چکی ہے اور اس کے مصنف مولانا محمد الیاس صاحب ہیں۔ ۶۹ے

سلانوالی ضلع سرگودھا۔ بھیرہ ضلع سرگودھا میں مختلف مناظرے-1932

ستمبر 1932 میں سلانوالی ضلع سرگودھا بھیرہ ضلع سرگودھا و چک نمبر 37 جنوبی ضلع سرگودھا کے مختلف مقامات پر مناظرے منعقد ہوئے ان کی مکمل روئیداد ایک کتاب ''برق آسمانی بر خرمن قادیانی'' میں چھپ چکی ہے اس کے مصنف مولانا ظہور احمد بگوی (بھیرہ) ہیں کتاب 216 صفحات پر مشتمل ہے اس کا سن اشاعت 1932ء ہے موضوع کے اعتبار سے لاجواب کتاب ہے۔ ۷۰ے

مولانا محمد علی مونگیریؒ- بانی ندوۃ العماء لکھنؤ کا ایک اہم تاریخی مناظرہ-1911

مولانا محمد علی مونگیریؒ کا ایک اہم تاریخی مناظرہ جو 1911 میں منعقد ہوا۔

اس کا پس منظر یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے 1902 میں ایک رسالہ ''تحفۃ الندوہ'' تحریر کیا اس کی مخالفت بالخصوص ندوہ کے علماء وارکان بالعموم تمام علماء تھے جو ندوہ کے اجلاس امرتسر منعقدہ 1902 میں شریک ہوئے مولانا محمد علی مونگیری نے اس وقت تو اس طرف بالکل کوئی توجہ نہ دی اور نہ ہی اس تحریک قادیانیت کی تردید کی کوئی ضرورت محسوس کی لیکن بعد کے حالات و واقعات نے ان پر یہ ثابت کر دیا کہ یہ ایک ایسا فتنہ ہے کہ اگر اس سے غفلت برتی گئی تو دین محمدی کی عمارت کے منہدم ہونے کا خطرہ ہے آپ نے محسوس کیا کہ بہار میں قادیانیوں نے چار ضلعوں میں بہت کامیابی حاصل کی تھی خاص طور پر مونگیر اور بھاگل پور کے متعلق یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ یہ دونوں اضلاع قادیانی ہو جائیں گے۔ ایک قادیانی مبلغ جس کا ذکر مولانا نے اپنے ایک خط میں کیا۔

''بہت سرگرمی کے ساتھ مشغول تھا اور بہار کے علاوہ بنگل میں بھی اس نے مہم شروع کر دی تھی بہار میں بہت سے مسلمان قادیانی ہو گئے تھے۔ ۷۱ے

قادیانی لٹریچر سرعام تقسیم کیا جاتا ناواقف مسلمان عموماً اس سے متاثر ہوتے اس وقت جو اخبارات ورسائل قادیانیوں کی طرف سے شائع ہو رہے تھے ان کی تعداد اشاعت تقریباً 26,000 تھی مولانا مونگیری نے اپنے ایک معتقد خاص حاجی لیاقت حسین بھاگل پوری کو ایک خط میں نہایت دردمندی کے ساتھ ان حالات کی طرف متوجہ کیا۔

مونگیر کے زمانہ قیام میں مسلمانوں نے مولانا سے یہ صورت حال بیان کی اور اس پر تشویش کا اظہار کیا۔ مولانا خود اس بات سے فکر مند تھے ان مسلمانوں کے توجہ دلانے سے ان کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ اگر پوری قوت کے ساتھ اس تحریک کا مقابلہ نہ کیا گیا تو اس سے بڑے افسوس ناک نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ یہی وہ موڑ تھا جہاں مولانا اپنی ساری صلاحیتوں کے ساتھ میدان میں اترے اور اپنا سالا وقت اور ساری قوت اس کے لیے وقف کر دی اور اپنے تمام مریدیں، رفقاء اور اہل تعلق کو اس میں بڑھ چڑ کر حصہ لینے کی تلقین کی اور صاف صاف کہہ دیا ''جو اس معاملہ میں میرا ساتھ نہیں دے گا میں اس سے ناخوش ہوں''۔ ۲ے

اسی دوران میں یہ واقعے بھی پیش آیا کہ مراقبہ میں مولانا کو یہ القاء ہوا کہ یہ گمراہی تیرے سامنے پھیل رہی ہے اور تو ساکت ہے اگر قیامت کے دن باز پرس ہو تو کیا جواب ہوگا۔ ۳ے

اس جدو جہد کا آغاز ایک اہم تاریخی مناظرہ سے ہوا جس میں قادیانیوں کو ایسی عبرناک شکست ہوئی کہ انہوں نے دوبارہ اس میدان میں آنے کی جرأت نہ کی۔ یہ قادیانیت پر پہلی ضرب کاری تھی جس سے نہ صرف بہار کے قادیانیوں کو بلکہ پورے ہندوستان کی قادیانی تحریک کو نقصان پہنچا اور اس کے خوشگوار نتائج برآمد ہوئے۔ اس مناظرہ میں جو 1911 میں ہوا تقریباً 40 علماء شریک تھے دوسری طرف حکیم نورالدین صاحب تھے مناظرہ کی اہمیت کا اندازہ کرنے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ادھر مناظرہ شروع ہوا ادھر مولانا سجدے میں گرپڑے اور جب تک فتح کی خبر نہ آئی سر نہ اٹھایا۔

اس مناظرہ کی روئیداد آپ کے صاحبزادے جناب مولانا رحمت اللہ رحمانی نے قلمبند کی ہے وہ لکھتے ہیں۔

''مرزا صاحب کے نمائندے حکیم نورالدین، سرور شاہ اور روشن علی صاحب مرزا صاحب کی تحریر لے کر آئے کہ ان کی شکست میری شکست ہے۔ اور ان کی فتح میری فتح۔ اہل اسلام کی طرف سے مولانا مرتضٰی حسن چاند پوری۔ علامہ انور شاہ کاشمیری۔ مولانا بشیر احمد عثمانی، مولانا عبدالوھاب، مولانا ابرہیم سیالکوٹی تقریباً 40 علماء بلائے گئے تھے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ عجیب منظر تھا۔ صوبہ بہار کے تمام اضلاع کے لوگ تماشائی بن کر آئے تھے معلوم ہوتا تھا کہ خانقاہ میں علماء کی بڑی بارات ٹہری ہوئی ہے۔ حوالے تلاش کئے جارہے ہیں اور پھبیاں چل رہی ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ مولانا محمد علی مونگیری کی طرف سے مناظرے کا نمائندہ کون ہو قرعہ فال مولانا مرتضی حسن صاحب کے نام پڑا۔ آپ نے مولانا مرتضٰی کو تحریراً اپنا نمائندہ بنایا علماء کی یہ جماعت میدان مناظرہ میں گئی وقت مقرر تھا اس طرف مولانا مرتضی حسن صاحب اسٹیج پر تقریر کے لیے آئے اور اس طرف آپ سجدے میں گر گئے اور اس وقت سر نہ اٹھایا جب تک فتح کی خبر نہ آئی بوڑھوں کا کہنا ہے کہ میدان مناظرہ عجیب تھا مولانا مرتضٰی حسن کی ایک ہی تقریر کے بعد جب قادیانیوں سے جواب کا مطالبہ کیا گیا تو مرزا صاحب کے نمائندہ جواب دینے کی بجائے انتہائی بدحواس اور گھبراہٹ میں کرسیاں اپنے سروں پر لیئے ہوئے کہتے بھاگے ''ہم جواب نہیں دے سکتے''۔ ۴ے

علماء دارالعلوم دیوبند کو دعوت مباہلہ

مولانا ثناء اللہ امرتسری کو دعوت مباہلہ دے کر قادیانیوں کا پیغمبر اپنی بد دعا کے مطابق ہیضہ میں مبتلا ہو کر ایک ہی سال بعد مر کر اپنے کذب وافتراء پر مہر تصدیق ثبت کر گیا تھا یہ مباہلہ ہی تمام قادیانی امت کے لئے برہان حق ہو جانا چاہیے لیکن خدا نے ان کے قلوب پر مہر لگا دی ہے تو وہ کان رکھتے ہوئے سنتے نہیں آنکھ رکھ کر دیکھتے ہیں اور سینہ میں دل رکھتے ہوئے بھی عبرت حاصل کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں یہی حال قادیانیوں کا تھا مرزا غلام احمد کے انتقال کے دس سال بعد ان کے خلیفہ مرزا محمود پر بھی وہی باپ کا پاگل پن سوار ہو گیا اور انہوں نے علماء دیوبند کو پھر دعوت مباہلہ دے دی ایک اشتہار 13 ربیع الثانی 1337ھ مطابق 16 جنوری 1919 کو ایڈیٹر (الفضل قادیان) کی طرف سے دارالعلوم دیوبند پہنچا جس کا عنوان تھا۔ ”امام جماعت احمدیہ علماء دیوبند سے مباہلہ کے لیے تیار ہیں“ اس سے پہلے مولانا کفایت اللہ صاحب صدر جمیعۃ علماء ہند اور مولانا محمد ابراہم صاحب دہلوی کی طرف سے خود مرزا محمود کو دعوت مباہلہ دی چکی تھی اور مرزا محمود نے خاموشی میں عافیت سمجھ کر اس کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ ٹھیک اس کے ایک سال بعد اس نے ایک شگوفہ چھوڑا تاکہ لوگوں کی نظر و توجہ قادیانیت کی طرف ہو جائے۔

علماء دیوبند ان کی عیاریوں سے واقف تھے اس لیے وہ ایسی دعوت مباہلہ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے جس کا مظاہرہ عوام الناس کے سامنے نہ ہو۔ جب مرزا غلام احمد صاحب مباہلہ کے بعد اس دنیا سے رسوا ہو کر رخصت ہو گئے تو عوام پر ان کا دور رس اثر نہ ہو کیونکہ وہ اپنے خلوت خانہ میں تھے مجمع عام میں نہ تھے اس لیے علماء دیوبند نے یہ شرط لگائی کہ مباہلہ اس طرح ہو گا کہ پہلے مجمع عام میں قادیانی مبلغ و مناظر سے مناظرہ ہو گا مناظرہ میں حق نمایاں نہ ہونے کی صورت میں مجمع عام میں دونوں فریق کی موجودگی میں مباہلہ ہو گا۔ علماء دیوبند کی طرف سے اعلان ہوا کہ

ہم صاف صاف اعلان کرتے ہیں کہ جن شواہد و دلائل کی بنا پر آپ نے ان کی نبوت (معاذ اللہ) تسلیم کی ہے وہ میدان مناظرہ میں پیش کیجئے اور جو اعتراضات ہم کو ہیں ان کا معقول جواب عنایت فرمایئے تاکہ جس نبی پر آپ ایمان لانے کی دعوت دے رہے ہیں اور مفتری کہنے والوں کو آپ کافر اور خارج از اسلام سمجھتے ہیں ان سے مباہلہ کرنا چاہتے ہیں اس کی تصدیق مجمع عام علی رؤس الاشتہار ہو جائے اور اگر بعد مناظرہ بھی نمایاں طور پر حق واضح نہ ہو تو پھر آخری صورت مباہلہ ہے جو اسی وقت اسی میدان عمل میں آئے گا میں یقین کرتا ہوں کہ میرے اس اعلان کے بعد آپ کو کسی قسم کی پس و پیش نہ ہو گا۔ ۵ے

یاد دہانی پر یاد دہانی

مرزا محمود کی توقع کے برخلاف جب یہ اعلان شائع ہوا تو اس کے رد عمل کا مظاہرہ نہیں ہوا اس لیے پھر علماء دیوبند نے اس کو للکارا اور شرم غیرت دلاتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ

”آخر میں پھر اس کا مکرر اعلان کیا جاتا ہے کہ علماء دیوبند حقائق حق کے جملہ طرق کے استعمال کے لیے آمادہ نہیں مرزائی جماعت کو اگر دعوی صداقت ہے تو بے توریہ سامنے آئے اور مرزا محمود کو آگے بڑھنا چاہیے۔“

اس اعلان کے مکرر شائع کرنے کے بعد قادیانی ٹال مٹول کرتے رہے اور باتوں میں سمجھاتے رہے مناظرہ پہلے مباہلہ بعد میں اور اسی میدان مناظرہ میں اس شرط کو تسلیم کرتے ہوئے ان کی جان نکل جاتی تھی اس لیے دو باتوں کے الٹ پھیر میں لگے

رہےاور ہر مہینہ ایک نیااشتہار مباہلہ کی دعوت کو نکالتے رہے قادیانیوں کا چوتھا اشتہار اس مطالبہ کے لیے شائع کیا گیا کہ علماء دیوبند متفقہ طور پر کسی کو اپنا وکیل اور نمائندہ مقرر کریں تب ہم اس سے مناظرہ اور مباہلہ کے مسئلہ پر گفتگو کریں گے ورنہ نہیں علماء دیوبند کو یہ سمجھتے میں دیر نہیں لگی کہ مرزا محمود فرار کی راہیں تلاش کر رہا ہے اس لیے اس کو فرار کی کوئی راہ نہ دی جائے اور ایک ایسا اعلان شائع کر دیا جائے جو اس کی زبان بند کر دے اور وہ مناظرہ و مباہلہ کی شرائط کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے اور اس کو سامنے آنا ہی پڑے۔

مولانا عبدالسمیع صاحب نے تین ماہ قبل قادیانیوں کی دعوت مباہلہ کو منظور کرتے ہوئے جو اعلان کیا تھا اور اس میں اپنی یہ شرط لگائی تھی کہ مناظرہ پہلے ہوگا اور مباہلہ اسی میدان مناظرہ میں اسی دن وہیں ہوگا تو قادیانیوں کے چوتھے اشتہار کے بعد یہ ضروری سمجھا گیا کہ مرزا محمود کا مطالبہ پورا کرکے دوبارہ پھر چیلنج کر دیا جائے اس لیے تیسرے مہینے جب مولانا عبدالسمیع صاحب نے اپنا چیلنج پھر شائع کیا تو اس اعلان کے ساتھ ذمہ داران دارالعلوم دیوبند کی تائید و توثیق کو بھی شائع کر دیا جائے تاکہ پھر اس کو بہانہ بنانے کا موقعہ نہ مل سکے مولانا عبدالسمیع کے اعلان پر ان کے دستخط کے بعد یہ عبارت شائع کر دی گئی کہ: ”ہم تصدیق کرتے ہیں کہ مولوی عبدالسمیع صاحب انصاری مدرس دارالعلوم دیوبند نے جو کچھ اب تک جماعت قادیان کے مقابلے میں آئندہ اسباب میں لکھیں گے وہ سب ہم کو حرف بہ حرف منظور ہے۔ محمد احمد مہتمم دارالعلوم دیوبند محمد انور شاہ قائم مقام صدر مدرس دارالعلوم دیوبند

قادیان شہر خموشاں بن گیا

چار ماہ مسلسل سوال و جواب، شرائط کی تنقیح ہر بار شرطوں کا اضافہ ہوتا رہا لیکن علماء دیوبند تہیہ کر چکے تھے کہ اب کی بار خلیفہ قادیان کے لیے فرار کا کوئی راستہ کھلا ہوا نہیں چھوڑا جائے گا اس لیے چوتھے ماہ کے اعلان پر جو مولانا عبدالسمیع صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند کی طرف سے شائع کیا گیا۔ مرزا محمود کی آخری شرط کی تکمیل کے لیے حافظ احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور علامہ انور شاہ کشمیری صدرالمدرسین اور شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے اپنی حمایت اور تصدیق و توثیق کرکے اور مولانا عبدالسمیع صاحب کو اپنا وکیل بنا کر مرزا محمود ایڈیٹر الفضل کا رستہ اس طرح بند کر دیا کہ پھر دونوں کو سانپ سونگھ گیا بار بار کے اعلان کے باوجود خاموشی چھائی رہی۔

بات یہ تھی کہ اب کی بار صاف مباہلہ کا ڈرامہ کرنے کا قادیانیوں کو موقع نہیں دیا جا رہا تھا۔ مباہلہ کی شرط اول یہ تھی کہ مجمع عام میں قادیانیوں سے مرزا کی نبوت پر مناظرہ ہوگا اور اس میں مرزا کی نبوت پر دلائل فراہم کرنا قرآن و سنت کی کڑی کسوٹی پر ان کی ذمہ داری تھا اور یہی ان کے بس کی بات نہیں تھی قادیانیوں کے لیے میدان مناظرہ میں کھڑے ہو کر مرزا کی نبوت کا ثبوت دینا قیامت میں خدا کے سامنے حساب و کتاب دینے کے لیے کھڑے ہونے کے برابر ہولناک تھا اور جب وہ مناظرہ کے پل صراط پر آئیں گے تو ان کو یقین تھا کہ وہ اپنے کذب و افتراء کے گناہوں کی وجہ سے کٹ کر ذلت و رسوائی کی جہنم میں گر چکے ہوں گے پھر مباہلہ کا کہاں سوال رہ جائے گا اور اگر بالفرض وہ اس پل صراط کو کسی طرح پار کر گئے تو سنت رسول کے مطابق علماء دیوبند کی جماعت کے ساتھ مرزا محمود کی ذریت کو بھی لے کر میدان مباہلہ میں حاضر ہونا ہوگا پھر مجمع میں کھڑے ہو کر جھوٹے پر

لعنت اور بد دعا کرنی ہو گی۔ اس تصور ہی سے وہ گھبرا گئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قادیانیوں نے چار ماہ کے بعد بہانے بنا کر کنارہ کشی اختیار کرلی اور پھر اس کے بعد انہوں نے علماء دیوبند کے مقابلے میں مباہلہ کا نام نہیں لیا۔ ۷۶

ایک دلچسپ مقدمہ اور فیصلہ

علماء دیوبند سے پانچ ماہ کے بعد قادیانیوں کو گفتگو کی پھر ہمت نہیں ہوئی اسی سال تمام دینی اداروں کے فتاویٰ کا مجموعہ قادیانیوں کے کافر مرتد ہونے سے متعلق شائع ہوا مسلمانوں کے اہم ترین اداروں نے ان کے کفر و ارتداد کا متفقہ فیصلہ کیا اسی سال انگریزی عدالت کے ایک غیر مسلم مجسٹریٹ نے بھی کچھ ایسا ہی فیصلہ کیا دلچسپ بات یہ ہے کی ایک ایسی عدالت جس کا مجسٹریٹ بھی غیر مسلم ، مسلمانوں کا وکیل بھی غیر مسلم اور فیصلہ وہ ہوتا ہے جو اسلامی ادارے اپنے دارالافتاء میں تجویز کرتے ہیں اس کی مختصر روداد ایک انگریزی اخبار '' دی اڑیا کٹک '' کے ایڈیٹر کی زبانی سنیئے

''واقعہ یہ تھا کہ اڑیسہ میں قادیانی مشنریوں کی کوششوں سے کچھ مرتد ہو کر قادیانی ہو گئے تھے ایک قادیانی عورت مر گئی قادیانیوں نے لاش کو مسلم قبرستان میں دفن کرنا چاہا قبر کھودی جاچکی تھی لاش قبر پر لا کر رکھ دی گئی تھی کہ مسلمانوں کو اس کا علم ہوا وہ آئے اور لاش کو اٹھا کر قبرستان سے باہر لا کر ایک قادیانی کے گھر میں رکھ دیا۔ قادیانیوں نے تھانے میں ایف۔آئی آر کرائی مسلمان گرفتار ہوئے مقدمہ چلا عدالت ماتحت نے سزا تجویز کی مسلمانوں نے جج کے یہاں اپیل کی اور مسٹر داس ایک غیر مسلم کو اپنا وکیل بنایا انہوں نے کہا میں رضاکارانہ اس مقدمہ کی پیروی کروں گا اور کوئی فیس نہیں لوں گا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا وکیل نے عدالت میں یہ ثابت کیا کہ قبرستان مسلمانوں کا ہے اور قادیانی مسلمان نہیں ہیں دونوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ دونوں دو فرقے ہیں اور دو پیغمبروں کو مانتے ہیں اس لیے اگر مسلمان اپنے قبرستان کو دوسرے فرقوں کے استعمال سے روکتے ہیں تو یہ ان کا مذہبی حق ہے حکومت کو اس میں دخل دینے کا حق نہیں یہ بات اتنے مدلل انداز میں پیش کی گئی کہ جج کو یقین ہو گیا کہ قادیانی مسلمان نہیں اس لیے ان کو مسلمانوں کا قبرستان استعمال کرنے کا بھی حق نہیں ہے۔ اس لیے جن لوگوں نے قادیانیوں کی لائی ہوئی لاش کو قبرستان سے باہر کرایا ہے تو انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنا حق استعمال کیا ہے اور اپنے قبرستان کو دوسروں کے استعمال کرنے سے منع کر کے قانونی طور پر کوئی جرم نہیں کیا اس لیے عدالت ماتحت نے جو فیصلہ کیا اس لیے اس کو کالعدم کیا جاتا ہے اور میں تمام ماخوذ مسلمانوں کو باعزت بری کرتا ہوں۔ ۷۷

مناظرہ رنگون-1920

یہ رسالہ اس مناظرہ کی روداد ہے جو مولانا لکھنوی اور قادیانیوں کی لاہوری پارٹی کے سربراہ خواجہ کمال الدین بے اے ایل ایل بی کے درمیان 1920 میں بمقام رنگون ہوا تھا اس مناظرے کا اہتمام جمیعۃ علمائے رنگون نے کیا تھا جس کے سربراہ مولانا احمد بزرگ سملکی تھے جو اس وقت جامعہ سورتی رنگون کے مہتمم اور مفتی بھی تھے آپ ہی کی خصوصی دعوت پر مولانا لکھنوی رنگون تشریف لے گئے تھے آپ کے ساتھ آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالمومن صاحب فاروقی (1967 متوفی) اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مدیر القرآن دامت برکاتھم بھی شریک سفر تھے۔

اس رسالہ کو ایک مقدمہ دو ابواب اور ایک خاتمہ میں منقسم کیا گیا ہے مقدمہ میں مرزا اور مرزائیت کی مختصر تاریخ دلچسپ انداز میں بیان کی گئی ہے پہلے باب میں خواجہ کمال الدین اور مولانا لکھنوی کے رنگون پہنچنے کے بعد خواجہ صاحب کے مقابلہ میں اتمام حق کی جتنی بھی کارروائیاں ہوئیں تھیں ان کا مفصل بیان ہے اور دوسرے باب میں مرزا اور مرزائیت کے باطل اور خارج از اسلام ہونے کے دلائل بیان کئے گئے ہیں اس سلسلہ میں جن امور کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے ان میں حسب ذیل قابل ذکر ہیں۔

(ا)۔ مرزا کی کذب گوئی خود انہی کی کتابوں سے (2) مرزا کے اقوال توہین انبیاء (3) مرزا کا دعوی نبوت (4) مرزا کا منکر ضروریات دین ہونا (5) ختم نبوت کی بحث (6) حیاتِ مسیحؑ کی بحث (7) مرزائیوں کا شائع کردہ انگریزی ترجمہ قرآن مجید کے کچھ مفاسد اور خاتمہ میں مرزا اور مرزائیوں کے کفر پر علماء اسلام کے فتوی اس کے بعد حکومت وقت کا ایک فیصلہ درج کیا گیا ہے جس میں مرزائیوں کا خارج از اسلام ہونا اور مسلمانوں کے قبرستانوں سے ان کا بے دخل ہونا ظاہر کیا گیا ہے اس رسالہ کے متعلق مولانا احمد بزرگ تحریر فرماتے ہیں۔

الحمد اللہ یہ کتاب ایسی جامع مکمل تیار ہو گئی ہے کہ جو شخص اس کو اول سے آخر تک دیکھ لے وہ مرزائیت کی پوری حقیقت سے واقف ہونے کے علاوہ بڑے سے بڑے مرزائی کو بحث میں مغلوب و مبہوت کر سکتا ہے۔'' ۸۷؎

احرار کو دعوت مباہلہ - 3 ستمبر 1935

مرزا جانباز اس کی روئیداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

احرار کو مخالفین کے نرغے میں دیکھ کر مرزا بشیر الدین محمود کو گمان ہوا کہ زخمی شیر پر اگر مزید حملہ کر دیا جائے تو ہمارا راستہ صاف ہو سکتا ہے چنانچہ 3 ستمبر 1935 کے اخبار '' الفضل'' میں مجلس احرار کو قادیان میں مباہلہ کی دعوت دے دی گئی جسے احرار نے فوراً قبول کر لیا۔ 13 ستمبر کو قادیان پہنچنے کا اعلان کر دیا اس اعلان کا شائع ہونا تھا قادیانیوں کے اوسان خطا ہو گئے اور لگے اپنے آباؤ اجداد کو پکارنے کہ دیکھو جی احرار والے پھر قادیان میں فساد کرنے آ رہے ہیں حالانکہ خود ہی آنے کی دعوت دی اور خود ہی واویلا کرنے لگے اب انہیں یقین ہو گیا کہ وہ جس شیر کو مردہ یا گھائل سمجھ رہے تھے وہ ان کے لیے زندہ ہے مجلس احرار نے مولانا مظہر علی اظہر کو قادیان پہنچ کر بشیر الدین محمود سے مباہلہ کے لیے نامزد کیا اور روزنامہ مجاہد کی ہر اشاعت میں اس تاریخ کو قادیان جانے کا اعلان ہونے لگا پنجاب کے دیگر شہروں سے احرار رضاکار قادیان جانے کی تیاری کرنے لگے 1934 کی طرح حکومت تماشائی بن کر خاموش رہی کیوں کہ اب تو مرزائی لیڈر نے خود ہی احرار کو قادیان آنے کی دعوت دی تھی۔

تاریخ مقررہ پر مولانا مظہر علی اظہر بمعہ اپنے رفقاء جن میں صاحبزادہ فیض الحسن سجادہ نشین آلو مہار مولانا محمد حیات، حاجی عبدالرحمٰن میونسپل کمشنر بٹالہ ماسٹر تاج الدین انصار، خواجہ عبدالرحیم عاجز اور راقم شامل تھے قادیان پہنچے ریلوے اسٹیشن پر مولانا عنایت اللہ نے سینکڑوں مسلمانوں کے ساتھ مسلمانوں کو خوش آمدید کہا۔ نماز جمعہ صاحبزادہ صاحب نے پڑھائی اس سے بیشتر محترم عاجز صاحب اور راقم کے کفر شکن کلام نے قصر قادیان میں دراڑ ڈال دی۔ دوسرا اجلاس عصر کے بعد ہوا جس میں

مولانا مظہر علی اظہر نے تقریر کی احرار کی اس جرأت پر مرزائی پریشان ہوئے انہیں یقین تھا کہ احرار تحریک شہید گنج میں الجھے ہوئے ہیں اور ہمارے چیلنج کو قبول نہیں کریں گے لیکن احرار نے بھی برے کو اس کے گھر تک پہنچا کے چھوڑا۔۹ے

مولانا چنیوٹی کی طرف سے دعوت مباہلہ

1950-1960 کے عشرہ میں قادیانی یہ پروپیگنڈہ کیا کرتے تھے کہ مرزا قادیانی نے علماء و مشائخ کو دعوت مباہلہ دی جو کہ کسی نے قبول نہ کی ان کے پروپیگنڈہ کی وجہ سے مسلمان گمراہی کا شکار ہو رہے تھے۔

مولانا چنیوٹی نے ان کی اس ارتدادی مہم کا توڑ کرنے کے لیے مرزا بشیر الدین محمود کو دعوت مباہلہ دی اس سلسلہ میں مرزا محمود کے نمائندوں اور مولانا چنیوٹی کے درمیان خط وکتابت ہوتی رہی انہوں نے بعض شرائط پیش کیں جو کہ آپ نے پوری کر دیں آخر کار 26 فروری 1963ء عید الفطر کا دن مباہلہ کے لیے مقرر کیا گیا مولانا چنیوٹی وقت مقررہ پر اپنے رفقاء سمیت مقام مباہلہ (دریائے چناب کے دو پلوں کے درمیانی جگہ) پر پہنچ گئے مرزا محمود یا اس کا کوئی نمائندہ نہ پہنچ سکا اس طرح مولانا چنیوٹی نے مرزائی پروپیگنڈہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا مرزا محمود کے مرنے کے بعد آپ مرزا ناصر مرزا طاہر اور مرزا مسرور کو دعوت مباہلہ دیتے رہے لیکن کبھی کسی مرزائی کو میدان میں آنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ (سوانح مولانا منظور احمد چنیوٹی۔ مولانا مشتاق احمد چنیوٹی)

مولانا چنیوٹی کے مناظرے

مناظرہ ڈاور 10 اپریل 1965ء

مولانا لال حسین اختر اور قاضی نذیر قادیانی کے درمیان حیات عیسیٰؑ کے موضوع پر مناظرہ ہوا جس میں قاضی نذیر کو ذلت امیز شکست ہوئی مولانا چنیوٹی نے مرزا کے کردار پر مناظرہ کے لیے قاضی نذیر کو للکارا اور اسے مرزا کے کردار پر بحث کے لیے مجبور کر دیا اس نے مناظرہ پر آمادگی ظاہر کی لیکن اس کے لئے 20 اپریل 1965 کی تاریخ مقرر کی۔ مولانا چنیوٹی 20 اپریل وہاں پہنچے لیکن قاضی نذیر میدان میں آنے کی جرأت نہ کر سکا۔

مناظرہ ابادان نائجیریا۔ 13 اگست 1976

یہ مناظرہ مولانا چنیوٹی اور علامہ ڈاکٹر خالد محمود نے ڈاکٹر بھٹہ اور امام عبد الرحیم داد سے کیا۔ یہ مناظرہ 13 اگست 1976 کو ہوا موضوع مناظرہ مرزا قادیانی کا کردار تھا۔ یہ دونوں مناظرے ''دورہ افریقہ'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں ان مناظروں میں اہل حق کو زبردست فتح نصیب ہوئی سینکڑوں قادیانیوں نے قادیانیت سے توبہ کی اور حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

مناظرہ ناروے 1995

24-25 اگست 1995 کو مولانا چنیوٹی اور ناروے قادیانیوں کے درمیان تحریری طور پر مناظرہ ہوا جو کہ بعد ازاں مولانا چنیوٹی نے ''مناظرہ ناروے'' کے نام سے شائع کیا۔

مناظرہ عنایت پور بھٹیاں 25 مئی۔ 1995

عنایت پور بھٹیاں لالیاں جھنگ روڈ پر ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جہاں پر قادیانی کافی تعداد میں آباد ہیں مرزا قادیانی کے اخلاق و کردار کے موضوع پر مناظرہ مورخہ 25 مئی 1995 عنایت پور بھٹیاں کے خطیب مولانا غلام محمد (مولانا منظور احمد چنیوٹی کے ابتدائی شاگرد) اور قادیانی مبلغ جاوید اقبال کے درمیان طے ہوا مولانا محمد الیاس چنیوٹی ایم۔ پی۔ اے مولانا محمد ابراہیم اور مولانا مشتاق احمد چنیوٹی کی معاونت میں مقررہ تاریخ پر مناظرہ شروع ہوا۔ مسلمانوں کی طرف سے صدر مناظرہ رائے لیاقت حیات بھٹی اور قادیانیوں کی طرف سے صدر مناظرہ رائے اللہ بخش بھٹی مقرر ہوئے ایک شیعہ ذاکر غلام عابد بلوچ کو ثالث مقرر کیا گیا یہ مناظرہ ساڑھے چار گھنٹے جاری رہا قادیانی مبلغ لاجواب ہوتا رہا آخر کار مولانا غلام محمد صاحب نے قادیانی کے دو جھوٹے دعوی پیش کیے اور مطالبہ کیا کہ ان کو احادیث صحیحہ سے ثابت کرو

(1) احادیث صحیحہ میں آیا تھا کہ مسیح موعود صدی کے سر پر آئے گا اور چودھویں صدی کا مجدد ہوگا۔ ۸۰؎

(2) انبیاء گذشتہ کے کشوف نے اس بات پر قطعی مہر لگا دی ہے کہ مسیح موعود چودھویں صدی کے سر پر آئے گا نیز یہ کہ پنجاب میں ہوگا۔ ۸۱؎

مرزائی مناظر ان جھوٹے دعوؤں کا موقع پر کوئی جواب نہ دے سکا اور ایک ماہ کی مہلت مانگی مسلمانوں نے بخوشی یہ مہلت دے دی۔ فریقین کے دستخطوں سے ایک تحریر لکھی گئی کہ 22 جون 1995 فریقین دوبارہ جمع ہوں گے جو فریق شکست کھا گیا وہ دوسرے فریق کا مذہب قبول کرے گا 22 جون 1995 مسلمان مقام مناظرہ پر پہنچ گئے لیکن مرزائی مناظر جاوید اقبال نہ آیا اس پر قادیانیوں نے منت سماجت کرکے ایک ہفتہ کی مہلت مانگی جو کہ دے دی گئی چنانچہ 28 جون 1995 کا دن مقرر کیا گیا۔ لیکن مقررہ تاریخ پر قادیني مناظر اور دیگر قادیانی امیندار غائب ہوگئے اس پر شیعہ ثالث غلام عابد بلوچ نے مسلمانوں کے حق میں فیصلہ لکھ دیا۔ مسلمانوں کی اس عظیم فتح اور قادیانیوں کی عبرتناک شکست کے نتیجہ میں پچاس سے زائد قادیانی موقع پر مسلمان ہو گئے۔

مولانا اللہ وسایا کے مشہور مناظرے

مولانا اللہ وسایا نے جو قادیانیوں سے مختلف مقامات پر مناظرے کیے ہیں وہ کتابی شکل میں ''قادیانیوں سے فیصلہ کن مناظرے'' کے عنوان سے چھپ چکی ہے اس کی طباعت کا شرف عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضور باغ روڈ ملتان کو حاصل ہوا ہے جس کا سن اشاعت 2006ء ہے یہ کتاب 201 صفحات پر محیط ہے۔

مولانا اللہ وسایا باطل کے ان وکیلان صفائی کے روبرو حق کے وکیل استغاثہ کے روپ میں پیش ہوتے رہے ایک ماہر وکیل کی طرح ہر پہلو سے اس کی تیاری کرکے میدان میں اترتے اور انہیں نوک دم بھاگنے پر مجبور کر دیتے بڑے بڑے قادیانی مبلغین ان سے گفتگو کرتے ہچکچاتے اور سٹپٹاتے ہیں۔ قادیانی مناظرین مولانا کے دلائل کی تاب نہ لا کر میدان سے بھاگتے ہیں مولانا صاحب حقیقتاً عصر حاضر میں صداقت کے وکیل ہیں مولانا صاحب حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے خون شہادت سے روشن شاہرہ پر جرأت مندانہ انداز میں گامزن ہیں ان کا لسانی قلمی اور عملی جہاد جاری و ساری ہے۔

مناظرہ منصور آباد۔ (فیصل آباد) 3 جنوری 1982

فیصل آباد شہر کے ایک علاقے منصور آباد میں محترم ڈاکٹر محمد جمیل صاحب کی قیام گاہ پر یہ مناظرہ ہوا یہ مناظرہ 3 جنوری 1982 کو مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے مبلغ برادر محترم اللہ وسایا صاحب مرکز ختم نبوت مسلم کالونی ربوہ اور مرزائیوں کے ساٹھ سالہ تجربہ کار گھاگ مربی (جو مغربی جرمنی میں مبلغ رہ چکے تھے اور فیصل آباد میں ایک سکول چلا رہے تھے) تاج محمد بی۔اے علیک کے درمیان ہوا۔

مولانا اللہ وسایا مولانا فضل امین کے ساتھ ڈاکٹر محمد جمیل کے گھر آئے اور وہاں ایک گھنٹہ تک مرزائی مبلغ سے گفتگو ہوئی اس مباحثہ میں مولانا اللہ وسایا صاحب نے جہاں علمی گرفت کی وہاں نزدیک ترین راستہ اپناتے ہوئے زیادہ زور مرزا غلام قادیانی کے حوالوں پر دیا۔ان حوالوں کی وجہ سے مرزائی مبلغ بری طرح بوکھلاہٹ طاری ہوئی یہاں تک وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ ''مرزا قادیانی نے غلط کہا'' میں ان کی اس بات کو نہیں مانتا اور یہ کہا کہ اس بحث کو چھوڑیں کوئی اور بات کریں۔

مناظرہ چنگا بنگیال-8 جنوری 2004

مولانا اللہ وسایا نے اپنے ایک دوست محترم پروفیسر محمد آصف کی لائبریری کو دیکھنے کا وعدہ کیا جن کا تعلق گوجر خان کے علاقے چنگا بنگیال سے ہے پروفیسر صاحب کی قادیانیوں سے گفتگو ہوتی رہتی تھی اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے پروفیسر صاحب نے قادیانی کے مربی فضل احمد سے ایک مناظرہ کا پروگرام طے کرایا۔

یہ صاحب علم اور سچے مسلمان تھے مگر مرزا صاحب کے حالات جاننے کے بعد قادیانیت اختیار کی اور ان کی وساطت سے اس کے خاندان کے لوگ مرزائی ہو گئے مرزائیوں کا رسالہ ''الفضل'' انہیں کے نام سے موسوم کیا گیا تھا یہ اس کے ایڈیٹر بھی رہے کہا جاتا ہے کہ مرنے سے پہلے مسلمان ہوئے تھے۔

عصر کی نماز کے بعد پروفیسر صاحب اور مولانا اللہ وسایا قادیانی راجہ سعید الحسن کے مکان پر تشریف لے گئے۔آٹھ یا نو افراد تھے جن میں مرزائی مسلم موجود تھے قادیانیوں نے گفتگو کے لیے سعید الحسن قادیانی مربی کو تیار کیا ہوا تھا۔اس مناظرہ میں مرزا قادیانی کے کردار اور حیات مسیح پر گفتگو ہوئی جب دلائل سے قادیانی مبلغ حواس باختہ ہوئے تو کہنے لگے کہ کیا آپ ہمارے گھر پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں ہم آپ سے مناظرہ نہیں کرتے نہ تاریخ مقرر کرتے ہیں ایک بزرگ قادیانی نے کہا ہم نے شکست کھائی ماتھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا کہ آپ جائیں۔

مناظرہ چھوکر خورد-4 فروری 1998ء

چھوکر خورد ضلع گجرات میں تقریباً ایک برادری کے لوگ آباد ہیں ان میں سے کچھ خاندان قادیانی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں مسلمانوں نے قادیانی نمبر دار کو دعوت دی کہ وہ قادیانی عقائد پر نظر ثانی کرے قادیانی نمبر دار نے کہا کہ آپ کسی عالم دین کو بلائیں جو مجھے سمجھا دے تو میں اس کے لیے ہوں چنانچہ ان کی درخواست پر مولانا اللہ وسایا 4 فروری 1998 کو حاضر ہوئے اس کے علاوہ مقتدر علماء بھی موجود تھے ان کی موجودگی میں قادیانی نمبر دار سے اڑھائی سے تین گھنٹوں تک گفتگو ہوئی اس بحث میں مختلف موضوعات زیر بحث آئے جن میں مرزا صاحب کی زندگی اور ان کے مختلف دعاوی اور حیات مسیح پر گفتگو کی گئی۔

قادیانی نمبردار نے تمام پہلوؤں کے حوالے سے جب مفصل گفتگو سنی تو پندرہ دن کا وعدہ کیا مگر اس کا پھر کبھی بھی جواب نہ دیا۔

مناظرہ ایبٹ آباد 18 دسمبر 2003

ضلع مانسہرہ میں فاروق نامی قادیانی شخص تھا اس نے کہا کہ مسلمان ہونا چاہتا ہوں اگر کوئی عالم دین میرے اشکال دور کردے اور اپنے مسلمان ہونے کی شرط یہ عائد کی کہ میری ملازمت اور رہائش کا انتظام کردیں۔ مولانا صاحب نے مرزائی کے وساوس دور کرنے کے چار طریقے بیان کیئے۔

گفتگو کے دوران مرزا کی شخصیت ان کی تحریروں کے آئینہ میں دیکھانے کی کوشش کی پھر حیات مسیحؑ پر سیر حاصل گفتگو کی۔

مناظرہ چک 98 شمالی۔ سرگودھا 18 فروری 1982

چک نمبر 98 شمالی سرگودھا سے مولانا ممتاز حسین صاحب نے مدرسہ ختم نبوت چناب نگر میں اطلاع دی کہ قادیانیوں سے 19 فروری 1982 بروز جمعہ گفتگو ہے مولانا اللہ وسایا نے وہاں جاکر مسلمانوں سے ملاقات کی اور مرزائیوں کو پیغام دے کر بھیجا کہ مسلمان علماء آگئے ہیں آپ اپنے مبلغ سمیت تشریف لائیں تاکہ گفتگو ہوسکے انہوں نے کہا کہ جمعہ کے بعد گفتگو کریں گے مولانا صاحب نے کہا گفتگو جمعہ کے بعد ہوگی مگر اس کی شرائط پہلے سے طے کریں۔ تاکہ ان شرائط کی روشنی میں جمعہ کے بعد گفتگو ہوسکے۔ ورنہ شرائط طے کرتے ہوئے جمعہ کے بعد وقت ضائع ہوگا اس لیے یہ کام تو جمعہ سے پہلے نمٹا لیا جائے تو بہتر ہوگا مولانا نے کہا کہ گفتگو تمام مختلف فیہ مسائل پر ہوگی پہلے گفتگو حیات مسیح پر گفتگو ہوگی پھر مدعی نبوت مرزا کے کذب پر پھر ختم نبوت پر گفتگو ہوگی مگر قادیانی حضرات مصر تھے کہ مرزا قادیانی کے صدق و کذب پر بحث نہ ہو مگر مولانا نے کہا چلو جو آپ کی مرضی اس پر گفتگو کرلیں گے پہلی شرط یہ ہوگی کہ حوالہ جات کے لیے فریقین کی کتابیں پیش ہونگی مگر قادیانیوں نے کہا کہ حوالہ صرف قران وحدیث سے پیش ہونگے قرآن حدیث ہمارے سر آنکھوں پر اور تمہارا لٹریچر آپ کے سر آنکھوں پر مولانا صاحب نے کہا آپ اپنے لٹریچر سے کیوں گریز کرتے ہو انہوں نے جمعہ کے بعد گفتگو کرنے کا وعدہ کیا مگر واپس نہ آئے۔

مناظرہ چک عبداللہ ضلع بہاولنگر 25 فروری 1981

چک عبداللہ ضلع بہاولنگر کے مسلمانوں نے عالمی مجلس ختم تحفظ نبوت ملتان والوں کو خط لکھا کہ یہاں ایک رانا نامی قادیانی اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے دن رات کوشاں رہتا ہے اس نے مناظرہ کا چیلنج دے رکھا ہے چنانچہ خط کا جواب دینے کی بجائے مولانا اللہ وسایا اور مولانا خدا بخش صاحب 25 فروری 1981 کو بہاولنگر تشریف لے گئے مقامی احباب کی درخواست پر اڈہ کی مسجد میں تبلیغی مجلس کا انعقاد کیا گیا ظہر کی نماز کے بعد مولانا اللہ وسایا نے کلیدی کلمات ارشاد فرمائے اور مرزائیوں کے عقائد باطلہ پر روشنی ڈالی رانا صاحب نے مولانا صاحب سے کہا کہ کیا مرزا صاحب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گستاخ تھا یا نہیں۔ مولانا صاحب نے مختلف حوالہ جات کے ذریعے سے مرزا صاحب کا گستاخ رسول ہونا ثابت کیا اس میں مندرجہ ذیل حوالہ جات پیش کرنے کو کہا گیا۔ (۱) مرزا صاحب نے کہا کہ حضور نبی کریمؐ سور کی چربی استعمال کرتے تھے۔ (2) ایک مرید نے مرزا صاحب کو کہا

کہ آپ نبی کریمؐ سے اکمل ہیں (3) مرزا صاحب نے ایک ایسی روایت پیش کی جو بخاری مین موجود نہیں مثلاً جب حضرت مہدی آئیں تو آسمانوں سے آواز آئے گی ھذا خلیفۃ المہدی مگر یہ الفاظ موجود نہیں ہیں (4) مرزائیوں کی اخبار میں چھپا ہوا ہے کہ مرزا صاحب کبھی کبھی زنا کرتے تھے۔

ان حوالہ جات کے ساتھ علمائے اسلام وہاں پہنچے اور اہل اسلام کی فتح اور قادیانیت کی شکست کا اعلان کیا گیا۔

حواشی و حوالہ جات

ا۔ تاریخ محاسبہ قادیانیت پروفیسر خالد شبیر احمد 127 ص 129

۲۔ مجموعہ اشتہارات مرزاغلام احمد قادیانی ج اول۔ ص 237۔238

۳۔ اشاعۃالسنۃ ج۔14 ص4

۴۔ اشاعۃالسنۃ ج 14 ص ۴)

۵۔ تبلیغ رسالت ج-2 ص28-27

۶۔ اشاعۃالسنۃ ج ۱۴، ص۵

۷۔ اشاعۃالسنۃ ج۔۲، ص۔۳۷

۸۔ اشاعۃالسنۃ ج۔۱۶، ص۶

۹۔ اشاعہ السنۃ ج: 6، ص،9-6

۱۰۔ تاریخ مرزا مولنا ثناء اللہ امر تسری ص۔44-42

۱۱۔ رئیس قادیان-ابوالقاسم رفیق دلاوری-ج اول ص۔362

۱۲۔ تبلیغ رسالت میر قاسم علی مرزائی ص96-94

۱۳۔ سیرۃالمہدی- مرزابشیر احمد ایم اے-ج ا- ص220

۱۴۔ مجموعہ اشتہارات ج1- ص399

۱۵۔ الہامات مرزا مولنا ثناء اللہ امر تسری طبع ششم۔ ص95

۱۶۔ الکاویۃ علی الغاویۃ مولانا محمد عالم آسی۔امر تسری ج ۲، ص346

۱۷۔ الکاویہ علی الغاویہ ج۔ا۔ ص85

۱۸۔ قصائد احمدیہ (ص133-107)

۱۹۔ اعجاز احمدی۔ مرزاغلام احمد قادیان ص88

۲۰۔ الہامات مرزا۔ ثناء اللہ امر تسری۔ ص96

۲۱۔ اعجاز احمدی۔ مرزاغلام احمد ص11

۲۲۔ اعجاز احمدی۔ مرزاغلام احمد قادیانی ص27

۲۳۔ چشمہ معرفت۔ مرزاغلام احمد قادیانی ص321

۲۴۔ کانا دجال۔ عبدالحکیم خان پٹیالوی ص50

۲۵۔ تبلیغ رسالت۔ ج۔ دہم۔ ص113

۲۶۔ اخبار الفضل، قادیان ج18 نمبر135، 22 مئی 1931

۲۷۔ اخبار۔ الحق۔ 16فروری 1912۔ دہلی

۲۸۔ اخبار بدر 13جون 1907

۲۹۔ فاتح قادیان۔ مولانا ثناء اللہ ص40-39 طباعت جولائی 1920

۳۰۔ ایضا ص 57

۳۱۔ اخبار الحدیث بابت 2 جولائی 1909 امر تسر

۳۲۔ فاتح قادیان کی ہوشیار پور لدھیانہ اور جالندھر میں آمد (اہل حدیث امر تسر 15 دسمبر 1916

۳۳۔ اہل حدیث امر تسر۔ 15 فروری۔ 31 مئی۔ 7 جون 1918

۳۴۔ اہل حدیث امر تسر ۳ اور 10 مئی 1918ء

۳۵۔ ایضاً 26 اپریل 1918

۳۶۔ ایضاً 23 اگست 1918

۳۷۔ ایضاً 10 اور 17 جنوری 1919

۳۸۔ اہل حدیث امر تسر۔ 31 جنوری 1919

۳۹۔ اہل حدیث امر تسر 14 مارچ 1919

۴۰۔ اہل حدیث امر تسر 2 مئی 1919

۴۱۔ ایضا 7 دسمبر 1917

۴۲۔ اخبار۔ اتحاد۔ امر تسر ج 5 شمارہ 1921

۴۳۔ ایضاً 25 مارچ 1921ء

۴۴۔ ایضاً 24-22 اپریل 1921

۴۵۔ ایضاً 29-22 اپریل 1921

۴۶۔ اہل حدیث امر تسر۔۔ 14 اکتوبر 1921

۴۷۔ ایضاً 31 دسمبر 1923

۴۸۔ ایضاً۔ 23۔ اپریل 1926

۴۹۔ اہل حدیث امر تسر 15 فروری 1929

۵۰۔ اہل حدیث امر تسر 31 نومبر 1930ء

۵۱۔ (ایضاً۔ 6 مئی 1932

۵۲۔ ایضا۔ 12-5 جنوری 1934

۵۳۔ ایضا-23 مارچ 1934

۵۴۔ یضاً- 6 اکتوبر 1934

۵۵۔ ایضاً 5 اکتوبر 1934

۵۶۔ ایضا۔ 2 نومبر 1934

۵۷۔ ایضاً-12اپریل 1935

۵۸۔ ایضا 24فروری1939

۵۹۔ ایضاً-21نومبر 1941

۶۰۔ الظفر الرحمانی فی کشف القادیانی- مفتی غلام مرتضٰی ص 1924222ء

۶۱۔ مکتوبات احمد یہ ج 5 نمبر 2- ص98- مفتی یعقوب علی

۶۲۔ اشاعۃ السنۃ ج 13۔ ص 46-16

۶۳۔ انشاعۃ السنۃ - ج13- ص54

۶۴۔ اشاعۃ السنۃ ج14- ص416

۶۵۔ اشاعۃ السنہ ج 14 ص-416

۶۶۔ مناظرہ ڈاور- مولانا لال حسین اختر ص8-1985

۶۷۔ تائید الاسلام- جون 1932- ص ۲۲

۶۸۔ نصرت الاسلام-علامہ خالد محمود ص80-1962

۶۹۔ مناظرہ انار کلی- مولانا محمد الیاس- ص16- 25 جنوری1983

۷۰۔ برق آسمانی برخرمن قادیانی- مولانا ظہور احمد بگوی ص216-1932ء

۷۱۔ سیرت محمد علی مونگیری- سید محمد الحسنی ص 295 مجلس نشریات اسلام 1-کے-3 ناظم آباد کراچی

۷۲۔ کمالات محمد یہ- مولانا محمد علی مونگیری- ص275

۷۳۔ کمالات محمد یہ- محمد علی مونگیری- ص275

۷۴۔ سیرت محمد علی مونگیری- مولانا سید محمد الحسنی ص298

۷۵۔ محمد عبد السمیع الانصاری-مدرس دار العلوم دیوبند 21 جنوری 1919

۷۶۔ رسالہ القاسم۔ دیوبند شمارہ ربیع الثانی جمادی الاول جماد الثانی رجب، شعبان 1337

۷۷۔ انگریزی اخبار دی اڑیا کٹک 26مارچ 1919

۷۸۔ معرکہ رنگون- مولانا احمد بزرگ سملکی- نامزد ختم نبوت اکیڈمی لندن- مبشر پرنٹنگ سروس ناظم آباد نمبر 2 کراچی۔ ص نمبر 5

۷۹۔ کاروان احرار- مرزا جانباز-ج 2 ص270-268

۸۰۔ ضمیمہ براہین احمد یہ ج-5- ص 81

۸۱۔ اربعین نمبر 2 ص32

باب چہارم: قادیانی مناظرانہ ادب کا مطالعاتی جائزہ

فصل اول: مشہور و معروف قادیانی مناظرین کا تعارف

مرزا غلام احمد قادیانی:

ان کے تعارف پر باب دوم کی فصل دوم ''مرزا غلام احمد قادیانی کا تعارف اور مختلف دعاوی'' کے تحت تفصیل سے روشنی ڈال دی گئی ہے

حکیم نور الدین

حکیم نور الدین 1841 میں پیدا ہوئے وہ مرزا صاحب کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے مرزا صاحب جو کہ احمدیہ مذہب کے بانی ہیں اور 27 مئی 1908 کو ان کے بعد پہلے خلیفہ مقرر ہوئے وہ مشہور حکیم تھے اور ایک فعال مصنف متکلم تھے عربی اور عبرانی زبان پر مہارت تامہ رکھتے تھے وہ جموں کشمیر کے مہاراجہ کے شاہی طبیب تھے انہوں نے ایک طویل عرصہ تک مکہ اور مدینہ منورہ میں قیام کیا۔ وہاں سے انہوں نے دینی علوم میں مہارت حاصل کی قرآن و حدیث کے متعلق ان کے خطبات احمدی حضرات کے لیے جاذبیت کے حامل ہیں۔

ان کے مختلف موضوعات پر خطبات چار جلدوں میں جمع کئے گئے جو کہ خدائق الفرقان کے نام سے موسوم ہیں نامور حضرات نے ان سے قرآنی علوم کی تعلیم حاصل کی مثلاً مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفہ ثانی جنہوں نے تفسیر کبیر اور تفسیر صغیر لکھی اس طرح مولوی محمد علی، شیر علی جنہوں نے سب سے پہلے قرآن مجید کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا۔ اور قرآن کی تفسیر لکھی۔ عیسائی اور آریہ سماج کی طرف اسلامی پر کئے جانے والے اعتراضات اور شکوک و شبہات کے جواب تحریر کئے۔ حکیم نور الدین نے سب سے پہلے مرزا صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی وفات کے بعد بلا اختلاف خلیفہ منتخب کیے گئے مرزا صاحب کے بعد احمدی جماعت کے اتحاد قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

حکیم صاحب نے لاہور میں دو سال قیام کے دوران فارسی زبان میں مہارت حاصل کی اور اپنے بڑے بھائی سے بنیادی عربی کے بارے میں سوجھ بوجھ حاصل کی۔

The way of Righteous" Written by seyed Hashim Ahmad Islam International Publication "

.Page-66

جموں کشمیر میں قیام کے دوران وہ مسلسل ہندو اور عیسائیوں کے ساتھ مناظرہ کرنے میں مصروف رہے۔ اور ان دنوں انہوں نے مرزا صاحب کی کتاب براہین احمدیہ کا مطالعہ کیا جس میں ان کا دعویٰ مسیحیت اور مہدویت موجود تھا اس سے متاثر ہو کر وہ مرزا صاحب کے پاس حاضر ہو کر بیعت کی اور انہوں نے مرزا صاحب سے مجاہدہ اور ریاضت کی تعلیم کی درخواست کی تو مرزا صاحب نے ان کو عیسائیت کے خلاف کتاب لکھنے کا حکم دیا تو انہوں نے فصل الخطاب اور مقدمہ اہل الکتاب دو کتابیں تصنیف کیں دوبارہ مرزا صاحب سے درخواست کی تو انہوں نے آریہ سماج کے اعتراضات کا جواب دینے کے لیے کتاب لکھنے کا حکم دیا۔

انہوں نے ایک کتاب تصدیق براہین احمدیہ کے نام سے تصنیف کی۔[1]

ان کی تصانیف حسب ذیل ہیں؛

۱۔ حدائق الفرقان (تفسیر قرآنی) چار جلد ۲۔ بیاض نور الدین۔ طب

۳۔ فصل الکتاب۔ مقدمہ اہل الکتاب۔ عیسائیت کے اعتراضات کے جوابات۔

۴۔ ابطال الوہیت مسیح ۵۔ تصدیق براہین احمدیہ

۶۔ رد تناسخ ۷۔ پنڈت لیکھرام

۸۔مرقات الیقین فی حیات نور الدین ۹۔ دینیات کا پہلا رسالہ

۱۰۔ خطبات نور

یوم وفات:

حکیم صاحب 13 مارچ 1914 کو فوت ہوئے انہوں نے اپنے پیچھے سات بچے چھوڑے ان کا انتقال قادیان میں ہوا اور قادیان کے بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئے۔

مرزا بشیر الدین محمود

جنوری 1898 میں پیدا ہوئے یہ احمدی جماعت کے دوسرے خلیفہ تھے اور مرزا صاحب کے بیٹوں میں سے بڑے بیٹے تھے۔ مرزا صاحب کی دوسری زوجہ نصرت جہاں بیگم سے پیدا ہوئے۔ وہ 14 مارچ 1914 کو دوسرے خلیفہ منتخب ہوئے۔

جماعت احمدیہ کی تنظیمی ڈھانچے کے استحکام میں اہم کردار ادا کیا انہوں نے قرآن مجید کی دس جلدوں میں تفسیر لکھی اور انہوں نے جماعت کے تبلیغی مشن کو انڈیا کے علاوہ دیگر بیرونی ممالک میں پھیلانے کی کوششیں معروف ہیں بشیر الدین ایک بلند پایا خطیب اور متحدہ ہندوستان کی فعال سیاسی سرگرمیوں میں شریک رہے احمدیہ جماعت نے ان کو مصلح موعود اور موعود کے بیٹا کا خطاب دیا۔

بچپن میں بیماری کی وجہ سے ثانوی مرحلہ ان کی تعلیم کا متاثر ہوا اوائل عمری میں جماعت احمدیہ کی خدمت میں مصروف کار رہے 26 مئی 1908 میں مرزا صاحب کی وفات کے بعد جب یہ 19 سال کے تھے 27 مئی 1908 کو انہوں نے حکیم نور الدین کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس کے بعد قرآن بخاری اور مثنوی کی تعلیم حاصل کی اور حکیم صاحب سے طب کی تعلیم حاصل کی ان سے تعلقات کے باعث ان میں قائدانہ صلاحیتیں پروان چڑھیں انہوں نے جماعت احمدیہ کے لیے مضامین لکھے اور کلامی مباحثوں میں مختلف علماء کے ساتھ مصروف رہے جولائی 1911 میں ملتان کی جماعت احمدیہ کے امیر مقرر ہوئے انہوں نے ستمبر 1912 میں مصر اور عرب کا سفر کیا اور اس دوران حج بھی کیا۔ 1913 کے بعد انہوں نے الفضل کے نام سے اخبار جاری کیا۔ اس اخبار نے جماعت احمدیہ کے تبلیغی مشن اور ان کی تاریخ کو محفوظ کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ 14 مارچ 1914 کو حکیم صاحب کی وفات کے بعد جماعت احمدیہ کے دوسرے خلیفہ چنے گئے۔ ان کی قیادت کے دوران جماعت احمدیہ کے تبلیغی سرگرمیوں میں ترقی ہوئی اور مدرسہ احمدیہ کو انہوں نے یونیورسٹی کے درجہ پر پہنچایا۔ انہوں نے اپنے دور میں تبلیغی مشن کے سلسلے میں 46 جماعتیں مختلف ممالک میں روانہ کیں۔

انہوں نے انجمن تحریک جدید کی بنیاد رکھی جو جماعت معاشی سرگرمیوں کے لیے چندہ اکھٹا کرتی انہوں نے مختلف علاقوں میں جماعت احمدیہ کے لیے معابد تعمیر کیئے۔ انہوں نے مختلف زبانوں میں رسالہ کا اجراء کیا۔ مغربی دنیا کے لیے قرآن مجید کے ترجمہ اور تفسیر کا کام شروع کیا۔ (سوانح فضل عمر) جلد 2۔ ص 302-298) مصنفہ مرزا طاہر احمد۔ ناشر فضل عمر فائونڈیشن مطبع چمن زار پریس لاہور)۔

بشیر الدین متحدہ ہندوستان میں سیاسی اعتبار سے سرگرم رہے ان کے آل انڈیا مسلم لیگ کیساتھ خوشگوار تعلقات تھے انہوں نے تحریک خلافت میں بھی حصہ لیا اور تحریک عدم تعاون میں بھی شریک رہے۔ انہوں نے تقابل ادیان کے حوالے سے مختلف موضوعات پر لیکچر دیے جس میں ہندو مسلم میں باہم مفاہمت پیدا کرنا تھا۔ انہوں نے 1919 میں صدر انجمن احمدیہ میں بھی اصلاحات کیں اور انجمن میں مختلف شعبے تشکیل دیے جیسے تعلیم۔ بیت المال۔ ادب۔ عمومی معاملات وغیرہ۔۔اور ہر شعبہ کا ایک سربراہ مقرر کیا۔ انہوں نے مجلس شوری کا بھی اجراء کیا انہوں نے شدھی تحریک کے رد میں اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے مشرقی وسطی اور یورپی ممالک کا بھی سفر کیا۔ ال انڈیا کشمیر کمیٹی قائم کی۔

ان کی تصنیفات حسب ذیل ہیں:

۱۔ تفسیر کبیر
۲۔ مطالعہ قرآن کا تعارف
۳۔ احمدیت کی دعوت
۴۔ اسلام کا اقتصادی نظام
۵۔ تحفۃ الامیر
۶۔ حقیقت النبوۃ
۷۔ سیر روحانی
۸۔ فضائل قرآن
۹۔ ہندوستان کے سیاسی مسائل کا حل
۱۰۔ ہستی باری تعالیٰ
۱۱۔ ملائکہ اللہ
۱۲۔ کیا مسیح انسانیت کا نجات دہندہ تھا۔
۱۳۔ آئینہ حقیقت

وفات:

دس مارچ 1954 کو عصر کی نماز کے فارغ ہونے کے بعد ایک شخص نے ان پر حملہ کیا جس کے باعث ان کی گردن اور معدہ زخمی ہوا علاج معالجہ کے بعد تھوڑا سا افاقہ ہوا تو مزید علاج کے لیے یورپ چلے گئے اسی سفر میں تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف رہے مگر اس کے بعد 8 نومبر 1965 کو ربوہ میں انتقال ہوا۔

خلیفہ المسیح الثالث مرزا ناصر احمد صاحب

مرز ناصر صاحب 16 نومبر 1909 کو پیدا ہوئے 17 اپریل کو حفظ قرآن مکمل کیا۔ جولائی 1929 کو مولوی فاضل کا امتحان اعلی درجے میں پاس کیا 1934 میں بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ ستمبر 1934 سے نومبر 1938 تک انگلستان کا سفر کیا۔ وہاں جانے کا مقصد اعلیٰ تعلیم کا حصول تھا۔

وہاں ایک رسالہ الاسلام جاری کیا۔ جرمنی میں جرمن زبان اور مصر میں عربی زبان سیکھی مطالعے کے شوقین تھے۔
فرقان بٹالین کمیٹی کی ممبر شپ 1948 سے 1950 تک رہی یورپ سے واپسی پر 1938 میں جامعہ احمدیہ کے پروفیسر مقرر ہوئے
1939 میں پرنسپل بنے طلباء کو انگریزی اور فلسفہ پڑھاتے تھے۔ فروری 1939 سے اکتوبر 1949 تک مجلس خدام الاحمدیہ کے
صدر رہے اور اکتوبر 1949 سے نومبر 1954 تک نائب صدر رہے اور رسالہ خالد کا اجرا ہوا 1959 میں مجلس انصار اللہ کی قیادت
ان کے پاس آگئی۔ اور رسالہ انصار اللہ کا اجراء کیا مئی 1955 میں صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے صدر بنے۔ 1959 تا انتخاب
خلافت نومبر 1956 جلسہ سالانہ کی خدمات انجام دیں مئی 1944 سے نومبر 1956 تک بطور پرنسپل تعلیم الاسلام کالج طلباء کی
بھرپور رہنمائی کی اپریل 1953 سے 28 مئی 1953 تک جیل میں رہے۔

8 نومبر 1965 کو خلیفہ منتخب ہوئے اپریل 1979 میں لندن میں فوت ہوئے۔

دور خلافت فضل عمر فائونڈیشن اور تحریک تعلیم القرآن اور دفتر سوم تحریک جدید کا اجراء ہوا اس کے علاوہ وہ یورپ بھی
اسفار کیے پاکستان اسمبلی میں احمدیت کی ترجمانی کی۔ 12 اپریل 1982 کو فوت ہوئے۔

ان کے خطبات مختلف دینی موضوعات پر ان کی کتب میں تعمیر بیت اللہ کے 23 مقاصد مشعل راہ، سبیل الرشاد اور خطبات
مشہور ہیں۔

خلیفہ رابع مرزا طاہر احمد صاحب

18 دسمبر 1928 کو قادیان میں پیدا ہوئے۔ قادیان میں تعلیم الاسلام سکول میں تعلیم کا آغاز کیا۔ 1944 میں میٹرک
کیا۔ پھر گورنمنٹ کالج لاہور سے ایف ایس سی اور پرائیوٹ بی اے کیا 1941 میں جامع احمدیہ میں داخلہ لیا 1953 میں امتیازی
نمبروں سے امتحان پاس کیا۔ اور مقالہ النبوۃ فی الاۃ لکھا۔ 1954 انگلستان گئے اور وہاں سکول آف اورینٹل اینڈ افریقن سٹڈیز میں
داخلہ لیا۔ 1957 میں واپس آئے۔ اور زمینداری میں دلچسپی لی۔ 1982 میں خلیفہ بنے۔ دوسرے ملکوں کے تبلیغی دورے
کیے۔ 1984 کو لندن منتقل ہو گئے۔ اور 1992 میں MTA کا اجراء کیا۔ جماعت کے کام کے لیے مختلف ادرے تشکیل دیے اور کتابیں
لکھیں جو درج ذیل ہیں۔

وصال ابن مریم۔ مذہب کے نام پر خون۔ ربوہ سے تل ابیب تک پر تبصرہ۔ ورزش کے زینے۔ سوانح فضل عمر۔ ذھق
الباطل وغیرہ۔

خلیفہ خامس مرزا مسرور صاحب

1950 میں پیدا ہوئے یہ مرزا صاحب کے پڑپوتے ہیں اور خلیفہ ثانی کے نواسے ہیں۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول سے میٹرک
کیا اور تعلیم الاسلام کالج ربوہ سے بی اے کیا۔ 1976 میں زرعی یونیورسٹی فیصل آباد سے ایم ایس سی ایگریکلچرل اکنامکس کی ڈگری
حاصل کی غانا میں 1977 تا 1985 تک پرنسپل رہے۔

1985 کو پاکستان واپسی ہوئی اور نائب وکیل المال ثانی کے طور پر تقرر ہوا۔ 1994 کو ناظر تعلیم صدر انجمن احمد کے
طور پر تقرری ہوئی مختلف شعبوں کی تعلیم وترقی میں کام کیا مثلا ناصر فائونڈیشن گلشن احمد نرسری خدام الاحمدیہ مرکزیہ انصار اللہ

وغیرہ1999 میں جیل بھی گئے لیکن جلدی رہا ہو گئے۔ 2003 میں خلیفہ منتخب ہوئے تا حال وہی خلیفہ ہیں ان کی کتب مشہور یہ ہیں۔ شرائط بیعت اور احمدی ذمہ داریاں، اسوہ رسول ﷺ اور خاکوں کی حقیقت، مشعل راہ، خطبات وغیرہ۔

مولوی عبدالکریم سیالکوٹی

1858 میں سیالکوٹ کے شہر میں پیدا ہوئے آپ کے والد تاجر تھے جو کہ بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے آپ نے ابتدائی تعلیم 1860 میں سیالکوٹ کے امریکی مشن سکول میں حاصل کی مڈل میں فیل ہو گئے اس لیے سکول چھوڑ دیا پھر پرائیویٹ عربی اور فارسی پڑھی گوجرانوالہ میں مولوی محبوب عالم سے تعلیم حاصل کی پھر امریکی مشن سکول میں فارسی پڑھانے کے لیے ملازمت اختیار کر لی وہاں بھی عیسائی مناظرین سے مناظرہ کرتے رہے۔

اپنی جوانی میں سر سید احمد خان سے 22 سال تک تعلقات برقرار رہے۔ اس کے بعد مرزا صاحب کے ساتھ ملاقات ہوئی تو ان کی بیعت کر کے احمدیت میں شامل ہو گئے۔ حکیم نور الدین سے بھی تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے اپنی زندگی کے آخری 13 سال مرزا صاحب کے ساتھ گزارے اور ان کی کتابوں کی تصحیح اور پروف ریڈنگ کی خدمات سرانجام دیں۔ مرزا صاحب کا خطبہ الہامیہ انہوں نے ہی دوران تقریر قلم بند کیا۔ ان کی تصنیفات حسب ذیل ہیں۔

۱۔	الحق سیالکوٹ اول	۲۔	الحق سیالکوٹ دوم
۳۔	القول الفصیح فی اثبات حقیقت مسیح	۴۔	لیکچر گناہ
۵۔	لیکچر موت	۶۔	ھادی کاملؐ
۷۔	رسالہ تبلیغ کا فارسی ترجمہ	۸۔	ایام الصلح کا فارسی ترجمہ
۹۔	محاسن قرآن کریم۔	۱۰۔	سیرت مسیح موعود
۱۱۔	حضرت مسیح اور پیر مہر علی شاہ صاحب		

ان کا وصال 11 اکتوبر 1905 میں قادیان میں ہوا اور یہ بہشتی مقبرہ میں دفن ہونے والے پہلے شخص ہیں۔ ۲

مفتی محمد صادق

13 جنوری 1872 جمعرات کے دن بھیرہ میں پیدا ہوئے والد کا نام مفتی عنایت اللہ تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی ۹ سال کی عمر میں تیسری جماعت میں داخل ہوئے اور 15 سال کی عمر میں مڈل کا امتحان پاس کیا۔ قرآن کا ترجمہ حکیم نور الدین سے پڑھا۔ 1890 میں میٹرک کیا اور جموں ہائی سکول میں ملازمت اختیار کر لی۔

1890 کی تعطیلات کے دوران قادیان جا کر مرزا صاحب کی بیعت کی 1895 میں ایف اے کا امتحان پاس کیا۔ مرزا صاحب کے حکم سے تعلیم الاسلام قادیان میں ہیڈ ماسٹر لگ گئے اس دوران اخبار البدر کی ایڈیٹری کی اور لاہور میں عبرانی زبان سیکھی۔ سفر و حضر میں مرزا صاحب کے ساتھ رہتے تھے ڈاک کے متعلقہ معاملات ان کے سپرد تھے۔

جماعت میں انتشار کو ختم کرنے کے لیے ان کی خدمات احمدیہ جماعت کے ہاں قابل قدر ہیں۔ انگلستان اور دیگر بیرونی ممالک میں تبلیغ کے لیے سفر کیے۔ 1926 میں ناظر امور عامہ کے عہدے پر فائز رہے 1935 میں تحقیقات قبر مسیح کے سلسلے میں کشمیر کا سفر بھی کیا مرزا محمود کے سیکریٹری بھی رہے۔ ۳؎

محمد علی لاہوری

1874 کو پنجاب میں پیدا ہوئے وہ تحریک احمدیہ کے راہنما اور مصنف تھے وہ قائدانہ صلاحیتوں کے حامل تھے۔ انہوں نے 1899 کو ایم اے انگلش اور ایل ایل بی کیا وہ 1897 کو احمدی تحریک میں شامل ہوئے اور اپنی زندگی کو جماعت کی خدمت کے لیے وقف کر دی 1902 میں وہ رسالہ Revieww of Religion کے ایڈیٹر بنے جو کہ نگلش میں پہلا اسلامی رسالہ تھا۔ جب مرزا غلام احمد قادیانی نے صدر انجمن احمدیہ (مجلس عاملہ) کو تشکیل دیا تو محمد علی صاحب کو اس کی ایگزیکٹو کونسل نے سیکریٹری مقرر کیا۔ اور مرزا صاحب کی وفات کے بعد حکیم نور الدین ان کے خلیفہ بنے مارچ 1914 حکیم صاحب کی وفات کے بعد جماعت میں اختلاف ہوا جس میں صدر انجمن احمدیہ کا ایک حصہ بشمول مولانا محمد علی اور چند سینئر افراد قادیان سے لاہور منتقل ہو گئے اور ایک احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی داغ بیل ڈالی جو کہ لاہوری پارٹی سے بھی جانی جاتی ہے۔

مولانا محمد علی 1914 میں شروع ہونے والی اس تحریک کے قائد تھے۔ اور انہوں نے اس کی عالمی تبلیغی کاوشوں کو منظّم کیا۔ اور اردو اور انگلش میں ایک وسیع لٹریچر لکھا۔ ان کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ بانی تحریک کے اصولوں کی تاریخ
۲۔ ریلیجن آف اسلام
۳۔ ترجمہ قرآن انگریزی
۴۔ بیان القرآن اردو ترجمہ و تفسیر
۵۔ رسالہ حدیث
۶۔ حضرت محمد ﷺ دی پروفیٹ
۷۔ احمدی تحریک کا صحیح تصور
۸۔ احمدی تحریک میں اختلاف

مولانا محمد علی کا انتقال 1951 میں ہوا اور صدر الدین صاحب ان کے خلیفہ بنے۔ ۴؎

حافظ روشن علی

آپ 1881 میں انمل ضلع گجرات میں پیدا ہوئے آپ انمل ضلع گجرات کے مشہور پیروں کے خاندانوں میں سے تھے آپ کے بھائی ڈاکٹر رحمت علی اپنے خاندان میں سے پہلے احمدی ہوئے ان کی تبلیغی کاوشوں سے باقی تینوں بھائیوں نے بھی احمدیت قبول کر لی۔ حافظ صاحب 1900 میں قادیان آئے حکیم نور الدین سے تمام دینی اور عربی علوم کی تعلیم حاصل کی اعلی پائے کے خطیب تھے سینکڑوں مباحثے اور مناظرے کئے۔ آپ نے احمدیت کی تبلیغ کے لیے کئی علاقوں کے دورے کیے مولوی جلال الدین شمس اور مولوی ابو العطا اللہ دتہ اور دیگر مبلغین نے ان سے اکتساب علم کیا۔

قبل از وفات ربوہ کے مدرسہ جامعہ احمدیہ کے مدرس تھے آپ صدر انجمن احمدیہ کے آخر تک مجلس شوری کے ممبر رہے۔ آپ نے 23 جون 1929 میں وفات پائی۔ ۵؎

عبدالحق دیارتھی

1889یکم مئی کو امر تسر میں پیدا ہوئے ان کے والد شیخ غلام محمد بھی جماعت احمدیہ کے ممبر تھے میٹرک کے بعد ریلوے کیرج شاپ میں ملازم ہوئے 1914میں جب لاہوری جماعت کا قیام عمل میں آیا تو ملازمت ترک کرکے انجمن میں محرر دوم کی اسامی پر متعین ہوئے۔ نومبر 1914میں اشاعت اسلام کالج قائم ہوئے تو آپ 1915میں سنسکرت کی تعلیم حاصل کرنے پر مامور ہوئے تاکہ ہندوئوں سے مناظرہ کر سکیں ایک ہندو پنڈت سے سنسکرت سیکھی ان دنوں مناظروں کا بازار گرم تھا مولانا نے آریوں عیسائیوں اور دہریوں سے مناظرے کئے اور اسلام کا دفاع کیا1918نزلہ کی وبا پھیلی تو شدید بیمار ہوئے لیکن جلد شفایاب ہو گئے۔ 1920اخبار پیغام صلح کے ایڈیٹر مقرر ہوئے1921-1920میں برام چندر دہلوی سے مناظرہ کیا اوراسے شکست دی 1923میں شدہی تحریک کے خلاف کام کیا1925میں وید کا ترجمہ کرنے پر مامور ہوئے تجرید کا ترجمہ اردو زبان میں کیا۔ ۶
مولانا کی تصانیف حسب ذیل ہیں :

۱۔مسئلہ بہشت	۲۔ یجروید (اردو ترجمہ)
۳۔ارتقاء نسل انسانی بجواب ہبوط نسل انسانی	۴۔آئنہ حق نما ستھیارپر کیارش کے جواب میں
۵۔میثاق النبیین	۶۔اسلام اور آریہ کی پچاس سالہ آویزش

میر محمد اسحٰق صاحب

آپ1890میں لدھیانہ میں پیدا ہوئے جہاں آپ کے والد میر ناصر نواب صاحب کے ملازم تھے بچپن ہی سے مرزا صاحب کے گھر قیام کیا مرزا صاحب کے شب وروز کا مشاہدہ کیا۔ مولوی عبدالکریم حافظ روشن علی مولوی سید سرور شاہ صاحب سے علوم حاصل کیے حکیم نور الدین سے عربی علوم کی تعلیم حاصل کی 1940 مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا1912میں صدر انجمن احمدیہ قادیان کی ملازمت اختیار کی مدرسہ احمدیہ میں مدرس رہے پھر جامعہ احمدیہ میں تدریس کی ناظر دعوت و تبلیغ۔ ناظر ضیافت ناظر بیت المال صدر انجمن احمدیہ صدر مجلس ارشاد۔ افسر جلسہ سالانہ کے عہدوں پر متمکن رہے جب مدرسہ میں بطور ہیڈ ماسٹر کے تعیناتی ہوئی مدرسہ کی تعمیر میں اہم کردار ادا کیا۔

1906میں رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے بعض بڑی بڑی بیماریوں میں بھی مبتلا رہے۔ مورخہ 17مارچ1944کو انتقال ہوا۔ ۷

۱۔ گل دستہ احمد	۲۔ جامع وحدت
۳۔ اظہار حقیقت	۴۔ التنقید بجواب خبر الصحیح عن قبر المسیح
۵۔ مذہب کی تعریف اوراس کی ضرورت	۶۔ اسوۃ الثقات
۷۔ تصدیق المسیح	۸۔ جھوک مہدی

مولوی غلام رسول راجیکی صاحب

مولانا صاحب 1877اور 1879کے بین بین بھادوں کے موسم میں پیدا ہوئے تھے آپ موضع راجیکے ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ مولانا نے 1897ء میں بذریعہ خط مرزا صاحب کی بیعت کی اور اس کے دو سال بعد 1899 میں قادیان حاضر ہو کر دستی بیعت مرزا صاحب کے ہاتھ پر کی۔

مولانا صاحب سلسلہ احمدیہ کے عظیم مبلغ اور مناظر کے حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیںاس موضوع پر انہوں نے ''حیات قدسی'' کے نام پر کتاب تصنیف کی انہوں نے آریوں عیسائیوں اور مسلمان علماء سے مناظرے کیے اردو عربی زبان پر انہیں دسترس تھی کئی موضوعات پر مضامین لکھ کے جرائد رسائل اور اخبارات کے ذریعے شائع کرائے۔

مرزابشیر الدین محمود کے زمانہ میں فروری1957میں آپ کو صدر انجمن احمدیہ کا مستقل ممبر مقرر کیا گیاتادم زیست اس عہدے پر فائز رہے۔ علاوہ افتاء کمیٹی کے بھی رکن تھے۔ ان کا سن وفات 15دسمبر 1963 ہے۔ ۸

جلال الدین شمس

ان کے والد کا نام امام الدین ہے احمدیہ جماعت کے باقاعدہ مبلغین کلاس کے چار طلباء میں سے ایک تھے انہوں نے عنفوان شباب میں ہندوستان کے طول و عرض ہیںپیغام احمدیت پہنچایا۔ جون 1925 کو شام گئے وہاں پر احمدیہ مشن کی بنیاد رکھی 1927 میں کسی مخالف نے خنجر مار کر شدید زخمی کیا۔ اس کے بعد فلسطین گئے وہاں 1931 میں ایک مسجد بنوائی 1936 میں انگلستان گئے 1938 کو مسجد میں امات سنبھالی۔ انہوں نے عیسائیوں آریوں اور مسلمان علماء سے مناظرے کئے۔ 1953 میں مسلمان علماء کے مخالف عدالتوں کے عدالتی معاملات نمٹانے میں مصروف کار رہے۔ انہوں نے تین درجن کے قریب کتب تصنیف کیں۔

''الشرکۃ الاسلامیہ'' کے مینجنگ ڈائریکٹر مقرر ہوئے اور زندگی کے آخری لمحے تک اس منصب پر فائز رہے۔ مرزا صاحب کی تمام کتب اور مرزا صاحب کے ملفوظات کو ایک نئی طرز پر اور مفصل انڈکس تیار کرکے شائع کیا۔

جماعت کے انتظامی معاملات میں بڑی مہارت تھی ربوہ کی تعمیر کے ابتدائی دنوں میں قائم مقام ناظر اعلیٰ کے منصب پر بھی فائز رہے۔ بہشتی مقبرہ کے صدر بھی رہے 1962 میں ناظر اصلاح وارشاد مقرر کیا گیا۔ اس عہدے پر وفات تک فائز رہے۔ مرزا بشیر احمد کے بعد قادیان کی جماعت کے امیر بھی رہے۔ جماعت احمدیہ ربوہ کے بھی ایک لمبے عرصہ تک جنرل صدر رہے۔ آپ بورڈ آف قضاء اور افتاء کمیٹی کے ممبر تھے۔ انجمن احمدیہ ادارۃ المصنّفین کے ممبر بھی رہے۔ غرض پوری زندگی جماعت احمدیہ کے ترویج واشاعت میں مصروف کار رہے۔ 17اکتوبر 1966 کو وفات پائی۔ ۹

زین العابدین ولی اللہ

آپ 13مارچ 1889 کو پیدا ہوئے ابتدائی زندگی سیالکوٹ میں گزاری ان کے والد کا نام ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ ہے۔ 1903ء میں تعلیم کے لیے قادیان گئے مرزا صاحب کے پاس شب روز گزارے 1908 میں میٹرک اکا امتحان پاس کیا۔ مرزا

صاحب کی وفات پر حکیم نور الدین نے احمدیت کی اشاعت کے یے وقف کرنے کا عہد لیا۔ کچھ عرصہ کالج میں گئے مگر حکیم نور الدین کے حکم پر کالج کو چھوڑ کر براہ راست ان سے تعلیم حاصل کی۔

1913 میں عربی علوم کے حصول کے لیے مصر چلے گئے وہاں سے بیروت چلے گئے وہاں سے تعلیم حاصل کی اس کے بعد بیت المقدس گئے۔ صلاح الدین ایوبیہ کالج میں بطور مدرس کے فرائض سرانجام دیئے جہاں پر تقابل ادیان انگریزی اور اردو پڑھانے کا موقع ملا سلطانیہ کالج کے وائس پرنسپل کے عہدے پر فائز رہے۔ 1920 واپسی پر صدر انجمن احمدیہ کے ساتھ منسلک ہو گئے۔

آپ صدر انجمن احمدیہ میں ناظر دعوت و تبلیغ۔ ناظر تعلیم وتربیت۔ ناظر تجارت ناظر تالیف و تصنیف ناظر امور خارجہ کے عہدوں پر فائز رہے۔ اس طرح ایک لمبے عرصے تک مرزا بشیر الدین محمود معتمد رفیق کار کی بھی رہے۔

1925 میں بلاد عربیہ میں بطور مبلغ اور مناظرے کے کام کرنے کا موقع ملا۔ اتنی زیادہ مصروفیات کے باوجود دو درجن کتب کے مصنف بھی ہیں سالانہ جلسہ میں بھی تقریر کرتے۔ 1926 میں صحیح بخاری کا ترجمہ اور شرح کرنے کا کام سپرد کیا گیا۔

کشمیریوں کی آزادی کے لیے اپنے تئیں خدمات سرانجام دیں۔ 1947 تقسیم ہند کے موقع کئی مصائب سے دوچار رہے۔ 1966 میں فالج کا عارضہ لاحق ہونے کے باعث شدید بیمار ہو گئے۔ چنانچہ 16 مئی 1967 کو وفات پائی۔ [۱۰]

مولانا ابو العطا اللہ دتہ جالندھری

ان کا سن ولادت 14 اپریل 1904 ہے ان کے والد کا نام میاں امام الدین ہے جو 1902 میں سلسلہ احمدیہ میں شامل ہوئے۔ پرائمری تعلیم کے بعد قادیان کے مدرسہ احمدیہ میں داخلہ لیا۔ احمدی حضرات کے ذہین اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ زمانہ تعلیم سے تقریر و تحریر میں ذوق تھا۔ 1924ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا 1927 میں باقاعدہ مبلغ بنے 1931 میں بٹالہ میں مرزا بشیر الدین محمود کی نیابت کا موقع ملا۔ اوائل عمری میں بڑے بڑے مناظرے کئے۔ ہندوئوں اور عیسائیوں سے مناظرے کیئے اخبارات رسائل میں کئی مضامین بھی لکھے۔ اس کے علاوہ آپ کی 30 سے زائد تصانیف ہیں۔ جن میں تفہیمات ربانیہ تجلیات ربانیہ۔ القول المبین فی تفسیر خاتم النبین۔ مباحثہ مصر مباحثہ راولپنڈی۔ مباحثہ مہت پورہ۔ بہائی تحریک پر تبصرہ وحی والہام کے متعلق اسلامی نظریہ وغیرہ شامل ہیں۔ تحریری میدان میں ماہنامہ الفرقان کا اجراء کیا جو قادیان سے جاری کیا۔ 25 سال متواتر آپ اس کے مدیر رہے۔ چار پانچ سال تک بلاد عربیہ میں بھی بطور مبلغ کے کام کیا۔ انہوں نے عربی رسالہ ''البشریٰ'' بھی نکالا آپ جامعہ احمدیہ اور جامعہ المبشرین کے پرنسپل اور تعلیم الاسلام کے مدرس بھی رہے۔ مجلس انصار اللہ کے صدر بھی رہے۔ ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد کی حیثیت میں بھی انتظامی خدمات سرانجام دیں۔ 1973 کو انگلستان اور 1976 میں ایران بھی گئے۔ 30 مئی 1977 کو وفات پائی۔ [۱۱]

ان کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

۱۔	تفہیمات ربانیہ	۲۔	تجلیات رحمانیہ
۳۔	النبی الحسی	۴۔	فتوحات الٰہیہ
۵۔	البیان الصریح فی وفات اثبات المسیح	۶۔	کلمتہ الیقین فی تفسیر خاتم النبین

۷۔ القول المبین فی تفسیر خاتم النبیین ۸۔ مسئلہ ختم نبوت جماعت احمدیہ

مولانا قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری

آپ 3 ستمبر 1898 کو پیدا ہوئے ان کے والد کا نام قاضی محمد حسین تھا۔آپ سیالکوٹ کے علاقے نارووال کے رہنے والے تھے اس کے بعد قادیان محلّہ دارلعلوم میں سکونت اختیار کی 1938 کو آپ نے اپنے کو جماعت کے لیے وقف کر دیا۔آپ فیصل آباد میں بطور مدرس بھی رہے۔ 1938 میں صدر انجمن احمدیہ میں بطور معلم علوم شرقیہ کے فرائض سرانجام دیئے۔ 1940ء میں جامعہ احمدیہ میں عربی ادب کے استاد بھی رہے۔

جنوری 942 کو نظارت دعوت تبلیغ میں بطور مبلغ بھی رہے۔ اپریل 1944 کو مدرسہ احمدیہ میں تعیناتی ہوئی اس کے بعد مئی 1944 کو تعلیم الاسلام کالج میں دینیات فارسی اردو کے لیکچرار کے طور پر خدمات سرانجام دیں۔ 1945 میں جامعہ احمدیہ میں پڑھانے لگ گئے مئی 1955 میں جامعہ احمدیہ کے پرنسپل رہے 1957 میں نظارت اصلاح وارشاد کی خدمات سرانجام دیں 1966 میں ناظر اصلاح وارشاد مقرر ہوئے جماعت احمدیہ اعلیٰ پائے کے مبلغ اور مناظر کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ قریباً ہر سالانہ جلسہ میں تقریر بھی کرتے 50 سے قریب کتابوں کے مصنف بھی ہیں ان کی کتب کا بنگالی اور انگریزی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے 7 ستمبر 1980 کو 82 سال کی عمر میں وفات پائی۔ [۱۲]

کتابیں:

۱۔ ختم نبوت ۲۔ ازالہ شبہات
۳۔ احمدیہ تحریک پر تبصرہ ۴۔ مقام خاتم النبیین
۵۔ مولانا مودودی کی کتاب ختم نبوت پر عملی تبصرہ ۶۔ الحق المبین فی تفسیر خاتم النبیین

سیف الرحمٰن

آپ 11 نومبر 1914 کو پیدا ہوئے ان کے والد کا نام دوست محمد تھا۔ ان کا تعلق وادی سون سکیسر موضع کھوتکہ ڈاکخانہ سوڈھی جے والی تحصیل وضلع خوشاب سے تھا احمدیت قبول کرنے سے قبل آپ نے ضلع کیمل پور میں صرف ونحو پڑھی ادب فقہ کی تعلیم ٹمن ضلع کیمل پور سے حاصل کی اس کے بعد جامعہ عباسیہ بہاولپور۔ مدرسہ نظامیہ حیدرآباد دکن دارالعلوم رحیمیہ لاہور مدرسہ فتح پوری دہلی مدرسہ امینیہ نیز دیوبند اور سہارنپور کے مشہور دینی اداروں سے دینی تعلیم حاصل کی۔

شروع میں احمدیت کے خلاف تقاریر کرتے تھے۔ 1936 میں احمدیت قبول کی 1939 میں زندگی جماعت کے لیے وقف کر دی مدرسہ احمدیہ میں صرف ونحو ادب ومعانی کے مضامین پڑھائے اس کے علاوہ ساری زندگی تعلیم وتعلم میں گزار دی۔

1973 میں جامعہ احمدیہ قائم مقام اور پھر مستقل پرنسپل کے عہدے پر فائز رہے۔ آپ نے دس سال تک خدمات سرانجام دیں۔ 25 اکتوبر 1989 کو کینیڈا میں وفات پائی۔

انہوں نے حدیثوں کا ایک مجموعہ تیار کیا جو حدیقہ الصالحین کے نام سے ربوہ سے شائع شدہ ہے اس کے علاوہ ان کی بہت سی دیگر تصانیف بھی ہیں۔ [۱۳]

مولانا دوست محمد شاہد صاحب

آپ ۳ مئی 1927 کو آبائی قصبہ پنڈی بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ حافظ آباد ہیں پیدا ہوئے ان کے والد کا نام حافظ محمد عبداللہ ہے جو 1933 میں سلسلہ احمدیہ شامل ہوئے

مولانا 1935 میں مدرسہ احمدیہ قادیان میں داخل ہوئے 1944 میں جامعہ احمدیہ میں تعلیم کا آغاز کیا 1946 میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔

آپ مہتمم اشاعت مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ماہنامہ خالد دسمبر 1954 سے 1956 تک نائب اور نومبر 1956 سے 1957 نیز 1960 سے 1962 تک مدیر کے فرائض ادا کیے آپ نائب قائد اشاعت مجلس انصار اللہ مرکزیہ بھی رہے۔

آپ مجلس افتا اور ریسرچ سیل کے ممبر بھی رہے۔ جلسہ سالانہ 1976 تا 1983 تقاریر کرنے کا بھی موقع ملا۔ کئی ممالک میں تبلیغی مشن کے طور سفر کیے ایک مناظر اور مبلغ کے طور پر جانے جاتے ہیں۔

روزنامہ الفضل اور دیگر جماعتی رسائل و جرائد میں آپ کے مضامین چھپتے رہے۔ آپ نے 26 اگست 2009 کو وفات پائی۔ ۱۴

ان کی تصنیفات درج ذیل ہیں:

۱۔ سوانح حضرت مسیح موعود اور مہدی موعود
۲۔ اسلامی لٹریچر میں خوفناک تحریر
۳۔ مولوی منظور کا فتنہ تحریف قرآن
۴۔ اقلیم خلافت کے تاجدار
۵۔ مذہب کے نام پر فسانہ
۶۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث
۷۔ جدید علم کلام کے عالمی اثرات

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ملفوظات مرزاغلام احمد۔ جلد نمبر 1، صفحہ 304-303

۲۔ مولوی عبدالکریم سیالکوٹی۔ مولف۔ احمد طاہر مرزا۔ مطبع مجلس خدام احمدیہ ربوہ۔ س ن

۳۔ مفتی محمد صادق۔ مولف، ساجد محمود بٹر، مطبع، مجلس خدام احمدیہ پاکستان

۴۔ روزنامہ الحکم ۔ ص27-26 مورخہ 30اگست 1936

۵۔ روزنامہ الفضل ص8-7 مورخہ 28جون 1929

۶۔ پیغام صلح یکم مارچ 1978

۷۔ الفضل 19مارچ 1944

۸۔ تاریخ احمدیت دوست محمد شاہد ص553۔ ج7 ادارہ المصنّفین

۹۔ ایضاً ص554

۱۰۔ ایضاً ص556

۱۱۔ الفضل 30اپریل 1946

۱۲۔ تاریخ احمدیت ص559۔ ج7

۱۳۔ تاریخ احمدیت۔ ج7۔ ص560

۱۴۔ ایضا۔ ص564-562

فصل دوم: مشہور قادیانی مناظرین کی تالیفات اور رسائل وجرائد کا مطالعاتی جائزہ

مرزا صاحب کی تصانیف اور مناظروں کی تاریخی ترتیب ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔

1877ء اخبارات میں مضامین چھپوانے کا آغاز

1878ء انعامی مضمون صد روپیہ بمقابلہ آریہ سماج تیاری تصنیف براہین احمدیہ۔

1879ء ابتدا تصنیف براہین احمدیہ

1880ء اشاعت حصہ اول حصہ دوم براہین احمدیہ

1882ء اشاعت حصہ سوئم براہین احمدیہ

1884ء اشاعت حصہ چہارم براہین احمدیہ اشاعت اعلان مجددیت واشتہار دعوت برائے دکھانے نشانی آسمانی

1886ء تصنیف سرمہ چشم آریہ

1887ء تصنیف واشاعت شحنہ حق

1888ء اشتہار اعلان بیعت

1890ء تصنیف فتح اسلام و توضیح مرام

1891ء اشاعت فتح اسلام و توضیع المرام و دعوت مباحثہ بنام مخالف علماء مناظرہ مولانا محمد حسین بٹالوی لدھیانہ (الحق لدھیانہ) سفر دہلی و تیاری مناظرہ مولوی محمد حسین بٹالوی بمقام جامع مسجد دہلی مناظرہ مولوی محمد بشیر بھوپالوی بمقام دہلی (الحق دہلی) تصنیف اشاعت

1892ء آسمانی فیصلہ مناظرہ مولوی عبدالحکیم کلانوری بمقام لاہور تصنیف واشاعت نشان آسمانی۔ ابتداء تصنیف آئینہ کمالات اسلام۔

1893ء بقیہ تصنیف واشاعت آئینہ کمالات اسلام قادیان میں پریس کا قیام۔ دعوت مباہلہ بنام مخالفین۔ عربی میں مقابلہ کی دعوت تصنیف واشاعت برکات الدعاء۔ تصنیف واشاعت حجۃ الاسلام و سچائی کا اظہار۔ مناظرہ آتھم بمقام امرتسر۔ مباہلہ الحق غزنوی بمقام امرتسر۔ تصنیف واشاعت تحفہ بغداد و کرامات الصادقین و شہادت القرآن۔

1894ء تصنیف واشاعت حمامۃ البشریٰ تصنیف واشاعت نور الحق واتمام الحجۃ۔ سر الخلافۃ۔ مرزا صاحب کی طرف سے آتھم کی موت کے مسئلے پر جوابی اشتہارات تصنیف واشاعت انوار الاسلام۔

1895ء تصنیف منن الرحمٰن۔ تصنیف واشاعت نور القرآن تصنیف اشاعت ست بچن۔ تصنیف واشاعت آریہ دھرم۔

1896ء ابتداء تصنیف انجام آتھم۔ تصنیف واشاعت اسلامی اصول کی فلاسفی۔

1897ء اشاعت انجام آتھم۔ مخالف علماء کو مباہلہ کی دعوت۔ تصنیف واشاعت استفتاء و سراج منیر و تحفہ قیصریہ۔ سراجدین عیسائی کے سوالوں کا جواب ابتدائی تصنیف کتاب البریۃ۔

1898ء اشاعت کتاب البریہ۔ الحکم کا اجراء قادیان سے تصنیف فریاد درد اور تصنیف واشاعت ضرورۃ الامام۔ تصنیف نجم الھدیٰ۔ تصنیف واشاعت راز حقیقت و کشف الغطاء۔ تصنیف ایام الصلح۔

1899ء اشاعت ایام الصلح۔ تصنیف و اشاعت حقیقۃ المھدی تصنیف مسیح ہندوستان میں۔ تصنیف و اشاعت ستارہ قیصریہ تصنیف تریاق القلوب۔

1900ء تصنیف تحفہء غزنویہ۔ خطبۂ الہامیہ بر موقع عیدالاضحیٰ فتویٰ ممانعت جہاد۔ تصنیف واشاعت رسالہء جہاد۔

تصنیف لجۃ النور۔ ابتداء تصنیف تحفہء گولڑویہ۔ تصنیف اشاعت اربعین۔

1901ء بقیہ تصنیف تحفہ گولڑویہ تصنیف خطبۂ الہامیہ۔ تصنیف واشاعت اعجاز المسیح۔

1902ء رسالہ ریویو آف ریلجن اردو انگریزی کا اجراء۔ تصنیف و اشاعت دافع البلاء والھدیٰ۔ تصنیف نزول المسیح اشاعت تحفہ گولڑویہ۔ تحفہء غزنویہ۔ خطبہ الہامیہ۔ و تریاق القلوب۔ البدر کا قادیان سے اجراء۔ تصنیف و اشاعت کشتی نوح۔ تحفہء ندوہ۔ تصنیف واشاعت اعجاز احمدی ریویو پر مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی۔

1903ء تصنیف واشاعت مواہب الرحمٰن۔ تصنیف واشاعت نسیم دعوت سناتن دھرم۔ تصنیف واشاعت تذکرۃ الشھادتین و سیرۃ الابدال۔

1904ء لیکچر لاہور، لیکچر سیالکوٹ

1905ء تصنیف براہین احمدیہ حصہ پنجم لیکچر لدھیانہ وامرت سر اشاعت و تصنیف الوصیت۔

1906ء اشاعت ضمیمہ الوصیت۔ تصنیف واشاعت چشمہ مسیحی تصنیف تجلیات الٰہیہ۔ تشحیذ الاذھان کا اجراء۔

1907ء تصنیف واشاعت قادیان کے آریہ اور ہم۔ تصنیف اشاعت حقیقۃ الوحی۔

1908ء تصنیف واشاعت چشمہء معرفت تصنیف لیکچر پیغام صلح۔

(ا)۔فتح اسلام

جس زمانہ میں ہندوستان میں عیسائی اپنا مضبوط مشن قائم کرکے جگہ جگہ مشن سکول اور کالج کھول رہے تھے اور کروڑوں کی تعداد میں کتب اور پمفلٹ مفت تقسیم کیے جارہے تھے اور گورنمنٹ بھی ان مشنریز کی پشت پناہی کر رہی تھی پھر جو عیسائی ہو جاتے تھے انہیں اچھی اچھی ملازمتیں مل جاتی تھیں غرض سارے پنجاب میں پادریوں کا جال پھیلا دیا گیا عیسائی شہروں قصبوں اور دیہاتوں میں اعلانیہ عیسایت کی تبلیغ کرتے۔اس موقع پر علماء حق عیسائیوں کے مقابلے کے لیے میدان میں اترے،انہیں مناظروں میں شکستیں دیں۔انہی ایام میں مرزا صاحب نے بھی عیسائیوں سے مناظرے کیے اور پھر علماء اہل سنت کے موقف سے ہٹ کر الگ موقف اختیار کیا اور اس الہام کا دعویٰ کیا کہ

''مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق آیا ہے۔**وکان وعداللہ مفعولا**''

چنانچہ مرزا صاحب نے 1890ء کے آخر میں رسالہ فتح اسلام لکھا جو کہ 1891ء کے اوائل میں چھپ کر شائع ہوا۔جس میں انہوں نے اعلان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق '' مسیح جو آنے والا تھا یہی ہے چاہو تو قبول کرو''

(۲)۔توضیح مرام

رسالہ فتح اسلام میں دعویٰ کیا تھا کہ مسیح ابن مریم اس وجود عنصری سے آسمان سے اٹھائے گئے ہیں اور پھر وہ کسی زمانہ میں آسمان سے اتریں گے اس میں مسلمانوں کے مروجہ عقیدہ کی تردید و تغلیط تھی اس خیال سے کہ بہت کی مخالصانہ قلمیں مؤلف کے خلاف اٹھیں گی اس لیئے اپنے دعویٰ کو مفصل و مدلل سمجھانے کے لیے رسالہ توضیح مرام لکھا۔

(۳)۔ازالہ اوھام

توضیح مرام کے بعد 1891ء میں جبکہ مرزا صاحب لدھیانہ میں مقیم تھے انہوں نے ازالہ اوھام کا مسودہ تیار کرنا شروع کردیا جس کا ایک حصہ ''قول فصیح''میں شائع بھی کرادیا۔ جو کہ مولانا محمد حسین بٹالوی کو بھی بھیجا گیا۔ اس رسالہ میں انہوں نے مسئلہ وفات مسیح پر قرآن حدیث سے دلائل پیش کیئے اور لفظ نزول و توفی اور رفع و خروج دجال کی وضاحت کی۔ اپنا مثیل مسیح ابن مریم ہونے پر دلائل دیئے۔ اس پر علماء کی طرف سے مخالفت شروع ہوئی خصوصاً مولانا محمد حسین بٹالوی نے اشاعۃ السنہ میں اس فتنہ کے مقابلے کے عزم کا اظہار فرمایا چنانچہ مولانا محمد حسین بٹالوی اور حکیم نور الدین کے مابین فتح اسلام اور توضیح المرام سے متعلق تمہیدی گفتگو ہوئی۔ اس کے بعد مرزا صاحب سے مباحثہ کے بارے میں گفتگو شروع ہو گئی اور دوسرے علماء نے بھی مخالفت میں کتابیں لکھیں اور شہر لدھیانہ میں ایک طوفان برپا ہو گیا مرزا صاحب اور ان کے متبعین کی تکفیر کی گئی مولانا محمد حسین بٹالوی نے ایک استفتا مرتب کیا جس میں مذکورہ تینوں رسالوں سے اقتباسات شامل کیئے اور اگست 1891ء میں ایک لمبا سفر اختیار کیا اور مختلف علماء و فضلاء ہندوستان و پنجاب سے فتوی حاصل کیا۔

مباحثہ لدھیانہ

مباحثہ لدھیانہ کی تحریک یوں پیدا ہوئی کہ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے مرزا صاحب کا رسالہ فتح اسلام جب کہ وہ امرتسر میں چھپ رہا تھا پروف مطبع ریاض ہند سے منگوا کر دیکھا اور پھر مولانا بٹالوی کی مرزا صاحب سے خط وکتابت شروع ہوئی جو کہ جنوری 1891ء سے لے کر اپریل 1891ء تک جاری رہی اس کے بعد مولانا بٹالوی نے آخر کار لکھا کہ ہم نے آپ سے دوستانہ اور برادرانہ تعلقات منقطع کر دیئے ہیں ہم آپ سے پرائیویٹ ملاقات تک نہیں چاہتے اور مخاصمانہ مباحثہ کے لیئے حاضر ہیں اور اس بات کا عزم ظاہر کیا کہ اب اشاعۃ السنہ صرف آپ کے دعوی کا رد شائع کرے گا اور آپ کی جماعت کو تتر بتر کرنے کی کوشش کرے گا اگر اشاعۃ السنۃ کا ریویو آپ کو امکانی ولی ملہم نہ بناتا تو آپ مسلمانوں کی نظر میں بے اعتبار ہو جاتے اور یہ کہ اس نے آپ کو حامئی اسلام بنا رکھا ہے۔ اس کے بعد مرزا صاحب اور مولوی محمد حسین بٹالوی میں مباحثہ کے بارے میں گفتگو ہوئی یہ مجوزہ مباحثہ بھی ہو سکا پھر مرزا صاحب نے 3 مئی کو اشتہار شائع کیا جس میں علماء کو مباحثہ کے لئے دعوت دی۔ یہ مباحثہ مولوی محمد حسین صاحب رئیس لدھیانہ اور مرزا صاحب کے درمیان طے پایا اس کے بعد شرائط سے متعلق خط وکتابت ہوتی رہی۔ مولوی محمد حسین نے یہ شرط ضروری ٹھرائی کہ مولوی محمد حسین بٹالوی گفتگو سے پہلے چند اصول آپ سے تسلیم کرائیں گے چنانچہ 20 جولائی 1891ء کو مباحثہ شروع ہوا اور بارہ دن تک جاری رہا۔ مرزا صاحب کو آخری پرچہ 29 جولائی کو سنانا تھا جس کی اطلاع مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کو بھی کی گئی لیکن ان کے کہنے پر 31 مارچ کو سنایا گیا جس پر یہ مباحثہ ختم ہوا۔

مباحثہ دہلی

ان حالات میں جب کہ ہر جگہ مرزا صاحب کی مخالفت ہو رہی تھی اور وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح بار سوخ اور بااثر عالم ان کے ساتھ حیات و وفات مسیح پر مناظرہ ہو جائے اس لیے مناظرے کا اشتہار دیا اس مقصد کے لیے وہ دہلی گئے اور مناظرہ کے لیے اشتہار دیا اور مولوی نذیر حسین دہلوی کو دعوت دی آخر کار 20 اکتوبر جامع مسجد دہلی میں مناظرہ ہونا طے پایا ایک سو سے زائد سپاہی اور ایک پولیس افسر بھی موجود تھا۔ دونوں مناظرین مع اپنے اصحاب کے آئے لیکن مناظرہ کرنے کی نوبت نہیں آئی اور اختلاف ہو گیا۔ اور پولیس نے عوام کو منتشر کر دیا۔ اس کے بعد دہلی والوں نے مولوی محمد بشیر صاحب سہوانی جو بھوپال میں ملازم تھے کو مناظرے کے لیے بلایا جنھوں نے بحث کرنا منظور کر لیا آخر کار یہ مناظرہ ہوا اور فریقین نے اپنے اپنے دلائل پیش کیے۔

آسمانی فیصلہ

مولانا نذیر حسین دہلوی اور ان کے شاگرد مولانا محمد حسین بٹالوی اور دیگر علماء نے چونکہ مرزا صاحب کی تکفیر کی تھی۔ اس کے جواب میں دسمبر 1891ء میں مرزا صاحب نے رسالہ ''آسمانی فیصلہ'' لکھا اور مولانا نذیر حسین دہلوی کو تحریری بحث کی دعوت دی مرزا صاحب نے اس میں مولانا نذیر حسین دہلوی کو اس بات کی دعوت دی کہ میں مومن مسلمان ہوں آپ اور آپ کی جماعت کے علماء مجھ سے مومن کامل کی علامات پر مناظرہ کر لیں لیکن یہ مناظرہ بھی نہ ہو سکا۔

نشانِ آسمانی

اس کے بعد مرزا صاحب نے سیالکوٹ اور لاہور وغیرہ کے سفر اختیار کیے اور پھر لدھیانہ گئے اور پھر اواخر مئی 1892ء میں انہوں نے رسالہ ''نشان آسمانی'' جس کا دوسرا نام شہادت الملھمین ہے تحریر کیا جو جون 1892ء میں شائع ہوا اور دوسری بار 1896ء میں شائع ہوا جس میں انہوں نے اپنے دعویٰ کی صداقت میں سائیں گلاب شاہ صاحبؒ اور شاہ نعمت اللہ ولیؒ صاحب کی پیشگوئیوں کا ذکر کیا۔

شہادت القرآن

ایک صاحب عطا محمد نامی جو امرتسر کے ضلع کچہری میں تھے اور وفاتِ مسیح کے قائل تھے۔ کسی مسیح کے آنے کے منکر تھے اگست 1893ء میں انہوں نے مرزا صاحب کو خط لکھا جس میں دریافت کیا کہ اس بات کی کیا دلیل ہے کہ آپ مسیح موعود ہیں یا کسی مسیح کا انتظار کرنا ہم پر واجب ہے مسیح موعود کے آنے کی پیشگوئی گو کہ احادیث میں موجود ہے لیکن احادیث میرے نزدیک پایہ اعتبار سے ساقط ہیں۔ کیونکہ احادیث زمانہ دراز کے بعد جمع کی گئی ہیں اور اکثر مجموعہ احاد ہیں جو مفید یقین نہیں۔

اس لیے مرزا صاحب نے رسالہ '' شہادت القرآن'' لکھا۔ جس میں مندرجہ ذیل تین سوالوں کا جواب دیا اول یہ کہ مسیح موعود کے آنے کی خبر جو حدیثوں میں پائی جاتی ہے کیا اس وجہ سے ناقابل اعتبار ہے کہ حدیثوں کا مرتبہ یقین سے دور و محجور ہے۔

دوم یہ کہ کیا قرآن کریم میں اس پیشگوئی کے بارے میں کچھ ذکر ہے یا نہیں۔ سوم یہ کہ اگر یہ پیشگوئی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے تو اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ اس کا مصداق مرزا صاحب ہی ہیں۔[1]

تحفہء بغداد

یہ رسالہ مرزا صاحب نے 1311ھ مطابق جولائی 1893 میں تالیف کیا وجہ تصنیف یہ ہوئی کہ ایک شخص سید عبدالرزاق قادری بغدادی نے خیرآباد دکن سے ایک اشتہار اور ایک خط عربی میں مرزا صاحب کو بھیجا جس میں اس نے مرزا صاحب کے دعویٰ کو خلاف شریعت اور ایسے مدعی کو واجب القتل اور رسالہ "التبلیغ" کو معارض قرآن قرار دیا۔ مرزاصاحب نے اس کے جواب مین یہ رسالہ تالیف کیااور اپنے دعویٰ ماموریت اور وفات مسیحؑ کا ثبوت اور امت محمدیہ میں مکالمات الٰہیہ اور سلسلہ مجددین کے جاری رہنے پر دلائل ذکر کیے اور رسالے کے آخر میں دو قصیدے بھی تحریر کیے۔

کرامات الصادقین

مولانا محمد حسین بٹالوی نے رسالہ اشاعۃ السنۃ میں ایک مضمون شائع کیا جس میں مرزا صاحب کے بارے میں لکھا کہ وہ عربی علوم سے بالکل بے بہرہ اور کورن اور نادان اور جاہل ہے اور علم قرآن سے بے خبر ہے اس کے جواب میں یہ تجویز دی کہ ایک سورۃ کی فصیح عربی اور مقفّٰی عبارت میں تفسیر لکھی جائے۔ جو حقائق و معارف سے پُر ہو اور اس کے آخر میں سو شعر بلیغ و فصیح عربی میں نعتیہ قصیدہ کے درج ہوں۔ اور اس کام کے لیئے چالیس دن کی مہلت ہے۔ اور پھر جلسہ عام میں فریقین اپنی اپنی تفسیر سنا دیں اور اپنے اشعار سنادیں۔ اگر محمد حسین صاحب غالب رہے تو فقیر اپنی کتابیں جلادے گا اگر میں غالب ہوا تو ان کو اس مجلس میں کھڑے ہو کر توبہ کرنی ہوگی۔

اس کے جواب میں مولانا محمد حسین بٹالوی نے اشاعت السنۃ میں لکھا کہ عربی زبان میں بالمقابل تفسیر نویسی کے لیے میں حاضر ہوں۔ شرائط پر اتفاق نہ ہونے کی وجہ سے یہ مقابلہ بھی نہ ہو سکا لیکن مرزا صاحب نے اس کے بعد یہ رسالۃ کرامت الصادقین تالیف کیا یہ رسالہ چار قصائد اور تفسیر سورۃ فاتحہ پر مشتمل ہے یہ انہوں نے اس وقت تالیف کیا جب وہ آتھم سے مباحثہ سے فارغ ہو کر امرتسر میں مقیم تھے

حمامۃ البشریٰ

ایک عربی صاحب مکہ مکرمہ کے رہائشی تھے جس کا نام محمد بن احمد مکی بتایا جاتا ہے ہندوستان کی سیاحت کرتے ہوئے مرزا صاحب کے پاس آئے اور بیعت کی اور کچھ عرصہ قادیان میں رہنے کے بعد واپس مکہ مکرمہ چلے گئے۔ انہوں نے مرزاصاحب کو خط لکھا جس میں مختلف لوگوں سے مرزا صاحب کا ذکر کرنے اور ان کے تاثرات قلم بند کرنے کے بعد لکھا کہ میں نے اپنے دوست علی طائع کو جو کہ شعب عامر کے رئیس اور تاجر ہیں آپ کے دعویٰ کی مفصل خبر دی اور انہوں نے کہا آپ اپنی کتابیں بھیجیں تاکہ مکہ مکرمہ کے علماء و شرفاء میں تقسیم کی جائیں اس خط کے ملنے پر مرزا صاحب نے یہ رسالہ حمامۃ البشریٰ 1893 میں تصنیف کیا۔ اور اس کی اشاعت 1894 میں ہوئی اس میں انہوں نے اپنے دعویٰ مسیحیت کے دلائل وضاحت سے لکھے اور خروجِ دجال اور وفاتِ مسیح اور نزولِ مسیح اور متعلقہ امور پر بحث کی اور مخالف کے جوابات بھی تحریر کیے۔

اتمام الحجۃ

یہ رسالہ مرزا صاحب نے مولوی رسل بابا امرتسری کے خلاف جون 1894 میں شائع کیا اس کا کچھ حصہ عربی میں ہے اور کچھ حصہ اردو میں ہے مولوی رسل بابا نے رسالہ حیات المسیح تالیف کیا تھا جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر بجسمہ العنصری زندہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی مرزا صاحب نے اس رسالہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر مختصراً بحث کی ہے اور دلائل کو رد کرنے والوں کو ایک ہزار روپے انعام دینے کا بھی وعدہ کیا

سراج منیر

سراج منیر مشتمل ہر نشان ہائے قدیر مئی 1997 میں شائع ہوئی اس میں مرزا صاحب نے 37 پشین گوئیوں کا ذکر کیا ہے جو بزعم خویش ان کے حق میں ظاہر ہوئیں اور آتھم اور لیکھرام کے بارے میں پیشنگوئیوں کا مفصل ذکر کیا ہے اس کتاب کے آخر میں خواجہ غلام فرید صاحب آف چاچڑاں سے خط و کتابت کا ذکر کیا مرزا صاحب کا دعویٰ تھا کہ خواجہ غلام فرید نے ان کے دعوؤں کی تصدیق کی ہے۔ اہل سنت کی طرف سے ان کے دعوؤں کا جواب دیا گیا

حجۃ اللہ

مولانا عبدالحق غزنوی نے مرزا صاحب کے خلاف ایک اشتہار شائع کیا جس میں مرزا صاحب کی عربی دانی پر اعتراض کیا اور مرزا صاحب کو عربی زبان میں مباحثہ کرنے کی دعوت دی اس دعوت کے جواب میں مرزا صاحب نے لکھا کہ شرط یہ ہے اگر آپ شکست کھا گئے تو آپ کو میری بیعت میں داخل ہونا پڑے گا اس کے بعد مرزا صاحب نے مولوی غزنوی اور شیخ نجفی کو مخاطب کرکے یہ رسالہ عربی میں 1997 میں لکھا

اس رسالہ میں مرزا صاحب نے مولوی غزنوی اور شیخ غزنوی کے علاوہ مولانا محمد حسین بٹالوی کو مباہلے کی دعوت دی ہے۔

ضرورۃ الہام

یہ رسالہ مرزا صاحب نے ستمبر 1897 میں لکھا اس رسالہ کے لکھنے کی وجہ یہ تھی کہ ایک دوست نے اپنے الہامات اور خوابیں سنائیں اور ایک خواب ایسا سنایا جس میں یہ ظاہر ہوا کہ وہ مرزا صاحب کو مسیحِ موعود نہیں مانتا اور وہ مسئلہ امامتِ حقہ سے بے خبر ہے لہٰذا مرزا صاحب نے یہ رسالہ امامتِ حقہ اور بیعت کی حقیقت پر لکھا اس میں وہ ذکر کرتے ہیں کہ امام کون ہوتا ہے اور اس کی علامات کیا ہیں اور اس کو دوسرے ملہموں اور خواب بینوں اور اہل کشف پر کیا فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ اس رسالہ کے آخر میں مقدمہ انکم ٹیکس کی روئیداد بھی درج کی گئی ہے۔

نجم الہدیٰ

یہ کتاب نومبر 1898 میں شائع ہوئی اس میں چار زبانوں عربی اردو فارسی انگریزی کے لیے چار کالم رکھے گئے اصل کتاب عربی زبان میں لکھی گئی اس کا اردو ترجمہ بھی خود مرزا صاحب نے کیا لیکن فارسی ترجمہ دوستوں نے کیا ابھی انگریزی ترجمہ نہیں ہوا تھا کہ مرزا صاحب نے یہ کتاب شائع کر دی اس کا انگریزی ترجمہ احمدی خلافت ثانیہ کے عہد میں خان بہادر اور چوہدری

ابوالہاشم خان صاحب نے کیا اور "The lead Star" کے نام سے شائع کیا مرزا صاحب نے مفکرین کو مخاطب کیا ہے اور لوگوں کو دعوت دی ہے کہ ان کی بات قبول کرنے میں لوگوں کی بھلائی ہے اور مخالفین کی تحریروں کا جواب ہے اور مخالفین کے لیے ایک فریاد ہے۔

رازِ حقیقت

یہ رسالہ نومبر 1898 میں شائع ہوا اس میں مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات زندگی اپنی تحقیق کے مطابق درج کیے ہیں۔ اور ان کے صلیب سے زندہ اتارے جانے اور سفر کشمیر اختیار کرنے اور سری نگر محلّہ خان یار میں ان کی قبر کے موجود ہونے پر روشنی ڈالی ہے اور ان کے مزار کا نقشہ بھی دیا ہے۔ مولوی محمد حسین بٹالوی نے مرزا صاحب پر اعتراض کیا تھا کہ "اتعجب لامری" کا صلہ لام نہیں آتا یہ لفظ مرزا صاحب کے عربی الہام میں درج تھا مرزا صاحب نے اس اعتراض کا جواب بھی دیا ہے مولانا محمد حسین بٹالوی نے مرزا صاحب کے خلاف گورنمنٹ کے پاس شکایات درج کیں۔

کشف الغطاء

یہ رسالہ 27 دسمبر 1898 کو شائع ہوا مولانا محمد حسین بٹالوی نے مرزا صاحب اور ان کی جماعت کے خلاف واقعات گورنمنٹ کو پہنچائے اس لیے مرزا صاحب نے یہ رسالہ اس غرض سے لکھا تا کہ گورنمنٹ مرزا صاحب کی جماعت کے خیالات ان کے مشن اور اصولوں سے واقف ہو جائے اور لوگ جو واقعات ان کے خلاف گورنمنٹ کو پہنچائیں تو گورنمنٹ ان کے بارے میں رائے قائم کر سکیں اس رسالہ میں انہوں نے پہلے اپنے خاندانی حالات کا تذکرہ کیا ہے پھر اپنے مشن کے اصولوں اور ہدایات اور تعلیم کا ملخص بیان فرمایا ہے اور الزام کا جواب بھی دیا ہے مرزا صاحب گورنمنٹ کے بدخواہ ہیں اور درپردہ باغیانہ ارادہ رکھتے ہیں نیز مباہلہ پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے۔ اور مولوی محمد حسین بٹالوی کے اس الزام کا بھی جواب دیا ہے کہ مرزا صاحب نے اس مضمون کو کوئی الہام شائع کیا ہے کہ گورنمنٹ عالیہ کی سلطنت آٹھ سال میں تباہ ہو جائے گی اور گورنمنٹ سے التماس کی ہے کہ وہ اس خلاف واقعہ مخبری کا اس شخص سے مطالبہ کرے

ایام الصلح

مرزا صاحب کے اشتہار در بارہ طاعون پر لوگوں سے اعتراض کیا کہ لوگوں کو اول یہ بتانا کہ طاعون کے استیصال کے لیے فلاں تدبیر یا فلاں دعا ہے اور پھر یہ کہنا کہ شامت اعمال سے یہ مرض پھیلتی ہے ان دونوں باتوں میں تناقض ہے مرزا صاحب نے شروع میں اس اعتراض کا جواب دیا ہے علاوہ ازیں اپنے دعویٰ مسیحیت اور مہدویت کی صداقت پر دلائل کے ساتھ بحث کی ہے اور آخر میں شہزادہ عبدالمجید کے رشتہ دار شہزادہ والا گوہر کے وساوس کا جواب دیا ہے اس کتاب کا نام ایام الصلح رکھنے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ چونکہ مسیح موعود کے زمانے میں یضع الحرب کی پشین گوئی کے مطابق مذہبی جنگیں نہیں ہوں گی اور قومیں ہلاک نہیں ہوں گی بلکہ ایک نئی تبدیلی سے جو دلوں میں پیدا ہو گی باطل ہلاک ہو گا مرزا صاحب نے آخر میں دعوت دی ہے کہ لوگ اس کتاب کو سرسری نظر سے نہ دیکھیں اس میں بقول ان کے انہوں نے حجت پوری کر دی ہے۔ مرزا صاحب نے یہ کتاب اردو میں لکھی تھی اس

کا فارسی ترجمہ مولوی عبدالکریم صاحب نے کیا ہے اس کے ضمیمہ میں بعض اضافے کیے گئے مثلاً چند نئے وساوس کا الزالہ اور یہ دونوں کتابیں جنوری 1899 میں ایک ساتھ منظر عام پر آئیں۔ ۲

حقیقۃ المھدی

مولانا محمد حسین بٹالوی کے خلاف انگریزی گورنمنٹ کے پاس شکایات درج کیں اور حکام کو بتایا کہ یہ شخص درپردہ باغی ہے اور مہدی سوڈانی سے بھی زیادہ خطرناک ہے اور گورنمنٹ کا ہرگز خیر خواہ نہیں ہے اسے ڈھیل دینا اور تبلیغ کی آزادی دینا ہرگز مناسب نہیں ہے اور ایک رسالہ انگریزی میں بھی چھپوایا۔ مرزا صاحب نے اس رسالہ میں بٹالوی صاحب کے ایسے الزامات کی تردید کی ہے مولانا محمد حسین بٹالوی کو منافق ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور عربی اور فارسی میں اپنے عقائد لکھ کر رسالہ کے آخر میں درج کیے ہیں۔ یہ رسالہ 21 فروری 1899ء میں شائع ہوا۔

مسیح ہندوستان میں

یہ کتاب مرزا صاحب نے اپریل 1899ء میں تصنیف فرمائی اور اس کی عام اشاعت 20 نومبر 1908 کو ہوئی اس تالیف کا مقصد صلیبی عقیدہ کی نفی کرنا ہے جس پر موجودہ عیسائیت کی بنیاد ہے اس میں انہوں نے مسلمانوں کے عقیدہ حیاتِ مسیح کی تردید پر بھی دلائل قائم کیے ہیں۔ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ نہ مصلوب ہوئے اور نہ آسمان پر گئے۔ بلکہ ایک سو بیس سال کی عمر پا کر سرینگر کشمیر میں فوت ہو گئے اور ان کی قبر سرینگر محلّہ خانیار میں ہے مرزا صاحب نے اسلامی لٹریچر بدھ مت کی کتابوں اور دیگر کتب تاریخ سے اس سیاحت پر روشنی ڈالی ہے اور سفر کا نقشہ بھی دیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ یہودی کشمیر اور افغانستان میں آباد تھے۔ جن کو تبلیغ کرنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ادھر کی طرف سفر کیا۔

ستارہء قیصریہ

یہ رسالہ 24 اگست 1899ء کو شائع ہوا اس رسالہ میں وہی مضمون ہے جو تحفہء قیصریہ میں تھا لیکن اسلوب نیا ہے یہ اسی رسالہ کی یاد دہانی ہے اس میں بھی انگریزی حکومت کی مذہبی رواداری، مذہبی آزادی کی تعریف اور صلیبی عقیدہ کی تردید ہے اور اپنے مسیح موعود ہونے کے دعوے کو پیش کیا ہے۔

تریاق القلوب

بابو الٰہی بخش مرزا صاحب کے معتقدین میں سے تھے لیکن پھر ان کے خلاف ہو گئے مرزا صاحب نے انھیں سمجھانے کے لیے رسالہ ضرورۃ الالہام لکھا لیکن وہ پھر بھی مخالفت پر ڈٹے رہے اس سلسلہ کچھ عرصہ خط وکتابت ہوتی رہی پھر مرزا صاحب نے یہ رسالہ تالیف کیا اس میں مرد کامل کی صفات فارسی قصیدہ میں بیان کیں ہیں۔ اور اپنے حق میں آسمانی نشانوں کا ذکر کیا ہے اور مباہلہ کی دعوت دی ہے اور مسلمان صوفیا فقراء اور مشائخ کو بھی مقابلہ کی دعوت دی ہے اور پھر الہام شیطانی اور الہام ربانی میں فرق بتایا ہے اس رسالہ کے آخر میں ضمیمہ بھی شامل کیا گیا ہے جس میں اپنے حق میں پوری ہونے والی پشینگوئیوں کا ذکر ہے اور خدا کے حضور نشان آسمان کی درخواست ہے آخر میں انہوں نے اپنی جماعت کا نام ''مسلمان فرقہ احمدیہ'' درج کیا ہے۔

یہ کتاب دسمبر 1899 میں مکمل ہو چکی تھی جب 1902 میں شائع ہوئی تو آخری ضمیمہ 25 اکتوبر 1902ء کو تحریر کرکے اس میں مرزا صاحب نے شامل کیا۔ اس میں ان کا ارادہ سو سے زیادہ نشانات رقم کرنے کا تھا۔ لیکن چونکہ کتاب نزول المسیح کی تالیف شروع کر چکے تھے اور اس میں ڈیڑھ سو پشینگوئیاں درج ہیں اس لیے ارادہ تبدیل کر دیا۔

تحفہ غزنویہ

یہ رسالہ مولوی عبدالحق غزنوی کے جواب میں لکھا گیا اس میں اپنے حق میں نشانات اور تائیدات کا ذکر ہے اس میں ان کو مباہلہ کی دعوت بھی دی ہے۔ غزنوی صاحب نے دعویٰ کیا تھا کہ ان کی پشینگوئیاں پوری نہیں ہوئیں اور دوسرے یہ کہ مرزا صاحب کے مطالبے کی رو سے تمام علماء مشائخ پنجاب کو جمع کرنا کس طرح ہو گا ان کے اخراجات کا کون متکفل ہوگا۔ ان دونوں سوالوں کا جواب دیا ہے یہ رسالہ 1900ء میں لکھا گیا اور اس کی اشاعت 2 اکتوبر 1902ء میں ہوئی۔

لجۃالنور

یہ کتاب مرزا صاحب نے اسلامی ممالک عرب فارس روم و شام کے علماء و عوام کو تبلیغ کرنے کے لیے تصنیف کی۔ یہ کتاب 1900ء میں لکھی گئی اس میں انہوں نے اپنے دعویٰ مسیح موعود اور مہدی موعود کی صداقت ثابت کرنے کے لیے ضرورت زمانہ کو بطور دلیل پیش کیا ہے اور اپنے آبائی سوانح اپنے الہام ربانی سے مشرف ہونے اور اپنے زمانہ کے حالات کا شرح و بسط سے ذکر کیا ہے اور قوموں اور مذاہب میں تفرقہ کا ذکر کرتے ہوئے عالم اسلام کی دینی اور دنیوی ابتر حالت کا نہایت المناک نقشہ کھینچا ہے ان کے آپس میں افتراق اور انشقاق اور ان کے عقائد فاسدہ اور مسلمان علماء اور صوفیاء اور عامۃ المسلمین کی خرابیوں اور الحاد بے دینی اور اسلام پر حملہ آور دشمنوں کے سامنے ان کی بے کسی اور بے بسی کا تفصیلی ذکر کیا ہے اور پادریوں کی شکست پر خوشی کا اظہار کیا ہے اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ میں مصلحین کی تمام شرائط جمع کر دی ہیں اور ہر قسم کی برکات اور دینی و دنیوی نعمتوں سے نوازا ہے اور اپنے روحانی وارثین کا فخریہ ذکر کرتے ہیں اس میں انہوں نے اس الزام کی بھی تردید کی ہے کہ انہوں نے صالح علماء کی ہتک کی ہے اور پشینگوئی کی ہے کہ میری دعوت زمین کے مشرق و مغرب میں پہنچے گی۔ اصل رسالہ عربی میں ہے ساتھ فارسی ترجمہ دیا گیا ہے۔

تحفہ گولڑویہ

1896ء میں مرزا صاحب نے اپنی کتاب انجام آتھم میں جن لوگوں کو مباہلہ کی دعوت دی تھی ان مین پیر مہر علی شاہ گولڑوی کا نام بھی تھا پیر صاحب نے جنوری 1900ء میں مرزا صاحب کے خلاف کتاب شمس الہدایہ فی اثبات حیاۃ المسیح شائع کی۔ جس کا جواب مولوی محمد حسن امروہی نے ''شمس بازغہ'' کے نام سے دیا۔ اس میں مباہلہ کی دعوت بھی دی گئی تھی پیر صاحب نے خط لکھا کہ میں مباہلہ کے لیے تیار ہوں۔ فریقین میں تقریری مباحثہ اور تفسیری مقابلہ کے بارے میں خط و کتابت ہوتی رہی لیکن اتفاق رائے نہ ہو سکا اس اثناء میں مرزا صاحب نے تحفہ گولڑویہ کتاب لکھی جس میں اپنے دعویٰ کی صداقت پر دلائل دیئے۔

اربعین لاتمام الحجۃ

23 جولائی1900ء کو مرزا صاحب نے اپنے مخالفین کے لیے چالیس اشتہار شائع کرنے کا ارادہ کیا اور چار صفات کا ایک اشتہار بھی لکھا جو اربعین کے نام سے شائع کیا اور کہا کہ پندرہ دن بعد یہ اشتہار نکلا کرے گا۔ بشر طیکہ کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے لیکن نمبر432 ضیمہ رسالوں کی صورت ہیں ہو گئے اس لیے مرزا صاحب نے نمبر 4 میں لکھ دیا کہ میں نے جس امر کا ارادہ کیا تھا وہ پورا ہو چکا اس لیے یہ سلسلہ نمبر 4 پر ختم کر دیا جائے گا۔ اربعین نمبر 44 دسمبر 1900ء کو شائع ہوا۔

اعجاز المسیح

مرزا صاحب نے پیر مہر علی شاہ صاحب کو اور تمام علماء کو مباہلہ کی دعوت دی تھی اور قرآن شریف کی کوئی سورت نکال کر سات گھنٹے میں عربی میں اس کی تفسیر کرنے پر مباہلہ کی دعوت دی پیر صاحب لاہور پہنچے اور اس بات کی دعوت دی کہ پہلے تقریری مباحثہ ہو گا اس کے بعد تفسیری مقابلہ بھی کر لیا جائے گا۔ لیکن مرزا صاحب اس پر راضی نہ ہوئے اس کے بعد مرزا صاحب نے ایک اور تجویز تفسیر لکھنے کی پیش کی اس اعلان کے مطابق انھوں نے 23 فروری 1901ء کو اعجاز المسیح کے نام سے عربی میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر شائع کی۔

ایک غلطی کا ازالہ

یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جو 5 نومبر 1905ء میں شائع ہوا یہ ایک اہم رسالہ ہے کہ اس میں اس اختلاف کا حل پیش کیا گیا ہے جو مرزا صاحب کی 1901 سے پہلے کی تحریروں اور 1901ء کے بعد کی تحریروں کے درمیان پایا جاتا ہے۔ 1901ء سے پہلے کی تحریروں میں مرزا صاحب نے بکثرت اپنے نبی ہونے کا انکار کیا اور 1901ء سے بعد کی تالیفات میں بکثرت اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

مرزا صاحب کی تحریروں میں جو اختلاف نظر آتا ہے اس کو انہوں نے "حقیقۃ الوحی" میں خود تسلیم کیا ہے ایک شخص نے سوال کیا کہ تریاق القلوب میں لکھا ہے کہ (میں نے اپنے نفس کو حضرت مسیح پر جو فضیلت دی ہے یہ ایک جزئی فضیلت ہے جو غیر نبی کو نبی پر ہو سکتی ہے) اور ریویو جلد اول میں لکھا ہے کہ (خدا نے اس امت میں مسیح بھیجا جو اس سے پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بڑھ کر ہے) دونوں عبارتوں میں تناقض ہے۔ مرزا صاحب نے حقیقۃ الوحی میں بھی اس سوال کا جواب دیا ہے اور رسالہ بھی اسی لیے تحریر کیا ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ اگرچہ براہین احمدیہ میں خدا نے میرا نام عیسی رکھا لیکن چونکہ یہ مسلمانوں کے گروہ کے اعتقاد کے خلاف تھا اس لیے میں نے وحی کو ظاہر پر حمل کرنا نہ چاہا بلکہ وحی کی تاویل کی اس کے بعد کثرت سے وحی نازل ہوئی کہ مسیح موعود تو ہی ہے اسی طرح اوائل میں میرا عقیدہ ہی تھا کہ مجھ کو مسیحؑ سے کیا نسبت لیکن بعد میں کثرت سے وحی نازل ہوئی تو میں اس عقیدہ پر قائم نہ رہا لہٰذا مرزا صاحب نے اپنے آپ کا حضرت مسیحؑ سے تمام شان میں افضل ہونے کا اعلان کر دیا۔ 1901ء سے پہلے ان کا نبی ہونے سے انکار عام رائج عقیدے کے مطابق تھا وہ اسے محدث کے معنی میں لیتے تھے اور 1901ء کے بعد جب ان کے زعم میں یہ نیا کشف ہو گیا کہ نبی کے لیے نئی شریعت لانا ضروری نہیں ہے تو انہوں نے نبی ہونے کا اعلان کر دیا اور یہ اعلان حقیقۃ الوحی میں موجود ہے۔

دافع البلاء و معیار اہل الصفاء

یہ رسالہ اپریل 1902ء میں شائع کیا جب کہ پنجاب میں طاعون کا زور تھا اس رسالہ میں ان الہامات کا ذکر ہے جن میں طاعون کی وبا کے پھیلنے کے متعلق پیشگوئی ہے۔ اور بتایا ہے کہ یہ وبا اس لیے آئی ہے کہ مسیح کا انکار کیا گیا اور اسے دکھ دیا گیا اس کا علاج یہی ہے کہ اسے قبول کیا جائے اور اپنی زندگی میں روحانی تبدیلی لائی جائے اور یہ پیشگوئی بھی کی کہ قادیان طاعون سے محفوظ رہے گا۔

الھدی والتبصرۃ لمن یریٰ

مرزا صاحب نے علماء ہند کا انکار دیکھ کر شام و مصر وغیرہ کے علماء کی طرف توجہ کی۔ شام میں تو دینی مناظرات پر پابندی تھی اس لیے انہوں نے مصر کے علماء اور جرائد و مجلات کو اعجاز مسیح کے چند نسخے ارسال کیے اور ایک نسخہ سید رشید رضا مدیر المنار کو بھی بھجوایا سید رشید رضا نے لکھا کہ کتاب سہو و خطا سے بھرپور ہے اور اس کے سجع میں بناوٹ سے کام لیا گیا ہے اور لطیف کلام نہیں اور عرب کے محاورات کے خلاف ہے اور مرزا صاحب اس کی مثل لکھ کر لانے کے لیے ستر دن کی مدت جو مقرر کی تھی اس کے بارے میں لکھا کہ بہت سے اہل علم اس سے بہتر سات دن میں لکھ سکتے ہیں۔ جب یہ ریویو ہند میں شائع ہوا تو مرزا صاحب کی مخالفت میں ایک طوفان کھڑا ہو گیا۔

چنانچہ مرزا صاحب نے اس کے جواب میں یہ کتاب لکھی اور مدیر المنار کو چیلنج کیا کہ اس کا جواب لکھیں اور پیشگوئی بھی کی کہ وہ لکھ نہ سکیں گے۔ اس کتاب کی تالیف ربیع الاول 1320 ھجری میں مکمل ہوئی اور 12 جون 1920ء میں شائع ہوئی۔

نزول المسیح

رسالہ دافع البلاء، اس میں مرزا صاحب نے طاعون کو اپنی علامت قرار دیا تھا اس کی اشاعت پر ایڈیٹر رضا لاہور نے اعتراضات کا نشانہ بنایا مرزا صاحب اس رسالہ میں اس کا جواب دیا ہے اسی طرح دافع البلاء میں انہوں نے لکھا تھا کہ مرزا صاحب حضرت حسینؓ سے افضل ہیں اس پر علی لاہوری شیعہ مجتہد نے ایک رسالہ لکھا جس میں امام حسینؓ کو تمام انبیاء سے افضل قرار دیا ان کے اس دعویٰ کی تردید بھی اس رسالے میں کی ہے۔

اسی اثناء میں پیر مہر علی شاہ صاحب کی طرف سے کتاب سیف چشتیائی شائع ہوئی جس میں انہوں نے اعجاز مسیح کے بالمقابل تفسیر لکھنے کی بجائے اعجاز مسیح پر نکتہ چینیاں کی تھیں اور اعجاز المسیح کے چند فقروں کے متعلق لکھا تھا کہ وہ بعض امثلہ عرب اور مقامات حریری وغیرہ سے سرقہ کیئے گئے ہیں نیز لکھا تھا کو چونکہ تمہاری وحی وحی نبوت نہیں کیوں نہ اسے از قبیل اضغاث الاحلام سمجھا جائے مرزا صاحب نے ان کے اعتراضات کا اس رسالہ میں جواب دیا ہے اور اپنی وحی کو یقینی اور قطعی رحمانی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اس کی نشانیاں لکھی ہیں پھر ایک سو تیس پیشگوئیاں ذکر کی ہیں بلکہ مرزا صاحب نے پیر مہر علی شاہ صاحب پر سرقہ کا الزام لگایا کہ سیف چشتیائی میں جو اعتراجات نقل کیے گئے ہیں وہ مولوی محمد حسن فیضی کے نوٹس کی ہو بہو نقل تھے جو اس نے بطور یادداشت کتاب اعجاز المسیح اور شمس بازغہ کے حواشی لکھے تھے اس کی اطلاع مولوی کرم دین نے خطوط کے ذریعے مرزا صاحب کو دی تھی۔ مرزا صاحب نے وہ خطوط جس میں پیر صاحب کے سرقہ کا ذکر تھا کتاب (نزول المسیح) میں شائع کی اس اشاعت

پر مولوی کرم دین ناراض ہوئے اور سراج الاخبار جہلم مورخہ 6اکتوبر1902ء میں ایک خط اور 13 اکتوبر1902ء میں ایک مولوی کرم دین نے شائع کیا جس میں انہوں نے کہاکہ یہ خطوط جھوٹے اور جعلی ہیں ان کے لکھے ہوئے نہیں ہیں۔ اور لکھاکہ میں نے مرزا صاحب کی مسیحیت کو ازمانے کے لیے انہیں دھوکا دیا تھا وغیرہ۔ اس پر حکیم فضل الدین صاحب مہتمم ضیاء السلام پریس قادیان نے مولوی کرم دین کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا اور شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم نے بھی مولوی کر دین صاحب اور مولوی فقیر محمد صاحب ایڈٹر سراج الاخبار کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا اس لیے یہ کتاب مرزا صاحب کے خلیفہ اول کے زمانے میں طبع ہوئی۔

تحفۃالندوۃ

یہ رسالہ 6اکتوبر1902ء کو شائع ہوا اس رسالہ کا پیش لفظ زیر عنوان "التبلیغ" عربی زبان میں ہے جس میں اہل دارلندوہ کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ قرآن مجید کو حکم بنائیں اور اپنے مسیح موعود ہونے کا ذکر کیا ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہونے پر حلف اٹھائی ہے اس رسالہ لکھنے کی وجہ یہ ہوئی ندوۃالعماء نے 11-10-9اکتوبر1902ء کو امرتسر میں جلسہ کے انعقاد کااعلان کیا۔ اور حافظ محمد یوسف نے مرزا صاحب کے نام ایک اشتہار دیا جس میں لکھاکہ آپ اس کا اقرار کر چکے ہیں کہ جن لوگوں نے نبی یا رسول ہونے کا دعویٰ کیا ہو اس گمراہ کن دعوے کے ساتھ تیس برس تک یا اس سے بھی زیادہ زندہ رہے نیز اس کی تائید مین قطع الوتین رسالہ کا حوالہ بھی دیا اور مطالبہ کیاکہ اگر امرتسر کے جلسے میں آنے والے علماء نیز ان نظائر کو صحیح قرار دیں توآپ کو توبہ کرنی چاہے۔ مرزا صاحب نے جواب دیا کہ میراان پر حسن ظن نہیں اور نہ ہی ان کو متقی و عارف سمجھتا ہوں پھر ان کا حکم ہونا کیسے قبول کروں۔

اس کے بعد اس رسالہ میں اپنے مسیح موعود ہونے کے دلائل ہیں ایام جلسہ میں قادیان مین ایک وفد بھیجا وہاں پہنچ کر معلوم ہواکہ حافظ محمد یوسف نے ندوہ والوں سے مشورہ کیے بغیر اشتہار شائع کیا تھا۔ لہٰذا وفد والوں نے لوگوں تک پیغام پہنچایا اور تحفۃالندوہ کی تقسیم کرکے اشاعت کی۔

اعجاز احمدی

اعجاز احمدی ضمیمہ کتاب نزول المسیح 6 شعبان 1320ھ بمطابق 8 نومبر 1902ء جس کے ساتھ دس ہزار روپیہ کاانعام کا اشتہار ہے15 نومبر 1902ء کو شائع کی گئی۔

مد ضلع امرتسر میں ایک گاؤں ہے میاں محمد یوسف صاحب جو اس گاؤں کے رہنے والے تھے جب ان کے بھائی میاں محمد یعقوب سلسلہ میں داخل ہوئے تو گاؤں والوں نے ان کی سخت مخالفت کی اور ان کا مکمل بائیکاٹ کر دیا توانہوں نے اپنے بھائی میاں محمد یوسف صاحب کو مردان سے بلوایا اور آخر کار گاؤں والوں کے ساتھ یہ طے پایاکہ وہاں 30-29اکتوبر1900ء کو مباحثہ ہوا اور میاں محمد یوسف صاحب کے اصرار پر مرزا صاحب نے مولوی سید محمد سرور شاہ اور مولوی عبداللہ صاحب کشمیری صاحب کو وہاں بھیجا اور دوسری طرف مولوی ثناء اللہ امرتسری صاحب مناظر مقرر ہوئے۔ لد کی آبادی اس وقت ڈھائی سو کے قریب تھی مگر تعداد چھ سات سو ہو گئی جن میں احمدی صرف تین چار تھے مباحثہ ہوا مولوی محمد سرور صاحب جاکر مرزا صاحب کو مناظرہ کی روئیداد سنائی۔

مناظرہ میں مولوی ثناء اللہ صاحب نے کہا کہ مرزا صاحب تمام پیشگوئیاں جھوٹی نکلیں دوسرے میں مقابلہ کے لیے تیار ہوں جب مولوی محمد سرور صاحب نے کہا کہ اگر مرزا صاحب کو جھوٹا سمجھتے ہو تو اعجاز المسیح کا جواب کیوں نہ لکھا تو انہوں نے کہا کہ میں جب چاہوں بڑی آسانی سے اس کا جواب لکھ سکتا ہوں۔

ان باتوں کا جواب دینے کے لیئے مرزا صاحب نے یہ قصیدہ لکھا۔ اور مولوی ثناء اللہ صاحب کو اس کا جواب دینے کا چیلنج کیا اور دس ہزار روپیہ کا انعام مقرر کیا اور بیس دن کی مدت مقرر کی۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری نے اس کے جواب میں ایک کتاب شہادتِ مرزا لکھی اور ایک ہزار روپیہ انعام مقرر کرکے چھ ماہ کی مدت مقرر کی پھر قادیانیوں کی طرف سے اس کا جواب لکھا گیا۔

لیکچر لدھیانہ

یہ لیکچر مرزا صاحب نے 4 نومبر 1905ء کو لدھیانہ میں دیا اس شہر میں علماء نے مرزا صاحب کی خوب مخالفت کی تھی اس لیے مرزا صاحب نے اس امر کو اپنا نشان قرار دیا کہ وہ علماء کامیاب نہ ہو سکے۔

براہین احمدیہ حصہ پنجم

مرزا صاحب نے اپنے دعویٰ سے قبل اسلام کی تصانیف اور قرآن کریم کے من جانب اللہ ہونے اور نبوت محمدیہ کی صداقت کا اثبات میں پچاس حصوں پر مشتمل ایک کتاب لکھنے کا ارادہ کیا تھا چنانچہ اس کے پہلے چار حصے 1880ء 1882ء اور 1884ء میں شائع ہوئے ان چار حصوں کی اشاعت کے بعد بقیہ حصوں کی اشاعت ملتوی رہی البتہ مرزا صاحب نے اسلام کی صداقت اور نبوتِ محمدیہ کی حقانیت پر 80 کے قریب کتابیں لکھیں آخر 1905ء ہیں مرزا صاحب نے براہین احمدیہ کا پانچواں حصہ لکھنا شروع کیا۔

کتاب کی ابتداء ہیں سچے اور زندہ مذہب کی خصوصیات ذکر کی ہیں اور باب دوم ہیں ان پشینگوئیوں کا ذکر ہے جو ان کے خیال میں پوری ہوئیں اس لیے اس حصے کا نام نصرالحق رکھا گیا۔ ضمیمہ براہین احمدیہ جلد پنجم معترضین کے اعتراضات کے جواب پر مشتمل ہے سب سے پہلے ایک صاحب محمد اکرام اللہ شاہجہانپوری کے اعتراضات کا جواب دیا ہے اس کے بعد ایک اور اعتراض کا جواب ہے اس کے بعد مولوی ابوسعید محمد حسین بٹالوی کے بعض شبہات کا ردّ ہے جو پیشگوئیوں کے بارے میں تھے۔

وفات مسیح کے مسئلہ پر بھی عقلی و نقلی دلائل ہیں۔ پھر مولوی صاحب کو مخاطب کرکے ایک طویل عربی نظم لکھی ہے۔ چوتھے نمبر پر مولومی سید محمد عبدالواحد صاحب کے بعض شبہات کا ردّ ہے اور آخر میں مولوی رشید احمد گنگوہی کے رسالۃ **الخطاب المسیح فی تحقیق المھدی والمسیح** کا جواب دیا ہے اور وفات عیسیٰؑ کو قرآن کریم کی آیات سے ثابت کیا ہے۔

الحق المبین فی تفسیر خاتم النبیین

یہ کتاب دراصل مفتی شفیع دیوبندی کی کتاب ختم نبوت کامل ہر سہ حصہ ہر ایک پرناقدانہ تبصرہ ہے اور قاضی محمد نذیر لائلپوری کی تصنیف ہے اس مضمون میں آیت خاتم النبیین کی تفسیر قاضی صاحب نے اپنے قادیانی نقطہ نظر کے کے مطابق کی ہے اور مفتی محمد شفیع کے بیان کردہ معنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصف نبوت میں متصف ہونے کے لحاظ سے آخری نبی ہیں اس کی تردید کی ہے اور دعوی کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیہ وسلم تشریعی اور مستقل انبیاء میں سے آخری نبی ہیں لیکن

آپؐ کے بعد امتی نبی آسکتا ہے اور ان کے نقطہ نظر کے مطابق یہ منصب مرزا صاحب کو دیا گیا اس مضمون میں تکرار بھی پایا جاتا ہے لیکن قاضی صاحب نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے تاکہ صداقت قارئین کے ذہنوں میں واضح ہو جائے خاتمہ الکتاب میں قاضی صاحب مفتی صاحب کے اعتراضات کے جواب دیئے ہیں

جواب رسالہ ختم نبوت (قاضی نذیر احمد لائلپوری)

مولانا ابوالاعلی مودودی نے صوبائی اور قومی اسمبلیوں کے انتخابات کے موقع پر قادیونیوں کے خلاف اپنا رسالہ ختم نبوت ہزار ہا کی تعداد میں شائع کروایا اس کے جواب میں قاضی نذیر احمد صاحب لائلپوری نے یہ رسالہ الیکشن گزر جانے کے بعد لکھا اور اس رسالہ میں ان کے اعتراضات کا جواب دیا ہے اور مولانا مودودی کو حیات وفات مسیح کے مسئلہ پر تحریری مبادلہ افکار کی دعوت دی ہے اور آیات واحادیث کی روشنی میں استدلال کیا ہے اور اپنے حق میں علماء کے اقوال بھی پیش کیے ہیں اور احادیث میں جو مسیح موعود کے آنے کا ذکر ہے اس کی اپنے عقیدے کے مطابق تشریح کی ہے آخر میں مولانا مودودی پر کچھ اعتراضات کیے ہیں اور فتنہ و دجال پر بھی گفتگو کی ہے۔

مقام خاتم النبیین (مصنفہ قاضی نذیر صاحب لائلپوری)

یہ رسالہ قاضی نذیر صاحب لائلپوری کی تصنیف ہے قاضی صاحب کا علامہ خالد محمود صاحب ایم اے سے ایک پرائیوٹ تبادلہ خیالات ہوا قاضی صاحب کو شکایت تھی اس مباحثہ میں ان کی حق تلفی ہوئی تھی کیونکہ بمطابق فیصلہ آخری وقت ان کو نہیں دیا گیا تھا بعد میں اس مباحثہ کی روئیداد نصرت الاسلام کے نام سے شائع ہوئی قاضی صاحب نے اس کتاب میں نصرت الاسلام رسالہ کا جواب دیا ہے اور علامہ خالد محمود صاحب کی کتاب عقیدہ الامت فی معنی ختم النبوۃ کا جواب دیا ہے۔

اس میں انھوں نے دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شارع اور مستقل نبی تو نہیں آسکتا البتہ غیر شارع اور غیر مستقل نبی آسکتا ہے جو کہ امتی نبی ہے جیسا کہ قادیانی امت کا عقیدہ ہے اس رسالہ میں قاضی صاحب نے نزول ابن مریم سے متعلقہ احایث کی تشریح کی ہے اور حیات و وفات عیسی پر گفتگو کی ہے اور نبوت کے مسئلہ پر بھی تفصیلی گفتگو کی ہے اور اپنی تائید میں علماء کے اقوال پیش کیے ہیں اور ختم نبوت کی اقسام زمانی اور رتبی پر بحث کی ہے اور علامہ خالد محمود صاحب نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے ان کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔

بزرگان امت کے نزدیک ختم نبوت کی حقیقت اور مولوی لال حسین اختر کی تنقید کا جواب

مولانا لال حسین اختر صاحب نے ایک رسالہ 23 صفحات کا مسمّٰی مرزائی تحریفات کا تجزیہ ختم نبوت اور بزرگان امت اس میں مرزائیوں کے پیش کردہ حوالہ جات کو اکابرین امت پر بہتان قرار دیا اس رسالہ میں قاضی صاحب نے ابتداء میں اقوال علماء پر بحث کی ہے اس کے بعد ان احادیث کا ذکر کیا ہے جو مرزائیوں کے موقف کی تائید کرتی ہیں

آخر میں پھر اقوال علماء پر بحث ہے اور ختم نبوت کی اقسام (رتبی اور زمانی) کا ذکر کیا ہے

تحقیق عارفانہ (مصنفہ قاضی نذیر صاحب لائلپوری)

قاضی نذیر صاحب لائلپوری کی یہ تصنیف ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی کتاب حرف محرمانہ کا جواب ہے اور بقول قاضی صاحب اس کتاب کے اعتراضات احمدیت کے خلاف لکھے گئے تمام لٹریچر بالخصوص پروفیسر الیاس برنی کی کتاب قادیانی مذہب کا نچوڑ ہے اس لئے یہ کتاب تمام مخالفانہ کتابوں کے لیے جواب کی حیثیت رکھتی ہے۔اور بقول ان کے ان اعتراضات کے جواب متفرق رسالوں میں پہلے بھی دیے جا چکے ہیں لیکن چونکہ برق صاحب نے ان اعتراضات کو اپنے الفاظ میں ڈھال کر جمع کر دیا ہے اس لیے یکجائی طور پر ان کا جواب ضروری ہے یہ کتاب بارہ ابواب اور خاتمہ پر مشتمل ہے اس میں ختم نبوت کے معنی مسیح موعود کی وضاحت اور مثیل مسیح کا تصور تاریخ بعثت دلائل نبوت دجال وجہاد صداقت کے معیار الہامات پر اعتراضات کے جوابات جیسے موضوعات پر بحث کی گئی ہے اور آخر میں کتاب کا خلاصہ دیا گیا ہے

شان خاتم النبیین (تقریر قاضی نذیر صاحب لائلپوری)

1952ء کے سالانہ جلسہ ربوہ میں قاضی صاحب نے تقریر کی اس کو بعض دوستوں کی فرمائش پر خاتم النبیین کے نام سے شائع کر دیا اور عربی اقتباسات پر اعراب بھی لگائے گئے ہیں

تاکہ قارئین کو پڑھنے میں آسانی رہے اس میں وضاحت کی گئی ہے کہ جماعت احمدیہ ختم نبوت پر یقین رکھتی ہے اور مرزا صاحب کو تجدید دین کے لیے مامور من اللہ امتی نبی یقین کرتی ہے اس کے پہلے حصے میں اپنے موقف کی تائید میں قرآن مجید احادیث اور اقوال علماء سے دلائل دیے گئے ہیں اور دوسرے حصے میں قرآن پاک کی آیت خاتم النبیین کے معنی و مفہوم پر بحث کی گئی ہے۔

فیضان نبوت

یہ رسالہ مولانا ابوالبرکات غلام رسول صاحب راجیکی کی تصنیف ہے اس کا موضوع بھی نبوت اور ختم نبوت ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض بابرکات سے اس امت میں بھی نبوت جاری ہے۔

آخری حصہ میں تنویر رسالت کے نام سے مضمون شامل کیا گیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ 1921ء میں جناب پیر بخش صاحب ایڈیٹر رسالہ قائد اسلام سے مولانا غلام رسول راجیکی صاحب کا لاہور میں مباحثہ ہوا تھا جس کا موضوع امکان نبوت تھا مباحثہ کے صدر جناب شمس الدین صاحب تھے یہ مناظرہ تین دن جاری رہا ایڈیٹر صاحب نے دوران مناظرہ جو دلائل انقطاع نبوت کے دیئے تھے اس حصے میں ان کے جوابات دیئے گئے ہیں

تفہیمات ربانیہ

منشی محمد یعقوب صاحب پٹیالوی نے عشرہ کاملہ نامی کتاب شائع کی اور دعوی کیا کہ جو اس کتاب کا جواب لائے گا اسے ایک ہزار روپیہ انعام ملے گا اس کا جواب مولانا ابو العطاء اللہ دتہ صاحب فاضل جالندھری نے تفہیمات ربانیہ کے نام سے دیا ہے پہلی مرتبہ دسمبر 1930ء میں شائع ہوئی اس میں کتاب عشرہ کاملہ کے جواب کے علاوہ وفات مسیح مسئلہ ختم نبوت اور صداقت مرزا جیسے

مسائل پر بحث کی گئی ہے مولانا مودودی اور پرویز صاحب کے ختم نبوت کے بارے میں اعتراضات کے جوابات بھی ہیں اور مرزا صاحب کے بارے میں کیے جانے والے اعتراضات کے جواب بھی ہیں۔

مکمل تبلیغی پاکٹ بک

یہ ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم بی اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ گجرات کی تصنیف ہے احمدیوں کے نزدیک ان کی کتاب زندہ جاوید تاریخی کارنامہ مانا جاتا ہے انہوں نے سنتالیس برس کی عمر پائی اور صرف 18-17 برس کی عمر سے ہی اس کتاب کو ترتیب دینا شروع کر دیا تھا جو وقفوں وقفوں سے اضافوں کے ساتھ چھپتی رہی اسے چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے پہلا باب الہامات اور وحی پر اعتراضات کے جواب ہیں دوسرے باب میں مرزا صاحب کی پشین گوئیاں پر اعتراضات کے جواب ہیں تیسرے باب میں مرزا صاحب کی تحریروں پر اعتراضات کے جواب ہیں چوتھے باب میں ان اعتراضات کے جواب ہیں جن کا تعلق مرزا صاحب کی ذات یا ان کے کسی فعل سے ہے اس میں وجود باری تعالی کے دلائل، ہندو، عیسائیوں اور سکھ مذہب پر بھی گفتگو کی گئی ہے اور شیعہ کے رد پر بھی ایک فصل قائم کی گئی ہے۔

نزول مسیح

قاضی نذیر صاحب کی ایک تقریر ہے جو 1962ء جلسہ سالانہ جماعت احمدیہ کے موقع پر کی گئی چونکہ تحریک احمدیت اس دعوی پر مبنی ہے کہ مرزا صاحب اس امت کے مسیح موعود ہیں جس کی پیشگوئی احادیث میں کی گئی ہے اور علمائے سابقہ جو اصالتاً نزول مسیح کے قائل تھے وہ اجتہادی غلطی تھی اور مرزا صاحب کی تحقیق کے مطابق حضرت عیسی وفات پا چکے ہیں اور مسیح موعود اس امت کا فرد ہوگا جسے استعارۃ مسیح ابن مریم کا نام دیا گیا وہ حضرت عیسیٰؑ کا مثیل اور بروز ہوگا اس تقریر میں نزول مسیح سے متعلقہ احادیث کی احمدی نقطہ نظر سے تشریح کی گئی ہے اور آخر میں مودودی صاحب کا رد بھی کیا گیا ہے۔

امام مہدی کا ظہور از مسلمات اہلسنت و تشیع

یہ بھی قاضی صاحب کی ایک تقریر ہے اس کا موضوع یہ ہے کہ امام مہدی کا ظہور سنی اور شیعہ کے مسلمات میں سے ہے اور مہدی سے مراد مرزا صاحب ہیں اور مہدی و مسیح ایک شخص ہیں اور اس سے متعلقہ شبہات کا جواب دیا گیا ہے اس میں اہلسنت اور اہل تشیع کی روایات متعلقہ پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

ولکن شبہ لھم

یہ ایچ ایم طارق کی تصنیف ہے یہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی کے رسالہ نزول عیسی علیہ السلام پر چند شبہات کا جواب کا جواب ہے کسی صاحب نے مولانا صاحب کو خط لکھا تھا کہ ان کا احمدیت سے کوئی واسطہ نہیں مگر وہ وفات عیسی علیہ السلام کے قائل ہیں مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب نے ان صاحب کو مطمئن کرنے کے لیے یہ رسالہ لکھا تھا ایچ ایم طارق کا رسالہ ولکن شبہ لھم اس رسالہ کا رد ہے۔

احمدیہ مسئلہ قومی اسمبلی میں

یہ مجیب الرحمٰن ایڈووکیٹ مولانا اللہ وسایا صاحب کی کتاب پارلیمنٹ میں قادیانی شکست پر تبصرہ ہے مولانا اللہ وسایا صاحب 1974ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی میں احمدیہ مسئلہ کے تعلق میں پہلے 1994ء میں قومی اسمبلی میں قادیانی مقدمہ 13روز کارروائی اور پھر 2000میں پارلیمنٹ میں قادیانی شکست کے نام سے ایک شائع کی مجیب الرحمٰن ایڈووکیٹ صاحب نے اس پر ایک تبصرہ لکھاہے۔

مجیب الرحمٰن صاحب ایک معروف قانون دان اور پاکستان سپریم کورٹ کے ایڈووکیٹ اور بار کے سینئر رکن ہیں انھوں نے متعدد بین الاقوامی تنظیموں اوراداروں کے ساتھ مل کر بھی کام کیا ہے۔

کیا احمدی سچے مسلمان نہیں بجواب قادنیوں اور دوسرے کافروں کا فرق

اے ایس موسیٰ کی مختصر تصنیف ہے یہ کتابچہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی ایک تقریر کا جواب ہے جس کا نام قادیانیوں اور دوسرے مسلمانوں کا فرق ہے یہ انھوں نے دبئی کی مسجد شیوخ میں یکم اکتوبر 1985ء کو بعد نماز عشاء کی۔ جس کا مقصد احمدیوں اور دوسرے کافروں کے درمیان فرق واضح کرنا تھا۔

لدھیانوی صاحب نے احمدیوں اور کافروں کے درمیان جو فرق بتایا ہےاس کا خلاصہ یہ ہے کہ احمدیوں کو کافر قرار دینے کے باجود یہ اپنے آپ کو کافر تسلیم نہیں کرتے اور اپنے آپ کو مسلمان کہلانے پر مصر ہیں ایس ایم موسیٰ صاحب نے اس رسالے میں مولانا لدھیانوی کا جواب دیا ہےاور ختم نبوت کے مسئلہ کی اپنے مخصوص نقطہ نظر سے وضاحت کی ہے۔

احادیث مسیح ومھدی کا ایک تحقیقی جائزہ

یہ عنصر رضا صاحب کی مختصر تصنیف ہےاس میں انھوں نے مسیح اور مہدی سے متعلقہ احادیث کا جائزہ لیا ہےاور ابتدا میں پیشگوئیوں کے اصول ذکر کیے ہیں اور پھر مرزا صاحب کے دعوے کی صداقت پر قرآن کریم سے دلائل پیش کیے ہیں اس کے بعد اہل سنت کی کتب احادیث میں مسیح اور مہدیؑ کے ظہور کی علامات بیان کی ہیں اور اس کے بعد اہل تشیع کی کتب سے علامات نقل کرکے اپنے موقف کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

آخری اتمام حجت

یہ قاضی نذیر صاحب لائلپوری کی تصنیف ہے مرزا صاحب نے مولانا ثناء اللہ امرتسری کے خلاف ایک اشتہار شائع کیا تھا جس کا نام تھا مولانا ثنااللہ امرتسری کے ساتھ آخری فیصلہ جو کہ 18اپریل 1907میں بدر میں شائع کرایا تھاوہ لمبے عرصہ زیر بحث رہااور اس پر مناظرات بھی ہوئے جمیعت اہل حدیث جھال خانو دانہ ضلع لائل پور سے ایک اشتہار شائع ہوا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کے اس اشتہار کو فیصلہ کن قرار نہ دینے پر یہ مضمون گویاکالعدم ہوگیااس کے رد میں قاضی صاب نے یہ تحری لکھی اور دعوی کیا مرزا صاحب نے بھی مولوی ثناء اللہ صاحب اور اپنے تمام مخالفین کو مباہلہ کی دعوت دی تھی اس لیے یہ دعوت آخری اتمام حجت ہے۔

امتناع قادیانیت کا آرڈیننس 1894ء - وفاقی شرعی عدالت میں

یہ بھی مجیب الرحمٰن صاحب کی تحریر ہے 1984ء میں جب جنرل ضیاء الحق صاحب نے امتناع قادیانیت کے آرڈیننس کے ذریعے احمدیوں پر بعض پابندیاں عائد کیں تو چند احمدی وکلاء نے وفاقی شرعی عدالت میں یہ درخواست گزاری کہ یہ قانون قرآن و سنت کے منافی ہے لہٰذا کالعدم قرار دیا جائے اس جدوجہد میں جماعت کے علماء بھی ان کے ساتھ شامل تھے عدالتی کاروائی کا مرکزی کردار مجیب الرحمٰن صاحب ایڈووکیٹ تھے عدالت میں مقدمہ بھی انھوں نے پیش کیا خلیفہ خاص کی ہدایات پر مجیب الرحمٰن صاحب نے اس کاروائی کو تحریری شکل میں محفوظ کیا۔

نبوت وخلافت کے متعلق اصل پیغام اور جماعت احمدیہ کا موقف

یہ رسالہ جو کہ چند تقاریر کا مجموعہ ہے نظارت صلاح وارشاد وصدر انجمن احمدیہ پاکستان کی جانب سے شائع ہوا ہے اس میں مولانا ابوالعطاء صاحب مولانا شیخ مبارک صاحب اور جناب پیر محمود احمد صاحب مولانا جلال الدین شمس صاحب وغیرہ کی تقاریر ہیں جو مرزا صاحب کی نبوت وخلافت احمدیہ، بیعت خلافت اور نبوت وخلافت کے متعلق اصل پیغام کا وقف ہیں۔ اصل پیغام سے مراد مولوی محمد علی صاحب ہیں جنہوں نے 15 مارچ 1915ء میں رسالہ پیغام صلح میں ایک ضروری اعلان شائع کیا جس میں سلسلہ خلافت جاری کرنے پر انکار کیا گیا تھا میر محمود صاحب کی تقریر میں ان کا رد ہے

حضرت عیسی علیہ السلام کی توہین کے الزام کا جواب

یہ ہادی علی چوہدری کی تحریر کا جواب دیا ہے مسلمانوں نے مرزا صاحب پر اعتراض کیا تھا کہ انھوں نے اپنی تحریروں میں حضرت عیسیٰؑ کی توہین کی ہے اس رسالہ میں انھوں نے اس اعتراض کا جواب دیا ہے ابتداء میں برصغیر میں مسیحی مشنریوں کی آمد اور ان کی مشنری تحریک پر گفتگو کے لیے مرزا صاحب کا عیسائیوں کے ساتھ مناظرے اور فتوحات کا ذکر کیا ہے اور کہا مرزا صاحب نے جس شخص کی توہین کی ہے وہ عیسائیوں کا فرضی یسوع ہے اور وہ شخصیت حضرت عیسیٰؑ سے مختلف ہے جو کہ محترم نبی ہیں اور جن پر ایمان لانے کا ہمیں حکم ہے اور مرزا صاحب بھی ان کا احترام کرتے تھے۔

فتاویٰ کفر اور ناجی جماعت

یہ برہان احمد ظفر درانی کی تصنیف ہے اس میں انہوں نے قادیانیوں کے کافر قرار دینے کے موضوع پر بحث کی ہے ابتداء میں مسلمانوں کی فرقہ بندی کا ذکر کرتے ہوئے ان کی تکفیری فتاوی کا ذکر کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں کے فرقوں میں سے شاید ہی کوئی فتوی تکفیر سے بچا ہوا ہے اس ضمن میں دیوبندی، بریلوی، شیعہ، اہلحدیث، منکرین حدیث، چکڑالوی، پرویزی ،جماعت اسلامی، تبلیغی جماعت ،احراری، قائد اعظم ،علامہ اقبال اور مولانا ابوالکلام آزاد کی طرف سے لگائے جانے والے اعتراضات کا جواب دیا ہے کہ قادیانی انگریزی حکومت کی سازش ہے آخر میں مسلمان اور کافر کی تعریف اور خلافت امامت اور جماعت جیسے مسائل پر بحث کی ہے۔

تحقیق جدید متعلق قبر مسیح

یہ مفتی محمد صادق صاحب کی تحریر ہے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کی قبر کشمیر میں ہے یہ کتاب بھی اسی دعوی کی تائید ہیں ہے باب اول میں تمہیدی تفصیلات بیان کی گئی ہیں باب دوم میں کشمیریوں کے یہودی النسل ہونے پر یورپین سیاحوں کی شہادات پیش کی گئی ہیں باب سوئم میں آثار قدیمہ کی شہادتیں ذکر کی گئی ہیں باب چہارم میں دیگر کتابی شہادتوں کا ذکر ہے باب پنجم میں متفرق تائیدی شہادتیں پیش کی گئی ہیں باب ششم میں قبر عیسیٰ کے متعلق تفصیلات ہیں باب ہفتم میں کشمیری زبانوں کا ذکر کیا گیا ہے باب ہشتم میں "توماحواری" کی ہندوستان میں آمد کا ذکر ہے باب نہم میں پٹھانوں کے اسرائیلی ہونے کا بیان ہے باب دہم میں اس بات کا ذکر ہے کہ کشمیر میں جو گوجری قوم آباد ہے یہ حضرت سلیمان فارسی کی نسل سے ہے اور مرزا صاحب بھی فارسی الاصل ہیں لہٰذا یہ ان کے لیے قابل فخر بات ہے۔

عرفان ختم نبوت

یہ مرزا طاہر صاحب خلیفہ خامس کی ایک تحریر ہے اس میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ مرزائی بھی ختم نبوت پر کامل یقین رکھتے ہیں لیکن ان کے نزدیک ختم نبوت کی ایک خاص تشریح ہے اس میں خاتمیت کے موضوع پر بحث کی گئی ہے مرزائیت پر اعتراضات کے جواب میں اور دعویٰ مہدویت کے حق میں شہادتیں ہیں۔ اور مرزا صاحب کی تاویلات، تصنیفات کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں۔ اور جماعت کی خدمات اور قربانیوں کا ذکر ہے۔

ختم نبوت کی حقیقت

یہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے کی تصنیف ہے اس ہیں ختم نبوت کی مخصوص تشریح کی گئی ہے اور اس ضمن میں آیات و احادیث پیش کی گئی ہیں اور سابقہ مشائخ و علماء کے اقوال بھی پیش کیے ہیں آخر میں سلسلہ بیعت میں داخل ہونے والوں کے لیے شرائط مذکور ہیں۔

قندیل صداقت

یہ مولانا عطاء اللہ کلیم صاحب کی تصنیف ہے جو مغربی افریقہ، امریکہ اور جرمنی کی جماعت احمدیہ کے انچارج تھے۔ احمدی حضرات کو مناظروں میں اپنے مؤقف کے لے ثبوت کا مطالبہ کیا جاتا ہے اس مقصد کے لیے بنیادی مسائل کے حوالے سے دلائل جمع ہوں اس کمی کو پورا کرنے کے لیے مولانا نے یہ کتاب تالیف کی اس کے تین ابواب ہیں مسئلہ وفات مسیح ناصری۔ صداقت مرزا۔ فیضان ختم نبوت، ان ابواب کے تحت 70 سے زائد حوالے جمع کیے گئے ہیں۔

اس کا ترجمہ انگریزی اور جرمنی کی زبانوں میں بھی ہو چکا ہے پہلے باب میں وفات عیسیٰ پر قرآنی آیات و احادیث اقوال علماء سے استدلال کیا گیا ہے۔

باب دوم میں مرزا صاحب کی شخصیت پر بعض آحادیث وآیات کو منطبق کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

تیسرے باب میں ختم نبوت پر بحث ہے اور امت محمدیہ میں امکان نبوت کے اجراء کو ثابت کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

ختم نبوت کی حقیقت:

یہ کتاب صدر انجمن احمدیہ (پاکستان) ربوہ والوں نے اپریل 1973 کو مولانالال حسین اختر کی کتاب ''مرزائی تحریفات کا تجزیہ ختم نبوت اور بزرگان امت'' کاجواب دیا ہے۔ یہ چونسٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔

ازالہ شبہات:

یہ کتاب بھی صدر انجمن احمدیہ (پاکستان) ربوہ والوں نے دسمبر 1976 میں شائع کی ہے۔ جس کا مطبع۔ ضیاء السلام پریس۔ ربوہ ہے۔ یہ کتاب 352 صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ایک غیر احمدی مسمّٰی جمیل احمد صاحب کے بذریعہ خط بھیجے گئے۔ اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے۔

احمدیہ تحریک پر تبصرہ (مصنفہ قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری)

یہ کتاب بھی صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ والوں نے مطبع ضیاء السلام پریس۔ ربوہ سے شائع کی ہے اس پر سن اشاعت درج نہیں ہے۔ یہ کتاب ملک محمد جعفر خان صاحب ایڈوکیٹ کی کتاب ''احمدیہ تحریک'' کے جواب میں قاضی محمد نذیر صاحب نے تحریر کی ہے۔ یہ کتاب 440 صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ہے۔

حافظ عبدالرحمٰن صاحب ''دس ہزار روپے کا نقد انعام'' کاجواب

یہ کتابچہ بھی صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ والوں نے مطبع ضیاء السلام۔ ربوہ سے شائع کیا ہے۔ اس کتابچہ میں حافظ عبدالرحمٰن صاحب کی طرف سے شائع کردہ پمفلٹ کاجواب ہے۔ جو انتالیس صفحات پر مشتمل ہے۔

مقام خاتم النبیین

یہ کتاب بھی صدر انجمن احمدیہ (پاکستان) ربوہ والوں نے مطبع ضیاء الاسلام ربوہ سے شائع کی ہے۔ یہ کتاب جنوری 1967 کو طبع ہوئی۔ یہ کتاب قاضی محمد نذیر صاحب نے ڈاکٹر خالد محمود کی کتاب ''عقیدہ الامۃ فی معنی ختم النبوۃ کے جواب میں لکھی ۔یہ کتاب 272 صفحات پر مشتمل ہے۔

مولانا مودودی صاحب کے رسالہ ''ختم نبوت'' پر علمی تبصرہ

یہ کتاب بھی صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ والوں نے مطبع ضیاء الاسلام ربوہ سے باردوم دسمبر 1972 کو طبع کیا مولانا مودودیؒ کے رسالہ ''ختم نبوت کے جواب میں قاضی محمد نذیر صاحب نے یہ کتابچہ تحریر کیا جو 131 صفحات پر مشتمل ہے۔

زاہد الحسینی کی ''وجوہات کفر'' پر تبصرہ

یہ کتاب بھی صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ والوں نے مطبع ضیاء الاسلام۔ ربوہ سے شائع کیا ہے جس پر سن طباعت درج نہیں ہے۔ قاضی نذیر صاحب نے یہ کتابچہ مصنف زہد الحسینی صاحب کے کتابچہ ''مسلمان قادیانیوں کو کیوں کافر سمجھتے ہیں'' کے جواب میں تحریر کیا ہے۔

تفسیر خاتم النبیین

یہ کتاب بھی صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ والوں نے مطبع ضیاء الاسلام ربوہ سے شائع کیا جس پر سن اشاعت درج نہیں یہ کتاب قاضی محمد نذیر صاحب نے مولانا انور شاہ کشمیری کی کتاب خاتم النبیین کے رد میں تحریر کی اس کتاب کا ترجمہ مولوی محمد یوسف لدھیانوی صاحب نے ترجمہ مع تشریح شائع کیا۔ اس ترجمہ شدہ کتاب کے جواب میں یہ کتاب لکھی گئی یہ کتاب 190 صفحات پر مشتمل ہے۔

الحق المبین فی تفسیر خاتم النبیین

یہ کتاب بھی صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ والوں نے مطبع ضیاء الاسلام۔ ربوہ سے شائع کیا۔ یہ کتاب دراصل مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کتاب ''ختم نبوت کامل ہر سہ حصہ'' کے جواب میں لکھی گئی ہے یہ کتاب 304 صفحات پر مشتمل ہے۔

قول بلیغ

یہ کتاب پرنٹر پبلشر سید سلیم مالک دار التجدید اردو بازار لاہور نے شائع کی اس کتاب کے مصنف جامعہ احمدیہ ربوہ کے سابق پرنسپل قاضی محمد نذیر صاحب ہیں۔ اس کتاب کے صفحات 192 ہیں۔ مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفہ ثانی نے نبوت کے مسئلہ میں ایک کتاب ''خفیقۃ النبوۃ'' کے نام سے تحریر کی جس کے جواب میں مولانا محمد علی صاحب نے ایک کتاب ''النبوۃ فی الاسلام لکھی اس کے علاوہ چوہدری شکر اللہ خان صاحب منصور نے اس کتاب کے تمام مباحث کو پڑھ کر قول سدید کے نام سے ایک ضخیم کتاب تصنیف کی ان دونوں کتابوں کے رد میں قاضی محمد نذیر صاحب ''قول بلیغ'' کے نام سے ایک کتاب تالیف کی۔

حافظ محمد ابراہیم کمیرپوری کے ''وساوس کا ازالہ''

یہ کتاب بھی ربوہ میں مطبع ضیاء الاسلام ربوہ سے شائع ہوئی ہے اس پر سن اشاعت درج نہیں ہے حافظ محمد ابراہیم صاحب نے ایک کتاب لکھی جس کا عنوان ''مرزائے قادیان کے دس جھوٹ'' تھا آخر کتاب میں مزید پانچ جھوٹ کے الزامات مرزا صاحب پر لگائے جس کے جواب قاضی محمد نذیر صاحب نے یہ کتاب لکھی جس کتاب کے صفحات تقریباً 200 ہیں۔

چشم عرفان

یہ کتاب بک ڈپو تالیف و اشاعت قادیان ضلع گورداسپور پنجاب نے دسمبر 1934 میں تحریک قادیان کے جواب میں شائع کی اس کتاب کے مصنف جناب سید حبیب صاحب ایڈیٹر اخبار ''سیاست'' لاہور کے ہیں جبکہ اس کے جواب میں مولوی علی محمد صاحب اجمیری نے اخبار ''الفضل'' میں قسط وار جوابات دینے شروع کیئے تعلیم کی تکمیل کے باعث ان کی جگہ مولوی محمد یعقوب صاحب اسسٹنٹ ایڈیٹر اخبار ''الفضل'' نے بقیہ اقساط وار مضامین کا سلسلہ مکمل کیا۔ یہ کتاب 350 صفحات پر مشتمل ہے۔

تجلیات رحمانیہ

ابوالعطاء اللہ دۃ جالندھری جسے میر قاسم علی ایڈیٹر فاروق پبلیشرز بماہ دسمبر 1931 اللہ بخش سٹیم پریس قادیان میں باہتمام چوہدری اللہ بخش صاحب پرنٹر طبع کراکے قادیان سے شائع کیا۔ یہ کتاب مولنا ثناء اللہ امرتسری کی کتاب تعلیمات مرزا اور فیصلہ مرزا کا جواب ہے جو کہ 176 صفحات پر مشتمل ہے۔

احمدیت ایک آسمانی صداقت

یہ کتاب محمد عمر ایڈیشنل ناظر تعلیم القرآن کی تالیف ہے اس کتاب کا سن اشاعت 2009 ہے مطبع فضل عمر پریس قادیان اور ناشر نظارت نشرواشاعت قادیان ہے جبکہ اس کے صفحات 131 ہیں۔ یہ کتاب مولانا محمد شعیب اللہ مفتاحی کی کتاب "قادیانیت ایک جھوٹ ایک فریب" کے رد میں لکھی گئی ہے۔

راہ ہدایت

یہ کتاب رقیم پریس اسلام آباد۔ یوکے سے طبع ہوئی ہے یہ کتابچہ مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی کے کتابچہ "شناخت" کا جواب ہے۔ جس کو عالمی مجلس تحفظ ختم نے شائع کیا ہے۔ یہ کتاب 96 صفحات پر مشتمل ہے۔

احمدیت

یہ کتاب قاضی محمد نذیر صاحب فاضل کی تالیف ہے یہ صدر انجمن احمدیہ ربوہ نے شائع کی ہے اس کتاب کا مطبع ضیاء السلام پریس ربوہ ہے سن اشاعت 17 دسمبر 1972 ہے۔ یہ کتاب مولانا ابوالحسن صاحب ندوی کی کتاب "القادیانیت" کا جواب ہے۔ یہ کتاب 444 صفحات پر مشتمل ہے۔

القول المبین کی تفسیر خاتم النبین

یہ کتاب مولنا ابوالعطا اللہ دۃ جالندھری کی تالیف ہے جنہوں نے مولانا مودودیؒ کی کتاب "ختم نبوت" کے جواب میں لکھی ہے مکتبہ الفرقان ربوہ سے دسمبر 1963 طبع سوم شائع ہوئی ہے اس کے صفحات کی تعداد 256 ہے۔

ختم نبوت اور تحریک احمدیت پر تبصرہ

یہ کتاب صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ والوں نے ضیاء الاسلام ربوہ کے مطبع سے شائع کیا۔ اس کتاب پر سن اشاعت دسمبر 1976 ہے۔ یہ کتاب ابو قیصر آدم خان صاحب نے غلام احمد پروفیسر کی کتاب "ختم نبوت اور تحریک احمدیت" کے جواب میں لکھی یہ کتاب 534 صفحات پر مشتمل ہے۔

جماعت احمدیہ کے مرکزی اخبارات اور رسائل کا تعارف

جماعت احمدیہ کے سب سے پہلے "اخبار الحکم" کا اجراء

جماعت احمدیہ کے قیام کے آٹھ سال بعد مرزا صاحب اور آپ کے متبعین نے اس کی شدت محسوس کی مگر اقتصادی حالات اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ آخری ایک لمبی کشمکش کے بعد شیخ یعقوب علی صاحب تراب نے مرزا صاحب سے خط کے ذریعے سے اخبار کے اجراء کے متعلق پوچھا تو مرزا صاحب نے کہا کہ جماعت احمدیہ ابھی ان اخراجات اٹھانے کی متحمل نہیں ہاں آپ اپنے تجربہ کی بنا پر جاری کر سکتے ہیں کر دیں۔

شیخ یعقوب صاحب ان دنوں ہر اعتبار سے تہی دست تھے مگر ان کی کاوشوں سے "الحکم" کے نام سے اخبار جاری کیا۔ اخبار الحکم کا پہلا پرچہ 15 اکتوبر 1898 کو شائع ہوا یہ اخبار 1897 کے آخر تک ریاض ہند پریس امر تسر میں چھپتا اور امر تسر ہی سے

شائع ہوتا تھا مگر 1898 کے آغاز میں مرکز احمدیت میں منتقل ہو گیا اور چند برسوں کے وقفہ کے ساتھ جولائی 1943 تک جاری رہا پھر اس اخبار کی زمام ادارت شیخ محمد یعقوب کے بیٹے نے سنبھالی۔

اس اخبار کے ذریعے سے مرزا صاحب کے ملفوظات اور ان الہامات برق رفتاری سے چھپتے رہے۔ (تاریخ احمدیت ج نمبر ا، ص 41 تا 643 نیا ایڈیشن)۔

اخبار البدر

اخبار ''الحکم'' کے علاوہ محمد افضل آف مشرقی افریقہ اور ڈاکٹر فیض علی صبر کی کوشش سے 31 اکتوبر 1902 سے دوسرا ہفت ''البدر'' کے نام سے جاری ہو گیا۔ جس کا پہلا نمونہ کا پرچہ ''قادیان'' کے نام سے چھپا مگر اس کے بعد مرزا صاحب نے اس کا نام ''البدر'' رکھ دیا۔

مالک و مدیر محمد افضل کی وفات کے بعد یہ اخبار میاں معراج الدین نے خرید لیا مرزا صاحب نے مفتی محمد صادق کو اخبار ''البدر'' کا ایڈیٹر مقرر کیا۔ ''بدر'' اخبار دسمبر 1913 تک باقاعدگی سے نکلتا رہا اور پھر بند ہو گیا۔ تقریباً 40 سال کے عرصہ کے بعد 17 مارچ 1953 کو جماعت احمدیہ قادیان نے دوبارہ اس اخبار کا اجراء کیا۔ اس دور کے ایڈیٹر مولوی برکات احمد راجیکی مقرر ہوئے یہ اخبار اب تک قادیان سے شائع ہو رہا ہے۔

اس اخبار میں حکیم نور الدین کا درس قرآن درس بخاری اور ان کی ڈائری بھی ''کلام امیر'' کے نام سے الگ الگ ضمیمہ کی شکل میں شائع ہوتی تھی۔ [۳]

ریویو اف ریلجینز (اردو اور انگریزی) کا اجراء

مرزا صاحب نے 1901 میں جس رسالہ ''ریویو اف ریلجنز'' کی تجویز دی تھی مولوی محمد علی کی ادارت میں انگریزی اور اردو ہر دو زبان میں جنوری 1902 سے جاری ہو گیا۔ انگریزی رسالہ تو ابتداء سے کچھ عرصہ تک لاہور میں ہی شائع ہوتا رہا مگر اردو ایڈیشن کا پہلا پرچہ لاہور سے چھپا اسکے بعد شیخ یعقوب علی ''انوار احمدیہ پریس قادیان میں طبع ہونے لگا۔

شروع شروع میں رسالہ کے اکثر مضامین مرزا صاحب کے ہوتے تھے مختلف ملک کے اسلامی اخبارات میں اس رسالہ پر تبصرہ چھپے یہ رسالہ اندرون ملک اور مغربی مماک میں پڑھا جاتا رہا۔ مغربی مماک میں اس کے باعث کئی لوگ احمدیت کی طرف مائل ہوئے۔ مرزا صاحب نے اس رسالہ کے جاری رہنے کے لیے اپنی جماعت کے لوگوں کو ہر طرح کی اعانت کرنے پر زور دیا۔ [۴]

رسالہ ''تشحیذ الاذہان'' کا اجراء

یکم مارچ 1906 سے مرزا بشیر الدین محمود کی ادارت میں ایک سہ ماہی رسالہ کا اجراء ہوا جس کا نام مرزا صاحب نے انجمن ''تشحید الاذہان'' ہی کے نام پر ''تشحیذ الاذہان'' رکھا اس رسالہ کے مندرجہ اغراض و مقاصد تھے۔

ا۔ احمدیت کا تعارف کرانا

۲۔ مرزا صاحب کے ملفوظات کا شائع کرنا۔

۳۔ سلسلہ احمدیہ پر ہونے واے اعتراضات کے جوابات دینا۔

۴۔ احمدیہ سلسلہ کے مشہور لوگوں کی سوانح عمریاں درج کرنا۔

۵۔ شرعی احکام کا اندراج کرنا

۶۔ یہ رسالہ قادیان ضلع گورداسپور سے ماہوار اردو میں شائع ہوتا رہا اس رسالہ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ یہ مرزا

صاحب کے گھر سے شائع ہوتا تھا اور مرزا صاحب کے بیٹے اسکی ادارت کرتے تھے۔

روزنامہ الفضل

1913ء میں مرزا بشیر الدین محمود کے ہاتھوں سے ''الفضل'' جاری ہوا حکیم نور الدین نے اس کا نام ''الفضل'' رکھا 18 جون 1913 کو اس کا پہلا پرچہ شائع ہوا۔

اس کا پہلا پرچہ 20/426x کے 16 صفحات پر مشتمل تھا ہفتہ وار شائع ہونے لگا۔ دسمبر 1913 کے سالانہ جلسے پر تین دن یعنی 28-27-26 دسمبر اس کا روزانہ لوکل ایڈیشن شائع ہوا اور 21 مارچ 1914 تک کے پرچہ پر وپرائٹر پبلشر اور پرنٹر کے طور پر بھی مرزا بشیر الدین کا نام لکھا جاتا رہا۔ دیگر مصروفیات کے باعث 21 مارچ 1914 سے مرزا بشیر احمد کا نام بطور ایڈیٹر شائع ہونے لگا 3 دسمبر 1914 کے پرچہ سے ''الفضل'' کا پرنٹر و پبلشر عبدالرحمان قادیانی بنے جو تقسیم ہند تک اس منصب پر قائم رہے۔

جون 1914 سے جو 1924 تک پورے دس سال الفضل 18/426x پر چھپتا رہا 1947 میں جب قیام پاکستان کے بعد ہجرت کرنا پڑی اور جماعت احمدیہ کو بھی اپنا مرکز قادیان چھوڑنا پڑا تو الفضل قادیان کی بجائے لاہور سے شائع ہونا شروع ہوا۔ قیام پاکستان کے بعد الفضل لاہور سے شائع ہوتا رہا۔

الفضل انٹرنیشنل

اس رسالہ کا اجراء 7 جنوری 1994 کو لندن سے زیر ادارت چوہدری رشید احمد منظر عام پر آیا بعد میں نصیر احمد قمر ایڈیٹر کے طور پر مقرر ہوئے اس اخبار کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جماعت احمدیہ کے موجودہ امام کے خطبات شائع ہوتے ہیں۔

ماہنامہ مصباح ربوہ

15 ستمبر 1926 کو لجنہ اماء اللہ کی نگرانی میں ماہوار رسالہ ''مصباح'' جاری ہوا جس میں خواتین کی تربیت کے لیے مختلف مضامیں شائع ہوتے رہے مرزا بشیر الدین محمود نے اس کا پورا اہتمام مرکزی ''لجنہ اماء اللہ'' کو سونپ دیا گیا۔ ۵؎

تقسیم ہند کے بعد یہ رسالہ کچھ عرصہ تک موقوف رہا آخر 1950 میں دوبارہ مصباح ربوہ سے جاری ہوا یہ رسالہ ابھی بھی جاری ہے۔

ان کے علاوہ ماہنامہ خالد ربوہ ماہنامہ انصار اللہ ربوہ اور ماہنامہ رسالہ تحریک جدید بھی جاری ہوئے۔

حوالہ جات

۱۔ شہادت القرآن روحانی خزائن ج 6 ص 397

۲۔ الحکم 10 جنوری 1899

۳۔ تاریخ احمدیت ج ۲، ص 222-221

۴۔ تاریخ احمدیت ج ۲، ص 206-203

۵۔ تاریخ احمدیت ج نمبر ۴، ص 307

فصل سوم: مشہور مناظرے و مباحثے

سن 1324ھ میں ہونے والے اہم مناظرے

ا۔ مباحثہ قلعہ گلانوالی ضلع گورداسپور:

قلعہ گلانوالی ضلع گورداسپور میں ختم نبوت اور صداقت مرزا کے موضوع پر اپریل 1324ھ کو مناظرے طے پا گیا۔ چنانچہ پہلا مناظرہ ختم نبوت پر ہوا جو سید احمد علی صاحب اور مولوی عتیق الرحمٰن صاحب کے درمیان ہوا۔ احمدی مناظر کا موقف یہ تھا کہ شریعت محمدیہ کے تابع انبیاء آسکتے ہیں۔ دوسرے مناظرے میں جماعت احمدیہ کی طرف سے چوہدری محمد یار صاحب عارف مناظر تھے اور دوسرے فریق کی طرف سے منشی عبداللہ عمار امرتسری تھے۔ فریقین نے اپنے اپنے موقف میں دلائل پیش کیے۔

۲۔ مباحثہ بھٹیاں ضلع گورداسپور

موضع بھٹیاں کے ایک احمدی شخص میاں عبدالحق صاحب نور نے مرزا صاحب کی تحریک پر جب اپنے گائوں میں تبلیغ پر زور دیا تو لوگوں نے مباحثے کے لیے مرزا کو بلوایا دوسری طرف احمدی مناظر قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری مولانا ابوالعطاء صاحب واحد حسین صاحب ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب تھے اور مولوی دل محمد صاحب بھی پہنچ گئے لیکن مناظرہ مولوی عبدالحق احمد صاحب نے کیا دوسری طرف مولوی عبداللہ معمار یہ 19 اپریل 1324ھ کا واقعہ۔

مباحثہ علی پور کھلواں ضلع مظفر گڑھ:

5 اگست 1945ء کو احمدی مبلغین نے تین مناظرے کیے۔ سید احمد علی صاحب احمدی مسئلہ وفات مسیح پر مولوی محمد حیات صاحب نے مناظرہ کیا۔ مولوی عبدالغفور صاحب احمدی نے مولوی لال حسین اختر صاحب سے صداقت مرزا پر مناظرہ کیا۔ تیسرے روز مولوی محمد اسماعیل صاحب دیال گڑھی نے مسئلہ ختم نبوت پر مناظرہ کیا احراری صدر قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی تھے مناظرے میں عوام بھی شریک تھی اور پر جوش تھی۔ روزانہ تین یا دو تقریریں ہوتی رہیں۔ اس مناظرہ میں ڈیرہ نواب اوچ شریف جتوئی۔ مظفر گڑھ ملتان، ڈیرہ غازی خان اور بہاولپور سے بکثرت عوام شریک ہوئی۔ جن کی تعداد چار ہزار کے لگ بھگ تھی۔ ہر دو فریق کی امن کی ذمہ داری ملک شیر محمد صاحب رئیس نے لی۔

مباحثہ بھدرروالا (ضلع اودھم پور)

بھدرروالا کے مقام پر مولوی ابوالبشارت عبدالغفور صاحب کا مولوی لال حسین اختر سے مسئلہ نبوت اور صداقت مرزا پر مناظرہ کیا۔ مناظرہ سننے والوں میں پڑھے لکھے سنجیدہ افراد بھی موجود تھے۔

مباحثہ کنری سندھ:

کنری میں 6-5 نومبر 1945 حنفیوں اور احمدیوں میں تینوں اختلافی مسائل پر مناظرہ ہوا۔ حنفیوں کی طرف سے مولوی محمد عمر صاحب شیخوپوری اور احمدیوں کی طرف مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دیال گڑھی اور مولوی سید احمد علی صاحب تھے۔ سامعین کی تعداد سات سو سے ہزار کے لگ بھگ تھی۔ ان مناظروں کے نتیجہ میں پبلک میں احمدیت سے متعلق خاصی دلچسپی اور بیداری پیدا ہو گئی۔[1]

سن 1932ء میں ہونے والے اہم مناظرے

مسلمانوں اور احمدیوں کے درمیان کثرت سے مناظرے ہوئے حسب ذیل ہیں:

۱۔ مباحثہ مجوکہ:

مجوکہ ضلع سرگودھا میں 20-19-18فروری 1932 کو مباحثہ ہوا جس میں مولوی محمد ابراھیم بقاپوری مولوی علی محمد صاحب اجمیری اور مولوی عبدالاحد صاحب احمدی مناظر شامل ہوئے۔ مسلمانوں کی طرف سے مولوی محمد مسعود الہڑوی اور مولوی محمد حسین صاحب کولوتارڑوی وغیرہ دس علماء شریک تھے۔ ۲

۲۔ مباحثہ دیرچک:

ضلع شیخوپورہ 26-25فروری 1932 کو ملک عبدالرحمٰن خادم نے مسئلہ وفات مسیح اور صداقت مرزا پر مباحثہ کیا مسلمانوں کی طرف سے مولوی محمد حسین صاحب گوندلانوالہ مولوی محمد مسلم صاحب اور مولوی نور شاہ صاحب مناظر تھے۔ یہ مناظرہ بغیر کسی نتیجہ کے ختم ہو گیا۔ ۳

۳۔ مباحثہ آنبہ:

ضلع شیخوپورہ آنبہ میں ملک عبدالرحمٰن اور مولوی محمد سلیم صاحب نے 28-27اور 29فروری کو مولوی محمد حسین صاحب منڈی بہاؤالدین حافظ احمد الدین صاحب گکھڑوی اور مولوی نور حسین صاحب گرجاکھی سے چار مناظرے کئے یہ مناظرہ بھی بغیر کسی نتیجہ کے ختم ہو گیا ۴

۴۔ مباحثہ روپڑ (ضلع انبالہ)

یہاں 21-20مارچ 1932ء کو مولوی محمد سلیم اور ملک عبدالرحمٰن خادم کا مسلمان عالم مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی اور مولوی احمد دین صاحب کے ساتھ مناظرہ ہوا۔ ۵

۵۔ مباحثہ سیدو باغ سندھ:

27-26مارچ 1932 کو شیخ مبارک احمد صاحب اور مولوی محمد اسلم صاحب نے وفات مسیح اور صدق مرزا پر مناظرے کیے۔ مسلمانوں کی طرف سے مولوی محمد حسین صاحب کولوتارڑوی پیش ہوئے۔ ۶

۶۔ مباحثہ وزیرآباد:

مولوی محمد سلیم صاحب کا مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری سے 10اپریل کو مباحثہ ہوا۔ اہلحدیث علماء کی شرط یہ تھی کہ صرف قرآن و حدیث سے دلائل دیے جائیں دوران مناظرہ مولانا ظفر علی خان اور ملک عبدالرحمٰن نے ایک دوسرے کے خلاف تقریریں کیں۔ ۷

۷۔ مباحثہ شہبار پور:

بنگال 21 مئی کو احمدیت اور نبوت مرزا پر مناظرا ہوا احمدیوں کی طرف سے مولوی سید سعید احمد صاحب نے بحث صدر مولوی تمیز الدین صاحب تھے مسلمان کی طرف سے مولوی حسن الدین صاحب تھے پہلے انہوں نے دلائل دیے اس کے بعد احمدی مناظر نے تقریر کی۔ ۸؎

۸۔ مباحثہ خانیوال:

ضلع ملتان میں جون 1932 میں ایک مناظرہ ہوا جس میں حافظ مبارک احمد صاحب مولوی احمد خان صاحب اور مولوی عبدالاحد صاحب نے شرکت کی۔آخر میں ایک معزز مسلمان نے قادیانیوں کو دعوت طعام دی۔ ۹؎

۹۔ مباحثہ اجنالہ:

سید احمد علی صاحب اور مولوی محمد نذیر صاحب ملتانی نے 23 جون کو انبالہ میں علمائے اہلحدیث مولوی عبدالقادر صاحب اور حافظ احمد دین صاحب سے مناظرہ کیا اور مناظرہ بے نتیجہ رہا۔ ۱۰؎

۱۰۔ مباحثہ شاہ مسکین ضلع شیخوپورہ:

3-4 جولائی 1932ء کو ایک مناظرہ ہوا جس میں احمدیوں کے مناظر مولوی محمد سلیم صاحب اور شیخ مبارک احمد صاحب تھے اور اہلحدیث کی طرف سے مولوی نور حسین صاحب گرجاکھی مناظر تھے حیات و وفات مسیح اور صداقت مرزا کے موضوع پر ملک عبدالرحمٰن خادم نے جماعت احمدیہ کی جانب سے مناظرہ کیا اور اہلحدیث کی طرف سے مولوی احمد دین صاحب پھر مولوی عبدالرحیم شاہ صاحب پیش ہوئے ابتداء حافظ مبارک احمد صاحب اور مولوی ثناء اللہ صاحب کی تقریریں ہوئیں اس کے بعد ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم نے تقریر کی نماز عصر ادا کی گئی۔ ۱۱؎

۱۱۔ مباحثہ بمبو تحصیل شکر گڑھ:

31 جولائی کو جماعت احمدیہ اور اہلحدیث کے درمیان مناظرہ ہوا۔ احمدی مناظرہ حافظ مبارک احمد صاحب اور مناظر اہلحدیث حافظ احمد دین صاحب گکھڑوی اور عبدالرحیم شاہ صاحب تھے مناظرین نے اپنے دلائل سنجیدگی سے بیان کیے۔ ۱۲؎

۱۲۔ مباحثہ بھیرہ ضلع شاہ پور:

جماعت احمدیہ اور بریلویوں کے درمیان 16-15 ستمبر 1932 کو تین مناظرے ہوئے جماعت احمدیہ کی طرف سے پہلے اور دوسرے مناظرے میں مولوی محمد سلیم صاحب اور تیسرے میں ملک عبدالرحمٰن خادم صاحب نے حصہ لیا۔ مسلم مناظر مولوی محمد حسین کولوتارڑوی تھے تیسرا مناظرہ بڑے معرکے کا تھا۔ جس کی بھیرہ اور اس کے مضافات میں بہت شہرت ہوئی۔

۱۳۔ مباحثہ سری گوبند پورہ:

20-21 نومبر کو مولوی محمد سلیم صاحب نے مسلمان عالم مولوی محمد ادریس صاحب سے مناظرہ کیا۔ ہندو پبلک نے خصوصیت سے اس مناظرہ میں دلچسپی لی۔ ۱۳؎

۱۴۔ مناظرہ پونچھ:

27اگست 1933احمدی مبلغ مولوی محمد حسین صاحب نے مسلمان عالم کرم دین سے مبادلہ خیالات کیا مناظرے میں عوام بھی شریک تھی۔ ۱۴

۱۵۔ مناظرہ مدرسہ چٹھہ تحصیل وزیر آباد:

ستمبر1933 مولوی دل محمد صاحب فاضل نے مولوی محمد نذیر صاحب عالم اہلسنت و الجماعت سے تین مشہور متنازعہ مسائل پر مناظرہ کیا۔ ۱۵

۱۶۔ مناظرہ بنگہ (ضلع جالندھر):

28تا30اکتوبر یہ اس سال کا نہایت اہم مناظرہ تھا احمدی مناظر یہ تھے۔ علامہ جلا الدین شمس صاحب، مولوی علی محمد صاحب اجمیری مولوی محمد سلیم صاحب فاضل، مسلمانوں کی طرف سے مولوی محمد حسین صاحب کولوتارڑوی اور مولوی محمد صاحب عریبک ٹیچر رائے کوٹ نے بحث کی۔ بنگہ میں غیر احمدیوں کے ساتھ یہ پہلا مناظرہ تھا جس کی علاقہ دوآبہ میں غیر معمولی شہرت ہوئی۔ ۱۶

۱۷۔ مباحثہ بٹالہ:

17دسمبر1933ء یہ مباحثہ صداقت مرزا اور امکان نبوت پر تھا جماعت احمدیہ کی طرف سے پہلے مضمون کے لیے مولوی عبدالغفور صاحب فاضل اور دوسرے مضمون کے لیے ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم پیش ہوئے۔ اور دس منٹ تقریر کی۔ مناظرے میں عوام نے پرجوش شرکت کی۔ ۱۷

۱۸۔ مناظرہ اٹاوہ:

شروع نومبر 1933 مولوی محمد نذیر صاحب فاضل ملتانی احمدی نے علمائے اہلحدیث مولوی ثناء اللہ صاحب امر تسری اور مولوی محمد یوسف صاحب سے تین مخصوص مسائل پر مناظرہ کیا۔ مناظرے میں مسلم عوام اور ہندو عوام بھی شریک تھی۔ ۱۸

سن 1933ء میں ہونے والے اہم مناظرے

مباحثہ مٹاری:

سندھ 30 جنوری یا 2 فروری 1933 ء حافظ مبارک احمد صاحب احمدیوں کے مناظر تھے اور مولوی عبدالحق صاحب مسلمانوں کی طرف سے مناظر تھے اس مناظرے میں لڑائی جھگڑے کی بھی نوبت آئی اور مناظرہ بے نتیجہ ختم ہو گیا۔ ۱۹

مباحثہ شام پور

ضلع رنگ پور بنگال 8 فروری 1933ء کو مولوی ظل الرحمٰن صاحب احمدی مناظر نے صبح سات بجے سے چھ بجے شام تک مسلم مناظرین سے مباحثہ کیا۔

مباحثہ منانوالہ (فروری/مارچ1933ء) :

یہ مناظرہ مو موی دل محمد صاحب مبلغ سلسلہ احمدیہ نے کیا۔ یہ مناظرہ تین عناوین پر تھا۔ (وفات مسیح۔ صداقت مرزا۔ امکنا نبوت) ۔ ۲۰

مباحثہ اسرائیل

بنگال 12 مارچ 1932ء ایک مسلم عالم سے مولوی سید سعید احمد صاحب احمدی نے صداقتِ مرزاپر مناظرہ کیا۔ ۲۱

مناظرہ تاریگام کشمیر (اندازاً اپریل/ مئی 1933)

مولوی عبدالواحد صاحب اور مولوی عبدالاحد صاحب داتوی صاحب احمدی مناظر تھے اور مسلمانوں کے مناظر فاضل دیوبند مولوی محمد شاہ صاحب تھے۔ دوران مناظرہ کچھ تلخ کلامی بھی ہوئی۔ ۲۲

مناظرہ وزیر آباد (اپریل1933ء)

مولوی عبدالغفور صاحب فاضل احمدی نے مولوی لال حسین اختر صاحب سے مناظر کیا۔ فریقین نے اپنے اپنے موٗقف پر دلائل دیئے۔

مناظرہ سیالکوٹ (اندازاً جون1933ء)

' یہ مناظرہ احمدیوں اور اہلحدیثوں کے مابین ہوا۔ احمدی مناظر ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم اور مولوی محمد سلیم اور مولوی محمد ابراہیم صاحب تھے۔ ۲۳

مناظرہ لدھیانہ (اندازاً جولائی1933ء)

محلّہ قاضیاں میں شیخ مبارک احمد صاحب اور بابو عبدالحمید صاحب آرنل کلرک فیروزپور کا مسلم علماء کے ساتھ مناظرہ ہوا۔ یہ محلّہ ان دنوں مقابلہ کا گڑھ تھا شیخ مبارک صاحب اکثر نصف شب تک تقریریں کرتے اور مسلمانوں کے اعتراضات کا جواب دیا کرتے تھے۔ ۲۴

مناظرہ بنارس (20اگست1933ء)

مولوی عبدالحمید صاحب بی۔اے مولوی فاضل نے ایک مسلمان عالم مولومی محمد یوسف سے تین مشہور اختلافی مسائل پر مباحثہ کیا فریقین نے دونوں طرف سے دلائل پیش کیئے۔ ۲۵

مناظرہ شملہ 27اگست1933ء

علامہ جلال الدین شمس صاحب نے وفات مسیح کے موضوع پر اور مولوی محمد سلیم صاحب نے ختم نبوت اور صداقت مرزا کے موضوع پر مسلم علماء سے مناظرہ کیا۔ فریقین کی تقریریں پرجوش تھی فریقین نے اپنے اپنے دلائل پیش کیے۔ ۲۶

سن 1935ء میں ہونے والے اہم مناظرے

مباحثہ تاروا علاقہ بنگال:

یہاں ۹ فروری 1935 کو مولانا محمد سلیم صاحب اور مولانا ظل الرحمٰن صاحب بنگالی نے مسلم عطاء سے مباحثہ کیا۔ مباحثہ دہلی مارچ 1935 کو انجمن سیف الاسلام دہلی کے سالانہ جلسے پر مولانا جلال الدین کا مولوی سعد اللہ صاحب سے مناظرہ ہوا موضوع یہ تھا کہ اہل النسبت کے موقف سے حضرت عیسیٰؑ کی فضیلت ثابت ہوئی ہے حضور ﷺ کی دوسرے دن سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے بھی تقریر کی۔

مباحثہ نتھو پور:

اس مقام پر چوہدری محمد شریف صاحب مبلغ گھیمبا نے مولوی نور حسین صاحب گرجاکھی سے تین اختلافی مسائل پر مناظرہ کیا مناظرے میں سامعین بھی شریک تھے۔

مباحثہ مشرقی بنگال:

مارچ 1935 کو مشرقی بنگال میں مولانا محمد سلیم صاحب اور برہمن بڑیہ کے مدرسہ عربیہ کے صدر المدارس مولوی تاج الاسلام کے مابین چودہ گھنٹے تک عربی میں مناظرہ ہوا۔ دوران مباحثہ مسلم مناظر کا کہنا تھا کہ مجھے کوئی جواب نہیں دیے گئے۔

مباحثہ نواں شہر دوآبہ:

انجمن اسلامیہ نواں شہر و کریام میں اپریل 1935ء کو سالانہ جلسہ ہوا۔ اختتام پر چوہدری محمد شریف صاحب احمدی اور احرار کی طرف سے مولوی محمد علی صاحب جالندھری نے مناظرہ کیا۔

مباحثہ کوہاٹ:

مولانا چراغ دین صاحب نے مئی 1935 کو مائر نظام الدین صاحب کوہاٹی سے مسئلہ وفات و حیات و مسیح پر مناظرہ کیا۔ ۲۷

مباحثہ افغانستان:

چوہدری محمد شریف صاحب نے مئی 1935 کو باغ موضع مصطفیٰ پور میں مولوی محمد شفیع صاحب سکھری سے صداقت مرزا پر مناظرہ کیا۔ مناظرہ میں سکھ اور ہندو بھی شامل تھے۔ ۲۸

مباحثہ سمرالہ ضلع لدھیانہ

اگست 1935 کو احمدی عالم مولوی غلام مصطفیٰ صاحب نے مولوی عبدالقادر روپڑی صاحب سے تین اختلافی مسائل پر مناظرہ کیا۔

مباحثہ بیگو سرائے ضلع مونگھیر:

اگست 1935 میں مولوی نصیر الدین صاحب وکیل پریزیڈنٹ انجمن احمدیہ بیگو سرائے کا مولوی نظام الدین صاحب مبلغ سلسلہ امرت شرعیہ پھولواری (بہار) سے مسئلہ حیات و وفات مسیح پر مناظرہ ہوا۔ سامعین میں سے بعض علماء نے کہا کہ ہمیں بھی

رد کرنے اور احمدی مناظر کا جواب دینے کی اجازت دی جائے۔ لیکن صدر نے شرائط مناظرہ کی وجہ سے صاف کہ دیا کہ صرف مناظر کو بولنے کا حق ہے اس سے جلسہ میں برہمی پیدا ہو گئی اور مباحثہ ختم کر دیا گیا۔

مباحثہ چمبہ:

اکتوبر 1935 کو مولوی غلام مصطفیٰ صاحب کا سائیں لال حسین اختر صاحب سے مناظرہ حیات و وفات مسیح اور صداقت مرزا پر ہوا۔ سامعین میں غیر مسلم حضرات بھی شریک تھے۔۲۹

مباحثہ شیخوپورہ:

اکتوبر 1935 کو شیخوپورہ میں اہم مناظرہ ہوا۔ جس میں مولوی محمد سلیم صاحب احمدی نے مولوی نور حسین گرجاکھی سے اور ملک عبدالرحمٰن خادم گجراتی نے مولوی احمد الدین گکھڑوی سے کامیاب بحث کی۔ دوران مناظرہ جھگڑا بھی ہوا۔ ۳۰

سن 1936ء میں ہونے والے اہم مناظرے

مباحثہ بہووال چھنیاں لکیریاں ضلع ہوشیارپوری:

جنوری 1936 کو تین اختلافی مسائل پر اہلسنت والجماعت سے مناظرہ ہوا۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر احمدی مناظر تھے اور حافظ عبدالعزیز صاحب مسلم مناظر تھے۔ ۳۱

مباحثہ تاروا (بنگال):

اس مقام پر قریشی محمد حنیف صاحب قمر پوری سائیکل سیاح کا مولوی تاج الاسلام صاحب سے مناظرہ ہوا۔ ۳۲

مباحثہ کوٹلی ضلع میرپور کشمیر:

کوٹلی میں احمدی مبلغ مولوی محمد حسین صاحب نے مارچ 1936 کو ہر سہ متنازعہ مسائل پر اہلحدیث سے مناظرہ کیا جس میں ہندو بھی شریک تھے۔

مباحثہ موضع پدیندار (علاقہ کٹک):

اپریل 1936 کو مولوی ظہور حسین صاحب احمدی نے کئی مسلمانوں سے مناظرے کیے۔ جس میں عوام بھی شریک تھی۔

مباحثہ ہیروشرقی:

ضلع ڈیرہ غازی خان اپریل 1936 کو ہیرو شرقی میں آٹھ گھنٹے مناظرہ ہوا۔ مولانا ابو اعطاء جالندھری احمدی نے مناظر تھے اور مسلم مناظر سائیں لال حسین اختر صاحب کا دوسرے دن مباہلہ ہوا۔

مباحثہ گوجرانوالہ:

مولانا ابو العطاء صاحب جون 1936 کو عبداللہ معمار صاحب سے مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ کے موضوع پر شاندار مناظرہ کیا۔ مناظرہ باوقار طریقے سے ہوا۔

مباحثہ بھرت ضلع لائل پور:

موضع بھرت چک 438 میں قاضی نذیر صاحب فاضل نے مولوی محمد شفیع صاحب سنکھتروی سے حیات و وفات مسیح اور صداقت مرزا پر دو مناظرے کیے تیسرا مناظرہ ختم نبوت پر تھا لیکن وہ نہیں ہو سکا۔

مناظرہ مہت پور:

ضلع ہوشیار پور 1935 کو مشہور تحریری مناظرہ مہت پور میں احمدیوں اور شیعوں بیں ہوا۔ جو یکم اکتوبر سے چار اکتوبر تک جاری رہا۔ احمدی مناظرہ مولانا ابوالعطا صاحب جالندھری تھے۔ شیعہ مناظر مرزا یوسف حسین صاحب تھے موضوع حسب ذیل تھے ختم نبوت صداقت مرزا وغیرہ

یہ مناظرہ دسمبر 1936 میں احمدیوں شعیوں کے مشترکہ خرچ سے شائع کر دیا گیا۔ ۳۳؎

مباحثہ گھوکھووال لائلپور:

اکتوبر 1936 کو اختلافی مسائل پر احمدیوں اور سنیوں میں مناظرہ ہوا۔ قریشی محمد نذیر صاحب ملتانی مولوی دل محمد صاحب اور ملک عبدالرحمٰن خادم احمدی مناظر تھے اور مولوی محمد شفیع صاحب سنکھتروی اور سائیں لال حسین اختر مسلم مناظر تھے۔

مباحثہ سنگرور (ریاست جند):

نومبر 1936 کو سنگرورے میں احمدیوں اور مسلمانوں میں مناظرہ ہوا موضوع یہ تھے کہ کیا قرآن و حدیث کی رو سے آنحضرت کے بعد نبوت کا سلسلہ جاری ہے۔ کیا مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ ملک عبدالرحمٰن خادم احمدی مناظر تھے اور مولوی عمر الدین شملوی مسلم مناظر تھے۔ ۳۴؎

سن 1937ء میں ہونے والے اہم مناظرے

مباحثہ خانقاہ ڈوگران:

1937 میں شعیوں اور احمدیوں کا مناظرہ ہوا پہلا مناظرہ ثلاثہ پر تھا۔ ماسٹر غلام احمد صاحب احمدی اور سید عبدالغنی صاحب شعیہ مناظر تھے۔ دوسرا موضوع صداقت مرزا پر تھا۔

مباحثہ دہلی:

مارچ 1937 کو مولوی ابوالعطاء صاحب کا ختم نبوت کے موضوع پر انجمن سیف الاسلام دہلی کے ایک عالم سے مناظرہ ہوا مسلم مناظر مولوی ابوالوفاء شاہ جہانپوری تھے۔ مناظرے میں لڑائی بھی ہوئی۔ ۳۵؎

مباحثہ ضلع ڈیرہ غازی خان

مارچ 1937ء میں احمدی مناظر چوہدری محمد شریف صاحب مولوی ظفر محمد صاحب مولوی عبدالرحمٰن مبشر صاحب ڈاکٹر عبدالرحمٰن وگا صاحب نے سائیں لال حسین اختر صاحب سے ڈیرہ غازی خان بستی بزدار اور جام پور میں مناظرے کیے۔ ۳۶؎

مباحثہ ملتان

اپریل 1937ء کو صبح سے ظہر تک جماعت احمدیہ اور جمیعت احناف ملتان کے درمیان جمیعت کی جلسہ گاہ میں صداقت مرزا پر مناظرہ ہوا۔ مولوی ابوالعطاء صاحب احمدی مناظر تھے۔ مسلم کی طرف سے سائیں لال حسین اختر صاحب تھے ابھی تقاریر جاری تھیں کہ آخر میں محفل مناظرہ درہم برہم ہو گئی۔ حاضرین کی تعداد دو تین ہزار تھی۔ ۳۷

مباحثہ راولپنڈی

راولپنڈی میں مسلمانوں کا ایک جلسہ مئی 1937ء کو ہوا جس میں میر مدثر شاہ صاحب نے کہا کہ مرزا صاحب نے اپنے تئیں مجازی نبی اور امتی نبی قرار دیا ہے جس سے مراد محدث ہے جماعت احمدیہ راولپنڈی نے اس پر متعدد اعتراضات کیے جس پر آپس میں تلخی پیدا ہو گئی۔

مباحثہ راولپنڈی

پہلے زبانی مباحثہ کے بعد جون 1937ء میں فیصلہ کن تحریری مناظرہ ہوا احمدی مناظر مولوی ابوالعطاء صاحب تھے اور مسلم مناظر مولوی اختر حسین صاحب گیلانی اور مولوی عمر الدین شملوی تھے۔ قاضی نذیر صاحب پریذیڈنٹ تھے۔ موضوع یہ تھا
(۱) پیشگوئی مصلح موعود (۲) مسئلہ خلافت و انجمن (۳) مسئلہ نبوت مرزا (۴) مسئلہ کفر و اسلام
یہ مناظرہ مشترکہ اخراجات پر مباحثہ راولپنڈی کے نام سے چھپوا دیا گیا۔

مباحثہ سنگرور

17-18-19 جولائی کو اخلاقی مسائل پر مناظرے ہوئے۔ احمدی مناظر مولوی یار صاحب عارف اور مسلم مناظر سائیں لال حسین اختر صاحب تھے۔ ۳۸

سن 1938ء میں ہونے والے اہم مناظرے

اس سال مناظروں کی تعداد گزشتہ سالوں سے کم رہی۔

مباحثہ بنی سر روڈ سندھ

جولائی 1938 کو بمقام بنی سر روڈ ضلع تھرپار کر جمیعت العلماء تھرپار کر اور جماعت احمدیہ احمد آباد میں مناظر ہوا۔ 21 جولائی 1938 کو قریشی محمد نذیر صاحب فاضل احمدیہ نے صداقت مرزا پر مناظرہ کیا مولوی عبد اللہ صاحب معمار امرتسری مسلم مناظر تھے۔

مباحثہ لالہ موسیٰ

ستمبر 1938 کو تین اختلافی مسائل پر مناظرہ ہوا ایک مناظرہ میں مولوی محمد سلیم احمدی صاحب اور مولوی ظہور احمد صاحب (مسلم) پیش ہوئے۔
دوسرا مناظرہ ملک عبدالرحمٰن خادم اور مولوی محمد شفیع صاحب نے کیا۔ تیسرا مناظرہ مولوی محمد سلیم صاحب نے کیا۔ ۳۹

مباحثہ دیروال

اکتوبر 1938ء کو دیروال میں مولوی محمد سلیم صاحب نے مسئلہ وفات مسیح وحیات مسیح اور آخری فیصلہ مولوی ثناء اللہ امرتسری کے موضوع پر اور مولوی دل محمد صاحب نے مسئلہ نبوت اور صداقت مرزا پر مناظرے کیے

مباحثہ سندھ

سندھ کے مبلغ قریشی محمد نذیر صاحب ملتانی نے تبلیغی لیکچر دیئے مسلمانوں نے رد کے لیے متعدد علماء بلائے چنانچہ دو مناظرے ہوئے۔ ۴۰ے

سن 1944ء میں ہونے والے اہم مناظرے

مباحثہ گوہرپور:

۲ دسمبر 1944 کو جماعت احمد کھوکھر اور اہلسنت الجماعت گوہر پور کے درمیان موضع گوہر پور (تھانہ دھاریوال ضلع گورداسپور) میں مسئلہ حیات و وفات مسیح پر شاندار مناظرہ ہوا۔ شرائط مناظرہ پہلے سے طے تھیں۔ مولوی عبداللہ امرتسری اہلحدیث مسلمانوں کے مناظر تھے اور جماعت احمدیہ کے مناظر مولوی ابو العطا صاحب جالندھری پرنسپل جامعہ احمدیہ تھے۔ پہلی تقریر مولوی عبداللہ صاحب کی جس کا جواب احمدی مناظر نے دیا۔ مناظرہ ڈیڑھ بجے شروع ہو کر ساڑھے چار بجے ختم ہوا۔ مناظرہ میں قادیان، اٹھوال، شاہ پور، کنجراں، نارواں، دھرم کوٹ بگہ، دین فتح، کھوکھر، شکوہہ پیروشاہ، ہرسیاں، فیض اللہ چک، تلونڈی جھنگلاں، ہمراہ دیا گڑھ اور دیگر قرب و نواح کی جماعتوں کے افراد شامل ہوئے۔ ۴۱ے

مباحثہ ڈلوال:

ضلع جہلم اور دوالمیال دو قصبے ہیں جہاں مولوی لال حسین صاحب اختر نے احمدیوں کو مناظرہ کا چیلنج دیا جو جماعت احمدیہ نے منظور کر لیا۔ اور 3-2 دسمبر 1944 کو مناظرہ کی تاریخ تجویز ہوئی۔ اور مناظرہ قصبہ ڈلوال کی جامع مسجد میں قرار پایا۔ پہلا مناظرہ وفات وحیات مسیح پر زیر صدارت مولوی محمد حسین صاحب ہوا۔

مولوی لال حسین صاحب نے مدعی ہونے کی حیثیت سے پہلے احادیث واقوال بیان کئے چوہدری محمد یار صاحب عارف نے ان کے جوابات دیے اور قرآن مجید کی آیات اور احادیث وفات مسیح کے بارے میں پیش کیں۔

دوسرے دن فیضان ختم نبوت کے مسئلے میں جماعت احمدیہ مدعی تھی۔ سید احمد علی صاحب احمدی مناظرے قرآن کریم کی کئی آیات اور احادیث اس بارے میں پیش کیں کہ آنحضرت ﷺ کی اتباع سے نبوت حاصل ہو سکتی ہے۔

مولوی لال حسین اختر صاحب کے دلائل کا جواب دیا۔ پھر مولوی صاحب نے رد میں تقریر کی تیسرا مناظرہ اس دن دوپہر کے بعد تھا۔ اس مناظرہ پر پبلک کثرت سے آئی۔ مسجد کے ارد گرد کے مکانوں کی چھتوں پر بھی کافی ہجوم تھا پہلے مولوی محمد یار صاحب عارف نے تقریر کی اور قرآن مجید سے چار آیات پیش کیں اس کے علاوہ وہ دس آیات اور مرزا صاحب کی پیشگوئیاں ذکر کیں۔ اس کے بعد نماز ہو گی اور نماز کے بعد آخری تقریر میں کچھ اختلافات کی صورت پیش آئی۔ ۴۲ے

حوالہ جات

۱۔ الفضل 10 دسمبر 1945

۲۔ الفضل 3 مئی 1932

۳۔ الفضل 15 مارچ 1932

۴۔ الفضل 15 مارچ 1935

۵۔ الفضل 10 اپریل 1932

۶۔ الفضل 10 اپریل 1932

۷۔ الفضل 5 مئی 1932

۸۔ الفضل ۳ جولائی 1932

۹۔ الفضل 14 جولائی 1932

۱۰۔ الفضل 28 جولائی 1932

۱۱۔ الفضل 4 اگست 1932ء اخبار فاروق 17 اپریل 1932

۱۲۔ الفضل 11 اگست 1932

۱۳۔ الفضل 24 نومبر 1932 ملخص

۱۴۔ الفضل 17 ستمبر 1933ء ص 10

۱۵۔ الفضل 17 ستمبر 1993 ص 10

۱۶۔ الفضل 5 نومبر 1933ء ص 10-9

۱۷۔ الفضل ۲ جنوری 1934 ص 9

۱۸۔ الفضل 21 دسمبر 1933 ص 9

۱۹۔ الفضل 16 فروری 1933ء ص-2

۲۰۔ الفضل 23 مارچ 1933ء ص 2

۲۱۔ الفضل 2 اپریل 1933ء -ص 2-کالم 3

۲۲۔ الفضل 18 مئی 1932ء ص 2

۲۳۔ الفضل 2 جولائی 1933 ص 9-8

۲۴۔ الفضل 30 جولائی 1933ء ص 9

۲۵۔ الفضل 31 اگست 1933ء ص 2

۲۶۔ الفضل 3 ستمبر 1933 ص 2

۲۷۔ الفضل مئی 1935ص 7
۲۸۔ الفضل جون 1935ص 8
۲۹۔ الفضل نومبر 1935ص 6
۳۰۔ الفضل نومبر 1935ص 5
۳۱۔ الفضل فروری 1936ص 6
۳۲ الفضل اپریل 1936ص 10
۳۳۔ الفضل اکتوبر 1936ص 2
۳۴۔ الفضل نومبر 1936ص 10-9
۳۵۔ الفضل مارچ 1937ص 2
۳۶۔ الفضل 13 مارچ 1937۔ ص 16
۳۷۔ الفضل 10 اپریل 1937ص 15
۳۸۔ الفضل 25 جولائی 1937ص 10
۳۹۔ الفضل اکتوبر 1938ص 8
۴۰۔ رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن آحمدیہ ص 48 1939ء
۴۱۔ الفضل ۵ دسمبر 1944ص 6
۴۲۔ الفضل ۱۱ دسمبر 1944ء ص 6

باب پنجم: مسلم قادیانی مناظرانہ ادب کے اثرات

فصل اول: سیاسی اثرات

قیام پاکستان سے قبل اور مابعد قادیانیوں کی سیاسی ریشہ دوانیاں

تو یہ قادیانی تحریک ایک دینی ارتداد کی تحریک سمجھی جاتی ہے لیکن یہ ایک سیاسی تحریک بھی ہے مرزا غلام احمد نے اپنی متعدد کتب میں اپنے خاندان کی سیاسی خدمات کو اپنی انگریز سے وفاداری کے ثبوت میں پیش کیا ہے 1857 کی جنگ آزادی جسے انگریز غدار قرار دیتا ہے اس میں مرزا غلام احمد کے والد مرزا غلام مرتضٰی نے 50 گھوڑے اور سوار دے کر ترموں کے گھاٹ پر مسلمانوں کو تہ تیغ کیا۔ اور انگریزی کی بالادستی قائم کی اس کا ذکر گریفن نے اپنی کتاب "پنجاب چیفس" میں کیا ہے اور اس کا خلاصہ مرزا صاحب کی متعدد کتب میں ملتا ہے۔[۱]

جب انگریز نے 1849 میں پنجاب کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تو اس وقت مرزا غلام احمد کے والد نے نہایت عظیم سیاسی خدمات انجام دیں جس کے عوض انہیں جاگیر اور سات سو روپیہ کی پیش کش دی گئی اس کا اعتراف مرزا صاحب کی کتب میں موجود ہے اور انگریز حکام کے خطوط بھی نقل کئے گئے ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کا خاندان انگریز کا انتہائی وفادار تھا۔ [۲]

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی تحریک کے آغاز ہی میں جبکہ آپ نے کتاب "براہین احمدیہ" لکھی انگریز سے وفاداری کو لازمی قرار دیا۔ [۳]

اس کے بعد آپ نے جتنی بھی کتابیں تالیف کیں ان میں دو باتوں کو نہایت شدومد سے پیش کیا۔ انگریزی حکومت مسلمانوں کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے اور مسلمانوں کو ہر لحاظ سے انگریز کی اطاعت کرنی چاہیے اور ان کو اولوالامر ماننا چاہیے۔ [۴]

جہاد حرام ہے اس کا مفہوم یہ تھا کہ برطانیہ کے خلاف کسی قسم کی جدوجہد سیاسی طور پر ممنوع ہے۔ یہ ممانعت نہ صرف ہندوستان کے لیے ہے بلکہ انکے مہدی اور مسیح کے دعوے کی رو سے دنیا کے تمام مسلم ممالک جو انگریز کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں ان کے لیے بھی جہاد حرام ہے۔ [۵]

ہندوستان کی تاریخ میں مرزا صاحب وہ واحد شخصیت ہیں جنہوں نے اپنے دعوی نبوت کی بنا پر ہندوستان کے مسلمانوں غلامی کے لیے خدا کی وحی کی سند مہیا کی۔[۶]

انہوں نے مسلمانوں کو نہایت امن سے اپنے انگریز کے خلاف جدوجہد نہ کرنے اور اس کے ظالمانہ حکومت تابعداری کرنے کا حکم خدا کی وحی کی بنیاد پر مہیا کر دیا۔ اگر یہ وحی درست ہے تو مسلمانوں کی کسی قسم کی سیاسی جدوجہد یا انگریز کو ہندوستان سے نکالنے کے لیے اقدامات خدا کے نزدیک جائز ہیں آپ نے انگریز اور پادریوں کو علیحدہ علیحدہ دو حلقوں میں بانٹ دیا یہ پادری ہندوستان میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے آتے تھے۔ لیکن یہ بات پیش نظر رہے کہ 1857 کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد ملکہ وکٹوریہ نے جو اعلان شائع کیا اس میں واضح طور پر مذہب کو سیاست سے بالکل الگ کر دیا اس لیے انگریز کو اس بات سے کوئی غرض

نہ تھی کہ کوئی شخص مذہبی لحاظ سے نبی بنتا ہے یا مسیح کہلاتا ہے اگر وہ انگریز کی سیاسی حاکمیت کا قائل ہے اور اس کے قوانین کو مانتا ہے تو وہ آزادی سے ہندوستان میں رہ کر جس قسم کے مذہبی نظریات چاہے اپنا سکتا ہے اور انہیں پھیلا سکتا ہے۔ انگریز سیکولر نظریے کی بنیاد پر پادریوں کو بھی اجازت تھی کہ وہ عیسائیت کا پرچار کریں اور مسلمانوں کو بھی اپنے عقائد کی تبلیغ کی اجازت تھی اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مرزا صاحب کے لیے نئے نئے دعوے کیے اور پادریوں کو نشانہ تنقید بنایا جبکہ انگریز حکمرانوں کی زیادہ سے زیادہ خوشامد اور تعریف کی انہوں نے ''انجام آتھم'' میں پادریوں کو ''دجال'' کہا اور عیسائیت کو دجالی فتنہ قرار دیا۔ انگریز کی سیاسی ضرورت بھی یہی تھی۔ کہ مختلف مذہبی گروہ آپس میں متصادم رہیں اور وہ ''لڑاؤ'' اور ''حکومت کرو'' کی پالیسی کے مطابق ہندوستان پر اپنا تسلط جمائے رکھے اسی پالیسی کو مرزا صاحب کی تحریک سے کافی تقویت ملی یہ اس پالیسی کا نتیجہ تھا۔ کہ آپ نے غیر مسلموں کو طرح طرح کے چیلنج دیئے ان کی موت کی پیشگوئیاں کیں اور ان کے طبقات کو مجبور کیا کہ وہ نہ صرف ان کی ذات کے بارے میں الزام تراشیاں کریں بلکہ اسلام اور بانی اسلام کے خلاف بھی ہرزہ سرائی کریں۔ مرزا صاحب کی انہیں اشتعال انگیز تحریرات کے نتیجے میں ''امہات المومنین'' جیسی رسوائے زمانہ کتابیں عیسائیوں کی طرف سے شائع ہوئیں جن کو ضبط کرنے کے مطالبات کئے گئے۔

مرزا صاحب کے سیاسی نظریات کو ان کی بیشتر کتب میں دیکھا جا سکتا ہے۔ خاص طور پر ان کی کتاب ''تذکرۃ الشہادتین'' ہیں ان کا اسلامی دنیا کے بارے میں مسلک نہایت وضاحت سے ملتا ہے یہ کتاب آپ نے دو احمدیوں کی کابل میں سنگساری کے واقعے پر تالیف کی اور اس میں واضح طور پر اپنا سیاسی مدعا بیان کیا جس کا مفہوم یہ تھا کہ آپ نہ صرف ہندوستان میں انگریز راج کو مستحکم کرنا چاہتے ہیں بلکہ خدا کی تفویض کردہ مشن اور حکم کے مطابق انگریزی حکومت کی برکات کو تمام اسلامی دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں اس واقعہ کے بعد آپ نے اپنی جماعت کو حکم دیا کہ وہ اس واقعہ سے عبرت حاصل کریں اور نہ یقین رکھیں کہ برطانوی حکومت خدا نے ان کی بھلائی کے لیے قائم کی ہے اور وہ دنیا کی کسی بھی دوسری اسلامی حکومت میں نہ تو زندہ رہ سکتے ہیں نہ ہی اپنے مسلک کی تبلیغ کر سکتے ہیں۔ ۷

اسی مسلک کا اظہار ترکی حکومت کے خلاف ملتا ہے جو اس وقت مسلمانوں کی سب سے بڑی مملکت تھی اور جس کی تباہی کے متعلق آپ نے اپنی کتب میں پیشین گوئی کی۔ ۸

حکیم نور الدین کا عہد

حکیم نور الدین کا تعلق بھیرہ ضلع سرگودھا سے تھا۔ آپ مہاراجہ کشمیر کے دربار میں سرکاری طبیب تھے مرزا صاحب کے دعاوی کے وقت آپ نے ان خط و کتابت جاری رکھی اور ان کے تمام دعاوی کو تسلیم کر لیا۔ آپ کے متعلق یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ آپ کا تعلق انگریز کے ساتھ تھا۔ اور اس کے ایماء پر آپ نے مہاراجہ کشمیر کی سیاسی سرگرمیوں اور روس سے ساز باز پر نظر رکھی ہوئی تھی۔ ۹

آپ کو مہاراجہ کشمیر نے سیاسی سرگرمیوں کی بنیاد پر کشمیر سے نکال دیا۔ ۱۰

جس کے بعد آپ قادیان میں آکر رہائش پذیر ہو گئے اور مرزا صاحب کے دست راست بن گئے آپ کے عہد کا مشہور واقعہ کانپور میں ایک مسجد کی شہادت ہے جو 1913 میں رونما ہوا۔ انگریز نے سڑک نکالنے کے لیے کانپور کی مسجد کو شہید کر دیا جس پر شدید ردعمل کا اظہار ہوا لیکن حکیم صاحب نے اس "ایجی ٹیشن" کو لاحاصل قرار دیا اور کہا کہ غسل خانہ مسجد کا حصہ نہیں ہوتا۔ اس لیے اس کے گرانے میں کوئی حرج نہیں۔ [۱۱]

مرزا بشیر الدین احمد کا عہد

1914 میں حکیم نور الدین کی وفات کے بعد مرزا محمود احمد قادیانی جماعت کے خلیفہ دوم مقرر ہوئے آپ کے عہد میں پہلی جنگ عظیم کا آغاز ہوا۔ اس جنگ میں قادیانیوں نے انگریز کی زبردست حمایت کی۔ مرزا محمود کے عہد اور اہم واقعہ تحریک خلافت 1919 اور تحریک ہجرت 1919 اور تحریک عدم تعاون 1920 ہے ان تمام تحریکات میں قادیانیوں نے انگریز کی مکمل سیاسی حمایت کی ہجرت کو ایک احمقانہ اقدام قرار دیا۔ نظریہ جہاد کی تردید اور عدم تعاون کی پالیسی کو سیاسی طور پر مہلک قرار دیا۔ قادیانی نقطہ نظر کی مکمل وضاحت الفضل قادیان کے متعدد شماروں میں مل سکتی ہے جن میں سے زیادہ اہم تین اور سات جون 1920 کے شمارے ہیں۔

1942 میں مرزا محمود میں عالمی مذاہب کی ایک کانفرنس میں شرکت کے لیے گئے اس کانفرنس میں جاتے ہوئے آپ نے بیت المقدس میں قیام کیا اور یہودی ہائی کمشنر سر (Clayton) سے یہودی ریاست کے معاملات پر گفت و شنید کی۔ کلیٹن نے احمدیہ تحریک میں غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کیا اور ہندوستانی سیاست پر گفتگو کی۔ [۱۲]

آپ لندن میں موجود تھے جب 26 اگست 1924 کو کابل میں دو قادیانیوں کو جاسوسی کے الزام میں گرفتار کرالیا گیا۔ اس واقعہ پر آپ نے افغان حکومت کے خلاف برطانوی حلقوں میں زبردست پراپیگنڈا کیا۔ اور اسے ایک ظالمانہ قتل اور بربریت قرار دیا۔ [۱۳]

حالانکہ ان قادیانیوں پر جاسوسی کا الزام ثابت ہو چکا تھا لندن میں آپ نے 1924 ایک احمدیہ مسجد کی بنیاد رکھی۔ جس کی تکمیل کے بعد آپ نے 1926 میں سعودی عرب کے شہزادہ فیصل (شاہ فیصل شہید) کو افتتاح کرنے کی دعوت دی۔ لیکن اس نے انکار کر دیا اور مجبوراً مسجد کے امام عبدالرحیم درد نے سر عبدالقادر صاحب پنجاب لیجسلیٹو کونسل سے اس کا افتتاح کروادیا جو اس وقت لندن آئے ہوئے تھے۔ [۱۴]

لندن سے واپسی کے بعد مرزا محمود نے ہندوستان میں ہندو انتہا پسندوں کی تحریکوں (شدھی اور سنگھٹن) کے خلاف مبلغوں کو تیار کیا۔ اگرچہ مسلمان اپنے طور پر ان تحریکوں کا موثر مقابلہ کر رہے تھے۔ اور احمدی مبلغین کی سرگرمیوں کے نتیجے میں ان سرگرمیوں کو کوئی تقویت نہ مل رہی تھی۔ اس کے باوجود قادیانی اسے جاری رکھے ہوئے تھے۔ مرزا محمود نے ہندوستان میں فرقہ ورانہ مسئلے کو ابھارنے اور ہندو مسلم فسادات میں اضافہ کرنے کے لیے اپنی تحریک کو زیادہ سے زیادہ پھیلایا۔ 1927 میں شدھی تحریک کے بانی سرالی شہر دھانند کو ایک مسلمان عبدالرشید نے قتل کر دیا۔ جس کے بعد یہ تحریک بہت سست پڑ گئی اور قادیانی بھی جلدی سے اپنا بستر بوریا سمیٹ کر قادیان چلے گئے اسی سال ایک آریہ سماجی نے نبی کریم ﷺ کے خلاف ایک کتاب

تالیف کر دی جس پر مسلمانوں نے شدید رد عمل کا اظہار کیا۔ قادیانیوں نے اس موقع سے بھی فائدہ اٹھا کر اپنی نام نہاد اسلام دوستی کا پرچار شروع کیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی سرائی شہر دھانند کے قتل کی تکذیب کی۔ ۱۵

1928ء میں قادیانی جماعت کھل کر سیاست میں حصہ لینے لگی مرزا محمود نے ''نہر رپورٹ'' 1928 پر اپنا تبصرہ لکھا جس میں برطانیہ کو مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ مسلمانوں کا اعتماد حاصل کریں تاکہ ایشیاء میں اپنی حکومت کو برقرار رکھ سکیں۔ ۱۶

یہ ایک سیاسی دلچسپی مسلسل برقرار رکھی گئی اور اس نتیجے میں کشمیر کی سیاست میں انگریز کے اشارے پر، حصہ لینا شروع کر دیا۔ 25 جولائی 1931ء کو شملہ میں ایک کشمیر کمیٹی کا قیام عمل میں آیا جس کے صدر مرزا بشیر الدین محمود تھے یہی وہ زمانہ ہے جب جولائی 1931ء میں لاہور میں مجلس احرار کا قیام عمل میں لایا گیا۔ کشمیر کمیٹی کے پلیٹ فارم کو قادیانیوں نے اپنے عقائد کی تبلیغ اور کشمیر کو قادیانی سٹیٹ بنانے کے لیے استعمال کیا جس کے خلاف مجلس احرار اسلام نے ایک زبردست تحریک چلائی اور کشمیر چلو کے نام پر ہزاروں احرار رضاکاروں نے گرفتاریاں پیش کیں۔ ۱۷

مجلس احرار اسلام کے لیڈروں چوہدری افضل حق۔ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی۔ مولانا داؤد غزنوی مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا مظہر نے کشمیری مسلمانوں کے لیے قابل قدر خدمات انجام دیں اور قادیانی سازشوں کو بے نقاب کیا آخر کار مرزا محمود کو کشمیر کمیٹی کی صدارت سے استعفیٰ دینا پڑا 1933 کو اس کمیٹی کی تشکیل نو کی گئی اور کچھ عرصہ کے لیے علامہ اقبال اس کے صدر بنے مسلمانوں کی جدوجہد اور مجلس احرار کی مساعی سے انگریز نے کشمیری مسلمانوں کو بعض حقوق دلوانے کے لیے مہاراجہ کشمیر پر دباؤ ڈالا گلانسی رپورٹ اسی کا نتیجہ تھی۔

مجلس احرار اسلام کی سرگرمیاں اس وقت عروج پر پہنچ گئیں جب انہوں نے اکتوبر 1934 میں قادیان کے قریب احرار کانفرنس اکتوبر 1934 منعقد کی تاکہ قادیانیوں کے مظالم کو اشکارا کیا جائے اور جو انہوں نے ان قادیانیوں پر روا رکھے ہوئے تھے جو مرزا محمود بار بار مباہلے کی دعوت دیتے تھے ان پر اخلاقی بے راہ روی کے الزامات لگاتے تھے۔ احرار کانفرنس کا مقابلہ کرنے کے لیے مرزا محمود نے تمام ہندوستان سے احمدی رضاکار منگوانے کے لیے خطوط لکھے لیکن پنجاب کے چیف سیکریٹری نے 17 اکتوبر 1934 کو ایک حکم کے ذریعے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ ۱۸

اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ حکومت کو قادیانیوں کی طرف سے قانون شکنی کا سخت خطرہ تھا اور پر امن طریقے سے قادیانی رضاکار رہنے پر تیار نہ تھے کیوں کہ وہ قادیان کو اپنے نبی اور رسول کا تخت گاہ قرار دیتے تھے جہاں افراد کی سرگرمیاں ان کے لیے ناقابل برداشت تھیں۔ قادیانیوں کی اس خودسری اور احرار کو اپنے طور پر سبق سکھانے کی وجہ سے انگریز کو یہ اقدام اٹھانا پڑا۔

احرار کانفرنس نہایت کامیاب رہی اس میں سر ظفر اللہ خان وائسرائے کی مشاورت لینے کے خلاف قرار داد پیش ہوئی اور کے ایل گابا کے اسمبلی کے ایکشن میں انتخاب کے حق میں قرارداد پاس ہوئی خالد لطیف گابا لاہور کے مشہور ہندو بیرسٹر تھے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس کانفرنس کے بعد مرزا محمود نے جنوری 1935ء میں ایک نیم سیاسی تنظیم ''آل انڈیا نیشنل لیگ'' قائم کر لی۔ ۱۹

تاکہ احرار کا مقابلہ کیا جاسکے اور پنجاب کی سیاست میں زیادہ سے زیادہ دخل دیا جائے اسی کانفرنس میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر کی بناپر ان کے خلاف مقدمہ دائر ہوا جس میں انہیں سپیشل مجسٹریٹ گورداسپور نے چھ ماہ قید کی سزا دی اس سزا کیخلاف گورداسپور کی سیشن جج جے ڈی کوسلہ کی عدالت میں اپیل کی گئی جس کے نتیجے میں وہ مشہور فیصلہ منظر عام پر آیا۔ جس نے قادیانیت کے داخلی عزائم، مرزا محمود کی آمریت اور اس کے سیاسی نظریات کی قلعی کھول دی عطاء اللہ شاہ بخاری کو تابر خاست عدالت کی سزا دی گئی لیکن آپ کی تقریر آپ کی حفاظت کا ایک شاہکار ہے۔

نئی کشمیر کمیٹی کو ناکام بنانے کے لیے قادیانیوں نے ہر طرح کے حربے اختیار کیے انہوں نے ان کشمیری لیڈروں کو جنہیں کشمیر میں قادیانی پر پیگنڈا کرنے کے لیے استعمال کیا جارہا تھا۔ مشورہ دیا کہ وہ پنجاب پولیس میں مرزا محمود کی صدارت کے حق میں بیانات دیں اور علامہ اقبال کی صدارت کو ناکام بنائیں وہ قادیانی وکلاء جو کشمیر میں مسلمانوں کے مقدمات کی پیروی کر رہے تھے۔ انہیں واپس بلا لیا گیا اور کمیٹی کے نام پر جو چندہ اکھٹا کیا گیا تھا اس میں آئندہ کے لیے رقم خرچ کرنی بند کر دی گئی قادیانیوں کی اس روش کو علامہ اقبال نے ۲ مئی 1935 کو اپنے ایک بیاں میں واضح کیا اور قادیانیوں کی روش پر شدید تنقید کی۔ ۲۰؎

1935ء میں قادیانیوں نے کانگرس کے ساتھ ساز باز کی اور 1937 کے انتخابات میں کانگریس کی مدد کی اس سے قبل 1936 میں انہوں نے اپنے قادیانی نیشنل لاگ کے دستوں کو لاہور سٹیشن پر بھیجا تاکہ وہ پنڈت نہرو کا استقبال کر سکیں۔ 28 مئی 1936 کو قادیانی دستوں نے پنڈت نہرو کو فخر قوم اور نہرو زندہ باد کے نعروں سے استقبال کیا۔ ۲۱؎

1937ء کے انتخابات کے نتیجے میں کانگریس کی وزارتیں قائم ہو گئیں جن کا قادیانیوں نے خیر مقدم کیا اور کانگریس میں شمولیت کے لیے قادیان میں اجتماعات منعقد ہوئے۔ ۲۲؎

1939 میں دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تو 1946 تک قائم رہی اس جنگ میں قادیانیوں نے جنگ عظیم اول کی طرح ہر سطح پر انگریز کی مدد کی ملک کے اندر سیاسی تحریکوں کو دبایا گیا کانگریس کے عزائم کو ناکام بنایا۔ مسلم لیگ کی پالیسیوں کا رد کیا اور اپنے بیرونی رشتوں کے ذریعے انگریز کی حکومت کے جواز اور اتحادی طاقتوں کی فتح کے حق میں پراپیگنڈہ کیا۔

یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ اس جنگ کے دوران 23 مارچ 1940ء کو مسلم لیگ نے لاہور میں قرار داد پاکستان پاس کی لیکن "الفضل" میں ہمیں اس قرار داد کے بارے میں قادیانی جماعت کا کوئی تفصیلی بیان اس کی تائید یا اس کی حمایت کا اعلان نہیں ملتا اس کے بر عکس قادیانیوں نے اپنی کونسل میٹنگ میں مارچ 1940 کے پہلے ہفتے میں "احمدیہ فارن ڈیپارٹمنٹ" کی ذیلی کمیٹی کی ایک رپورٹ پر بحث کی جس میں قادیانی جماعت کے لیے یہ تجویز کیا گیا کہ وہ یا تو مسلم لیگ میں شامل ہو یا کانگریس میں شامل ہو۔ رپورٹ میں دونوں طرح کے دلائل دیئے گئے تھے جو کونسل میٹنگ میں زیر بحث آئے لیکن مزید غور و غوض کے لیے یہ معاملہ اگلے سال 1941 کے لیے ملتوی کر دیا گیا۔ اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ ابھی لیگ اور کانگریس کے ساتھ باہمی معاہدے کے لیے کوششیں جاری رکھی جائیں مرزا محمود نے اس بات کے حق میں فیصلہ دیا۔ ۲۳؎

اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ مسلم لیگ اس وقت مسلمانوں کی ایک نمائندہ جماعت کے طور پر ابھر رہی تھی اور مطالبہ پاکستان زور پکڑتا جارہا تھا لیکن قادیانی مسلم لیگ کا ساتھ دینے سے گریزاں تھے۔

1945-46 میں جنگ عظیم کے بعد برطانیہ کی لیبر حکومت نے انتخابات کا اعلان کر دیا۔ مسلم لیگ قائد اعظم کی رہنمائی میں انتخابات کی تیاریاں کرنے لگی۔ قادیانیوں کو پنجاب کے سوا ہندوستان کے کسی دوسرے علاقے میں کوئی اہم سیاسی اہمیت حاصل نہ تھی۔ کیونکہ ان کی تعداد بہت کم تھی 21 اکتوبر 1946 کو مرزا محمود نے اعلان کیا کہ وہ ان انتخابات میں مسلم لیگ کی حمایت کریں گے لیکن عملی طور پر 28 جنوری 1946 کو اعلان کیا گیا۔ ۲۴

سولہ یونسیٹ تین آزاد اور ایک زمیندارہ لیگ کے امیدوار کی حمایت کا اعلان ہوا فروری میں قادیانی جماعت نے اعلان کیا کہ وہ چند اور امیدواروں کی حمایت کریں گے جن میں چار مسلم لیگی دس یونسیٹ اور ایک آزاد امیدوار شامل تھا جو ایک قادیانی وکیل تھا۔ ۲۵

قادیانیوں کی پنجاب کے انتخابات میں مجموعہ پالیسی مندرجہ ذیل امور پر منحصر تھی اصرار کے خلاف پراپیگنڈا کیا جائے چونکہ وہ مسلم لیگ کے مخالف ہیں ان مسلم لیگی امیدواروں کی حمایت کی جائے جو اپنے حلقوں میں ہوں تاکہ مستقبل میں سیاسی فوائد حاصل کئے جا سکیں مسلم لیگ کی مخالفت جماعت یوسیٹ امیدوار اور سید بہائو الدین مسلم لیگ کی مخالفت میں بٹالہ کے حلقے سے اپنا امیدوار فتح سیال کو نامزد کیا اور مسلم لیگ کے خلاف غیر مسلموں سے مل کر یہ نشست جیت لی اس کامیابی پر مرزا بشیر احمد ایم اے نے سکھوں اور ہندوئوں کی احمدی امیدوار کے لئے مدد کا خصوصی شکریہ ادا کیا ۲۶

قادیانیوں کے سیاسی طرز عمل سے یہ عیاں ہے کہ انہوں نے نہایت موقع پرستی کا ثبوت دیتے ہوئے مسلم لیگ کی کوئی مدد نہ کی بلکہ اپنے مفادات کو پیش نظر رکھا جوں جوں آزادی کا مطالبہ قریب آتا گیا اور پاکستان کا قیام حقیقت بننے لگا تو قادیانیوں نے اپنی الگ ریاست کا مطالبہ کر دیا۔ ۲۷

انہوں نے پنجاپ کی تقسیم کی مخالفت کی اور سکھوں سے دوستی کا ہاتھ آگے بڑھایا تاکہ ان کی ریاست بھی قائم ہو اور ایک ''احمدیہ سٹیٹ'' بھی قائم ہو جائے۔اسی زمانے میں مرزا محمود نے بار بار اعلان کیا کہ وہ پاکستان کے مطالبے کے حق نہیں ہے اور اسے غلامی کو مضبوط کرنے کی زنجیر سمجھتے ہیں۔ ۲۸

پاکستان کی مخالفت اور اکھنڈ بھارت (متحدہ ہندوستان) کے حق میں مرز محمود نے متعدد بیانات بھی دیئے۔ ۲۹
اس کا ذکر انکوائری رپورٹ میں بھی ہے۔ ۳۰

قیام پاکستان کی مخالفت کے اسباب

قادیانی اپنے بانی فرقہ غلام احمد قادیانی کے اقوال کی روشنی میں قیام پاکستان کے خلاف تھے۔ جس کا اندازہ ان کے اس بیان سے ہوتا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ

''میں اپنے کام کو نہ مکہ میں اچھی طرح چلا سکتا ہوں نہ مدینہ، نہ روم نہ شام میں نہ ایران میں نہ کابل میں مگر اس گورنمنٹ میں جس کے اقبال کے لیے دعا کرتا ہوں'' ۳۱

''اگر ہم یہاں (سلطنت برطانیہ) سے نکل جائیں تو نہ ہمارا گزارا مکہ میں ہو سکتا ہے اور نہ قسطنطنیہ میں۔ ۳۲

قادیانی چاہتے تھے کہ انگریزوں کے بعد بر صغیر پاک وہند کی حکومت انہیں ملے اس سلسلے میں ان کے خلفاء نے وقتا فوقتا اپنی اس خواہش کا اظہار بھی کیا۔ 14 فروری 1922 کو مرزا محمود احمد کا یہ بیان الفضل میں شائع ہوا ''ہم احمدی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں'' ۳۳؎

اس کے چند روز بعد مرزا محمود نے 1922 میں اپنے خطبہ کے دوران کہا تھا کہ :

''نہیں معلوم ہمیں کب خدا کی طرف سے دنیا کا چارج سپرد کیا جاتا ہے ہمیں اپنی طرف سے تیار رہنا چاہیے کہ دنیا کو سنبھال سکیں'' ۳۴؎

جب تک جماعت احمدیہ نظام حکومت سنبھالنے کے قابل نہیں ہوتی اس وقت تک ضروری ہے کہ اس دیوار (انگریزی حکومت) کو قائم رکھا جائے۔ یہ نظام کسی ایسی طاقت (مسلمان) کے قبضہ میں نہ چلا جائے جو احمدیت کے مفادات کے لیے زیادہ نقصان دہ اور ضرر رساں ہو۔ ۳۵؎

جسٹس منیر نے بھی اپنی رپورٹ میں اس حقیقت کا انکشاف کیا تھا وہ لکھتے ہیں کہ '' 1945 سے لے کر 1947 تک احمدیوں کی بعض تحریروں سے منکشف ہوتا ہے وہ برطانیہ کا جانشین بننے کے خواب دیکھ رہے تھے ۳۶؎

تقسیم کے دوران قادیانی غداری کانگریس نے سکھوں کو ساتھ ملا کر پنجاب کی تقسیم کا مطالبہ کر دیا جس کے لئے برطانیہ نے سر ریڈ کلف کو ہندوستان بلوایا تاکہ وہ حد بندی کر دے اس کیس میں سر ظفر اللہ خان کو قائد اعظم نے مسلم لیگ کا وکیل مقرر کیا۔ بظاہر وہ مسلم لیگ کی وکالت کر رہا تھا۔ لیکن در پردہ وہ ہندوستان کا حامی تھا۔ اس دوران سر ظفر اللہ خان نے جو روش اختیار کی اور ان کی جماعت کے ایک سر کردہ وکیل شیخ بشیر احمد نے جو ''احمدیہ میمورینڈم'' کمیشن کے آگے پیش کیا اس کے نتیجے میں گورداسپور مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ ۳۷؎

ہندوستان کو کشمیر پر غاصبانہ قبضہ جات کے لیے راستہ مل گیا اس سلسلے میں مشہور احراری لیڈر مرزا غلام نبی جانباز لکھتے ہیں کہ :

''مسلمانوں کو تو یہ پہلے ہی مسلمان نہیں سمجھتے تھے لیکن گورداسپور کے ضلع میں جہاں مرزائیوں کی آبادی تھی انہیں بھی مسلمانوں اور دیگر مذاہب سے الگ تھلگ دکھلانے کے لیے 1940 میں ایک خفیہ نقشہ تیار کیا یہی وہ نقشہ ہے جسے میر زائیوں نے 1947 میں ''باؤنڈری کمیشن'' کے سامنے پیش کر کے اپنی آبادی کو مسلمانوں سے علیحدہ قرار دیا جس کے نتیجے میں گورداسپور کا ضلع بھارت کے حوالے کر دیا گیا ورنہ ۳ جون 1947 کے برطانوی پلان میں ضلع پاکستان میں شامل تھا''۔ ۳۸؎

تقسیم سے قبل جماعت احمدیہ کی سیاسی پالیسی کو اجمالی طور پر اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ یہ پالیسی سراسر برطانوی سامراج کے حق میں تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ ایک غیر مسلم سامراجی طاقت کے زیر سایہ ہی قادیانیت پروان چڑھ سکتی تھی اس کے علاوہ قادیانیوں نے مسلمانوں کے مفاد کے مقابلے میں جماعتی مفاد کو ترجیح دی اور مسلمانوں کو کسی سیاسی تحریک میں نہ تو کھل کر حصہ لیا اور نہ ہی مخلصانہ مدد بہم پہنچائی پاکستان کا مطالبہ بر صغیر کے مضمرات کو اپنی تقریروں میں بیان کیا ان کی روش واضح تھی جبکہ قادیانی پالیسی منافقت، موقع پرستی اور ذاتی مفاد پر مبنی تھی۔

14 مئی 1947 کو مرزا محمود نے اعلان کیا" اگر ملک (جماعت احمدیہ) کی رائے کے خلاف تقسیم ہو گیا تو ہم اس پر راضی نہیں ہوں گے اور کوشش کریں گے کہ ملک دوبارہ جلد سے جلد تر متحدہ ہو جائے۔ ۳۹

قادیانی ریاست کا خواب اور بلوچستان پر قبضے کا منصوبہ

قیام پاکستان کے بعد قادیانیوں کی جدوجہد میں ایک مرکزی نقطہ یہ پیدا ہو گیا کہ یا تو مختلف سامراجی ہتھکنڈوں کے ذریعے پاکستان کی حکومت پر ہاتھ صاف کیا جائے یا پھر کسی خاص علاقہ میں بنانے کی کوشش کی جائے اول الذکر منصوبہ ذرا دیر طلب اور مشکل کام تھا اور ثانی الذکر منصوبہ کو اپنا کر اس کی کوشش شروع کی گئی ایسے خطے کے انتخاب کے لیے امام جماعت احمدیہ کو کوئی خاص دشواری پیش نہ آئی اور انہوں نے پاکستان کے ابتدائی دنوں میں ہی اس کا انتخاب کر لیا اور وہ علاقہ بلوچستان تھا۔ اس منصوبہ کا انتخاب جن وجوہات کی بنیاد پر کیا گیا وہ درج ذیل ہیں۔

بلوچستان کی کل آبادی پانچ لاکھ یا چھ لاکھ ہے زیادہ آبادی کو احمدی بنانا مشکل ہے لیکن تھوڑے آدمیوں کو احمدی بنانا کوئی مشکل کام نہیں پس جماعت اگر اسی طرح پوری توجہ دے تو اس صوبہ کو بہت جلد احمدی بنایا جا سکتا ہے اگر ہم سارے صوبہ کو احمدی بنالیں تو کم از کم ایک صوبہ تو ایسا ہو گا جس کو ہم اپنا صوبہ کہہ سکیں گے پس میں جماعت احمدیہ کو اس بات کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ آپ لوگوں کے لیے یہ عمدہ موقع ہے اس سے فائدہ اٹھائیں اور اسے ضائع نہ ہونے دیں پس تبلیغ کے ذریعے بلوچستان کو اپنا صوبہ بنالو تاکہ تاریخ میں تو آپ کا نام رہے ۴۰

مرزا محمود نے ایک اور موقع پر کہا۔" بلوچستان اب ہماری ریاست ہو گا یہ صوبہ اب ہمارے ہاتھوں سے نہیں نکل سکتا یہ ہماری شکار گاہ ہے دنیا کی ساری قومیں مل کر بھی یہ علاقہ ہم سے نہیں چھین سکتیں۔ ۴۱

قادیانیوں کی پاکستان دشمن سرگرمیوں کا ایک اور ثبوت پنڈی سازش کیس (۱۹۵۱) ہے جس میں میجر جنرل نذیر احمد فاروقی قادیانی شامل تھا۔ ۴۲

یہ سازش ناکام ہو گئی لیکن علماء اور مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ قادیانی پاکستان کی سالمیت کے خلاف سازش میں ملوث ہیں۔

قادیانیوں کے عزائم بلوچستان تک ہی محدود نہ تھے بلکہ وہ تو حالات کے مطابق ایک لائحہ عمل تھا وہ بلوچستان پر قبضہ کی آڑ میں دراصل پورے ملک پر قبضہ کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے اس مقصد کے تحت مرزا محمود نے ۱۹۵۲ کے آغاز میں اعلان کیا کہ "اگر ہم ہمت کریں اور تنظیم کے ساتھ محنت سے کام کریں تو ۱۹۵۲ میں انقلاب برپا کر سکتے ہیں ۱۹۵۲ گزرنے نہ دیجیئے جب احمدیت کا رعب دشمن اس رنگ میں محسوس نہ کرے کہ اب احمدیت مٹائی نہیں جا سکتی اور وہ مجبور ہو کر احمدیت کی آغوش میں آگرے۔ ۴۳

کلیدی عہدوں پر قبضہ کا منصوبہ ۱۹۵۲

جب تک سارے محکموں میں ہمارے آدمی موجود نہ ہوں ان سے جماعت پوری طرح کام نہیں لے سکتی مثلاً موٹے موٹے محکموں، فوج ہے پولیس ہے ایڈمنسٹریشن ہے ریلوے ہے فنانس ہے اکاؤنٹس ہے، کسٹمز ہے انجنیرنگ ہے یہ آٹھ دس موٹے موٹے صیغے ہیں جن کے ذریعے جماعت اپنے حقوق محفوظ کرا سکتی ہے ہماری جماعت کے نوجوان فوج میں بے تحاشا جاتے ہیں اس کے نتیجے

میں ہماری نسبت فوج میں دوسرے محکموں کی نسبت بہت زیادہ ہے اور ہم اسی سے اپنے حقوق کی حفاظت کا فائدہ اٹھا سکتے ہیں باقی محکمے خالی پڑے ہیں بے شک آپ لوگ اپنے لڑکوں کو نوکری کرائیں لیکن ان کو نوکری اس طرح کیوں نہ کرائی جائے جس سے جماعت فائدہ اٹھا سکے پیسے بھی اسی طرح کمائے جا سکیں کہ ہر صیغے میں ہمارے آدمی موجود ہوں اور ہر جگہ ہماری آواز پہنچ سکے۔ ۴۴

جولائی ۱۹۵۲ میں اپنے ان عزائم کے اٹل ہونے کا اعلان اس طرح کیا کہ اپنا یا بے گانہ کوئی اعتراض کرے کوئی پرواہ نہیں ہونا وہی ہے جو میں نے کہا اور وہی ایک دن ہم کرکے رہیں گے۔ ۴۵

مرزا محمود نے صرف اس پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ بعض نامور مسلم علماء کو براہ راست قتل کی دھمکیاں دیں جس کو وہ اپنے خیال کے مطابق اپنی راہ کا روڑا سمجھتے تھے چنانچہ آپ نے الفضل میں "خونی ملا کے آخری دن" کے عنوان سے ان علماء کو براہ راست یوں مخاطب کیا۔

''ہاں آخری وقت آپہنچا ہے ان علماء حق کے خون کا بدلہ لینے کے جن کو یہ علماء قتل کراتے آئے ہیں اب ان کے خون کا بدلہ لیا جائے

۱۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے

۲۔ عبدالحامد بدایونی سے

۳۔ ملا احتشام الحق تھانوی سے

۴۔ ملا محمد شفیع سے

۵۔ ملا مودودی سے۔ ۴۶

صرف اسی پر بس نہیں بلکہ قادیانی امت اس سے بھی آگے بڑھی اور عام جلسوں کے ذریعے اپنے ان عزائم کا اعلان شروع کر دیا۔ چنانچہ سر ظفر اللہ خان جو اس وقت پاکستان کے وزیر خارجہ تھے۔ انہوں نے اپنے بڑے سیاسی مذہبی کا بھی خیال نہ کیا اور وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین کے منع کرنے کے باوجود سترہ اٹھارہ مئی 1952 کو جہانگیر پارک کراچی میں منعقد ہونے والے ایک قادیانی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کھل کر کہا۔

''احمدیت ایک ایسا پودا ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود لگایا اور اب یہ جڑ پکڑ گیا ہے تاکہ قرآن کے دعوے کی تکمیل میں اسلام کی حفاظت کا ضامن ہو اور اگر یہ پودا اکھڑ جائے تو اسلام ایک زندہ مذہب کی حیثیت سے باقی نہیں رہے گا۔ بلکہ ایک سوکھے ہوئے درخت کی مانند ہو جائے گا اور دوسرے مذہب پر اپنی برتری کے ثبوت مہیا نہ کر سکے گا''۔ ۴۷

سر ظفر اللہ خان کا کردار

اس پروگرام اور ان سیاسی عزائم کے حصول کا آغاز سر ظفر اللہ خان نے اپنے دور وزارت میں بڑے زور سے شور سے کیا۔ سر ظفر اللہ خان بڑے فخر سے کہا کرتے ہیں کہ وہ چین جائیں یا امریکہ ہر جگہ مرزائیت کی تبلیغ کریں گے وہ اپنی جماعت کے امیر کو مطاع مطلق سمجھتے تھے بلکہ پاکستان سے زیادہ وہ اپنی جماعت کے امیر کے وفادار تھے وہ نہ صرف احمدیت کو خدا کا لگایا ہوا پودا سمجھتے تھے

بلکہ یہ بھی کہ مرزا غلام احمد کے وجود کو نکال دیا جائے تو اسلام کا زندہ مذہب ہونا ثابت نہیں ہو سکتا ایسے خیالات کا اظہار وہ نہ صرف نجی مجالس بلکہ سرکاری ملازم ہوتے ہوئے احمدیت کی تبلیغی اجتماعات میں برملا کیا کرتے تھے۔ ۴۸؎

پاکستان بننے کے بعد ایک ایسے شخص کو جب وزارت خارجہ جیسا اہم عہدہ دیا گیا جس کی نگرانی میں تمام دنیا میں سفارت خانوں کا قیام اور پاکستان سے روابط کرنے کا کام بھی تھا۔ تو مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس وقت کے وزیر اعظم کو لکھا کہ ''اگر کلیدی مناصب پر ایسے لوگوں کو فائز کرنے کا یہ تلخ گھونٹ آج گلے سے اتار لیا گیا تو آئندہ زہر کا پیالہ پینے کو تیار رہنا چاہیے۔

سر ظفر اللہ خان تقسیم ہند سے پہلے بھی اپنی سرکاری پوزیشن سے سراسر ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے قادیانی مفادات کے لیے کام کرتے رہے۔ مگر تقسیم کے بعد اس میں اور زیادہ اضافہ کر دیا وزارت خارجہ کے سہارے سے انہوں نے غیر ممالک میں قادیانی تحریک کو تقویت پہنچائی۔ اس وقت سے لیکر اب تک یہ لوگ پاکستان کے سفارتی ذرائع سے ''تبلیغ اسلام'' کے نام پر عالم اسلام کے خلاف سیاسی، جاسوسی اور سامراجی مفادات حاصل کر رہے ہیں اس طرح قادیانی حاشیہ برداروں نے ملکی زر مبادلہ اتنی بے دردی سے ضائع کیا کہ جب بھی اس طرح کی خبریں آئیں تو مسلمانوں میں تشویش و اضطراب کی لہر دوڑ گئی اور قومی اسمبلی میں اس بارے میں آوازیں اٹھائی گئیں۔ ۴۹؎

سیاسی عزائم کی یہ ایک معمولی جھلک تھی قیام پاکستان کے بعد ملک کے اندر قادیانیوں کی سیاسی ریشہ دوانیوں سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ درج ذیل ہے۔

۱۔ کسی نہ کسی طرح پورے ملک میں سیاسی اقتدار حاصل کیا جائے۔

۲۔ بصورت دیگر کم از کم کسی ایک صوبہ یا علاقہ کو قادیانی سٹیٹ کی حیثیت دی جائے۔

۳۔ ملک کے داخلی اور خارجی شعبوں، رسائل اور ذرائع کو اپنے عزائم کے حصول کا ذریعہ بنایا جائے۔

۴۔ تمام اہم کلیدی مناصب پر قبضہ کیا جائے۔

۵۔ فوج کے اندر کسی نہ کسی طریقے سے قادیانی تسلط قائم ہو جائے۔

۶۔ اہم علماء کے قتل سے ملک کے اندر دہشت گردی کا آغاز کیا جائے۔

1953 کی تحریک ختم نبوت جس میں زیادہ تر مجلس احرار اسلام کے زعماء شامل تھے قادیانیوں کی ان سازشوں اور سیاسی ریشہ دوانیوں کا ایک جواب تھی جس سے مسلمانوں نے دیگر مطالبات کے علاوہ سر ظفر اللہ خان کی وزارت خارجہ سے برطرفی اور دیگر قادیانیوں کی کلیدی مناصب سے علیحدگی پر زور دیا گیا اس تحریک کے نتیجے میں نہ صرف پنجاب میں مارچ 1953 میں مارشل لاء لگا بلکہ پاکستانی سیاست میں بہت اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں ان واقعات کے لیے جو ''تحقیقاتی کمیشن " مقرر ہوا اس کے سربراہ چیف جسٹس محمد منیر تھے۔ ان کی رپورٹ پر مسلمانوں نے شدید رد عمل کا اظہار کیا۔ کیونکہ اس میں حقائق کو غیر جانبدرانہ طور پر پیش نہیں کیا گیا تھا۔ البتہ قادیانیوں نے اس رپورٹ کو پسند کیا اور اطمینان کا اظہار کیا۔ اور غیر مسلم اکثر اسی کے حوالے سے قیام پاکستان اور نظریہ پاکستان پر تنقید کرتے رہے۔ ۵۰؎

1958 میں پاکستان میں مارشل لاء لگ گیا۔ اور صدر ایوب خان بر سر اقتدار آگئے صدر ایوب کا عہد قادیانیوں کے لیے نہایت امید افزاء تھا۔ اس لیے اسے ان کا سنہری دور کہنا چاہیے جس میں انہوں نے ملک کے اندر اور باہر ہر طرح سے ترقی کی اگرچہ سر ظفر اللہ خان اب پاکستان کے وزیر خارجہ نہ تھے لیکن جب تک وزیر خارجہ رہے انہوں نے بیرونی ممالک میں مشن قائم کرنے میں اپنے سفارتی اثر ورسوخ کو بھرپور استعمال کیا۔

قادیانیوں کے ان سیاسی عزائم سے مزید پردہ 1965 میں لندن میں منعقد ہونے والی جماعت احمدیہ کے پہلے یورپی کنونشن سے اٹھ جاتا ہے جس کا افتتاح سر ظفر اللہ خان نے کیا اس کنونشن میں جو قرار دادیں پاس ہوئیں ان سے مسلمانوں کے اندر تشویش کی ایک لہر دوڑ گئی کیونکہ اس سے قادیانیوں نے ایک مرتبہ پھر پاکستان کے اقتدار پر قبضہ کرنے کے ارادوں کو ظاہر کیا اخبار جنگ لکھتا ہے۔

''کنونشن میں شریک مندوبین نے اس بات پر زور دیا کہ اگر احمدی جماعت بر سر اقتدار آجائے تو امیروں پر ٹیکس لگائے جائیں اور دولت کو از سر نو تقسیم کیا جائے سود پر پابندی لگا دیجائے اور شراب نوشی ممنوع قرار دی جائے۔'' ۵۱

1965ء میں صدر محمد ایوب خان نے انتخابات کرائے جس میں محترمہ فاطمہ جناح کے مقابلے میں قادیانیوں نے صدر ایوب کی بھرپور حمایت کی اس الیکشن کے بعد ستمبر 1965 میں بھارت کے ساتھ جنگ چھڑ گئی اس بات کا بار بار اعادہ کیا گیا کہ صدر ایوب خان جنرل موسی (CNC) جنرل یحی خان۔ جنرل اختر ملک (قادیانی) اور عزیز احمد سیکرٹری خارجہ کی نا عاقبت انگیز پالیسیوں کی بدولت پاکستان کو اس جنگ میں دھکیلا گیا اور اس کے پیچھے قادیانی سازش کارفرما تھی۔ اور اس کا مہرہ جنرل اختر ل ملک قادیانی تھا۔ ۵۲

شورش کاشمیری لکھتے ہیں:

مرحوم نواب کالا باغ نے ان سے ذکر کیا کہ قادیانی حصول قادیانی کے لیے ایک سازش کے تحت کشمیر میں فوجی کاروائیاں کرنا چاہتے تھے یہی بات مرحوم نواب آف کالا باغ نے محترم مجید نظامی ایڈیٹر ''نوائے وقت'' کو بتائی آپ مزید رقم طراز ہیں کہ ڈاکٹر جاوید اقبال کو سر ظفر اللہ خان نے امریکہ میں صدر ایوب کے آلودہ نام پیغام دینے کو کہ پاکستان کشمیر پر چڑھائی کر دے۔ بین الاقوامی سرحدوں کے آلودہ ہونے کا کوئی خطرہ نہیں۔ آنجہانی جنرل اختر ملک (قادیانی) اس سازش میں پیش پیش تھے اس استعماری منصوبے کا مقصد بالواسطہ یا بلاواسطہ شکست اور باقی مغربی پاکستان کی شکست وریخت کے ساتھ مشرقی پاکستان کو الگ کرنا تھا۔ ۵۳

اس سازش کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ صدر ایوب اگر ہار جائیں تو ان کی جگہ قادیانی قیادت اپنے آلہ کاروں کے ذریعے بر سر اقتدار آجائے اس کے علاوہ مرزا قادیانی کے الہامات کی روشنی میں قادیانی کشمیر حاصل کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ ۵۴

1965 میں مرزا محمود کا انتقال ہو گیا اور مرزا ناصر احمد جماعت کے خلیفہ ثالث مقرر ہوئے ان کے دور خلافت میں جماعت احمدیہ نے پیپلز پارٹی سے اشتراک کرکے اپنی سیاسی پوزیشن کو مستحکم اور اپنے آپ کو نہایت محفوظ سمجھا۔

مشرقی پاکستان کاالمیہ

پاکستان کے تمام مقتدر سیاسی رہنما الزام لگا چکے ہیں کہ اسرائیل اور سی آئی اے نے قادیانیوں کی معرفت 1970 کے انتخابات میں مداخلت کی ۵۵؎

ایسے ہی مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں قادیانیوں کے رول کے بارے میں منجملہ اور شواہد کے سر ظفر اللہ خان کے خط کو پیش کیا جاتا ہے جو انہوں نے 8 مارچ 1971 کو اپنے ایک دوست کے نام لکھا جو بقول ان کے مغربی پاکستان کی ایک اہم سیاسی شخصیت کے بہت قریب تھا۔ انہوں نے ان کا نام ظاہر نہیں کیا۔ خط کا لب لباب یہ ہے کہ اب مشرقی اور مغربی پاکستان کے ایک رہنے کا کوئی امکان نہیں رہا ہے ان کو متحد رکھنے کی کوشش کرنا لاحاصل ہے لہٰذا اب خوشدلی کے ساتھ علیحدگی کی فکر کرنی چاہیے یہ وہ وقت تھا جب سیاسی جماعتیں اس امر کے لیے کوشاں تھیں کہ اس مسئلہ کا کوئی سیاسی حل نکل آئے تاکہ پاکستان کی سیاسی وحدت قائم رہے اپنے خط میں سر ظفر اللہ خان لکھتے ہیں کہ اب امساک بالمعروف (اچھی طرح سے مل کر رہنا قرآن نے یہ اصلاح میاں بیوی کے تعلقات کے لیے استعمال کی ہے) ممکن نہیں رہا ہے تصریح بالاحسان (نیک دلی کے ساتھ علیحدگی) کا راستہ رہ گیا ہے۔ میجر جنرل رائو فرمان علی نے انکشاف کیا ہے کہ پاکستان کو دولخت کرنے میں دو بڑے عوامل کام کر رہے تھے ان میں سے قادیانیوں کا وہ نظریہ تھا جس کے تحت وہ پاکستان کے اندر ایک عظیم تر ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں دوسرا پاکستان کی تخلیق سے پہلے کا آزاد بنگال کا منصوبہ تھا۔ ۵۶؎

مولانا ظفر احمد انصاری (ایم این اے) نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں ایم ایم احمد قادیانی کے صاحبزادے اور بنگلہ دیش ڈیموکریٹک پارٹی کے نائب صدر ظہیر احمد فرید نے کیا ہے کہ ''سقوط ڈھاکہ کی ذمہ داری سابق مشرقی پاکستان کے اساتذہ اور قادیانیوں پر عائد ہوتی ہے'' ان خیالات کا اظہار انہوں نے مقامی بار روم میں وکلاء سے تبادلہ خیال کے دوران کیا۔ ۵۷؎

1973 میں آزاد کشمیر اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی ایک قرارداد منظور کر لی جس کا نہ صرف پاکستان میں بلکہ عالم اسلام میں خیر مقدم کیا گیا۔ اس قرار داد کی منظوری کے بعد مرزا ناصر احمد بیرون ملک دورے پر چلے گئے اور یورپ میں جماعت احمدیہ کے مبلغین کے اجتماعات سے خطاب کیا اس دورے میں آپ نے نئی تبلیغی اسکیموں کا اعلان کیا اس دورے سے واپسی پر ملک میں سیاسی حالات تیزی سے بدلنے لگے۔

1973 میں پاکستان ائیر فورس کے قادیانی سربراہ سر ظفر اللہ خان نے اندرون خانہ سازش کی اور بعض اعلیٰ افسرون کو جوان کی راہ میں مزاحم تھے ریٹائر کر دیا۔ اور ان کی جگہ اپنے ہم عقیدہ افراد کو بھرتی کر دیا اس کے علاوہ بھی ائیر مارشل ظفر چوہدری نے ائیر فورس پر مرزائیوں کو قابض کرنے کے لیے بہت پاپڑ بیلے جبراً ریٹائر ہونے والے ان سینئر افسروں نے بھٹو تک رسائی حاصل کی اور انہیں صورت حال سے آگاہ کیا۔ جسے سن کر بھٹو پریشان ہو گئے۔ اور کہا اچھا یہ ہے ان کا اصل روپ۔ ۵۸؎

اس واقعہ کے چند روز بعد ائیر مارشل ظفر چوہدری یا ان کے کسی ہم عقیدہ افسر نے طیاروں کا ایک گروپ تشکیل دے کر ربوہ کے سامنے جلسے پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کرنے کے لیے بھیجا جہازوں کے اس گروپ نے سر اجلاس مرزا ناصر احمد کو عسکری انداز میں سلام کیا جنہیں پہلے ہی اس کا انتظار تھا۔ ۵۹

یہ رپورٹ پوری آب و تاب کے ساتھ مختلف رسائل میں شائع ہوئی۔ ۶۰

بھٹو مرحوم کو خفیہ ذرائع سے بھی اس کی تصدیق ہو گئی اس سے انہیں قادیانیوں کے مذموم منصوبوں کا کچھ اندازہ ہو گیا۔ اور قادیانیوں کے بارے انہوں نے اپنی پالیسی تبدیلی کر لی 25 جولائی 1974 کو جسٹس حمدانی کی عدالت میں فوری نوعیت کا بیان سماعت کیا گیا فاضل ٹریبونل نے 31 اگست کو اس کے اہم اجزاء خبر رساں ایجنسیوں کے حوالے کئے جو آئندہ روز اشاعت پذیر ہوئے بیان ہوا کہ جماعت احمدیہ کے سربراہ مرزا ناصر احمد کی صدارت میں بعض سرکردہ قادیانیوں نے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کیا تھا۔ پروگرام یہ بنا کہ ایک تقریب میں انہیں قتل کر دیا جائے اس سے پہلے مسٹر ظفر چوہدری نے اپنی سبکدوشی کے بعد مسٹر بھٹو کی حکومت کا تختہ الٹنے کی ناکام کوشش کی تھی قتل کی سازش خود حکومت کے علم میں آئی مزید براں یہ کہ مسٹر ایم ایم احمد کے رشتہ دار کے گھر سے وائرلیس ٹرانسمیٹر بھی برآمد ہوئے تھے۔ ۶۱

یہ حقائق ثابت ہونے کے بعد ظفر چوہدری نے استعفیٰ دے دیا۔ ۶۲

واضح رہے "پنڈی سازش کیس" (1951) میں میجر جنرل نذیر احمد (سر ظفر اللہ خان کے ہم زلف) اور دیگر قادیانی افسروں نے سوشلسوں سے مل کر بزور حکومت پر قبضہ کرنے کی سازش کی تھی جو ناکام ہوئی۔

مئی 1974 میں قادیانیوں نے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لیے ربوہ میں نشتر میڈیکل کالج ملتان کے طلباء پر بزدلانہ حملہ کیا اور عوام کے غیض کو دعوت دی اس سے قبل 28 اپریل 1973 کو آزاد کشمیر اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد منظور کی تھی اور ملک کے طول و عرض میں مطالبہ کیا جا رہا تھا کہ پاکستان میں بھی انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے واقعہ ربوہ کے بعد ایک زبردست عوامی تحریک چلائی گئی اور اس دیرینہ مطالبہ کو دہرایا گیا کہ قادیانیوں کو ملت اسامیہ سے الگ کیا جائے تحریک کے دوران 5 جون 1974 کو سر ظفر اللہ خان نے لندن میں ایک پریس کانفرنس بلوائی اس میں انہوں نے بین الاقوامی پریس کو نہ صرف غلط معلومات مہیا کیں بلکہ یہ بھی کہا کہ امریکہ میں احمدی جماعت امریکی وزارت خارجہ سے برابر رابطہ رکھے ہوئے ہے انگلستان کے احمدی بھی برطانوی وزیر خارجہ سے تعلق پیدا کریں اور برطانوی پارلیمنٹ کے ارکان کی توجہ بھی اس جانب مبذول کرالیں تاکہ برطانوی حکومت بھی اپنا مؤثر کردار ادا کر سکے۔ ۶۳

قادیانیوں کے خلاف تحریک ختم نبوت 1974 زور پکڑ گئی مسٹر بھٹو نے 13 جون 1974 کو اپنے نشری بیان میں کہا کہ "میں مسلمان ہوں مجھے مسلمان ہونے پر فخر ہے کلمے کے ساتھ پیدا ہوا تھا اور کلمہ کے ساتھ مروں گا ختم نبوت پر میرا کامل ایمان ہے ان شاء اللہ عوام کے تعاون سے قادیانیوں کا مسئلہ مستقل طور پر حل کروں گا یہ اعزاز بھی مجھے ہی حاصل ہوگا اور یوم حساب خدا کے سامنے اس کام کے باعث سرخرو ہوں گا۔ ۶۴

آخر کار معاملہ قومی اسمبلی میں جا پہنچا جس کے نتیجے میں قادیانیوں کو 7 ستمبر 1974 میں غیر مسلم قرار دے دیا گیا اور مذہبی طور پر دائرہ اسلام سے خارج ہونے کی حقیقت کو آئین کا حصہ بنا دیا گیا اور جس کی تکمیل 1984 میں ایک آرڈیننس کے ذریعے سے صدر جنرل ضیاء الحق مرحوم نے کی جس کے نتیجہ میں قادیانیوں کا مرکز پاکستان سے منتقل ہوا۔

اس آرڈیننس 1984 کے بعد مرزا طاہر احمد خلیفہ چہارم جماعت احمدیہ نے اعلانیہ اور خفیہ طور پر صدر محمد ضیاء الحق اور پاکستان کے خلاف تخریبی کاروائیاں جاری کیں اور انہیں خلاف وطن اور خلاف اسلام سرگرمیوں سے پردہ اٹھنے پر اور اس خوف سے کہ کہیں پاکستان مسلمان اور حکومت انہیں ان سرگرمیوں کی پاداش میں ہرگز معاف نہیں کرے گی انہوں نے اپنے دیرینہ اور قدیم مریدوں اور محسنوں کے گھر میں پناہ لی 1984 میں خفیہ طریقے سے لندن فرار ہو گئے ضیاء الحق کے بارے میں مرزا طاہر نے لندن پہنچ کر جو بیان دیا وہ درج ذیل ہے "ضیاء الحق نے ہم پر سب سے زیادہ ظلم ڈھایا اس نے ہمارے مسلمان کہلانے کے حق کو بھی غصب کر لیا کہ اب ہم پاکستان میں مسلمان نہیں کہلا سکتے نہ لکھ سکتے ہیں اس نے ہماری مساجد کو عبادت گاہیں قرار دیا وہاں سے کلمہ طیبہ مٹا دیا گیا تو کیا ہم ان سب چیزوں کو فراموش کر دیں گے؟ ہم بدلے کے لیے کچھ نہ کچھ تو ضرور کرتے رہیں گے۔ ۲۵[۱]

احمدیہ تحریک کا گذشتہ نصف صدی کا اگر سیاسی محاسبہ کیا جائے تو ہمیں معلوم ہو گا کہ احمدیوں نے پاکستان کی سیاست میں ملوث ہونے کے لیے ہر قسم کے حربے استعمال کئے انہوں نے طرح طرح کی سازشیں کیں غیر ملکی طاقتوں کے ساتھ ساز باز کی اور مسلمانوں کے اندر ارتداد کی تحریک چلائی یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ جماعت احمدیہ ایک سیاسی جماعت ہے اور اس کے تمام تر سرگرمیاں سیاست کے ارد گرد گھومتی ہیں مرزا مسرور احمد لندن میں بیٹھ کر عالمی طاقتوں کے اشارے پر پاکستان کی سیاست میں اپنا کردار ادا کر رہا ہے اور تخریب کاری کے بیج بو رہا ہے ان کی سرگرمیوں کا بڑا مرکز افریقہ ہے جہاں غیر ملکی آقائوں کے اشارے پر احمدیہ مشن پھیل رہا ہے پاکستان کے عوام اس خطرے سے پوری طرح آگاہ ہو چکے ہیں اور قادیانی سازشیں ڈھکی چھپی بات نہیں۔ احمدیہ کا موجودہ رجحان سیاست پر مبنی ہے اور یہ جماعت نہ صرف عالم اسلام کے لیے خطرہ ہے بلکہ وسط ایشیاء کی ریاستوں میں انہوں نے دائرہ بڑھا دیا ہے۔

قیام پاکستان کی راہ میں رکاوٹ

قادیانیت دراصل ایک سیاسی تحریک جس نے سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے دامن فریب میں مبتلا کرنے کی خاطر اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے چنانچہ سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر اس نے ہمیشہ تقریباً ہر مسئلہ میں ملت اسلامیہ کے خلاف لائحہ عمل اختیار کیا۔ جب آزادی کے متوالے برطانوی استعمار کے خلاف برسرپیکار تھے اور غاصب حکمرانوں کو وطن عزیز سے نکالنے کے لیے قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہے تھے داستان دار و رسن دوہرائی جا رہی تھی اسلامیان ہند عروس آزادی سے ہم کنار ہونے کو بے چین تھے امت محمدیہ غلامی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکل کر آزاد مملکت کی آزاد فضاؤں میں سانس لینے کے لیے جادہ پیما تھی مگر مرزائی تھے کہ اس کی راہ میں سنگ گران بن رہے تھے۔ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت روئے زمین کے نقشے پر ابھرنے کے لیے مضطرب تھی لیکن قادیانی اس سلطنت کے وجود کے خلاف تھے کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ انگریزوں کا یہ خود کاشتہ پودا انہیں کے زیرِ سایہ پنپ سکتا تھا لہٰذا 1940 میں قرار داد پاکستان کی منظوری پر چوہدری ظفر اللہ قادیانی نے پریس کو بیان دیتے ہوئے کہا:

"جہاں تک ہمارا (قادیانی بحیثیت جماعت) تعلق ہے ہم اسے محض ایک باطل خیال اور ناقابل عمل حل تصور کرتے ہیں۔"

قادیانیوں کے خلیفہ ثانی مرزا محمود احمد کا بیان ہے۔

"انگلستان سے علیحدگی نہ صرف ناممکن ہے بلکہ منشاء خداوندی کے بھی خلاف ہے۔ ٦٦ؔ

یہ بات قابل غور ہے کہ منشاء خداوندی کو کس طرح مرزا محمود احمد نے اپنے حامیوں کو تحریک آزادی سے علیحدہ رکھنے کے لیے اس ترکیب کو اختراع کیا نیز جب نظریہ پاکستان کو حقیقت کا روپ دھارنے میں کوئی تاخیر نہ تھی منزل عین سامنے تھی اس وقت مرزا محمود نے اپنے زہر آلود خیالات کی تشہیر سے باز نہ رہا اور کہا۔

ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہندو مسلم سوال ختم ہو جائے اور تمام قومیں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہیں تاکہ ملک ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچ جائے اگرچہ یہ کام مشکل ہے لیکن اس کا پھل میٹھا ہو گا یہ خدا کا منشاء ہے کہ سب قومیں اکٹھی رہیں۔ تاکہ احمدیت کو پنپنے کے لیے وسیع تر خطہ ارض میسر رہے یہ آسمانی بشارت ہے کہ عارضی تقسیم کا امکان ہے لیکن احمدیہ جماعت کا ایمان ہے کہ پاکستان کا وجود چند روز ہو گا دونوں قومیں کچھ عرصہ کئے لیے علیحدہ رہیں گی لیکن یہ دور محض عارضی ہو گا بہر حال ہم چاہتے ہیں کہ اکھنڈ ہندوستان بنے اور ساری قومیں شیر و شکر ہو کر رہیں۔ ٦٧ؔ

نیز میں پہلے بھی بارہا کہہ چکا ہوں کہ خدا کی مرضی یہی ہے کہ ہندوستان متحد رہے لیکن اگر فریقین میں غیر معمولی نفرت تقسیم ہند کا باعث بنی تو یہ ایک ناگزیر برائی ہو گی لہٰذا ملک کی تقسیم پر اگر ہم رضامند ہوئے ہیں تو خوشی سے نہیں بلکہ مجبوری سے اور پھر یہ کوشش کریں گے کہ یہ کسی نہ کسی طرح متحد ہو جائے۔ ٦٨ؔ

جسٹس منیر انکوائری رپورٹ کا اقتباس قابل غور ہے۔

"جب تقسیم ملک کے ذریعے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ وطن کے امکانات افق پر ہلکے سے روشن ہو رہے تھے احمدی مستقبل کے تصور سے پریشان تھے 1945 سے 1947 تک کے آغاز تک ان کی بعض تحریروں سے منکشف ہوتا ہے کہ وہ برطانیہ کا جانشین بننے کے خواب دیکھ رہے تھے۔" ٦٩ؔ

جب پاکستان کا دھندلا تصور درخشاں حقیقت بن کر سامنے آنے لگا تو قادیانیوں کو اس نئی ریاست کے تصور سے اپنے خیالات وجذبات کو ہم آہنگ کرنا دشوار محسوس ہوا وہ انتہائی تذبذب کے عالم میں تھے وہ نہ تو ہندوستان کی ہندو (بظاہر غیر مذہبی) حکومت کو اپنے لیے پسند کرتے تھے اور نہ ہی پاکستان سے اپنی تقدیر وابستہ کرنا چاہتے تھے جہاں فرقہ پرستی کی حوصلہ افزائی متوقع نہ تھی ان کی بعض تحریروں سے واضح ہوتا ہے کہ وہ تقسیم کے قطعی طور پر مخالف تھے اور تہیہ کئے ہوئے تھے کہ تقسیم کی صورت میں وہ ملک کو دوبارہ متحد کرنے کے لیے کوشاں رہیں گے۔

دراصل جب تحریک پاکستان اپنے عروج پر تھی مسلمان کا بچہ بچہ حصول پاکستان کے لیے سربکف تھا قادیانی رہنما اپنے قصبہ قادیان کی علاقائی توسیع کرا کے اسے پاپائے روم کے شہر ویٹیکن کی مانند اندرونی طور پر بفرسٹیٹ (فاضل ریاست) کا درجہ دلانے کے لیے جتن کر رہے تھے سرکاری ریکارڈ شاہد ہے کہ سکھوں نے وزیراعظم اٹلی کو خالصتاً ان کے مطالبہ کے لیے میمورنڈم

پیش کیا تو قادیانیوں نے بھی فوری طور پر قادیان کو ویٹیکن کا درجہ دلانے کے لیے برٹش گورنمنٹ کے سیاسی مشیر ہیرلڈ جے لاسکی کو ایک یاداشت پیش کر دی جغرافیائی لحاظ سے اس مطالبہ کو پذیرائی نہ ملی کیونکہ متعلقہ علاقہ چاروں طرف سے خشکی میں گھرا ہوا تھاجب مرزائیوں کو یقین ہو گیا کہ قادیانی ریاست کی تشکیل کا خواب شرمندہ تعبیر ہونے سے قاصر ہے تو بادل نخواستہ انہیں تحریک پاکستان کے خلاف معاندانہ رویہ ترک کرناپڑاان کے انداز فکر میں یہ تبدیلی مئی 1947 میں رونما ہوئی۔

قیام پاکستان کے بعد قادیانی ریشادوانیاں

یہی امر قابل غور ہے کہ تحریک پاکستان کی مخالفت کرکے قادیانی دراصل مسلمانوں کو نقصان پہنچا کر ہندوؤں کے مفاد کے لیے کام کر رہا تھا جن کا اصل مقصد ہندوستان کو متحد رکھ کر تمام قوموں پر حکمرانی کرنا تھا۔

یہ امر واضح ہونے کے باوجود کہ قادیانی تحریک پاکستان کی سالمیت اتحاد کے لیے سرطان کی حیثیت رکھتی ہے کسی حکمران نے اس بے لگام فتنے سے نمٹنے کے لیے کوئی قدم نہ اٹھایاان کی ہرزہ سرائی اور ہذیان گوئی پر کوئی قدغن نہ تھی ان کے پروپیگنڈہ مشینری بے لگام تھی لہٰذاانہوں نے نہ صرف اندرون ملک بلکہ چوہدری ظفر اللہ وزیر امور خارجہ پاکستان کے بیرونی ممالک میں اثر رسوخ سے بھی اسلام کو مسخ کرکے پیش کیااور کفر وارتداد سے بھرپور عقائد باطلہ کی خوب تشہیر کی نیز ہر طرف سازشون کے وسیع و عریض دام پھیلا دیئے۔

اسلامی عقائد سے انحراف پر ہی معاملہ ختم نہ ہوابلکہ حکومت پر قابض ہونے کے گھناؤنے منصوبے کے تحت قادیانیوں نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ تعداد میں افواج پاکستان میں بھرتی ہو کر کلیدی آسامیوں پر بھی قبضہ جمالیا۔ یہ بے لگام افسر جدھر کا بھی رخ کرتے احمدیت کا پرچار کرتے اس طرح سرکاری فرائض کی انجام دہی کے علاوہ وہ اپنے مذہب کے مبلغ کی حیثیت سے بھی اپنے عقائد باطلہ ماتحتوں تک پہنچاتے اور انہیں ان عقائد کو اختیار کرنے پر مجبور کرتے جسٹس منیر ایسے ہی معاملات کی چھان بین کے بعد اپنی انکوائری رپورٹ میں رقمطراز ہیں۔

" احمدی افسروں کی کوششوں سے تبدیلی مذہب کے واقعات بھی ثابت کیئے گئے نیزان کی رپورٹ ہیڈ کوارٹر میں پہنچائی گئی"۔ ۰ے

وہ اتنے دلیر ہو گئے تھے کہ 1951 میں کرسمس کے موقع پر صدر انجمن احمدیہ ربوہ نے اپنے پیروکارون سے پرجوش اپیل کی کہ وہ تبدیلی مذہب کی کاروائیوں کو تیز تر کر دیں تاکہ سب غیر احمدی 1952 کے اخیر تک احمدیت کی آغوش میں آجائیں اے

اس اشتعال انگیز اپیل سے مسلمانوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی اور نتیجہ میں تمام ملک وسیع پیمانہ پر فسادات کا شکار ہو گیا حالات بے قابو ہو گئے لاء اینڈ آرڈر کے مسئلہ نے نازک صورت اختیار کرلی۔ عاشقان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم دارورسن کی دستانیں تازہ کر رہے تھے حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشار غیرت مند باحمیت مسلمان ہر صعوبت ہر تشدد اور ہر اذیت کو خندہ پیشانی سے جھیل رہے تھے قیمتی جانیں ضائع ہوئیں جائیدادیں نذر آتش ہوئیں سرکاری مشینری امن بحال کرنے میں ناکام ہو گئی تو وطن عزیز کے بعض حصوں میں مارشل لاء کا سیاہ دور مسلط کر دیا گیا مسلمانوں کا متفقہ مطالبہ تھا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

یہ محسوس کیا جارہا تھا کہ آئینی طور پر اس مسئلہ کے حل ہونے پر مسلمان اور قادیانی اکثریت و اقلیت کی حیثیت سے ایک پر امن دور کا آغاز کر سکیں گے۔ یہ مطالبہ نیا نہ تھا اور نہ ہی ناجائز بلکہ اس مطالبہ کی صدائے بازگشت بھی جو سالہا سال پیشتر سے ہوتا چلا آرہا تھا۔ علامہ اقبال نے کئی سال پہلے مرزائی سرپرست کافر حکومت کو یہی مشورہ دیا تھا ''میری رائے میں حکومت کے لیے بہترین طریق کار یہ ہوگا کہ وہ قادیانیوں کو الگ جماعت تسلیم کرے۔ یہ قادیانیوں کی پالیسی کے عین مطابق ہوگا اور مسلمان ان سے ویسی رواداری سے رہے گا جیسے باقی مذاہب کے معاملے میں اختیار کرتا ہے۔

اب تک قادیانیوں کی اندرونی پخت ویز بے نقاب ہو چکی تھی یہ بھی اظہر من الشمس تھا کہ یہ طائفہ مسلمانوں کا مذہبی فرقہ نہیں۔ بلکہ ایک منظّم سیاسی تنظیم ہے ایک سیاسی سازشی تحریک ہے جو استعماریت کی آلہ کار ہے جس کا نصب العین ملت اسلامیہ کے اتحاد کو پاش پاش کرنا ہے لیکن تعجب ہے کہ یہ فرقہ ضالہ امت محمدیہ کے خلاف عالمی استعمار کی سازشوں کا مہرہ بنا رہا لیکن سابقہ حکومتیں رحیم و کریم بن کر نہایت دریا دلی سے ان کے قبیح جرائم سے چشم پوشی کرتی رہیں اور مسلمانوں کے متفقہ مطالبہ کو بے اعتنائی اور بے اتفاقی کی نذر کرتی رہیں۔

بہر حال مارشل لاء کی چیرہ دستیوں اور ستم ظریفیوں نے فسادات کے شعلوں کو وقتی طور پر تو مدھم کر دیا لیکن عاشقان مصطفیٰ کریمؐ کی قربانیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ عام مسلمان اس فتنے کی سنگینی کو محسوس کرنے لگے قادیانیوں پر خاص نظر رکھی جانے لگی آخر دو سال بعد ایڈیشنل اینڈ ڈسٹرکٹ سیشن جج راولپنڈی نے یہ تاریخی فیصلہ صادر فرمایا کہ: ''قادیانی دائرہ اسلام سے خارج ہیں''

بعد ازاں گاہے بگاہے قادیانیوں کے خلاف ادھر ادھر کے سیاسی و مذہبی پلیٹ فارم سے اکا دکا احتجاجی صدائیں بلند ہوتی رہیں جو صدا بصحرا ثابت ہوتی ہوئی خامشی سے دم توڑتی رہیں ان کی شنوائی کرنے والا کوئی ہمنواء نہ ملا حکمرانوں کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی ہوس پرستوں اور دنیاوی جاہ و جلال پر مر مٹنے والوں میں سے کوئی ایسا صاحب دل نہ نکلا جو محسن انسانیت رسول کریمؐ تاجدار عرب و عجم کے ناموس کے تحفظ کے لیے موہوم خدشات کی پرواہ کئے بغیر اپنے اقتدار کو بازی پر لگا کر دنیا و عقبی کی بھلائیاں سمیٹ لیتا۔

1969 میں حمیس آباد کی فیملی کورٹ کے سوا سول جج نے بھی اپنے تاریخی فیصلہ میں مرزا غلام احمد کے معتقدوں کو غیر مسلم اور مرتد گروہ قرار دے دیا ویسے تو ان دونوں فیصلوں سے قبل ڈسٹرکٹ ضلع بہاولپور بھی اپنے 7 فروری 1935 کے فیصلہ میں انہیں مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دے چکے تھے یہ عدالتی فیصلے مسلمانوں کے عوامی مطالبوں کا جواب تو نہ تھے لیکن مسلمانوں اور قادیانیوں کے تعلقات میں سنگ میل کی حیثیت ضرور رکھتے تھے بلکہ قادیانیوں کے بزرجمہر قانون دانوں کو بھی ان فیصلوں کو چیلنج کرنے کی جرأت نہ ہوئی

چار سال بعد 28 اپریل 1973ء کو آزاد کشمیر کی قانون ساز اسمبلی نے قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کی مندرجہ ذیل قرار داد منظور کر لی:

ا۔ قادیانیوں کو اقلیت قرار دیا جائے ریاست میں مقیم تمام قادیانیوں کی رجسٹریشن کرنے کے بعد مختلف محکموں میں ان کی نمائندگی کا تناسب مقرر کیا جائے۔

2۔ آزاد کشمیر میں مرزائیت کی تبلیغ ممنوع قرار دی جائے

اس قرارداد کی منظوری یقیناً صراطِ مستقیم کی طرف ایک صحیح قدم تھا۔اسی لئے تمام مسلم دنیا میں اسے بنظرِ استحسان دیکھا گیا پاکستان کے مقتدر مذہبی، سیاسی رہنماؤں نے بھی حکومت کی توجہ اس اہم فریضہ کی طرف دلائی اور ایسی ہی کارروائی کا مطالبہ کیا تھوڑے ہی عرصہ بعد قادیانیوں نے ایک گل کھلایا جس نے اس مطالبہ کے حصول کے لیے مہمیز کا کام دیا اس فرقہ ضالہ نے بلوچستان مین قرآن حکیم کے ایسے نسخے جن کی آیات میں لفظی تحریف کی گئی تھی تقسیم کرکے مسلمانوں کی حمیت کو للکارااس سے از سرِ نو فسادات کی راہ کھل گئی نتیجہ کے طور پر ایک دو حادثات بھی وقوع پزیر ہوئے گورنمنٹ کی فوری مداخلت سے حالات قابو میں آگئے بظاہر معاملہ ختم ہو گیا تھا لیکن اس راکھ میں چنگاریاں دبی ہوئی تھیں جو کسی وقت بھی شعلہ بن سکتی تھیں ادھر قادیانی اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے منصوبے بنارہے تھے لہٰذا29 مئی 1974 کو نشتر میڈیکل کالج ملتان کے طالب علموں کو پشاور کی سیر سے واپسی پر قادیانیوں کے بے قابو ہجوم نے ربوہ سٹیشن پر بری طرح زدو کوب کیا خون میں لت پت زخمی طالب علم لائل پور پہنچے تو یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح سارے ملک میں پھیل گئی گورنمنٹ نے تحقیقات کے لیے مسٹر جسٹس کے۔ایم۔اے صمدانی کی سربراہی میں عدالتی بنچ مقرر کیا ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک بے مثال قسم کی ایجی ٹیشن شروع ہو گئی لوگوں کے جان و مال کو بے شمار نقصان پہنچا پندرہ جون 1974 کو ملک گیر اور ایک مکمل بے نظیر ہڑتال کی گئی تحریک ختم نبوت نے ایجی ٹیشن کو پر امن طریقے سے جاری رکھنے کے لیے مجلس عمل کو تشکیل کیا۔ساری قوم نے متفقہ طور پر حکومت سے مطالبہ کیا کہ :

(ا)۔ قادیانیوں کو اقلیت کا درجہ دیا جائے۔

(ii) ربوہ کو جو کلیتًا قادیانی کالونی ہے کھلا شہر قرار دیا جائے اور فرقان فورس کی طرز کی تمام نیم فوجی تنظیموں کو ختم کیا جائے۔

(iii) قادیانیوں کو کلیدی آسامیوں سے علیحدہ کیا جائے تاکہ وہ قومی مفاد کو مزید نقصان نہ پہنچا سکیں۔

مرزا محمود کا پمفلٹ

1948 میں جب عرب مشترکہ کمان اسرائیل کے خلاف برسرپیکار تھی قادیانیوں نے عرب ممالک میں اس پمفلٹ کو تقسیم کیا نہایت محتاط طریقے سے ترتیب دیئے گئے اس مضمون میں نہ تو صیہونی مظالم کی مذمت کی گئی اور نہ ہی نام نہاد ریاست اسرائیل کے قیام کی مخالفت کی گئی عربوں اور فلسطینی عوام کو جائیدادوں کا ایک فیصد حصہ حکومت کو پیش کرنے کی مضحکہ خیز اور ناقابل عمل تجویز پیش کی مضمون سے صاف عیاں ہے کہ قادیانی خلیفہ اسرائیلی جارحیت کی مذمت کیے بغیر تاثر دینا چاہتے ہیں کہ وہ عربوں کے مفاد میں آواز اٹھا رہا ہے اصل اس بہروپ کا مقصد یہ تھا کہ عرب ممالک میں مستقبل میں استعماری اڈے قائم کیے جائیں اسی وجہ سے نہ تو اسرائیل میں تقسیم کیا گیا اور نہ ہی صیہونیوں نے اس کا کوئی نوٹس لیا بلکہ یہودی قادیانی تعلقات اسرائیل کے قیام کے بعد مضبوط ہو گئے۔ ۲۷

وزیر خارجہ ظفر اللہ قادیانی کی امریکی حاشیہ بردار

برصغیر کی تقسیم اور نئی اسلامی مملکت کے وجود میں آنے کے بعد عالمی سطح پر جو حالات پیدا ہو رہے تھے ان میں امریکہ اور روس کی سرد جنگ کو نمایاں حیثیت حاصل تھی روس نے دوسری جنگ عظیم کے بعد اپنی حیثیت منوا کر دم لیا امریکہ نے اسے

جھکانے کے لیے نیٹو کی تنظیم کھڑی کی اس نے جواباًوارسا پیکٹ کا حصار قائم کیا سرد جنگ کے اس ماحول میں پاکستان معرض وجود آنے کے تھوڑے عرصہ بعد ہی قائد اعظم کی عظیم قیادت اور رہنمائی سے محروم ہو گیا یہ ایک عظیم سانحہ تھا آپ کے بعد ملت کی قیادت کا فریضہ لیاقت علی خان نے ادا کیا۔

امریکی اور روس کی آویزش کے اثرات بر صغیر پر بھی پڑے روس نے سب سے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کو دورہ ماسکو کی دعوت دی چاہیے تو یہ تھا کہ پاکستان اس دعوت کو قبول کر لیتا لیکن ظفر اللہ کے مشورے اور اس وقت کی قیادت کے معزول اثرات پذیری کے باعث پاکستان سے انتہائی غیر ذمہ دارانہ حرکت سرزد ہو گئی۔

امریکہ کے صدر ٹرومین نے اسی اثناء میں لیاقت علی خان کو دورہ امریکہ کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی۔ اور ماسکو کی بجائے واشنگٹن چلے گئے روس نے شکوہ کیا کہ اسے دھوکہ دیا گیا ہے وہ اس کی ذمہ داری مرحوم لیاقت علی خان، سر ظفر اللہ خان اور بعض سابق برطانوی سامراجی دفتر شاہی کے مہروں پر ڈال کر خاموش ہو گیا۔ سر ظفر اللہ خان جو اس زمانے میں پاکستان کی خارجہ پالیسی کے خالقوں میں سے تھے انہیں اپنی پرانی جبلی انگریزی دوستی اور امریکہ نوازی کے علاوہ یہ بھی کشش نظر آرہی تھی کہ وہ جماعت احمدیہ کے ذریعے یورپ اور امریکہ میں "تبلیغ" کر سکیں گے اور "احمدیت کا پیغام زمین کے آخری کناروں تک پہنچا دیں گے" بہر حال ان کی یہ عقیدت مندی ابھی پاکستان کی خارجہ پالیسی کے خطوط کی تشکیل پر پوری طرح اثر انداز ہوتی رہی اور پاکستان آزادانہ اور حقیقت پسندانہ خارجہ پالیسی کی تشکیل کی بجائے عالمی کش مکش میں افراط و تفریط کا شکار ہو گیا۔ ۳ے

1952 میں مرحوم خواجہ ناظم الدین کی وزارت عظمی کے زمانے میں جب پاکستان کو پہلی بار غذائی بحران کا سامنا کرنا پڑا تو امریکہ کھل کر سامنے آگیا۔ اس نے 1953 کے اپریل مئی میں گندم اور دوسری اجناس کے ذریعے سفارتی جارحیت کی پاکستان کے سیاسی حلقوں میں سر ظفر اللہ کو "امریکی مہرہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اس وجود نا مسعود اور امریکی امداد کو لازم ملزوم قرار دیا جاتا تھا بین الاقوامی سطح پر سر ظفر اللہ سازش کر رہا تھا اور ملک کے اندر سامراجی طاقتوں کی شہ پر قادیانی خلیفہ مرزا محمود پہلے کشمیر اور پھر بلوچستان میں قادیانی سٹیٹ قائم کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے اور جماعت کو ان علاقوں میں ایک بیس بنانے پر اکسار ہے تھے۔ ۴ے

1952 کے بعد پاکستان کی خارجہ پالیسی مسلسل ناکامیوں کا شکار رہی اور اسے امریکی بلاک کا حاشیہ نشین سمجھا جانے لگا عرب ممالک کے ساتھ تعلقات خاص طور پر فروغ نہ پاسکے 1952 میں سر ظفر اللہ مصر گئے اور جنرل نجیب سے ملاقات کی عوامی سطح پر آپ کی آمد کے خلاف نفرت کے جذبات پائے جاتے تھے مصر کے اخبار "الیوم" نے 26 جون 1952 کی اشاعت میں مفتی مصر شیخ محمد مخلوف کا قادیانی تحریک کے بارے میں ایک پر مغز مقالہ شائع کیا جس میں بلاواسطہ طور پر پاکستان اور اس کے وزیر خارجہ کی سرگرمیوں پر تنقید کی گئی تھی سامراج مخالف عرب پریس نے اس نوع کے تبصرے کیے جس سے عرب ممالک سے تعلقات متاثر ہوئے۔

تحریک ختم نبوت 1953 مرزا محمود کی سیاسی ناعاقبت اندیشیوں اور سر ظفر اللہ کی جارحانہ تبلیغی مہم کے نتیجے میں پیدا ہوئے پنجاب میں یہ لاوا آتش فشاں بن کر پھٹا قادیان مخالف تحریک چلی صوبے میں مارشل لاء لگا جب طوفان تھما اور تحقیقاتی عدالت

نے کام شروع کیا تو مسلم زعماء نے عدالت کے سامنے بیان دیا کہ سر ظفر اللہ امریکہ، برطانیہ اور اسلام دشمن طاقتوں کے کھلے ایجنٹ ہیں اس لیے ان کو وزیر خارجہ کے عہدے سے فی الفور ہٹایا جائے۔ ۷۵

اس تحریک کی گونج مشرق، وسطی میں بھی سنائی گی، عرب پریس نے قادیانی تحریک کے مذہبی اور سیاسی مضمرات پر مقالات شائع کیے۔

پاک بھارت جنگ 1965

ستمبر 1965 کی جنگ سے ایک ماہ قبل ظفر اللہ کی صدارت میں لندن میں ایک کنونشن منعقد ہوا اس کنونشن میں جو قرار دادیں پاس ہوئیں ان میں سے خاص تشویشناک تھی اخبار جنگ لکھتا ہے۔

کنونشن میں شریک مندوبین نے اس بات پر زور دیا کہ اگر احمدی جماعت برسر اقتدار آجائے تو امیروں پر ٹیکس لگائے جائیں اور دولت کی از سر نو تقسیم کی جائے اور شراب نوشی ممنوع قرار دی جائے۔ ۷۶

قادیانیوں کی اقتدار حاصل کرنے کی قدیمی خواہش اور جنگ ستمبر میں ان کے مذموم کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے آغا شورش کاشمیری مرحوم لکھتے ہیں۔

مرحوم نواب کالا باغ نے ان سے ذکر کیا کہ قادیانی حصول قادیان کے لیے ایک سازش کے تحت کشمیر میں فوجی کارروائی کرنا چاہتے تھے یہی بات مرحوم کالاباغ محترم مجید نظامی ایڈیٹر نوائے وقت کو بتائی آپ مزید رقم طراز ہیں کہ ڈاکٹر جاوید اقبال کو سر ظفر اللہ نے امریکہ میں صدر ایوب کے نام پیغام دینے کو کہا کہ پاکستان کشمیر پر چڑہائی کر دے بین الاقوامی سرحدوں کے آلودہ ہونے کا کوئی خطرہ نہیں آنجہانی جنرل اختر ملک اس سازش میں پیش پیش تھے اس استعماری منصوبے کا مقصد پنجاب کی بالواسطہ یا بلاواسطہ شکست اور باقی مغربی پاکستان کی شکست کے ساتھ ساتھ مشرقی پاکستان کو الگ کرنا تھا۔ ۷۷

یہودی ادارے فورڈ فاونڈیشن کا آلہ کار

بین الاقوامی سطح پر سر ظفر اللہ نے اپنے سامراجی صیہونی آقاؤں کی خوشنودی کو ملحوظ رکھا تو پاکستان میں اس مشن کی تکمیل میں ایم ایم احمد سپر بشیر احمد ایم اے پیش پیش رہے انہوں نے پاکستان کی معاش منصوبہ بندی کو یہودی ادارے فورڈ فاؤنڈیشن کی وساطت سے اس نہج پر ڈھالا کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کا معاشی فرق زیادہ سے زیادہ ہوتا چلا گیا آپ منصوبہ بندی کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین تھے یہودی ادارے کے معاشی مشیروں اور ایم ایم احمد کی گاڑھی چھنتی تھی کیونکہ کند ہم جنس باہم جنس پرواز کے مصداق یہ ایک ہی ٹہنی کے پتے تھے۔ ۷۸

اسرائیل میں تبلیغی مرکز

پاکستان کو دولخت کرنے اور بین الاقوامی سازش میں اہم مہرے کے طور پر کام کرنے کے بعد تحریک ختم نبوت 1974 تک قادیانیوں نے بھٹو حکومت سے گٹھ جوڑ کرکے جو مفادات حاصل کیے فاضل محقق محمد منیر القادری رسالہ القادیانیہ دمشق میں لکھتے ہیں۔

جب قادیانیوں نے عرب ممالک میں اپنی تبلیغ کا ارادہ کیا تو انہوں نے اس بات پر بحث کی کہ کون سا شہر اور ملک ایسا ہو سکتا ہے جو ان مقاصد کے لیے بہترین ہو کافی بحث و تمحیص کے بعد ان کو حیفہ سے بہتر کوئی شہر اس مقصد کے لیے نہ مل سکا اس پسندیدگی اور چناؤ کی محض وجہ انگریزی حکومت کی عمل داری تھی جس کے زیر سایہ وہ اپنے لیے بہترین جائے امن استقرار حاصل کر سکتے تھے۔ اور اپنی بہترین صلاحیتیں بروئے کار لا سکتے تھے۔

آخر انہوں نے حیفہ میں اپنا تبلیغی دفتر قائم کیا جہاں سے وہ عرب ممالک میں اپنی دعوت اور اثرورسوخ پھیلاتے رہے انگریزی حکومت کے انخلاء کے بعد فوراً اسرائیلی حکومت سے اپنی وفاداری ظاہر کر کے پوری تندہی سے اپنا کام جاری رکھا۔ اور تاحال ان کی تبلیغی مرکز حیفہ میں موجود ہے جہاں سے وہ براستہ فلسطین عرب ممالک میں داخل ہوتے ہیں۔ ۷۹؎

روزنامہ البلاغ طرابلس (لیبیا) نے 2 نومبر 1974 کو اپنے وقائع نگار کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ قادیانی امت افریقہ میں ہمسائی ریاستوں کی پناہ لے کر اسلامی ریاست کے خلاف جاسوسی اور مخبری کے فرائض انجام دے رہی ہے ۸۰؎

تحریک ختم نبوت 1974

1970 کے عام انتخابات میں قادیانیوں نے پیپلز پارٹی کے ساتھ باقاعدہ معاہدہ کر کے مالی اور انفرادی مدد کی انہوں نے اس پارٹی کو تمام قادیانیوں کے ووٹ دلوائے اور اپنے متعدد امیدوار کامیاب کرائے۔ ۸۱؎

اس گٹھ جوڑ کے زعم میں کئی قادیانی حکومت کے خواب دیکھنے لگے 1973 میں پاکستان ائیر فورس کے سربراہ ظفر چوہدری نے اندرون خانہ سازش کی بعض اعلیٰ افسران جو ان کی راہ میں مزاحم تھے ریٹائر کر دیا۔ ۸۲؎
ان سینئر افسران نے حکومت کو صحیح صورت حال سے اگاہ کیا جس کے نتیجے میں ظفر چوہدری مستعفی ہو گئے۔

مئی 1974 میں قادیانیوں نے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لیے ربوہ میں نشتر کالج ملتان کے طلباء پر بزدلانہ حملہ کیا اور عوام کے غیظ و غضب کو دعوت دی اس سے قبل 28 اپریل 1973 کو آزاد کشمیر اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد منظور کر لی تھی اور ملک کے طول و عرض میں مطالبہ کیا جا رہا تھا کہ پاکستان میں بھی انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے واقعہ ربوہ کے بعد ایک زبردست عوامی تحریک چلائی گئی اور اس دیرینہ مطالبہ کو دہرایا گیا۔ قادیانیوں کو ملت اسلامیہ سے الگ کیا جائے۔ تحریک کے دوران 5 جون 1974 کو سر ظفر اللہ نے لندن ایک پریس کانفرنس بلوائی اس میں انہوں نے بین الاقوامی پریس کو نہ صرف غلط معلومات مہیا کیں بلکہ یہ بھی کہا کہ امریکہ میں احمدی جماعت امریکی وزارت سے برابر رابطہ رکھے ہوئے ہے انگلستان کے احمدی بھی برطانوی دفتر خارجہ سے تعلق پیدا کریں اور برطانوی پارلیمنٹ کے ارکان کی توجہ بھی اس جانب مبذول کرائیں تاکہ برطانوی حکومت بھی اپنا موثر کردار ادا کر سکے۔ ۸۳؎

صیہونی پریس نے قادیانیوں کی اعانت مین کوئی کسر اٹھا نہ رکھی حکومت اسرائیل نے قادیانی مبلغ جلال الدین قمر کو یقین دلایا کہ اسرائیل کے حلیف ان کی ہر سطح پر مدد کریں گے اور ان کے حق میں آواز اٹھائیں گے برطانوی پارلیمنٹ کے بعض یہودی اراکین نے بھی قادیانیوں کے حق میں بیانات دیئے قادیانی مشن لندن نے اس تحریک کے دوران عالمی پریس کے رد عمل کو کتابی صورت میں مدون کیا۔

مسلمانوں کی بے پناہ استقامت میں آخر کار 7 ستمبر 1974 کو آئین میں ترمیم ہوئی اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا گو اس ضمن مین ابھی بعض اہم امور حل طلب ہیں پھر بھی یہ عظیم کام تھا۔ عرب ممالک نے اس موقع پر قابل قدر اسلامی اخوت کا مظاہرہ کیا۔

اسرائیلی گروپ سے ربط ضبط

تحریک ختم نبوت کے بعد قادیانیوں نے یورپ، افریقہ اور مشرق وسطی میں پاکستان کو بدنام کرنے کی زبردست تحریک چلائی پاکستان میں یہ لوگ انڈر گراؤنڈ چلے گئے تاکہ عوام کے احتساب سے اپنی جان چھڑا سکیں لیکن دوران خانہ ان کی سازشیں جاری رہیں۔

جولائی 1976 میں امریکہ، برطانیہ، فرانس اور مغربی جرمنی کے سات یہودیوں کا گروپ پاکستان میں سیاحوں کے بھیس میں وارد ہوا انہوں نے پہلے ایک مقامی ہوٹل میں قیام کیا پھر راولپنڈی کے ایک علاقے ڈھوک پراچہ نزد سیٹلائٹ ٹاؤن میں اپنا مرکز قائم کیا۔ اور اپنی تنظیم " چلڈرن آف گاڈ" یعنی بنی اسرائیل کا پرچار کرنے لگے۔ عوام نے جب قادیانیوں کو ان کے ساتھ شہر کے مختلف مقامات پر گھومتے پھرتے دیکھا تو اس کے بارے میں ارباب اختیار کو اگاہ کیا گیا آخر کار وفاقی حکومت نے چھان بین کرکے بعد 7 اگست 1976 کو "چلڈرن آف گاڈ" نامی اس یہودی تنظیم کو خلاف قانون قرار دے دیا اور اعلان کیا کہ اسے اسرائیل کی پشت پناہی حاصل تھی اس تنظیم کے تین ارکان امریکی یہودیوں دو برطانوی یہود مغربی جرمن کے ایک اور فرانس کے ایک یہودی کو بلیک لسٹ قرار دے کر انہیں پاکستان سے نکال دیا گیا۔ ۸۴؎

سیاسی برتری کا احساس

قادیانیت اپنے ابتدائی دور سے ہی سیاسی مقاصد و عزائم میں احساس برتری میں مبتلا رہی ہے مرزا محمود کی تقریر کا یہ اقتباس قادیانیوں کے سیاسی ذوق کی عکاسی کرتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہمیں سیاست میں بھی ایسی ہی برتری عطا کی ہے جیسی دوسرے امور میں اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہمیں جو کچھ ملتا ہے اللہ تعالی کی طرف سے ملتا ہے ہماری اپنی قابلیتوں کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے اب بیسیوں بڑے بڑے سیاستدان یورپ اور ہندوستان کے لوگوں کی تحریریں موجود ہیں جن میں تسلیم کیا گیا ہے کہ ہم نے ہندوستان کے نظم و نسق کے متعلق جو رائے پیش کی ہے وہ بہت صائب ہے ۸۵؎

قادیانیوں کے لاہوری گروپ نے قادیانی جماعت کی سیاسی سرگرمیوں اور سماجی معاملات پر تنقید کرتے ہوئے روشنی ڈالی ہے۔

اب تو قادیان ہاں وہ قادیان جہاں سے کبھی علوم دینیہ کے چشمے پھوٹتے تھے ایک اچھا خاصہ پولٹیکل مرکز بن چکا ہے ہندوستان کے ہر حصہ کے لوگوں سے وہاں پولٹیکل امور کے متعلق خط وکتابت ہوتی رہتی ہے لوگ وہاں آتے ہیں تو کوئی دین سیکھنے کے لیے نہیں بلکہ محض سیاسی امور کے متعلق جناب خلافت مآب سے مشورہ سے اور ان سے گفتگو کرنے کے لیے صرف ہندوستان کے لوگ ہی نہیں بلکہ بہت سے دیگر ممالک افغانستان وغیرہ سے بھی لوگ اس غرض کو لے کر آتے ہیں حالانکہ ہندوستان کے سیاسی

معاملات ان سے باکل جدا ہیں لیکن میاں صاحب ہیں کہ برطانوی حکومت کے مفاد کو مد نظر نہ رکھتے ہوئے ان لوگوں سے ان باہر کے آئے ہوئے لوگوں کے ساتھ ان سیاسی معاملات پر گفتگو کرتے ہیں ان سے خط وکتابت جاری رکھتے ہیں اور لوگ چل کر ان سے ملنے آتے ہیں تاکہ قادیان کے اندر بیٹھ کر ان سے ان معاملات پر بات چیت کریں کیا ان حالات میں ان خود فرمودہ واقعات کے ہوتے ہوئے یہ کہنا بعید انصاف ہوگا وہ بڑے بڑے پولیٹیکل سازشوں سے نا ممکن ہے۔ تعجب ہے کہ خود خلافت مآب پولیٹیکل امور میں اس قدر سر گرم ہوں کہ ہر وقت چہار حصص ہندوستان بلکہ بیرونی ممالک افغانستان وغیرہ سے بھی ملکی امور پر ان کی خط و کتابت ہوتی رہتی ہو لوگ ان کے پاس ملکی مشورہ کے لیے آئیں قادیان تواب خیر ---- چنداواسطہ ہی نہیں ایک اچھا خاصا پولٹیکل مرکز بنایا جائے۔ ۸۶

سیاسی غلبہ کی پشین گوئیاں

قادیانی جماعت نے اپنے مخالفین کے لیے کبھی نرم گوشہ نہیں رکھا قادیانی جماعت کے دوسرے خلیفہ مرزا محمود احمد نے اپنے بغض کا اظہار کرتے ہوئے ایک دفعہ کہا تھا کہ جب سیاست کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں آئے گی تو ان کے مخالفین کی حیثیت چوہڑے چماروں جیسی ہوگی قادیانی رہنما نے اپنے سالانہ جلسے کے اختتامی خطبہ میں کہا

اللہ کے فضل سے وہ بنیاد، جو اس وقت کمزور نظر آتی ہے اس پر عظیم الشان عمارت تعمیر ہوگی۔ ایسی عظیم الشان کہ ساری دنیا اس کے اندر آجائے گی اور جو لوگ باہر رہیں گے ان کی کوئی حیثیت نہ ہوگی جیسا کہ خدا تعالیٰ سے خبر پا کر حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کی حیثیت چوہڑے چماروں کی ہوگی۔ ۸۷

ایک زمانہ آنے والا ہے کہ جب 10/1 حصہ تو کنجریاں بھی داخل کرنے کو تیار ہو جائیں گی اس وقت حکومت احمدیت (مرزائیت) کی ہوگی۔

حکومت ہمارے پاس نہیں کہ ہم جبر کے ساتھ ان لوگوں کی اصلاح کریں اور ہٹلر یا مسولینی کی طرح جو شخص ہمارے حکموں کی تعمیل نہ کرے اس کو ملک سے نکال دیں اور جو ہماری باتیں سننے اور عمل کرنے پر تیار نہ ہو اس کو عبرتناک سزا دیں اگر حکومت ہمارے پاس ہوتی ہم ایک دن کے اندر اندر یہ کام کر لیتے۔ ۸۸

قادیانیوں کے چوتھے سربراہ مرزا طاہر احمد نے ایک خطاب میں کہا کہ احمدی بے فکر رہیں چند دنوں میں احمدی خوشخبری سنیں گے اور یہ ملک صفحہ ہستی سے نیست و نابود ہو گیا گویا کوئی نئی بات نہیں کیونکہ قادیانیون کا الہامی عقیدہ ہے کہ اکھنڈ بھارت بنے گا یہ تب ہی ممکن ہے کہ دنیا کے نقشے میں ابھرنے والی عظیم اسلامی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا آپ (احمدی) بے فکر رہیں چند دنوں میں خوشخبری سنیں گے کہ یہ ملک صفحہ ہستی سے نیست و نابود ہو گیا۔ ۸۹

حوالہ جات

۱ کتاب البریہ۔ مرزاغلام احمد قادیانی ص143۔ مطبع قادیان1898

۲ کشف الغطاء۔ مرزاغلام احمد قادیانی ص5۔ مطبع قادیانی1898

۳ براہین احمدیہ۔ مرزاغلام احمد قادیانی ص1۔ الف ج سوم مطبع قادیان1882

۴ شہادۃالقرآن۔ مرزاغلام احمد قادیانی۔ ص9(ضمیمہ) مطبع قادیان1893

۵ ستارہ قیصریہ۔ مرزاغلام احمد قادیانی۔ ص3۔ مطبع قادیان1899

۶ تریاق القلوب۔ مرزاغلام احمد قادیانی۔ ص309۔ قادیان

۷ تبلیغ رسالت۔ قاسم علی قادیانی۔ ص123ج9، مطبع قادیان 1922

۸ نشانی آسمانی 1892ء) مرزاغلام احمد قادیانی ص4، مطبع ضیاء الاسلام1956پریس ربوہ

۹ مسئلہ کشمیر مختار حامد ص58۔ ادارہ معارف اسلامی کراچی 1972

۱۰ مطبع دارالمصنّفین ربوہ۔ تاریخ احمدیت۔ دوست محمد شاہد ج5ص178

۱۱ الفضل۔ قادیان۔ ۲جولائی1914

۱۲ الفضل قادیان۔ ۴ ستمبر1924

۱۳ الفضل قادیان18اکتوبر1924

۱۴ تاریخ احمدیت۔ دوست محمد شاہد ص548۔ ج5۔ ربوہ

۱۵ تاریخ احمدیت۔ دوست محمد شاہد ص587-580ج ربوہ

۱۶ نہرورپورٹ اور مسلمانوں کے حقوق۔ مرزابشیر الدین محمود ص5، مطبوعہ اسلامیہ سٹیم لاہور

۱۷ پنجاب کی سیاسی تحریکیں۔ عبدالمالک ص166 مطبوعہ لاہور 1977

۱۸ تاریخ احمدیت۔ دوست محمد شاہد۔ ص501۔ مطبوعہ ربوہ

۱۹ الفضل۔ قادیان16اگست 1935

۲۰ حرف اقبال۔ لطیف احمد شیروانی ص162-160

۲۱ الفضل قادیان۳۱ مئی1936

۲۲ قیام پاکستان کے لیے انجمن احمدیہ جماعت لاہور کی جدوجہد، غلام نبی مسلم ص20، لاہور1970

۲۳ فاروق۔ قادیان28مارچ1940

۲۴ الفضل قادیان28جنوری1946

۲۵ الفضل قادیان29جنوری3فروری1946

۲۶ الفضل۔ قادیان۔ ۲۲فروری1946

۲۷ الفضل۔ قادیان 13 نومبر 1946 قادیان

۲۸ الفضل قادیان 13 جون 1944، 14 اپریل 1947

۲۹ الفضل۔ قادیان 16 اگست 1947

۳۰ منیر انکوائری رپورٹ ص 196

۳۱ تبلیغ رسالت قاسم علی قادیانی۔ ص 49 ج 6، قادیان

۳۲ ملفوظات احمدیہ ص 146۔ ج اول

۳۳ الفضل قادیان۔ 14 فروری 1922

۳۴ الفضل۔ قادیان۔ 29 مارچ 1922

۳۵ الفضل۔ قادیان ۳ جنوری 1945

۳۶ رپورٹ تحقیقاتی عدالت 1953 اردو ص 209

۳۷ قادیانی فتنہ اور ملت اسلامیہ کا موقف ص 203 ایس ٹی پرنٹر راولپنڈی

۳۸ تحریک ختم نبوت کا آخری باب۔ جانباز مرزا ص 60-59 مکتبہ تبصرہ 4/7 گلشن کالونی بادامی باغ لاہور

۳۹ الفضل۔ قادیان 17 مئی 1947

۴۰ الفضل۔ لاہور ۱۳ اگست ۱۹۴۸

۴۱ تحریک ختم نبوت۔ شورش کاشمیری ص ۸۶

۴۲ المیر لائل پور ج۔ ۱۵، شمارہ ۳۶، ۱۵ نومبر ۱۹۷۱

۴۳ الفضل لاہور ۱۶ جنوری ۱۹۵۲

۴۴ الفضل لاہور۔ ۱۱ جنوری ۱۹۵۲

۴۵ الفضل لاہور۔ ۲۹ جنوری ۱۹۵۲

۴۶ الفضل۔ لاہور۔ 15 جولائی 1952

۴۷ الفضل۔ لاہور۔۔ 31 مئی 1952

۴۸ الفضل۔ لاہور۔ 31 مئی 1952

۴۹ قادیانی فتنہ اور ملت اسلامیہ کا موقف" منجانب اراکین قومی اسمبلی پاکستان ص 188

۵۰ نظریہ پاکستان۔ جسٹس ڈاکٹر جاوید ص 53 لاہور 1971

۵۱ روزنامہ جنگ راولپنڈی۔ 4 اگست، 1965 ج 7 شمارہ 309 فرسٹ ایڈیشن

۵۲ شہاب نامہ قدرت اللہ شہاب ص 932

۵۳ عجمی اسرائیل۔ آغا شورش کاشمیری۔ ص 35 لاہور

۵۴ حقیقۃالرویاء مرزا محمود ص46، الفضل قادیان 11دسمبر 1932 تقریر مرزا محمود

۵۵ روزنامہ کوہستان۔ راولپنڈی25مارچ 1971

۵۶ روزنامہ ”نوائے وقت“ لاہور ایڈیشن 23جولائی 1984ء

۵۷ روزنامہ جنگ لاہور 28مارچ1988

۵۸ اخبار جسارت۔ کراچی۔ 21جون 1974

۵۹ ہفت روزہ لولاک لائل پور ص ا۔ ج ۱۰، شمارہ 370، 18جنوری، 1974

۶۰ قادیانی امت اور پاکستان۔ رائے محمد بلال ص 72

۶۱ روزنامہ نوائے وقت لاہور یکم اگست 1974

۶۲ قادیان سے اسرائیل تک۔ ابومدثرہ۔ ص 222۔ العالمین پریس لاہور

۶۳ روزنامہ نوائے وقت لاہور 19جون 1974

۶۴ روزنامہ نوائے وقت لاہور۔ 14جون 1974

۶۵ ہفت روزہ زندگی لاہور 8جون یا 14جون 1990

۶۶ ہندوستانی مسئلہ کے حل کے لیے چند تجاویز۔ مرزا محمود احمد۔ ص 41

۶۷ قادیانی اخبار الفضل۔ 15اپریل 1947ء

۶۸ الفضل 16 مئی 1947

۶۹ حقیقت قادیانیت۔ پروفیسر غلام رسول محمد۔ اسلامی مشن نعت نگر لاہور ص116

۷۰ منیر انکوائری رپورٹ ص 197

۷۱ منیر انکوائری رپورٹ ص 200-199

۷۲ تاریخ احمدیت۔ ج 12۔ ص389

۷۳ نوائے وقت۔ لاہور یکم فروری 1972

۷۴ منیر رپورٹ 1953۔ الفضل۔ ربوہ۔ 13اگست 1948

۷۵ المصلح کراچی 11 اکتوبر 1953

۷۶ روزنامہ جنگ راولپنڈی۔ 14اگست 1965

۷۷ آغا شورش کاشمیری عجمی اسرائیل ص 35 لاہور

۷۸ ہفت روزہ آؤٹ لک کراچی 22جولائی 1972

۷۹ بحوالہ چٹان 21 مئی 1973

۸۰ بحوالہ چٹان 10 نومبر 1974

۸۱ روزنامہ ندائے ملت 29 دسمبر 1970

۸۲ اخبار جسارت کراچی 24 جون 1974

۸۳ روزنامہ نوائے وقت لاہور 19 جون 1974

۸۴ روزنامہ ڈان کراچی 18 اگست 1976

۸۵ الفضل قادیان ج 18۔ج نمبر 1282 جنوری 1943

۸۶ لاہور جماعت کا اخبار۔ پیغام صلح۔لاہور ج 5 ص 543 دسمبر 1917

۸۷ الفضل۔ قادیان۔ 29 جنوری 1913

۸۸ الفضل۔ قادیان۔ ج 22، ص 286 ۲ جون 1936

۸۹ مرزا طاہر کا خطاب۔ لندن۔ 1985

فصل دوم: مذہبی اثرات

ایک نئے مذہب کی تشکیل

اسلام کے خلاف قادیانی تحریک کے متوازی مذہبی نظام پر مولانا ابوالحسن ندوی نے خالصتاً علمی اور دینی نکتہ نظر سے جامع اور مستند تبصرہ فرمایا ہے۔

قادیانی تحریک اسلام کے دینی نظام اور زندگی کے ڈھانچہ کے مقابلہ میں ایک نیا دینی نظام اور زندگی کا نیا ڈھانچہ پیش کرتی ہے وہ دینی زندگی کے تمام شعبوں اور مطالبوں کو بطور خود خانہ پری کرنا چاہتی ہے وہ اپنے پیروں کو جدید نبوت، جدید مرکز محبت و عقیدت، نئی دعوت، نئے روحانی مرکز اور مقدسات، نئے مذہبی شعائر، نئے مقتداء، نئے اکابر، نئی تاریخی شخصیتیں عطا کرتی ہے غرض یہ کہ وہ قلب و دماغ اور فکر و اعتقاد کا نیا مرکز قائم کرتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جو اس کو ایک فرقہ اور فقہی یا کلامی دبستان یا مکتب خیال سے زیادہ ایک مستقل مذہب اور نظام زندگی شکل عطا کرتی ہے اس کے اندر اس بات کا ایک واضح رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ نئی مذہبی بنیادوں پر ایک نئے معاشرے کی تعمیر کرے اور مذہبی زندگی کو ایک نئی شکل اور مستقل وجود بخشے اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ جو افراد خلوص اور جوش کے ساتھ اس تحریک و دعوت کو قبول کرتے ہیں اور اس کے دائرہ میں آجاتے ہیں ان کے فکر و اعتقاد کا مرکز بدل جاتا ہے اور ان کی زندگی میں قدیم دینی مرکز اور اداروں (اپنے وسیع معنوں میں) اور شخصیتوں کی جگہ پر جدید دینی مرکز ا اور ادارے اور شخصیتیں آجاتی ہیں اور وہ ایک نئی امت بن جاتے ہیں جو اپنے جذبات، فکر، عقیدت و محبت میں ایک مستقل شخصیت اور وجود کے مالک ہوتے ہیں انفرادیت اور تقابل کا یہ رجحان قادیانیت کے اندر شروع سے کام کر رہا ہے اور اب وہ بلوغ و پختگی کے اس درجہ پر پہنچ گیا ہے کہ قادیانی اصحاب بے تکلفی اور سادگی کے ساتھ اسلامی شعائر و مقدسات کے ساتھ قادیانی شعائر و مقدسات کا مقابلہ کرتے ہیں اور ان کا ہم پلہ اور مساوی قرار دیتے ہیں۔[1]

اسلام اور قادیانیت دو الگ الگ مذہب ہیں اسلام وہ عالمگیر مذہب ڈاکٹر شنکر داس اس اقتباس سے اس امر پر قدرے روشنی پڑتی ہے۔

ہندوستانی قوم پرستوں کو اگر کوئی امید کی شعاع دکھائی دیتی تھی تو وہ احمدیت کی تحریک ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمان جس قدر احمدیت کی طرف راغب ہوں گے اس قدر قادیان کو مکہ تصور کرنے لگیں گے اور آخر کار سرگرم قوم پرست بن جائیں گے مسلمانوں میں اگر کوئی تحریک عربی تہذب تمدن کا خاتمہ کر سکتی ہے تو وہ یہی احمدی تحریک ہے جس طرح ایک ہندو کے مسلمان بن جانے پر اس کی شردھا (عقیدت) رام کرشن، وید، گیتا، رامائن سے اٹھ کر حضرت محمدؐ صاحب۔ قرآن مجید اور عرب کی بھومی (ارض حرم) پر منتقل ہو جاتی ہے اسی طرح جب کوئی مسلمان احمدی بن جاتا ہے تو اس کا زاویہ نگاہ بدل جاتا ہے اس کی آپؐ سے عقیدت کم ہو جاتی ہے اور جہاں پہلے اس کی وفاداریاں عرب میں تھیں اب وہ قادیان میں آجاتی ہیں۔[2]

مذہبی اصطلاحات کا استعمال

مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش مرزائیت کو ان نقاط کی صورت میں پیش کرتے ہیں

ا۔ مرزائی مسلمانوں سے الگ قوم ہیں جس کا بنیادی اعتقادی نقطہ نظر مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت و رسالت پر ایمان لانا ہے مگر یہ قوم دنیاوی فوائد کے حصول کے لیے مسلمانوں کا ایک فرقہ ظاہر کرتی ہے۔

2۔ دین مرزائیت کے پیرو مسلمانوں کی دینی اور ملی اصطلاحات ان کے صحیح محل کے علاوہ اپنے اکابر کے لیے بالاصرار استعمال کر کے دین اسلام اور عامۃ المسلمین کی غیرت کا استہزاء کرتے ہیں اور اس طرح مسلسل اشتعال انگیزی کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں مرزا صاحب کے لیے صلاۃ و سلام مرزا کے ساتھیوں کے لیے "صحابہ" کا لقب دے کر ان کے لیے "رضی اللہ عنہ" کی دعا کا استعمال مرزا صاحب کی بیویوں کے لیے "امہات المومنین" کا لقب، مرزا صاحب کی بیٹی کے لیے "سیدہ النساء" کا لقب اپنے پیشوا کے لیے امیر المؤمنین" کا لقب اور مرزائیوں کے متوازی نظام حکومت کے لیے "خلافت" کی اصطلاح بلا تکلف استعمال کر رہے ہیں۔

3۔ پاکستان کی اسلامی مملکت کے متعلق مرزائیوں کی ذہنیت مخدوش ہے وہ اکھنڈ ہندوستان کو "احمدیت" کے فروغ کے لیے خدا کی دی ہوئی وسیع بیس سمجھنے پر مجبور ہیں۔ اور پاکستان کی حمایت محض منافقت کے انداز میں کر رہے ہیں قادیان حاصل کرنے کی خاطر وہ بھارت حکومت سے ہر قسم کا سودہ کرنے کے لیے تیار ہیں اور اس مقصد کے لیے پاکستان کے ہر مفاد بلکہ خود پاکستان کو بھی قربان کے لیے تیار ہیں۔

4۔ مرزائیت کے دین اور دنیاوی مقاصد حاصل کرنے کے لیے انہوں نے ایسی تنظیم استوار کر رکھی ہے جو صریح طور پر پاکستان کے نظام حکومت کے مقابلے میں مرزائیوں کا متوازی نظام حکومت بن چکی ہے۔

5۔ پاکستان سرکار کے مرزائی ملازم اپنے آپ کو پاکستان کے نظام حکومت کا تابع فرمان نہیں سمجھتے بلکہ اپنے "امیر المؤمنین" کی حکومت کا تابع خیال کرتے ہیں ان کی یہ ذہنیت پاکستان کے تحفظ کے لیے انتہائی خطرناک ہے۔ [۳]

اسلامی تمدن کو سبوتاژ کرنے کی کوشش

اس تحریر سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ تحریک اسلامی تمدن کو سبوتاژ کرنے کے لیے وجود میں لائی گئی تھی قادیانیوں کی غداریوں کے باوجود مسلمانوں کی جدوجہد رنگ لائی اور پاکستان 14 اگست 1947 کو دنیا کے نقشے پر پانچویں اور اسلامی ممالک میں سب سے بڑی اسلامی مملکت کی حیثیت سے ابھرا۔ اس نئی ریاست کو کمزور متزلزل بے دست و پا نیز مشکلات سے دوچار کرنے کے لیے مشرقی پنجاب اور مغربی بنگال کے علاوہ بھارت کے کئی حصوں میں مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا گیا لاکھوں لٹے پٹے زخمی لاچار مسلمان قافلوں کی صورت میں پاکستان کی سرزمین میں داخل ہوئے سکھوں کی مار دھاڑ کے خوف سے قادیانی بھی اپنے نام نہاد مقدس قصبہ قادیان کو ہندو گورنمنٹ کے ہاتھوں میں چھوڑ کر پاکستان کے سایہ عاطفت میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ یہاں انہوں نے چنیوٹ کے قریب دریائے چناب کے پار 1034 ایکٹر زمین نہایت ہی سستے داموں خریدی پاکستان کی نوزائیدہ مملکت لاتعداد انسانی اور سیاسی مسائل سے دوچار تھی ایک طرف کیمپوں میں بیٹھے ہوئے لاکھوں مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ تھا تو دوسری طرف زخمیوں کی دیکھ بھال کا۔ ادھر انتظامیہ کو از سر نو تربیت دینا اور کام پر لگانا تھا ادھر دفتروں میں سیاہی پنسل اور کاغذ ناپید تھے ملک کی اقتصادی حالت ابتر تھی اندرونی معاملات کے علاوہ بیرونی دنیا کے ساتھ تعلقات بھی استوار کرنا تھے فوجیں بھارت کے دور دراز علاقوں میں پھنسی ہوئی تھیں۔

ان حالات میں حکومت اس فتنہ کی طرف توجہ نہ دے سکی اس دور میں ان غدار اور ملت فروش ٹولے کو اپنی کاروائیاں تیز تر کرکے اپنے ناپاک عزائم کو بلاروک وٹوک عملی جامہ پہنانے کا موقع مل گیا اسلام کے دشمن ہونے کے باعث نظریہ پاکستان کے بھی دل سے قائل نہ تھے لہٰذا اپنے سابقہ نقطہ نظر پر اڑے رہے بظاہر نئی ریاست سے وفاداری کا اظہار کرتے ہوئے بھی دراصل ان کی وفاداریاں قادیان سے وابسطہ ہیں جو تقسیم کے بعد بھارت کے حصہ میں آیا کلمہ لاالہ کے نام پر لی ہوئی اس مملکت کو وجود پذیر ہوئے ابھی سال بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ ان کے مذموم ارادے بے نقاب ہو گئے ان کے خلیفہ ثانی مرزا محمود نے کوئٹہ میں ایک تقریر کے دوران صوبہ بلوچستان کو اپنا حصار بنانے کے ناپاک منصوبے کا اظہار یوں کیا۔

برطانوی بلوچستان جو اب پاکستانی بلوچستان ہے کی کل آبادی پانچ چھ لاکھ ہے اگرچہ اس کی آبادی دوسرے صوبے کے مقابلے میں بہت کم ہے لیکن بلوچستان ایک خود کفیل اکائی کی حیثیت سے بہت اہمیت کا حامل ہے زیادہ آبادی کو احمدی بنانا مشکل ہے لیکن تھوڑے آدمیوں کو احمدی بنانا کوئی مشکل نہیں۔ پس جماعت اس طرف اگر پوری توجہ دے تو اس صوبے کو بہت جلدی احمدی بنایا جاسکتا ہے یہ یاد رکھیئے کہ صرف تبلیغی کاروائیاں بار آور نہیں ہو سکتیں جب تک کہ مرکز مضبوط نہ ہو اگر مرکز مضبوط ہو گا تو لوگوں کو دائرہ اسلام میں لانا آسان ہوا۔ اگر ہم سارے صوبے کو احمدی بنالیں تو کم از کم ایک صوبہ تو ایسا ہو گا جس کو ہم اپنا صوبہ کہہ سکیں گے اور یہ مقصد بغیر کسی دقت کے حاصل ہو سکتا ہے۔ ؂۴

پاکستان میں قادیانیوں نے چنیوٹ کے قریب انتہائی سستے داموں وسیع خطہ زمین حاصل کرکے ایک نئی کالونی کی بنیاد رکھی جو انہوں نے محض اپنے ہم مذہبوں کے لیے مخصوص رکھی چنانچہ قادیانی خلیفہ نے ایک پریس کانفرنس کو مخاطب کرتے ہوئے انکشاف کیا۔

اگرچہ موجودہ حالات کے مطابق زمین خاصی مہنگی ہونے کے علاوہ اپنے اندر کوئی کشش نہیں رکھتی لیکن ان شاء اللہ ہم اسے ایک خوب صورت شہر میں تبدیل کر دیں گے جو فوجی نقطہ نظر سے محفوظ ترین ہو گا۔"

پاکستان کے عین وسط میں اپنا گڑھ بنا کر قادیانی ٹولے نے ملک میں ہر طرف اپنی سازشوں کا وسیع جال پھیلا دیا ہے انہوں نے ربوہ کی ریاست کو در ریاست بنا کر اپنا علیحدہ نظام حکومت قائم کر لیا جس میں محکمہ امور خارجہ سے لے کر نیم فوجی تنظیموں تک کو منظّم کیا گیا۔ منیر انکوائری رپورٹ کا ایک اقتباس اس اعتبار سے قابل ذکر ہے۔

احمدیوں کا ایک منظّم طبقہ ہے جس کا ہیڈ کوارٹر ایک ایسے قصبے میں ہے جو اس نے صرف اپنے لیے مخصوص کر رکھا ہے اس کی مرکزی تنظیم مختلف محکموں پر مشتمل ہے مثلاً محکمہ امور خارجہ، محکمہ امور داخلہ، محکمہ امور عامہ محکمہ نشرواطلاعات وغیرہ اس قسم کے محکمے صرف ایک باقاعدہ حکومت کے سیکرٹریٹ ہی میں پائے جاتے ہیں ان کے پاس ایک ولنیٹرز کا بھی جتھا ہے جسے خدام دین کہا جاتا ہے اور فرقان بٹالین پر مشتمل ہے یہ وہی بٹالین ہے جو کشمیر میں خاص احمدیوں پر مشتمل تھی۔ ؂۵

پاکستان سے بیزاری اور بھارت سے وفاداری

پاکستان کی اسلامی مملکت کے اندر تخریبی فتنے پرورش پا رہے ہیں ان میں سب سے زیادہ خطرناک فتنہ مرزائیت کا ہے کیونکہ مرزائیت دین اسلام کی کھلی تحقیر وتضحیک کا دوسرا نام ہے اس مذہب کے ماننے والے نہ تو اسلام کے وفادار ہیں اور نہ مسلمانوں

کے خیر خواہ ہیں اور نہ پاکستان کے ساتھ کسی قسم کا انس رکھتے ہیں اس فتنہ کے سب سے زیادہ خطرناک ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ مرزا کے پیروگار خارج میں اپنے آپ کو مسلمانوں کا ہی ایک فرقہ ظاہر کرتے ہیں اور باطن میں اپنے آپ کو مسلمانوں سے یکسر الگ قوم سمجھتے ہوئے دین اسلام کے بنیادی عقائد کی بیخ کنی کے درپے رہتے ہیں اور ادھر مسلمانوں کی غفلت اور بے خبری کا یہ عالم ہے کہ وہ ان کی حقیقت و ماہیت سے صحیح طور پر آگاہ نہ ہونے کے باعث انہیں بھی مسلمانوں کے دوسرے فرقوں کی طرح ایک فرقہ سمجھ رہے ہیں اور جب کوئی مرزائی مر جاتا ہے تو اس کے مسلمان رشتہ دار اس کی نماز جنازہ میں شامل ہوتے ہیں اور مغفرت کرتے عار محسوس نہیں کرتے جبکہ قادیانی کسی مسلمان رشتہ دار کے جنازہ میں شریک ہونا عقیدہ کی رو سے حرام سمجھتے ہیں۔

لیکن سیاسی حیثیت سے مرزائیوں کو جو ملت پاکستان کا ایک جزو اور پاکستان کا خیر خواہ اور وفادار سمجھا جا رہا ہے وہ پاکستان کے عوام اور ان کے ارباب سیاست کی بہت بڑی کم نظری اور کم فہمی پر دال ہے۔

ایرانی گورنمنٹ نے جو سلوک مرزا علی محمد باب، بانی فرقہ بابیہ اور اس کے بے کس مریدوں کے ساتھ محض مذہبی اختلافات کی وجہ سے کیا اور جو ستم اس فرقہ پر توڑے گئے وہ ان دانشمندوں پر مخفی نہیں ہیں جو قوموں کی تاریخ پڑھنے کے عادی ہیں اور پھر سلطنت ترکی نے جو ایک یورپ کی سلطنت کہلاتی ہے جو برتاؤ بہاؤاللہ بانی فرقہ بہائیہ اور اس کے جلاوطن شدہ پیروؤں سے 1863 سے لے کر 1892 تک پہلے قسطنطنیہ پھر ایڈریانوبل اور بعد ازاں مکہ کے جیل خانہ میں کیا وہ دنیا کے اہم واقعات پر اطلاع رکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں ہے دنیا میں تین ہی بڑی سلطنتیں اسلامی سلطنتیں کہلاتی ہیں اور تینوں نے جو تنگ دلی اور تعصب کا نمونہ پیش کیا احمدی قوم کو یہ یقین دلائے بغیر نہیں رہ سکتا کہ احمدیوں کی آزادی تاج برطانیہ کے ساتھ وابستہ ہے اور چونکہ خدا نے برٹش راج میں سلامتی کے شہزادہ، مرزا قادیانی کو دنیا کی رہنمائی کے لیے بھیجا گویا خدا نے تمام دنیا کی حکومتوں پر بلحاظ فیاضی، فراخدلی، بے تعصبی کے برٹش گورنمنٹ کو ترجیح دی ہے لہٰذا تمام سچے احمدی جو حضرات مرزا صاحب کو مامور من اللہ اور ایک مقدس انسان تصور کرتے ہیں بدوں کسی خوشامد اور چاپلوسی کے دل سے یقین کرتے ہیں کہ برٹش گورنمنٹ ان کے لیے فضل ایزدی اور سایہ رحمت ہے اور اس کی ہستی کو وہ اپنی ہستی خیال کرتے ہیں۔ ۶؎

حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں کہ میں وہ مہدی موعود ہوں اور گورنمنٹ برطانیہ میری وہ تلوار ہے جس کے مقابلہ میں ان علماء کی کچھ پیش نہیں جاتی اب غور کرنے کا مقام ہے کہ پھر ہم احمدیوں کو اس فتح سے کیوں خوشی نہ ہو عراق ہو یا شام ہم ہر جگہ اپنی تلوار کی چمک دیکھنا چاہتے ہیں۔ ۷؎

یہ تو دنیائے اسلام کے بارے میں ان کے عزائم ہیں دولت خداداد پاکستان کے متعلق جو ان کی معتقدات ہیں ان کی کچھ تفصیل پیش خدمت ہے۔

مسلم معاشرے میں افتراق و انتشار

قادیانیت کے بارے میں ایک عام غلط فہمی یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے صدہا دینی و علمی اختلافات اور مکاتب فکر میں سے ایک دینی و علمی اختلاف رائے اور ایک خاص مکتب فکر ہے اور اس کے پیرامت اسلامیہ کے مذہبی اور جماعتوں میں سے ایک مذہبی فرقہ اور جماعت ہیں اور یہ اسلام کی کلامی و فقہی تاریخ کا کوئی انوکھا واقعہ نہیں۔

لیکن قادیانیت کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ کرنے سے یہ غلط فہمی اور خوش گمانی دور ہو جاتی ہے اور ایک منصف مزاج اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ قادیانیت ایک مذہب اور قادیانی ایک مستقل امت ہیں جو دین اسلام اور امت اسلامیہ کے بالکل متوازی چلتے ہیں اور اس کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ مرزا بشیر الدین محمود صاحب کے اس بیان میں کوئی مبالغہ اور غلط بیانی نہیں کہ "حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ میرے کانوں میں گونجتے رہتے ہیں آپ نے فرمایا:

" یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفات مسیح یا اور چند مسائل میں ہے اللہ تعالی کی ذات، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن نماز، روزہ حج، زکوۃ غرض کہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک جز میں ہمیں ان سے اختلاف ہے"۔ ۸

اور یہ کہا کہ

"حضرت خلیفہ اول نے اعلان کیا تھا کہ ان کا (مسلمانوں کا) اسلام اور ہے اور ہمارا اور" ۔ ۹

قادیانی تحریک کے بارے میں یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ قادیانی جماعت (جماعت احمدیہ) دیگر فرقوں کی طرح مسلمانوں کا ایک فرقہ ہے لیکن قادیانیت کا مطالعہ و مشاہدہ کرنے سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ قادیانی گروہ مسلمانوں کے متوازی ایک الگ امت اور مستقل مذہب کی حیثیت رکھتا ہے جسے اسلام جیسے عالمگیر اور ہمہ گیر مذہب میں نقب لگا کر پیدا کیا گیا قادیانی اپنے خود ساختہ عقائد اور اپنے مخصوص طرز عمل کی بنا پر امت مصطفیؐ سے الگ ہوئے ہیں ان کا مذہبی اور معاشرتی تشخص اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ مسلمانوں کے برعکس ان کے مدمقابل ایک الگ مذہب کے داعی اور پیروکار ہیں۔ "حضرت مسیحؑ (مرزا غلام احمد قادیانی جماعت احمدیہ کے بانی) نے غیر احمدیوں کے ساتھ وہی سلوک جائز رکھا ہے جو نبی کریمؐ نے عیسائیوں کے ساتھ کیا غیر احمدیوں سے ہماری نمازیں الگ کی گئیں ان کو لڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا ہے ان کے جنازے پڑھنے سے روکا گیا باقی کیا رہ گیا ہے جو ہم ان کے ساتھ مل کر کر سکتے ہین دو قوم کے تعلقات ہوتے ہیں ایک دینی دوسرے دنیوی۔ دینی تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ عبادت کا اکٹھا ہونا ہے اور دنیوی تعلقات کا سب سے بڑا ذریعہ رشتہ و ناطہ ہے، سو یہ دونوں ہمارے لیے حرام قرار دیئے گئے ہیں۔ ۱۰

حوالہ جات

۱ قادیانیت۔ مطالعہ اور جائزہ۔ مولانا ابوالحسن ندوی ص151

۲ بندے ماترم۔ ڈاکٹر شنکر داس۔ دہلی۔ 1960 ص57

۳ پاکستان میں مرزائیت ص 25۔احتساب قادیانیت 282 ص 371

۴ مرزا محمود احمد کی تقریر۔الفضل۔ 13 اگست۔ 1948

۵ منیر انکوائری رپورٹ ص 198

۶ اخبار الفضل قادیان ج نمبر 2 نمبر38 مورخہ 13 ستمبر 1914

۷ اخبار الفضل قادیان ج نمبر 6 نمبر 42 مورخہ 17 دسمبر 1918

۸ خطبہ جمعہ مرزا بشیر الدین محمود۔الاخبار الفضل مورخہ 2 جولائی 1931

۹ ایضاً۔ مورخہ 31 دسمبر 1914

۱۰ کلمتہ الفضل۔ ص 169

فصل سوم: قادیانیوں کے بارے میں قانون سازی

قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کی جدوجہد

آزاد کشمیر اسمبلی میں احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی صدائے بازگشت

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جو شخص دین الٰہی کی سر بلندی کے لیے کدوکاوش کرتا ہے اللہ تعالی کی معاونت اس کے شامل حال ہوتی ہے اس کی یہ کاوش ایک شجر طیبہ کی طرح ہے جو پورا سال ثمر بار رہتا ہے اور اس پر کبھی خزاں نہیں آتی بلکہ جہاں پر اس درخت کا وجود ہوتا ہے۔ اس کا ماحول بھی بہار آفرین اور جنت نظیر ہوتا ہے اواس کا مد مقابل یعنی ناحق اور باطل ھباء منثور کی طرح ہو کر فضا میں منتشر ہو کر ناپید ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح علماء لدھیانہ جنہوں نے حق و صداقت کے لیے اپنی آواز بلند کی اور باطل کو ایمان وایقان کے جذبے سے سرشار ہو کر للکارا تو پہلے باطل سیاہ بادلوں کی طرح کڑ کا مگر غیور مسلمانوں کے سامنے تنکوں کی طرح اُڑتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اللہ کی معاونت اور اس کی عنایت خاص ان پاکان امت کے شامل حال تھی۔ مرزا اور اس کے متبعین کے خلاف جو ان مقدس ہستیوں نے فتویٰ تکفیر سب سے پہلے جاری فرمایا ان ہی کی حمایت میں مختلف عدالتوں نے فیصلے صادر فرمائے اور آزاد کشمیر اسمبلی بظاہر آزاد مملکت نہیں کیونکہ اس پر پاکستان حکومت کا کنٹرول ہے اگرچہ پاکستان اسمبلی نے قادیانیوں کے غیر مسلم قرار دینے کے لیے قانون وضع نہیں کیا مگر اس کے باوجود آزاد کشمیر اسمبلی میں قادیانیوں کے خلاف ایک قرار داد کا پیش ہونا بڑا معنی رکھتا ہے۔

قرار داد کے الفاظ

اسمبلی کے خوش نصیب رکن جناب محمد ایوب صاحب نے درج ذیل قرار داد پیش کی۔

28اپریل1973ء

"قادیانیوں کو اقلیت قرار دیا جائے، ریاست میں جو قادیانی رہائش پذیر ہیں، ان کی باقاعدہ رجسٹریشن کی جائے اور انھیں اقلیت قرار دینے کے بعد ان کی تعداد کے مطابق مختلف شعبوں میں ان کی نمائندگی کا تعین کرایا جائے۔ قرار داد میں کہا گیا کہ ریاست میں قادیانیت کی تبلیغ ممنوع ہو گی۔"

جناب میجر محمد ایوب نے اسمبلی میں قرار داد پیش کرتے ہوئے دوسرے دلائل کے علاوہ آئین پاکستان کے ص114 پر درج شدہ صدرِ مملکت اور وزیرِ اعظم کے مجوزہ حلف نامے بھی پڑھ کر سنائے اور کہا کہ "آئین میں ان دونوں سربراہوں کے لیے مسلمان ہونا لازم قرار دیا گیا ہے اور ان حلف ناموں کے ضمن میں مسلمان کی جامع مانع تعریف بھی شامل کر دی گئی۔ جس میں یہ بات واضح طورپر شامل ہے کہ حلف اٹھانے والا یہ اقرار کرتا ہے کہ اس کا ایمان ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔ میجر صاحب نے مزید کہا کہ آئین پاکستان کی اس دستاویز کی رو سے احمدی خود بخود غیر مسلم اقلیت قرار دے دیئے گئے کیونکہ وہ حضور سرور کائنات ﷺ کو آخری نبی نہیں مانتے بلکہ حضور ﷺ کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی اور رسول مانتے ہیں۔ میجر صاحب نے مزید کہا کہ اس سے قبل آزاد کشمیر اسمبلی یہ قرار داد منظور کر چکی ہے۔ ریاست میں اسلا می قوانین نافذ کیے جائیں گے لازم ہے کہ اس معاملے میں بھی شریعت کے مطابق واضح احکامات جاری کیے جائیں۔

روز نامہ مشرق نے اس پر مکمل آرٹیکل شائع کیااور اس قرار داد کو شائع کرنے کے بعد اس بات کی تصریح ان الفاظ میں کی :
''آزاد کشمیر اسمبلی نے ایک قرار داد منظور کی ہے جس میں حکومت آزاد کشمیر سے سفارش کی گئی ہے کہ قادیانیوں کو اقلیت قرار دیا جائے ریاست میں جو قادیانی رہائش پذیر ہیں۔ان کی باقاعدہ رجسٹریشن کی جائے اور انھیں اقلیت قرار دینے کے بعد ان کی تعداد کے مطابق مختلف شعبوں میں ان کی نمائندگی کا تعین کرایا جائے قرار داد میں کہا گیا کہ ریاست میں قادیانیت کی تبلیغ ممنوع ہو گی۔ یہ قرار داد اسمبلی کے رکن میجر محمد ایوب نے پیش کی تھی۔ قرار داد کی ایک شق ایوان نے ہفتہ کے روز بحث کے بعد ترمیم کے ذریعے خارج کر دی جس میں کہا گیا تھا کہ ریاست میں قادیانیوں کا داخلہ ممنوع قرار دیا جائے''۔[1]

تحریک ختم نبوت 1974ء کا آغاز

ربوہ پاکستان میں قادیانیوں کا مرکز ہے۔ یہ دریائے چناب کے قریب چنیوٹ سے چند فرلانگ کے فاصلے پر سرگودھا روڈ پر پہاڑوں کے دامن میں واقع ہے۔ یہ علاقہ ایک ہزار تینتیس ایکڑ سات کنال آٹھ مرلے پر مشتمل علاقہ ہے جو کہ انگریزوں نے جماعت احمدی کے نام مٹی کے بھاؤ کر دیا۔

1974ء تک غیر احمدی اس علاقہ کی زمین خرید کر مالکانہ حقوق حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ غیر احمدی کے بارے گفتگو کرنا اپنے آپ کو موت کے منہ دھکیلنے کے مترادف تھا مگر اسلام کے جانباز حق کی آواز بلند کرنے میں کسی سے نہ ڈرے۔

22 مئی 1974ء کو نشتر میڈیکل کالج، ملتان کے طلبہ نے ریلوے اسٹیشن پر ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگائے۔ قادیانیوں پر یہ بات گراں گزری کہ 29 مئی 1974ء کو جب یہ 60 طلبہ سفر سے واپس آرہے تھے تو ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت ریل گاڑی کو رکوا کر مسلمان طلبہ کو خوب زدوکوب کیا گیا یہ بات آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی ہڑتالیں کی گئیں، جلوس نکالے گئے، کئی دکانیں نذرِ آتش کی گئیں۔ ان مظاہروں کو قابو کرنے کے لیے آنسو گیس اور لاٹھی چارج کا استعمال کیا گیا۔

اس واقعہ کے بعد فیصل آباد میں مولانا تاج محمود نے صدائے احتجاج بلند کی۔ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے بقول کہ میں جب لاہور پہنچا تو میں نے محسوس کیا کہ لاہور میں ان حالات کا زیادہ اثر نہیں چونکہ آپ جامعہ مدینہ کے طالب علم تھے، آپ نے اپنے ساتھیوں کو اکٹھا کرکے جلوس کو ترتیب دیا اور داتا کی نگری میں مرزائیت کے خلاف اور ختم نبوت کے حق میں فلک شگاف نعرے بلند کر رہے تھے کہ پولیس نے گھیر کر تھانہ میں بند کر دیا۔

اس کے بعد تمام مکاتب فکر کے لوگوں نے اکٹھا ہو کر جلوس نکالا جو بڑا پرامن تھا اور اس جلوس نے لاہور کی عوام کو بیدار کر دیا۔ اس سے لاہور میں تحریک تیز کرنے میں مدد ملی اور تجربہ کامیاب رہا۔

لاہور میں احتجاجی جلسہ

مجلس عمل تحفظ ختم نبوت وجود میں آچکی تھی۔ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری مرحوم کو اس کا صدر چنا گیا۔ مسجد وزیر خان میں ایک بڑے جلسے کا اہتمام کیا گیا جس میں مولانا مذکور، مولانا محمود احمد رضوی، آغا شورش کاشمیری، مولانا عبید اللہ انور، مولانا عبدالستار خان نیازی، چوہدری ظہور الٰہی اور دیگر حضرات شریک ہوئے۔ جلسہ کے بعد جلوس نکالا گیا جس کے خلاف

پولیس کو استعمال کیا گیا۔ حضرت مولانا مفتی محمود مرحوم (صدر جمیعت علماء اسلام) کی زیرِ قیادت بڑے بڑے جلسے ہوئے۔ اسمبلی میں آواز اُٹھ گئی۔ یہ تحریک چھوٹوں سے شروع ہوئی اور بڑوں تک پہنچ گئی۔

مجلسِ عمل تحفظ ختمِ نبوت کا قیام

9جون 1974ء کو مدرسہ قاسم العلوم شیر انوالہ گیٹ، لاہور میں ملک کے مختلف سیاسی و دینی جماعتوں کے کل جماعتی کنونشن میں مرکزی مجلسِ عمل قائم کی گئی۔ کل پاکستان مرکزی مجلس تحفظ ختم نبوت میں مختلف جماعتوں کے حسب ذیل نمائندے شریک ہوئے۔ آل پاکستان تحفظ ختم نبوت کے مولانا محمد یوسف بنوری اور مولانا تاج محمود (مدیر لولاک)، جمیعت علمائے پاکستان کے مولانا شاہ احمد نورانی اور مولانا عبدالستار خان نیازی، جماعت اسلامی کے پروفیسر عبدالغفور اور چوہدری غلام جیلانی، نیشنل عوامی پارٹی کے ارباب سکندر خان خلیل اور امیر زادہ خان، پاکستان جمہور پارٹی کے نواب زادہ نصر اللہ خان، قومی اسمبلی آزاد گروپ کے مولانا ظفر احمد انصاری، قادیانی محاسبہ کمیٹی کے آغا شورش کاشمیری اور علامہ احسان الٰہی ظہیر، حزب اختلاف کے سید مولانا محمود احمد رضوی، تنظیم اہلِ سنت والجماعت کے مولانا نور الحسن شاہ بخاری اور مولانا عبدالستار تونسوی، اشاعت توحید و سنت کے مولانا غلام اللہ خان، اہلِ حدیث گروپ کے شیخ محمد اشرف، شیعہ جماعت علماء کے مولانا محمد اسماعیل، احرار السلام کے مولانا سید ابو معاویہ اور ابوذر بخاری نے شرکت کی۔ جمیعت طلبہء اسلام، اے ٹی آئی اور ایم ایف ایس کے نمائندوں نے بھی شرکت کی۔

سرحد اسمبلی میں مرزائیت کے خلاف قرار داد

کسی ملک میں آئین کے اندر ترمیم کا استحقاق اس ملک کی قومی اسمبلی اور سینٹ کو حاصل ہے۔ ایوانِ زریں اور ایوانِ بالا ہیں دو تہائی کی اکثریت ہونے والی قرار داد آئین پاکستان کا حصہ بن جاتی ہے صوبائی اسمبلی آئین میں کسی قسم کی ترمیم کرنے کا حق نہیں رکھتیں۔ تاہم کسی مسئلہ پر قرار داد منظور کرکے آئین میں ترمیم کی سفارش کر سکتی ہیں۔ پاکستان میں شمال مغربی سرحدی صوبے کی صوبائی اسمبلی نے سب سے پہلے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی قرار داد منظور کی۔ یہ قرار داد جمیعت علمائے اسلام کے مولانا حبیب گل ایم۔ پی۔ اے (ٹل) اور نیشنل عوامی پارٹی کے رکن صوبائی اسمبلی سکندر خان خلیل سابق گورنر نے پیش کی تھی۔ یہ قرار داد متفقہ طور پر منظور کی گئی اور اسمبلی کے تمام ارکان نے اس کے حق میں اپنا ووٹ استعمال کیا۔

قومی اسمبلی بطور خصوصی کمیٹی

قادیانیوں کے غیر مسلم قرار دینے کے لیے جو قرار داد حزبِ اختلاف نے پیش کی، اس پر غور کرنے کے لیے پوری اسمبلی کو ایک خصوصی کمیٹی میں تبدیل کر دیا گیا جس کے چیئرمین قومی اسمبلی کے اسپیکر صاحبزادہ فاروق علی خان تھے یہ خصوصی کمیٹی درج ذیل فرائض سرانجام دینے کے لیے کافی ہے:

ا۔ ان لوگوں کی حیثیت متعین کی جائے جو آنحضور ﷺ کی ختم نبوت پر ایمان نہیں رکھتے۔

2۔ اس سلسلے میں کمیٹی کی پیش کردہ تجاویز، مشوروں اور قرار دادوں پر اس معینہ مدت کے اندر غور و غوض مکمل کر لیا جائے جس کا تعین کمیٹی کرے گی۔

30جون1974کے بعد کمیٹی کے مسلسل اجلاس شروع ہوئے، قرار دادوں پر غور کرنے کے لیے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا۔

اسی اثناء میں قادیانی ربوہ گروپ اور لاہوری گروپ کے سربراہوں کا ایک خط کمیٹی میں پیش کیا گیا جس میں ربوہ گروپ کے سربراہ مرزا ناصر الدین اور لاہور کے سربراہ صدر الدین نے اپنی صفائی پیش کرنے اور اپنے عقائد کی وضاحت کرنے کے لیے حاضری کی اجازت مانگی، کمیٹی نے خوشی سے اجازت دے دی۔ مرزا ناصر الدین ایک محضر نامہ کے ساتھ حاضر ہوا خدا کی قدرت اور نبی آخرالزمان ﷺ کا معجزہ دیکھیئے کہ جس وقت مرزا نے محضر نامہ پڑھنا شروع کیا۔ اسمبلی کے اس بند ائر کنڈیشنڈ کمرے میں اوپر کے چھوٹے پنکھے سے ایک پرندے کا پر خوب غلاظت سے بھرا ہوا تھا۔ سیدھا اس محضر نامہ پر آ گرا جس پر ایک دم وہ چونکا اور گھبرا کر کہا "I am distrubed" سارے اراکین اسمبلی تماشہ دیکھ رہے تھے اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی چیز اوپر چھت سے اس طریقے سے گری ہو۔

بہر حال محضر نامہ پڑھا گیا اس پر کمیٹی کے علماء اور دیگر افراد نے سوالنامہ مرتب کیا نیز علماء ملت کی طرف سے محضر نامہ کا جواب دیا گیا۔ سوالوں کی تعداد طویل تھی۔ سوالات لکھ کر اسمبلی کے سیکرٹری کو دیئے گئے اور ان سوالات کو پوچھنے کی ذمہ داری اٹارنی جنرل پاکستان جناب یحیٰ بختیار کے سپرد کی گئی۔ مسلسل مرزا ناصر پر جرح ہوتی رہی اور سوال و جواب کا سلسلہ جاری رہا۔ مرزا صاحب کو صفائی پیش کرتے کرتے پسینہ چھوٹ جاتا اور آخر تنگ آ کر کہہ دیتا بس اب میں تھک گیا ہوں۔ ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں پچاس سے زائد گلاس پانی مرزا ناصر روزانہ پیتا تھا۔ صاحبزادہ فاروق علی خان اسپیکر قومی اسمبلی کے بقول مرزا ناصر پر دو ماہ تک جرح ہوتی رہی اور وہ جرح کا سامنا کرتا رہا۔ یہ بات الگ ہے کہ وہ اپنا مؤقف پیش کرنے میں بُری طرح ناکام رہا لیکن لاہوری جماعت کے معمر رہنما صدر الدین صرف دو دن تک جرح کا سامنا کر سکا لیکن شورش کاشمیری نے لکھا ہے کہ مرزا ناصر پر 11 دن 42 گھنٹے اور لاہوری شاخ کے امیر پر سات گھنٹے جرح ہوئی۔

رہبر کمیٹی

پھر اس کے بعد قومی اسمبلی کے چھ ارکان پر مشتمل ایک رہبر کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں درج ذیل حضرات تھے:

(1)۔ مولانا مفتی محمود پارلیمانی لیڈر جمیعت علماء اسلام

(2)۔ مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی پارلیمانی لیڈر جمیعت علماء پاکستان

(3)۔ پروفیسر غفور احمد جماعتِ اسلامی

(4)۔ چوہدری ظہور الٰہی مسلم لیگ

(5)۔ غلام فاروق ماہر قانون

(6)۔ سردار مولا بخش سومرو سیاستدان پی۔پی۔پی

اس کمیٹی کے ارکان نے وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ کے ساتھ مل کر وہ تاریخی قرار داد تیار کی جو 7 ستمبر 1974ء کو قومی اسمبلی کے اجلاس میں پیش کی گئی۔ ان ارکان اسمبلی نے اسمبلی میں بل پیش کرنے سے قبل وزیرِاعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو سے دو مرتبہ مذاکرات ہوئے۔

قرارداد

قومی اسمبلی کے کل ایوان پر مشتمل خصوصی کمیٹی متفقہ طور پر طے کرتی ہے کہ حسبِ ذیل سفارشات قومی اسمبلی کو غور اور منظوری کے لیے بھیجی جائیں۔

کل ایوان پر مشتمل کمیٹی اپنی رہنمائی اور ذیلی کمیٹی کی طرف سے اس کے سامنے پیش یا قومی اسمبلی کی طرف سے اس کو بھیجی گئی قرار دادوں پر غور کرنے اور دستاویزات کا مطالعہ کرنے اور گواہوں بشمول سربراہان انجمن احمدیہ ربوہ اور انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور کی شہادتوں اور جرح پر غور کرنے کے بعد متفقہ طور پر قومی اسمبلی میں حسب ذیل سفارشات پیش کرتی ہے۔

الف: کہ پاکستان کے آئین میں حسب ذیل ترمیم کی جائے۔

اول: دفعہ 104 (3) میں قادیانی جماعت اور لاہوری جماعت کے اشخاص (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) کا ذکر کیا جائے۔

دوم: دفعہ 260 میں ایک نئی شق کے ذریعے غیر مسلم کی تعریف کی جائے۔ مذکورہ بالا سفارشات کے نفاذ کے لیے خصوصی کمیٹی کی طرف سے متفقہ طور پر منظور شدہ مسودہ قانون منسلک ہے۔

ب: کہ مجموعہ تعزیرات پاکستان دفعہ 295 الف میں حسب ذیل تشریح درج کی جائے

تشریح: کوئی مسلمان جو آئین کی دفعہ 260 کی شق (3) کی تصریحات کے مطابق حضرت محمد ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے تصور کے خلاف عقیدہ رکھے یا عمل یا تبلیغ کرے، وہ دفعہ ہذا کے تحت مستوجب سزا ہوگا۔

ج: کہ متعلقہ قوانین مثلاً قومی رجسٹریشن ایکٹ 1973ء اور انتخابی فہرستوں کے قواعد 1974ء میں نتیجہ قانون اور ضابطہ کی ترمیمات کی جائیں۔

د: کہ پاکستان کے تمام شہریوں خواہ وہ کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں کے جان و مال، آزادی، عزت اور بنیادی حقوق کا پوری طرح تحفظ اور دفاع کیا جائے۔ [۳]

آئین پاکستان میں ترمیم کے لیے ایک بل

حسبِ ذیل قانون وضع کیا گیا کہ

(1) مختصر عنوان اور آغاز نفاذ

(i) یہ ایکٹ آئین (ترمیم دو) ایکٹ 1974 کہلائے گا۔

(ii) یہ فی الفور نافذ العمل ہوگا۔

2۔ آئین کی دفعہ 106 میں ترمیم

اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کے آئین میں جسے بعد ازاں آئین کہا جائے گا دفعہ 106 کی شق نمبر 3 میں لفظ فرقوں کے بعد الفاظ اور قوسین میں قادیانی جماعت یا لاہوری جماعت کے اشخاص (جو اپنے آپ کو احمدی) درج کیے جائیں گے۔

۳۔ آئین کی دفعہ 260 میں ترمیم

آئین کی دفعہ 260 میں شق نمبر 2 کے بعد حسب ذیل نئی شق درج کی جائے گی یعنی (3) جو شخص حضرت محمد ﷺ کو آخری نبی نہیں مانتا، آپؐ کے خاتم النبیین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط ایمان نہیں رکھتا یا جو حضرت محمد ﷺ کے بعد کسی بھی مفہوم میں یا کسی بھی قسم کا نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے وہ آئین یا قانون کے اغراض کی رو سے مسلمان نہیں۔

بیان اغراض وجوہ

جیسا کہ تمام ایوان کی خصوصی کمیٹی کی سفارش کے مطابق قومی اسمبلی میں طے پایا ہے کہ اس بل کا مقصد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں اس طرح ترمیم کرنا ہے تاکہ ہر وہ شخص جو حضرت محمد ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان نہیں رکھتا یا جو حضرت محمد ﷺ کے بعد نبی ہونے کا دعوی کرتا ہے یا جو کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے اسے غیر مسلم قرار دیا جائے۔[۴]

قومی اسمبلی میں بل کی منظوری

سات ستمبر کی شام کو پون صدی پر پھیلی ہوئی کوشش اور کدوکاوش ناقابلِ فراموش لمحات موڑ پر آکر رکی۔ حسب معمول اسمبلی کے اجلاس کا آغاز رب کریم کے کلام پاک سے ہوا اس کے بعد وزیرِ قانون پیرزادہ عبدالحفیظ نے آئین میں ترمیم کا بل پیش کیا۔ اس کے فوراً بعد انہوں نے اسمبلی کے بعض قواعد کو معطل کرنے کی دو تحریکیں پیش کیں تاکہ ان ترامیم کو تیزی کے ساتھ مختلف مرحلوں سے گزارا جاسکے۔ ان دستوری ضروریات کو پورا کرنے، ترمیمی بل کو پڑھنے اور اسے ایوان کے سامنے پیش کرنے میں صرف تیرہ منٹ صرف ہوئے اور قومی اسمبلی کے تمام ارکان پر مشتمل خصوصی کمیٹی نے متفقہ طور پر جو بل پیش کیا تھا اس کے مطابق دستور کی دفعہ 106 میں دی گئی اقلیتوں کی فہرست میں قادیانی گروہ اور لاہوری گروہ کو شامل کر دیا گیا اور دفعہ 260 میں ایک نئی شق کا اضافہ کر دیا گیا جس کے ذریعے ہر فرد کو جو حضور ﷺ کے بعد کسی مدعی نبوت کو پیغمبر یا مذہبی مصلح مانتا، وہ آئین یا قانون کے مقاصد کے ضمن میں مسلمان نہیں ہے اس بل کو جب وزیرِ قانون پیش کر رہے تھے تو فقرے فقرے پر اور بعض دفعہ لفظ لفظ پر قومی اسمبلی کے اکثر ارکان جذبات سے بے قابو ہو کر ڈیسک اور تالیاں بجا رہے تھے اور جیسا کہ بعد میں وزیرِ اعظم بھٹو نے اپنی تقریر میں کہا ''در حقیقت ہم سب جذبات کے طوفان سے معرکہ آراء تھے۔''

دوسرے مرحلہ میں جناب پیرزادہ آئین میں ترمیم کے بل کو فی الفور زیرِ غور لانے کی تحریک پیش کر چکے تھے جناب پیرزادہ سے سپیکر نے کہا کہ وہ بل تقریر کریں۔ جناب پیرزادہ اٹھے اور گویا ہوئے کہ وہ اس پر ایک لفظ بھی اضافہ نہیں کریں گے کیونکہ یہ بل پوری اسمبلی پر مشتمل کمیٹی کا متفق علیہ ہے اور اس ضمن میں انہوں نے چند فقرے کہے۔ جناب پیرزادہ بیٹھے ہی تھے کہ تحریک استقلال کے صاحبزادہ رضا قصوری اٹھے اور بل میں ترمیم پیش کرنا چاہی۔ انہوں نے کہا کہ صرف قادیانی اور لاہوری

گروہوں کا نام کافی نہیں بلکہ مرزا قادیانی کا نام باقاعدہ طور پر دستور میں درج کیا جائے۔ جواب میں وزیر قانون اٹھے لیکن قائدِ ایوان جناب ذوالفقار علی بھٹو نے احمد رضا قصوری کی بات کا خود جواب دینا مناسب سمجھا۔ ان کا کہنا جب ایوان پر مشتمل خصوصی کمیٹی کا اجلاس ہو رہا تھا تو اس وقت یہ ترمیم پیش نہ کی گئی۔ اس وقت یہ فضول ہے اور ترمیمی بل میں بے مصرف اضافہ ہوگا۔ اگر وہ ترمیم کے لیے دو تہائی اکثریت لا سکتے ہیں تو لے آئیں اس پر ایوان میں نہیں نہیں کی آوازیں بلند ہوئیں اور سپیکر صاحبزادہ احمد رضا کو ان ترمیم کے خلاف ایوان کی رائے بتا رہے تھے کہ وہ واک آؤٹ کا اعلان کرتے ہوئے ایوان سے باہر نکل گئے۔ کچھ دیر کے بعد حیرانی کے عالم میں میاں محمود علی قصوری بھی اپنے کاغذات سنبھالتے ہوئے باہر چلے آئے۔

اب مولانا مفتی محمود فوراً اٹھے اور انہوں نے حزب اختلاف کی طرف سے آئین میں زیرِ بحث ترمیم کی مکمل تائید کا اعلان کیا۔ پورے ایوان پر مشتمل کمیٹی کے اجلاس میں بھی مفتی محمود نے حزبِ اختلاف کی تمام جماعتوں کی ترجمانی کی تھی۔ اس کے بعد سپیکر قومی اسمبلی صاحبزادہ فاروق علی نے قائدِ ایوان جناب ذوالفقار علی بھٹو کو اظہار خیال کی دعوت دی۔

تقریر کے بعد بل کا تیسرا مرحلہ (خواندگی) شروع ہوا اور وزیر قانون صاحبزادہ عبدالحفیظ پیرزادہ (قانون دان) نے بل منظوری کے لیے ایوان کے سامنے پیش کر دیا جب صاحبزادہ فاروق علی خان سپیکر قومی اسمبلی نے ڈیسک بجانے کی فلک شگاف گونج میں اعلان کیا کہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے والی ترامیم کے حق میں ایک سو تیس ووٹ آئے ہیں۔ جبکہ مخالفت میں ایک ووٹ بھی نہیں ڈالا گیا۔ قومی اسمبلی کے معزز ارکان نے اس فتنہ کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سدباب کر دیا۔ پون صدی سے ملتِ اسلامیہ کے لیے دردِ سر بنا ہوا تھا۔

سینٹ میں بل کی منظوری

سات ستمبر کے دن ہی شام ساڑھے سات بجے سینٹ کا اجلاس بلایا گیا۔ سینٹ کی کارروائی کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا اور اس کے لیے موقع کے اعتبار سے مناسب آیات کا چناؤ کیا گیا۔ تلاوت اور ترجمہ کے بعد دوسری کارروائی کا آغاز ہوا۔ سرحد سے نیپ کے شہزاد گل پوائنٹ آف آرڈر پر کھڑے ہوئے کہ سینٹ نے ابھی یہ ترمیمی بل منظور نہیں کیا لیکن ریڈیو پاکستان نے اپنی خبروں میں اسے قومی اسمبلی سے منظوری کے بعد نافذالعمل قرار دے دیا ہے۔ یہ چیز سینٹ کے اختیارات میں مداخلت ہے۔ جناب عبدالحفیظ پیرزادہ نے جو مرکزی وزیر ہونے کے ناطے سے سینٹ میں بیٹھ سکتے تھے اس پر فوراً معذرت کا اظہار کرتے ہوئے صورتِ حال کو سنبھالا۔ جناب پیرزادہ قادیانی مسئلہ کے دوران رواداری سے معاملات کو درست رکھنے کے جو تجربے کیے اس کے پیشِ نظر ان کا یہ رویہ اب نیا نہیں رہا۔ سینٹ کے چیئرمین جناب حبیب اللہ خان نے حسبِ معمول ریمارکس دیئے جس کے بعد پیرزادہ نے قومی اسمبلی کا منظور شدہ بل ملک کے ایوان بالا سینٹ میں پیش کر دیا۔ اس پر نیپ سرحد کے سینیٹر بیرسٹر ظہور الحق نے مکمل تعاون کا یقین دلاتے ہوئے اس بات کی نشاندہی کی کہ ترمیمی بل کی فوری اہمیت کے پیش نظر بعض قواعد کو معطل کرنا پڑے گا۔ اس پر قواعد کو معطل کر سکتے ہیں۔ ترمیمی بل پر منظوری کے لیے دستوری ضروریات سے گزرتے ہوئے پہلے دو مرحلوں پر دوبار ایوان کے اندر رائے شماری ہوئی اور پھر حزبِ اختلاف کو قومی اسمبلی میں حزبِ اختلاف کے ارکان کی طرح Ayes کے دروازے سے گزرنا پڑا۔ رائے شماری کے اس مرحلے کے بعد سینٹ کے ارکان ایوان میں اپنی نشستوں پر بیٹھے تو سینٹ کے چیئرمین جناب حبیب

اللہ خان نے آئین میں ترمیم کا اعلان کرکے اکیس ووٹوں سے بہ اتفاق رائے مرزائیوں کے غیر مسلم اقلیت ہونے کا دستوری عمل مکمل کردیا قومی اسمبلی کی طرح سینٹ میں بھی کوئی ووٹ قرارداد کے خلاف نہیں آیا۔ ۵؎

آخر سات ستمبر 1974 کو وہ دن آ ہی گیا کہ جب علماء لدھیانہ کا دیا ہوا فتوی دنیا کے ہر مسلمان کی زبان پر تھا۔ پہلے تو یہ فتویٰ صرف علماء کی زبان پر یا کتابوں میں ملتا تھا لیکن اب دنیائے اسلام کی ایک بڑی سلطنت کے قانون میں جگہ پا گیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے پیروکار دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ الحمد اللہ۔

قیام پاکستان کے بعد اہم مناصب پر مرزائی تعینات تھے جنھوں نے تمام عدالتوں پر اپنا تسلط جمار کھا تھا۔ یہ اپنے آپ کو لبرل مسلمان کہتے تھے جنہوں نے تحریک آزادی میں معمولی سا بھی حصہ نہ لیا۔ انھیں اسلامی نظریات سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ 1953ء کی تحریک میں ہزارواں مسلمانوں کے شہید ہونے کے باوجود مسئلہ جوں کا توں رہا۔ ان حالات میں قضاۃ کا قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینا ایک بڑا اجہاد تھا۔

ان حالات میں غیرت مند مسلمان ججوں نے کچھ فیصلہ جات کیے، جن کا مختصر تذکرہ حسب ذیل ہے:

پاکستان میں پہلا عدالتی فیصلہ

اس سلسلے میں پہلا قدم شیخ محمد اکبر، ایڈیشنل جج، راولپیڈی نے اُٹھایا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعدالت شیخ محمد اکبر ایڈیشنل جج ضلع راولپنڈی سول اپیل نمبر 1955ء امتہ الکریم بنت کرم الٰہی راجپوت جنجوعہ مکان نمبر B/500، نیلہ۔ محلّہ ٹرنک بازار، بنام لیفٹیننٹ نذیر الدین ملک خلف ماسٹر محمد دین اعوان محلّہ کرش پورہ، راولپنڈی۔

مفصل فیصلہ

مسماۃ امتہ لکریم بنت کرم الٰہی (مدعا علیھم کے وکیل کے بیان کے مطابق وہ لوہار ہیں) کی شادی نذیر الدین ایک میٹریکولیٹ 5 ستمبر 1949ء بعوض دوہزار روپے مہر کے طے پائی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ دونوں کی رسم نکاح ایک حنفی مولوی نے سرانجام دی۔

درخواست کنندہ کے وکیل کے بیان کی رو سے مسٹر نذیر الدین جو کہ ایک ترکھان ہونے کے باوجو میٹریکولیٹ ہونے کی وجہ کو افواج پاکستان یں کمیشن مل گئی۔ یہ سوچ کر کہ اسے آگے چل کر اعلیٰ سوسائٹی میں مل جل کر رہنا ہوگا اور اس کے لیے اسے اپنے پاس ایک لوہار کی لڑکی کو رکھنے سے افسر اسے سوشل نہیں قرار دیں گے اس نے اپنی منکوحہ بیوی کو 16 جولائی 1951ء کو طلاق دے دی۔

مسماۃ امۃ الکریم نے اس کے علاوہ ان اشیاء کا معاوضہ حاصل کرنے کا دعویٰ بھی دائر کردیا جو اس کے والد نے شادی کے موقع پر جہیز میں دی تھی اور جن کی مالیت 4230 روپے بیان کی گئی ہے۔

شادی درست نہیں تھی

لیفٹننٹ نے تمام الزامات کی صحت سے انکار کر دیا اور یہ جواز پیش کیا کہ جہیز کی اشیاء میں سے اس کی ملکیت میں اب کچھ باقی نہیں ہے۔ جہیز کی واپسی کے متعلق یہ دلیل پیش کی گئی کہ شادی سرے سے ہی درست نہیں تھی کیونکہ یہ جعلسازی سے ہوئی اور اس وقت مسماۃ امۃ الکریم کو حنفیہ العقیدہ ظاہر کیا گیا تھا جب کہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کی پیروکار تھی اور اگر یہ جعلسازی ظاہر ہو جائے تو یہ شادی ایک مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان ختم ہو جاتی ہے۔

احمدی عورت سے شادی ممکن ہے؟

یہ ظاہر ہے کہ شادی بظاہر بہ رضا ور غبت ہوئی جس کے نتیجے کے طور پر اس پانچ سال کی لڑکی موجود ہے۔ مسماۃ امۃ الکریم نے اس جعل سازی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

لڑکی کے باپ نے عدالت میں تسلیم کیا کہ وہ حنفی العقیدہ ہے اس کے لیے یہ جواز بھی پیش کیا گیا کہ ایک مسلمان مرد اور احمدی عورت کے درمیان شادی غیر ممکن اور غیر مناسب نہیں ہے۔ اسے زیادہ سے زیادہ منسوخ کیا جا سکتا ہے لیکن قانون کی رو سے خاوند کو اس موقع پر عورت کو ہرجانہ دیا جانا ضروری ہے۔

لفٹیننٹ نذیر نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ درخواست دہندہ سے حق مہر کی رقم معاف ہو چکی ہے۔ دونوں پارٹیوں کی طرف سے فاضل جج کے سامنے مختلف دلائل پیش کیے گئے اور متعلقہ عدالت نے مندرجہ ذیل رائے ظاہر کی:

(۱) مدعا علیہ اور مدعا علیھم کے درمیان شادی دھوکے سے طے پائی تھی لہٰذا مدعا علیھم مدعیہ کو حق مہر ادا کرنے کا پابند نہیں۔

(۲) مبینہ جعلسازی کے ثابت ہونے پر بھی شادی منسوخ ہو جاتی ہے لیکن اس کا حق مہر پر کیا اثر پڑتا ہے، یہ امور توجہ طلب ہیں۔

(۳) کیا مدعا علیہ نے حق مہر معاف کر دیا تھا۔

(۴) آیا مدعا علیہ کے پاس حق مہر کے متعلق مدعا علیھم کا کوئی تحریری ثبوت موجود ہے اور اس کی قیمت کیا ہے؟

(۵) اگر جواب اثبات میں ہے تو مدعا علیہ کس آئین کے تحت اسے پاس رکھنے کی مجاز ہے۔

(۶) مقدمہ کی پیروی کے بعد میاں محمد سلیم سینئر سول جج، راولپنڈی نے کارروائی ختم کرتے ہوئے مندرجہ ذیل فیصلہ دیا۔

ماتحت عدالت کا فیصلہ

(۱) دونوں کے درمیان کسی جعل سازی کے ذریعے شادی طے نہیں پائی تھی۔

(۲) مدعا علیہ نے حق مہر کی رقم معاف نہیں کی تھی۔

(۳) جہیز 4203 روپے کی اشیاء مدعا علیھم کے پاس موجود ہیں۔ میں مسماۃ امۃ الکریم کی طرف سے میاں عطاء اللہ

ایڈووکیٹ اوراس کے علاوہ خواجہ محمد اقبال ایڈووکیٹ کے دلائل سنے، ہماری عدالت میں نذیر الدین ملک کی طرف سے مسٹر ظفر محمود پیش ہوئے۔ دونوں وکلاء میں سے کسی ایک نے بھی مندرجہ بالا عدالت کے فیصلے سے متعلق ایک لفظ تک ہمارے سامنے پیش نہیں کیا۔

متعلقہ عدالت کے فیصلے میں بھی یہ بتایا گیا ہے کہ قادیانی اہل کتاب نہیں کہے جا سکتے۔ مسماۃ امۃ الکریم مدعا علیہ قادیانی احمدی ہے، پس شادی کے موقع پر وہ غیر مسلم تھی، مدعا علیھم کے بیان کے مطابق یہ شادی قطعی غیر آئینی ہے۔ لٰہذا قانونی طور پر معاوضے کا مطالبہ قابل قبول نہیں ہے۔

اس فیصلے کی بنیاد پر میاں محمد سلیم نے مسماۃ امۃ الکریم کو 4203 روپے کی ڈگری عطا کر دی لیکن حق مہر حاصل کرنے کے متعلق اس کی اپیل کو مسترد کر دیا۔

مندرجہ بالا فیصلے کے بعد میری عدالت میں دو درخواستیں پیش کی گئی ہیں۔ مسماۃ امتہ الکریم نے حق مہر دو ہزار روپیہ کی رقم اپنے سابق خاوند سے حاصل کرنے کی درخواست دی۔ لیفٹیننٹ نذیر الدین نے اپنے جوابی دعوے میں ماتحت عدالت کے اس فیصلے کے خلاف درخواست دی کہ اسے جہیز کی 4203 روپے کی رقم ادا کرنے سے چھٹکارا دلایا جائے۔

مسماۃ امۃ الکریم کے خطوط اور شہادتوں کی بنا پر ظاہر ہوتا ہے کہ شادی کے موقع پر وہ قادیانی تھی۔ اس بنا پر میں ماتحت عدالت کے مندرجہ ذیل فیصلے کی تصدیق کرتا ہوں۔

ابتدائی بحث کے دوران میں درخواست کنندہ کے وکیل میاں عطاء اللہ نے مندرجہ ذیل سوالات کیے تھے۔

(ا) سب مسلمانوں کا فیصلہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ مسلمانوں کے آخری نبی ہیں اور یہ کہ ان کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا

(۲) یہ ایک "اجماع" مسلمانوں ہیں نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کو آخری نبی تسلیم نہ کرے، وہ مسلمان نہیں،

اسلامی عقائد پیرا نمبر 1 کی رو سے۔

(۳) متعلقہ عدالت کے فاضل جج نے یہ فیصلہ دیا کہ اسلامی عقائد کا اصول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی پیغمبر نہیں آیا اور نہ آسکتا ہے۔

یہ عقیدہ خاتم النبیین کہلاتا ہے جس کو قرآن کریم میں ہمارے محمد ﷺ کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ ٦؎

لیکن قادیانی اس فقرے کو خاتم النبیین کہتے ہیں جس کا مطلب پیغمبر کی مہر لیا جاتا ہے۔ ان کی اس دلیل کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول خدا ﷺ کے بعد پیغمبروں کی آمد کو بند نہیں کیا۔ ان کے بیان کے مطابق مرزا غلام احمد قادیانی ان پیغمبروں میں سے ایک ہیں جنھیں رسول خدا ﷺ کے بعد سے رسالت کا منصب ودیعت کیا گیا جو قرآن کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے کوئی روحانی پیغام تو لے کر نہیں آئے لیکن اللہ کی طرف سے انھیں خفیہ طور پر پیغامات موصول ہوتے رہے۔ اس قسم کے پیغمبر کو وہ ظلی نبی کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسا پیغمبر جسے اللہ کی طرف سے آزادانہ طور پر پیغامات موصول ہوتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل

یہ تمام بیان مرزاغلام احمد قادیانی کی لکھی ہوئی کتاب سے لیا گیا ہے جو انھوں نے اپنا دعویٰ درست ظاہر کرنے کے لیے لکھی تھی اور اسے فاضل جج نے خاص طور پر نوٹ کیا۔

پہلے میں بھی اس دعویٰ کا مؤید تھا کہ یسوع مسیح ایسا مرتبہ نہیں رکھتا کیونکہ وہ پیغمبر تھا اور اللہ تعالیٰ کے قریب تھا اور اگر مجھے اس پر اپنی برتری کے کچھ نشانات بھی نظر آئے تو میں اسے اپنی جانبداری پر محمول کرتا۔

لیکن جب اللہ تعالیٰ کے پیغامات مجھے موسلا دھار بارش کی طرح موصول ہونے لگے تو میں اس یقین کو تسلیم کیے بغیر نہ رہ سکا اور آخر کار مجھے پیغمبر کا لقب دیا گیا۔ ے

سب مسلمان کافر ہیں

اور یہ ظاہر کرنے کے لیے مرزاغلام احمد کے پیروکاران کے متعلق کیا سوچتے ہیں۔ یہ بہتر معلوم ہوگا کہ قادیانیوں کے دوسرے خلیفہ مرزابشیر الدین احمد محمود کے چند ایک بیانات نقل کیے جائیں۔

یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان تصور نہ کریں اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کردیں کیونکہ ہمارے عقیدے کے مطابق وہ کافر ہیں۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ایک پیغمبر کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا ہے متعلقہ عدالت نے یہ بھی د یکھا کہ احمدیوں کے عقائد دوسرے مسلمانوں سے بالکل مختلف ہیں اور دورنگی پیغمبری سے متعلق اور زیادہ واضح ہے۔

مدعا علیہ کے وکیل نے اپنی درخواست میں کہا ہے کہ قادیانی مسلمانوں کا ہی کا ایک فرقہ ہیں لیکن یہ بیان مرزاغلام احمد قادیانی کی آمد کا نہایت مختصر عرصہ میں دیا گیا پس یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا عام طور پر مسلمانوں کی اکثریت قادیانیوں کے اس اصول کے مخالف ہے۔ ماتحت عدالت بلاخوف تردید یہ کہہ سکتی ہے کہ مسلمانوں کے دوسرے فرقوں میں سوائے احمدیوں کے کسی نہ کسی موقعہ پر یہ ضرور کہا ہے کہ احمدی غیر مسلم ہیں۔

متعلقہ عدالت کے فیصلے کی رو سے یہ چیز ایک پمفلٹ موسومہ مرزائیوں سے شادی جائز نہیں۔ اسلام کے تمام فرقوں کے علماء کے فتوے شامل ہیں اور یہ اہل حدیث امرتسر کی طرف سے 1935ء میں شائع کیا گیا۔ اس کے علاوہ اس پر مستزاد صاف طریقہ پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔

ایک اور فاضل جج کا فیصلہ

جب کہ بہاولپور کے فاضل جج نے 1935ء میں مسماۃ عائشہ بنام عبدالرزاق کا فیصلہ سناتے ہوئے رائے دی تھی اور جسے بعد ازاں کتابی صورت میں شائع کردیا گیا تھا۔ اس میں مسلمانوں اور قادیانیوں کے عقائد کا مختلف فتوؤں میں تجزیہ کیا گیا۔

اس کے بعد عدالت نے یہ ضروری سمجھا کہ ان حالات کا بھی جائزہ لیا جائے جن کے ماتحت قادیانیوں کے خلاف ملک گیر ایجی ٹیشن شروع ہے اور اسکے علاوہ مسلمانوں میں ہر مکتب فکر کے علماء کی کانفرنس میں متفقہ طور پر فیصلہ کیا گیا کہ قادیانی مسلما نوں کے قریب کسی بھی اسلامی فرقے کے پیروکار نہیں ہیں بلکہ وہ مکمل طور پر ایک غیر اسلامی عقیدے کے حامل ہیں۔ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے اعلان کے مطابق بآسانی یہ کہا جاسکتا ہے کہ قادیانی غیر مسلم ہیں۔

آگے فاضل جج محمد اکبر مذہبی بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

(۱) مسلمان کے خیال کے مطابق قادیانی کافر گردانے جاتے ہیں اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھے جاتے ہیں کیونکہ حضرت محمد ﷺ کے بعد ایک اور نبی آخر ہونے کا اعلان رکھتے ہیں۔

(۲) مرزا غلام احمد اور تشریعی نبوت کا دعویٰ۔

(۳) یہ دعوی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام مرزا صاحب کے پاس وحی لے کر آتے تھے اور وحی قرآن کی حیثیت ہے۔

(۴) مختلف طریقوں سے حضرت عیسی علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی توہین۔

(۵) حضرت رسول کریم ﷺ اور ان کے مذہب سے متعلق توہین آمیز فقرات۔

(۶) قادیانیوں کے علاوہ تمام مسلمانوں کو کافر کہنا۔

1953ء کے فسادات کے دوران میں اور 1954ء میں تحقیقات سے قبل قادیانیوں نے اپنی اصلیت کی طرف رجوع کیا اور تحقیقاتی عدالت کے انہوں نے اپنے بانی کے اقوال سے انحراف اور تبدیل کرنے کی سعی کی۔ مذکورہ بالا بحث و تمحیص مجھے مندرجہ نتائج پر لاتی ہے جو درج رجسٹر کر رہا ہوں۔

1۔ مسلمان اس بات پر قطعی متفق ہیں کہ حضرت محمد ﷺ خدا کے آخری نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

2۔ مسلمان اس بات پر قطعاً متفق ہیں کہ کوئی بھی شخص رسول اکرم ﷺ کے بعد کسی بھی نبی کی آمد پر اعتقاد رکھتا ہے وہ مسلمان نہیں ہے۔

3۔ مسلمان اس بات پر قطعی متفق ہیں کہ کوئی قادیانی مسلمان نہیں ہو سکتا۔

4۔ اپنے ان اقوال اور تحریروں کے سائے میں جو مرزا غلام احمد قادیانی کی ہے یا ان کے جانشینوں اور پیروکاروں کی ہے۔ یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ مرزا غلام احمد کو اس طرح وحی کا نزول ہوتا تھا کہ جیسے کہ وحی نبوت تھی۔

5۔ خود مرزا صاحب کی طرف سے ان کی نبوت کی تردید و تکذیب ہو جاتی ہے۔

6۔ مرزا صاحب نے اپنی حیثیت کا اظہار ایک مکمل نبی کی طرح کیا ہے جیسا کہ عالمگیر حیثیت رکھنے والے نبیوں کو ہے۔

7۔ ہمارے نبی آخر الزمان کے بعد وحی نبوت کا نزول ناممکن ہے اور جس کا اس امر پر ایمان نہیں ہے، وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

مندرجہ بالا بحث اور نتائج کی روشنی میں خیال کرتا ہوں کہ بڑے محتاط طریقے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ٹرائل کورٹ کی طرف سے جو فیصلہ صادر کیا گیا تھا وہ قطعاً درست ہے امۃ الکریم کی اپیل میں کوئی وزن نہیں اس لیے میں اسے خارج کرتا ہوں۔

جہاں تک لیفٹیننٹ نذیر الدین کی اپیل کا تعلق ہے۔ مجھے مسٹر مظفر محمود ایڈووکیٹ نے اس سے متعلق بہت امور بتائے امۃ الکریم کی جہیز کی چیزیں اس کے قبضے میں ثابت ہوتی ہیں ان کی قیمت بہت محتاط طریقے سے لگائی گئی ہے۔ مجھے اس کی اپیل میں بھی کوئی وزن نظر نہیں آتا لہٰذا میں اسے بھی خارج کرتا ہوں جبکہ دونوں پارٹیاں اپنی اپیلوں میں وزن نہیں رکھتیں میں مقدمے

کے اخراجات کی ادائیگی کے لیے کوئی احکامات صادر کرنا پسند نہیں کرتا۔ کلکٹر راولپنڈی ڈسٹرکٹ کو اطلاع دی جائے کہ وہ کورٹ فیس برآمد کرلیں۔۸؎

محمد اکبر ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج، راولپنڈی، 3جون 1955ء

اسی سلسلے میں دسرا عدالتی فیصلہ کراچی جیمس آباد کے سول جج شیخ محمد رفیق گوریجہ نے تنسیخ نکاح کے مقدمے یں اٹھایا اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا۔اس فیصلے کے متن کو مختصراً ذکر کیا جاتا ہے یہ فیصلہ 1969ء کو سنایا گیا۔

دوسرا فیصلہ احمدی غیر مسلم ہیں

تنسیخ نکاح کے مقدمہ میں سول جج جیمس آباد کے فیصلہ کا متن

کراچی جیمس آباد کے سول جج شیخ محمد رفیق گوریجہ (پی سی ایس) نے جنہیں فیملی کورٹ جج کے اختیارات بھی حاصل ہیں ایک احمدی مرد کے ساتھ مسلمان لڑکی کے نکاح کو ناجائز اور غیر قانونی قرار دیتے ہوئے جو فیصلہ دیا ہے

فیملی کورٹ نمبر9، 1969ء

مسماۃ امۃ الھادی دختر سردار خان مدعیہ

بنام حکیم نذیر احمد برق، مدعا علیہ

مقدمہ برائے تنسیخ نکاح

فیصلہ:

مدعیہ نے یہ مقدمہ مدعا علیہ کے ساتھ اپنے نکاح کی تنسیخ کے لیے مندرجہ ذیل امور کی بناء پر دائر کیا ہے۔ یہ کہ 22مارچ1969ء کو جب مدعیہ کی عمر بمشکل ساڑھے چودہ برس تھی اس کے والد نے محمڈن لاء کے تحت اس کی شادی مدعا علیہ کے ساتھ کردی۔

مدعیہ کا والد ایک ضعیف شخص ہے اور اپنا ذہنی توازن کھو چکا ہے اور اپنی روزی کمانے کے لائق نہیں ہے اس لیے مدعیہ اور اس کے دوسرے بہن بھائیوں کی پرورش اس کے بڑے بھائی نے جو سرکاری ملازم ہے، مدعیہ کا والد مدعا علیہ کے روحانی اثر میں ہے جس کی عمر ساٹھ سال ہے اور جو خود کو ایسا مذہبی مصلح قرار دیتا ہے جس کے روابط اللہ تعالی سے ہیں۔مدعیہ کا والد عرصہ دراز سے مدعا علیہ کے ساتھ ہے اور اس پر ایمان رکھتا ہے اور مذہبی اختلافات کے باعث اس کے تعلقات کنبے کے دوسرے افراد کے ساتھ خوشگوار نہیں ہیں ۔ مدعیہ اپنے بھائی کے ساتھ کنری میں رہائش پذیر ہے اور وہ اپنے باپ کو دیکھنے کے لیے گئی تھی جب مؤخرالذکر نے اس کی شادی مدعا علیہ کے ساتھ کردی۔

شادی کے فوراً بعد مدعیہ اپنی ماں کے پاس واپس آگئی اور اسے دھوکے کی اس شادی اور اس سے اپنی ناراضگی کے بارے میں مطلع کیا۔ مدعا علیہ اور مدعیہ کے درمیان میاں بیوی کے تعلقات ابھی تک قائم نہیں ہوئے تھے۔ مدعا علیہ ساٹھ سال کی عمر کا ایک بوڑھا ہے اور مدعیہ کی برادری کا آدمی نہیں ہے۔ ان کے درمیان مذہبی اختلافات کے علاوہ مدعا علیہ اور مدعیہ کے بھائی میں اس شادی کی بناء پر طویل عرصے تک فوجداری مقدمہ بازی ہوتی رہی ہے اور یہ کہ مدعیہ اس شادی کے نتیجے میں مدعا علیہ کے

ساتھ خوش نہیں رہ سکتی۔ مدعا علیہ نے دو سال سے زائد عرصے تک مدعیہ کو خرچ وغیرہ بھی نہیں دیا ہے۔ یہ کہ مدعیہ اب سنِ بلوغ کو پہنچ چکی ہے۔ وہ اس عدالت کے دائرہ اختیار میں ہے اور اب اس نے اس مقدمہ کے ذریعے اپنا حقِ بلوغت استعمال کیا ہے یہ کہ بصورتِ دیگر بھی فریقین کے درمیان یہ شادی غیر قانونی اور ناجائز ہے۔ کیونکہ مدعیہ سنی مسلمان ہے اور مدعا علیہ احمدی قادیانی ہے۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ زیرِ نظر مقدمہ میں فریقین کے درمیان شادی اسلام میں قطعی پسندیدہ نہیں اور قرآن پاک اور احادیث نبویہ کی تعلیمات کی رو کے منافی ہے کیونکہ فریقین نہ صرف مختلف نظریات کے حامل ہیں بلکہ ان کے عقائد بھی ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں اور یہ بات اس رشتے کے لیے سم قاتل کا درجہ رکھتی ہے جیسا کہ میں پہلے واضح کر چکا ہوں۔ اسلام میں کسی مسلمان کے لیے جنسی مخالف کے ساتھ شادی کے سلسلے میں متعدد پابندیاں عائد کی گئی ہیں اور کسی صورت میں بھی کوئی مسلمان عورت کسی غیر مسلم مرد سے شادی نہیں کر سکتی۔ جن میں یہودی عیسائی بت پرست شامل ہیں اور ایک مسلمان عورت اور غیر مسلم مرد کا نکاح اسلام کی نظر میں غیر موثر ہے۔ اندریں حالات ہیں یہ قرار دیتا ہوں کہ اس مقدمے کے فریقین کے درمیان اسلامی شادی نہیں بلکہ یہ سترہ سال کی ایک مسلمان لڑکی کی بیس سال کے ایک غیر مسلم (مرتد) کے ساتھ شادی ہے۔

لہٰذا یہ شادی غیر قانونی اور غیر موثر ہے۔ مندرجہ بالا امور کے پیش نظر مسئلہ نمبر 7-403 اور 8 ساقط ہو جاتے ہیں اور ان پر غور کی ضرورت نہیں۔

مندرجہ بالا بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ مدعیہ جو ایک مسلمان عورت ہے کی شادی مدعا علیہ کے ساتھ جس نے شادی کے وقت خود اپنا قادیانی ہونا تسلیم کیا ہے اور اس طرح جو غیر مسلم قرار پاتا ہے، غیر موثر اور اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں اور مدعیہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مدعا علیہ کی بیوی نہیں۔

تنسیخ نکاح کے بارے میں مدعیہ کی درخواست کا فیصلہ اس کے حق میں کیا جاتا ہے اور مدعا علیہ کو ممانعت کی جاتی ہے کہ مدعیہ کو اپنی بیوی قرار نہ دے۔ مدعیہ اس مقدمے کے اخراجات بھی وصول کرنے کی حق دار ہے۔

سابقہ نظائر

فیصلہ صادر کردہ مسٹر اکبر ڈسٹرکٹ جج، بہاول نگر

فیصلہ صادر کردہ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج کیمل پور

حوالہ جات

ترجمہ قرآن مجید از مسٹر پکتھال

مرزا غلام احمد کی تصانیف کے تراجم اور عبد اللہ الہ دین

یہ فیصلہ 13 جولائی کو شیخ محمد رفیق گوریجہ کے جانشین جناب قیصر احمد حمیدی نے جو ان کی جگہ جیمس آباد کے سول اور فیملی کورٹ جج مقرر ہوئے، کھلی عدالت نے پڑھ کر سُنایا۔ [9]

حوالہ جات

۱۔ روز نامہ مشرق لاہور، یکم مئی 1973

۲۔ روز نامہ نوائے وقت لاہور 2 ستمبر 1974 ، ہفت روزہ چٹان لاہور، 8 ستمبر 1974

۳۔ ماہنامہ ضیائے حرم، دسمبر 1974 ، روز نامہ نوائے وقت 8 ستمبر 1974

۴۔ عبدالحفیظ پیرزادہ، آئین پاکستان میں ترمیم کے لیے ایک بل، انچارج لاہور

۵۔ بحوالہ بھٹو اور قادیانی مسئلہ ، مطبوعہ جنگ پبلشرز لاہور، ص150

۶۔ فیاض اختر ملک، پاکستان کے تاریخی عدالتی فیصلے، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان1993

۷۔ مرزا غلام احمد قادیانی، حقیقۃ الوحی، ص50-49 مطبوعہ قادیان1907

۸۔ تلخیص مطبوعہ رسالہ فرزندان توحید، کراچی 1960

۹۔ تلخیص پمفلٹ شائع کردہ ادارہ نشریات اسلامیہ ملتان1960

خلاصۃالبحث

باب اول میں مناظرہ کا مفہوم اسکے بارے میں علماء کی آراء اور مناظرہ کی اقسام کو زیر بحث لایا گیا ہے۔اسکے ساتھ مناظرہ کے آداب مناظرہ کے اصول اور مختلف اسالیب پر طائرنہ انداز سے جائزہ لیا گیا ہے۔

برصغیر میں مناظراتی ادب کے حوالے سے ہندوستان میں مسیحوں سے قبل مسلمانوں کے ہندوئوں سے مناظرے رہے اس کے ساتھ دربار اکبری میں مسلمانوں کے دیگر مذاہب مثلاً ہندو۔ عیسائی۔آریہ سماج کے ساتھ مختلف موضوعات پر مناظرے ہو رہے تھے ان کو اس مقالہ میں زیر بحث لانے کی سعی کی گئی ہے۔چونکہ اس انگریز کے دور حکومت میں مسلم مسیحی مناظرے عروج پر تھے اسی عرصہ میں مرزا صاحب نے عیسائیوں کے ساتھ مناظروں کا سلسلہ شروع کیا۔اس کے ساتھ دیگر مذاہب سے چھیڑ چھاڑ شروع کردی۔ یہاں تک مرزا صاحب نے مختلف الہامات کے ہونے کا دعوی کردیا اس پر بحث کی گئ ہے۔

دوسرے باب میں انیسویں صدی کے نصف ثانی کے بعد برطانوی حکومت کے قیام کے نتیجے میں پیدا ہونے والی سیاسی صورتحال اور مختلف تحریکات کی نمو پذیری کا جائزہ لیا گیا ہے انگریز کی سیکولر پالیسی کے نتیجے میں عیسائی مشنریوں نے اپنی جارہانہ تبلیغ شروع کی جس کے جواب میں نوااعتزالی رجحانات کا ظہور ہوا۔ مسلم علماء نے زیادہ تر عقلیت کی بنیاد پر کئ باتوں کا انکار کیا جن میں معجزات ،فرشتوں کا وجود اور دوسری کئ باتیں شامل تھیں ان کا یہ طرز عمل معذرت خواہانہ تھا اور یہی چیز ہمیں جہاد کے اسلامی تصور کے دفاع میں ملتی ہے مذہبی تصادم اور مختلف فرقوں کے عقائد اور ختم نبوت کے ضمن میں ان کی اجتماعی کوششوں کا بھی جائزہ لیا گیا۔

اہل قرآن ، اہل حدیث ، دیوبند ،.بریلوی اور مسلمان کے دیگر مذہبی اور فرقہ ورانہ تنازعات کا جائزہ لیا گیا ہے ان تحریکوں کے ساتھ ساتھ ہندووں کی اصلاحی تحریکیں آریہ سماج ،.برہمو سماج کی سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے۔جن کا زیادہ رخ مسلمانوں کی طرف تھا ان تحریکوں کے بانیوں خصوصا سوامی دھاند نے جو آریہ سماج کا بانی تھا مختلف مذاہب کے خلاف رسوائے زمانہ کتاب ستیار تھ پرکاش تصنیف کی۔اس مذہبی مناقشات کے دور میں ہر فرقے اور ہر جماعت نے حصہ لیا۔

مرزاغلام احمد قادیانی کے خاندانی پس منظر ان کے انگریزوں سے روابط احمدیت کی سیاسی نوعی اور ان کی تحریک کے ابتدائی دور کا جائز لیا گیا ہے۔اور اس کے علاوہ یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی گئ ہے کہ مرزا صاحب کے تمام بنیادی دعاوی تضادات اور بدنیتی پر مبنی ہیں اس کے علاوہ مرزا صاحب کے مسیح ہونے کے مختلف محرکات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

باب سوم میں علماء اسلام جنہوں نے وقت کی نزاکت کے پیش نظر فتنہ قادیانیت کا سد باب کرنے کے لیے کاوشیں کیں ان کی مساعی جمیلہ کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

باب سوم کے فصل دوم میں مسلمان مناظرین کی تالیفات پر بحث کی گئ ہے۔

باب سوم کی فصل سوم میں مسلم اور قادیانی حضرات کے درمیان ہونے والے اہم مناظروں اور مباہلوں کو زیر بحث لایا گیا ہے

باب چہارم کی فصل اول میں قادیانی ربیوں کا تعاف پیش کیا گیا ہے جبکہ فصل دوم میں قادیانی مناظرین کی تالیفات کا ذکر کیا گیا ہے۔اور قادیانی ادب میں مختلف رسائل کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ جبکہ فصل سوم میں مختلف مناظروں پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔

باب پنجم میں تحریک ختم نبوت کا سیاسی سطح پر تجزیہ کیا گیا ہے اور 1953 سے 1973 کی تحریک ختم نبوت کو بیان کیا گیا ہے قادیانیوں کی سازشوں اور ان کے مذہبی پروپیگنڈے کے ساتھ ان کے داخلی ہتھکنڈے کو بھی بے نقاب کیا گیا ہے۔ قادیانیت کا تقسیم ہند سے اور پاکستان کے قیام کے بعد سیاسی جائزہ لے کر اس تحریک کی بڑی بڑی سازشوں کو طشت از بام کیا گیا ہے۔ تقسیم ہند سے بھی قبل انگریزی سامراج کے زیر سایہ مسلمانوں کے خلاف قادیانی سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے اور قیام پاکستان کے بعد بھی ان کا ریشہ دوانیاں روز روشن کی طرح واضح ہیں۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ تحریک ہی اسلام کے خلاف ایک مذہبی دینی اور سیاسی سازش ہے اور امت مسلمہ کو اس سازش سے ہر مرحلے پر اگاہ کر دینا ضروری ہے۔

نتائج تحقیق

بر صغیر میں ''مسلم۔ قادیانی مناظرانہ ادب'' کے زیر عنوان مقالہ کی تکمیل کے بعد جو نتائج فکر سامنے آئے ہیں ان کا مختصر تعارف حسب ذیل ہے۔

1۔ بر صغیر کی مذہبی و سیاسی تاریخ میں انگریز عہد حکومت کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔

2۔ اس مناظراتی ادب میں مرزا صاحب کی ذاتی شخصیت احمدی حضرات کی مالی بدعنوانیاں، اخلاقی کج روی اور باہمی اختلافات جو اس ادب کا حصہ ہیں۔ اس کے باعث مسلمان مرزائیت کی اصلیت سے اگاہ ہوئے ہیں۔

3۔ اس مناظراتی ادب کے باعث کئی تالیفات، رسائل، اخبارات اور مناظروں کی روداد یں تحریری شکل میں سامنے آئیں۔

4۔ انگریزوں کی آمد مناظراتی ادب کے وجود کا باعث بنا۔

5۔ حیات وممات مسیحؑ کے مسئلے پر قادیانیوں نے آیات وآحادیث اور علماء ربانیین کی تعلیمات کی اپنے عقیدے کی رو سے تاویلات کیں اور مسلم علماء نے رد میں ان کے استدلال کی کمزوریوں کو واضح کیا۔

6۔ قادیانی مناظرانہ ادب تلبیس، کذب بیانی اور بے جاالزام تراشی کے عناصر پر مشتمل ہے اس کے برعکس مسلم مناظرانہ ادب شرافت، علمیت کے اوصاف کا حامل ہے۔

7۔ قادیانی مناظرانہ ادب کمزور دلائل پر مبنی ہے جس میں قرآن وحدیث اور علماء کے اقوال کی غلط تاویلات کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا گیا۔

8۔ مسلم، قادیانی مناظرانہ ادب کے ذریعے مسلمان اپنے علماء کی اعلیٰ علمی خدمات سے واقف ہوئے کہ کس طرح انہوں نے قادیانی ربیوں کے ملحدانہ نظریات کا بھرپور دفاع کیا۔

9۔ قادیانی مناظرین کو بر صغیر کی انگریز حکومت کی سرپرستی حاصل تھی جبکہ مسلم مناظرین ذاتی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے تھے۔

10۔ مسلم قادیانی مناظرانہ ادب کے دوران اصول تفسیر اور اصول حدیث کی مختلف مباحث سامنے آئیں اور مسلم علماء نے ان کی غلط روش کا محاکمہ کیا ہے۔

11۔ مناظرانہ ادب کے دوران ختم نبوت کی حجیت پر دلائل وبراہین کا ایک وقیع مجموعہ تیار ہوا جو متقدمیں کی کتب میں منتشر صورت میں تھا اس کی تدوین وترتیب ایک منظّم شکل میں سامنے آئی۔

12۔ مناظراتی ادب کے نتیجے ہیں علم کلام کے انطباق کی ایک نئی جہت سامنے آئی اور قادیانیوں کے شبہات واعتراضات کے رد میں وقیع کلامی ادب مرتب ہوا۔

13۔ قادیانی ربیوں کو مناظرے کا سلسلہ شروع کرتے وقت علماء ربانیین کی علمی حیثیت کا اندازہ نہ تھا آخر کار مسلم علماء نے ان کو آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دینے میں کامیاب ہو گئے جس سے ان کے مذہب کی اشاعت کی رفتار سست ہو گئی۔

14۔ قادیانیوں کے باہمی اختلافات (مرزائی گروپ اور لاہوری گروپ) کی حقیقت اجاگر ہو کر مسلمانوں کے سامنے آئی۔

15۔ مناظراتی ادب سے اہل اسلام میں ختم نبوت کی اہمیت کا شعور پیدا ہو گیا۔

16۔ مناظراتی ادب کے نتیجے کے طور پر اہل اسلام اسلامی عقائد و نظریات کی صحیح ترجمانی کرنے کی طرف زیادہ معقول انداز میں راغب ہوئے۔

17۔ مناظراتی ادب میں قادیانیوں کی تقسیم ہند سے قبل اور مابعد سیاسی بالادستی کے حصول میں کاوشوں کا تفصیلی ریکارڈ سامنے آیا ہے۔

18۔ مسلم قادیانی مناظرانہ ادب میں وہ مقدمات بھی شامل ہیں جس میں قادیانیوں کے خلاف فیصلے ہوئے اور یہ امر مسلمانوں

اور قادیانیوں کی مذہبی معاشرتی و سماجی انفصال پر منتج ہوا اور آخر کار ان کو قانونی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔

سفارشات

1۔ قادیانیت کا مطالعہ صرف مذہبی اعتبار کے حوالے سے ضروری نہیں بلکہ سیاسی معاشرتی اور سماجی پہلوؤں کے حوالے سے بھی ضروری ہے۔ اعلی سطح پر ایسے موضوعات پر تحقیق کرنے کی ضرورت ہے تاکہ طلباء اور معاشرے کے دیگر افراد کو علمی اور فکری اعتبار سے اگاہی حاصل ہو۔

2۔ محقق علماء کی ایک ایسی جماعت ہو جو قادیانیت کا گہرا مطالعہ رکھتی ہو اور ان کی منفی سرگرمیوں پر گہری نظر رکھتی ہو۔

3۔ قادیانیوں کا اسلامی عقائد اور تعلیمات کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کرنا ان کا مقصود اصلی ہے اس لیے اس پر عام فہم زبان میں لٹریچر تیار کیا جائے اور اسے عام کیا جائے تاکہ عام مسلمان ان کے فتنوں سے محفوظ رہیں۔

4۔ مرزائیت کے بنیادی عقائد انسانی عقل اور فطرت کے خلاف ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کے عقائد کا اس نقطہ نظر سے جائزہ لیا جائے۔

5۔ مناظرانہ ادب کے باعث اسلام کی اہم خصوصیات پوری اب و تاب کے ساتھ نکھر کر سامنے آئی ہیں۔ ان کو مربوط شکل میں مستقل کتب کی شکل میں شائع کیا جائے۔

6۔ اس ادب کے نتیجے میں علم کلام کے انطباق کی ایک نئ جہت سامنے آئی ہے اور قادیانیون کے شبہات و اعتراضات کے رد میں کلامی ادب کو مرتب کیا جائے تاکہ مسلمان ان کی غلط تاویلات سے بچ سکیں۔

7۔ عصر حاضر میں علم کلام میں اس ادب سے استفادے کی صورتیں ہو سکتی ہیں اس پر تحقیق کی ضرورت ہے۔

8۔ مغربیت نے ہر دور میں ایسے مذاہب کو اپنے مخصوص مقاصد کے لیے ایک آلہ کے طور پر استعمال کیا ہے اس لیے اہل مغرب کی اس ذہنی رویے پر گہرے غور و غوض کی ضرورت ہے۔

9۔ برصغیر میں انگریزی قوتوں نے قادیانیت کی سرپرستی کیوں کی ان کے سیاسی رویے کے پس پشت مقاصد کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔

10۔ آج دنیا میں گمراہ اور ملحد جماعتوں کو مغربی طاقتوں کی سرپرستی حاصل ہے جو کہ مغربی استعمار کے ایجنٹ کے طور پر مصروف عمل ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مغرب کی اس حکمت عملی پر غور کیا جائے۔

11۔ تعلیمی و تدریسی اداروں میں جہاں عقائد اور علم کلام کی تعلیم دی جاتی ہے وہاں ان کے نصاب میں گمراہ اور ملحد خصوصاً قادیانیت جماعتوں کا تعارف اور مقاصد نصاب میں شامل کیے جائیں تاکہ طلباء ان کی حقیقت سے واقف ہوں۔

12۔ احمدیوں کے ساتھ نفرت اور سختی کا معاملہ کرنے کی بجائے ان کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنا چاہیئے اور ان کو ان کے خود ساختہ مذہب کے بانی کے تضادات کو احسن انداز سے متعارف کروایا جائے تاکہ حقیقت حال سے اگاہ ہو کر دین اسلام کی طرف آسکیں۔

مصادرومراجع

قرآن مجید

احادیث:

☆ جامع ترمذی، نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، امام ابو عیسی ترمذی
☆ سنن ابو دائوٗد مطبع کارخانہ تجارت کتب کراچی، امام ابو دائوٗد سلیمان بن اشعث
☆ صحیح بخاری، مطبوعہ نور محمد اصح المطالع کراچی، ۱۳۸۱ھ امام عبداللہ محمد بن اسماعیل۔
☆ صحیح مسلم، مطوبعہ نور محمد اصح المطالع کراچی ۱۳۷۵ھ امام مسلم بن حجاج قشیری۔

تفاسیر:

☆ بیضادی، انور التنزیل، مطبوعہ دار الفکر ۱۴۱۰ھ ناصر الدین ابی سعید عبد اللہ بن عمر بن محمد شیرازی
☆ تفسیر خازن، مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور، علی بن محمد خازن شافعی
☆ تفسیر روح المعانی دار احیاء التراث العربی، بیروت، علامہ سید محمود آلوسی حنفی۔
☆ تفسیر کبیر، مطبوعہ دالالفکر، بیروت ۱۳۹۸ھ امام فخر الدین رازی شافع

لغات:

☆ المفردات، مطبوعہ المکتبۃ، المرتضویہ، ایرن ۱۳۴۲ھ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی
☆ لسان العرب، مطبوعہ نشرادب الحوذۃ، قم ایران ۱۴۰۵ھ علامہ ابن منظور مصری
☆ مختار الصحاح، دار الکتتب العربی، بیروت لبنان، محمد بن عبد القادر الرزی

کتابیات

☆ احمد تحریک پر تبصرہ۔ محمد قاضی نذیر۔ ضیاء الاسلام پریس ربوہ
☆ احمدیت۔ محمد قاضی نذیر۔ ضیاء الاسلام پریس ربوہ
☆ اربعین، مطبع میگزین، قادیان ۱۹۰۶ء مرزاغلام احمد قادیانی
☆ ازالہ اوہام، تسر مطبع ریاض ہند، ۱۸۹۱ء مرزاغلام احمد قادیانی
☆ اسلام اور قادیانیت کا ایک تقابلی مطالعہ۔ مولانا عبد الغنی پٹیالوی۔ القادر پرنٹنگ پریس کراچی نومبر 1978ء
☆ اعجاز احمد، مرزاغلام احمد قادیانی، مطبع ضیاء الاسلام قادیان، ۱۹۰۲ء
☆ افادۃ الافہام۔ مولانا انوار اللہ خان۔ اشاعۃ العلوم حیدر آباد دکن۔
☆ اقبال اور قادیانیت۔ شورش کاشمیری۔ مکتبہ چٹان پریس لاہور 1974ء
☆ اقبال اور قادیان۔ نعیم آسی۔ مسلم اکادمی سیالکوٹ مکتبہ جدید پریس لاہور 1974ء
☆ التصریح تواتر فی نزول المسیح علامہ انور شاہ کشمیری، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، باب الحدید

مکتبہ النھضۃ ۱۹۶۵ء

☆ الحق الصریح فی حکایت المسیح۔ مولوی بشیر احمد سہوانی۔ انصاری پریس دہلی 1309ھ

☆ الخبر الصحیح عن قبر المسیح۔ مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی روز بازا سٹیم پریس امرتسر

☆ القادیانیۃ امان الہی ظہیر مکتب المطبوعات الاسلامیہ، باب الحدید مکتبہ النھضۃ ۱۹۶۵ء

☆ القول المبین فی تفسیر خاتم النبیین۔ ابوالعطا جالندھری ضیاء الاسلام پریس ربوہ

☆ الکاویہ علی الغاویۃ، چودھویں صدی ہجری کے مدعیان نبوت کے مختصر تاریخی حالات، محمد عالم آسی،
انجمن خدام الحنفیۃ ہاتھی دروازہ امرتسر ۱۹۳۴ئ

☆ النبوۃ فی الاسلام۔ مولوی محمد علی لاہوری۔ احمدیہ انجمن اشاعت الاسلام لاہور 1974ء

☆ امام مھدی کا ظہور۔ محمد اسد اللہ قریشی۔ ضیاء الاسلام پریس ربوہ

☆ انجام اٰتھم، مرزا غلام احمد قادیانی، مطبع ضیاء الاسلام، قادیان ۱۸۹۶ء

☆ انسائیکلوپیڈیا آف ورلڈ ہسٹری ولیم اینڈ لینگز۔ 1972ء لندن

☆ انوار الحق۔ مولانا انوار اللہ خان۔ شمس الاسلام حیدر آباد دکن

☆ انوار خلافت۔ مرزا بشیر الدین محمود مطبوعہ امرتسر 1916ء

☆ ایام الصلح، مرزا غلام احمد قادیانی، مطبع ضیاء الاسلام قادیان ۱۸۹۹ء

☆ ایک غلطی کا ازالہ، مرزا غلام احمد قادیانی، مطبع ضیاء الاسلام، قادیان ۱۹۰۱ء

☆ آریہ ھرم، امرتسر، مطبع ریاض، ہند ۱۸۹۱ء مرزا غلام آحمد قادیانی

☆ آسمانی فیصلہ، امرتسر، مبطع ریاض، ہند ۱۸۹۱ء مرزا غلام احمد قادیانی

☆ آئینہ کمالات اسلام، امرتسر، مطبع ریاض، ہند ۱۸۹۳ء مرزا غلام احمد قادیانی

☆ براہین احمدیہ مرزا غلام احمد قادیانی جلد ۱، ۱۸۷۹، ۲، ۱۸۸۰ جلد ۳۔ جلد ۱۸۹۵ء مرزا غلام احمد قادیانی

☆ برکات الدعاء، مرزا غلام احمد قادیانی، مطبع ضیاء الاسلام، قادیان ۱۳۱۰

☆ برصغیر میں اسلامی جدیدیت پروفیسر عزیز احمد اردو ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور 1989ء

☆ بیس بڑے مسلمان۔ عبدالرشید ارشد۔ مولانا پریس لاہور 1975ء

☆ پاک و ہند کے علماء اسلام کا اولین متفقہ فتوی۔ مولانا محمد حسین بٹالوی۔ دار الدعوۃ السلفیہ لاہور۔
طفیل آرٹ پریس نومبر 1986ء

☆ پاکستان کا اسلامی پس منظر۔ آغا اشرف۔ نواز پرنٹنگ پریس لاہور 1983ء

☆ پنجاب کی سیاسی تحریکیں۔ ملک عبداللہ۔ کوثر پبلشر پرنٹرز لاہور 1982ء

☆ تاریخ احمدیت۔ دوست محمد شاہد۔ لاہور آرٹ پریس نیو انارکلی لاہور
☆ تازیانہ عبرت، ابوالفضل مولوی محمد کرم دین، دبیر مسلم پرنٹنگ پریس، لاہور،
☆ تائید الاسلام۔ غایت المرام۔ محمد سلیمان منصور پوری۔ کریمی پریس لاہور 1344ھ
☆ تبلیغ رسالت۔ میر قاسم علی قادیانی۔ ضیاء الاسلام پریس قادیان
☆ تبلیغ ہدایت۔ مرزا بشیر احمد۔ ضیاء الاسلام پریس ربوہ دسمبر 1945ء
☆ تحریک اسلامی۔ پرویز خورشید احمد۔ نوائے وقت پرنٹرز لاہور نومبر 1962ء
☆ تحریک آزادی ہند اور مسلمان۔ ابوالاعلیٰ مودودی سید۔ وفاقی پرنٹنگ پریس ایبک روڈ لاہور 1946ء
☆ تحریک پاکستان۔ صاحبزادہ عبدالرسول۔ ایم۔اے۔برادرز اردو بازار لاہور مارچ 1972ء
☆ تحریک جدید کے پانچ ہزار مجاہدین۔ چوہدری برکت علی خان قادیانی۔ نصرت آرٹ پریس ربوہ جون 1959ء
☆ تحریک ختم نبوت۔ شورش کاشمیری۔ مکتبہ چٹان پریس لاہور 1976ء
☆ تحریک شیخ الہند۔ مولانا سید میاں محمد۔ استقلال پریس لاہور مئی 1974ء
☆ تحفۂ گولڑویہ، مرزا غلام احمد قادیانی، مطبع ضیاء الاسلام قادیان، ۱۳۱۰ء
☆ تذکرہ المھدی۔ پیر سراج الحق نعمانی۔ ضیاء الاسلام پریس قادیان
☆ تذکرۃ الشہادتین مرزا غلام احمد قادیانی، مطبع ضیاء الاسلام قادیان، ۱۹۲۲ء
☆ تریاق القلوب، مرزا غلام احمد قادیانی، مطبع ضیاء الاسلام، قادیان ۱۹۰۳ء
☆ ترجمان السنۃ۔ مولانا محمد بدر عالم میرٹھی۔ تاریخ اشاعت پنجم مئی 1971ء المکتبہ السّلفیہ لاہور نمبر 2
☆ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ۔ علامہ اقبال۔ مترجم سید نذیر نیازی۔ ناشر بزم اقبال لاہور
☆ تصدیق المسیح والمھدی۔ مرزا بشیر احمد۔ ضیاء الاسلام پریس قادیان 1917ء
☆ تعلیمی پاکٹ بک، قاضی محمد نذیر، ربوہ، انجمن احمدیہ پاکستان، ۱۹۷۷ء
☆ توضیح المرام، مرزا غلام احمد قادیانی، مطبع ضیاء الاسلام، قادیان، ۱۸۹۱ء
☆ چشمہ معرفت مرزا غلام احمد قادیانی، گورداسپور، مطبع انوار احمدیہ ۱۹۰۸ء
☆ جنگ مقدس، مرزا غلام احمد قادیانی، مطبع ضیاء الاسلام، قادیان ۱۸۹۳ء
☆ چشمہ مسیحی، مرزا غلام احمد قادیانی، قادیان مطبع میگزین ۱۹۰۶ء
☆ حرف اقبال۔ لطیف احمد شیروانی۔ جواپریٹو پرنٹنگ پریس لاہور جولائی 1947ء
☆ حرف محرمانہ ڈاکٹر غلام جیلانی برق غلام علی اینڈ سنز لمٹیڈ لاہور ۱۹۴۷ء
☆ حقیقۃ النبوۃ۔ مرزا بشیر الدین محمود۔ طبع ثانی اکتوبر 1925ء مطبوعہ ضیاء الاسلام قادیان
☆ حقیقۃ الوصیت، مرزا غلام احمد قادیانی، قادیان مطبع ضیاء الاسلام، قادیان، ۱۹۰۷ء

☆ حمامۃ البشریٰ، مرزا غلام احمد قادیانی، امرتسر، مطبع ریاض ہند، ۱۸۹۴ء
☆ حیات عیسیٰ۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ شوکت پرنٹنگ پریس لاہور فروری 1977ء
☆ خاتم النبیین، انور محمد شاہ سید کشمیری، ادارہ مجلس علمی کراچی، جاوید پریس کراچی، ۱۳۸۷ھ
☆ ختم النبوۃ فی الحدیث۔ مفتی محمد شفیع دیوبندی۔ علیمی پریس دہلی 1364ھ
☆ ختم النبوۃ فی القرآن۔ مفتی محمد شفیع دیوبندی۔ برقی پریس دہلی 1355ھ
☆ ختم النبیین، انور احمد رضا خان بریلوی، مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۹۸ء
☆ ختم نبوت اور تحریک احمدیہ پر تبصرہ۔ ابو قیصر آدم خان۔ ضیاء الاسلام پریس ربوہ 1976ء
☆ ختم نبوت کی حقیقت مرزا بشیر احمد۔ سعید آرٹ پریس حیدرآباد 1953ء
☆ ختم نبوت، سیدہ ابوالاعلی مودودی اسلامک پبلی کیشنز لمٹیڈ شاہ عالم مارکیٹ لاہور
☆ ختم نبوت۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ وفاق پریس لاہور اپریل 1977ء
☆ ختم نبوہ۔ الصارم الربانی علی اسراف القادیانی۔ احمد رضا خان بریلوی مولانا کمبائن پرنٹرز لاہور 1983ء
☆ خطبات امیر شریعت۔ مجاہد الحسینی۔ پاکستان آرٹ پریس فیصل آباد 1984ء
☆ خطبہ الہامیہ، مرزا غلام احمد قادیانی، قادیان، مطبع ضیاء الاسلام، قادیان ۱۹۰۰ء
☆ دافع البلاء مرزا غلام احمد قادیانی، قادیان مطبع ضیاء الاسلام، قادیان ۱۹۰۷ء
☆ درثمین (اردو (کامل)، احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور ۱۹۵۱ء
☆ ذکر اقبال۔ عبدالمجید سالک۔ بزم اقبال۔ مکتبہ جدید پریس لاہور 1983ء
☆ رد تکفیر اہل قبلہ۔ مولوی محمد علی لاہوری۔ مطبوعہ انجمن اشاعت اسلام 1926ء
☆ رسالہ تحفہ بغداد سیالکوٹ، پنجاب پریس ۱۸۹۲ء
☆ روحانی خزائن مرزا غلام احمد قادیانی، الشرکۃ الاسلامیہ (بوہ نے مرزا غلام اور قادیانی کی تصانیف کو ۲۳ جلدوں ہیں روحانی خزائن کے نام سے چھاپا ہے۔
☆ رئیس قادیان۔ مولانا رفیق لاہوری۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان جون 1990ء
☆ ست بچن، مرزا غلام احمد قادیانی، امرتسر، مطبع ریاض، ہند ۱۸۹۵ء
☆ سراج منیر، مرزا غلام احمد قادیانی، قادیان، مطبع ضیاء الاسلام، ۱۸۹۷ء
☆ سلسلہ احمدیہ۔ محمد شریف۔ اللہ بخش سٹیٹ پریس قادیان 1937ء
☆ سید عطاء اللہ شاہ بخاری۔ شورش کاشمیری۔ مکتبہ چٹان پریس لاہور 1978ء
☆ سیرت مرزا شریف احمد، بابو منظور الٰی قادیانی، الشرکۃ الاسلامیہ لمٹیڈ، ربوہ، س۔ن

☆ سیرت المھدی۔ مرزا بشیر احمد۔ وزیر ہند پریس امرتسر دسمبر 1922ء

☆ سیرت مولانا محمد علی مونگیری۔ سید محمد الحسنی شکیل پرنٹنگ پریس آرام باغ کراچی 1946ء

☆ سیف چشتیائی، پیر مہر علی شاہ گولڑوی، گولڑہ شرف، ای۔۱۱، اسلام آباد

☆ شمس الھدایۃ فی حیاۃ المسیح پیر مہر علی شاہ گولڑوی، گولڑہ شریف ای۔۱۱، اسلام آباد

☆ شہادۃ القرآن۔ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی۔ علمی پرنٹنگ پریس لاہور جون 1958ء

☆ صداقت حضرت مسیح موعود۔ مقدمہ بہاول پور۔ جلال الدین شمس۔ نیو سٹار پرنٹنگ پریس لاہور 1983ء

☆ عسل مصفی خدا بخش مرزا قادیانی۔ وزیر ہند پریس امرتسر اگست 1913ء

☆ عشرہ کاملہ۔ مولانا محمد یعقوب خان پٹیالوی۔ مطبع اسلامیہ لاہور ذی الحجہ 1342ھ

☆ علامات قیامت اور نزول مسیح۔ مولانا محمد رفیع عثمانی۔ مشہور آفسٹ پریس کراچی 1984ء

☆ فتح اسلام، مرزا غلام احمد قادیانی، امرتسر مطبع ریاض ہند، ۱۸۹۰ء

☆ قادیان سے اسرائیل تک ابو مدثرہ/ مولانا سمیع الحق۔ موتمر المصنّفین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور

☆ قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ۔ پروفیسر محمد الیاس برنی۔ ناشر شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار لاہور۔ اشرف پریس لاہور

☆ قادیانی مسئلہ سید ابو الاعلی مودودی، اسلامک پبلی کیشنز لمٹیڈ شاہ عالم مارکیٹ لاہور

☆ قادیانی مسئلہ۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ افضل پرنٹرز لاہور۔ ایڈیشن چہارم نومبر 1989ء

☆ قادیانیت مطالعہ و جائزہ۔ ابوالحسن ندوی سید۔ اشرف پریس لاہور 1970ء

☆ قادیانیوں کے خلاف اعلیٰ عدالتوں کے فیصلے۔ فیاض اختر ملک۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان اشاعت اول اکتوبر 1993ء

☆ قادیونیوں کے عقائد و عزائم، مولانا تاج محمود تنظیم تحفظ ختم نبوت، فیصل آباد

☆ کتاب البریہ، مرزا غلام احمد قادیانی، قادیان مطبع ضیاء الاسلام ۱۸۹۸ء

☆ کچھ شکستہ داستانیں کچھ پریشان تذکرے۔ اشرف عطاء سندھ ساگر اکیدمی لاہور استقلال پریس لاہور 1966ء

☆ کشتی نوح، مرزا غلام احمد قادیانی، قادیان مطبع ضیاء الاسلام ۱۹۰۲ء

☆ کشف الغطاء مرزا غلام احمد قادیانی، قادیان مطبع ضیاء الاسلام ۱۸۹۸ء

☆ گورنمنٹ انگریز اور جہاد، مرزا غلام احمد قادیانی مطبع ضیاء الاسلام ۱۹۰۰ء

☆ لکچر اسلام، مرزا غلام احمد قادیانی، سیالکوٹ، پنجاب پریس ۱۹۰۴ء

☆ مباحثہ راولپنڈی۔ جماعت احمدیہ راولپنڈی۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام راولپنڈی 1937، مسلم پرنٹنگ

پریس لاہور۔

☆ مباحثہ راولپنڈی۔ ابو العطا جالندھری، مسلم پرنٹنگ پریس لاہور
☆ مجدد اعظم۔ ڈاکٹر بشارت احمد۔ مرکنٹائل پریس لاہور مارچ 1944ء
☆ محمدیہ پاکٹ۔ عبداللہ معمار۔ مکتبہ سلفیہ لاہور۔ زاہد بشیر پرنٹرز لاہور
☆ مرزائیت نئے زاویوں سے۔ مولوی محمد حنیف ندوی۔ مکتبہ ادب و دین پریس لاہور
☆ مرزائے قادیان اور علماء اہل حدیث۔ مولوی محمد حنیف ندوی۔ ثنائی پریس لاہور
☆ مرقاۃالیقین فی حیاۃ نورالدین۔ حکیم نورالدین بھیروی۔ ناشر انجمن اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگ لاہور
☆ مقیاس النبوۃ مولانا محمد عمر اچھروی، دار المقیاس اچھرہ لاہور
☆ مکاشفات، بابو منظور الٰہی قادیانی الشرکۃ الاسلامیہ لمٹیڈ، ربوہ، س۔ن
☆ ملائکہ اللہ۔ مرزا بشیر الدین محمود۔ مطبوعہ الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ
☆ ملت پاکستان کا موقف۔ اراکین قومی اسمبلی پاکستان۔ ایس ٹی پرنٹرز راولپنڈی
☆ مواہب الرحمٰن، مرزا غلام احمد قادیانی، امرتسر مطبع ریاض ہند ۱۹۰۳ء
☆ موج کوثر۔ شیخ محمد اکرم۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور 1992ء
☆ مہر منیر۔ مولانا فیض احمد فیضی۔ خانقاہ گولڑہ شریف پاکستان۔ انٹر نیشنل پرنٹرز لاہور 1976ء
☆ نجم الھدی، مرزا غلام احمد قادیانی، امرتسر مطبع ریاض ہند ۱۸۹۸ء
☆ نزول المسیح، مرزا غلام احمد قادیانی، امرتسر مطبع ریاض ہند ۱۹۰۱ء
☆ نزول مسیح۔ عبدالحق مرزا۔ ضیاء الاسلام پریس ربوہ
☆ نسیم دعوت، مرزا غلام احمد قادیانی، امرتسر مطبع ریاض ہند ۱۹۰۳ء
☆ ہمارے ہندوستانی مسلمان (ترجمہ ڈاکٹر صادق حسین) ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر۔ ناشر مکتبہ ناصریہ مین بازار حاجی آباد فیصل آباد اشاعت بار دوم 1975ء
☆ ہندوستان کے سلاطین علماء و مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر۔ سید عبدالرحمٰن صباح الدین۔ معارف پریس اعظم گڑھ 1964ء
☆ ہندوستانی سیاست میں مسلمانوں کا عروج۔ ڈاکٹر رفیق ذکریا۔ سپر پرنٹرز ساؤتھ انارکلی نئی دہلی اپریل 1985ء